

کارمینا

در د شکم، ہضمی، بھوک کی کمی،

آپہارہ، قبض، قے، دست

ہضم کی خسرابی

یہ اور معدہ اور دیگر کے دوسرے امراض آج کل عام ہیں۔ اور ان شکایتوں کا وجہ سے نہ صرف صحت خراب رہتی ہیں بلکہ کار بار اور زندگی کے دوسرے مشاغل پر بھی اثر پڑتا ہے۔ اچھا ہضم اور صحیح معدہ اچھی صحت کا ضامن ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ وہی ہیں جو کچھ آپ کھاتے ہیں۔ لیکن جب آپ کا کھانا ہوا جسم کو نہ گئے اور جڑ و بدن جو کہ خون بن کر آپ کو طاقت نہ پہنچائے تو کھانا پینا ہی بے کار نہیں ہوتا بلکہ نقصان دہ بن جاتا ہے۔

ہمدرد کی ایڈریزین اور ہمدرد مطبوں میں چیدہ جڑی بوٹیوں اور ان کے قدرتی نکلیات پر طویل تجربات اور سائنسی تحقیقات کے بعد ایک متوازن اور مفید دوا کارمینا تیار کی گئی ہے جو ہضم کی عجزیہوں کو دفع کرنے میں خصوصیت رکھتی ہے۔ کارمینا معدے پر نہایت خوشگوار اثر کرتی ہے اور اس کے افعال کو درست کرتی ہے جو ہضم کے فعل کے لیے جو شرطیں ضروری ہیں کارمینا ان کو مناسب مقدار میں پیدا کرتی ہے۔ جگر کی اصلاح کرتی ہے اور جگر کی حملہ خرابیوں کو درست کرتی ہے۔



بے شک جن تیزابیت، پیت کا بھاری پن، نفخ، ہضمی، پیت کا درد، گھٹی دکاریں، در د شکم، متلی اور قے، بھوک کی کمی، قبض یا معدہ اور جگر کی دوسری بیماریوں میں کارمینا کا استعمال نہایت مفید ہوتا ہے۔

کارمینا نظام ہضم کو درست اور قدرتی کر کے یقینی دوا ہے۔ ہر موسم اور ہر آب و ہوا میں ہر مزاج کے لوگوں کے لیے فائدہ بخش اور موثر ہے۔ بلا خطر استعمال کی جاسکتی ہے۔ کارمینا ہر گھر کی ایک ضرورت ہے۔

ہمدرد دواخانہ (دفتر) پاکستان
کراچی، شاہکار لاہور، حاشیام

ہمدرد

اپریل ۱۹۶۶ء

کراچی

جلد ۱-۱۸

شمارہ ۱

ماہر القادری

ترتیب

۳۳	ماہر القادری	در حزب اختلاف
۱۰	محمد نواز دایم۔ اے	عوی
۲۶	عبدالمطعم	حکیت
۳۲	جلال الدین ٹوکی — وارث سرمندی	ماہر القادری
۴۸	محمد زکریا مائل	کائنات
۵۰	حافظ لدھیانوی — جاوید احسن	
۵۱	مسٹر اے کے بروہی بیٹھکٹ	
۵۲	می

پبلشر: مسرور حسین

قیمت فی پرچہ ۲۲ پیسے

مقام اشاعت

پولے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول

متحدہ ہندوستان میں جب انگریزوں کی غلامی ہم پر مسلط تھی، اُس دورِ صبر و استبداد میں ہم نے برطانوی پالیسی اور انگریزی راج کے علی الرغم ترکوں کی عملاً حمایت و معاونت کی ہے، مولانا محمد علی جوہر کا شہرہ آفاق انگریزی مضمنا مہ کا مرثیہ ”مولانا ابوالکلام آزاد کا انقلاب آفرین جدیدہ“ اہل اہل ”ادان کے بعد مولانا محمد علی خاں کا ہنگامہ آرا اخبار ”زمیندار“ ترکوں کی حمایت کے لئے وقف تھے۔ اس قسم کی نظمیں ۱۔

بلغان چلو، بلغان چلو

اور

کہ رہا ہے اب شیر زار انگورہ چلو

بہت مقبول تھیں، اور ہندوستانی مسلمان اپنے ترک بھائیوں کی حمایت میں جوش سے لبریز تھے، ہر طرف اسلامی اخوت کی بقی رو رواں تھا! اشار و اخوت کا یہ عالم کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی آزادی سے زیادہ ترکوں کی آزادی عزیز تھی، اور وہ اس دینی جذبہ کے تحت کہ صدیوں تک آل عثمان کی تلواروں نے اسلام اور مملکت کی حفاظت کی تھی اور ہر محاذ پر معاندین اسلام کو نیچا دکھایا تھا۔

رئیس الاما اور مولانا محمد علی جوہر ترکی خلافت کی خاطر وفد لے کر انگلستان تشریف لے گئے، برطانوی شہنشاہیت کے عروج و شباب کا یہ وہ زمانہ تھا کہ بڑی بڑی حکومتیں برطانیہ کے چشم و اہمو کے اشاروں پر چلتی تھیں، مگر ہندوستانی مسلمانوں کے اس وفد نے ترکی کی حمایت میں انگلستان جا کر اُن خیالات کا اظہار کیا، جن کی بدولت دستِ زبرد برطانیہ کی پالیسی پر پڑتی تھی، دینی اخوت نے عواقب سے بے پروا ہو کر اس ایمانی حاکم کا مظاہرہ کیا، ترکی کو ہندوستان کے مسلمانوں نے طبعی و فطری بیچے سمجھا، اس جوش و خروش کے ساتھ قائم ہوا کہ ہندوستان کے گھر و دھڑ میں ایک ہل چل پیدا ہو گئی، فلسطین کا مسئلہ سامنے آیا تو سید امین الخطیب مفتی اعظم فلسطین ہندوستان تشریف لائے اور یہاں کے مسلمانوں نے اُن کی بڑی پذیرائی کی! — شریف حسین اور سلطان ابن سعود کے درمیان آویزش ہوئی، تو حجاز مقدس کے عقد کو سلجھانے کے لئے متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ممبائی کی جدوجہد کی! خلاصی کے زمانے میں ہمارا یہ عالم تھا کہ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی کسی مسلمان کے پاؤں میں

لانا چھٹتا تھا تو اس کی خلیش ہم محسوس کرتے تھے! اور ہر مسلمان ملک کا مسئلہ گویا ہمارا مسئلہ ہوتا تھا۔ وہ انگریز کی غلامی کا دور تھا، پاکستان بننے کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے آزاد ہو گئے، تدبیر و تقدیر اور تعمیر و ترقی کی زمام ہمارے اپنے ہاتھوں میں آگئی، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے مالک و مختار، حکومتوں سے جنگ و صلح کے تمام اختیارات ہمیں مل گئے! اور وہ تلوار بھی ہمارے قبضے میں آگئی، کہ جب قرطاس و قلم بیکار ہو جاتے ہیں تو لوگ شمشیر سے سیاسی عقدے واہرتے ہیں!

حقائق اس تہذیب کے بعد ہم پر عرصہ کرنا چاہئے میں نزاع و تصادم اور صوب و ضرب کے مقابلہ میں "امن" بہ ہر حال اچھی چیز ہے! ہر انسان کو طبعاً امن پسند اور صلح دوست ہونا چاہئے! پاکستان اور ہندوستان ہمسایہ ملک اور مسایہ جگہ میں ہیں، یہاں کے رہنے والے صدیوں ایک وطن کے باشندے ہونے کی حیثیت سے ساتھ ساتھ رہے ہیں، س لئے دونوں ملکوں کی اسی میں بھلائی ہے کہ ان کے تعلقات خوش گو قرار دیں۔ اور دونوں ملک ایک دوسرے کے حق مساہنگی کا س دلخاظ کریں، پڑوسیوں میں کبھی کبھار جھگڑا بھی ہو جاتا ہے اور پھر صلح و صفائی ہو کر لڑکیاں دودھی ہو جاتی ہیں!

اس حقیقت کا ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ ہندوستان میں سبھی لوگ جن شنگھی اور ہما سجاتی نہیں ہیں۔ وہاں جے پیکاش لائن، راج گوپال اجاریہ اور ونو ساجے جیسے دھڑا تڑا تڑا بھی پائے جاتے ہیں جو انسانی سجاتی چارے کے بہت بڑے حامی اور مبلغ ہیں اور ہندوستان کے مسلمانوں کو شنگھی دیکھنا چاہتے ہیں، ہما تھا کا مذہبی کی اس قربانی کو نہیں بھگایا جا سکا کہ بھارت کے پرلین حال مسلمانوں کی حمایت کے جرم میں انہیں گولی کا نشانہ بننا پڑا، ہندوستان میں اس ذہنیت کے ہندو بھی پائے جاتے ہیں جو اسکا اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمدن و تہذیب بھارت کو نکھارا اور ترقی بخا دی ہے، ہزاروں لاکھوں ہندو اور سکھ اہل قلم اور ادرا باب ذوق آندھنیان کے دل و جان سے نشیدائی ہیں، امہیں ذاتی طور پر اس کا تجربہ ہے کہ مدراس اور ممبئی میں وزیر اکا مرحلہ بڑی آسانی سے ملے ہو گیا، اور ہمارا مسلمان اور پاکستانی ہونا اس راہ میں رکاوٹ نہیں بنا، عوامی اور جمہوری حکومت کی یہ کراہت ہے کہ بھارت میں مسلمانوں کے اخبار و مال کی حکومت پر بڑی آزادی اور حرات کے ساتھ تنقید کرتے ہیں! افریقہ پر ج کی ادائیگی کیلئے جتنی سہولتیں۔۔۔ ہندوستانی مسلمانوں کو حاصل ہیں، اتنی سہولتیں پاکستان میں میسر نہیں ہیں!

مگر

اس تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ تقسیم ہند کے بعد بھارت کے معاشرے اور حکومت برہما سجاتی اور جن شنگھی ذہنیت سلطہ ہوتی اور سجاتی چلی گئی، الیا محسوس ہونے لگا کہ ہزاروں سوچے اور لاکھوں سادہ کے حباب تک چھپے بیٹھے تھے، ایک انکی منظر عام پر آ گئے ہیں، سوار پشیل آئینہاں کے اشتقاق تارنے اس سلم دشمن ذہنیت کو پوری طرح غذا پہونچائی، یہاں تک کہ راجند پرشا دھیسے کا گھریبی نیتا سبھی مسلم قلت کے معاملے میں بے پردا بن گئے، پنڈت جواہر لال نہرو کو جن شنگھی مزاج اور ہما سجاتی ذہنیت سے کوئی مناسبت اور سلی سچا نہ تھی، ن کی مجیدی کا یہ عالم تھا کہ آندھنیان کے وہ انتہائی مداح اور مہمد و غیر خلع ہوتے رہتے تھے سبھی سچا وہ اس کے لئے کچھ نہ کر سکے۔

یہ واقعہ ہے کہ بھارت میں مسلمانوں پر معیشت و روزگار کی راہیں جان کر تنگ کی گئی ہیں، خاص طور سے سرکاری محکموں میں کن لا تعداد تناسب آدھی کے لحاظ سے تیزی کے ساتھ گھٹتی چلی جا رہی ہے۔ حکومت اور محکموں کے حدود سے آندھنیان کو صرف س لئے دلیں نکالا دیا گیا ہے کہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے! تعلیمات کے نصاب میں اس قسم کے انکار و دخیالات کو سمیا گیا ہے، جن سے سلام اصلیت اسلامیہ کے بارے میں نفرت و مخالفت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اسلامی رعایات و معتقدات کو بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے۔

ان کتابوں کو پڑھ کر ہندوستانی مسلمانوں کی نئی پیدا پنے مذہب کے بارے میں بے گمان ہو جائے گی اور کہیں کہیں اس "ذہنی خدمت" کے آثار نمایاں بھی ہونے لگے ہیں!

تفہیمِ ہند کے بعد سے اب تک ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کو قتل و غارت گری بے اہمیتی، عصمتِ رسی اور خون اور آسروں کے جن دردناک سانحوں سے گزرنا پڑا ہے، ان کا کوئی شمار و حساب نہیں، مسلمانوں کو آکھاٹنے، مٹا دینا دکنے اور انہیں خوف زدہ نہ ہونے اور کم بہت بنانے کے لئے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کام ہوتا ہے اور ہر سال کہیں نہ کہیں جیل بیلنگیلا اور جیلنگیلا کا کوئی نہ کوئی قتلِ مسلمانوں کے لئے تیار ہو جاتا ہے، پولیس جو عوام کے جان و مال اور عزت و آبرو کی محافظ ہے۔ وہ قانون اور پولیس کی ہر طرح سے پشت پناہی کرتی ہے اور عدالتیں جن سے انصاف کی توقع کی جاتی ہے وہ ان قاتلوں، ظالموں اور غارت گروں کو عام طور پر بھی گناہ دیتا ہے۔

ہر مذہب حکومت میں ایک "شہری" کی شخصیت بڑی اہمیت رکھتی ہے، مگر یہ ظلم ہندوستان ہی میں دیکھنے میں آیا کہ لاکھوں مسلمانوں کو مذہبی پاکستان کی سرحدیں ڈھکیل دیا گیا اس ظلم و خرافات کا مقصد یہ کہ ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد میں کمی واقع ہو جائے، دوسری طرف پاکستان کی معاشیات کو لاکھوں آدمیوں کا بار اٹھانا پڑے! یہ صورتِ حال بین الاقوامی قانون کی کھلی ہوتی خلاف ورزی ہے! مگر وہ جو پرانی کہادت ہے کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے — یہی صورتِ اس قسم کے ظالمانہ سانحوں میں پیش آرہی ہے!

روداداری اور امن و دوستی کے نام پر ان زخموں سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا، اور جو کوئی روداداری کی اس انتہا تک پہنچا ہوا ہے! اُس کے اندر دینی غیرت باقی نہیں رہی، صلح و صفائی اور امن و دوستی کے اعلان اور معاہدوں کو عسل کا میا ہی اسی وقت میں سنا سکتی ہے جب کہ طرفین کی جانب سے میلان اور جھکاؤ نظر نہ آئے، تالی ایک نامتھ سے نہیں بکا کرتی! اعلانِ ناخشنود کے بعد ہی ہندوستان میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں کھیلے خزانے ڈینکے کی چوٹ اس کا اعلان کیا گیا ہے کہ ہندوستان کی تفہیم و تھارنی مٹی، اسے ہمیشہ کے لئے خوش دلی کے ساتھ قبول نہیں کیا گیا، پاک و ہند کی تفہیم کی اس گیر کوٹ جانا چاہئے پاکستان اور ہندوستان کے ایک ہو جانے ہی سے ایشیا میں امن قائم ہو سکے گا، اس کے بعد اس شہرہ سبک منگھنے اس خطرناک فتنہ کی طرح ڈالی ہے کہ —

"جب تک مسلمان عورتوں کو پردے سے باہر نہیں لایا جائے گا، مسلمان مرد، مذہب و عورتوں کے لئے خطرہ بنے رہیں گے۔" (دہشتِ روزہ کھنڈر)

کیا یہ دوستی کی باتیں ہیں! صلح و امن چاہئے۔ دالے کیا ایسے فتنے کھڑے کیا کرتے ہیں؟ — ہم اور تفہیم سے بچا چکے ہیں کہ انگریز کی خلاصی کے بعد میں ہم نے دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کی مطلوبیت اور پلیننگیلا کی پر احتجاج اور آن کی ہولناکیاں مد کی ہے — دنیا کی سب سے بڑی آزاد مسلم حکومت کے مالک و مختار ہوتے ہوئے ہم ایسے بے دست و پا ہو گئے ہیں کہ اس ظلم و ستم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، کیا قیامت کے دن ہم سے اس مغفلت کی باز پرس نہ ہوگی، اکی اُس دن روس، امریکہ، برطانیہ اور تجارت "اعلانِ ناخشنود" کے نام پر ہماری وکالت کر سکیں گے۔

پاکستان اور ہندوستان کی حالیہ جنگ کی تفہیم اور اُس کے محرکات و دواعیات اور محاذِ قب کے ذکر سے ہم سے قصداً گریز کرتے ہیں، اس سلسلہ میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس جنگ کا اصل محرک "مسک کشمیر" تھا! ہندوستان اور سیکورٹی کونسل نے کشمیر میں "استغراب دلتے حاتمہ" کے اصول اور شرط کو مان لیا ہے، اس لئے ہندوستان جس شرط کو تسلیم کر چکا ہے اُس کا ایسا

کنا چاہئے!

دعدہ کہتے ہر مگر دعدہ دفا ہوتا نہیں

میری قسمت تم سے اپنا بھی کہا ہوتا نہیں

اعلان تاشقند میں مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کی نہ کوئی ضمانت دی گئی ہے اور ضمانت کیسی، ایک حرف بھی اس بارے میں نہیں کہا گیا، پھر فریق ثانی یعنی ہندوستان اس کا بار بار اعلان کر چکا ہے، کہ کشمیر تجارت کا اڈا ہے، اس مسئلہ پر ہم بات چیت کرنے کے لئے ہی سرے سے تیار نہیں ہیں، اس صورت میں جو مسئلہ بنائے نزاع تھا، وہ بدستور اسی طرح موجود ہے۔ اس کے تصفیہ کے لئے ماہ اُسی وقت ہمارے ہر سکتی تھی کہ جنگ بندی اور فوجوں کی حالیہ مشروط ہوتی!

ہندوستان کے ارباب اقتدار کھلے بندوں اعلان کر رہے ہیں کہ اعلان تاشقند سے مسئلہ کشمیر کا کوئی فارمط ہی نہیں ہے۔ اس پاکستان کے ارباب کا اسکی خوش فہمی کا یہ عالم ہے کہ وہ اس اعلان سے تصفیہ کشمیر کی توقع رکھتے ہیں ایسی تاریخ کا ایک عجوبہ! جب فریق ثانی مسئلہ کشمیر کی ذمہ داری بھی اپنے سر لینے کے لئے تیار نہیں ہے، یہاں تک کہ اس مسئلہ پر گفت و گو کنا بھی چاہتا تو پھر اس خوش فہمی کو آخر کی نام دیا جاتے! یہ صورت حال کبھی قند اضطراب انگیز اور تکلیف دہ ہے! کسی ملک کی سیاست کو ایسے عجیب غریب مرحلے سے شاید ہی سابقہ پڑا ہو!

مصر اور اخوان

جمال ناصر اور اخوان المسلمون کے حالات کے تمام رخ منظر عام پر آ چکے ہیں، جن اہل قلم پر اس مسئلہ میں ذہول طاری ہو گیا تھا، جس کے سبب ان کے قلم نے جمال ناھر کی درج ادنا خان پر طنز و تعریض کی، ان کنا اپنے اس ذہول و غرض کی اللہ تعالیٰ سے منخضرت طلب کرنی چاہئے! عرب دنیا کی اتنی منظم دینی تحریک کو جس نظم و حکم کے ساتھ تباد و بہا دیا گیا ہے، وہ دین و اخلاقی بلکہ انسانیت کی دغا نگیز ٹریجڈی ہے! اخوان کی تباہی کو یہ نہیں ڈرامہ تھر میں کھیلا جا رہا ہے اور اسی پر مختلف قسم کے الزامات لگا کر جس خانہ سے لے کر پچاسی کے تختہ تک ہر عقربت اور مصیبت میں وہ مبتلا کئے جا رہے ہیں۔

ان خیالات کے لئے اسلامی اخوت کے نام پر جو تحریک مجاز مقدس سے اُٹھی ہے وہ بھی جمال عبدالناھر کو پسند نہیں ہے!

انہوں نے فرمایا ہے —

”یہ عرب ملکوں میں ترقی پسند تحریکوں کے خلاف ساحرا جیوں کی ایک ادسا سازش ہے اور

اسلامی معاہدہ کا یہ تصور بنایا نہیں ہے، ہم پہلے ہی ایسی سازشیں دیکھ چکے ہیں“

اسلامی اخوت اور ملت اسلامیہ کے اتحاد کے بارے میں یہودی بھی اسی قسم کے جذبات رکھتے ہیں، اور ان پر بھی یہ تحریک گراں اور شاق گزرتی ہے!

ناجیر یامین احمد بن بیلو کی شہادت عالم اسلام کا ناقابل تلافی نقصان ہے، یہ شخص اپنی جامعیت، اسلامی فکر و جوش اور دینی غیرت میں ایک امت کی برابر تھا۔ مگر بھائیہ اور اسرائیل کی طرح متحدہ عرب جمہوریہ بھی ان سے ناخوش تھی، مولانا عبداللہ صاحب ندوی اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں —

”الحاج احمد، ناجیر یامین نہیں بلکہ پورے افریقی براعظم میں اسلام کے مبلغ تھے، وفات

کا بلند قامت چوڑا چوکھڑا سینہ رکھنے والا مرد عموماً تنہا ہر درہل کے سیلاب کے سامنے ایک بند کا کام کر دیتا تھا، ان سے انگریز ناماں تھے، کہ یہ اسلام کا داعی اور اسلامی قندیل کے مبلغ ہیں، یہ وہاں لائے جاتے تھے، کہ اسرائیلی نفوذ کو اپنے ملک میں بڑھنے نہیں دے رہے تھے، عہدائے امر کے ہنوا اس لئے جلتے تھے کہ یہ کھلم کھلا اسلامی اتحاد کے داعی تھے۔

اللہ سنتے

دعویٰ یہ تھا کہ عرب، بھارت، کل یہاں ابومسلم کے عظیم مندوب کی تعمیر شروع ہوئی، مقرر کے ذہن نے صدائے امر کی طرف سے دو تھر مندوب کی بنیادیں رکھے، ان دو چٹانوں پر مچھ کے چار قدم دیناؤں کی صورتیں بنی ہوئی تھیں، ان دو لوگوں کو تھیل کے نیچے مذہبی سائنس نے دو نئے قرآن کے رکھے اور اللہ نے مقرر کے قومی دستور کے.....

مستقبل اللہ بتول کے نیچے قرآن کریم کے نئے.....!

سے آسمان رات کو بود و گریہ بیاں دہریں

خدا کی قسم ہم بے حس اور بے غیرت ہو گئے ہیں، وہ تنہا ہی مدح فرسا خبر انگاروں پر لٹا دینے کے لئے کافی ہے!! مقرر میں حکومت کی طاقت کے زور سے جمالی ناصر صاحب کے ماتب کی شہنشاہی راج رہی ہیں، اخبارات انہیں معرکات ہند کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ریڈیو انہی کی قصیدہ خوانی کرتا ہے، ملک کی آزادی سمٹ سٹا کر ایک شخص کی مٹھی میں آگئی ہے، اللہ تم یہ ہے کہ اس امرت کو جہوریت کا نام دے دیا گیا ہے! آہ! آج مصر میں آزادی گنتی کتاب اور اسلام کس قدر مظلوم ہے۔

صدق جدید کائنات میں مولانا حبیب ریحان ندوی جو پالی کا ایک مکتبہ شائع ہوا ہے، جس کے آفائیں صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ مصر میں حفظ قرآن پر ہزاروں لہند صرف کئے جاتے ہیں اور مصر کے رب عظیم تری شیخ مصطفیٰ اسماعیل کو حکومت مصر نے تھمہ دے کر فی تجوید و قرأت کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس تفصیل

مفکر اعظم

کے بعد وہ لکھتے ہیں:۔۔۔

۔۔۔ ہم لوگ حید کے دن نفیستہ الشیخ عبدالحمید الدبیانی شیخ الجامعہ دہلی اسلام آباد کے حید کی مبارک یاد دینے گئے، چند رسمی جملوں کے بعد شیخ نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی غیرت پر بھی میں نے کہا مجھے یہ نہیں انشا اللہ شک ہے ہوں گے، وہ تو پاکستان میں رہتے ہیں، کہنے لگے وہ تو دراصل ہندوستان ہی ہیں، یہ تعلیم تو بعد کر ہوتی ہے اور اسلامی رشتہ سے قوی ہے، الغرض ہم لوگ ۱۰ منٹ بیٹھے، جس میں سے ۳ منٹ تک مولانا کی تفکیر ان کی تالیفات اور نقطہ نظر کی تعریف کرتے رہے، کہنے لگے، ان سے بڑا مفکر اسلامی دنیا میں کوئی دوسرا نہیں، دین و دنیا کا جو جامع تصور انہوں نے پیش کیا ہے، وہ کتاب وسنت کے عین مطابق ہے!

نیز کمیز نرم، کپڑے ازم اور دوسرے اقتصادی نظاموں کے مقابلے میں انہوں نے اسلامی نظام اقتصاد کی شرحیں کی ہیں اور قانون اسلامی کے متحقق کئے عالم عربی و اسلامی میں شغل راہ کار دہر رکھتی ہیں۔

ان کی تازہ کتاب "حرکت تجدید النسل" برصغیر کنٹرول کی تعریف کرتی ہے۔ ہمدردانہ سوز کی
بھی تعریف کی، کچھ لکھ مودودی صاحب کی تفکر میں منطقی تسلسل ہے اور پڑھنے والے کو وہ
ایک طرف قائل بناتے ہیں اور دوسری طرف اپنی شخصیت کا گھمبہ بھی! میں نے مودودی صاحب
کو دیکھا نہیں ہے، میری سب سے بڑی تمنا ہے کہ ان (مولانا مودودی) کو ایک فیصلہ کن ٹول۔

اسلامی یونیورسٹی دہلی سے ان کو دعوت نامہ ارسال کر چکی ہے کہ وہ لیسیا کی زیارت کریں، لیکن کبھی وہ
مصرف ہتے ہیں اور کبھی جیل میں! اس سال بھی دعوت نامہ ارسال کیا ہے۔
مولانا نے محرم! شیخ کے ان جملوں سے اس قدر خوشی ہوئی کہ میں بتا نہیں سکتا، یہ تو مجھے پہلے سے
جب سے مہراں عالم عربی میں آیا ہوں، یعنی سات سال سے معلوم ہے کہ مولانا مودودی کی شخصیت
دنیا بھر اسلام میں سرزمین عجم کی سب سے مشہور شخصیت ہے، مولانا کی پجاس (دہ)

آمد کو کہلا کا عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے، سحر کی لذات اوقاف نے ان کی ایک کتاب ایک لاکھ کی تعداد
میں چھاپی تھی۔ پچھلے سال مودودی عرب میں ان کی بعض تقریریں اور لٹرائے سے بعض پمفلٹ پارانہل
کی تعداد میں چھپے، لیسیا کا ہر پڑھا لکھا آدمی مولانا کا عاشق ہے اور ان کی
وہ کتابوں کی سیٹ اپنے پاس رکھتا ہے، جس دن مولانا پاکستان میں گرفتار
ہوئے تھے تو لیسیا کے ریڈیو اور اخبارات نے حکومت پر سخت تنقیدیں کی تھیں
بعض طلباء نے غم کے اثر سے دو دن تک گویا خاموش اسٹراک کی تھی، ہینز
شام، فلسطین، اردن، سوڈان ہر جگہ مولانا مودودی سب سے عظیم اسلامی کاتب کی
حیثیت سے مشہور ہیں۔ لیکن میں نہیں سمجھتا تھا کہ شیخ الجامعہ جیسے عظیم عالم کی بھی
یہ رائے ہوگی، حالانکہ اس سے قبل شیخ الانہر شلوت مرحوم کے لفظ مبارک سے بھی تقریباً اسی
کے قائل تھے۔ یہ حال مجھے انتہائی خوشی ہوئی اور میں نے خدا سے پاک کے
دوبار میں سجدہ شکر ادا کیا کہ اس نے مودودی صاحب کی شہرت کے ذلیعہ پردیس میں ہم لوگوں کی
عزت بھی رکھی۔

اس واقعہ کے نقل کرنے کے یہ بھی نہیں ہیں کہ مودودی صاحب کے انکار سے بھی میں مکمل طور پر متفق
ہوں یا یہ کہ مودودی صاحب محض عن الخطا ہیں، لیکن اتنا ضرور دیکھوں گا کہ سرزمین ہند کو
اس کا دس فیصد بھی علم نہیں کہ پورے عالم اسلامی میں ایران سے لے کر

مراکش تک اور ترکی سے لے کر سوڈان تک مولانا کا کیا مقام ہے !

اور ہندوستانی دہاکستانی صحافت کو بھی میرا مشہور ہے، جس کا کام "مولانا" کی تعبیری غلطیاں پیش کرنا ہے کہ وہ کسی تعبیری کام میں اپنا وقت صرف کرے، اسلام اس کا نام نہیں کہ دوسرے کی غلطیاں نکالی جائیں بلکہ دنیا کے سامنے مرض کی تشخیص کیجئے اور علاج پیش کیجئے، مگر نہ مودودی صاحب نے جو مرض تشخیص اور جو علاج پیش کیا ہے، ہندوپاک کے چند علماء کو چھوڑ کر پورے عالم اسلامی نے اس مرض کو مہلک جانا ہے اور اس علاج کو بھی مانا ہے۔

ابن ہنگول کو کیا کہتے جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تشخیص و تذلیل بلکہ بروہری کے درپے ہیں اور مولانا مودودی کو سنٹی لاپنے والی کبھ اس نکالتے ہیں۔ اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں دنیا بھی اُسے صحیح تسلیم کر رہی ہے، حالانکہ ایسی اوجھی بالوں سے یہ حضرات خود اپنے وقار کو گرا رہے ہیں۔

پاک و ہند کی جنگ کے دوران ایک صاحب نے حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ مولانا مودودی کو عرب ممالک میں بھیجنے کی غلطی نہ کی جائے۔ یہ ممالک ہیں ان کا اثر یوں ہی سا ہے۔ اس مکتوب کو پڑھ کر ان صاحب کا فیمیر کلاش! ندامت محسوس کر سکے۔

"فاران" میں مولانا مودودی کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، اس تعلق خاطر اور اعتراف کا سبب صرف "دینی خیر خواہی" ہے! میں مدینہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدافعت کے لئے مولانا مودودی نے ہر محاذ پر نبرد آزما کی ہے، اُن کا قلم ۴۰ سال سے دین کی خدمت کے لئے وقف ہے، اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھائی ہیں، یہاں تک کہ پچاسی کی کال کو ٹھری بھی ان کی استقامت میں چلک پیدا نہیں کر سکی! ہم اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ عرب کے صف اول کے مشاہیر علماء اور اسبابِ فکر مولانا مودودی کے بارے میں وہی جذبات اور خیالات رکھتے ہیں جو ہمارے دل و دماغ میں موجزن ہیں، یہ تو اردو نہیں بلکہ "عربی" نواز ہے، اللہ تعالیٰ مودودی صاحب اور دین کے تمام مخلص خدمت گزاروں کو خدمتِ دین کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے اور ساتھ ہی معاندین کے شر سے محفوظ رکھے۔ (دآمین)

ماہر اتمہ درمی
۱۵ مارچ ۱۹۶۶ء

محمد نواز دایم - (اے)

اسلامی جمہوریت اور حزب اختلاف

پاکستان کے نظریاتی استحکام کا انحصار دو باتوں پر ہے :

● پہلی یہ کہ قرآن و سنت کو منبع ہدایت اور اولین مآخذ قانون تسلیم کیا جائے اور ملک کے دستور میں حاکمیت اور مطلق قرآن و سنت ہی کو حاصل ہو اور

● دوسری یہ کہ ملک میں حکومت کا ڈھانچہ جمہوریت ہی کی بنیاد پر استوار کیا جائے۔ یہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے وہ پاکستان میں اب طے شدہ ہے۔ اسے مستحکم کے دستور میں بھی تسلیم کیا گیا تھا۔ اور مارشل لاء کے بعد جو دستور نافذ کیا گیا ہے اس میں بھی یہ بات نمایاں طور پر شامل ہے اس بات میں اب کسی قسم کے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ ایک طے شدہ بات ہے اس کے خلاف کوئی شخص کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ صرف اسی ایک بات نے ہمارے ملک کو دارالاسلام کا درجہ دے کر اسے مسجد کی طرح محترم اور مقدس بنا دیا ہے، اس ملک کی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ منصب تک کے سارے کام عبادت کی تعریف میں آتے ہیں۔ ————— لہذا اس طے شدہ بات کے سلسلے میں مزید گفتگو کرنا تحصیل حاصل ہے !

دوسری بات، یعنی ملک کے حکومتی ڈھانچہ کو جمہوریت کے مسئلہ اور متفق علیہ اصولوں پر استوار کرنا۔ — اس سلسلے میں بعض حضرات کے ذہنوں میں خلفشار پایا جاتا ہے۔ بالخصوص ہمارے ہاں کے بعض مذہبی لوگ اس سلسلے میں حد درجہ الجھے ہوئے ہیں۔ یہ نہایت ہی درد انگیز صدمت حال ہے کہ جس طبقہ کو سب سے زیادہ آگے بڑھ کر جمہوریت کے فروغ اور اس کی بحالی کے سلسلے میں کوشش کرنی چاہئے تھی وہی دین ہی کے نام پر اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے، حالانکہ جمہوریت اسلام سے مختلف چیزیں نہیں بلکہ اسلام کے اجتماعی نظام کا ایک لازمی وصف ہے، کیا کوئی یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ آنادای، مساوات اور اخوت اسلام کے لازمی اوصاف ہیں اور کیا کسی کے پاس اس بات کی دلیل ہے کہ حریت، نفاذ آئین، اجتماع اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں یا اسلام قانون اور عدلیہ کی برتری کے مخالف ہے اور کیا ان کے بنیادی اور اسلامی حقوق کی بحالی کا مطالبہ غیر اسلامی ہے۔

اگر ساری باتیں اسلامی ہیں اور اسلام ہی کے لازمی اوصاف ہیں تو پھر اس جمہوریت کو جو ان ساری باتوں کا جامع عنوان ہے آخر جو کچھ غیر اسلامی قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا خلافت راشدہ کا نظام جمہوری نہیں تھا۔ کیا خلیفہ مسلمان رائے عامہ کا نمائندہ نہیں ہو سکتا تھا، کیا اکابر صحابہ کے معاملات باہمی مشورہ سے طے نہیں ہوا کرتے تھے اور کیا خلیفۃ المسلمین اپنی شوری کے مشورہ کی پابند نہیں ہو سکتا تھا اور کیا خلافت راشدہ کے نظام میں قانون اور عدلیہ کی برتری حاصل نہیں تھی۔ اگر خلافت راشدہ کے نظام میں جمہوریت کی یہ ساری خصوصیات شامل ہیں تو پھر جمہوریت کو خلافت راشدہ کا مظہر اور پیکر نہیں سمجھا جاتا؟

اتنی واضح اور صاف بات کے باوجود یہ زندگانِ دین بھی کہتے ہیں کہ جمہوریت کے ساتھ اسلامی کے لفظ کا اضافہ کرنا ایسے جیسے کیونرم کے ساتھ اسلامی کا لفظ استعمال کیا جائے۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ اسلام میں محبِ اختلاف کا سرے سے تصور ہی نہیں فرمایا جاتا ہے کہ ساری امت ایک جید واحد ہے، اس لئے اس کے اندر تجدید واجب ہے دین کے نام پر کوئی منظم عت بنانا لافز پیدا کرنے کے مترادف ہے اور کبھی دود حاضر کی جمہوریتوں کے آمرانہ ایڈیشنوں پر واہ واہ اور سبحان اللہ کے ڈونگے برسائے جاتے ہیں۔

خدا معلوم یہ ساری باتیں علم و مطالعہ کی کمی کی بنا پر ہی یا کچھ مخصوص محرکات کی بنا پر، وجہ خواہ کچھ بھی ہو، لیکن یہ طعنے سے کہی جاتی ہیں کہ اوسط درجے کا پڑھا لکھا آدمی بھی حیران ہو کر حیرت کرتا ہے کہ آخر ہمارے ان بزرگانِ دین کو کیا پتا ہے؟ جمہوریت کی یہ مخالفت آخر کیوں کی جارہی ہے۔ کیا واقعی غیر جمہوری نظام حکومت ملک و ملت کے لئے آیہ رحمت ہے؟ جمہوریت کی راہ روکنے سے دین کو سر بلندی اور سرفرازی نصیب ہوگی اور کیا اس سے آخرت میں بھی درجہ بلند ہوئے؟ پھر بد قسمتی سے ان مخالفین میں وہ حضرات بھی ہیں جو جماعت اسلامی سے الگ ہوئے ہیں اور جماعت سے الگ ہونے کی بعض سری وجہ میں سے ایک اہم اور بنیادی وجہ یہ بھی بتائی گئی تھی کہ جماعت کے بحری نظام میں مولانا مودودی کی حیثیت ایک امریکی ہے ان میں سے بعض حضرات جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی مخالفت میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں جہاں مخالفت پرانے لفت ہوتی ہے، جیسے کوئی کسی کے درپے آنا ہو جائے، ہجرت ہے کہ پندرہ سولہ سال ایک تحریک سے وابستہ رہنے، ایک مقصد اور طریق کو اپنانے اور اس پر قائم رہنے اور اس کی صداقت کا خدا اور خلقِ خدا کے سامنے حلف اٹھانے کے بعد وہ جماعت سے الگ تھے اور اس شانِ ادعا کے ساتھ علیحدہ ہوئے کہ جماعت کا مقصد بھی غلط، جماعت کا طریق کار بھی غلط، یہاں تک کہ خود جماعت نا بھی غلط! جو لوگ برسوں کی رفاقت کے بعد بھی حق کو نہ پہچان سکے، اور سالہا سال رزیمِ خویش م غلط طریق کار کی ایت کرتے رہے، ان کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنے نئے موقف پر نہ جانے کب تک جھے رہتے ہیں اور اسے چھوڑ بیٹھتے ہیں! انکو عمل کے اس تون کا اگر کسی کو مشاہدہ کرنا ہو تو ان زندگوں میں سے صرف کسی ایک زندگی کی خریدوں مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے، ان میں نمایاں تضادات ملیں گے، کہیں اقامتِ دین کو ایک اہم فریضہ قرار دیا جاتا ہے اور میں اسے ”خط“ سے تعبیر کیا گیا ہے، کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ جماعتی زندگی واجب ہے اور کبھی تنزیہاً دہرنا ہے کہ جماعت ہی امت میں فتنہ کے مترادف ہے، کبھی شمولیت کے لغیب اور داعی کی حیثیت اختیار کر لی جاتی ہے تو کبھی جمہوریت کی مخالفت سحریت کے جواز میں سامانِ دوزخسم صرف کر دیا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض ہوشیار حضرات براہِ راست نصب العین پر محمد کرنے کے بجائے ان ذرائع اور وسائل کی مخالفت دہ کر دیتے ہیں جو جماعت نے اپنے نصب العین تک پہنچنے کے لئے اختیار کر رکھے ہیں، انہی ذرائع میں سے ایک ذریعہ امتحانات کا اور آج کل کے حالات میں دوسرا ذریعہ جمہوریت کی کامل اور مکمل بحالی کا ہے۔ حالانکہ مقصد جتنا اہم ہوتا ہے اس کے حصول کے آلت بھی اتنے ہی اہم ہوتے ہیں۔ نماز کا ادا کرنا اگر مقصد ہے تو وضو کرنا، جگہ کا پاک رکھنا، بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا، یہ سارے ذرائع نماز کی تکمیل کا سبب اور ذریعہ بنتے ہیں انتہائی ضروری ہیں۔ پیاس بجھانا اگر مقصد ہے تو اس کے لئے ”پانی“ کی تلاش اور جستجو کرنا بھی ن ہے کیونکہ اس کے بغیر پیاس بجھانے کا مقصد لوہا ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر ملک کا دفاع مقصد ہے اور جہاد یا قتال بھی فرض ہے، اس کے لئے ضروری وسائل اکٹھے کرنا، جنگی سامان جمع کرنا، تباہ کن ہتھیاروں کا ہسٹیا کرنا بھی تو اتنا ہی فرض ہے اگر آپ یہ

سمجھتے ہیں کہ ملک کی اجتماعی زندگی پر خدا کا دین غالب اور یہ مقصد ملک و ملت کے دنیاوی مفاد کے نقطہ نگاہ سے بھی اسد خود اپنی آخیت کی کامیابی کے خیال سے بھی — آپ کے نزدیک کسی دہجہ کی بھی اہمیت کا حامل ہے تو اس مقصد کے حصول کا واحد ذریعہ جمہوریت کی کامل اور مکمل بحالی ہے اگر جمہوریت بحالی نہیں ہوتی تو غلبہ دین کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدسیت کا مد سے کوئی معجزہ صادر فرما دے تو بات دوسری ہے ورنہ جہاں تک تاریخی تجربات اور انسانی سرچ کا تعلق ہے ان کا فیصلہ یہی ہے کہ جمہوریت کی کامل اور مکمل بحالی ہی وہ لازمی اور ضروری ذریعہ ہے جس کی مدد سے خدا کا دین اس ملک میں حکمران بن سکتا ہے، جو شخص جمہوریت کی راہ میں حاصل ہوتا ہے وہ خواہ علم و تقویٰ کے کتنے ہی اونچے بزرگ ہو یہ کیوں نہ بن سکتا ہو وہ دراصل خدا کے دین ہی کے غلبہ کی راہ کا سنگ گراں ہے۔

سردست اس بحث کو جانے دیجئے کہ جمہوریت کا پارلیمانی نظام ہمارا مفید مطلب ہے یا اس کا صدارتی نظام۔ اس بحث کو اس سے نیا وہ کوئی اہمیت حاصل نہیں کہ ایک شخص لاہور جانے کے لئے یہ فیصلہ کرے کہ کراچی سے لاہور جانے والی گاڑیوں میں کس گاڑی میں سفر کرنا چاہئے یا بالآخر ٹرین سے جو لاہور تاخیر سے پہنچتی ہے یا خیر میں اور تیز گام کے ذریعے جو لاہور جلد پہنچاتی ہے۔ اس میں اختلاف ملے۔۔۔ ممکن ہے — لیکن اس بات میں ہرگز اختلاف رائے نہیں ہونا چاہئے کہ سرے سے لاہور جانے والی گاڑی ہی پر سفر نہ کیا جائے بلکہ گھر بیٹھ کر، آنکھیں بند کر کے صرف ”لاہور“ لاہور کی تسلیعیں سمھاتے ہیں اور یہ توقع رکھیں کہ کہیں سے کوئی غیبی ہاتھ نمودار ہو کر معجزانہ طور پر پہنچا دے گا۔

جمہوریت! جماعت اسلامی کے نزدیک ”جمہوریت“ کی بحالی ہی وہ گاڑی ہے جسے ذریعہ بنا کر اسلامی نظام کے غلبہ کی جماعت اسلامی منزل مقصود تک پہنچا جا سکتا ہے۔ پارلیمانی نظام اس منزل تک پہنچنے کے لئے ایک تیز رفتار ذریعہ ہے اور جمہوریت کا صدارتی نظام بھی منزل تک پہنچانے کا ایک صحیح ذریعہ ہے بشرطیکہ جمہوریت ہی کا صدارتی نظام ہو اور یہ قول علامہ اقبال ”آمرت کا دیلا سنبھاد“ جمہوری قیام میں ”پا سے کوب نہ ہو۔“

جس جمہوریت کی بحالی کے مطالبہ کی تائید کی سعادت جماعت اسلامی کو حاصل ہے، اس کا یہ سادہ سادہ مفہوم امیر جماعت کے الفاظ میں حسب ذیل ہے —

”ملک کسی خاص شخص یا طبقہ اور گروہ کا نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کا ہے جو اس میں رہتے ہیں، لہذا اس کا انتظام ان سب کی یا کم از کم ان کی اکثریت کی مرضی کے مطابق چلنا چاہئے اور اس کو اصولاً یہ حق اور عسلاً یہ موقع حاصل ہونا چاہئے کہ اپنے حکمران اپنی آنا د مرضی سے جنس اور اپنی آنا د مرضی سے ان کو تبدیل کر سکیں۔ اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کی بہت سی مشکلیں دنیا میں اختیار کی گئی ہیں اور بہت سی نئی مشکلیں بھی ہو سکتی ہیں، بحث اس کی خاص شکل میں نہیں بلکہ اس امر میں ہے کہ جو شکل بھی یہاں اختیار کی جاتی ہے، اس میں جمہوریت کی یہ حقیقت فی الواقع موجود ہوتی ہے یا نہیں اگر یہاں کوئی ایسا نظام قائم کر دیا جائے جس میں باشندگان ملک کی نہیں بلکہ کسی خاص طبقہ کی مرضی کو غلبہ حاصل ہو تو خواہ اس پر کتنے جلی حروف ہیں ”جمہوریت“ کا سرعنوان لکھ دیا جائے اس پر عام لوگوں کو مطمئن ہونا اور مطمئن رہنا بہر حال ممکن نہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ اسے کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے سب یا اکثر تبدیلی کا دلی تعاون حاصل ہو سکے۔ ایسے نظام سے

اگر دل چاہی ہو سکتی ہے تو اس طبقہ کو ہو سکتی ہے جس کی مرضی اس میں غالب ہو سلیک سڈ طبقے کی پٹنی طرف یہ کہ کسی ملک کی فساد و بربادی کی ضمانت نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی عین فطرت میں یہ چیز شامل ہے کہ وہ رفتہ رفتہ عام لوگوں کی دلچسپی کی ضد ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ یہ اتحاد ایک کشمکش میں تبدیل ہو کر رہتا ہے اس نقصان دہ صورت حال میں مبتلا ہونے سے ملک کو بچانا ضروری ہے اور اس کی صورت صرف یہ ہے کہ تمام وہ لوگ جو ملک کے آئندہ نظام کی تشکیل پر افسانہ انداز ہو سکتے ہیں پہلے جمہوریت کے اصول کو صدق دل سے قبول کر لیں اور پھر نیک نیتی کے ساتھ ایسا نظام بنائیں جس میں اصول ٹھیک ٹھیک کا نفاذ ہو۔

(ترجمان القرآن - اشادات اگست صفحہ ۵۵۴)

اس کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے :-

”جمہوریت کے متعلق میں بار بار اپنی تحریریں اور تقریریں میں یہ بات اچھی طرح واضح کر چکا ہوں کہ اسلام میں جمہوریت کا جوہر موجود ہے مگر جمہوریت کے اسلامی تصور اور جمہوریت کے مغربی تصورات میں بڑا فرق ہے۔ اسلام اسلام کی لامحدود حاکمیت کا قائل نہیں ہے، بلکہ خدا کی حاکمیت کے تحت عمومی خلافت کا قائل ہے۔ اس عمومی خلافت کے اختیارات چونکہ کسی شخص یا خاندان یا گروہ میں مرکوز نہیں ہوتے بلکہ یہ حیثیت جمعی اور عمومی ملت کو حاصل ہوتے ہیں اور یہی اس کا حجاز ہے کہ جس کو چاہے ان اختیارات کے استعمال کے لئے منتخب کرے۔ اس لئے شخصی اور گروہی حکومت سے تمنا نہ کرنے کے لئے اسلام کے طرز حکومت کو جمہوری حکومت کہا جاسکتا ہے یہی اسلام کا مخصوص تصور جمہوریت ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ دنیا بھر میں جمہوریت کا ایک ہی معروف اور متفق علیہ تصور ملتا ہے۔ مغرب میں بھی جمہوریت کے مختلف تصورات ہیں۔ مثلاً سرمایہ دارانہ جمہوریت، اشتراکی جمہوریت وغیرہ موجود ہیں۔ ان کے بالمقابل اسلام کے طرز حکومت کو اسلامی جمہوریت کا نام دیا جاسکتا ہے ای اسلامی جمہوریت کو میں نے فقیر ڈیرا کر لیبی کے نام سے تعبیر کیا ہے اس اصطلاح سے بھی مراد جمہوریت ہی کی قسم ہے، جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہے“ (ترجمان القرآن فرقہ ۱۵۷ ص ۱۸۱)

اسلامی جمہوریت کے اس تصور کی مزید وضاحت اپریل ۱۹۶۷ء کے ”ترجمان“ میں ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے :-

”جب یہ حقیقت مسلم ہے کہ اسلام کا نظام بادشاہت، آمریت، یا محدود مذہبی طبقے کے تسلط کا متحمل نہیں ہے بلکہ وہ اصول شریعت پر کام کرتا ہے یعنی ابواب امر کے انتخاب، توفیق و انصاف اور تصدیق اور میں مسلم سوسائٹی کو باہمی مشورے پہنچانے کا چاہئے اور انصاف کی تعبیر اور اجتہاد کے تحت میں اسلام کے مفاد کے ساتھ عامۃ المسلمین کے مفاد و مصالح کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی نظام کے ان عناصر کو موجودہ دور کی ذہان اندوزی کے مفاد کے لحاظ سے کس طرح بیان کیا جائے۔ ایک شکل نئی اصطلاح وضع کرنے کی ہو سکتی ہے مگر یہ اس صورت میں درست ہوتی جب کہ نئی اصطلاح پہلے سے وضع ہو کہ دنیا میں خصوصاً پاکستان میں اپنے مفہوم خاص کے ساتھ جانی جا چکی ہوتی۔ اب نہیں ہوا۔ پھر دوسری شکل یہ رہ جاتی ہے کہ موجودہ الفاظ کو فرسٹا احتیاط

کے ساتھ استعمال کیا جائے اور یہی دوسری شکل پاکستان میں اختیار کی گئی ہے۔ ”جمہوریہ اسلامیہ“ کے الفاظ جمہوریت کو دو اقسام میں بانٹتے ہیں۔ ایک اسلامی دوسرے غیر اسلامی۔ اور پھر یہ الفاظ پاکستان کے لئے جمہوریت کی اس خالص شکل کو پیش کرتے ہیں جو اسلامی ہے۔
(ترجمان القرآن اپریل ۵۸ء ص ۵۸)

اسلامی جمہوریت کی نمایاں خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

- اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت مطلق اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور مسلمان جمہور اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی کو نافذ کرنے کے پابند ہیں اور نہ کہ دنیاوی اصول حکم اللہ علی الناس بالناس بالحق ہے۔
- بہاست کے تینوں شعبے۔ انتظامیہ، عدلیہ، مقننہ۔۔۔۔۔ کا دائرہ اختیار واضح طور پر ملگ ہوگا۔
- شہری آزادیوں اور دنیاوی حقوق کی ضمانت اور عدلیہ کا ان کے تحفظ پر قیام رہنا۔
- انتخابات کی آزادی اور اس کی حفاظت کے لئے ایسی قانونی اور انتظامی تدابیر جن سے یہ اطمینان ہو سکے کہ انتخابات نتائج فی الحقیقت رائے عام کے مطابق نکل سکیں گے۔
- قانون کی حکمرانی یعنی یہ امر کہ داعی اور دعاویا کے لئے ایک ہی قانون ہو اور سب اس کے پابند ہوں اور عدالتوں کو یہ ہو کہ یہ سب پہلے لاگ طریقے سے وہ اس کو نافذ کر سکیں۔

● ملازمین حکومت کا خدشہ وہ سول سروس سے تعلق رکھتے ہوں یا فوج سے سیاست میں داخل نہ ہونا اور اس ہیئت کی اطاعت قبول کرنا جسے باشندوں کی اکثریت آئینی طریقے پر ملک کا اقتدار سونپ دے۔

یہ سارے اصول ایک جمہوری نظام کے ایسے لازم ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی ساتھ لے دیا جائے یا ساقط نہ ہی ہو گیا ہو جائے تو جمہوریت بے معنی ہو جاتی ہے اور پھر وہی خوبیاں ظاہر ہو کر رہتی ہیں جو کسی نہ کسی نوع کی بے نقاب یا نقاب پوشی سے دھندل رہی ہیں۔
(ترجمان القرآن اگست ۵۸ء صفحہ ۵۸)

جمہوریت کا یہی وہ تصور ہے جس کے فروغ اور جس کی بحالی کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ فوراً ہی اس تصور میں کوئی سا پہلو ہے بین الاقوامیت کے نقطہ نگاہ سے ناقابل قبول ہے۔

جو بندگان دین فرماتے ہیں کہ جمہوریت کے اس تصور کو ”اسلامی“ نہیں کہا جاسکتا۔ اگر ان کی اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر تسلیم ہو جائے گا کہ ریاست پاکستان کا نام ”اسلامی جمہوریہ پاکستان“۔۔۔۔۔ بھی غلط ہے۔ آخر وہ کیا وجہ بتائی کہ ہمارے ملک کے علماء کے ایک قابل اہتمام گروہ نے جمہوریہ پاکستان کے ساتھ ”اسلامی“ کے لفظ کا اضافہ کیا تھا۔

اس کے علاوہ اعتراض کرنے والے حضرات ہیں جو اکثر جمہوریت کی مختلف اصطلاحات اور ان کے استعمال کے باہمی فرق سے بھی غریب ہیں۔ اس بات کو مولانا محمد علی نے ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے:۔

” واضح رہے کہ اصل نام انگریزی میں ”اسلامک ری پبلک آف پاکستان“ تحریر کیا گیا۔ یہی پبلک لفظ جمہوریت کے مقابلے میں مختلف مفہوم رکھتا ہے۔ جمہوریت کا اطلاق وہاں ہو سکتا ہے جہاں لازماً حاکمیت کا سرچشمہ عوام، دل اور مجرد عوام کی مرضی اور ان کی خواہشات نظام زندگی کی تشکیل کریں لیکن یہی پبلک کے مفہوم کا دائرہ وسیع ہے اس کا اطلاق ایسی ریاست اور ایسے معاشرہ پر بھی ہو سکتا ہے

جس کی بنیاد خدا کی حاکمیت کے تصور پر ہو اور عوام بطور خود صاحب حاکمیت نہ ہوں نہ ان کی مرضی اور ان کی خواہشات آنوی فیصلہ کن طاقت ہوں۔ لیکن ری پبلک میں اپنی بات ضرور ہوتی ہے، عوام کی رائے اور عوام کے مفاد کو نظام حکومت کے کام کرنے میں غفل حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ لفظ روس اور چین کی سیاستوں کے لئے بھی اختیار کیا گیا ہے۔ روس سوشلسٹ سویت ری پبلک آف یو سی اے۔ چنانچہ اس کا نظام زندگی کا اصولی نوعیت سوشلسٹ کے لفظ میں بیان کی گئی ہے اور اس کے طریق عمل کو لفظ ری پبلک سے واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں نظام زندگی کی اصولی نوعیت "اسلام" سے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی مسوامیت کے پہلو کو نمایاں کرنے کے لئے لفظ "ری پبلک" اختیار کیا گیا ہے۔

(ترجمان القرآن اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۲)

جو حضرات اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ اسلامی جمہوریت کی اصطلاح کا استعمال بالکل ایسا ہے جیسے اسلامی کمیونزم کی اصطلاح انہیں اس مسئلہ پر ایک دوسرے نااہل سے لگا ہوا لڑائی کرنا چاہئے کہ ۱۔ بات متفق علیہ ہے کہ بینک کا موجودہ نظام غیر اسلامی ہے اس کا سارا دار و مدار سود پر ہے لیکن اگر فرض کیجئے کہ کسی وقت اس میں سود کو ختم کر دیا جائے اور اس کے سارے نظام کو مضاربت کے اصول پر مضبوط کیا جائے تو کیا پھر بھی بینک کے اس نظام کو "اسلامی" کہنا غلط ہوگا۔ اسی طرح بینک کی موجودہ شکل میں جو اس سود نشا فل ہے اس لئے اس کے لئے سود کو غیر اسلامی قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن فرض کیجئے اس نظام میں سے بھی سود کو ختم کر دیا جاتا ہے اور اسے اسلام ہی کے بتائے ہوئے معاشرتی تحفظ یا مکتفات عامہ کے اصول پر استوار کیا جاتا ہے تو کیا اس اصطلاح و ترمیم کے بعد بھی اسے غیر اسلامی سمجھا جائے گا اور اگر کوئی شخص ایسے بینک کو "اسلامی بینک" اور ایسے بینک کو "اسلامی بینک" کہے تو آپ اسے یہ کہہ کر رد کر دینگے کہ اسلامی بینک اور اسلامی بینک کی اصطلاحیں ایسی ہیں جیسے "اسلامی جگہ" یا "اسلامی شراب خانہ"۔ خود فرمائیے۔ اسلامی بینک کی اصطلاح کے ساتھ "اسلامی بینک" کی اصطلاح کو کیا نسبت ہے۔ اسی طرح اسلامی جمہوریت کی اصطلاح کا اسلامی کمیونزم کی اصطلاح کے ساتھ آٹھ آٹھ کیا جڑ ہے۔

جمہوریت کی وجہ سے شمار اقسام جو دنیا میں مختلف نسلوں میں رائج رہی ہیں یا آج کل رائج ہیں ان کی خرابی کے بنیادی اسباب مزید تین ہی ہیں۔ پاکستان میں جس جمہوریت کی بجائی کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ الی ٹیلز اسباب سے پاک ہے، ٹیلز اسباب کے دودھ ہو جانے وجہ سے جمہوریت کا "مغری" تصور بھی صلی بن جاتا ہے اور وہ اسباب مولانا مودودی کے الفاظ میں یہ ہیں ۱۔

"اول یہ کہ جمہور کو مختار و مطلق (SOVEREIGN) فرض کر لیا گیا ہے اور اس بنا پر جمہوریت کہ مطلق العنان بننے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ جب جائے خودمانی کائنات میں مختار و مطلق نہیں ہے تو ان لوگوں پر مشتمل کوئی جمہور کیسے حاکمیت کا اہل ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر مطلق العنان جمہوریت قائم کرنے کی کوشش آٹھ آٹھ جزیر پر ختم ہوتی رہی ہے وہ جمہور پر چندا دیوں کی عملی حاکمیت ہے اسلام پہلے ہی تمام پراس کا صحیح علاج کر دیتا ہے وہ جمہوریت کو ایک ایسے دنیا قانون کا پابند بناتا ہے جو کائنات کے اصل حاکم (SOVEREIGN) نے مقرر کیا ہے اس قانون کی پابندی جمہور اور اس کے سربراہ کا عمل کو لازماً کرنی پڑتی ہے اور اس بنا پر وہ مطلق العنانی کے سرے سے پیدا ہی نہیں

ہونے پائی جو بالآخر جمہوریت کی ناکامی کا سبب بنتی ہے۔

دوم یہ کہ کوئی جمہوریت اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک عوام میں اس کا بوجھ بھاری کے لائق شعور اور مناسب اخلاق نہ ہوں۔ اسلام اسی لئے عام مسلمانوں کو فرداً فرداً تعلیم اور تربیت پر زور دیتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایک فرد مسلمان میں ایمان اور احساس ذمہ داری اور اسلام کے بنیادی احکام اور ان کی پابندی کا ارادہ پیدا ہو۔ یہ چیز جتنی کم ہوگی جمہوریت کی کامیابی کے امکانات کم ہوں گے اور جتنی زیادہ ہوگی امکانات اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ سوم یہ کہ جمہوریت کے کامیابی کے ساتھ چلنے کا اخصا ایک پیلا اور مضبوط راستے عام رہے اور اس طرح کی راستے عام اسی وقت تک پیدا ہوتی ہے جب معاشرہ اچھے افراد پر مشتمل ہو، ان افراد کو صالح بنیادوں پر ایک اجتماعی نظام میں منسلک کیا گیا ہو اور اس اجتماعی نظام میں اتنی طاقت موجود ہو کہ برائی اور برے نہ چل سچوں کیلئے اور نیکی اور نیک لوگ ہی اس میں اجر کیلئے اسلام نے اس کے لئے سب سے اچھے تمام ضروری ہدایات دے رکھی ہیں۔

اگر مندرجہ بالا تینوں اسباب فراہم ہو جائیں تو جمہوریت پر عمل درآمد کی مشینری خواہ کی طرح کی بنائی جائے وہ کامیابی کے ساتھ چل سکتی ہے اور اس مشینری میں کسی جگہ کوئی قباحت محسوس ہو تو اس کی اصلاح کر کے بہتر مشینری بھی بنائی جاسکتی ہے اس کے بعد اصلاح اور ارتقاء کے لئے صوف اتنی بات کافی ہے کہ جمہوریت کو تجربے کا موقع ملے تجربات سے تدریج ایک ناقص مشینری بہتر اور مکمل تر بنتی چلی جائے۔

(ترجمان القرآن جون ۱۹۶۳ء)

یہ جمہوریت کا وہ تصور جس کی بنیاد کے لئے ہمارے ملک میں کشمکش کی جارہی ہیں اور جس کی تائید کا شرف جماعت اسلامی کو بھی حاصل ہے لیکن بعض بزرگان دین اس تصور کو نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جمہوریت کی کوئی تیسرا اسلامی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ جمہوریت کے لفظ کے ساتھ "مشرقی" کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے جماعت اسلامی پر برسنا شروع کر دیتے اور لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جماعت اسلامی گمراہ ہو گئی ہے اور اقامت دین کا نصب العین چھوڑ کر "مشرقی" جمہوریت کی داعی اور علمبردار بن کر رہ گئی ہے۔

یہ حضرات جمہوریت کا لفظ کی بجائی پر مختلف انداز میں جو اعتراضات وارد کرتے ہیں ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسلام میں حزب اختلاف یا حزب اعتدال کا کوئی تصور ہی نہیں نہ معلوم ان کے اس نظریے کا اصل مدعا کیا ہے تاہم یہ کہ جمہوری حکومت میں حزب اختلاف کے وجود کوئی واقعہ نا جائز نہ سمجھتے ہیں یا اس کی آڑ میں وہ جماعت اسلامی کی دینی حیثیت کو مجروح کرنا چاہتے ہیں کوئی نہیں جانتا کہ پاکستان میں جماعت اسلامی ہی وہ واحد منظم جماعت ہے جس کے دم قدم سے ملک کی حزب اختلاف کچھ بڑھ کر ہے۔ یہ مقدس ہستیاں غالباً یہ چاہتی ہیں کہ اپنے علم و تفریح کے زور پر حزب اختلاف کی وجود کو خیر اسلامی قرار دے دیا جائے اگر حزب اختلاف کو ایک منفرد خلافت اسلام ثابت کر دیا گیا تو جماعت اسلامی کا مرتفع پھر گامیائی غیر دینی اور داخلہ شیعہ سیاسی ثابت کیا جاسکتا ہے۔

قلعہ نظر اس بات کے کہ اسلام میں حزب اختلاف کا کوئی تصور ہے یا نہیں پہلے اس بات پر غور کر لیا جائے کہ ان علماء دین اور صالحین شریعت میں ان بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اس نتیجے میں اور کون کون سی باتیں لانا تسلیم کرنی پڑیں گی

حزب اختلاف — اگر آپ مطلق یہ بات تسلیم کر لیں کہ اسلام کے اندر حزب اختلاف کی اجازت نہیں تو آپ کو یہ بھی
 لازماً تسلیم کرنی پڑے گی کہ نظام خلاہ کسی بھی نوعیت کا ہو — غلط ہو یا صحیح — اس سے اختلاف نہیں
 لیا جاسکتا۔ غلط نظام کی اصلاح اور اس کے بدلنے کی کوششیں بھی نہیں کی جاسکتیں اور نظام خلاہ جس کا ہو یا استبداد کا اس کے خلاف
 اجتماعی طور پر آئینی حدود کے اندر ہتے ہوئے صلئے احتجاج بلند کرنا بھی غیر اسلامی فعل ہوگا۔ گویا یہ تصور آپ کو جھکسٹوں اور
 سادھوں کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے اور ایک مخصوص اور مختصر مذہبی دائرے کو چھوڑ کر زندگی کے اجتماعی دائرے سے قطعی
 لاتعلق رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔

— اگر آپ یہ بات تسلیم کر لیں کہ حزب اختلاف کا وجود غیر اسلامی ہے تو دوسری بات آپ کو بھی لازماً تسلیم کرنی پڑے گی کہ حکومت
 کرنے کا حق صرف اور صرف ایک پارٹی، ایک خاندان، یا ایک فرد کو ہے۔ جو اتفاق سے ایک دفعہ کسی نہ کسی طرح اقتدار پر قابض ہو گیا اسے
 اطمینان سے حکومت کرنے کا لامحدود خدائی حق مل گیا وہ خود خدایں بیچنے کو روکنے کا حق کسی کو نہیں، وہ اگر ”دین الہی“ تعینت کر کے
 نافذ کرے تو کسی حزب اختلاف کو اس کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہئے وہ الٹ لوں پر جبر اور استبداد سے حکومت کرے تو اسے کوئی جبرک
 نہیں کہہ سکتا، کیونکہ جب حزب اختلاف کا وجود غیر اسلامی ٹھہرا تو آپ اسے راہ دست بٹلانے، اس کی غلطیوں کا احتساب کرنے
 اور اگر وہ درست نہ ہو تو آئینی دائرے سے انتقال اقتدار کئے لئے اب کوئی دوسری منظم طاقت تو ملک کے اندر موجود نہیں اگر کوئی طاقت
 تھی تو اسے ہمارے بزرگان دین نے غیر اسلامی قرار دے دیا ہے۔ ان بزرگان دین کے اس خود ساختہ ”علم کلام“ کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام
 میں جمہوریت کے علاوہ آمریت، اشتراکیت اور منطابیت جیسی حکومتوں کو تو بواز کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے لیکن جمہوریت کے لئے اس مقام
 کے دھماکے بند میں کیونکہ ہمارے بعض علمائے حزب اختلاف کے وجود کو حرام قرار دے دیے۔ حزب اختلاف اگر نہیں
 ہوگی تو جمہوریت کیا خاک پر پاؤں چڑھے گی! —

— اگر آپ یہ بات تسلیم کر لیں کہ حزب اختلاف کا تصور غیر دینی ہے تو اس کے نتیجہ میں آپ کو تیسری بات پر بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ
 تاریخ اسلامی میں شان بن ابیہ اور نہرہاس سے اسلام میں سے جن جن بزرگوں نے اختلاف کیا، فرود آیا اجتماعی طور پر اصلاح اور
 انقلاب حکومت کی جس جس نوعیت کی جو کوششیں کیں وہ سب غلط تھیں کیونکہ وہ حاضر کے ان فقہاء کا فتویٰ ہے کہ اسلام میں حزب
 اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان بزرگان دین کی وہ ساری قرآنیاں اور وہ سارے کامائے جہاد کے تاریک صدی گھٹائیں ملتوں
 میں روشنی کے ایک مینار کی حیثیت رکھتے ہیں وہ سب کی سب بے حیثیت ہو کر سدھ جائیں گے۔ اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت سے ہم
 بے تعلق ہو کر سدھ جائیں گے اور ہمارے لئے قابل تقلید نمونے نسید، سجاد بن یوسف اور ابن ندایا ان کے خوشامدی اور
 حاشیہ بردار علماء و رمی بن کردہ جائیں گے۔

— اگر آپ یہ بات تسلیم کر لیں کہ حزب اختلاف کا وجود اسلام کے منافی ہے اور یہ تینوں باتیں بھی جو دینی یا ست کے اس
 نئے فلسفے کا لازماً نتیجہ ہیں آپ تسلیم کر لیں تو ان کے ساتھ ساتھ آپ یہ پوچھتی بات بھی لازماً ماننے پر مجبور ہوں گے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
 کا جو مدارہ دین نے قائم کیا ہے اس پر قائم رہنے اور اسے ہر قرار دھکنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالات میں جو مختلف نقشہ
 ہائے کار متعین کر کے دیئے ہیں ان پر عمل کرنا بھی ناممکن ہو جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے مسائل نظام کو درست کرنے کے لئے
 نامتو انسان اصول کی طاقتوں کو استعمال کرنے کی جدوجہد فرمائی وہ اس جدید فلسفہ کی روش سے سرج العین سمجھتی پڑے گی۔
 یہ ہیں وہ فرضی تاریخ جو ہر شخص کو لانا ملنے پڑیں گے ہمارے کم فرائوں کے اس خود ساختہ نظریہ پر ایمان لانے کا۔ ان کے

ساتھ ساتھ ایک عملی نتیجہ یہ بھی برآمد ہو گا کہ تجدید ماحیائے دین کی ان ساری مساعی پر پانی بھر جائے گا جو پہلے پندہ بیس برس سے اس ملک میں سرانجام دی جا رہی ہیں اور آئندہ کے لئے اصلاح اور انقلاب کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی کیونکہ حزب اختلاف کے تصور کو جو شخص خلافت اسلام قرار دیتا ہے وہ جمہوریت کے وجود کی نفی کرتا ہے اور جمہوریت کے وجود کا مخالف ہے وہ خواہ زبان سے اس کا اظہار کرے یا نہ کرے خواہ اس کی یہ نیت ہو یا نہ ہو، بالادادہ یا بلا ارادہ — وہ اسلامی نظام کے قیام اور اس کے غلبہ سے اس ملک کو اور ملک کے باشندوں کو محروم کرنا چاہتا ہے۔

اب خدا اس سوال کا جائزہ بھی لے لیا جائے کہ کیا اسلام میں حزب اختلاف کا کوئی تصور ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو مختلف حالات میں اس پر عمل کرنے کے لئے شریعت نے کیا رہنمائی دی ہے۔

اس موضوع پر حضرت سید اسماعیل شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "منصب امامت" اور محترم مولانا احسن اسلامی نے "اسلامی سیاست میں تہذیب کے حقوق و فرائض" — و اطاعت کی شرائط و حدود — میں اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ ہم ان دونوں بزرگوں کے نقطہ نظر کو مناسب تخفیف کے ساتھ ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ جو حضرات اس مسئلہ سے دلچسپی رکھتے ہیں انہیں ہم مشورہ دیں گے اور وہ مندرجہ بالا کتب کا خود بھی مطالعہ کر لیں۔

مسلمانوں کے چھوہ سمسارہ وعدہ حیات پر حکومتوں کی جتنی اقدام مسلط ہے، ان میں سے سب سے پہلی، سب سے زیادہ باہرکت اور سب سے زیادہ قابلِ اطاعت حکومت خلافت راشدہ کی حکمت تھی۔ کیا خلافت راشدہ میں، جس کی اطاعت بدل و جان کرنی چاہیے، حزب اختلاف کا وجود تھا اور اگر تھا تو خلفاء راشدین نے اس حزب اختلاف کو کس حد تک گوارا کیا اور اس کے لئے کیا حدود و عمل مقرر کیں۔ اس کا جواب مولانا امین احسن اسلامی نے بالوضاحت دیا ہے ان کی ایک تحریر کے مندرجہ ذیل اقتبارات ملاحظہ فرمائیں۔

اسلامی حکومت ان اختلافات کو بھی ایک وسیع حتمک اگلی کرتی ہے جو سیاسی نقطہ نظر کے اختلافات، تاویل کی غلطی اور فلسفیانہ طرزِ تفہیم سے پیدا ہوا کرتے ہیں خلافت راشدہ کے دور میں ان تمام سیاسی اختلافات کو گوارا کیا گیا جو عظیم و شہدادہ دلائل پر مبنی تھے۔ (VOLUME ۷) سے پاک تھے۔ سیاسی بردباری کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خلافت راشدہ کا آغاز ہی انصار و مہاجرین کی دو بڑی پارٹیوں کے امتزاج و ترکیب سے ہوتا ہے۔

الصار کا یہ مطالبہ یہ تھا کہ خلافت کا منصب باری باری انصار و مہاجرین دونوں میں منتقل ہوتا رہے ایک مرتبہ ایک مہاجر خلیفہ ہو دوسری مرتبہ ایک انصاری۔ مہاجرین نے انصار کے اس مطالبہ سے اختلاف کیا جس سے شدید تقسیم کی نذر لگنے لگی تھی۔ ان کے اندیشہ پیدا ہو گیا۔ لیکن انصار اور مہاجرین کے بڑے لیڈروں کی دماغدیشی نے بالآخر معاملے کو سلجھا لیا۔ اور حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی عمر بن خطاب کے لیڈر سعد بن عبادہ حضرت ابوبکر کی بیعت پر ماضی نہیں ہوئے اور ان پر قبائلی عصبیت کا ایسا شدید دھبہ پڑا کہ انہوں نے حضرت ابوبکر کے لیے سے زمانہ خلافت میں نہ تو ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور نہ ان کی وفات کے بعد حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کی بلکہ حکم کھلا لیے سے نظمِ اطاعت سے بالکل الگ ہے۔

اسلامی قانون کی رو سے سعد بن عبادہ کا یہ طرزِ عمل جاہلیت کا طرزِ عمل تھا اسلام کے خلاف

سخت کارروائی کی جاسکتی تھی۔ لیکن سیاسی رواداری کا یہ کمال دیکھیے کہ وہ پسے طغیان کے ساتھ اپنی ضد پھاڑے رہ جاتے ہیں اور کوئی معمولی سے معمولی سزا بھی ان کو نہیں دی جاتی :-

”انصار اور جہاگیرین کی ان دو بڑی پارٹیوں کے علاوہ خود جہاگیرین کے اندر بھی تین نمایاں پارٹیاں موجود تھیں۔ بنو امیہ کی پارٹی عثمان غنی کی قیادت میں، بنو زہرہ کی پارٹی سعد اور عبدالرحمن بن عوف کی سرکردگی میں، بنو ہاشم کی پارٹی حضرت علی اور عباس بن عبدالمطلب کی رہنمائی میں۔ اور ان میں سے بعض کا اختلاف حکومت کے ساتھ کھلا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کی حکومت نے انتہائی رواداری کے ساتھ اس اختلاف کو انگریز کیا۔ یہاں تک کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر صدیق کے ماتم کئی مہینے تک بیعت نہیں کی لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے ان کے خلاف کوئی کارروائی محض اس وجہ سے نہیں کی کہ ان کو علی مرتضیٰ جیسے ذمہ دار لیڈر سے بدگمانی نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اس اختلاف رائے کو کسی فتنہ کا ذریعہ بنائیں گے :-

”حضرت عثمان نے اپنے مخالفین اور ان کے پیروں کو جس حد تک انگریز کیا اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کو علم ہے انہوں نے نہایت مطلوبیت کے ساتھ نقل ہو جانا گوارا کر لیا لیکن اپنے مخالفین کو فتنہ کے نعرے دہانا گوارا نہیں کیا حالانکہ وہ اگر چاہتے تو یہ کر سکتے تھے امدیہ کرنے کا ان کو پورا حق بھی حاصل تھا“

(اسلامی سیاست میں شہریت کے حقوق و فرائض ص ۲۵)

حضرت علی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض اہلکاروں سے بدلتا اختلاف کیا۔ بالخصوص خلیفہ سوم کی خدمت میں پہلے اپنے اسٹے اپنے اور دوسرے لوگوں کے احساسات رکھے احساس برقراری و وفوں جلیل القند و عابد کے درجہ ان جو گفتگو ہوئی اس سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خلیفہ راشد کی پالیسیوں سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے امدان کی اصلاح کی کوششیں بھی کی جاسکتی ہیں۔

ایک بار لوگوں نے جمع ہو کر حضرت علی ابن ابی طالب کے سر پر ذمہ داری ڈالی کہ وہ حضرت عثمان کے پاس جا کر ان سے گفتگو کریں آپ ان کے پاس گئے اور فرمایا :-

”میرے پیچھے عوام ہیں جنہوں نے مجھ سے آپ کی ہایت گفتگو کی ہے مگر خدا کی قسم میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جس سے آپ ناواقف ہوں، نہ آپ کو کوئی ایسی بات سمجھا سکتا ہوں جس پر خود آپ کی نظر نہ ہو جو کچھ جانتے ہیں اسے آپ بھی جانتے ہیں کسی بات تک ہماری رسائی آپ سے پہلے نہیں ہوتی کہ ہم آپ کو اس سے آگاہ کر سکیں نہ کوئی بات ایسی ہے جس سے صرف ہم ہی واقف ہوں اور اب آپ تک پہنچا نہیں۔۔۔۔۔ لہذا اپنے نفس کے معاملے میں اللہ سے ڈیجئے کیونکہ آپ کو نہ اندھیرے سے روشنی کی طرف لانے کی ضرورت ہے نہ ناواقفیت سے علم کی طرف صحیح راہ بالکل واضح اور کھلی ہوتی ہے۔ دین کے نشانات اب بھی قائم ہیں۔ عثمان! جان لو کہ اللہ کے نزدیک سب سے افضل بندہ وہ امام عادل ہے جس کو خود بھی ہایت پر چلا نصیب ہوا احساس نے دوسروں کو بھی ہایت کی راہ دکھلائی۔۔۔۔۔“

حضرت عثمان نے جواب دیا :-

خدا کی قسم میں خوب جانتا تھا کہ لوگ یہی کچھ کہیں گے جو تم نے کہا۔ سنو! خدا کی قسم اگر میری جگہ تم ہوتے تو میں تم پر سخت گیری کرتا نہ خوب نکالتا نہ (بدظن طعن پٹنے کے لئے) اکیلا چھوڑ دیتا۔ میں یہ اعتراض لے کر نہ کھڑا ہوتا کہ تم نے حدود سچی کیوں کی؟ کسی حاجت مندی حاجت دانی کیوں کی؟ اللہ کیوں ایسے لوگوں کو ولایت کا منصب دیا جس قسم کے لوگوں کو عمرہ بھی یہ منصب دیا کرتے تھے۔ علی! میں تمہیں خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم نہیں جانتے کہ مغیرہ بن شعبہ اس منصب پر فائز تھے؟

حضرت علی نے جواب دیا: "ہاں" (خوب جانتا ہوں) عثمان! جانتے ہو نا کہ اسے عمرنے والی بنایا تھا۔

علی: ہاں

عثمان: پھر اگر میں نے رشتہ داری اور قرابت کی وجہ سے ابن عامر کو والی بنایا تو تم اس پر مجھے کیوں ملامت کرتے ہو؟

علی: میں آپ کو بتاتا ہوں کہ حقیقت حال کیا ہے۔ عمر نہیں کو والی بناتے تھے ان کا ہوتا ان کے سر پر ہوتا تھا۔ اس کے خلاف ایک حرف بھی ان تک پہنچتا تو اسے فوراً حاضر ہونے کا حکم دیتے اور پھر معاملے کو آخری حد تک پہنچا کر دم لیتے۔ یہی چیز ہے جو آپ نہیں کہتے۔ آپ خود کو دیکھ رہے ہیں اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نرمی بہتے لگتے۔

عثمان: "اللہ تمہارے قیامت داروں کے ساتھ بھی تو؟"

علی: "بلاشبہ ان کا مجھ سے قریبی رشتہ ہے لیکن دوسرے ان سے افضل ہیں؟"

عثمان: "تم جانتے ہو کہ عمر نے اپنی خلافت کے پورے عرصہ معاویہ کو والی بنائے رکھا پھر میں نے بھی انہیں والی برسر کار رکھا؟"

علی: "میں آپ سے خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں آپ جانتے ہیں نا کہ معاویہ عمر سے اس سے زیادہ ڈرتے تھے جتنا عمر کا خدام بننا اور ان سے ڈرنا تھا؟"

عثمان: "ہاں"

علی: اب صدمت حال یہ ہے کہ معاویہ آپ سے رائے لئے بغیر فیصلہ کرتے رہتے ہیں اور آپ کو خبر بھی نہیں ہوتی وہ لوگوں سے یہ کہتے پھر تمہیں کہ یہ عثمان کا حکم ہے یہ بات آپ تک پہنچتی ہے مگر آپ معاویہ کی تردید نہیں کرتے۔ (اسلام کا نظام عدل معصومہ ص ۲۵۵)

اس مکالمہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بعض اوقات اپنی رائے خلیفہ راشد کی بعض باتوں سے کس طرح اختلاف کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اس کا موقع نہ دیا۔ اختلاف یا تبدیل کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ مگر شورش برپا کرنے والوں نے انہیں اس کا موقع نہ دیا۔ خلافت راشدہ سے عام مسلمانوں کا اختلاف کا حق حاصل تھا چنانچہ خلیفہ اولی نے منصب خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے

ہی سب سے پہلے جس بات کا اعلان کیا وہ یہ تھی :-

• اگر میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے دوں تو میری مدد کرنا اور کچھ روی اختیار کروں تو مجھے

سیدھا کر دینا •

اسلام کا نظام عدل ص ۳۳۹ م

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے خلیفہ کی حیثیت میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-

”اگر میرے اند کوئی بھی دیکھو تو سیدھا کر دینا •“

عامۃ المسلمین میں سے ایک فرد اٹھ کر ناروق اعظم کو ان الفاظ میں جواب دیتا ہے ۔

”اگر تم نے میرے اند کوئی بھی دیکھی تو اپنی تلوار کی دھار سے مجھے سیدھا کر دیں گے“

حضرت عمرؓ نے اس پر صرف اتنا فرمایا : ”اللہ کا شکر ہے جس نے عمرؓ کی رعایا میں ایسے افراد بھی پیدا

کئے جو اسے اپنی تلوار کی دھار سے سیدھا کر سکتے ہیں •“

اسلام کا نظام عدل ص ۳۱۱ م

یہ نقد و احتساب کرنے والوں کی گویا حوصلہ افزائی تھی ۔

حضرت علیؓ کے زمانہ میں خوارج کے فتنہ نے سر اٹھایا یہ لوگ نہ صرف حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت البرصؓ اشعریؓ اور

عروبنؓ انصاریؓ کو دانتہ اسلام سے خارج کر کے انہیں واجب القتل سمجھتے تھے بلکہ ان کے نزدیک خلافت کا پورا نظام سراسر کفر و معصیت تھا

اور وہ اپنے نقطہ نظر کے لحاظ سے خوارج کو ایک شیعہ گروہ (ANARCHISM) کے علمبردار تھے ان کے اس سیاسی انداز ہی عقیدے

کے باوجود حضرت علیؓ نے ان کو پیغام بھجوایا کہ تم کو آنا دیکھا ہے جہاں چاہو رہو البتہ ہمارے اردبارے دینا یہ قراءت ہے کہ

نا جانے کسی کا خون نہیں بہاؤ گے بلکہ تمہیں پیدا کر دے گا اگر کسی پر ظلم نہیں ڈھاؤ گے آگمان ہاتھوں میں سے کوئی بات تم سے سرزد ہوئی تو پھر میں

تمہارے خلاف جنگ کا حکم دے دوں گا ۔

ان اقتباسات سے ذیل کی باتیں واضح طور پر نمایاں ہوئی ہیں :-

• خلافت راشدہ سے جس کی اطاعت بطیب خاطر ہونی چاہیے، بھی اختلاف کیا جاسکتا ہے چنانچہ خلافت راشدہ کے دور میں

صرف افراد ہی نہیں بلکہ حکومت سے اختلافات رکھنے والے گروہ بھی موجود تھے، حکومت سے اختلاف کرنے والوں میں صرف معمولی درجہ

کے انسان ہی نہیں تھے بلکہ حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ جیسی جلیل القدر ہستیوں بھی تھیں ۔

• اسلامی حکومت نہ صرف تعمیری اختلاف کو گوارا کرتی ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتی ہے اور دنیاوی حکومتوں کے برخلاف

اسلامی حکومت ایسے افراد اور گروہوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہیں کرتی جن کے نظریات حکومت سے متصادم ہوتے ہوں یا ایسے لوگوں

کو اسلامی حکومت اس وقت تک گوارا کرتی ہے جب تک کہ وہ عملاً آادہ فساد نہ ہوں جیسا کہ حضرت علیؓ کے طرز عمل سے واضح ہے جو انہوں

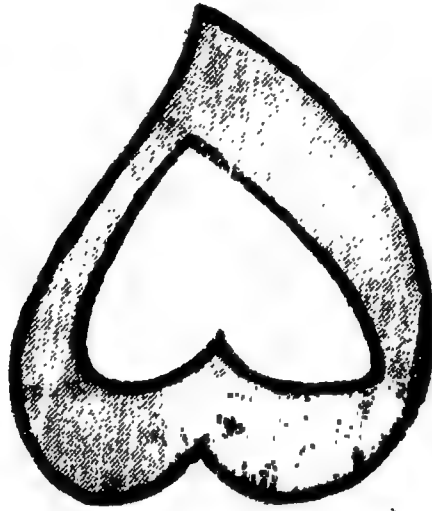
نے خوارج کے ساتھ روا رکھا ۔

خلافت راشدہ کے نظام کے درجہ پر ہم ہر جانے کے بعد امت مسلمہ کی حریت کی گرفت میں آگئی جو وہ سماں کے طویل دور کے

دوران امت نے حریت اور اس کی مختلف اقسام کے تحت زندگی بسر کی ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حریت کی مختلف اقسام کے تحت ان

سے اطاعت کا معیار کس طرح استوار کیا جائے ۔ کیا اس نظام میں بھی رعایا کو اختلاف اور احتساب کا حق ہے یا نہیں اگر ہے تو وہ اس

حق کو کس طرح استعمال کرے ؟ اس کا جواب سید اسماعیل شاہ شہید رحمت اللہ علیہ نے تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اس کی مختصر



آزمودہ دواؤں کا مرکب انساجلین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

عبد اللہ قدسی

ہماری قومی شاعری

قومی کا مفہوم اردو میں ایک عرصہ تک زیر بحث رہا ہے چونکہ قوم سے عام طور پر یوں کی قومی تحریکوں کی طرف ذہن جاتا ہے اور مختلف ازم اس سے بیک وقت سامنے آجاتے ہیں۔ دورِ حاضر کے پرمعہ ذہن نیشن اور نیشنلزم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں چنانچہ اسی قسم کی قومیت اور ایسی ہی قوم کا تصور مدیانی زمانہ میں ہمارے انکار کا محور بھی رہ چکا ہے سرسید نے اس قومی تصور کو پیش کیا اور بعد کے لیڈروں نے اس میں شکوکے کھلائے قومیت کے اس مجبوری تصور اور جامد تصور سے مسلمانوں کو کالنے کے لئے اقبال نے ملت کا لفظ استعمال کیا اور ملی ترانہ لکھ کر مسلمانوں کی قومی تحریک میں آفاقی توانائی پیدا کر دی۔

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
اس ترانہ نے اردو شاعری میں قومیت اور وطنیت کے جنوں کو پاش پاش کر دیا اور ملت کا تصور پوری اسلامی تحریک اور تاریخ کے ساتھ اردو شاعری میں وارد ہو گیا۔

کاگرس کی پوری سیاست ملت کے تصور کی دشمن ہو گئی ادیبوں کو طرح طرح سے اس تصور سے بٹانے کی کوشش کی گئی انہماکات نے وطن پرستی اور قومیت پر مقالے لکھے اور آخریہ بحث پورے شباب پر اس وقت پہنچی جب انہماک نے اپنا یہ قطعہ لکھا۔

سرود بے سبب منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر نہ مقام محمد عویت

اس قطعہ نے اس بحث کا دو ٹوک فیصلہ کر دیا اور مسلمانوں میں ملت کے تصور نے قومیت کے تصور کو نفرت پر پونجائی دے مٹی ترقی پسندوں کی تحریک ترقی پسندا دیوں کی تحریک حقیقت میں کیوں نہ تھی تحریک ترقی پسندوں کی تحریک ترقی پسندا دیوں کی تحریک حقیقت میں کیوں نہ تھی تحریک ترقی پسندوں کی تحریک ترقی پسندا دیوں کی تحریک حقیقت میں کیوں نہ تھی تحریک ترقی پسندوں کی تحریک ترقی پسندا دیوں کی تحریک حقیقت میں کیوں نہ تھی

قومیت کے اس تصور سے مسلمانوں کو اس قدر بعد ہو گیا کہ عرب نیشنلزم کو کسی طرح بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے چنانچہ بعض عرب ادیب پاکستان کے اس رد عمل سے متاثر بھی ہوئے ان کا اثر ادیب اس تحریک کو آگے بڑھا ہے میں؛ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان خواہ وہ اپنے اسلامی تصورات اور اس کی آفاقیت سے کتنا ہی بے بہرہ ہو اور اس پر یوں کی تحریکوں اور دہاں کی سیاست کا رنگ کتنا ہی غالب آگیا ہو جہاں اس میں خود آگاہی پیدا ہوئی وہ کسی طرح بھی یوں کی تحریک کو گوارا نہیں کر سکتا بلکہ اس کے گھٹیا اور ملت ہونے کی وجہ سے اس سے نفرت کرنے لگتا ہے انسان کی بلند خیالی، آفاقیت اور انسانیت کے سامنے نیشنلزم کا چراغ نہیں جل سکتا

اور جب وہ اس کی عمل صورت دیکھتا ہے تو لرز جاتا ہے، انسانی روح اس کے تعصب اور تنگی میں گھٹنے ٹکتی ہے اور انسان آزادی کے لئے بے چین ہو جاتا ہے۔

قومیت کا یہ تعصیب جس کا پرستار بودپ ہے، آج کی پیداوار نہیں ہے بلکہ انسان کے عروج و زوال کی داستان اس تعصیب سے وابستہ ہے دنیا میں وہی قسم کے رہنما پیدا ہوئے ہیں۔ جنہوں نے انسانوں کی ترقی کے لئے کوشش کی، ایک تو وہ جنہوں نے ملک اور قوم کی خاطر اپنا شمار اس کی فتح و کامرانی کے لئے خون بہاتے اس میں آپ دنیا کے جلیل القصد بادشاہوں اور حوعلیں جابر عالم قیوموں کو شمار کر سکتے ہیں جن کی تنگ نظری اور تعصیب اور خود پرستی نے انسانیت کی تاریخ میں خوفناک داستانیں چھوڑی ہیں ان میں آپ لبنان و روم کی جنگ سے لے کر مسکنہ کی لشکر کشی تک اور چلیز و ہلاکو خان کی لڑائیوں سے لے کر نپولین کی لڑائیوں تک کو شمار کر سکتے ہیں اور بیسویں صدی میں تو تمام ہی لڑائیاں اسی قسم کی رہی گئی ہیں، جن میں آفاقیت اور انسانیت کو کھل گیا ہے نظریات سے کوئی بحث نہیں رہتی بلکہ یہ لڑائیاں ملک گیری وطن پرستی اور حوص و طمع کی بنیاد پر رہی گئیں، ان لڑائیوں کے خارج بھی اپنے ظلم و جور اور ملک گیری کی ہوس میں ملوث ہو کر اسی قد بدنام ہوئے جس قدر جنگ کی ابتداء کرنے والے بنا م ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی دنیا میں جاری ہے۔

شامی میں چلیز و ہلاکو بھی تعصیب کے لئے تھے ہیں اور آج بھی عام شامیوں کے لئے کرگیا، کانگو اور بیت نام کے ہلاکو قسم کے لوگوں کی تعریف میں نظمیں لکھ چکے ہیں۔ دوسرے وہ رہنما ہیں جن میں اوتار، فلسفی اور پیروں کے گروہ کو شمار کیا جاسکتا ہے جنہوں نے انسانیت کا درس دیا، آفاقیت کی تعلیم دی اور عام ترقی کی شاہراہ تعمیر کی، اس میں تنگ نہیں کہ ان فلسفی بھلاؤں میں بھی یہ تصور شروع شروع میں صاف نہیں تھا یا یہ کہتے کہ جب اس تصور نے عملی لباس پہنا اور اس کی تفسیریں اور تعبیریں پیش کی گئیں، شرلیت یا قوانین کی شکل اس تصور نے اختیار کی تو بہت محدود ہو گیا، لیکن عملی قوانین، شرائط اور فلسفیوں کی جورج مقدس کے مدارج طے کے نام پر یہ تصور آٹھ آفاقیت کی اور انسانی ترقی کی وہ شاہراہ تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گیا، جس میں انسانی ترقی کی رکاوٹوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے یہ تصور تمام انسانوں کے لئے ایک خاندان اور کنبہ سے بیان نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لئے "ایک جسم نامی کا فقر استعمال ہوتا ہے۔

اور عوامی میں دنیا کے اس ترقی یافتہ تخیل کو کس حد تک اپنا یا ہے اور تعصیب قومیت، وطنیت اور دوس کے اس جذبہ کو کس حد تک ابھارا گیا ہے جس میں آفاقیت فنا ہو جاتی ہے اور اس ترقی یافتہ ایک جسم نامی کا تخیل ختم ہو جاتا ہے اس کا اندازہ موجودہ دور کی شامی کے تجزیہ سے ہو سکتا ہے۔

جنگ برقی نظمیں سے پہلے سن ۱۹۴۲ء میں لکھی گئیں۔ جب کیلکٹوں نے انگریزوں سے ساز باز کر لیا اور وہ فرانس میں داخل ہو گئے تو ان ترقی پسند شامیوں نے متعدد آفاقیت کے تصدیق کو قبول کر لینے کی وجہ سے انسانیت کی حمایت اور ظلم و جور کے خلاف منظم آواز بلند کی، اور ان کی منظومات اور مقالے اردو میں مقبول بھی ہوئے لیکن ان تناؤں میں ایک بھی ایسا دلپذیر اور اثر انگیز نہیں تھا جو قبول عام حاصل کر کے بقائے دوام اختیار کر جاتا اور زبان و عام و خاص ہو جاتا غالباً اس کی وجہ یہی تھی کہ جس جذبے نے ترانے لکھوائے وہ شامیوں کا عقیدہ نہیں تھا اور قبول اکثر سن شامی نام ہے عقیدہ کا لہذا یہ ترانے اوپر سے دل سے لکھے گئے اور بعض پیروں کی خاطر لکھے گئے اس لئے بڑے پچھلے لوکیے اور شہر تو بن گئے لیکن دل کے ہاتھ ہو سکے۔ انہوں نے تصور کا ایک رخ پیش کیا، جنگ کی ہولناکی اور تباہی دکھائی، ظلم و قہر کی تصویر کھینچی، اور انسانیت کی مٹتی ہوئی لکیر کو ابھارا لیکن ان کے پاس کوئی ایسا عالمگیر دلولہ انگیز جنوں پرورد پیغام نہیں تھا جو دلوں کو گرما دیتا، دلوں کو تڑپا دیتا اور انگریزوں کی موافقت میں آسکتا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک یہ تعلیم کے وقت کشت و خون ہوا ہندوستان میں بربریت اور ہیبت کا اندر ہوا وطن و قومیت کے نام

بہشتیاں اور قصبے اجاڑ دئے گئے تو یہ ترقی پسند دو قوموں میں توازن پیدا کرنے میں مشغول ہو گئے، انصاف کی ترازو لے کر ہائیاں
دونوں میں نصف نصف بانٹنے بیٹھ گئے ان کی تقسیم عمل نے انہیں بھڑکی ایسے شاہکار کی تخلیق سے باز رکھا جو امت جوت بن جاتا اور جس
کو پڑھ کر سنگدل موم ہو جاتا کافر کا فری رہے، اور مسلمان مسلمان، کوئی بھی نظم ایسی نہیں ہوئی جو کافر کو مسلمان کر دیتی یا مسلمان کو
مومن بنا دیتی۔

غیر ترقی پسند شعرا میں دو ایک شعر ایسے ضرور ہوئے جو اپنا رنگ بھول گئے اور ان کی حیرانی نے دنیا کو دلگیر کر دیا جس طرح
سعدی نے کہا تھا۔

چنان قوط سائے شد اندر و مشتق کہ یاراں فراموش گردند عشق
جگر مراد آبادی نے اس برہمیت پر کہا تھا،

شاعر نہیں ہے جو بھی غزل خواں ہے آج کل

اب آپ ہندوستان پاکستان کی سترو رعدہ جنگ پر نظمیں اور ترانے اٹھا کر دیکھئے اور انہیں اس نظر سے پرکھئے کہ اس میں
وہ قوم و ملت کے تعصبات و افاتی، تحیج سے کس حد تک سمدھ ہیں۔

موجودہ قومی ترانوں اور نظموں میں کچھ تو ایسے شاہکار ہیں جن میں پاکستان کی تعمیر کا تصور جھلک رہا ہے جن میں وہی وطن اور
جذبہ ہے جو انانیت کی تعمیر کا نام آتا ہے جن میں نہ سر پر غرور ہے نہ جبر و قہر کی ترغیب ہے نہ لعن و طعن اور عقارت کو بڑھایا گیا ہے
بلکہ انانیت کی سر بلندی، اسلامی جذبہ تعمیر اور توحید یا عجم نامی کی تعریف کی گئی ہے، اس قسم کی نظموں میں آپ رہیں امر وی، صوفی
تقسم اور محمد ریلوئی کے مقبول ترانوں کو مستحضر رکھتے ہیں۔ دوسرے وہ ترانے ہیں جن میں جوش بھی ہے اور شاہری کی مثلک بھی استعمال
کی گئی ہے، خیالات کا تسلسل بھی ہے اور مضمون آفرینی بھی، لیکن نہ تو ان ترانوں اور نظموں کو قربانیت حاصل ہوئی نہ کبھی ان کا وجود باقی
رہے گا۔ ان ترانوں میں بھی جوالوں، جیالوں کو صف بہ صف اور قدم ب قدم آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے ان میں وطن کے من
گائے گئے ہیں، میدانوں، پہاڑوں، کھیتوں، سبزہ زاروں اور مرغزاروں کی تعریف کی گئی ہے اور وطن کے محافظ اور نگہبان کے
قصیدے کیے گئے ہیں، لیکن ان تمام ادھان کے باوجود یہ ترانے اور نظمیں بھرتی کی ہیں اور پختہ کاروں کی لکھی ہوئی ہونے کے باوجود
نگوڑوں کی فہرست میں درج ہیں۔ اس لئے کہ یہ جاننا نہیں ہیں، ان میں عقیدے کی گڑھی نہیں ہے ان میں وہ روح نہیں ہے جو زندہ
جاوید بنا دیتی ہے بلکہ اس روح کا شائبہ تک نہیں ہے اس لئے کہ اھم وہی سب کچھ لکھا گیا ہے جو ایک یوں پکا حب وطن اپنے وطن کے لئے
دوسروں کے دفاع میں لکھ سکتا ہے ان ترانوں اور نظموں میں پاکستان کے عقیدے اور تصور کی روح کارفرما نہیں ہے یہ عام اور سطحی
خیال تک محدود ہیں جو بے سچے تکبر و عداوت کے طور پر مضمون نگار کے ذہن میں آجاتا ہے اھم کوئی ایسی فکر انگریزوں کا دو لگا ہی نہیں ہے جس کی
مدد سے ذہن انسانی ترقی اور انبساط محسوس کرے، فتح اور کامرانی سے انبساط اور کشادہ دلی حاصل ہوتی ہے اور جو نظم یا شعر خیال
پر قبضہ کرے اس میں یقین اور احماد پیدا کر دے کہ فتح و کامرانی کی سی لذت اور انبساط میں حاصل ہو وہی کامیاب نظم ہے اس لئے کہ اس
میں جسم نامی کا شہد کار فرما ہے یا یوں کہئے کہ جسم نامی میں وہ سرایت کر رہی ہے۔

جنگ کے مدد ان ایک ادیب کو میں نے عرب کی مذہب شاہی کا کچھ حصہ ترجمہ کرتے ہوئے دیکھا معلوم نہیں انہوں نے اسے ریڈیو
پر نظم میں استعمال کیا یا نثر میں، بہر حال یہ کوشش بھی مرسلینان سے کم نہیں تھی جس نے حضرت سلیمان کے لشکر کی دھول کے لئے ٹڈی کی
ایک ٹانگ پیش کی تھی۔

نیت صاحب اگر دوسری شاعری کی طرف توجہ کرتے تو کچھ اچھا کلام ہو جاتا لیکن ان کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ ان کی شاعری کا مزاج ان کے عقیدے سے ہم آہنگ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس بگڑے نیت صاحب کچھ نہ لکھ سکے، ان کا عقیدہ فلسفہ سخت کوشی، کوکبی اور مزدکیت کا متقاضی ہے انسان کی شاعری کا مزاج نرم نہ ہو گا جتنا اور معافی قیض کا طلب گار ہے ان دونوں کے استخراج سے کبھی مزاج پریم ہو جاتا ہے اور کبھی تضاد پیدا ہو کر ابھام ہو جاتا ہے نہ وہ اپنا عقیدہ چھوڑتے ہیں اور نہ ان کی شاعری اپنا مزاج چھوڑتی ہے۔

فارسان و کوئی نیک نہیں اسلام غیر محدود آفاقیت کا حامل ہے مگر وہ جائز اور فطری حدود میں وطن اور قومیت کے ذکر اور رابطہ تعلق پر تدبیر نہیں لگاتا، وطن سے لگاؤ اور محبت پرستش کی حد تک پہنچ جائے تو یہ بت توڑ دینے کے قابل ہے اپنے نیک دعوت وطنیت کی طرف نہیں اسلام کی طرف دینی چاہئے۔

پاکستان میں بہت سی مذہبی نظمیں الہی بھی کہی گئی ہیں جن میں اسلام اور توحید کے ساتھ خط پاکستان کے دفاع پر بھی عوام اچھا لگایا ہے اس ملک کے سب سے نادر، کمیتوں اور دولت و عین کی تعریفیں بھی کی گئی ہیں — قویہ تعلیمات اور تذکرے ایسے نہیں ہیں کہ ایک مسلمان کے دل میں کھٹک پیدا کریں۔

جہاں تک "شہرت" کا تعلق ہے ہزاروں ادب لکھول ادب لکھول ادیب اسٹار شہر نہیں ہوا کرتے، شہرت چندی کے حصے میں آتی ہے، مثلاً دین کا ہر زبان میں شہرت و مقبولیت کے اعتبار سے صنف اول کے چھ سات شاعر ہوتے ہیں اس کے بعد صنف دوم کے چند ہیں شاعر، پھر صنف سوم کے اس تعداد سے زیادہ شاعر باقی شعرا کے نام میں تذکرہ میں آکر رہ جاتے ہیں، شہرت ان کو میر نہیں آتی ایسا ہی ہونا ہے کہ بعض اچھے شعرا کو بغیر خواہ شہرت نصیب نہیں ہوتی، مثلاً ابان العہر اکبر الہ آبادی کے ات دو حیدر الہ آبادی کو وہ شہرت کہاں ملی ہے جس کے وہ مستحق تھے، ان کا تنہا یہ شعر۔

پڑے ہیں صورتِ لغنی قدم نہ چھوڑ میں
ہم ادب خاک میں مل جائیں گے اٹھانے سے

سیکڑوں غزلوں پر بھاری ہے۔

اسی طرح ہزاروں ادب لکھول کتا بوں میں چند کتا ہیں ہی شہرت پاتی ہیں، شہرت اور کمیت دو متضاد چیزیں ہیں، "شہرت" کا لغوی معنی تعداد اور شہرت سے ہے، غزلیں اور نظمیں بھی چندی مشہور ہوا کرتی ہیں ان شہرت میں مقدمہ کو بھی دخل ہے کہ وہ کون سا شاعر ہے؟ میں مشہور ہے مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اس میر سے زیادہ بڑے اور قیمتی میرے خاک کی بھول ہیں پوشیدہ نہیں ہیں! شعر و ادب ہی پر منحصر نہیں ہے ہر صنف میں، موسیقار ہوں، کھلاڑی اور پہلوان ہوں، شہرت چندی کو میر آتی ہے — پھر ساری شہرت کسی ایک شخص کا حصہ اور حق ہو کر نہیں رہ جاتی کہ جس شاعر کی غزلیں اور نظمیں مقبول ہوں، اسی کے مذہبی نغمے بھی شہرت پائیں، اللہ تعالیٰ کی دین اور تقیم ہے کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ ملا۔

غزلوں، نظموں، نغموں اور گیتوں کی شہرت اور مقبولیت کا سبب ان چیزوں کی معنویت کے علاوہ اس پر بھی ہے کہ جس کو بھی منظرہ پر آنے کا موقع مل جائے اُسے شہرت حاصل ہو جاتی ہے جسے نہیں ملتا وہ مشہور نہیں ہو جاتا ہے وہ غیر مشہور نزل اور نظم اس مشہور غزل اور نظم سے بہتر ہی کیوں نہ ہو۔

پاکستان میں جو مذہبی نغمے مشہور ہوئے ہیں وہ شاعرانہ نقطہ نگاہ سے قابلِ تعریف ہیں مگر ان کی شہرت کا اصل سبب یہ ہے کہ موسیقار نے ان کی دلکش "دھنیں" بنا دیں اور وہ "دھنیں" ریڈیو سے نشر ہوئیں، بس پھر وہ نغمے چل پڑے اگر بعض دوسرے شاعروں کی مذہبی

نظموں کو بھی یہ موقع مل جاتا تو ان کی نظمیں بھی شہرہ ہوتیں! بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ فنکاروں، موسیقاروں اور شاعرانہ فنکاروں سے ذاتی تعلقات کے سبب بھی۔ انھوں کو شہرت کے ذرائع اور مواقع میسر آ جاتے ہیں!

جہاں پاکستان نے کوئی شک نہیں ہمارے شعرا کے جذبات و محسوسات میں ہل چل پیدا کئی، جس کے سبب ہنگاموں کی نظمیں نظر عام پر آگئیں ان میں انتخاب کیا جائے تو خاصی اچھی اور نامدار نظموں کا ایک سیر جو جو مرتب ہو سکتا ہے گویہ بھی واقعہ ہے کہ شہرہ مند یہ نئے ہوں یا کم شہرہ نظمیں، ان میں سے کوئی نظم بھی علامہ اقبال کی اس نظم کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی جس کا تہا یہ شعر سیکڑوں نظموں سے زیادہ گولان قدر ہے۔

جھلکتی ہے تری امت کی آمد و اس میں

ظرائیں کے شہیدوں کا ہے لہر اس میں

فاضل مفرین لگاتار نے فیض صاحب کا بھی ذکر چھیڑا ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ فیض صاحب عقیدہ کے اعتبار سے خالص اشتراکی ہیں اسی سبب انھیں "لینن برائزر" دیا گیا تاکہ ایسا انداز خاص طور سے پاکستان میں ان کی شہرت مسلم ہو جائے اور ان کی شہرت اور شخصیت کے ہمارے "اشتراکیت" کو پاکستان میں برگ و بار میسر آتی! اور نہ انھوں نے دنیا میں "اس" قائم کرنے کا آخر کوئی سا کارنامہ انجام دیا ہے!

پاکستان اور ہندوستان کی جنگ میں روس کی تائید ہندوستان کو حاصل تھی، اس لئے فیض صاحب روس کی پالیسی سے ہٹ کر پاکستان کی جنگی پالیسی کی تائید اور عرصہ افزائی میں ایک شعر بھی نہ کہہ سکے!

غزلوں، نظموں، گیتوں اور انھوں کی شہرت و مقبولیت کا جب ذکر چل پڑا ہے تو اس سلسلہ میں ہم اپنی یادداشت اور مشاہدہ و تجربہ کے کچھ نقش ثبت قرطاس کرنا چاہتے ہیں، اس موضوع پر اب تک شاید کسی نے نہیں لکھا! شہرت و مقبولیت کے سلسلہ میں سب سے پہلے اردو کی دو کتابوں کا ذکر کرتے ہیں، یہ دو کتابیں رام بھٹی زلیہ اور دوام میلاد اکبر ہیں۔ بھٹی زلیہ تقریباً ۶۵ سال قبل اور میلاد اکبر غالباً اس کے دس سال بعد لکھا گیا! حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا بھٹی زلیہ کوئی شک نہیں اپنے موضوع پر ہے مثلاً کتاب ہے، یہ کتاب اس میں کیا عجب ہے کہ پچاس لاکھ سے بھی زیادہ چھپ چکی ہو! "بھٹی زلیہ" کی ہیئت مانگتے ہیں ہے اور ہر سالی نہ جانے کتنے ایڈیشن چھپ جاتے ہیں یہ کتاب اسی شہرت اور مقبولیت کی مستی تھی!

دوسری طرف منشی محمد اکبر میر تھی کا "میلاد" ہے یہ کتاب بھی لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہے اور ہمیشہ چھپتی رہتی ہے! "میلاد اکبر" نیز نظم پر مشتمل ہے اس میں جو روایات ہیں وہ ضعیف و موزون ہیں، شہرت ہی ہماری درجہ کی ہے یہی حال نظموں کا ہے، ان میں کوئی ندرت و دلچسپی نہیں! ان "معالجہ کی بات" کوئی شک نہیں بڑی اچھی نظم ہے مگر اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ نظم جناب بیان دینے والی ہر طرح کی کہی ہوئی ہے یا اس میں ان کی اصلاح و تصرف اور نظر ثانی کا بہت کچھ تھا ہے!

منشی محمد اکبر وارثی میر تھی میلاد خوان تھے اور اپنے خوش الحان شاگردوں کی ٹولی کے ساتھ میلاد پڑھا کرتے تھے، یورپی میں اب پچاس پچھپن سال قبل ان سے زیادہ مقبول اور شہرہ کوئی میلاد خوان نہ تھا۔ جگہ جگہ شادہوں، عوسلوں اور میلاد کی مٹھروں میں ان کو بلایا جاتا! یہ چیز ان کے "میلاد" کی مقبولیت کا باعث تھی! اور عوام مسلمان جو میلاد و تقییم سے عقیدت و شغف رکھتے ہیں اور کم استعمال میں ان میں "میلاد اکبر" بے حد مقبول ہوا یہ جو پھیری میں گناہیں بیچنے والے جنگنا مٹھی، قندہ والی حلیہ، نقش ملیحانی اور قندہ عورت ڈلے جیسی لباس، بچہ کھدائی پیدا کرتے ہیں ان کی مٹھروں اور پنچوں میں "میلاد اکبر" ضرور ملے گا۔

آج کل شعر و ادب کی شہرت کے لئے انہما اور سلسلے ہیں، فلم اور ٹیلیوے، مگر جب یہ چیزیں نہ تھیں اس اخبارات و رسائل کی تعداد بہت ہی محدود تھی، اُس وقت طوائفوں اور قوالوں کے ذریعہ غزلوں کی شہرت ہوتی تھی! مثلاً یہ غزل جو نواب امداد امام اثر سے منسوب ہے۔

آنکھ والا ترے جو بن کا تماشا دیکھے
دیدہ کر کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

اب سے ساٹھ سال پہلے گانے والوں کے ذریعہ شہور ہوئی! مرزا داغ دہلوی کے علاوہ آغا شاعر دہلوی اور مضطر خیر آبادی کی غزلیں نصف صدی قبل مغلوں میں گائی جاتی تھیں۔ پھر نواب نصاحت جنگ بہادر جیل کی یہ غزل۔

دیکھا جو حسن یا رب طبیعت چل گئی
آنکھوں کا تھا قصور چھری دلوں چل گئی

طوائفوں کو درو زبان اور تماشاخیوں کی سوز جان تھی۔ چاس سال قبل جو غزلیں بہت زیادہ شہور تھیں اُن میں چند یہ تھیں۔
مجھے سیح کے احسان سے بچالینا تمہیں نے درد دیا ہے تمہیں دوا دینا
یہی دن ہیں دعاے لوگسی کے قلب مضطر سے

جوانی آنہیں سکتی مری جاں پھرتے سر سے

۴ چھاپہ کالی گھٹا جیرا مورا ہر دے ہے

۵ یہ بت پتھر کے ہیں ترشے ہوئے فلاو کے ٹکڑے

۶ میں مرغی عشق ہوں میری دوا پر دے میں ہو

اس زمانے میں گراموفون رواج پا چکے تھے، اللہ آباد کی جالکی بائی، کلکتہ کے پاسے صاحب اور نگینہ کے قوال محمد حسین ۱۱ کے بھرے ہوئے ریکارڈوں کی بہت شہرت تھی، یہ صرف دھن اور گانے والے کا کمال تھا کہ۔

۷ میں تو پانی میں کی مینڈکی

جیسے گیت کو محمد حسین نگینہ والے کے گانے کے سبب شہرت میسر آئی!

گراموفون کے ریکارڈوں کے علاوہ اُس زمانے میں جو شہرہ تھیں، مثلاً نوا یلفرڈ، حبیب کپنی وغیرہ اُن میں جو گیت گائے جاتے تھے وہ بہت جلد شہور ہو کر سارے ملک میں پھیل جاتے، مثلاً اُن دو گیتوں کو بغیر معمولی شہرت حاصل ہوتی۔

(۱) چھوٹی بڑی سوئیاں رے! جالی کا مورا کاڑھنا

(۲) اب کے عالم پھر نہیں دے آسمانی چوڑیاں

یہ وہ گھٹیا چیزیں ہیں جو صرف "دھن" کے سبب مقبول اور مشہور ہوتی ہیں۔

یہی وہ زمانہ ہے جب خلافت اہل کانگریس کی تحریکیں زور پھرتیں اس دور میں یہ نظم جو مرزا طاہر مراد آباد کی کہی ہوئی ہے بے حد شہور و مقبول ہوئی۔

بریں اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دیدو
کہ رہے ہیں کراچی کے قیدی
اس کے بعد — ہم تو جاتے ہیں دو دروس کو

اور
سے گاندھی چوٹے سے لندن اڑائے دیں گے
نیلین مہرلی اور سیدی سادی ہیں مگر ایک تو ماحول اور فضا کی سازگاری میسر آئی، پھر ان کی "دھنیں کسی نے
خوب لگائیں، یہی حال اس نظم کا تھا۔

سے تیخ سے اور نہ خنجر سے لیں گے
کام اللہ اکبر سے لیں گے
کا کوری ڈیکتی کیس میں جن لوگوں کو چالسی دی گئی ان میں لاہری پرشاد بس خاص مشہور شخصیت تھی ان کی یہ غزل
بہت مشہور ہوئی۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
وقت آنے دیں دکھائیں گے تجھے اے آسمان
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے
ہم ابھی سے کیا بتائیں کیا ہمارے دل میں ہے
اور یہ غزل نہ جانے کس شاعر کی ہے ان دنوں بہت زیادہ گائی جاتی تھی۔
جانے کیا ساقی کی نظروں نے اشارہ کر دیا
لفٹ بدایونی کو کون جانتا ہے ان کی شہرت بدایوں اور نواح بدایوں سے آگے نہ بڑھ سکی مگر ان کی یہ غزل بدایوں کے
مشہور قوال نتھانے پیران کلیئر شریف کے عرس میں جو گائی ہے تو بس چل نکلی اور خوب مشہور ہوئی۔
تو وہ میر خوبی ہے اے جلوۂ جاناں
ہر مچھلی ہے ترابیل ہر شمع ہے پروانہ

۱۹۲۲ء کے لگ بھگ، فانی بدایونی کی اس غزل —

سے مال سوز غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ
نے بڑی شہرت پائی! جگر مراد آبادی کی ایک دو نہیں بہت سی غزلیں شہر اور مقبول ہوئیں! اسی زمانے (۱۹۲۲ء-۱۹۲۴ء) میں
منہجہ ذیل نعتیہ نظم کی شہرت کی کوئی حد نہایت نہیں رہی۔

میرے مولا بلا لودینے مجھے

غم بھر تو دے گا نہ جینے مجھے

انہی دونوں ایک صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ایک انگریز لڑکے کو "میرے مولا بلا لودینے مجھے" گاتے
ہوئے سنا، وہ "مدینے" کا لفظ "مدینے" کرتا تھا۔
اب سے تقریباً تیس سال پہلے آخری باقی فیض آبادی نے ہزار لکھنوی کی یہ غزل —

دیوانہ بنانا ہے تو دیوانہ بنا دے

گافی، اور اس منزل نے شہرت کی تمام حدیں کو توڑ دیا۔ نظم "دینت" میں غائب جارجی کی قوالی —

آہیں نہ جھریں، شکوے نہ کہئے کچھ بھی نہ زباں سے کام لیا

کی غیر معمولی شہرت نے غائب کے مستقبل کو کس قدر شاندار بنا دیا، کہ راوی چین ہی چین اور چاندی ہی چاندی لکھتا ہے۔

اس تلفیص سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جو چیز مشہور ہوتی ہے وہ لازمی طور پر گھٹیا اور کمتر حیثیت کی ہوتی ہے! نظیر اکبر آبادی

کا "نجمہ نامہ" —

سب ٹھٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب لا دچلے گا بنجارہ

گمانے والوں کی گلوکاری کے سبب نہیں بلکہ اپنی شاعرانہ قوت کے سبب مشہور ہوا اسی طرح حاکمی پانی پتی کے مدس اور اقبال کے شکوہ

کی مقبولیت اور شہرت کسی موسیقار کے فن کی رہن منت نہیں ہے! غالب اور اقبال یہ تو اس درجہ کے شاعر ہیں کہ خود ان کے کلام

کی بہ دولت موسیقاروں اور فن کاروں کے کمال فن کو چار چاند لگتے ہیں!

لیکن

یہ بھی واقعہ ہے "دھن" "طرز" "گلوکاری" اور "موسیقی" کے سبب بہت سی معمولی اور پست چیزیں بہت زیادہ مشہور ہو جاتی ہیں!

جناب عبداللہ قدسی کے مضمون نے اس طرف ذہن کو منتقل کر دیا، ورنہ اس موضوع پر لکھنے کا کبھی خیال ہی نہیں آیا، یہ ایک

سرمہ ہی جائزہ ہے، کوئی دوسرے صاحب اس پر تحقیق کر کے کچھ لکھیں تو یہ موضوع سے بڑا دلچسپ!

شہرت کا ذکر نہ کیا تو خواجہ سید الحسن مجددی مرحوم کی غزل کا یہ مطلع یاد آگیا —

تد مجذب کی خاصان خدا سے پوچھو

شہرت عام تداک طرح کی رسوائی ہے

طاقت و توانائی کا مکمل کورس

بموجب کبیر خاص الخاص

مستقل فائدہ قابل امتداد توانائی
فرصت ملتی ندرستی

اعضائے سہ اور جنسی قوتوں کو بحال کرنے والا کستھدی، جنرل،
زمرہ، مغز سرکشک، باقت، غریزہ، کشتہ چاندکی، سہ وحالتہ
قلبی، حقیقی، و مرجان (دور مشرقین) توانائی اجزاء سے مرکب —

ایک ماہ ۱۶-۲۰ روپے

کامیاب عملی اشارے
تفصیلی ہر اڈیشن کا منظر
طبیعی سکاتھ پیدا
کرتی ہیں جسمانی
ایک ماہ
۱۰ روپے

دل، دماغ، معدہ، جگر کیلئے
اکسیر

طلحائے شباب خاص

بیرونی

کودریل کچھ نفع

ایڈ اور بچہ فرو

ایک ماہ

۱۰ روپے

اشرف لیبارٹریز پوسٹ بکس نمبر ۱۱ لائل پور

تحریر: جلال الدین لونکی
ترتیب تہذیب و عادت سرہندی

قربانی کی شرعی حیثیت

پاکستان میں ایک مدت سے خود پسند حضرات ایک ہمہ گیر ہم جہاد ہے ہیں، جس کا مقصد شرعاً اسلام میں رخنہ اندازی اور تشویش مل کے متعلق حرام میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

مگزشتہ چند سالوں سے قربانی کے خلاف ہوجانے لگا ہے کھڑا کیا گیا ہے وہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ تحریک ایک نئی معلوم ہوتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی جڑیں بڑی پرانی ہیں۔ اگر اس سلسلہ کو مریض کیا جاتا تو اس کی کڑیاں فرقہ معزلہ کے عقائد سے جا ملیں گی۔ معزز لہ کی اس مرض کا سبب لہانی فلسفہ سے مرعوبیت تھی اور موجودہ دور میں اس کی وجہ مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دکھانام نہاد عقلیت پسندی کی کھانا تعلقاً صاحب اس کمتری ہے۔

سدا و اعظم پاکستان و ہند میں اس تحریک کو فروغ مگزشتہ تیس چالیس سال میں ہمارا قریباً آٹھ صدی پہلے نیاز فتح پوری نے اسی قسم کے مسائل پر عبور علماء سے اختلاف ہی نہیں کیا بلکہ قلمی جدل شروع کیا اور جوش مخالفت میں نماز روزہ اور دوسرے شعائر اسلامی کو بیجا و رسمی بتاتے ہوئے مجموعہ احادیث کو مخرجات کا طیارہ قرار دیا تھا۔ نیاز فتح پوری کے اس معاندانہ رویہ کی وجہ جہاں ان کا فلسفہ سے اشتغال تھا وہاں ایک نفسیاتی سبب بعض تنگ نظر و سخت گیر اسانہ مدارس و فقیہ کاتھدوسی تھا۔ جس کی وجہ سے موصوف کو طبقہ علماء سے اتنی شدید نفرت ہو گئی کہ وہ کھرے اللہ کھوٹے میں امتیاز کرنے کی قوت سے بھی محروم ہو گئے اور انہوں نے علماء کی ہر بات کی مخالفت پر مگر باندھ لی۔ چنانچہ شعائر اسلامی کی مخالفت کر کے انہوں نے اپنے سخت گیر اسانہ سے انتقام لینے کی کوشش کی۔ موصوف نے اپنے حالات زندگی مطبوعہ آب پتی نمبر رسالہ "لقرش" لاہور میں اسے غور سے تسلیم کیا ہے ان کا یہ رد عمل ہم سب کے لئے عبرتناک ہے۔

بہر حال نیاز صاحب کی اس تحریک و مخالفت کا مقصد ہی ہر بات میں علماء کی مخالفت ہے، علاوہ بریں امتداد و زمانہ اور تقاضا عمر نے بھی ان کے اس جوش کو بڑی حد تک مضبوط کر دیا۔ اگرچہ اب بھی نیاز صاحب کے خیالات میں کوئی نمایاں تغیر نہیں ہوا لیکن بابائی کی مخالفت میں وہ جوش اور تشدد بھی باقی نہیں۔

اس کے بعد اس کے جوش و جہاد کی صورت میں اس نے ان کو اچکا کیا، لیکن اس سے بھی لوگ زیادہ متاثر نہ ہوئے، کیونکہ لوگ ایک ہی قسم کے دلائل کو بار بار سنا کر اکتا چکے تھے۔

پاکستان بنانے والے احمدیہ نے پھر اس تحریک کی بنیادیں استوار کرنے کی کوشش کی اور منظم طور پر اس تحریک کو چلایا۔ موصوف نے

جملہ احادیث نبوی کو دفتر ہے معنی قرار دیا اور تمام مسائل کو بلا استناد احادیث قرآن حکیم سے استخراج و مستنبط کرنے پر زور دیا۔ یہ اگرچہ درست ہے کہ قرآن مجید ایک مکمل اور جامع و مانع دستور العمل ہے۔ لیکن مبطل ہی حضور اکرم (فداء مدنی) کے اقوال و افعال کی روشنی میں ہی ہم قرآن حکیم کو مکمل سمجھ سکتے ہیں۔ اگرچہ نہ ہوتا تو قرآن عزیزاً و دوسرے کتب و مصنف مقدسہ بلا واسطہ پیغمبر نازل کر دے جاتے تاکہ لوگ خود ہی تمام احکام کو سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہو جاتے۔ لیکن ایسا ممکن نہ تھا کیونکہ اگر احکام خلاف مذہبی بلا واسطہ پیغمبر نازل ہوتے تو ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق مطلب اخذ کرتا اور ہر شخص کی رائے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی اور اس طرح ایک انتشار و خلط پیدا ہو جاتا، جو مقصد ہدایت کے منافی ہوتا۔ چنانچہ تمام کتب و مصنف مقدسہ کو انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر نازل کیا گیا تاکہ یہ نفوس قدسیہ جو براہ راست نظامِ ارشاد تھے، اپنے اقوال و افعال سے کلامِ خلافِ مذہبی کے صحیح مفہوم پر مقصد سے مختلف مکلف کو آشنا کر کے ہدایت و اصلاح کے مقصد کو صحیح معنوں میں پیدا کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی صحیفہ یا کتاب بلا واسطہ پیغمبر نازل نہیں ہوئی۔ چنانچہ دستورِ خلافِ مذہبی کے مطابق خدا نے لہلال کا آخری اور مکمل دستور العمل یعنی قرآن مجید بھی بلا واسطہ نازل ہوا بلکہ اللہ کے بلاغ اور تعمیل کے لئے حضور اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا گیا اور حضور کے کردار کو اسوہ حسنہ قرار دے کر آپ کی طاعت کو لازمی اور فہم کا جزو لازم قرار دیا گیا۔ اس فقرہ کی بحث سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسوہ رسولی سے اعراض کر کے کوئی شخص قرآن حکیم کے صحیح مطالب سے آشنا نہیں ہو سکتا۔ اور بلا سمجھے اور مجھے عمل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ رسولِ آسمانِ انصاری صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہمیں لا محالہ احادیث نبوی اور فقہاء امت کی تشریحات کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ چونکہ اکابر امت اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے اس لئے انہوں نے صحیح احادیث اور استنباط احکام میں بڑی جگہ رکھی۔ احادیث کی صحت کو جانچنے کے لئے اس قدر حزم و احتیاط سے کام لیا کہ اس سے زیادہ بشری اسکان میں نہیں۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے دعائے قاعدے وضع کئے گئے جو اصولِ ہدایت اور اصولِ رعایت کے نام سے معروف ہیں۔

اصولِ رعایت کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

- ۱۔ کوئی روایت تاریخ مشہور کے خلاف نہ ہو۔
- ۲۔ وقت حال کے قریبہ کے خلاف نہ ہو۔
- ۳۔ اقتضائے عقل و شرع کے خلاف نہ ہو۔
- ۴۔ رسول اللہ کے اخلاقِ حسنہ کے منافی نہ ہو۔
- ۵۔ قرآن کریم سے متصادم نہ ہو۔

اصولِ رعایت کو انتہائی بلند معیار تک پہنچانے کے لئے ایک الگ اور مستحق فن ایجاد کیا گیا جو اصلاح میں فنِ جرح و تعدیل اور عرف عام میں فنِ رجال کے نام سے مشہور ہے۔ فنِ رجال فنِ نساب ہی سے متفق نہیں ہے۔ جس کے تحت تمام روایانِ حدیث کے حالات و کوائف پر ہی تحقیق و تدقیق کے ساتھ صحیح کئے گئے اور اس میں کسی روایت سے کام نہیں لیا گیا۔ چنانچہ رعایت کے لحاظ سے احادیث کی متعدد اقسام قرار دی گئیں۔ جن کی تفصیل تشریح درج ذیل ہے۔

- ۱۔ صحیح :- وہ حدیث جس کے راویوں کا پورا سلسلہ نہایت معتبر ہو اور حدیث میں کوئی بات بخلافِ جرح نہ ہو۔
- ۲۔ حسن :- وہ حدیث جس کے سلسلہ روایات میں کوئی راوی کم درجہ کا ہو یا اسناد نا مکمل ہو۔

- ۳۔ ضعیف ۱۔ وہ حدیث جس کا راوی مشتبہ ہو اور روایت میں کوئی بات مشتبہ ہو۔
 - ۴۔ مدح ۱۔ وہ حدیث جس کے راوی الفاظ رسولؐ کی بجائے کہیں کہیں اپنے الفاظ بھی استعمال کئے ہوں۔
 - ۵۔ متروک ۱۔ وہ حدیث جس کا ایک ہی راوی ہو اور اس کی روایت ضعیف سمجھی جاتی ہو۔
 - ۶۔ مسند ۱۔ وہ حدیث جس کی روایت کا سلسلہ نہایت معتبر ہو اور غیر منقطع ہو اور کسی صحابی تک پہنچے۔
 - ۷۔ مسلسل الخلف ۱۔ وہ حدیث جس کی ہر راوی نے قسم کھا کر ادا کیا ہے یا تھا مار کے روایت کیا ہو۔
 - ۸۔ عالی ۱۔ وہ حدیث جس کی اسناد یکمکن اور مختصر ہو یعنی پہلے اور آخری راوی کے درمیان بہت کم فاصلہ ہو۔
 - ۹۔ متصل ۱۔ وہ حدیث جس کے راویوں کا سلسلہ غیر منقطع ہو۔
 - ۱۰۔ منقطع ۱۔ وہ حدیث جس کے راویوں کا سلسلہ درمیان میں ٹوٹ جائے یعنی تابعین کے طبقہ کا کوئی راوی نہ ہو۔
 - ۱۱۔ موضوع ۱۔ وہ حدیث جو روایات اور فقہاء کے لحاظ سے غلط قرار دی جا چکی ہو۔
 - ۱۲۔ مرسل ۱۔ وہ حدیث جس کا راوی کوئی تابعی ہو لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کس صحابی سے روایت کیا ہے۔
 - ۱۳۔ مضعف ۱۔ وہ حدیث جس کی اسناد صرف سماعی ہوں اور عن فلاں وعن فلاں سے روایت کی گئی ہو۔
 - ۱۴۔ بیہم ۱۔ وہ حدیث جس کا کوئی راوی غیر متعین ہو۔
 - ۱۵۔ مترادف ۱۔ وہ حدیث جس کو علیحدہ علیحدہ بہت سے لوگوں نے بیان کیا ہو اور ہر سب معتبر واقعہ ہوں۔
 - ۱۶۔ مشہور ۱۔ وہ حدیث جس کو کم از کم تین معتبر طبقوں کے راویوں نے بیان کیا ہو۔
 - ۱۷۔ معزز ۱۔ وہ حدیث جس کو علیحدہ علیحدہ راویوں نے بیان کیا ہو۔
 - ۱۸۔ احاد ۱۔ وہ حدیث جس کو ایک ہی راوی نے بیان کیا ہو۔
 - ۱۹۔ غریب مطلق ۱۔ وہ حدیث جس کو صرف ایک تابعی نے بیان کیا ہو۔
 - ۲۰۔ مرفوع ۱۔ وہ حدیث جس میں صحابہ کے اقوال و افعال کے ساتھ رسول اللہؐ کا ذکر بھی ہو۔
 - ۲۱۔ موقوف ۱۔ وہ حدیث جس میں صرف صحابہ کے اقوال و افعال کا ذکر ہو۔
 - ۲۲۔ مقطوع ۱۔ وہ حدیث جس میں صرف تابعین کے اقوال و افعال کا ذکر ہو۔
- مکتبہ حدیث کو احادیث پر مستند بڑا اعتراض یہ ہے کہ ان میں ہر طرح کا رطب و یابس بھرا ہوا ہے اس لئے ممکن نہیں کہ اس میں سے کسی کو صحیح یا غلط قرار دیا جائے یہ درست ہے کہ بعض صاحب اللیل قسم کے حضرات نے بالتحقیق احادیث کا ایک انبار لگا دیا اور بعض دینی الطبع لوگوں نے فصیح احادیث کا کاروبار شروع کر دیا لیکن اخلاص و اصول روایت و دعایت کس مرض کا علاج ہیں۔ اگر روایت احادیث یہ کہ تمامیاں سرزد نہ ہوتی ہوتیں تو ان خاص و معیاریوں کو وضع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی یہ معیار اسی لئے تو وضع ہوئے کہ کھوئے کھوئے کو الگ کیا جاسکے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ احادیث کے صحیح ترین کہلانے والے مجربوں مثلاً صحاح ستہ امدان میں سے بھی بالخصوص صحیحین تک موضوع اور ضعیف روایات موجود ہیں، جو ان تمام مجربوں کو سا قطل الماعدا بنا رہی ہیں۔

یہ اعتراض اگرچہ بادی النظر میں معقول معلوم ہوتا ہے، لیکن غور کیا جائے تو یہ بھی محض اعتراض برائے اعتراض ہی کے سلسلہ میں ہے۔ صحاح ستہ امدان بالخصوص صحیحین میں موضوع اور ضعیف روایات کے شمول سے ان کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہر حدیث

ساندھ اس کی اسناد بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ جس سے ہر حدیث کی نوعیت واضح ہو جاتی ہے پھر اصول ہدایت کی کسوٹی ہمارے پاس موجود ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ جب جامعین احادیث کے پیش نظر یہ تمام اصول تھے تو انہوں نے اپنے احادیث کے مجموعوں میں کمتر درجہ کی احادیث کیوں شامل کیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر قسم کی احادیث کو قلمبند کر دینے سے ان کا یہ مقصد تھا کہ آئندہ وضع حدیث کا کاروبار بند ہو جائے چنانچہ وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب رہے اور اس کے بعد وضع حدیث کا سلسلہ منقطع ہو گیا کہ نہ سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ ہر قسم کی احادیث مختلف مجموعوں میں شامل ہو چکی ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد کوئی حدیث ٹھہری نہیں گئی اور اس کے علاوہ اسی طرح ہر قسم کی روایات کے نمونے ہمارے سامنے آ گئے۔ ایسی صورت میں تمام احادیث کو مجموعہ مزخرات قریلو دینا سخت علمی بددیانتی ہے اور حدیث کی صحیحیت سے انکار کرنا غلط لنگ سے زیا دہ نہیں۔ کہہ نہ کہ کھرا اند کھوٹا الگ ہو چکا ہے اور جہاں شبہ ہو جائے گا میاں ہمارے پاس موجود ہے۔

اب یہ حضرات چونکہ احادیث سے تو تعلق ختم کر بیٹھے ہیں۔ اس لئے مسئلے کے استنباط و استخراج کا اس کے سامنے اس کوئی ذریعہ نہیں کہ قرآن حکیم سے مسئلے کو استخراج کرنے کے لئے اپنی عقل و فہم پر انحصار کریں یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شخص کی فہم و فراست و ذہانت یکساں نہیں ہوتی اس لئے تفسیر بالرائے ایک طرح کا غفلان بن کر رہ گئی ہے اور ہر شخص اپنے ذاتی چا دل الگ الگ گمان میں مصروف ہے۔ جس کا نتیجہ انتشار و خلقت کے سوا کچھ نہیں۔ حالانکہ اسی انتشار و اختلاف سے فہم و فہم کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی تبلیغ کے لئے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تھا اور ان کے کلام کو مثال و نمونہ قرار دے کر اس کی تقلید کو دین کا جزو اول قرار دیا گیا۔ چنانچہ قرآن حکیم کو شارب اسلام مفہم اگر ہم سے الگ کر دینے کے بعد قرآن کا کوئی مقصد ہی باقی نہیں رہتا۔

ہاں تو میں یہ دینا صحیح ذکر کر رہا تھا کہ انہوں نے تفسیر بالرائے کی فہم کو منظم طور پر چھلایا، شروع شروع میں تو ان کی اس تحریک میں بڑی کشش تھی مگر جلد ہی وہ دیکھیں جاتے خود میں بھی اس سے کسی قدر متاثر ہوا اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ کل جہاں یث لڈیڈ اور دوسری وجہ یہ کہ انہوں نے اس وقت تک کھل کر حدیث کا انکار نہیں کیا تھا۔ جب بعض علما نے موصوف کے ان خیالات کو ہدف تنقید بنایا تو میں نے ضروری خیال کیا کہ اس باب میں یہ دینا صحیح کی رائے بھی معلوم کرنی جائے چنانچہ میں نے ایک خط لکھ کر ان سے دریافت کیا کہ آیا وہ واقعی منکر حدیث ہیں؟ یا ان کی مخالفت ہمارے مخالفت ہو رہی ہے اس کا جواب مجھے یہ ملا کہ یہ دینا صحیح صرف موضوع رعایا کے خلاف ہیں اور اپنی احادیث سے انکار کرتے ہیں جو معارف قرآن ہوں یا جن سے شارع اسلام کی ذات پر مطعون ہوتی ہو اس جواب سے میں مطمئن ہو گیا اور میں نے علماء کے استہزاء کو ان کی تنگ نظری پر محمول کر کے نظر انداز کر دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ علماء کا کہنا ہے والوں میں سے اکثر حضرات باہم دست و گمباز رہتے ہیں۔ لیکن اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کھیلے اور سالت کا مفہم الی قرار دیا جس سے رسول کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو جو مقبولیت حاصل ہوئی تھی وہ بڑی حد تک ختم ہو گئی اور مجھے بھی ان کے متعلق اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔ ان کے ساتھ اب صرف وہی لوگ رہ گئے ہیں جو دین کو اپنی مرضی کے تابع اور بازیچہ اطفال سمجھتے ہیں، یہ دینا صحیح کی اس تحریک کے ابتدائی وعدے و اکثر فلام بیلائی برقی نے بھی دستوراً اسلام لکھ کر ان کی ہمنوائی کی۔ لیکن بعد میں وہ کھنچ گئے اور اس موضوع پر پھر خاموش فرمائی نہیں کی۔ بلکہ میرے ایک لفظ کے جواب میں موصوف نے جو کچھ لکھا اس سے بچا ظاہر رہتا ہے کہ انہوں نے اس مسلک سے رجوع کر لیا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر تجدید پسند حضرات نے یہ سوچا کہ اس وقت تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جب تک احادیث کا سہارا نہ لیں۔ چنانچہ احادیث کا سہارا لے کر انفاق و نفاق کی ایک اور ہم چلائی گئی اور عام امت مسلمین کو متفق علیہ شعار اسامی سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی گئی اس سلسلہ کی ایک کڑی۔ وہ ہم ہے جو قربانی کے خلاف شروع کی گئی۔ چنانچہ چند سال قبل بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب غلام مرشد صاحب نے عید الاضحیٰ کی قربانی کے بدلے نقد قسم صدقہ دے دینے کے بجائے فرتویٰ صادر کیا عوام اور علماء کے شدید احتجاج پر غلام مرشد صاحب کو تو اپنے فتویٰ کی تکرار اور احادیث کی حوث نہ ہوتی لیکن اس گروہ کے بعض دوسرے سرخیلوں نے فقیہی طور پر اس ہم کو جاری رکھا۔ جن میں رحمت اللہ طارق پیش ہیں۔ ۳۳ وقت زہر بحث رحمت اللہ طارق کا ایک مضمون ہے۔ جو "قربانی کی شرعی حیثیت" کے عنوان سے مئی ۱۹۶۵ء کے ماہنامہ "نعت" لاہور میں شائع ہوا تھا۔

اس مضمون کے جواب کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ مضمون نگار نے قربانی کے خلاف ہم میں احادیث پر مبنی آثار و صحابہ اور اجماع امت سے بھی استمداد کی ہے۔ ایسی صورت میں عام ذہن کا اس سے متاثر ہونا لازمی بات ہے اور کچھ لوگ جو قربانی کے باب میں شک و شبہ میں مصروف ہو گئے ہیں۔ اپنے اس مضمون میں طارق صاحب نے زیادہ تر مندرجہ ذیل امور پر زور دیا ہے۔

۱۔ قربانی واجب نہیں۔ اس کے وجوب کے قائل صرف امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ جب کہ دوسرے امام۔ فقہاء و وجوب کے قائل نہیں۔

۲۔ قربانی شارع اسلام کا ذاتی فعل ہے جس پر عمل کرنے کی امت پابند نہیں۔

۳۔ اگر قربانی سنت ہے تو بھی مستحبات کے درجہ کی سنت ہے جن کے ترک واجباً نہیں ہوتا۔

۴۔ صحابہ بالا جماع اس کے ترک کے معید تھے۔

۵۔ صحابہ قربانی کے بدلے بھی قائل تھے۔

۶۔ سیدہ کوثرؓ سے قربانی کا استلال بہت بعد یعنی آخریں صدی ہجری کی بات ہے اس سے پہلے کسی نے سیدہ کوثرؓ سے قربانی کا استلال نہیں کیا مگر انصار نے انتظام خط بھیج کر کچھ فقہاء و محدثین کے نزدیک شریک المعانی الفاظ کے کسی خاص معنی کا تین قرآن مجید پر بیان ہے اور یہاں غرض ترک المعانی ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور مسائل و جواب میں مضامین بھی لکھے۔ لیکن ان مضامین کی حیثیت جمہوری

تھی اس لئے ان میں اس مضمون میں پیش کردہ دلائل کا پوری طرح احاطہ نہیں ہو سکا اور عام ذہن میں جو کچھ شک پیدا ہو گئی تھی وہ پوری طرح دودھ ہو سکی۔ جب سے میں نے طارق صاحب کا مضمون دیکھا تھا اسی روز سے اس کا جواب لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن بوجہ یہ ارادہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ میں ایک ایسے مفاد فادہ مقام پر تعیم ہوں جہاں کوئی اچھا کتب خانہ نہیں۔ اور نہ کوئی ایسا عالم ہی موجود ہے جس سے مدد لی جاسکے اور مجھ میں اتنی استطاعت نہیں کہ میں اپنا ذاتی کتب خانہ قائم کر سکوں۔ جو

میری تمام ضروریات کو مستحضر ہو۔ ظاہر ہے کہ موصوف نے اپنے مضمون میں جن کتابوں سے حوالے پیش کئے ہیں، جب تک ان کا مطالعہ کر کے اصل و نقل کا مقابلہ نہ کر لیا جائے مضمون کا جواب لکھنا ممکن نہ تھا۔ اس نے علاوہ میری معاشی الجھنیں مجھے اتنی مہلت ہی کہاں دی تھی کہ ہر دل بھیجے کے ساتھ اس قسم کے علمی کاموں میں مشغول ہو سکوں۔ چنانچہ میں نے اپنے ایک کم فرما جناب جلال دین صاحب

منعم ٹونک صاحب تھان بھارت سے اس سلسلہ میں امداد چاہی۔ موصوف نے اندازہ ہر قربانی نامی طبیع کے باوجود بڑی کاوش اور محنت سے جوابی مضمون لکھ کر مجھے بھیج دیا اور اس میں ترمیم و تفسیح کا ممکن اختیار بھی مجھے تفویض کر دیا۔ اسی اختیار سے کام لیتے ہوئے میں نے اصل مضمون کی ترتیب بجا ہر مناسب خیال کیا بدل دی۔ اور کہیں کہیں حذف و اضافہ سے بھی کام لیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ طارق صاحب کے مضمون سے قربانی کے متعلق جو شبہات پیدا ہو سکتے ہیں یہ مضمون ان کا انالہ کر دے گا اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ موصوف نے غلط حوالہ

اور غلط تعبیرات سے کام لے کر بات کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔
اب ذیل میں مضمون پر تفصیلی نظر ڈالی جاتی ہے۔ تاکہ مضمون نگار کے دلائل کا جائزہ لے کر صحیح نتائج تک پہنچا جاسکے۔

(روایت مسند)

طابق صاحب نے مضمون کی تمہید میں پیرایہ دین کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے ایک وہ جو پوری طرح اپنی زندگی کو دین کے تابع کر لیتے ہیں۔ دوسرے وہ جو کسی عقیدے کو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن عملاً اس کی تائید نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ اس گروہ کے متعلق رقم طراز ہیں۔
”اس دوسرے گروہ کی لغیات عجیب و غریب ہوتی ہیں۔ ایک طرف تو ان کی دینی وفاداری عقیدے کے ساتھ ہوتی ہے لیکن دوسری طرف ان کی خواہش، اسادے اور سوچ کی تہذیب عقیدے کے مطابق نہیں ہوتی۔ اس لئے عقیدہ اور ذاتی خواہش ہر قدم بٹکراتے رہتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہاں انسان مغایمت کی کوئی صورت تلاش کر لیتا ہے۔ یعنی عقیدہ بھی برقرار رہے اور ذاتی خواہش کی تکمیل کا کوئی جواز بھی دیکھ لے۔ چنانچہ پسند گروہ اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ حقیقت کی حقیقت کو اپنی زندگی میں رائج کر سکے۔ اور دوسرا گروہ اس لئے کہ وہ اپنے اصل لکاکوئی جواز پیدا کر سکے۔ مختلف اوقات میں عقائد کے اخذوں کی طرف رجوع کرتے ہیں مثلاً مسلمانوں کا ایک بہت بڑا گروہ اکثر اس قسم کا سوال کرتا دکھائی دیتا ہے کہ کسلاں مسند کی شرعی حیثیت کیا ہے۔“

یہاں ایک نکتے کی بات ملحوظ رہے کہ جس طرح ہر چیز کا ایک خارجی پیکر اور باطنی مفہوم ہوتا ہے اسی طرح ادیان کا بھی ایک خارجی پیکر اور ایک روح معنوی ہوتی ہے۔ خارجی لباس معتقدات اور رسومات ہیں اور روح معنوی وہ حقیقت ہے جس کو اپنی ذات میں پہچانا ہی ادیان کا اصل مطالبہ ہوتا ہے، ہوتا یہ ہے کہ مروجہ زمانہ کے ساتھ ساتھ خارجی لباس تو رہ جاتا ہے لیکن روح معنوی پر دبیز نہیں۔ چڑھ جاتی ہیں اور تب لوگ اس طرح سوال کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ کسلاں مسند کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم روح اسلام یا حقیقت اسلام سے آشنا فی پیدا کر لیں اور اپنی سوچ اور اپنے اسادے کو اس حقیقت کے تابع کر لیں تو ایسے سوالات کا جواب خود ہمیں اپنی ذات ہی سے مل جاتا ہے۔ ایک مسلمان کا کسی مسئلے کے بارے میں یہ پوچھنا کہ اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے اجتماع خدین معلوم ہوتا ہے۔ اسلام کوئی دیوالا افلاوی اور اساطیری مذہب نہیں اور نہ ہی یہ چند عقائد کا مجموعہ ہے یہ تو ایک طرز احساس، طریق فکر اور انداز زندگی ہے، اور مسلمان وہی ہو سکتا ہے جو اس طرز احساس، طریق فکر اور انداز زندگی کا حامل ہو اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی انسان کسی مخصوص انداز زندگی کا حامل ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ماضی حیات کو ایک نادرہ نظر سے دیکھنے اور مخصوص طریق کار کے ساتھ ان ماضی کو حل کرنے کا ہادی ہے۔ اگر مسلمان اسلام کو ایک طرز احساس، ایک طریق فکر اور ایک انداز زندگی کے طور پر اپنا سکتے تو اسلامی کتب خانوں میں فتادہ کے مجموعوں کی اتنی زیادہ تعداد نہ ہوتی اور نہ مسلمانوں کو یہ سوال تنگ کرتا کہ اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ اسلامی فکر کی تاریخ میں بہت سے ماضی کی شرعی حیثیت متعین کرنے کا مسئلہ مسلسل اٹھتا رہا ہے اور اپنے اپنے دور میں اسلام کے مزاج شناسوں نے اپنے ماضی کو حل کرنے کی سعی کی۔ لیکن ان سعی کا انبساط بڑھا کہ اسلام کے اخذات یعنی قرآن اور احادیث رسول نظروں سے اوجھل ہونے لگے اور ماضی کے استنباط میں قرآن اور قولی رسول سے زیادہ اکابر کے اقوال کو اہمیت دی جانے لگی۔ چنانچہ قرآن، قولی رسول اور اقوال اکابر کی اہمیت میں حفظ مراتب قائم نہ رہ سکا۔ اسی طرح سے قولی رسول کی ایمانت اور منشا کاغذ خیزہ کرنے کی کوشش بھی مغفود ہو گئی۔“

اس تمہید کی روشنی میں دیکھا جائے تو کیا مضمون نگار کا رشتہ مفکر اس دوسرے گروہ سے والہ نظر نہیں آتا۔ جو عقیدہ اور عمل کے تضاد کا شکار ہوئے کے باعث ذاتی خواہشوں کی تکمیل کے لئے جواز کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے کیا اہل نہیں ہے کہ صاحب

مضمون اپنی ذاتی خواہش کی اتباع میں اپنے عمل تضاد کا جواز تلاش کرنے کے لئے لایینی تاویلات کا سہارا لے کر قرآنی کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ کیونکہ جو لوگ اپنی تمام تر خواہشات کو دینی تقاضوں کے سامنے ختم کر دیتے ہیں وہ قرآنی اور افاق مال کے معاملہ میں گریزاؤ فرار کی راہیں تلاش نہیں کیا کرتے ہیں۔ ایسا ہی لوگ کرتے ہیں۔ جو دین کی آڑ میں ذاتی خواہشات کی تکمیل کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مضمون نگار کی یہ کوشش اسی دوسرے گروہ کی طرز فکر سے وابستہ ہے۔

آج کے عین کر موصوف کا دین کے خارجی اور داخلی پہلو کی لفظ بندی کرتے ہوئے محققات اور رسوم کو ایک سمجھنا ہی غلط ہے اور پھر محققات کا تعلق دین کے خارجی پہلو سے قائم کرنا ایک بڑا الجھی سے کم نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عقائد و معارف ہیں اور اعمال و رسوم کی حیثیت خارجی لباس کی سی ہوتی ہے۔ کیونکہ عقائد کا تعلق قلب و دماغ سے ہوتا ہے اور اعمال کا اعضاء و جوارح سے جس طرح جسم و روح کا مظہر ہوتا ہے اسی طرح اعمال عقائد کے مظہر ہوتے ہیں۔

اس سے بھی عجیب تر بات جو مضمون نگار کے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کے لئے کسی مسئلہ کی شرعی حیثیت دیانت کرنا اسلام سے دور ہونا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے یہ سوال کہ فعلان معاملہ کی شرعی حیثیت کیا ہے صرف اسی شخص کو بے چین کرنا ہے جس نے اسلام کو ایک طرز احساس، طریق فکر اور انداز زندگی کی حیثیت سے اپنا لیا ہو۔ جس شخص کے دل پہ اسلام مسلط کر گیا ہو۔ اسی کی زندگی دامن گیر ہوگی کہ وہ معاملہ میں شرعی حکم معلوم کرے تاکہ اس کا کوئی قدم شرعی احکام کے خلاف نہ اٹھ جائے اس کے برخلاف جس شخص کا تعلق اسلام سے ہلنے نام ہوگا۔ اس کو یہ معاملہ میں شرعی حکم معلوم کرنے سے کوئی دلی ہمتی نہ ہوگی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمان نہیں تو کیا کوئی کافر یہ معلوم کرنا چاہیے کہ فعلان معاملہ میں اسلام کا کیا حکم ہے اگر موصوف کا منشا یہ ہے کہ جو شخص اسلام کو طرز فکر طریق احساس اور انداز زندگی کی حیثیت سے اپنا لیتا ہے اس پر بغیر کتب و کتاب کے ہر مسئلہ کا شرعی پہلو خود بخود منکشف ہو جاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں سوائے رسول اکرمؐ کے کوئی شخص بھی امت محمدیہ میں مسلم کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا کیونکہ احکام شرعی کے منکشف و معلوم ہونے کا سلسلہ اسی ذات باریکات پر ختم ہو چکا ہے۔ معاذ اللہ! یہ بھی حضورؐ سے اسلامیات کی شرعی حیثیت دیانت کیا کرتے تھے، کیا وہ بھی مدح اسلام سے نا آشنا تھے، اگر نہیں تو آپؐ اسلام اپنے مسلمانوں کو جو مسائل کی شرعی حیثیت معلوم کر کے خواہاں ہوئے۔ مدح اسلام سے نا آشنا قرار دینا دین کے ساتھ بخود نہ ملتا اور دنیاوی نہیں تو اور کیا ہے یہ کہنا حقیقت کو منہ کرنا ہے کہ فتاویٰ کے انبار نے اسلام کے ماخذانی کو نظر دل سے اوجھل کر دیا ہے عوام ہوں یا خواص کوئی بھی کسی امام مجتہد کی تقلید اس خیال سے نہیں کرتا کہ وہ امام کو رسول اکرمؐ پر ترجیح دیتا ہے بلکہ یہ سمجھ کر تقلید و اتباع کرتا ہے کہ اس امام نے قرآن اسیما سے رسول کو مانتا ہے کہ اس کا استنباط کیا ہے۔ اکابر امت، اکابر اہل بیتؑ ہیں کہ انہوں نے ایمانے رسول کو معلوم کرنے کی بیش از بیش سعی کی۔ اور اپنی طرف سے اس مقصد کے حصول میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا اور پھر رسول اکرمؐ سے جو جتنا نیا وہ قرب نانی و روحانی رکھتا ہے وہ اتنا ہی نیا وہ ایمانے رسول کو سمجھ سکتا ہے۔ اسی لئے اکابر امت کی آراء و برائعات دیکھی جاتا ہے اور ایسا بھی چاہئے۔

فتاویٰ کا انبار و شریعت اسلامی کے لئے شرم کی بات نہیں بلکہ غرر کی بات ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صلوات امت نے ایمانے رسول کو معلوم کرنے کی سعی بیش از بیش کی۔ اور دقیقہ رسی سے کام لیا ہے اس ضمن میں جہاں کہیں اختلافات پیدا ہو گیا ہے تو وہ بھی نیک نیتی پر مبنی ہے اور اس کے انماں بھی قرآن اسیما سے رسول ہی ہے۔ ایسی صورت میں فتاویٰ کے انبار کو ہدف مطاع بنانا ناہتہادہج کی ناشکر گزاری ہے۔

یہ درست ہے کہ بعض احکام ایسے بھی ہیں جن میں شارعِ اولیٰ کے بقیہ افراد کے درمیان کچھ فرق ہے لیکن اس فرق کو معلوم

کہنا ہر کس کا کام نہیں۔ اس فرق کو انشاء اللہ رسولؐ کے بعد ہی نفوسِ قدسیہ دافع کر سکتے ہیں جو اسلام کے مزاج شناس اور مسلم اسلامی کے بھڑخار کے شاد ہیں اس تمہید کے بعد اب آئیے نفسِ معنوں کی طرف معنوں کے آغاز میں طارق صاحب نے ابن رشد کی کتاب "ہدایت المجتہد" کے حوالہ سے یہ عبارت درج کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جب صیغہ امر سے ہوتا نام الوحیۃ کے نزدیک واجب پر دلالت کرے گا۔ لیکن تنہا مات کا کہنا ہے کہ امام ربویؒ فرمادے ہوں خواہ بالجہد ان سے سنتِ محکمہ کا استنتاج ہو سکتا ہے، وجوب وغیرہ کا نہیں۔ اس کے بعد دوسری وضاحت اس طرح ہے کہ

قربانی کے بارے میں وارد احادیث کا مفہوم متعین کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہی دراصل اس کی شرعی حیثیت متعین کرنے میں تضاد اور اختلاف کا موجب بنا۔

ہدایت المجتہد کی کتاب..... ماباب اول اس وقت سامنے ہے مگر کہیں بھی ایسی عبارت نظر نہ آئی جس کا یہ ترجمہ یا مفہوم ہو سکے۔ ابن رشد تو خود کتاب کے خطبہ میں فرما رہے ہیں۔

"والا مらん فہم منہ الجنم ولحقن العقاب تبد کہ مسمی دا جہا ان فہم منہ الثواب علی الغص والا نشقوا العقاب مع الترت مسمی مذبا و"

اس سے ظاہر ہے کہ علامہ ابن رشد کی یہ رائے نہیں کہ اس سے صرف سنت کا استنتاج ہی ہو سکتا ہے۔ ابن رشد کی طرف من گھڑت عبارت کو منسوب کرنا اور پھر موصوف کی رائے کے خلاف ادوار کے معنی بیان کر کے اس کا ذمہ دال نہیں ٹھہرانا حد درجہ کی جسارت ہے۔ امام ابو حنیفہ سے تضاد و تقصیب کی بنا پر ایسی عبارت گھڑی جا رہی ہے۔ جس سے یہ سمجھا جائے کہ ابن رشد ایک طرف امام اعظم کو کہتے ہیں اور دوسری طرف علامہ امت کو یا امام ابو حنیفہ کا شمار علماِ رامت میں ہونا ہی نہیں۔

اس کے ساتھ ہی ابن رشد کی اس عبارت "وعل حدیث جواس فی الغرض الذی یصحجہ فیہ الا احتجاء بہا ضعیف" کا ترجمہ یہ کیا "جو حدیث بھی مقصدِ اصل (وجوب قربانی) کی طرف دافع مفہوم لیکر نہائی کرنے سے قاصر ہے، اسے (وجوب کی) دلیل بنانا ضعیف (اور کمزور اسلوب) ہے"

تو سین میں وجوب قربانی اور وجوب کے الفاظ لکھ کر طارق صاحب نے مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ یہ ظاہر ہو سکے کہ ابن رشد وجوب قربانی کے مویدین سے مخاطب ہیں۔ اور کمزوری استدلال کا التزام ان پر قائم کرتے ہیں اگر تو سین میں وجوب قربانی اور وجوب کی جگہ عدم وجوب قربانی اور عدم وجوب کے الفاظ رکھ دئے جائیں تو کیسا رہے یہ بھی تو کیا جاسکتا ہے کہ علامہ کا روئے سخن منکرین و بکڑ کی طرف ہے آخر طارق صاحب کے پاس اس کا کیا قرینہ ہے، حالانکہ علامہ موصوف نے ایک عام قاعدہ بیان کیا ہے اور وجوب یا عدم وجوب کے متعلق اپنا کوئی فیصلہ نہیں دیا بلکہ دونوں طرف کے دلائل بیان کر کے یہی صورتیں ان کو منکرین وجوب کا حق قرار دیکر سنبھانا علمی و تحقیقی دیانت کے منافی ہے معنوں نگار نے الحقی کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے۔

"عن ابی سیرج بن اسد الغامری قال لقد رايت اباہی وعمرہ فیضیات کما ہنت ان یقتدا علی بہما یعنی حضرت خلیفہ فرماتے تھے کہ میرا بارہا کا مشاہدہ ہے (اور میں نے ہر بار اس کو لوٹ لیا ہے) کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما اس خیال سے قربانی کو مکروہ جانتے تھے کہ لوگ ان کی اقتداء کو ضروری سمجھ کر قربانی کے عادی نہ بن جائیں۔

یہ روایت کئی طریقوں سے مروی ہے اور اس پر ضعیف ہونے کا التزام بھی ہے تاہم اگر صحیح بھی ہو جیسا کہ صاحب بدایہ نے تحریر کیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تخمین حالات افسار دہش میں قربانی نہیں فرماتے تھے۔ تاکہ لوگ نہ سمجھنے لگیں کہ محسن پر بھی قربانی واجب ہے۔
وہ نہ سچے کی بات ہے کہ اس زمانہ میں وہ قربانی نہیں کرتے تھے۔ اگر ذی استطاعت ہوتے تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ قربانی کو چھوڑ دیتے
کیونکہ قربانی کی فضیلت قرآن مجید میں ایک کوسلیم کیا ہے یہ خود مضمون نگار نے بھی اس کے وجہ سے انکار کرتے ہوئے اس کی سنت ہونے کا اقول
کیا ہے اگر تخمین رضی اللہ عنہما قربانی نہیں فرماتے تھے تو ایسا ان کے ذی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے تھا اور محسن پر قربانی واجب ہونے
کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ اس کے بعد مضمون نگار نے اٹھلی سے حضرت ابو مسعود جعفی بن عمر البندی کا یہ قول مع ترجمہ درج کیا ہے۔

”لقد حمیت عن ادع الاضحية دانی لمن ایس کہ محافظہ عن یحسب الناس انہما حتمہ واجب یعنی بلاشبہ مسلمانوں کی بہتر
ادائیگی کے خیال سے قربانی ترک کر دینے کا ارادہ ترک کر چکا ہوں کیونکہ یہ اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اسے ضروری (موسیٰ) اور واجب سمجھ لیں گے۔
حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ باوجودیکہ کہ تم میں سے کوئی ترہمیں گلاس اندیشہ سے لوگ قربانی کو واجب سمجھنے لگیں۔ میں نے اس کے چھوڑ
دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔“

اس اثر سے کسی طرح بھی عدم وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ موصوفہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اتنے دوسرے تھے کہ ان پر قربانی واجب
ہوئی اور غیر موصوفہ وجوب کا کوئی بھی قائل نہیں۔ دوسرے ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے واقعی قربانی ترک کر دی یا نہ اس اثر کے آخری
مکررے۔۔۔۔۔ غافلہ۔۔۔۔۔ الخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ محسن ہونے کے باوجود قربانی کرنے کے خواہشمند ہوں گے۔
اس کے بعد مضمون نگار نے اٹھلی ابن رشد اور ابن حزم کے حوالہ سے حضرت بلالؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے دعاثر نقل
کئے ہیں۔ جو یہ ہیں ۱۔

۱۔ ما کنت ابالی لوضیعت ہدایت ولا ن اخذ ثمن الاضحیہ فالصدق بد علی مسکین مقتوف موصاحب الی
من ان اضحیٰ۔

۲۔ اشترحا لحما ومن لعیتک فقل هذا الاضحیۃ ابن عباس۔

حضرت بلالؓ کی مرضی کی قربانی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی دوسرے کے گوشت کی قربانی سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس وقت
موصوفہ بھی تھے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حالات میں رہیں ہونے کے باوجود عید قربان پر قربانی کا۔۔۔۔۔ شوق پیدا کرنے کے لئے کچھ نہ
کچھ لطفہ صدقہ خرچ کر دینا ضروری سمجھتے تھے۔

”من راقی حلال ذی الحجۃ فاسا دان لیضی فلا یاخذن من مشیۃ ولا من اطعام حتی یضی“

اس حدیث سے فقہانے استدلال کیا ہے کہ چونکہ شرائط قربانی واجب ہیں اس لئے قربانی بھی واجب ہے۔

طارق صاحب جواب یہ ہے کہ چونکہ قربانی ہر سلم کے ارادہ سے واجب ہے اس لئے یہ واجب یا فرض نہیں ہو سکتی۔ شرائط کی پابندی کا
طرح ہے جس طرح نفل نماز کے لئے بھی جمعہ اور ان نماز کی پابندی ضروری ہے۔

یہ درست ہے کہ بعض شرائط کی پابندی کے باعث کسی عمل کی فرضیت یا وجوب بالاستتلا نہیں کیا جاسکتا لیکن اس حدیث سے
عدم وجوب بھی تو ثابت نہیں ہوتا اور نہ حدیث میں قربانی کو لوگوں کی مرضی پر منحصر کیا گیا ہے اس حدیث میں ارادہ کے لفظ سے یہ کسی طرح ثابت
نہیں ہوتا کہ یہ واجب نہیں بلکہ لوگوں کی مرضی پر منحصر ہے واجب اور فرض حالات کے لئے بھی پہلے ارادہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ کسی عبادت
فرضیت یا وجوب کا تقاضا نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ قربانی پر شخص پر بلا لحاظ عسر و آسر واجب نہیں جس طرح نماز فرض ہے بلا
موسر پر واجب ہے اور عسر و آسر کا مکلف نہیں۔ اس لئے اس حدیث میں ارادہ کے لفظ سے اس کے عدم وجوب بالاستتلا نہیں کیا جاسکتا

اس حدیث "من وجد سعتر فلم یسم یغی فلا یقتب مصلانا"

ہم طارق صاحب کو یہ اعتراض ہے کہ اس کا نادی محمد بن عباس بن عباس "نہایت صبر و جود اور ناقابل اعتبار ہے حالانکہ معترض کے پیرو مشاہدین محرم نے ان کو "لیس معترض" فابالغۃ لکھا ہے اور ابن بھرتے "تقریب التہذیب" میں صدوق یغلط لکھا ہے اس نرم جرح کے مقابل میں طارق صاحب کی یہ سخت جرح کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

اس کے بعد طارق صاحب نے یہ حدیث "کتب علی النخ ولسہ یکتب علیک" پیش کر کے اس پر تنقید کی ہے کہ اس کی اسانید میں جعفر الجعفی کتاب ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کا کتاب ہے معلوم نہیں معترض کو یہ حدیث پیش کرنے اور اس پر جرح و تنقید کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی کیونکہ یہ حدیث عدم وجوب قربانی کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے۔ ہمیں خود تسلیم ہے کہ یہ حدیث کمزور ہے لہذا اس سے عدم وجوب کا استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ حدیث قائلین وجوب کی طرف سے پیش کی جاتی تو اس پہلے اس صاحب کی تنقید کا کوئی مقدمہ ہو سکتا تھا۔ موجودہ صورت میں بصورت موجودہ اس پر اعتراض نہ صرف لغو ہے بلکہ اس سے معترض ہر طرف کے مسلک پر بھی زد پڑتی ہے۔

آخر میں معترض نے سورہ کوثر کی آیت "فصل لربک والآخر" سے استدلال وجوب قربانی پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے۔
"فصل لربک والآخر" کا فقرہ ہے۔ لیکن محضین کہتے ہیں کہ کوئی لفظ جب مشترک المعانی اور متعدد معانی کا متحمل ہو تو اس سے کسی خاص مفہوم کا تعین کرنا قرآن پر بہتان ہے۔ چنانچہ کسی ایک صحابی سے بھی "خمر" کے معنی قسبانہ منقول نہیں ہوئے۔ مثلاً پہلے مجاہد متوفی ۲۴۰ھ اور اسماعیل بن ابی خالد متوفی ۲۸۵ھ نے یہ تفسیر چھوڑا اور اس طرح قربانی کا تحت قرآن سے پیش کیا جانے لگا۔ اعادنا لربک من شرور انفسنا"

لفظ "خمر" قربانی کرنے اور دیگر معانی میں مشترک ہے اور صاحب مضمون کا کہنا ہے کہ جب کوئی لفظ مشترک المعانی ہو اور متعدد معانی کا متحمل ہو تو اس سے کسی خاص مفہوم کا تعین کرنا قرآن پر بہتان ہے۔

یہ خیال سراسر جاہلانہ ہے۔ قرآن میں صرف یہی ایک مشترک المعانی لفظ استعمال نہیں ہوا، بلکہ متعدد ایسے لفظ موجود ہیں۔ مثلاً لفظ "قرو" کے معنی طہر اور حیض دونوں کے ہیں یہ لفظ نہ صرف مشترک المعانی بلکہ تنہا والمعانی ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اس سے جعفر مراد لیا ہے اور امام شافعی نے طہر۔ اگر لفظ مشترک سے کوئی مخصوص معنی مراد لیا ہے قرآن پر بہتان ہے تو پھر کلام اللہ میں جتنے الفاظ اس قبیل سے ہیں ان سے کوئی حکم استخراج نہیں ہو سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ حنفی اصول فقہ کی رو سے لفظ مشترک کے کسی متعین معنی کے اعتقاد کا قطعاً ہے اس میں توقف کرنا اولیٰ ہے۔ لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے اولہ وادارات پر غور کرنے کے بعد جو پسند واضح نظر آئے گا اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس لئے "والآخر" سے "اور قربانی کیجئے" کے معنی مراد لے کر توحافہ نے قرآن پر بہتان باندھا ہے اور اپنے اصول کے خلاف کوئی کام کیا ہے۔ جب خراج ادا یا قیاس یا ساق و سباق وغیرہ سے مشترک کے ایک معنی متعین کرنے جائیں تو پھر وہ مشترک نہیں رہتا بلکہ مآول ہو جاتا ہے اور اس پر عمل واجب ہوتا ہے، گو غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے۔

اگر "خمر" کے معنی آیت مذکور میں قربانی کی بجائے نمازیں سینہ پر پڑھنا باندھنا یا دعا میں سینہ تک ہاتھ اٹھانا لئے جائیں تو کیا طارق صاحب اس کو قرآن پر بہتان سے تعبیر کریں گے۔ کیا "قرو" سے امام ابو حنیفہ نے حیض اور امام شافعی نے طہر مراد لے کر قرآن پر بہتان باندھا ہے یا دعا بھی عجیب غریب ہے کہ مجاہد متوفی ۲۴۰ھ اور اسماعیل بن ابی خالد متوفی ۲۸۵ھ نے پہلی مرتبہ سورہ کوثر میں "خمر" کے

معنی قربانی بیان کئے ہیں۔

جہاد اور اسماعیل بن ابی خالد کے نام کے ایک سے زیادہ راوی گزرے ہیں۔ اگر مضمون نگار اپنا پتہ بتا دیتے تو معلوم کیا جاسکتا کہ کس نے کس موقع پر کیا کہا۔ بہر حال خود بخود "ابن حزم میں (جس سے مضمون نگار نے انکشاف کیا ہے) یہ عجابت درست ہے۔" و فرک وقول اللہ تعالیٰ (مفصل لسبک) واضح و مفہوم ہے۔

ابن حزم کی وفات ۵۴۰ھ میں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی کے اوائل میں یہ تفسیر موجود تھی۔ پھر یہ کہا کہ ساتویں یا آٹھویں صدی میں یہ تفسیر چھڑا گیا کہاں تک درست ہے؟ نیز محمد جویری طبری نے حکیم، حسن، انس بن مالک، عطاء، جہاد اور سعید بن جبیر وغیرہم سے اپنی تفسیر سوسہ کوثر میں جو روایات درج کی ہیں، ان میں یہ "محر" سے قربانی ہی مراد لی گئی ہے۔

ابن حجر کی وفات ۸۵۰ھ یا ۸۵۱ھ میں ہوئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسری صدی میں یہ تفسیر عام تھی۔ "الذوالنورین" تفسیر قاضی بیضاوی سنہ ۵۸۰ھ میں بھی یہی تفسیر موجود ہے، امام فخر الدین رازی توفی ۸۴۰ھ اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت سے متعلق فرماتے ہیں: "وہو قول عامة المفسرین ان الملل دھونک البدن" اور پھر آگے اس تفسیر کی ترجیح کے وجہ بیان کئے ہیں۔

شیخ الاسلام ابوالعباس ابن تیمیہ توفی ۷۲۸ھ نے ایک مستقل رسالہ سورہ کوثر کی تفسیر میں لکھا تھا، جس کا اردو ترجمہ جلال رازق طبع آبادی نے کیا، جہاں لہلال یک اجتماعی، انشیرالوالہ و روانہ، لاہور سے ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوا۔ اس میں بھی شیخ موصوف نے "محر" کے معنی قربانی ہی لئے ہیں۔

غالباً یہ جہاد اور اسماعیل، دونوں وہی حضرات ہیں جن کا ذکر ابن حزم نے صفحہ ۳۵۰ پر کیا ہے اور لکھا ہے: "وما فعلہما احمد اقبلہم قال: انہما الاضاحی" اگر ایسا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ لوگ کم از کم تیسری یا چوتھی صدی ہجری کے ہوں گے کیونکہ ابن حزم کی وفات ہی ۵۴۰ھ میں ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں جہاد بن جبر، غزوی، جہاد بن موسیٰ، نوادہ بن حنفی اور جہاد بن وردان مدنی گزرے ہیں ان میں سے ایک کو امام ابن حجر عسقلانی نے "تقریب التہذیب" میں ثقہ و امام تفسیر، دوسرے کو ثقہ اندلسیہ کے مصدق کہا ہے ان میں سے پہلے جہاد سے جمیع اصحاب سنن نے اہل قبیلہ دونوں سے شیخین کے علاوہ اہل بیت نے دعایت کی ہے۔ اسماعیل ابن ابی خالد کے نام کے بھی ایک سے زیادہ راوی اس زمانہ میں گزرے ہیں۔ ان میں سے ایک احمدی اور دوسرے مدنی ہیں۔ پہلے کو ابن حجر نے "تقریب التہذیب" میں ثقہ احمدیہ کے مصدق لکھا ہے۔ ان لوگوں کے متعلق یہ کہا کہ انہوں نے "محر" کے معنی قربانی بنا کر شوشہ چھڑا ہے، کچھ کم زیادتی اہل بیت ان نہیں۔

دیگر امر سے قطع نظر یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ سوسہ کوثر میں "واضح" سے مراد قربانی ہے یا نہیں؟

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ ابن حجر نے مختلف تابعین اور تبع تابعین سے دعایت کی ہے کہ "محر" سے مراد قربانی ہے یا ابن تیمیہ اور بیضاوی اور نیز حاشیہ بیضاوی میں شیخ زادہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ تفسیر جلالین میں بھی "والنحر" کے لئے "لنگ" لکھا ہے۔ امام رازی نے جو خود شافعی المذہب ہیں اس تفسیر کی ترجیح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں صلوة کے ساتھ رکوع کا حکم فرماتا ہے اس لئے یہاں "محر" سے قربانی ہی مراد لینی چاہئے۔ دوسرے یہ کہ اگر "محر" سے سینہ پر ہاتھ رکھنا وغیرہ

مراد لئے جائیں تو یہ افعال تو عموماً داب صلوٰۃ میں شامل ہیں اس لئے جہد کا عطف کل پر بھیج نہیں ہوگا کیونکہ صلوٰۃ کلی ہے اور نہ "نحر" ان معانی میں اس کا جہد ہوا۔ تیسرے یہ کہ "نحر" اپنے دوسرے معانی کی نسبت "نحر البدن" کے معنی میں نیاہ شہد ہے۔ اس لئے سورہ کوثر میں ہی معنی مراد لئے جانے مناسب ہیں۔

ابن مرقوبہ نے سعید بن جبر سے روایت کی ہے کہ یہ آیت یوم حدیبیہ میں نازل ہوئی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اور اونٹوں کی قربانی کی۔ ابن ابی حاتم نے جہاد، عکرہ اور عطا سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں قربانی ہی مراد ہے۔ ابن منذر نے ابن عباس سے، ابن جریر نے قتادہ سے اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبر سے ایسی ہی روایات بیان کی ہیں۔ یہ تفصیلات بیرونی کی۔ روشنی میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اگرچہ ابن حزم اس آیت کی یہ تفسیر نہیں کرتے، لیکن حق شخص "الحملی" تک ہی محدود و منحصر نہیں۔
کلام اللہ کے بعد اب اگر احادیث متعلقہ کا جائزہ بھی لے لیا جائے تو مناسب ہوگا۔

صحیحین میں حضرت جندب بن سفیان الجملی سے روایت ہے: "انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم اضحی قال فالصفت فان اھربا للعمد و فیا تح الاضحی لثرب فکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھما ذبحتا قبل ان یصلی فقال من کان ذبح قبل ان یصلی فلیذبح مکرانھا اخری ومن لم یدک فلیذبح حتی یصلی" فلیذبح

ایک دوسری روایت صحیحین میں حضرت انس سے ہے کہ: "قال قال النبی صلعم یوم النحر من کان ذبح قبل الصلوٰۃ فلیذبح"

سوط امام، مالک میں عباد بن تمیم سے روایت ہے: "ان عویس بن اشقر ذبح ضحیۃ قبل ان یذبح و یذبح ما ضحی دانہ ذکرا لرسول اللہ صلعم فاحرک ان یذبح"

نسائی میں بھی حضرت جندب بن سفیان سے روایت ہے وہ صحیحین کے مطابق ہے۔
مشیر بالا احادیث سے دو امور واضح ہیں: ۱۔

۱۔ جس نے قبل صلوٰۃ قربانی کی، اس پر عادیہ قربانی ضروری ہے۔

۲۔ بعد از صلوٰۃ ہر شخص پر قربانی واجب ہے۔

چونکہ دونوں جگہ امر کے پیچھے مستثنیٰ ہیں اس لئے تا وقتیکہ اس کے خلاف کوئی قرینہ نہ پایا جائے ان صیغوں سے وجوب ہی مراد لیا جائے گا۔

امام ابن حزم نے "الحملی" میں یہ تو تسلیم کیا ہے کہ جس شخص نے قبل از صلوٰۃ قربانی کی ہو اس پر عادیہ واجب ہے، مگر اس کی وجہ یہ نہیں بتائی کہ نفس قربانی واجب ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ عادیہ اسی طرح ہے جس طرح نفل روزہ کو شروع کرنے کے بعد فاسد کردینے سے یا نفسی حج کو فاسد کردینے سے قضا واجب ہوتی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ مثال صورت حال کے مطابق نہیں کیونکہ نفل نماز ہو یا روزہ و حج، ان کی قضا اس لئے واجب ہوتی ہے کہ یہ عبادتیں اپنے تمام شرائط کے ساتھ جن میں وقت بھی شامل ہے، شروع کی گئی تھیں اور کل ارکان کی تکمیل سے پہلے فاسد کی گئی تھیں۔ مگر قربانی تو اپنے وقت سے پہلے شروع کی گئی اور وقت سے پہلے ختم کر دی گئی اور کوئی رکن فاسد نہیں کیا گیا۔ اس لئے اس پر ان مذکورہ عبادات کی مثال کیونکر صادق آسکتی ہے اگر کوئی شخص عبادت ہی

متعدد صحیح احادیث میں وارد ہوتی ہے اور بکثرت معتبر روایات سے بھی ثابت ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدمتِ طیبہ کے پورے زمانہ قیام میں ہر سال بقرعہ کے موقعہ پر قربانی کرتے رہے اور مسلمانوں میں آپ ہی کی سنت سے یہ طریقہ جاری ہوا۔ مسند احمد اور ابوداؤد میں ابویہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من وجہا صلۃ فلم یفج فلا یقراب مصلانا -
جو شخص استطاعت رکھتا ہو اور پھر قربانی نہ کرے وہ ہمارے عیگاہ کے قریب نہ آئے۔

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ محدثین میں صرف اس امر پر اختلاف ہے کہ یہ مرفوع روایات ہے یا موقوف۔ ترمذی یہ روایت ہے۔

اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یعنی! -
نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سال رہے اور ہر سال کرتے رہے۔

بخاری میں حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعہ کے روز فرمایا:-
من کان ذبح قبل الصلۃ فلیعد ومن ذبح بعدہا من الصلۃ فقد تمتہ لکم واصاب سنة المسلمین۔
جو نے عید کی نماز سے پہلے ذبح کر لیا اسے دوبارہ قربانی کرنا
اور جس نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی پوری ہو گئی
اس نے مسلمانوں کا طریقہ پالیا۔

امید معلوم ہے کہ یہ امر کو کہ میں کوئی نماز الی نہیں ہوتی جس سے پہلے قربانی کی سنت مسلمین کے خلاف ہو۔ اور پورا کرنا مطابق لہذا لا محالہ یہ ارشاد مدینہ میں ہی ہوا نہ کہ حج کے موقعہ پر مکہ میں۔

مسلم میں جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بقرعہ کی نماز پڑھائی اور بعض لوگوں نے یہ کہ آپ قربانی کر چکے ہیں، اپنی اپنی قربانیاں کر لیں اس پر آپ نے حکم دیا کہ مجھ سے پہلے جن لوگوں نے قربانی کی ہے وہ پھر احادہ کریں! پس یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ بقرعہ کے روز جو قربانی عام مسلمان دینا بھرتے ہیں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کی ہوئی سنت ہے البتہ اگر اختلاف ہے تو اس امر میں کہ آیا یہ واجب ہے یا صرف سنت۔ ابراہیم نخعی، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام محمد روایت کے مطابق امام ابو یوسف بھی اس کو واجب جانتے ہیں اگر امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ صرف سنت مسلمین ہے ابو یوسف ان کی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی نہ کرے تو مضائقہ نہیں۔ تاہم علماء امت میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں اگر تمام مسلمان متفق ہو کر اسے چھوڑ دیں تب بھی کوئی مضائقہ نہیں یہ نبی آپ کے صرف ہمارے زمانہ کے بعض لوگوں کو سوجھی ہے۔ لئے ان کا نفس ہی قرآن بھی ہے اور سنت بھی۔

اگر مفسرین لگا سنیک یعنی کے ساتھ حق کے جو یا ہیں تو ان واضح اور روشن دلائل سے ان کا اطمینان ہو جانا چاہئے لیکن محض اعتراض ہوائے اعتراض اور تفصیل عامۃ المسلمین ہے تو ان بات ہے تاہم اس مفسرین سے تائید کو اتنا تو ضرور معلوم ہے کہ طاری صاحب نے غلط جوابوں اور غلط تعبیرات سے کام لے کر اہل مفہوم کو کتنا توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اور یہی اس مفسر مقصود الی ہے۔

محمد زکریا مائل

اندلس پر ایک طائرانہ نظر

یادش بخیر جب کبھی اسلامی اندلس کی یاد آ جاتی ہے تو بے اختیار دل تڑپنے لگتا ہے اور کسی شاعر کا یہ مصرعہ زبان پر جاری ہو جاتا ہے

ہما ما بھی رہا ہے اس چمن میں آستیاں برسوں

یقیناً، اپنے ایک لمحے کے لئے سناٹا سا آجاتا ہے دنیا کے انقلابات، اس کی بے ثباتی اور عروج و زوال کے مناظر چشم تصور کے آگے فلموں کی طرح گردش کرنے لگتے ہیں اور بے ساختہ رونے کو ہی چاہتا ہے۔ آخر مرزا لگانہ چنگیزی کا یہ شعر حافظ میں ابھر کر فی الجملہ دستی کا سا اہمیا کرتا ہے۔

سہ یکاں کبھی کسی کی نہ گزری زمانے میں

یادش بخیر بیٹھے تھے کل آستیاں نے میں

یوں تو اس آستانے کو اجڑے ہوئے صدیاں گزرتیں مگر بعض وقت بالکل اب محسوس ہوتا ہے جیسے پچھلے کل ہی یہ سانحہ دنیا سے اسلام پر گزرا ہے۔ خیال کہ اندک اتنا لڑھکا ہی چاہئے کہ کبھی کبھی اس قصہ پانینہ کو یاد رکھ کے واقعات سینہ کو آزار دہنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ یہ مختصر مضمون اسی قسم کی ایک کوشش ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی اندلس پر عربی زبان میں اس کثرت سے کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ ان کا احصاء کوئی آسان کام نہیں۔ اگر ان کتابوں کا تعارف ہی لکھنے کی کوشش کی جائے۔ تو ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی اس کے بعد متعدد یورپی زبانوں میں اندلیات کے موضوع پر بہت کثرت سے کتابیں لکھی گئیں مثلاً جنسی، فرانسیسی، انگریزی اور اطالوی زبانوں کے ادبی خوانے ان علمی و تاریخی جواہرات سے مالا مال ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان گنج گزائے گزائیاہ تک رسائی ہر ایک کی بات نہیں۔ اس لئے انہیں پھوڑ کر اگر صرف اُردو زبان میں اندلس سے متعلق کثیر التعداد تراجم اور تالیفات کے مطالعہ پر اکتفا کیا جائے تو اس کے لئے بھی خاص وقت و کار ہو گا۔ مجبوراً ان کی شرح و تفصیل سے بھی صرف نظر کرتا ہوں اور سروسٹ ایک جدید ترین عربی ماخذ ”الموسمۃ الذہبیہ“ کو سامنے رکھ کر ایک مضمون قارئین کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ خدا کو جب کوئی کام بنانا منظور ہوتا ہے تو بقول علامہ اقبال مرحوم سے

پاسباں مل گئے کیسے کو صنم خانے سے

اکثر و بیشتر غیر مسلم حضرات شعری یا غیر شعری طور پر اسلام کی کوئی نہ کوئی اہم خدمت انجام دیتے نظر آتے ہیں۔ الموسمۃ الذہبیہ دیکھ لیں انسانیکو مینڈیا امریکہ کے علمی اداہوں کے زیر اہتمام بارہ حصوں میں عربی زبان میں مرتب ہوئی ہے۔ اس مجموعہ کے لئے جس فراخ دلی سے بہترین طباعت اور جلد بندی وغیرہ کا قابل رنگ انتظام کیا گیا ہے اس کی بے ساختہ داد دینا پڑتی ہے۔ اب یہ کہنا ادبیاتی ہے کہ اس مجموعہ میں اندلس پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اندلیات کے موضوع پر دنیا میں سے ایک نظر کا مصداق ہے یقیناً اندلس پر اس سے کہیں زیادہ تفصیل اور بے نقصی کے ساتھ لکھا جاسکتا تھا تاہم امریکی اعانت کے زیر سرپرستی ایسی علمی خدمت کا سرا انجام پانا بھی دلی شکر گزاری کا مستحق ہے۔ من بعد لیک اناس لم یشک اللہ۔ اب آئندہ مطروحات میں حوالہ بالا مضمون ملاحظہ ہو۔

کوئی بارہ سو برس پہلے کا واقعہ ہے جب اسلامی فتوحات کا دائرہ مشرق اوسط میں وسیع تر ہوتا جا رہا تھا اس زمانے میں مسلمانوں نے بہت بڑی قوت پیدا کر لی تھی۔ بحر متوسط کی مشرقی جانب میں اہل اعظم افریقہ کے شمال میں جو آفاقی واقعہ تھیں ان پر عربوں کا قبضہ و تسلط قائم تھا یہاں تک کہ وہ جبل الطارق (جبل الطریق) کو عبور کر کے اسپینا (اسپین) میں داخل ہوئے اندلس طویل زخم کا خاتمہ کی مغربی حکومت کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کی پھر صال البرالس میں جا پہنچے اندلس کی نظر میں ان پہاڑوں کے اس بارے کے علاقوں پر پڑیں تو ان کی افواج نے فرانس پرستاخت کی جہاں زمانے میں بلاد فلال (جبل کنطری) کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن ان اطراف میں اسلامی فتوحات کا سیل بے پناہ شہر قذرت تک پہنچ کر ٹھہر گیا۔ اس لئے کہ بلاد فلال کے وزیر خاں بعد شمل مارشل (چارلس مارشل) نے اس مقام پر اسلامی افواج کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔

اندلس کے عرب اندلس کے اصلی باشندوں اندلسی فاتحین کا ایک ملا جلا مرکب تھے۔ اسپین پر عربوں کی حکومت برپا ہوئی قائم رہی جو مدلی و انعمات میں بہت ممتاز تھی۔ اس دوران میں انہوں نے اس ملک کی ترقی اور صفاء و بہبود میں نمایاں حصہ لیا اندلسی شاہنشاہی کو بڑی کامیابی سے منتقل کیا۔ یہ کوئی ایسی حیرت کی بات نہیں ہے اس لئے کہ عرب اس زمانے میں ریاضیات، فلکیات، قواعد طب میں استاد تھے۔ انہوں نے یونانی زبان کے مدثرے کو عربی زبان میں منتقل کر کے اس کی خاطر خواہ حفاظت کی تھی۔ عربوں نے عربی زبان کے بہت الفاظ عربی زبان میں داخل کئے، مثلاً الجبر، کیمیا، الکحول، الکلب، قلندر، کاشن، قنبر (گوگرم) شراب (شوشیا) اسی طرح انہوں نے مشرق کی بہت سی مصنوعات اور ہنر میں منتقل کیں جن میں کاغذ کا ہر باب سے نیا وہ اہمیت رکھتا ہے اسپین کے جہاز اپنا تجارتی سامان افریقہ اور ایشیا میں بھی پہنچاتے رہتے تھے،

عربوں نے اسپین میں بہت سے شہروں کی بنیاد رکھی جن میں قرطبہ سے نیا وہ قابل ذکر ہے وہ اس زمانے کے عظیم ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس شہر میں تین ہزار مسجدیں، تین سو عوامی حمام، یوہرہ کی ادبیت سے خوب صورت محل تھے، اس شہر میں ایک ہزار سے زیادہ لیباف تھے جو خوش نما عربی فرش فرخشاں اور ہمدے وغیرہ بنا کئے تھے۔

غواظ بھی عظیم الشان عربی شہروں میں سے تھاجس میں اندلس کی مشہور ترین عمارت قصر الحمراء واقع تھی۔

جب یہاں مسلمانوں پر زوال آیا تو ان کے آخری قلعے غواظ ہی کے ختم ہونے پر ۱۴۹۲ء میں ان کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا یہ سانحہ کو لبس کے اس سفر سے پہلے کا ہے جس میں اس نے پہلی مرتبہ امریکہ کو دریافت کیا تھا۔

(الموسمۃ الذہبیہ، عربی ان سیکلو پیڈیا)

حافظ لدھیانزی

بہ حضور سرور کائنات

ذروں کو کیا ہمسرہ خورشید جہاں تاب
 ہر گسب سرورہ کو کیا گوہر نایاب
 پہنچے ہیں تیرے لور سے کیا کیا خض و خاشاک
 اے صاحبِ لولاک
 ہے نقشِ کعب پائز تاروں کی جبین پر
 احسان ترے نور کا ہے ماہِ مبین پر
 تابندہ ترے قدموں سے ہے عرصہٴ افلاک
 اے صاحبِ لولاک
 ہے خسر تجھے فقر پہ اے شاہِ دو عالم
 اے ختمِ رسل، ہادی دین، خلقِ مجسم
 سرور ہے مری آنکھ کا پاؤں کی تری خاک
 اے صاحبِ لولاک
 تو رحمتِ عالم ہے، دو عالم کا انبیا ہے
 تو صاحبِ معراج ہے محبوبِ خدا ہے
 کیا سمجھے گا تیرے ترا، الن کا ادراک
 اے صاحبِ لولاک

جاوید احسن۔

کس کے پر تو سے نہ دہر میں جلوہ افشاں
 کس کے صدقے میں ستاروں نے ضیا پائی ہے
 اک تری ذات زمانے میں ہے "کن" کا مقصود
 اک ترے لور سے یہ انجمن آرائی ہے
 بشریت کی حقیقت شبِ معراج کھلی
 "سایہ تک ساتھ نہیں کیا تری یکتائی ہے

ماہر القادری۔

کیا مدینہ سے بھی پیغام کوئی لائی ہے
 یا نسیمِ سُخسری یوں ہی پہلی آئی ہے

مسٹر اے، کے بروہی ایڈوکیٹ

روح انتخاب

میری گزارش یہ ہے کہ ہماری تعلیم لگ بھگ ۱۰۰ سالوں میں اسلامیات کا موضوع اسلام کا کٹلی نصب العین ہونا چاہئے۔ کالمی کی تلاش بھاریا کہ ہے۔ ایک ہی دفعہ جان دے دینا آسان ہے۔ لیکن جاہلیت کے خلاف مسلسل جنگ کرنا اور چھوٹے موٹے قیمرلوں کے علی الرغم کلہری کی کا اعلان کرنا میرے نزدیک یہ جہت الہی کا ایک بڑا اور بلند تر منظر ہے۔

اسلامیات کے بارے میں مزید ایک غلط فہمی یہ ہے کہ اسے بعض اوقات محض تفاسیر قرآن، انتخاب حدیث اور قدیم کتب فقہ کے مطالعے تک محدود کر لیا جاتا ہے یہ بھی صحیح اسلامی نقطہ نظر نہیں ہے۔ طبیعیات، علم کیمیا، علم الحیات، ریاضی، فلکیات، وسائط طب، قانون، استعارہ وغیرہ کا مطالعہ بھی اگر اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے کہ فروعی زندگی پاکیزہ ہو اور پوری انسانیت کے لئے فلاح اور اتحاد و استقامت ثابت ہو تو یہ مطالعہ بھی اسلامیات ہی کا ایک حصہ ہے۔

اسلامی طرز حیات میں دین و دنیا کے باہمی کوئی منافات و امتیاز نہیں ہے۔ اسلام میں قیصر کا حق قیصر کو ادا کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہاں قیصر کا کچھ سرے سے ہی نہیں، سب کچھ اللہ کا ہے، اسلام قیصریت کا مخالف ہے، کیونکہ قیصر اس راہ میں کاؤ ہے جس پر سچ کر اپنی اپنے خدا تک پہنچتا ہے۔ ہر شکل میں برائی کا مقابلہ بھاد ہے جو بالائی الہی کے شہداء کی تاریخ و حقیقت شر کے خلاف بھاد کی تدبیر ہے۔ جان دینے والوں نے اپنی جانیں اسی لئے دی ہیں کہ سبیل اللہ کے موانع و دھڑوں اور اللہ کے بندے ہر لحاظ مستقیم ہو جائیں ہو کہ اپنی منزل مقصود تک رسائی حاصل کریں۔ قیصر شاہراہ عام ہر ایک سنگ گراں ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ ایک جارحیت کی ضد تباہی نام دے سکتا ہے لیکن اگر وہ خدا کے قانون کے بجائے اپنا قانون چلاتے اور اس طرح خلائی قانون کے خلاف جنگ کرے تو خلائی قانون کے مطابق اس کا دھن سے ہٹایا جانا مقصد ہو چکا ہے۔ تمام قیام و منہ و تاریخ پر عین غلط کی حقیقت رکھتے ہیں اور کسی نوع و خان اور گیارہ کنان کے بغیر ان کا مٹ جانا یقینی ہے۔ اسلام اپنے نظام میں قیصر کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ حاکمیت اوپر اللہ ہی اللہ کے لئے ہے و اللہ مافی السموات و مافی الارض زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ کی ملکیت ہے تمام طاقت و اقتدار اسی کے لئے ہے اس میں کوئی اس کا شریک و ہم نہیں ہے۔

اس لئے اسلام کے طالب علم کو متوجہ بناتے حیات میں دینی و غیر دینی کی تعریف کا ہمہ یک نظریہ تسلیم نہیں کرنا چاہئے پوری زندگی ایک دفعہ ہے اور مشیت الہی سے وجود میں آئی ہے اس میں ناپاک اجزاء کو کوئی دخل نہیں ایک مسلم اس کا کوئی عیب اور کمزوری کی سزا اپنے اسلامی نصب العین سے ہمکنار ہونا چاہئے اور اللہ حق کی عبادت و عبودیت کے جذبے میں سرشار ہو کر تحصیل علم کا کام کرنا چاہئے۔

اس طریقے سے نہ صرف اس کی انفرادی تکمیل ہوگی بلکہ وہ پوری انسانیت کو ان بے راہروں سے بچائے گا جو خدا کے حقوق اور قیصر کے حقوق کی مصنوعی تقوین کا نتیجہ ہیں۔

وقت کی پکار یہی ہے حالات کا تقاضا یہی ہے خوش بخت اور خوش نصیب میں وہ مردان کار جو اس پکار کو سنیں اور اپنی سیم چڑھ کے دیکھیں اس اعلیٰ مافع نصب العین کو حاصل کریں جس کے لئے انسانیت آواز تھکتی سے اب تک لڑتی چلی آ رہی ہے۔

ہماری نظر میں

أنحاء السکن الی من یطالع اعلاء السنن

از: مولانا غفر احمد عثمانی متاوی، ضخامت ۱۳ صفحات (پشاور سائنس و ایجوکیشن پبلیکیشن)۔
قیمت پچھروپے، (علاوہ محصور لڈاک)

لکھنے کا پتہ: دارالعلوم اسلامیہ، شندوالہ یار (مغربی پاکستان)

جناب مولانا غفر احمد عثمانی متاوی نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ایما سے بلکہ ان کی زیر ہدایت و نگرانی "اعلاء السنن" کی متعدد جلدیں مرتب فرمائی

تھیں، جن میں پوری شرح و بسط اور عقلی و فنی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ کتاب و سنت کا مخالف نہیں ہے! یہ کتاب رانحاء السکن، جس پر تبصرہ کیا جا رہا ہے، اسی معرکہ آراء تالیف (اعلاء السنن) کا مقدمہ ہے، جس پر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے (جمادی الآخرہ ۱۳۲۶ھ میں) جو کلمات تحسین فرمائے ہیں، ان سے اس مقدمہ کا آغاز ہوا ہے اس کے بعد سادہ الفاظ قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ملے گی۔

اس کتاب کے شروع میں احادیث نبوی کے اقسام سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کہ متواتر کیا ہے، مشہور و غریب کے کہتے ہیں، ارسال و تدلیس سے کیا مراد ہے، رفع و دفع، وصال و قطع کا حدیث کی بحیثیت میں کیا مقام ہے؟ احادیث مرسل حدیث کثر ثبوت میں حجت سمجھتے ہیں، اس کو ثابت کرنے کے لئے مراسیل پر بڑی تفصیل کے ساتھ سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، جرح کیا ہے؟ تعدیل کی کیا تعریف ہے؟ "ہذا حدیث منکر" کہہ کر متقدمین اور متاخرین کیا مراد نتیجہ میں؟ "انہ لیس شیء" کی اصطلاح کے کیا معنی ہیں؟ غرض احادیث کے تمام گوشوں اور پہلوؤں پر جس عالمانہ اور بصیرانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے اس نے اس کتاب کو بنی حدیث کے موضوع پر انتہائی مفید کارآمد اور معلومات آفرین بنا دیا ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حدیث صحیح کا انحصار صرف بخاری اور مسلم پر نہیں ہے، بعض دوسرے مجرعوں میں بھی احادیث صحیحہ ملتی ہیں۔

احادیث سے بعض علماء نے "ارجاء" کو منسرب کیا ہے، اس پر بنیاد الزام کی پرندہ تردید کی گئی ہے کہ مذہب حنفیہ کی کتابیں، مذہب مرجعہ کو باطل قرار دیتی ہیں، "تو جس چیز کو حنفی مذہب نے باطل ٹھہرایا ہے، وہ الزام اس پر کیسے عائد ہو سکتا ہے۔"

مشاہیر علماء اسلام دین نے حضرت ابو حنیفہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جو اخراج تحسین و عقیدت پیش کیا ہے، اس کے مستند حوالے اس کتاب میں ملتے ہیں، یہ واقعہ ہے کہ صحابہ کرام کے بعد کسی اور شخصیت کی اتنی تحسین و تکریم نہیں کی گئی جس نے

امام اعظم سے تعصب و عناد دکھا، اُس نے اپنی زمانت اور باطنی کیفیت کا کوئی اچھا ثبوت نہیں دیا، باب مناقب میں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ امام اعظم بلاشبہ تابعی ہیں! اسی لیے بھی کہ آپ فن حدیث کے بہت بڑے ناقد اور صاحبِ جرح و تعدیل ہیں۔
”تمہ فی مسائل شنی“ جس کا بالکل عنوان ہے ”وہ بہت اہم ہے اس میں ناقدین حدیث کے اقوال پیش کر کے فاضل مصنف نے ”قلت“ کہہ کر جو گفتگو کی ہے، وہ دلیں ہے اُن کی تردید یعنی ناقضہ فرامست اعدا لمانہ بصیرت کی مگر کہیں کہیں اُن کی ”تعدیل“ ”جرح“ کے مقابلے میں زیادہ ذری نقطہ نہیں آتی۔

کتاب کا تخریب علامہ طغری احمد عثمانی نے کیا بول اور شاہر علماء و کُتُوب کی تشریح کی ہے۔ شائبہ ”وہ“ قول الحافظ کہتے ہیں تو اُس سے اُن کی مراد ابن حجر عسقلانی ہوتی ہے۔ ”قا الیقین“ فی الفتح ”کے یہ معنی ہیں کہ شیخ ابن ہمام ”فتح القدیر“ میں بول فرماتے ہیں۔۔۔ ”بالمد“ سے ”المدائح“ ”بالبحر“ سے ابن نجیم کی ”بحر الرائق“ اور ”بالکنز“ سے فقہ کی کتاب ”کنز الدقائق“ نہیں بلکہ علامہ سیوطی کی ”کنز العمال“ مراد ہے۔۔۔۔۔!

حضرت مصنف مظلہ کا یہ مقدمہ ہر اعتبار سے گراں قدر اور بلند پایہ ہے، مقدمہ میں اس کا ترجمہ ضرور دینا چاہیے!
قرآنی و نبوی دعائیں حصہ ۱۔ مولانا خاں محمد سبانی، ضخامت ۹۶ صفحات (صرف دیکھ کر قیمت ۵ روپے لگنے کا پتہ)۔ فرینڈز پبلیکیشنز گلبرگ تیراں، دلی، عثمان۔

اس کتابچہ میں عربی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ قرآنی اور نبوی دعائیں جمع کی گئی ہیں! دعا چاہے قبول ہو یا نہ ہو اُس سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، یہی اُس کا سب سے بڑا فائدہ ہے!
صفحہ ۵، پتہ ”وہ“ اور ”وہ“ کے تحت ترجمہ اور تفسیر ناگہانی ضابطہ سے کیا گیا ہے، یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کہ ”غلبہ“ کی جگہ ”نعمتک“ چھپ گیا۔ اسی طرح صفحہ ۸۰ پتہ ”ان امت لدیفا“ کی بجائے ”ان امت لدیفا“ پڑھنا پڑا۔۔۔ یعنی غلجہ

اس ترجمہ میں سفر کرتے وقت کی دعاؤں سے مدد گئی اور یہ شہد دعاء ”انت اسلام و ملک السلام“۔۔۔ تہانک یا ذوالجلال والا سلام“ بھی نظر نہیں آتی، جو ہر زمانہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول میں شامل رہی ہے۔

مولانا خاں محمد سبانی نے ان دعاؤں کو جمع کر کے اپنے لئے نہایت اہم اور عام مسلمانوں کے لئے خیر و برکت کا اہتمام کیا ہے۔

۱۔ مولانا اشرف علی تھانوی مد، ضخامت ۱۰۰ صفحات،
اشرف الجواب حصہ ۱۔ کتب خانہ انوار اسلام، کاغذی باغ، کراچی

”احکام شریعت کی علتیں دریافت کرنا، اس بات کا ثبوت ہے، کہ قلب میں غلط فہمی نہیں“۔۔۔ تغیب طاس لئے کی کہ تمام اہل قرآن شریف میں ہیں۔۔۔ اس قسم کے سوالات کے جوابات جو حکمت و دانش سے لبریز ہیں اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا خاصہ ہیں، اس کتاب میں مدنی کئے گئے ہیں، جن کے مطالعہ سے بہت سے تکرر کا ازالہ ہوتا ہے اور دینی بصیرت پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ نسیرین وحید خاں دایم۔ اے ۱۰۰ صفحات ۳۸۶ صفحات (مجلد ۱، رنگین گورپش، قیمت چھ روپے لگنے کا پتہ)۔ سید بک کتب خانہ، بعد بانار، بندہ روڈ، کراچی

یہ کتاب بی۔ اے اور بی۔ اے آنرز کے طلباء کے لئے لکھی گئی ہے اسلئے ضرور پڑھنے کے لئے کام کی کتاب ہے، طلباء کو تو اس کا فائدہ

اٹھنا ہی چاہئے۔ مگر اچھے خاصے تعلیم یافتہ حضرات کی معلومات میں اس کے مطالعہ سے اضافہ ہوگا !
 - افلاطون کہتا ہے کہ تصور حقیقت ہے اور اس دنیا کی ہر شے اس حقیقت کا عکس ہے، جس کا تصور

ہمارے ذہن اور دماغ میں موجود ہے، لہذا تصور کے ذریعہ ہم حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں ؟

یہ ہے فلسفہ تصوریت - افلاطون کے افکار سیاسی کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد آگے منتہید بھی کی گئی ہے ۔۔۔ افلاطون حقوق کو بالکل فراموش کر دیتا ہے اور فرض پر زور دیتا ہے ۔۔۔ افلاطون کا اشتراکی نظام انسانی فطرت کے بالکل برعکس ہے وہ انفرادیت کو بالکل کچل دیتا ہے اور سیاست کے مفاد کو بہت افضل قرار دیتا ہے ۔۔۔ افلاطون کا اشتراکی نظام قابل قبول نہیں ؟

”اس طرح کے نظریہ کا۔۔۔ سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس کی حکومتوں کا اطلاقی موجودہ زمانے میں نہیں ہوتا ۔۔۔ اس طرح ریاست کی ایک بھاری قلعہ کو نہ صرف حقوق شہریت سے محروم کر دیتا ہے بلکہ ان کو قانون سازی کے لئے بھی نااہل قرار دیتا ہے اور ایک محدود طبقہ کو شہریت اور قانون سازی کے حقوق سونپتا ہے لہذا سیاسی مفکرین نے اس طرح کے نظریہ شہریت کو بہت تنگ اور محدود قرار دیا، میکاؤلی نے سیاست کو اخلاق و مذہب سے علیحدہ قرار دے کر سیاست اور اخلاق میں دو فی پیدا کر دی ۔۔۔ ہانس کے یہاں سجادہ دو پارٹیوں کے درمیان نہیں، بلکہ یک طرفہ ہے ۔۔۔ ہانس انسانی فطرت کے اچھے پہلوؤں پر مبنی نہیں ڈالتا، وہ انسان کو وحشی، خود غرض اور چالیں تصور کرتا ہے، لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ ان باتوں کے علاوہ انسان میں ہمدردی اور محبت کا جذبہ بھی بدرجہ اتم موجود ہے“

لاک کہتا ہے ۔۔۔ ”عوام اپنے تمام سیاسی اختیارات بطور امانت بادشاہ کو سپرد کر کے سونے کے لئے چلے جاتے ہیں، لیکن جانے سے قبل وہ بادشاہ سے کہتے ہیں کہ اگر اس نے امانت میں خیانت کی، تو وہ اپنی نیند سے بیدار ہو جائیں گے اور اپنی بغاوت کا حق استعمال کر کے اس کے خلاف بغاوت کریں گے“ ۔۔۔ لاک جمہوریت کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے، جس میں اختیارات عوام کے منتخب شدہ نمائندوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں وہ بادشاہت کو بالکل مسترد نہیں کرتا ۔

اپنی تصنیف ”روح قوانین“ میں مونٹیسکیو کو نے تفریق اختیارات کے نظریہ کو ان فطرتوں میں بیان کیا ہے ۔
 ”اگر معتقد اور انتظامیہ کے اختیارات ایک ہی شخص یا اشخاص کی ایک جماعت کو دئے جائیں، تو وہ جماعت ہر باد کے خوف سے آزاد ہو کر ظالمانہ قوانین بنائے گی، اور ان کو ظالمانہ طریقہ سے نافذ کرے گی“ ۔۔۔۔۔۔۔

”مونٹیسکیو کے نظریہ کا اثر صرف فرانس پر ہوا بلکہ انگلستان میں مونٹیسکیو کے نظریہ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا، امریکیوں نے مونٹیسکیو کے نظریہ کو اس قدر اپنا پا کر امریکی دستہ کی بنیاد ہی اس کے نظریہ تفریق اختیارات پر رکھی گئی ہے ؟

”مونٹیسکیو کا خیال ہے کہ اس ریاست میں آزادی کا تصور ہی پیدا نہیں ہو سکتا جس میں ایک شخص یا اشخاص کی ایک جماعت قانون سے بالاتر ہو“

”روسو“ کے نظریہ ارادہ عامہ (GENERAL WILL) پر سخت تنقید کی گئی ہے، سیاسی مفکرین کا خیال ہے کہ روسو کا نظریہ ارادہ عامہ نامکمل اور غیر واضح ہے، عملی طور پر اس کے نظریہ کا اطلاقی ہونا مشکل نظر آتا ہے، وہ ارادہ عامہ اور ارادہ کلی میں فرق کو واضح طور پر ظاہر

ابن خلدون اور اقبال کے سیاسی افکار پیش کئے گئے ہیں، ان دونوں مصلحہ علمی ہر قیاس کی گئی ہیں اور وسیع مطالعہ بھی! اس نے کتاب کو ہر اعتبار سے گراں قدر اور بلند پایہ بنا دیا ہے!

۱۱۔ ضیاءِ آزادی، ضخامت ۸۸ صفحات، (سرمدی رنگین و دیدہ زیب قیمت تین روپے ۵۰ نئے پیسے)۔
گرورہ ملنے کا پتہ ۱۔ مکتبہ جامعہ ملیہ نئی دہلی۔

جناب ضیاءِ آزادی، حضرت سیاتِ اکبر آبادی کے استاد تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا کلام برسوں سے بلند پایہ رسالوں میں شائع ہو رہا ہے، ادبی حلقوں میں وہ بہت دلوں سے متعارف ہیں، اردو زبان و ادب کے مشیطی ہیں! اشعار میں اپنا خاص رنگ رکھتے ہیں، جس میں شری کم مگر رفتار و تجدید کی فراوانی ہے!

ضیاءِ صاحب نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے، یہ دلیل ہے اُن کی قدرتِ سخن، رشتا قی کی! گرورہ کے منتخب اشعار۔

(رباعی) ظہمت کے بغیر نود پائے گا کہاں

خوابوں کے صحنِ گلے بنائے گا کہاں

دھرتی کی کشش سے بچ نکلنے والے

جذبِ آفت سے بچ کے جائے گا کہاں

نظم "جہاندار" کا پہلا بند ۱۔

شام جیسے ہر سید پوش سپرد ہے یہاں
 ہر دکاں نارِ حقیقت میں ٹھیرا ہے یہاں

ہر اُجائے کے پس پردہ اندھیرا ہے یہاں
 ہر خطرناک دزدے کا لیڈر ہے یہاں

مگر

اس ہند کی ٹیپ کے مصرعے ان چاروں مصرعوں کے جوڑے نہیں ہیں۔

آگ دندھ کی دہکتی ہے بھڑکتی ہے مام

روحِ انساں کی رذالت سے بھڑکتی ہے مام

روح کا پھر کنا، ایسے موقعوں پر نہیں بولا جاتا، اس کا عمل استعمال اور ہے،

کچھ اُن کے دے، کچھ میری جبین سے

اندھیروں میں مٹنے سے کیا فائدہ ہے

ماتے! کیا چیز محبت کی نظر ہوتی ہے

ادھ کہنا جو تھا کہ نہ کے

آنکھیں جیسے مہ کے پیالے

چلی دنیا میں رسمِ سجدہ ریزی

اُجڑوں کو ڈھونڈو حشر کو پکاؤ

ہوش ہوتا ہے نہ کچھ اپنی خبر ہوتی ہے

کہ دیا اُن سے جو نہ کہنا تھا

پائیں جیسے گل کی شاخیں

دھول کی شاخیں کہنا تھا

کوں تجھ سے نکالت کیا گلا کیا

مجھے دھوکا دیا میری نظر نے

بہارِ تمہید ہے خزاں کی، بہار لے کر میں کیا کروں گا

قرار تو نامِ موت کا ہے قرار لے کر میں کیا کروں گا

تمہارے دھڑے، تمہارے پیمیاں، تمہارے قتل و قرار کین
یہ دو دہائی کا ہے نقد سودا آدھارے کر میں کیا کروں گا

مصرارخ۔

آواز جنوں فتنہ نسیرا دہی
اخلاص و وفا کی داد، پیدا دہی
رکھتا ہوں نگاہ اپنے مستقبل پر
ماضی مرے امروز کی بنیاد دہی

اس رباعی کے آخری دونوں مصرعے خوب ہیں! مگر شروع کے مصرعے مبہم ہیں، "آواز جنوں" سے کیا مراد ہے! "فتنہ فرار" کیا ہوتا ہے
اخلاص و وفا کی داد، پیدا دہی؟

پشتِ عفریتِ شب پر میں کٹے برسانے آیا ہوں

نورانی صبح کے جلوں کو جنیام مٹانے آیا ہوں (ص ۱۲۴)
"صبح کا تارا" اس نظم کا عنوان ہے! شب کے عفریت کی پیشہ پر صبح کے تارے کا کٹے برسانا — کس قد بناوٹی خیال ہے اس
میں کتنا تکلف پایا جاتا ہے اور تکلف بھی بے لطف!

عجب فائزہ ہے محبت کی دنیا
خبر میں کوئی نقص نہیں — مگر نیار و دولی کا یہ شعر بے ساختہ یاد آگیا، کس قیامت کا شعر ہے! —
تو پتے تلپتے سکوں پاگئے ہیں
جہاں سے چلے تھے وہیں آگئے ہیں
ضیا صاحب کی غزل کا مطلع ہے۔

سہانا سا زمانہ چاہتا ہوں
اس قسم کے اشتیاقا انتخاب میں چھانٹ دینے چاہتے تھے۔
جنوں کے گیت گانا چاہتا ہوں

موج جنبات میں جو بہ نہ سکے
آن سے وہ دل کا حال کہ نہ سکے (ص ۱۲۴)

یعنی !!!

ضیا تجھ آبادی کی طبیعت کو نظم سے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے، مختلف موضوعات پر ان کی نظمیں اس مجموعے میں
شریک ہیں، لغتِ رسول کے یہ شعر کتنے ایمان افروز ہیں! —

ہر دے ابھی آنکھوں پہ بھالت کے پڑے ہیں
کس گئی دنیا میں ضیا نے لقیں سے
پائے کوئی کچھ درِ فیضانِ محمد
انسان کی تاریخ بہ عنوانِ محمد

از ۱۔ خضر مہنی، ضخامت ۱۶۶ صفحات (مجلد، رنگین گرد پوش، قیمت دس روپے پچاس پیسے
لئے کا پتہ ۱۔ سنگم کتاب گھر، آبد و بازار، دہلی۔

گل و سنگ

جناب خضر مہنی پر لکھے صفائی اور کہنہ مشق شاعر ہیں، ان کی زندگی انہی دلیوں کی سیر و سیاحت میں گزری ہے! زبان صاف و

شستہ اور بیان میں تفضل کا چٹخارہ ملتا ہے — منتخب اشعار —

آگ نمنہ ہے جہنم کا جہاں آیا ہے
پھر بھی رداں رداں ہے بہ فضل خدا ہوز
یاد کرنے اپنی بربادی کا عالم دوتے
اور کہتے بھی تو کیا، "تم گمراہی کے سرا
کس کو ہے کتنا پیارا، ذرا دل ٹٹولنے
غیروں پہ التفات و کرم ہم سے اجتناب
کرو کشتی کو خود ہی نذر طوفان دیکھتے کیا ہو
ہنہ خواں میں کیا نہیں، جو ہے بے باں
کچھ گریختیں آنجہ گین لیل نہا رہیں
میکش وہی میکش ہے پی کر پوسنیں جاتے
کم ظنٹ بھکتے ہیں غور ہی سی بول جاتے
جب سے مجھے دیکھا ہے دنیا کو نہیں دیکھا
ہنہ خواں میں کیا نہیں، جو ہے بے باں
تلخ ہے جام مگر پھر بھی پئے جاتے ہیں
راز داری کے سبب ضبط کئے جاتے ہیں

دوسرا رخ —

آقی ہیں مرے لب پہ فقط یار کی باتیں (ص ۲۱)
اغیار کا کچھ ذکر نہ ہیں پیار کی باتیں
یار کی باتیں — کیا پیار کی باتیں نہیں ہوتیں؟
دل میں بھڑکی آگ ان کی چشم ترکے سامنے (ص ۲۵)
اے بیگانے ہوتے برقی نظر کے سامنے
مفہوم بطن شاعری میں گھٹ کر رہ گیا۔

بہاں گم ہو کے رہ جاتی ہے سب تدبیر انساں کی (ص ۲۶)
وہاں سے باز ہوتی ہیں خدا والوں کی تھریں
تقدیر دل کا باز ہونا — کیا بات ہوتی؟

فضائے عالم امکاں لگی ہے تھرانے (ص ۲۹)
پھر راج رقص میں آئے ہوئے ہیں دیوانے
"وہ ہیں آئے ہوئے ہیں، کہنا تھا، "وہ رقص آگیا یا آیا ہوا ہے" یہ لبان اور دندمرہ نہیں ہے، پھر یہ مبالغہ ہی ہے کہ دیوانوں کو
رقص میں دیکھ کر عالم امکاں کی فضا تھرانے لگی۔

آپ روج عشق میں نامح کو بکنے دیجئے (ص ۵۴)
محبوب کو "روح عشق" کہہ کر سٹاپ کرنا، کچھ عجیب سا لگتا ہے اس ترکیب سے شعر میں کیا فعلی اور معنوی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔
"مے خواروں" کہنا بت کی غلطی معلوم ہوتی ہے "مے خوار" لکھنا چاہئے تھا، "اک اذن کہ عام آیا" اس نکتہ کے لئے شکر کا لطف خالق
کر دیا۔

نظام عالم کو کیا ہوا ہے کہ میری ہستی جواں نہیں ہے

مگر کسی کا کرم ہے شامل جو مجھ پہ طاری نواں نہیں ہے (ص ۸۶)

مصرعہ اولی خاصہ بیہم ہے۔

کوئی ہے جہاں کا عادی کوئی شانِ نعم بڑھائے (ص ۱۳)
کوئی مستقل سائے کوئی پھر فریب کھائے

خضر برنی جیسے کہنہ مشق شاعر کے مجموعہ کلام میں ایسے اشعار ابھرتے ہیں،

دوس (۱۱۱) رقیب کو نہ کہی مدد و محاب کریں وہ مجھ کو درد و محبت سے کامیاب کریں
اس مطلع کا بھی وہی رنگ ہے، ایسے اشعار نو مشقی کے زمانے میں کہے جاتے ہیں۔

دوس (۱۱۲) معکوس فطرت کی یہ سب ساز باز ہے محو نیاز میں ہوں، تو وہ بے نیاز ہے
معکوس فطرتی "نئے شعر کا ستیا ناس کر دیا۔

دوس (۱۱۳) عشق ہی کامیاب ہونا تھا عشق آخر خواب ہونا تھا
شاعر کے فن کا بڑا تعارف ہے، یہ مطلع!

دوس (۱۱۴) کیا جادو کیا ہے کسی نے انک غم پڑ گئے آج پینے
اس میں جادو کی آخر کیا بات ہے، انک غم پینا، تو محبت کا معمول ہے!
محبت میں جنونی شوق اب شامل نہ ہو جائے

دوس (۱۱۵) ہمارا دعویٰ صدق و صفا باطل نہ ہو جائے
جنونی شوق "میں ہوا و محسوس کب پائی جاتی ہے، جس کے شامل ہو جانے سے "صدق و صفا" کا دعویٰ ہی سرے سے باطل ہو جائیگا۔
ہو نظر نظر میں سما گئی، اسی اک نظر کی تلاش ہے

دوس (۱۱۶) مرا کھو گیا ہے دل و جگر مجھے دنیا بھر کی تلاش ہے
دل تو کھیرا جاتا ہے مگر خضر برنی صاحب کا "جگر بھی دل کے ساتھ کھو گیا، عجیب غم، "دنیا بھر پڑھتے ہوئے زبان کتنی اذیت
محسوس کرتی ہے!

دوس (۱۱۷) میری غریب زندگی کس کے سہارے جائے گی سجدے تو پی کے سحر ہے میکدہ مجاز میں
اہم نہیں اہمال! سچر مصروف اولیٰ میں زبان کی خامی و جہان کو کس قدر کھٹکتی ہے!

کتاب خانے اہتمام سے ترتیب دی گئی ہے، جگر جگر تصویریں اور قلمی خاکے ہیں! جو شاعری رنگین مزاجی کی دلیں ہیں، حالانکہ خود
شاعری تصویر "مروپا نہ" ہے! کتاب کا نام اُس کے مضامین کا بھی ترجمان ہے کہ اس میں پھول کی نرمی کے ساتھ سنگ و خشک کی سختی
ملتی ہے! مگر وجدان شاعری میں نرمی و روانی کو ڈھونڈتا ہے اور۔

سے مروجِ خواب بار بھی کیا گل کتر گئی

سے یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود ایاں

نہ کوئی بندہ رن، اور نہ کوئی بندہ نواز

جیسی شاعری سے محفوظ ہوتا ہے۔

از: علامہ اقبال، انگریزی ترجمہ، بشیر احمد ڈار

صفحات ۸۰، صفحات، قیمت تین روپے،

لئے کا پتہ: انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کچلر، رولڈ، لاہور

EULSHAN-I

RAZ-I-JADID

AND

BANDAGI NAMAH

جناب بشیر احمد ڈار علی حلقوں میں باوقار شہرت رکھتے ہیں، وہ عالم میں فلسفی ہیں اور بلند پایہ انشا پرداز ہیں، خاص طور سے "اقبالیات" پر صاحب موصوف "AUTHORITY" سمجھے جاتے ہیں، یہ کتاب جو ہمارے سامنے ہے علامہ اقبال کی دو نظموں ————— گلشن راز جدید اور ہندگی نامہ ————— کا انگریزی ترجمہ ہے، ترجمہ عامہ سلیس اور معال ہے اس کے زیادہ کار آمد اور مفید شریحی حواشی ہیں، جن میں علامہ اقبال کے مفہوم، فلسفہ اور تعلیمات کی عالمانہ انداز میں شرح کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ محمود شبستری اور علامہ اقبال کے تصوف آمیز افکار کہاں کہاں مختلف ہیں! محمود شبستری کا فلسفہ "فنا" اور گم ہوجانے کا فلسفہ ہے، اقبال "فنا" اور گمشدگی کی نفی کر کے بندہ کی "خودی" کو اتنا بلند کر دینا چاہتے ہیں کہ۔

خدا بندے سے خود بوجھے بتائیں رضا کیا ہے

"فنائین" انفعالیات اور مجرد پایا جاتا ہے اور "خودی" میں فعالیت اور حرکت ہے، پھر جس طرح قطرہ سمندر میں مل کر گم ہو جاتا ہے اس طرح بندہ خدا کی ذات میں گم ہو جانا، یہ تصوف غیر اسلامی ہے!

فاضل نجر حم اور اشار نے اس کتاب کو اپنے استاد پروفیسر حافظ محمود خاں شبیرانی کے نام معنون کر کے اپنی سعادت مندی کا ثبوت دیا ہے!

PARALLELISM اثر ۱۔ ایں اے ہندی، ضخامت، ہم صفات و ہمارا، خوشنما ناٹ، پانڈا جلد ۴

IN طے لاکھ ۱۔ پست بکس ۱۵۵ ممباسہ دکنیا

ENGLISH WORD POETS اس کتاب پلانڈر چھک آف گھنڈیل دھانی گد نہر کینا ایٹ افریقہ نے مختصر سا پیش لفظ،

مشرقی، ساکس تاہسن درانی ڈی ڈی ڈاٹر کٹر تعلیمات کینیڈا "تعارف" مشرقی سی وجے رائٹو۔ مستقل سگریٹ فزات محنت نیروبی نے "ریولوشن" مشرقی، پیٹر و علاقہ کی افریقہ تعلیمات ممباسہ نے "دقیقین" اور جناب سید احتشام حسین نے پیپر لکھا ہے اسان تمام ممتاز وقت متاثر شخص نے فاضل مولف کی کاوش و محنت اور ذوق شغری کی تحسین کی ہے، جناب ہندی صاحب نے اپنی کتاب سے جو "مقدمہ" لکھا ہے وہ ادب و دانش کا اچھا نمونہ اور ان کے علم و فضل کا آئینہ دار ہے۔

جناب ایں اے ہندی نے انگریزی اور اردو شعراء کے مختلف مفرقات پر وہ اشعار جمع کئے ہیں جن میں مضمون و خیال کی یکسانی پائی جاتی ہے اور تین نمونے۔

There's not a bonie flower, that springs
By fountain, shaw or green
There's not a bonie bird that sings
But reminds me o' my Jean
Robert Burns

I see her in the dewy flower
I see her sweet & fair
I hear her in the tune fu' birds
I hear her charm the air
Robert Burns.

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے انیس بلب کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلو ہے تری قسمت کا • جس بھول کو سرنگھتا ہوں بھرتی ہے
اشارہ ہے یہی بار صبا کا اکبر چمن اک رنگ ہے اس کی ادا کا
نسیم صبح گاہی وجد میں ہے • عجب مطلب ہے بلب کی صدا کا
گل آتشیں ہستی میں عدم ہے ہر تن گوش آتش بلب کا یہ نالہ نہیں افسانہ ہے اس کا
انگریزی شاعر کہتا ہے —

*I wander in the ways of men
like knowing & unknown.*

اکبر الہ آبادی نے اس خیال کی ان لفظوں میں ادا کیا ہے —
نہ تعلق ہے کسی سے نہ شناسائی ہے انجن میں ہوں مگر عالم تنہائی ہے

*Misery is but the shadow of happiness. Happiness
is but the cloak of misery. LAO TSE.*

درد کے شعر میں اس مفہوم کا حین قرار دینی ہے —
شادی کی اور غم کی ہے دنیا میں ایک شکل گل کو تنگستہ دل کہو تم یا شکستہ دل
درد نے تنگستہ دل اور تنگستہ دل کہ کہ منالی اور ثقت سے شعر کو کس قدر وزنی اور اثر انگیز بنا دیا —

*What in fact is the world? A gleam which shines
which is a thread has made, and which a breath
can destroy.*

Silla de Caux.

میر تقی میر فرماتے ہیں —

نے سانس بٹھا آہستہ کہ نازک ہے بہت کام آفاق کی اس کا لہر ریشہ گری کا
اس کتاب میں میر کا ایک شعر نگاہ سے گزرا —

ساقی قدمے کہ ندق قل ہے مطرب غوغے کہ فعل گل ہے
اس شعر میں میر کے عام رنگ سے بہت کس قدر فارسیت بلکہ "ایرانیت" پائی جاتی ہے —

صفحہ ۱۶۱ پر بخش سلج آبادی کا ایک شعر ہے —

آپ سے ہم سے رنج ہی کیا ہے مسکرا دیجئے معافی ہے
کاش افاض مولف کو محمد تقی میر کی ہادی کی تلمیذ امیر مینائی کا یہ شعر یاد رہتا —

باوانی و آلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور رونی کپڑا ————— کورا اور دھلا لٹھا

ہر قسم کا دھاگہ تیار ہوتا ہے

باوانی و آلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی قدر

اور

حوصلہ افزائی

آپ کا قومی سرِ نصیب ہے

ادمانی کے پارچہ بتا دیر ہوتے ہیں



آدم جی کاسٹن ملز - لائڈھی کراچی

کارمینا

درد، شکم، ہضمی، بھوک کی کمی،
آپا مارہ، قبض، قے، دست
ہضم کی خرابی

یہ اور معدہ اور جگر کے دوسرے امراض آج کل عام ہیں۔ اور ان شکایاتوں کی وجہ سے نہ صرف صحتیں خراب رہتی ہیں بلکہ کار بار اور زندگی کے دوسرے مسائل پر بھی اثر پڑتا ہے۔ آپنا ہاضمہ اور صحت کا ضلہ ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ وہی ہیں جو کچھ آپ کھاتے ہیں۔ لیکن جب آپ کا کھانا ہوا جسم کو نہ گئے، اور جڑو بدن ہو کر بن کر آپ کو طاقت نہ پہنچائے تو کھانا مینا ہی بے کار نہیں ہوتا بلکہ انتہا بیشنا، سٹو جاگنا مشکل ہو جاتا ہے اور مینا ڈوب جاتا ہے۔

ہمدرد کی ایسا برٹول اور جڑو مطبوں میں چیدہ ٹری ٹوٹیل اور ان کے قدرتی شکبات پر طویل تجربت اور سائنسی تحقیقات کے بعد ایک متوازن اور مفید دوا کارمینا تیار کی گئی جو ہضم کی جلد خرابیوں کو دفعہ کرنے میں خصوصیت رکھتی ہے۔ کارمینا معدہ پر نہایت خوشگوار اثر کرتی ہے اور اس کے اعلیٰ کو درست کرتی ہے ہضم کے فعل کے لیے جو روشیں ضروری ہیں کارمینا ان کو مناسب مقدار میں پیدا کرتی ہے۔ جگر کی اصلاح کرتی اور جگر کی جلد خرابیوں کو درست کرتی ہے۔

بچے کی جان تیز اسیت ہیٹ کا بھاری بن، نفع، بد ہضمی، ہیٹ کا درد، کھٹی دھاریں، درد شکم، متلی اصفیٰ، بھوک کی کمی، قبض یا معدہ اور جگر کی دوسری بیماریوں میں کارمینا کا استعمال نہایت مفید ہوتا ہے۔

کارمینا نظام ہضم کو درست اور قدرتی کرنے کی یقینی دوا ہے۔ ہر موسم اور ہر آب و ہوا میں ہر مزاج کے لوگوں کے لیے فائدہ بخش اور خوش ہے۔ بلا خطر استعمال کی جاسکتی ہے۔ کارمینا ہر گھر کی ایک ضرورت ہے۔



ہمدرد دواخانہ (دقت) پاکستان
کراچی ڈھاکہ لاہور چٹھم

ہمدرد

مئی ۱۹۶۶ء

کراچی

فاران

ماہنامہ

ایڈیٹر

جلد ۱- ۱۸
شمارہ ۵- ۲
ماہر القادری

تقریب

۳	ماہر القادری	نقشبِ ازل
۸	مولانا محبوب الرحمن	محمد مصطفیٰ اصل اللہ علیہ وسلم
۱۳	اسرار احمد بہادری (ایم۔ اے)	آداب مراسلہ نگاری
۲۵	پروفیسر وحید اللہ لفظی (ایم۔ اے)	ابن ابی البریج
۴۴	محمد خاں (جنگ صدر)	اقبال کا فارسی کلام
۵۱	مولانا محمد حسام اللہ شریانی	اسلامی حکومت میں مالیات کا شعبہ
۵۷	مختلف شعراء	سفینہ بغزل
۵۹	مولوی ضیاء الدین اصلاحی	روح انتخاب
۶۱	ہماری نظر میں

پبلشر - مسرود حسین

قیمت فی پرچہ ۶۲ پیسے

چند سالہ سائٹ پوے

مقام اشاعت

دفتر ماہنامہ فاران کیمپل اسٹریٹ کراچی

مسودین پبلشر نے انٹرمیڈیٹ پریس ناچا میں پمپا کر دفتر ماہنامہ فاران کیمپل اسٹریٹ لاکھ پڑھے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ اول

پاکستان اسلام کے نام پر اور اسلام کے لئے بنا ہے مگر افسوس ہے کہ اس ملک کا جو مقصد وجود اور اخلاقی تعلیم ہے اس سے یہاں شروع ہی سے غفلت برتی جاتی رہی ہے، یہاں کی معاشرت، سیاست و طریق تعلیم و تربیت اور قانونی دستور ان میں کسی شعبہ کو بھی خالص اسلامی بننے کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی، اس امید و انتظار میں کتنے دین پسندوں کے بال سپید ہو گئے کہ اس خطہ میں کثرت و کیفیت کے اعتبار سے چھوٹے پیمانہ پر ہی سہی، خلافت راشدہ کی ایک صبح تو نمودار ہو سکتی۔

حزبن اتفاق سے پاک و ہند کی جنگ کے زمانہ میں پاکستان کے معاشرے میں دینی جھلک اور اخلاقی رنگ پیدا ہو گیا، خشیت الہی اور محاسبہ آخرت نے فکر و خیال اور قول و عمل کو پاکیزگی عطا کی، ریڈیو کی نشر گاہ سے لے کر حرام کی محفلوں تک "لا الہ الا اللہ" کی صدا میں گونجنے لگیں، بڑے بڑے عادی مجرم اور پیشہ ور بدعاش برائیوں سے ڈک گئے، جیسے جرائم کی چلتی ہوئی گاڑی میں کسی نے ایک ایک بریک لگا دیا، پولیس کے رجسٹروں میں آئے دن جو قمار داغیں "دبج ہوئی رہتی ہیں ان میں حیرت انگیز طہر کی طاق ہو گئی، جو عورتیں تبرج جاہلیت اور ناک سماں کی عادی ہیں ان کو کلام پاک کی تلاوت کرتے اور نوافل پڑھتے دیکھا گیا، ہر طرف اللہ، رسول کے تذکرے، دین اور نیکی کی باتیں، جوش جہاد نے دلیلی سے موت کا ڈر نکال دیا تھا، ادھر مسلمانوں کی سوسائٹی میں دینی تبدیلی کے آثار نمایاں ہوئے اور ادھر اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہوئی، دنیائے اس حقیقت کا جس بیسویں صدی میں بھی شہرہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوٹی جماعتیں بڑے گروہوں پر غالب آ جاتی ہیں اور جنگ کے میدانوں میں طاغوت کے نذیر مجاہدین کی مدد کی جاتی ہے پچ تو یہ ہے کہ اس جہاد نے مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ کی تصدیق کر دی، اجماع، سیکورٹ، لاہور اور جونہ کے محاذ سے لے کر بنگلہ کے میدان تک اہل ایمان کی شجاعت، ہر فرد کی استعداد اور استقامت کا یہ سلسلہ المذہب استوار ہو گیا۔ کچھ کچھ دیر سے اور خدا کے نکتے جو مجاہدوں اور غازیوں پر نصرت الہی کا نزول دیکھ کر بے ساختہ "اللہ" کا نام پکارا اٹھے، اکبر الہ آبادی نے اس نفیاتی کیفیت کو جو حقیقت میں فطرت کی پکار ہے، شہداء زبان میں بولی بیان کیا ہے۔

ہر متضرب کو اس کی طرف التفات ہے

آخر خدا کے نام میں کوئی قربات ہے

دینی طبقہ نے معاشرے میں دین و اخلاق اور جوش الی اللہ کا یہ رنگ دیکھ کر دلی مسرت کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور پاکستان کے ارد بھر بہت دگھڑا دھواں اس طرف متوجہ کیا کہ حکومت اپنے تمام فلاح کام میں لائے، تو جنگ کے بعد اس کی حالت میں بھی معاشرے کی یہ اخلاقی سطح بہت سارے اقدامات رہ سکتی ہے، اس نفاذ کو باقی رہنا چاہئے، بلکہ اس کو بلند سے بلند تر کرنے کی ضرورت ہے

مگر

احسان صلح کے بعد اخلاقی زندگی اور خلافت کا یہ پڑھتا ہوا پارہ صنفیہ زندگی لگا۔ اخبارات میں پھر انہی حوائج اور ادارہ قادی کی خبریں آنے لگیں، جو جنگ کے زمانے میں رگ گئی تھیں۔ — جبکہ جگہ دوسرے دارتحصیلوں کے تعاون دایما سے کچھل کر شکر کے نام پر رقص و سرود کی وہ مہمیں جھنجھ لگیں، جن پر قرآنی اصطلاح میں "فحش و منکر" کا اطلاق ہوتا ہے! اور جن کے ناچار تہذیبی میں دو دلائل ہو رہی ہیں سکتیں! اس پر دلیری کا یہ عالم کہ انجیل میں کھلے خزانے بٹے غزو و مہمات کے ساتھ ان معصیت آلود مناظر کی تقریریں چھپ رہی ہیں — یہ عہدوں کی قوالی ہے، وہ لڑکیوں کا ناچ ہے، اور یہ مسلمان کنواریوں کی اداکاری کا منظر ہے! شمشیر و سناں کے ہندو روئے دھ کے بعد "ٹاؤس و باب" کا پھر وہی اخلاق سبز تماشا، بلکہ پہلے سے نیا ہندو شہر کے ساتھ اور اس انداز اور تنظیم کے ساتھ جیسے نانا بھساد کی دینی نفاذ کو رنگ و بو، چہرہ و کس اور فحش و منکر کے قالب میں ڈھال دینا ہے! نصرت الہی اور انجام خداوندی پر شکر بھیجنے کی بجائے اس کے اس تہجد اور ڈنکے کی جوت "کفران"!

نہ ناظرہ سر بگربیاں کہ اسے کیا کہئے!

جو کوئی ان حیا سوز حرکتوں کا صوفیہ کرام کے "سماع" سے جوت لانا چاہتا ہے، وہ نہ "سماع" کی حقیقت سے واقف ہے اور نہ صوفیہ کے مزاج اور کردار کو پہچانتا ہے، صوفیہ کرام کی اکثریت، مزا میر اور آلات سرود و غنا کی مخالف رہی ہے، چاہے اس کے بجانے والے صرف مرد ہی کیوں نہ ہوں، یہی عہدوں کی گلوکاری، رقص و سرود اور ایکٹنگ اور وہ بھی مردوں کو خوش کرنے اور اٹھانے کے لئے، تو یہ ہر صوفی کے نزدیک قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔

بھارت، ہند، امریکہ اور روس وغیرہ ممالک میں بے شک اس معصیت اور منکر "آرٹ" سمجھا جاتا ہے، مگر اسلام ایسے "آرٹ" پر جو کھلی ہوئی ہے، لعنت بھیجتا ہے! ان ہے حیا کی باتوں اور اخلاق سوز حرکتوں نے دنیا کی جو حالت گذر گئی ہے اس کا اندازہ کر لے کہ لے امریکہ کے معاشرے کا سرسری جائزہ لیجئے — کہ وہاں —

ہر پانچ منٹ میں	ایک ڈکیتی ہوتی ہے۔
ہر پانچ منٹ پر	ایک شدید خونیں حملہ ہوتا ہے۔
ہر منٹ پر	ایک موٹر کی چوری ہوتی ہے۔

اور

ہر ۲۰ سکند پر ایک نعت زنی کی وادعات ہوتی ہے۔

اس کے نتیجہ میں امریکہ کے سرکاری خزانے کو جو مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، وہ اربوں ڈالروں تک پہنچتا ہے۔ عرب میں شرک و بت پرستی کے ساتھ جو برائیاں پائی جاتی تھیں ان میں عہدوں کا رقص و سرود، تبرج اور عریانی بھی شامل تھی جس نے پورے معاشرے کو سر تا پا معصیت و گناہ بنا رکھا تھا، اسلام نے اس ایک ایک بُرائی کو مٹایا، اور وہ عورت جو پہلے اندیمہ بہنہ ہو کر نہایت گاتی انداسی گری کرتی تھی، اس کے سینہ دوسرا دھچرے کو جھلیا ب و غماز عطا کئے اور اس قسم کی چال و چال اور بہنہ فیس پر پابندی لگا دی جس سے عورت کی "ذہنیت" ظاہر ہوتی ہو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازہ ہے کہ جو عورت خوشبرنگا کر گھر سے باہر نکلتی ہے وہ "ذانیہ" ہے!

ذہنیت اور جہدِ خلافت میں ایسی اخلاق سوز حرکتوں کا ارتکاب ہمتا تو ان پر شرعی حد لگائی جاتی اور اس مزاج، و ذہنیت اور

نہ کہ کو کھسم کا کوئی مقام عزت نہ دیا جاتا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرام و عزت کا معیار صرف "تقویٰ" ہے،
صنفِ نازک کو اسلام کے اس احسان کو ماننا چاہئے کہ اسلام نے اُسے تعزیرات سے نکالی کر، عزت کے تحت پر بٹھا دیا اور عزت
و عصمت کا لباس فافرد اور مقدس خلعت اُسے عطا فرما دیا۔

آج کا معاشرہ جاہلیتِ اولیٰ کی طرح عصمت کی عزت و ناموس کا دشمن ہے مگر عصمت کی نادانی اور بے خبری کا یہ حال ہے کہ اپنی
ذلت کو یہ سمجھ رہی ہے کہ اس طرح اُس کی تصافرائی ہو رہی ہے، غالباً وہ اس حقیقت سے نادانف ہے کہ دنیا کا کوئی اعزاز، داد و تحسین
اور دولت و عزت عصمت کی عصمت و عظمت کی قیمت نہیں پر سکتی !

ناخرم مردوزن کو جہاں ہی قُرب و اختلاط کے موقع میسر آتیں گے وہاں اُکبدا کر بنائیاں پیدا ہوں گی۔ پاکستان ای پاکیزہ
نقصر اور مقدس نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا کہ اس خط میں ہم اہل ایمان لبیب، امریکہ، روس اور بھارت کے معاشرے، مسماٹھ
اور سماج کی نقالی نہیں کریں گے، بلکہ ان تہذیبوں اور سماجیوں کے علی الرغم اُس معاشرے کو فروغ دیں گے، جس کا دامدار اسلامی
اخلاق پر ہوگا؛ مگر پاکستان میں ان توقعات کا کس ہے ردی کے ساتھ خون ہوتا ہے، مخلوط تعلیم سے لے کر سہیتاوں، فیشن نعد، ہوٹلوں
اور کلب گھروں تک، وہ فتنہ برابر پھان چڑھ رہا ہے جس کو قرآن کریم میں "تبرج جاہلیتہ" کہا گیا ہے۔ مغربی ملکوں کی مثال ہمارے
سامنے ہے کہ اسی "تہرج جاہلیتہ" کے نامور و ناں کا معاشرہ جاہل خاکی اور مصیبت و بے خبری کے اُس پاتال تک پہنچ گیا ہے، جہاں
گناہ کو آرت سمجھ کر فہر کیا جاتا ہے اور مزاج و طبیعت میں "کلبیت و خستریت" کی فوج بوسا جاتی ہے۔

مشرقی ملک بھی رفتہ رفتہ مغربی رنگ میں رنگتے چلے جا رہے ہیں، زندگی کے ہر شعبہ میں اس مصیبت پر لہوہ تمدن و تہذیب کی
نقالی کی لہری لہری پوشش اب سے ۳۰-۳۵ سال پہلے متحدہ ہندوستان میں روم، ڈھانڈوں، کھٹکوں، سانڈوں، طرائقوں،
پازروں، ٹرلوں، ٹینیوں اور ناچنے گانے والی عورتوں کے معاشرے میں کوئی عزت کا مقام حاصل نہیں تھا، بیاہ شادی اور دوسری
تقریروں میں اس گروہ کے عورت و مرد و شریفوں کے ساتھ بیحد کرکھانا نہیں کھا سکتے تھے۔

مگر

آج ان کے لئے "آرٹسٹ" اور "فن کار" کے معزز القاب تراشے گئے ہیں، ان کو حکومتوں کی جانب سے خطابات اور یونیورسٹیوں کی طرف
سے اعزاز دی ڈیراں دی جاتی ہیں !

سہ پتی کا کوئی حد سے گزرا نا دیکھو

معارف و علوم اور قص و فضا اور ادب کا رویہ جس معاشرے میں برابر کی سطح دی جائے، اُس معاشرے کی ذلت اور پستی کی بھلا کوئی حد ہے !
ان قوم پاکستان کے معاشرے کا ذکر کر رہے تھے۔ جس طرح "اسلام اپنے مزاج و فکر
کے اعتبار سے دنیا کے تمام مذاہب سے جداگانہ اور منفرد حیثیت رکھتا ہے اور ملت اسلامیہ کے مزاج و
ہئیت کی ترکیب بھی تمام قوموں سے ممتاز ہے، اسی طرح "پاکستان" کو بھی اسلامی مزاج و فکر کی اسی افراڈیت کا مظہر ہونا چاہئے تھا؛
خیر ملکوں میں ہمارے سفارت خانوں کو دیکھ کر دنیا اُن سے سبق اور روشنی حاصل کرتی کہ یہ تو "غیر مذہبی" کے تبلیغی ادارے ہیں، ہمارے
سرکاری تقریبات میں ہمارے آئے ہوئے ہمالوں کو دین و اخلاق کی پاکیزگی نظر آتی اور پاکستان کے معاشرے کو دیکھ کر وہ نمایاں
ظہر پر محسوس کرتے کہ یہاں تو ہر طرف اسلام کی دی ہوئی بھلائیاں ہرہ گر ہیں، بغیر کسی سماج ہمارے کلب گھروں اور ہوٹلوں میں شرب
اور تص و تماری کی بجائے پاکیزگی و تقویٰ کے مناظر کا شہدہ کرتے تو وہ خود بھی متاثر ہوتے اور اپنے ملکوں میں واپس جا کر ہمارے

دعوتِ نور و فکر

معاشرے کی اچھائی کے تعیندہ خوں اور حلق بن جاتے! پاکستان کے بھائی بھانڈوں میں "خاتون میزائل" (Missiles) کی جگہ مردوں کو میزرائی کے فرائض انجام دیتے ہوئے دیکھ کر غیر ملکی مسافر یہ اثر قبول کرتے کہ پاکستان کا معاشرہ مردوں کے اختلاط میں اسلامی حدود کی پابندی کرتا ہے اور یہاں کا ہر محکمہ ہر شعبہ اور ادارہ اسلام کے دئے ہوئے ضابطہ اخلاق کا سختی سے پابند ہے، یہاں دوسرے ملکوں کے تمدن و تہذیب کی نقالی نہیں کی جاتی یہاں فکرو نظر و گرو غیر نہیں ہونے پاتے! پاکستان کے بارے میں دوسروں کے کاش ایسی تصورات ہوتے اور ہونے چاہتے تھے، اس صورت میں ساری دنیا اخلاق و نیکی کی روشنی پاکستان سے حاصل کرتی، دنیا میں ہمارے پاکیزہ معاشرے کی مثالیں وہی جاتیں، جہاں ملک اخلاق و انسانیت کا تعلق ہے، دنیا کی تمام قیادت ہم پاکستانی مسلمانوں کے ماتحتوں میں ہوتی اور پاکستان دنیا کے نقشہ پر مینارۃ نور بن کر ابھرتا ہے۔

مگر

افسوس ہے کہ پاکستان کے کسی شعبہ حیات میں بھی اسلام غالب قوت نہ بن سکا، یہاں کے معاشرے میں کوئی ایسا امتیاز نظر نہیں آتا جسے دیکھ کر دوسرے لوگ اپنے یہاں کی سوسائٹی اور پاکستان کے معاشرے میں نمایاں طور پر فرق محسوس کریں، بڑے بڑے رہبر و بچارا ہے، انہی خطوط پر پاکستان کو بھی لے جایا جاتا ہے، عوام کی تسلی کے لئے "اسلام" کا نام بار بار دیا جاتا ہے مگر اسلام کو حلقہ نافذ نہیں ہونے دیا جاتا! اس غم کو کن فطروں میں بیان کیجئے کہ جو خط اسلام کے نام پر بنا ہے وہاں اسلام کس قدر اجنبی نظر آتا ہے! پاکستان کے بڑے آدمیوں کو سیکے زیادہ اس کی فکر ہے کہ یہاں کی آبادی میں اضافہ نہ کیوں ہوتا ہے اس کے کم کرنے اور گھٹانے کی تدبیریں کی جا رہی ہیں، حالانکہ فکر اس کی ہوتی چاہئے تھی کہ پاکستان کے معاشرے کو اسلامی اخلاق کے قالب میں ڈھالا جائے! —
- اقامت صلوٰۃ - اور - ایسے زکوٰۃ کے فریضہ کو نظر انداز کر کے - ضبط ولادت - پر دہیہ اور دقت کا خرچ، دینی نقطہ نگاہ سے کس قدر قابل غور بلکہ مستحق نقد و نظر ہے۔ عیش و تفریح کا کردار بدل دہیہ کا سامان، پاکستان میں دیکھا جاتا ہے جس کے لئے پاکستان کو زبردست دہاؤ دینا پڑتا ہے اس پر کوئی احتساب، قدغن اور روک ٹوک نہیں۔ زیر مبادلہ کی ساری کفایت شکاری اور احتیاط فریضہ خرچ کے معاملہ میں کی جاتی ہے! انگلیں کے دھبے میں حاحیوں کی قطع پر کوئی پابندی نہ تھی، بھارت کے موجودہ ہندوستان میں ملک میں دہاؤ کے معادل کو فریضہ خرچ کے سلسلہ میں بڑی ہولناکیاں میسر ہیں۔ — مگر پاکستان میں زائرین خرچ کی تعداد کا کوئی کم ہوتا چلا جاتا ہے اور امداد حاحیوں کی تعداد پر جو قدغن لگا دی گئی ہے اس سے دین پسند طبقہ کو بڑا دکھ ہو رہا ہے۔

پچھلے دو مہینوں میں جس گراہی کے ساتھ منظم طور پر مختلف شہروں میں - درستی شرم - منعقد ہوئے ہیں، اس کی مثال پاکستان کی پوری امداد سالہ تاریخ میں مجموعی طور پر بھی نہیں ملتی، یہ رنگ رنگ پودا گرام جن میں پاکستانی طلبہ اور طالبات حصہ لے رہی ہیں۔ —
لوہاروں کے سیرت و کردار میں جس قدر بھی اخلاقی بگاڑ پیدا کر دیں کم ہے، بولڈ کی غیر مردوں کو خوش کرنے اور ان سے داد و ستاد حاصل کرنے کے لئے کسبچہ پراگماتی ناچتی اور رت کرتی ہے، اس کھیلے ہوئے فٹش و بے حیائی کے سبب اس کا کردار دھندلا کر ہو چکا، اب وہ اس کے بعد برائی کی جس پست سطح تک بھی پہنچ جائے، اس کا دار و مدار ماحول اور مواقع پر ہے کہ کفر و اعاذ کی نگاہ میں یہ حرکت - آٹھ - ہے مگر اسلام کی نگاہ میں - گناہ - ہے اور ایسا گناہ ہے جس کے بارے میں دعائیں پوری نہیں سکتیں۔

ہمارے آنے والے معزز بھائیوں کے غیر مقدم میں خندان خواجہ کے - تبرج جاہلیہ - کا مظاہرہ، کہیں طالبان کا ناچ، کسی مقام پر گونج گونج کی پریڈ - - - - - یہ تمام باتیں اللہ اور رسول کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہیں!
آخر یہ کیا ہوتا ہے؟ اور کیوں ہوتا ہے؟ کیا اس طرح معاشرے کو بااخلاق بنا کر دین پسند طبقہ کو کمزور اور بے اثر کرنا مقصود

ہے! جہاد میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نصرت کے نزول کے فورا بعد اس کے غضب کو دعوت دینے کے یہ محرکات واسباب اور مظاہر سے کس قدر فائدہ رساں ہیں! ملک ملت کے حق میں اس کے نتائج کتنے سنگین ثابت ہوں گے!

انسان فرشتہ نہیں ہے اس سے غلطی ان بھی سرزد ہوتی رہتی ہیں، سبک پہلے راقم الحروف اپنی اخلاقی کمزوریوں کا اعتراف کرتا ہے، - پاکئی داناں - کا میں بھی دعویٰ نہیں ہے، ہم بھی اصلاح و انقلاب کے قناہ ہیں — مگر - فتنہ و منکر - کا ایک پروگرام کے تحت مظاہرہ اور اس کا مسلسل اعادہ! اسے حرام میں مقبول بنانے کی سعی و تدبیر.....!! یہ ہے وہ ٹریجڈی جس سے پاکستان دوچار ہے، یہ وہ ماحول ہے جس میں رہ کر خدا کا خوف دل سے نکل جاتا ہے، گناہوں سے توبہ کرنے اور پشیمان ہونے کا خیال تک نہیں آتا! افسوس منہ آفت پر ایمان باقی نہیں رہتا!

حالات جب یہ ہوں تو کس کارنامے اور ترقی کی تحریفیں کریں، کس کی دانش و تدبیر کو سراہیں۔ کس کے حضور سپاس مانے میں کریں، کس کی شان میں تعید سے پڑھیں — مگر پھر کیا کریں؟ کیا مایوس ہو کر خاموش بیٹھ رہیں، حالات کتنا گئے سپر انداختہ ہو جاتیں..... نہیں یہ نہیں ہو سکتا، مرد و عورت کے عزم و فراست کی یہ قرین ہے، بہادرانہ کوششیں فرض ہے کہ حالات کو بدلنے کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہیں جہاں بلاق دکھائی دے اس کو مٹانے کی کوشش کریں، زبان سے ہر اکہیں، کم از کم دل میں برا سمجھیں اگرچہ ایمان کا یہ آخری درجہ ہے! قیامت کے دن ہم سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے ماحول کو بدل لیا نہیں دیا، ہاں پرس اس کی ہوگی کہ تم نے بڑے ماحول کو بدلنے کے لئے کیا کیا؟ آخرت میں سرخروئی اسی کو میسر آئے گی، جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے تبلیغ خیر اور تغیر منکر کی جدوجہد کی ہوگی! آؤ! ہم اس جدوجہد میں شریک ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب گار بن جائیں۔

ماہر ارشد دی
۲۶/۱۱/۲۰۲۲

تمجید ۱۔ مولانا محبوب الرحمن
خطیب جامعہ سلطانی (منظر آباد، آنا گوشتیر)



رحمہ اللہ میں ایک مضمون "النزاع حول اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے ماہنامہ البعث الاسلامی بابت ۱۰ مارچ ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا ہے۔ مستشرقین نے جو اعتراض اس مضمون پر کئے ہیں۔ ان کی تعقیب ڈاکٹر عبدالعزیز نے اپنے انگریزی پرچہ ISLAMIC CULTURE - ثقافت اسلامیہ - بابت اکتوبر ۱۹۷۷ء میں کی ہے۔ اب ان اعتراضات و جوابات کو استاذ ذیاد احتشام احمد ندوی مدرس لغت عربی جامعہ وئیکٹور نے ایک مضمون کی شکل میں شائع کیا ہے۔ مضمون اس لحاظ سے بڑا اہم ہے کہ آپ معلوم کریں گے کہ ہم مسلموں کے اخوی پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی پر مستشرقین نے کس قسم کے اعتراض کئے ہیں اور مسکت دلائل سے ان اعتراضات کی تردید ہماری حاضرت کس خوبی سے ہوئی ہے۔ میں نے اسی خیال کے پیش نظر اس عربی مضمون کا اردو ترجمہ کر دیا ہے۔

عربی عنوان کا اگر اردو ترجمہ کریں تو خدا لکھا ہو جاتا ہے جو طبیعت کو کھٹکتا ہے۔ چونکہ مستشرقین کی جانب سے اسم محمد پر اعتراض ہوا ہے اور ہمارے نزدیک آپ کا حقیقی نام بھی یہی ہے۔ اس لئے اس اسم کو میں نے عنوان مضمون قرار دیا ہے۔ (۱)

مستشرقین ہمیشہ سے اسلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کرتے آئے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کو ناقابل یقین قرار دیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی شریعت کے بارے میں لوگوں کو شک میں ڈال دیں۔ انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ اکثر معترضین اسلام پر ایسے اعتراض کرتے ہیں جن کی اصل قطعاً نہیں ہوتی۔

انتہائی تعجب کی بات یہ ہے کہ ایسا کہ لوگ جو علم، دلیل، تحقیق، تاریخ کی سچائی اور واقعات میں اپنی صحیح مائے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کس طرح وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے متعلق ایسی خواہات اپنی کتابوں میں بھرتے ہیں۔ اس طریق سے ان کی اسلام دشمنی ظاہر ہو جاتی ہے کیونکہ مستشرقین کا خیال یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد بھی نہیں سنا اور آپ کا یہ نام اسلام کے بعد رکھا گیا اور آپ کا حقیقی نام ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔

ڈاکٹر عبدالعزیز خاں نے اپنے پرچہ ثقافت اسلامیہ - ISLAMIC CULTURE - میں مستشرقین کے اس باطل نظریہ کا معقول دلائل سے تعاقب کیا ہے۔ پھر ساتھ ہی ڈاکٹر موصوف نے نہایت واضح اور روشن دلائل سے ثابت کیا ہے کہ "محمد" آپ کا پیدائشی نام ہے

جس کی حقیقت تک مستشرقین کی رسائی نہیں ہو سکی مستشرق ہرش فلڈ - HIRSH FELD - نے دلیان حسان بن ثابتؓ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس شاعر نے اسم محمدی سلامی پیغمبر کے لئے استعمال کیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ محمدؐ آپ کا نام نہیں تھا۔ بلکہ اسلام کی جانب سے آپ کو یہ لقب دیا گیا تھا۔ جو پیغمبر کائنات سے دو سال قبل ط (دعا نالہ) حقیقت میں آپ کو دو لقب محمدؐ اور محمودؐ ملے تھے۔ آپ نے انہی لقب کا اختیار کر لیا اور پہلے کو ترک کر دیا۔

ایسی ہی سائنس پر فیسر ڈی - HIRTI - نے اپنی کتاب تاریخ عرب - HISTORY OF THE ARABS میں اختیار کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قبیلہ میں سن ۶۰۱ یا اس کے قریب پیدا ہوئے۔ آپ کی ماں نے جو نام رکھا وہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا اس کا اندازہ ہے کہ آپ کا نام ہمیشہ غیر معروف رہا۔

سنت انوس کی بات یہ ہے کہ مستشرقین نہایت خود مچے نام نہیں جانتے جو آپ کی ماں نے آپ کا رکھا اس لئے ان لوگوں نے یہ نظریہ اپنی جانب سے گھڑ لیا ہے اور دلیل کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ اسم - محمدؐ قرآن کی سنی سورتوں میں نہیں آیا اس لئے حسان بن ثابتؓ کے قصائد میں یہ اسم استعمال ہوا ہے یہ دلیان گویا ان کی نظر میں پائے لغات کو پرہیز ہوا ہے۔

مستشرقین ان احادیث اور واقعات کی طرف توجہ نہیں کرتے جو ہجرت سے پہلے واد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان واقعات پر محمدؐ کے بغیر انہوں نے یہ اندازہ کر لیا کہ حضور کا نام مبارک "محمد" اسلام سے پہلے اسلام ہی نہیں مابعدہ کائنات سے دو سال قبل دینی لقب کے طور پر آپ کے لئے یہ لفظ استعمال ہونے لگا۔

لیکن ڈاکٹر دوجہ العید نے اس غلط نظریہ کا بڑی اچھی طرح تجزیہ کر کے بڑے معقول دلائل سے اس کی تردید کی ہے اور اس بحث کی دلائل قاطعہ سے ثابت کی ہے۔ جن سے پورا اچھی طرح یہ بات ثابت کی ہے کہ پیغمبر اسلام کا ذاتی نام محمدؐ مابعدہ کائنات سے پہلے رکھا گیا تھا۔ ڈاکٹر صابو جیلا بیان ہے کہ اسم محمدؐ سورہ آل عمران، احزاب، فتح اور محمد میں آیا ہے۔ اور یہ سورتیں مدنی ہیں جو نزوح و حجاز کے نزول سے متعلق مفسرین نے اذعان کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں۔ اس واسطے میں تو کسی کو شبہ نہیں کہ یہ سورتیں صلح حدیبیہ کے موقع پر سن ۶ ہجری میں مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئیں۔ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ لکھانا چاہتے تھے،

"یہ وہ محمد ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم فرما لیا ہے"۔ یہاں لکھا کہ اگر ہمیں یقین ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ہم آپ کو رب اللہ کی طرف جاننے سے نہ روکتے۔ اس کے بجائے آپ محمد بن عبد اللہ کہئے۔ مستشرقین نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے متفق جو غلط نظریہ قائم کیا ہے۔ اس کی تردید میں یہ چیز قطعی حجت کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہاں لکھا کہ ہم پر ... اعتراض کیا اگر اس طرح محمدؐ سی دین کا لقب ہوتا تو یہاں اس پر بھی اعتراض کیا اور پھر جو نام حضور کا بچپن سے مشہور تھا اس نام کے لئے اصرار کرتا۔ اس بات سے کامل طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ اہل عرب آپ کے نام محمدؐ کے سوا اور

IN OR ABOUT A.D. 571, A CHILD WAS BORN TO THE QURAYSH AT MAKKAH AND WAS GIVEN BY HIS MOTHER A NAME WHICH MAY REMAIN FOR EVER UN CERTAIN.

(CHAPTER VIII - PAGE - 111)

نام نہیں جانتے تھے۔ اسی لئے قرآنہوں نے اس نام کو صلیح حدیبیہ کے موقع پر قبول کر لیا تھا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ کلمہ طیبہ جس سے ایک انسان اسلام میں داخل ہو جاتا ہے وہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور یہ درکان خمسہ میں سے پہلا درکن ہے۔ اس کلمہ کا ذکر سورہ ابراہیم میں شجرہ طیبہ کی تشبیہ سے کیا گیا ہے اس پر بہ مفسرین نے اتفاق کیا ہے کہ شجرہ طیبہ سے مراد یہی کلمہ طیبہ ہے جس کے اقرار سے ایک کافر مسلمان ہو جاتا ہے اسی طرح یہ کلمہ ایک مکی سورت صافات میں "انهم اذا قيل لهم لا اله الا الله يستكبرون" بھی آیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں نبی علیہ السلام کے اس اعتقاد کو بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

"اخرجت ان افاضت الناس حتى يقولوا لا اله الا الله"

بلاشبہ ان دونوں سے مراد کلمہ کا پہلا جزء ہے اور دوسرا جزء سورہ ابراہیم میں آیا ہے۔ جس پر یہ کلمہ لپڑا ہو جاتا ہے اس سے پوری طرح یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ محمدؐ دینی لقب نہ تھا۔ بلکہ مکہ میں اسلام کی ابتدا سے ہی موجود تھا اور پھر ہمیشہ رہا۔

ایک اور مدش دلیل یہ ہے کہ مسلمان کلمہ تہادت کو اپنی پانچ نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ یہ آداب کی طرح روشن دلیل ہے کہ نئے ایم کے لئے ضروری ہے کہ وہ توحیدی ملت میں حرام ہی مشہور ہو جائے اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی صفات سے دو برس پہلے ہی دینی لقب دیا گیا ہوتا تو یہ حقیقی نام کس طرح جلد سے مشہور ہو جاتا اس میں قیہ خدشہ تھا کہ قوم فسادی اسی سے جلا بھی دیتی اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا تو آپ کا اسم حقیقی تصادم، محافرت، قصص اور کتب مغازی میں بیان ہوتا۔ یہ حقیقت بھی دیکھنے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انان کا حکم ہجرت کے پہلے سال دیا اس میں حضور کا یہی نام استعمال ہوا۔

مستشرق ہرش فیلڈ HIRSH FELD نے کیا عجیب فیصلہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے دو سال قبل یہ لقب اختیار کیا تھا۔ اس نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حسان بن ثابتؓ کا یہ شعر پیش کیا ہے

وشن لہ من اسمہ لیجلہ فذوالعرش محمود وھذا محمد

ترجمہ۔ اللہ نے حضور کی عظمت ظاہر فرمانے کے لئے اپنے نام سے حضور کا نام مشتق فرمایا۔ پس وہ صاحب عرش محمود ہے اور آپ محمدؐ ہیں۔ ڈاکٹر عبد المجید خان نے مستشرق کے خیال کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی رائے میں حسان بن ثابتؓ غزوہ بدر کے بعد اسلام میں داخل ہوئے اس کی رائے یہ بھی ہے کہ حسان بن ثابتؓ نے اس قبیہ کے ایک شعر میں "نا یاک نستھدی وایاک نعبد" بولا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ مصرع سورہ فاتحہ سے لیا گیا ہے اور سورہ فاتحہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ حسانؓ کا کہنا ہے کہ یہ قبیہ ہجرت اور فتح مکہ ۸ ہجری کے درمیان غزوہ سے قتل رکھتا ہے۔

اس موقع پر سورہ فاتحہ کے مقام نزول کے بارے میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ مکہ میں نازل ہوئی اور بعض کی رائے ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنی تفسیر میں واضح دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔ کیونکہ اس سورہ کا ایک نام "مشائی" ہے اور ایک موقع پر انشا و ربانی ہے۔ "ولقد اتینک سبعاً من المظانی والقرآن العظیم" اور یہ آیت بلا اختلاف مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

حسان بن ثابتؓ مدینہ کے قبیلہ نجاد میں سے تھے اور یہ قبیلہ بنو خزرج کا ایک شاخ ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو اس وقت حسان بن ثابتؓ کی عمر شہ برس کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باؤں سال کے تھے۔ ان دونوں کی عمر کے درمیان آٹھ سال کا فرق تھا۔ اس صورت میں میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت حسان بن ثابتؓ نجسہ کبار، دانا اور معروف شاعر تھے لوگوں میں ان کی بڑی عزت اور تکریم پائی جاتی تھی جیسا کہ بیعت عقبہ ادبیعت رسولان مدینہ میں لوگوں کے درمیان مشہور تھی۔ بنو نجار

انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے، سب اہل مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مدینہ کے منتظر تھے۔ ان تمام وجوہ کی بنا پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ صحابہؓ ان انصار میں سے تھے جو مسیح پہلے اسلام لائے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی مدد کی۔ درحقیقت وہ غزوہ بدر سے پہلے اسلام لائے تھے، جیسا کہ ان تصانیف انصار سے معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے غزوہ بدر سے پہلے کہے۔ ایک قصیدہ میں جس کا مطلع ہے: واللہ سابق لا نفاق ما جہداً، مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ اس ہزدگ و برتر سے کبھی علیحدہ نہیں ہرگز گا۔ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ یہ انصار اس وقت کہے گئے تھے جبکہ قریش نے انصار مدینہ کو دھمکایا تھا کہ وہ اسلام اور نبی علیہ السلام کی مدد سے باز نہیں۔ اس موقع پر صحابہؓ نے ایک شعر میں ابوبہل پہن کیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ابوبہل اس وقت زندہ تھا۔ کیونکہ ان کی عادت ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد اس پہن نہیں کرتا ابوبہل غزوہ بدر کے موقع پر قتل ہوا ان تمام دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے ابوبہل کی زندگی میں اس کی موت سے قبل یہ شعر کہا تھا۔

هَذَا لَعْنُ الرَّحْمَنِ جَعَاً يَقْدُوهُمْ دَجِيءُ بَنِي شَيْحٍ طَلَبَ مُحَمَّد

ترجمہ ۱۔ خدائے رحمن نے محمدؐ سے لڑنے والے اس گروہ پر لعنت کی ہے۔ جس کی رہنمائی بنی شیح کا ایک شخص کر رہا ہے۔ حسان بن ثابتؓ نے بہت سے اشعار میں معلوم کرتے ہیں کہ غزوہ بدر (۲ ہجری)، غزوہ احد (۳ ہجری)، غزوہ خندق (۵ ہجری) میں کہے گئے ہیں۔ ان کے بارے میں کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا۔ غزوہ بدر کے موقع پر ان کا شعر ہے:۔

اُمَامُ مُحَمَّدٍ قَدْ اَذْرَوْهُ عَلَى الدَّهْدَاءِ فِي لُغَى الْحَرِوبِ

واقف عین محمدؐ و اصحابہؓ و اذل کل مکذّب صرّاب

ترجمہ ۱۔ محمدؐ ایک تادم ہیں۔ جن کی امداد ان کے مردوں نے دشمنانِ حق کے مقابلہ میں جنگ بھڑکانے میں کی ہے۔

الشیخ پاک نے محمدؐ انصاری کے ساتھیوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔ اندہر شک کرنے والے کذاب کو ذلیل و خوار کیا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم محمدؐ صاف طور پر لایا گیا ہے۔ اسی طرح احشٰی قیس شخص ہی نے ایک قصیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اپنے اسلام لانے کے ابتدائی مدینہ کہا تھا جس میں وہ کہتا ہے:۔

قَابِلَتْ لَا أَدَى لَهَا مِنْ كَلَامَةٍ وَلَا مِنْ حَقِّ تِلَاقٍ مُحَمَّدًا

مندی صانتاخی عند باب ابن حاشم تراخی و تلتقی من فواصلہ ندی

اجدل لہ نہ تسبیح و صاۃ محمدؐ نبی الان حین ادعی و اشہدا

ان اشعار میں اُس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی محمدؐ کا ذکر کیا ہے اس موقع پر ابوسخیان نے اسے مدینہ جانے سے منع کر دیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کہہ ہی نام محمدؐ معروف تھا اور آپؐ کی شہرت اسی نام سے عرب میں پھیل گئی تھی۔ احشٰی نے یہ قصیدہ صلح حدیبیہ کے زمانے میں کہا تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پانچ سال قبل بھی اسم محمدؐ کے نام سے مشہور تھے۔

اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ابواسمیر بن عرش نے ایک شعر میں کہہ میں اسلام کی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ جس میں سرے خند کا ذکر ہے جو ساتویں ہجری میں واقع ہوا۔ اُس میں وہ کہتا ہے:۔

خند و دکم حیا یقول محمدؐ و کف یہہ واللہ سراء و شہد

ترجمہ ۱۔ محمدؐ جو کہ کھنکھراتے ہیں۔ تم لوگوں کو اس سے دیکھتے ہو اس سے انکار کرتے ہو اس لئے اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ دیکھتا ہے اور گواہ ہے یہ ایک

بڑی گواہی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم محمدؐ مکہ کے لوگوں میں ہجرت کے تین سال قبل مشہور تھا۔ ابوہریرہؓ غزوہ بدر میں کفار کی جانب سے شریک ہوا تھا۔ پھر ہشامؓ اور منافق تھا اس نے نبی علیہ السلام سے معافی مانگی اور آپؐ نے مد گنہ فرمایا۔ آپؐ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے اس بات پر مجبور نہیں کرتا تہہ و شمنان اسلام سے تعاون نہیں کرے گا ابوہریرہؓ نے ایسا ہی وعدہ کیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف میں ایک تصدیق لکھا جس میں وہ کہتا ہے ۔

الا بلغا عنی النبی محمدؐ ہاتھ حق والہدایت حمید
فانت امرؤ مدحوا الی الرشید والتقی علیہ من اللہ المکرم شہید
ولکن اذا ذكرت بدلاً و اھلھا نادب مابی حسنة و تصور

ترجمہ۔ اے دو گویا ہام محمدؐ کو پہنچا دو کہ آپ بلا شک حق پر ہیں اور جو لائق حمد و ثناء ہے۔ آپ الہی شخصیت میں حمد و ہدایت کی طرف بلاتی ہے۔ آپ اللہ رب العزت پر گواہ ہیں ۔

لیکن ایک بات ہے کہ جب مجھے بد اعمال بنے یا آتے ہیں تو حسرت و ندامت کا جہم ٹوٹ پڑتا ہے ۔ یہ مکی منافق شاعر نبی علیہ السلام کا نام محمدؐ ۲ ہجری میں بولتا ہے کہ میں نے وہ اس کے سرا اور کوئی دوسرا نام آپ کا نہیں جانتا ۔ یہاں شاعر کے کلام میں ایک اندیشہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ اپنے نام میں سے نکالا ہے ۔ اس سے اشارہ صانع بن ثابتؓ سے سمات سال قبل کہے گئے ہیں اس موقع پر مشرق کی اس بات پر کہ صانع بن ثابتؓ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لقب دیا تھا ۔ عقل حیرانی رہ جاتی ہے کہ جو نام لوگوں کے یہاں غیر معروف رہا ہو اس کی تشریح و توضیح ایسا نام سے کی جاتی ہے جو معروف ہو ۔
حباس بن مرواس نے اس انداز پر اس طرح کہا ہے ۔

حق اذا قال المرء رسول محمدؐ ابن سلیم قد و فیتیم فادفعوا

— — — — —

حضرت صانع بن ثابتؓ نے کہا ۔

لھنا وادینا النبی محمدؐ علی الف راضی من مھل و ما نعم

ترجمہ۔ ہم نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور انیس پناہ دی ۔ راضی رہا اور اللہ نعم کی ناراضی کے باوجود ۔
چونکہ لفظ نبی اس موقع پر مشہور نہ تھا ۔ اس لئے شاعر نے معروف نام محمدؐ کے ذکر سے توجیہ کر دی ۔

یہ گونا گوں تاریخی دلائل ہیں ۔ جن سے محض کر یہ ثابت ہو جاتا ہے ۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ ابتدا ہی سے رکھا گیا تھا ۔ اس واضح معاملہ میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ۔ اگر مستشرقین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی دوسرا نام جانتے ہیں ۔ تو انہیں چاہئے کہ دلائل کے ہمراہ پیش کریں تاکہ سچ ، جھوٹ اور حق و باطل کے درمیان تمیز ہو سکے ۔

(صفحہ ۹۹ م کا بقیہ)

پس طریقت چہیت اے دلائل و اصغرات شرح را دیدن بہ اعماق سمات

انتہال دین نہیں ہیں جالاک و چہیت فک کے مالک تھے مگر میدان عمل میں کچھ کمزور تھے ، اس کا اعتراف خود انہوں نے بھی کیا ہے اور کفار علی کہتے ہار بار دہا مانگی ہے ۔ شتوی ۔ پس پر مایہ کرد ۔ میں فرماتے ہیں ۔

نکیرن دہم دین چالاک چہیت تھیں ام را تیر تر گرداں کہ من
تھیں دارم فزون از کوہ کن برف نام زن کہ بد گوچر منم

اسرار احمد ہادی (ایم۔ اے)

آداب مُراسلہ نگاری

انسان تمدن بننے سے پہلے بھی مدنی الطبع تھا وہ اپنی فطرت کے اس قصبے بس اندک زندہ رہتا ہے کہ اگر ان باپ اس کی مسلسل کوئی سال تک دیکھ بھال اور پرورش نہ کریں تو وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ اسی وجہ سے ابتدائے آفرینش سے انسان کو پختگی زندگی ہی اس آئی ہے دوسرے جانداروں کی یہ کیفیت نہیں ہے ان کے بچے پیدا ہوتے ہی خود کفیل ہو جاتے ہیں یا بہت قوت مند عرصے میں اپنی حفاظت کئے کے، کافی ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اکثر جانوروں کو گروہ اور قبیلے بنا کر زندگی گزارنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اس کے علاوہ انسانی زندگی کی اہمیت بھی خالصتہً کائنات کے نزدیک کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہے اس لئے اس کی زندگی کی حفاظت اور بقائے نسل کی ضمانت دوسرے جانوروں کی نسبت زیادہ کی گئی ہے۔ جان کی حفاظت کے لئے اس کو سب سے بڑی اور طاقت ور چیز عقل عطا کی گئی ہے جو دوسرے جانوروں کو نہیں ملی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کی بقا قسمت کو بہت عزیز ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش میں انسان ایک دوسرے کو اشاروں سے مخاطب کرتا ہو گا۔ پھر کچھ بے منظم قسم کی آوازوں کو کام میں لایا گیا ہو گا اور آواز میں اشارے مل کر کام کرتے ہوں گے۔ غصہ، محبت، نفرت وغیرہ کے جذبات کو اشاروں کے اشارے اور اشاروں کی سختی نرمی سے ظاہر کیا گیا ہو گا۔ لیکن جیسے جیسے انسان فی تہذیب و تمدن کا نشوونما ہوا اس کی زندگی میں پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔ اس کی ضرورت میں اضافہ ہوا۔ بعد و درستیوں آباد ہوتی ہیں جہاں کہ اشارے اور آوازیں ابلاغ کے لئے کافی نہیں ہو سکتے تھے، چنانچہ ضرورت نے انسان کو ایک نئی ترکیب سمجھائی اور اس نے تعادیر بنا کر اپنے پیغام عزیزوں اور دوستوں کے پاس بھیجنا شروع کئے، اشاروں اور آوازوں کو انسان نے ایک قباحت یہ بھی محسوس کی کہ ہر بات ایسی نہیں ہوتی کہ اس کو سوائے مخاطب اصل کے کوئی دوسرا سمجھ لیکن اشاروں اور آوازوں کو ذریعہ پیغام دسانی بنانے سے مازداری ممکن نہ تھی اس وجہ سے تعادیر کا فن ایجاد ہوا۔ تعادیر نے ایک طرف مل دت گزرنے کے بعد صرف پہنچ کی صورت اختیار کر لی اور آہستہ آہستہ تحریر کا ایک مستقل فن ایجاد ہوا۔

مندرجہ بالا گناہوں میں سے ایک بات یہ زمین میں آئی ہے کہ خطوط نویسی کا ایک بڑا مقصد مازداری بھی تھا۔ انسان اپنی بعض باتوں کو صیغہ ماز میں رکھنا چاہتا ہے اور بلا کوئی بات، اگر نہیں کر سکتا تو تحریک کے ذریعے سے اپنے پیغام کو اپنے مخاطب تک بڑی آسانی اور حفاظت سے پہنچا سکتا ہے۔ یہ مازداری کا دایہ ہی دراصل خطوط نویسی کی جان ہے، خطہ دراصل وہی ہے جس میں ایسی باتیں بیان کر دی گئی ہوں جو دوسروں کے لئے نہ ہوں بلکہ صرف مخاطب کے لئے ہی مخصوص ہوں، مگر ان کو دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رکھنا ہی مقصد ہو اسی لئے مشرقی آداب میں خطوط کی مازداری کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور جہاں مشرقی گھرانوں میں دوسرے اخلاقی سبق دئے جاتے ہیں۔ مثال ایک سبق یہ بھی ہوتا ہے کہ دوسروں کے خطوط بغیر اجازت کے پڑھنا منع ہے۔ چنانچہ اسلامی آداب معاشرت میں کسی کی بات کو چھپ کر سننا یا کسی کے ماز کو فاش کرنا انتہائی قبیح فعل گناہاں گنہگار ہے۔ لیکن آج کل کی معاشرت کے آداب میں ان اخلاقی اصولوں کو تسلیم نہیں

یا چارٹا ادا ہے۔ آہستہ آہستہ لوگ ان قدموں کو نظر انداز کرتے جا رہے ہیں اعلان کا خیال ہے کہ ان کا اپنا کچھ نہیں اس کا ہر پر فصل نام کا مال ہے اور عوام کو حق حاصل ہے کہ اس کا کوئی ملازمت نہ رہنے دیں اور اس کے ہر راز کو طشت از با م کریں۔ جہاں آج کل قدموں میں جسمانی عروانی پسند کی جاتی ہے وہاں ان کو ننگا کر دینا بھی ایک مستحسن فعل شمار کیا جاتا ہے۔ بہر حال پسند و ناپسند کے حیا۔ بدلتے رہتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل سلیم عطا فرمائی ہے تو ہمیں چاہئے کہ ہم یہ سوچتے رہیں کہ کون سے معیار ہماری زندگی کے لئے مفید ہیں اور کون سے معیار مضر ہیں۔ بعض دلی خواہش اور نفس کے حکم کے پابند ہو کر نہ جائیں۔ میں یہاں اضافیت سے انکار کرتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ اضافیت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی ان کو اچھائی اور ہلائی کے مابین فرقہ کر کے پسند میں۔ اضافیت کے معنی مزاج اور اندہ اخلاقی انارکی کے نہیں ہیں۔ قانون اور اس کی پابندی تہذیب و تمدن کی علامت ہے، مزاج اور انارکی وحشت کی۔ ہمیں غیر دشر کے پیمانے مقرر کرتے وقت اور کچھ نہیں تو کم از کم افادیت کا ہی خیال رکھنا چاہئے۔ یعنی جو چیز مجموعی حیثیت سے الٹی زندگی کو بلندی، شرف اور سکون عطا کرنے والی ہو اس کو اپنا لیا جائے اور جو چیز الٹی کو لیتی، ذلت اور انتشار کی طرف لے جائے اس کو ترک کر دیا جائے۔ میرے خیال سے عروانی خواہ کسی قسم کی ہو، دہشت یا جسمانی الٹی یا شرف کو مٹانے والی، اس کو ذلیل کرنے والی اور اس کی زندگی میں انتشار پھیلانے والی چیز ہے۔ انسان نے لاکھوں سال کی زندگی میں تجربات حاصل کر کے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ عروانی بُری اور نقصان دہ چیز ہے اور انسان کو جہاں قدموں کی سطح پر لے آتی ہے۔ یہ انسان اور حیران میں امتیاز پیدا کرنے والی ہے۔ ملازمت اور پردہ پوشی الٹی تمدن کی پیداوار ہے۔ اگر ہم خاص افادیت کی نظر سے اس مسئلے پر غور کریں تو یہ بات آسانی سے ہماری سمجھ میں آ جاتی ہے کہ عروانی میں بہت سی تباہیاں ہیں۔ جسمانی عروانی میں انسان کو مریخی سختیاں جھیلیں پڑتی ہیں۔ شرع و حیا کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ اخلاقی اور عقلی انتشار پھیل جاتا ہے، لڑائی و فساد قتل و غارت کا رواج پھیل جاتا ہے۔ فلاح سلیم پر بھی عروانی نزاع۔ گزرتی ہے اگر یہ کہیں کہ انسان ہر چیز کا عادی ہو جاتا ہے تو کیا یہ اچھی بات ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایسی چیزوں کا عادی بنائے جو ظہری طہر پاس کو بالکل جا بھرتا دیں۔ لباس انسان کی حفاظت ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی زینت کا باعث بھی ہے۔ اس کے بہت سے عجیب کی بھی پردہ پوشی کرتا ہے۔ ننگے آدمی کا ہر عجیب نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے اور ہمیں زندگی میں خوبصورتی کے اظہار اور ہندہ پوشی کی اس لئے ضرورت ہے کہ ہم زندگی کو بے عجیب اور خوبصورت ہی دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ نفاق اور عجیب سے فطرتی طور پر یہ سبب گفت اور کراہت محسوس ہوتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر چیز ہمارے سامنے ایک اچھے میاں اور حسن صورت اور حسن سیرت کا پیکر بن کر آئے تاکہ ہم اس کو محمود اور میاں سمجھ کر اس کی پیروی کریں اپنے ذوق جمال کی تسکین کریں اور اگر ہوسکے تو اس میاں کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں۔ اگر ایک انسان جسمانی طور پر بدصورت، کمزور اور کمزور ہے لیکن وہ ہمارے سامنے آتا چاہتا ہے تو اس کو حق ہونا چاہئے کہ وہ ایسا کرے اس میں ہمارا بھی فائدہ ہے اس کا بھی۔ اپنے اس ادھاکے ساتھ وہ ایک تندرست اور خوب صورت اور خوش مزاج انسان کی سی حرکتیں کرے گا۔ اس میں خدا عطا دی پیدا ہو گئی اور نفسیاتی طور پر اس کی زندگی پر بھی خوش گوار اثر پڑے گا اور دوسروں کی زندگی پر بھی۔

مندرجہ بالا تمام باتوں کا اطلاق ذہنی عروانی پر بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن کی چند علامات کو پس پردہ رکھنا چاہتا ہے۔ خصوصاً وہ علامات جو تہذیبی اور اخلاقی اصول میں قابل اعتراض سمجھے جاتے ہیں تو ہمیں اس کا یہ حق چھین نہیں لینا چاہئے خصوصاً جب کہ وہ ہمارے دماغ میں نہ ہو اور اپنے اوپر لگاتے ہوئے الزاموں کی تہذیب نہ کر سکتا ہو یا ان کی تفسیر اس صرح نہ کر سکتا ہو جو اس کو لگاتے ہوئے الزاموں سے تبرک کر سکے۔ مرنے کے بعد کسی کے ذاتی خطوط شائع کر دینا خصوصاً جن کو وہ زندگی میں شائع کرنا

پسند نہ کرتا ہو بڑا ظلم ہے۔

ہیں ہر شخص کے ان خیالات کو معلوم کسے سامنے لانے کا ارادہ ان کی باز پرس کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ جو وقت سے فصل میں منتقل ہرگز کسی طرح ہمارے معاشرتی طرز پر اثر انداز ہو رہے ہوں۔ یہی دنیا میں ہر جگہ قانون نافذ ہے جو خیال اس میں ظاہر ہو اس پر کہیں داند گیر نہیں ہوتی۔ بڑے خیال کا پیدا ہونا ہر شخص کے ذہن میں ممکن ہے۔ لیکن اچھے لوگ اس کو با دیتے ہیں اور غور و خما کی اجازت نہیں دیتے۔ ان کے بس میں اتنی ہی بات ہے اسی سے نیکی و بدی کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی انہیں خیالات اور خواہشات پر داند گیر کرتا ہے جو وقت سے فصل میں آجاتیں اور معاشرے میں خرابی کا باعث بنیں۔ خطوط کا بھی معاملہ بڑی حد تک خیالات کا ہی ہے۔ ان کی مہارت بہت محدود ہے۔ بشرطیکہ ہم اس کے تعین کو خود تمام دنیا میں پھیلانے کی کوشش نہ کریں۔ تعجب ہے کہ ہم کسی کے خطوط پر متعرض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے یہ غیر اخلاقی بات لکھی لیکن غصہ اس کو بدنام کرنے کے شوق میں اس حدود برائی کو غیر محدود ہم خود بنا ڈالتے ہیں گویا پھر چھپتے ہیں اور واقعی نکل جاتے ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر میں مولانا شبلی کے خطوط کا ذکر کر دیا گا جن کے ساتھ یہ انتہائی ظلم کیا گیا ہے کہ اس وقت جبکہ وہ اس دنیا میں نہیں اور اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور نہیں بتا سکتے کہ انہوں نے کیا بات کس خیال خیال سے کہی کہیں کہ ایک ہی بات مختلف خیال کے تحت کہی جاسکتی ہے ہم نے ان کے بعض وہ خطوط شائع کر دیے جن کو شاید اپنی زندگی میں شائع کرنا پسند نہ کرتے چند سچے یا سستی فہرت ماحول کرنے کے لئے یا اپنی شخصیت کی کوئی کمی لپٹی کر لے کے لئے یا احساس کمتری کو دور کرنے کیلئے ہم نے مروجہ کے ناموس پر حملہ کرنا گوارا کر لیا۔ آخر ہم اپنے جسم کے بعض حصوں کو دوسروں کی نظر کے سامنے نہیں لاتے تو ذہن کے بعض گوشوں کو چھپانے سے ہمیں کیوں محروم کر دیا جائے۔ بلاشبہ اگر ہماری راز داری کسی بڑے فتنے کا باعث ہو رہی ہے تو معاف عامہ کا تعاضا یہ ہے کہ اس کو برا ظاہر کیا جائے۔ لیکن شبلی کے چند خطوط کی بڑے معاشرتی یا اخلاقی فتنے کا سبب نہیں بن سکتے اگر وہ اخلاقی فتنہ بن سکتے تھے تو اپنی اشاعت کی وجہ سے ہی بن سکتے تھے۔ تو جو کلام شبلی نے نہیں کیا وہ ہم نے کر ڈالا۔ پہلے وہ خطوط ایک ذات تک محدود تھے اب ہم نے ان کو عالم گیر بنا دیا۔ دانائی اور تدبیر کا یہ کارنامہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ یقینی ان کے خطوط تلخ کئے جاتے لیکن وہ چند خطوط جو اخلاقی طور پر قابل اعتراض ہو سکتے ہیں ان کو شبلی کا ناموس سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا تو کوئی بہت بڑا خاصہ قوم کے جیسے نہ آجاتا یا کوئی بہت بڑا ادبی ضیاع نہ ہو جاتا۔ شبلی کے تقدس کو مجروح کر کے ہم نے کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ یقیناً ایک مقدس شبلی ایک عاشق مزاج شبلی سے قوم کے لئے کہیں زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ خواہ انہوں نے تقدس کا لباس ہی اٹھ لیا تھا لیکن ہمیں ان کے لباس کو اتارنا کر دینے کا حق نہیں تھا جب کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی تقدس کے دھبے میں ہی گوارنے کی کوشش کی تھی اور جبکہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہم پر ان کی تقدس کی زندگی ہی نظر انداز ہو رہی تھی ان کی پس پردہ زندگی یا عاشق مزاجی قوم پر کسی قسم کا اثر نہیں ڈال رہی تھی اس لئے ہمیں ان کی اس دورنگی کی شکایت کرنے کا بھی کوئی حق نہیں تھا۔ اب ایک ادبی نکتہ یہ رہ جاتا ہے کہ ہم انہیں ان کے خطوط کے شبلی کے کلام کو صحیح طریقے سے نہیں سمجھ سکتے تھے، یہ خیال بھی ایک دہم اور غلط فہمی سے نیا وہ حقیقت نہیں رکھتا کہ اگر نہ کسی کے کلام کو سمجھنے کے لئے انداز سے استفادہ کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ لازمی طور پر یہ سچی معلوم کریں کہ اس نے الفاظ کے کیا معنی لئے ہیں یا کسی خاص جذبے کے تحت کوئی شعر موزوں کیا ہے۔ بلکہ ہم ان الفاظ سے جو معنی منبہا دہرتے ہیں انداز کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی شعر سے بہت سے معنی پیدا ہوں تو ہم اس کو پہلو وار شعر کہتے ہیں اور ہر معنی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور کسی معنی کو یہ کہہ کر رو نہیں کر دیتے کہ شعر کا ان الفاظ سے یہ مطلب نہیں تھا۔ چنانچہ غالب کا کلام اس سلسلے میں اپنی خاص شہرت رکھتا ہے اور کوئی شخص اس بات کے پیچھے نہیں پڑتا کہ غالب کا اس شعر سے کیا مطلب تھا اور کس جذبے کے تحت یہ شعر کہا گیا بلکہ جتنے مطالب بھی ایک شعر سے

نکلتے ہوں ان سے لطف اٹھایا جاتا ہے خواہ وہ معافی غالب کے کسی دوسرے دنگان میں نہ آئے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شاعر کا خاص جذبہ یا خاص مطلب ایک ناولی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی صرف اتنی اہمیت ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ وہ متین ہو جاتا ہے کہ شاعر اپنے شعر کو خود اس طرح سمجھتا تھا اس بات کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی چاہے کہ شاعر کو خاک میں ملا دیا جائے اور اس کی زندگی بھر کی کمی کی غارت کردی جائے ہر چیز کی ایک حد ہوتی چاہے ہاں شاعر بھی اس کی کوشش کرتی چاہے کہ ہم یہ سمجھ لگائیں کہ شاعر خود ایک شعر کہنے وقت کس جذبے سے کس قدر متاثر تھا۔ لیکن جس طرح ہم اپنے جسم کے کچھ حصوں کو بردے میں رکھتے ہیں اور کسی کے سامنے ان کو کھولنا پسند نہیں کرتے اور یہ ہماری تہذیبی حق تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح ذہن کے بعض گوشوں کے متعلق بھی یہ حق تسلیم کیا جانا چاہیے کہ اگر ہم ان کو دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رکھنا چاہیں تو ان کو محفوظ ہی رہنے دیا جائے خصوصاً ان لوگوں کے بارے میں جو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے ہیں اور اپنا دفاع خود نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اگر شاعری کے خطوط عطیہ یکم کے نام اس قدر حاشیہ آرائی کے ساتھ نقل کئے جاتے ہیں ان کے لئے شاعر نے اپنے لئے بعد اس قدر حاشیہ آرائی نہ کی جاتی کہ ان کی باتا عدہ۔ سماعت معاشرہ، تصنیف کردی گئی تو ان کے اشعار خصوصاً فارسی غزلیات کے سمجھنے یا ان سے لطف اندوز ہونے میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوتی۔ الفاظ اور ان کے معنی مرجمد ہتے۔ ان کی تاثیر میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوتی۔ وہ اشعار بہر حال رنگین۔ جذبات آفرین اور پستائیں کہے جاتے اور شخص اپنے ظرف اور حوصلے کے مطابق ان کو سمجھ پھان دیتا۔ مراسلہ نگاری کی ٹیکنک میں دوسری اہم چیز سادگی اظہار ہے۔ بعض لوگوں نے صحیح طریقے سے اس امر کا مدعی کیا ہے کہ طبعی اظہار کی سادگی کا تعلق تہذیب کے ارتقاء سے بھی ہے۔ صرف خطوط کی عبارت میں ہی نہیں بلکہ دوسرے مطالب کے اظہار میں بھی تہذیب و تمدن کے ارتقاء کے ساتھ سادگی کا پیدا ہو جانا عام ہے۔ اگر ہم دنیا کی مختلف زبانوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ بات آسانی سے معلوم ہو جائے گی کہ ہر زبان کے ادب میں شروع میں اس قدر سادگی نہیں ہوتی جس قدر کہ تہذیب و تمدن کی ترقی کے بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہر ادیب کا بھی شروع میں یہی طریقہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے اور نامور شعراء کے الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کچھ تو زبان پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اور کچھ احساس کمتری کا شکار ہونے کی وجہ سے لیکن جب زبان پر بوجی قدرت حاصل ہو جاتی ہے اور خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے تو سادگی اظہار کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور پیچیدہ سے پیچیدہ ساخت کو بھی نہایت سادہ الفاظ اور سلیس عبارت میں ادا کرتا چلا جاتا ہے۔ خطوط میں خصوصاً سادگی ادا کی اس لئے بھی ضرورت پڑتی ہے کہ لکھنے والا ایک بے تکلف فضاء میں ایک دوست یا عزیز کو مخاطب کرتا ہے وہ بے تکلفی کا ماحول قدرتی طور پر اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ وہ اظہار و مطلب بھی بے تکلف نہ ہو۔ حالانکہ اظہار ایسی فضا کے لئے سازگار نہیں ہو سکتا۔ پھر خط کا ہر مخاطب تعلیم یافتہ اور نکتہ رس شخص نہیں ہو سکتا۔ ہر دور اور ہر قابلیت کے شخص کو خط لکھنے پڑے ہیں اس لئے عام طور پر مداح بھی ہو جاتا ہے کہ اظہار میں سادگی پیدا کی جاتے اور لیکن بھی سادگی دل پزیر یا دل آفرین ہوتی ہے اور خطوط میں دونوں میں براہ راست بلا کسی حجاب کے گفتگو ہوتی ہے اسی وجہ سے انگریز بھی خطوط لکھنے کا ایک اہم اور فطری جزو تصور کرتا ہے۔ وہ خط نہیں جو محب و خواہ مخاطب کے دل پر اثر پیدا نہ کر سکے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ ہم یہاں جن خطوط کا ذکر کر رہے ہیں۔ وہ عام کاروباری خطوط نہیں ہیں جن میں کسی قسم کے جذبات کے اظہار کا شائبہ بھی نہیں ہوتا یہاں ہماری مراد انہیں خطوط سے جن میں کسی نہ کسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہو۔ خواہ وہ کاروباری خطوط ہی کیوں نہ ہوں۔ ہر قسم کا خط اگر اس میں کسی جذبے کے اظہار کا موقع آگیا ہے تو ایسا خط ادب پاروں میں شہساز ہو سکتا ہے۔ اور ہر قسم کے خط ادب میں اپنی مستقل جگہ محفوظ کر لیتے ہیں اور اگر کسی خط میں کسی جذبے کی کاغذیاتی نہیں اور نہ طرز ادا میں کوئی دلکشی پیدا ہو سکی ہے تو ہم اس خط کو ادبی خطوط میں شمار نہیں کریں گے۔ خواہ وہ کتنے ہی بڑے ادبی کے خطوط کیوں نہ ہوں ان کی افادیت تاریخ یا کاروبار کے لحاظ سے بہت کچھ ہو سکتی ہے

لیکن اس میں ان کو کوئی مقام حاصل نہیں ہو سکتا، ایک ادبی خط لکھنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کاتب ایک ادبی شخصیت ہی ہو ایک عام آدمی کا خط جذبات کی فراوانی، اظہار کی سادگی اور بے تکلفی کی وجہ سے ادبی خطوط میں تمام ہو سکتا ہے اور ایک ادیب کا خط بھی اسی طرح ادب کی ضرورت سے خارج ہو سکتا ہے۔ ویسے عموماً ہوتا یہی ہے کہ عام آدمیوں کے بہترین خطوط بھی ضائع جاتے ہیں اور خواص کے بیکار خطوط بھی بڑی احتیاط اور طہراق سے تالیف کر دئے جاتے ہیں صرف خواص کی نسبت سے ان کے خطوط میں خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے اور اسباب تو خط ہمارے ادب کی ایک مستقل صنف ہو گئی ہے، بلکہ بہت سے فاضل ادب افانے بھی اس کی شکل میں لکھے اور تالیف کئے گئے ہیں اور اپنی جگہ بڑے کامیاب ہیں اس لئے یہ بحث چھوڑنا فضول ہے کہ خط کو ادب میں شمار کیا جا سکتا ہے یا نہیں جیسا کہ بعض لوگ اکثر کہا کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا اثر الخط کے ساتھ خط ہمارے ادب کی ایک اعلیٰ صنف ہے جسے فنا انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ہمارے اردو خط نویسوں کے سامنے فارسی خطوط کے نمونے تھے۔ فارسی خطوط کی عبادت عام طور پر مسیح اور متبعی ہوتی تھی طرز انتہائی پر تکلف۔ طریق القاب و آداب سے گراں بار ہوتے تھے، چنانچہ اکثر لوگوں نے اس سلسلے میں فارسی کا ترویج کیا۔ لیکن فارسی، خطوط بھی یہاں البرافض اور اصفیٰ کے خطوط عالمانہ شان و شوکت کا نمونہ طرز اظہار اور مبالغہ آمیز عبارت کے لئے بدنام ہیں وہاں عالم گیر اور سنگ زیب اور حضرت شیخ احمد سرحدی یعنی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے خطوط سادگی اور بے تکلفی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ شاید اردو کے پہلے سادہ نویس مرزا غالب بہان و مغل حضرت کی طرز نگارش کا اثر بڑا ہوگا۔ خصوصاً حضرت مجدد اپنے خطوط میں بڑی سادگی کا اظہار فرماتے ہیں۔ اکثر القاب و آداب بھی نہایت مختصر اور سادہ استعمال کئے ہیں۔ جس طرح فاتح نے اپنے اردو خطوط میں اہتمام کیا ہے اسی طرح مجدد صاحب بھی اکثر القاب میں وہ ایک لفظ ہی لکھ کر بڑے مہارت اصلی مطلب پر آ جاتے ہیں اور بڑی سادہ اور دلنشین عبارت میں اپنا مطلب ادا کرتے چلے جاتے ہیں اور خط کی خوبی بھی قرار پاتی ہے کہ اس میں کسی قسم کے تکلفات کی گراں باری نہ ہو بلکہ خط لکھنے والا اپنی خوبیاں اور برائیاں بھی بلا تکلف بیان کر دے اس کے ذہن کے کسی گوشے پر بھی یہ خیال نہ ہو کہ اس کا راز فاش ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے لوگ عموماً اپنے خطوط میں اپنی ہر قسم کی خاموشیاں اور آندوں کا بھی اظہار کر جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ خطوط میں بے تکلفی اور سادگی کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ خط پہلے سے تیار ہو کر نہیں لیجے جاتے نہ ان کا پہلے کوئی مسودہ تیار کیا جاتا ہے نہ ان کی اصلاح کی جاتی ہے بلکہ ہر شخص خط کو قسم برداشتہ ہی لکھتا ہے۔ اسی وجہ سے کسی شخص کی سوانح عبادت لکھنے کے معاملے میں خطوط کو معتبر ترین ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کیونکہ خط کے ذریعے سے ہی آپ کے دل کے تاریک ترین اور روشن ترین گوشہ ہر جھانک کر دیکھ سکتے ہیں اور اس کی مجموعی شخصیت کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ خطوط اس وجہ سے بھی اپنے ذہن کی تاریخی دستاویز ثابت ہو سکتے ہیں کہ..... اس میں اہم قسم کے تاریخی واقعات کی طرف اہم اشارات مل جاتے ہیں۔ خصوصاً خط لکھنے والا اور خط کا مخاطب اگر تاریخی لحاظ سے اہم شخصیت کے مالک ہوں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خط کو طرز طریقی ایک تاریخی دستاویز بنایا جائے بلکہ قدما طرہ پر اس قسم کے تاریخی اشارات خود بخود ان میں آ جاتے ہیں جس سے فائدہ اٹھا جا سکتا ہے اگر حالانکہ اور ضروری طور پر اس میں تاریخی واقعات کو لکھا جائے تو وہ تاریخ ہوگی خطوط نہیں ہوں گے۔ تاریخ کے علاوہ کسی علمی موضوع کا شعری طور پر ان خطوط میں نہ مل کر دینا بھی انہیں حراست کے درجے سے گھٹایا ہے اور وہ ایک علمی مقالے کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے مولانا آزاد کے اخبار خاطر دئے خطوط کو بعض لوگ خطوط کا درجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ ان میں بہت گراں بار اور نثر قسم کے مباحث کا شعری طور پر چھڑا گیا ہے اور اکثر یہ احساس ہوتا ہے کہ باوجود مولانا اور اہل خاں صاحب کے دعوئے مولانا کی یہ احساس ضرور تھا کہ ان کے خطوط

کسی رنڈر دشتانے کئے جائیں گے اس کے علاوہ تجاویز تکلف اور آمد و بھی پائی جاتی ہے اسی ذیل میں ہدی انا دی کے کچھ خطوط غالب کے بعض مکاتیب اور نیاز فقیری کے بہت سے خطوط آ جاتے ہیں۔ البتہ مشعلی نعمانی اور مروی عبدالحق کے خطوط اس عیب سے بری معلوم ہوتے ہیں۔

جیل قذافی - مکتبہ عبدالحق کے مقدمے میں اس بارے میں لکھتے ہیں: "غالب کو آمد و خط لوسی خصوصاً مراد کو مکالمہ بنا دینے والی خط لوسی کا باد آدم سمجھا جاتا ہے جس پر اس فن کا کمال ختم بھی ہو گیا مگر اہل نظر اس امر سے انکڑ بھی نہیں کر سکتے کہ ان کے بعض خطوط کی برجستگی میں بھی اہتمام اور ادراک کا دخل پایا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ غالب نے خط لوسی کو ایک فن کی حیثیت سے اختیار کیا تھا وہ اپنے اسباب کو خاص اہتمام سے خط لکھتے تھے انداز اپنی ہی طرز کی ان سے داد بھی طلب کرتے تھے، انہیں خط لکھتے وقت اس بات کا احساس رہتا تھا کہ وہ شائع کئے جائیں گے بلکہ انہوں نے خود اسباب سے کران کو بھی کیا تھا۔ ممکن ہے ان پر نظر ثانی بھی کی ہو اور بعد کے خط نویسوں مثلاً ابراہیم الکلام، آزاد، امیناز، فقیری کے ڈال کو اس کی توقع ہی فضول ہے اس لئے کہ یہ دونوں نمدگ اہتمام اور ادراک کے اہم میں رنیز نسبتاً نیا دور ان کے خطوط نہ مائل نہ مکالمے۔ جن حضرت کے نام خطوط میں وہ یا تو معدوم ہیں رنیز کے یہاں، یا شکوک۔ خطوط کیا ہیں مختلف موضوعات پر مستقل مقالات یا تصانیف میں جو شایا اپنے مخاطب کو مرحوب کرنے کے لئے لکھے گئے ہیں؟

جیل قذافی صاحب کا تبصرہ مرقی حننگ صحیح معلوم ہوتا ہے، غالب کے خطوط اور دشر میں امتداد بخ خطوط لوسی میں اولیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ سادگی، بے تکلفی ان کا جو سر ہے لیکن یہ دعویٰ کتنا مشکل ہے کہ انہیں اس بات کا احساس نہیں تھا کہ ان کے خطوط شائع کئے جائیں لیکن اس سے ان کی فنکاری کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، یہ حقیقت ہے کہ ان کا ایجاد کردہ طرز انہیں پر ختم بھی ہو گیا اور آج تک کوئی ان کا تبحر بھی صحیح طریقے سے نہیں کر سکا کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ طرز تحریر شخص کی اپنی خصوصیت شخصیت کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے غالب کی شخصیت پھر دارمستی۔ اس لئے غالب اپنے طرز کو اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ ان کی طرانت۔ ان کی دل سوزی، خلوص، شاعرانہ عظمت، تفکر، طبیعت کی مزہ دنی، دوستانہ طبیعت، سارے جہاں کا درد جو کہیں میٹ لینے کی حادث، زبان پر قدرت، پھر زبانی کے معاملے میں زبردست ریاض، یہ تمام باتیں کسی ایک شخص میں بیک وقت جمع ہو جانا محال سا ہو گیا ہے جس طرح شاعری میں غالب تمام شعرا پر پہنچ گئے ہیں۔ اسی طرح خطوط لوسی میں بھی آج تک کوئی ان کا مدیقا بل پیدا نہیں ہو سکا۔ بقول سید عبداللہ کے "غالب نے اپنی ہمہ گیر شخصیت کا اثر بڑا گہرا ڈالا۔ اردو میں خدا لکھ کر میں بشر کا ایک الیہ نمود دیا جواب تک مغفرو ہے۔ نشر میں غالب کا سرمایہ وہ خطوط ہیں جو انہوں نے اپنے دوستوں کو لکھے اور بہ مرزا کے قلم کا اجماع ہے کہ اس قلیل سرمائے کے باوجود وہ اردو ادب میں ایک الیہ مقام حاصل کر گئے جو کسی دوسرے آدمی کو نہیں مل سکتا۔"

دعاصل مرزا کے خطوط میں زندگی کا ایک خاص نقطہ نظر ہے جو ان کی عبارت اور خیالات میں جان ڈال دیتا ہے۔ مرزا زندگی سے لپکا لپکا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ انہوں نے زندگی کے بہت سے رنگ دیکھے تھے لیکن ان کی بلا اشم طبیعت ان کو چند عرصے ہی سمجھتی رہی وہ سیر نہیں ہو سکے اور تیشنگی کا احساس ہی ان کی زندگی اور اندازہ دلی کا سبب بن گیا۔ ان کا شہر شمر دعاصل ان کے دل کی بات کی ترجمانی کرتا ہے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

وہ ایک بچے سیما ہی اسیا ہی نادے کی طرح زندگی کی شکلات کا مقابلہ بھی کرتے رہے اور بقدر بہت دقت اس کا رس بھی پھوڑتے

رہے انسان کی کوشش ہی رہی کہ ایک ایک قطرہ بخور گپی جاتی تھی کہ حدِ تہِ جام بھی۔ بقولِ مان کے انھوں کو جنبش نہیں، انکسوں میں تو دم ہے سحر رہنے دیا بھی ساغر و میا میرے آگے

مزدگی اس بے پناہ حوصلہ مند کی اور زندگی کی جاہت نے انہیں یہ بہت عطا کی کہ انہوں نے چوٹوں کو صرف برداشت ہی نہیں کیا بلکہ ان پر سکڑنا بھی سیکھ لیا۔ اسی قوتِ برداشت کی بناء پر اپنے اوپر بھی بھتے رہے۔ اپنے اوپر بھتے کے لئے معاذِ کے مجرم میں سکرانے کے لئے بڑا حوصلہ چاہتے اسیہ حوصلہ مرزا کو حاصل تھا۔

زمانہ سخت کم آنا رہے بحبان آمد
اگرچہ ہم تو قوی زیادہ رکھتے ہیں

ایسے حوصلہ مند آدمی کی تحسیر میں زندگی، شگفتگی اور بے قوی نہ ہوگی تو میر کی تحسیر میں ہوگی۔

غالب ایک رقیں نادے تھے، ان کی خاموشی زندگی کی سعادت محض آدمی تھی۔ اس زمانے کے دورِ خلوت میں انجن آسانی کی گدایت کا لازمہ تسلیم دیتے تھے، اندکوش اس بات کی ہوئی تھی کہ عمل کے اندر ہی تمام قسم کی دلچسپیاں ہیما ہو جائیں۔ یہ قسم کے آدمی کی صحبت میں میسر جاتے انسان کا بڑا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اندوگوں کی تعدادی پر دولت پائی کی طرح بہائی جاتی تھی غالب کسی زندگی بھر محض آدمی کی کوشش کرتے رہے لیکن اپنے معیارِ اعلیٰ کے مطابق انجن آدمی نہ کر سکے اس جذبہ کی آسودگی بھی انہیں زندگی بھر ستانی رہی شروع میں کسی نہ کسی طرح اس کا اہتمام کیا اور دوسروں کے دیر جا کہ انجن آدمی کا لطف اٹھایا اور قسم کی صحبت میں بیٹھے رہے لیکن برعکس ہیں یہ چیز میر نے ہی۔ کچھ غلطی کی وجہ سے اندکھ کز دی کی وجہ سے تو زنی مجلس آدمی پانگتا کر پڑا اور فسیا یا

ہے آدمی بجائے خدا کے خوش خیال
ہم انجن سمجھتے ہیں مخلوت ہی کیوں نہ ہو

صرف خوش خیالی ہونے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی جدت پسند اندکھ در طبیعت نے محض آدمی کے لئے ایک دوسری ماہ بھی نکالی اسیہ ماہ حارسہ نگاری کی راہ ہے۔ آپ صرف میں محض آدمی کا رنگ دیکھیں گے۔ غریب ہانسی چلیں، ہنسنا، گدگدانا، انا رے کائے، ضلع جگت، بھتی، محبت اور دوسری کا اظہار، درستانہ وضع داریوں کا اظہار، قواعد انک، غرض کہ ہر چیز صریح اظہار و مستوں اور آستانوں کی محض ہیں ہو سکتے ہیں وہ غالب کے خطوط میں موجود ہے۔

خطوط کے معاملے میں غالب کی ایک بڑی خدمت یہ بھی شمار کی جاتی ہے کہ انہوں نے طویل قسم کے القاب و آداب کو ختم کر دیا وہ نہایت بے تکلفی سے خط کو شروع کر دیتے ہیں۔ وہ ان سے پہلے کی کئی سطروں میں صرف القاب چلا کرتے تھے، پھر کہیں جا کا اصل معا شروع ہوتا تھا۔ وہ بھی تشبیہ، استعارہ، رعایت لفظی، بے جا کلفت اور مبالغہ میں مرنے ان تمام تکلفات کو یک جنبش قسم ختم کر دیا وہ صرف "پیر و مرشد" "بندہ نواز" میر سے پیاسے میر میری وغیرہ کے القاب سے خط کو شروع کر کے براہِ راست اظہار و دعا پڑا جاتے ہیں ایک اور بڑی اہم چیز ہمزاد کے خطوط میں نظر آتی ہے وہ یہ کہ وہ ہمیشہ مخاطب کی عمر اس کی افسانیاں اور پسند و ناپسند کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ انتہائی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مخاطب کو کسی نہ کسی طرح خوش کریں۔ خود خواہ غم کے دیا میں ڈوبے ہوئے ہوں لیکن کوشش ہی ہوگی کہ اپنی پریشانی کا اثر مخاطب پر نہ پڑے چنانچہ اگرچہ مجبوری اظہار غم کرنا بھی پڑ جائے تو نہ راجح کرتے ہیں کہ مخاطب پر اس کا کم سے کم اثر پڑے۔ غم کی داستان کے ساتھ کوئی چٹکھ کوئی لطیفہ شروع کر دیتے ہیں۔ خدا ہے اور بھٹنے لگتے ہیں۔ اپنا مذاق اٹھانا شروع کر دیتے ہیں تاکہ غم کا بوجھ کم ہو جائے یہ دوسری کہاں پائی جاتی ہے۔ مہمنا نہیں لڑا انتہائی کم یا بمرور ہے پھر کچھ سے بھول کر طرح، ہمالوں سے ہمالوں کی طرح اور ہڈیوں سے ہڈیوں کی طرح باتیں کرتے ہیں اسیہ باتیں واقعی باتیں ہی ہوتی ہیں۔ حالانکہ ہرنے

میں یہ اصول تسلیم کیا گیا ہے کہ تحسیر کی زبان اور مہتی ہے اور اس میں گفتگو کی زبان اور لیکن واقعی غالب نے مراسلے کو مکالمہ بنا کر دکھا دیا۔ تحسیر میں گھر پر بات چیت کا لطف پیدا کر دیا ایک اور بڑی پر لطف اور اہم چیز میں مرزا منصف میں وہ ان کی خطوط میں مکالمہ تو ایسی ہے نہ ان سے پہلے نہ بعد میں کسی نے خطوط میں مکالمے لکھے یہ مکالمے انتہائی بے ساختہ اور دل چسپ ہیں۔ ظرافت کی چاشنی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ غالب کا وہ خط جو انہوں میں مہدی کو ایک مکالمے کی صورت میں لکھا ہے بہت شہرہ ہے۔ کبھی کبھی مکتوب الیہ کو غالب فرض کر لیتے ہیں ان کے خطوط ذاتی واقعات سے پر ہیں۔ اگر کوئی چاہے ان سے ان کی پوری سوانح عمری مرتب کر سکتا ہے اور وہ حالات بھی لکھ گئے ہیں جو غالباً دوسرا اپنے بارے میں کبھی نہ لکھتا۔ خطوط ان کی زندگی کا آئینہ ہیں اور اس چیز کو خطوط نگاری میں خلوص کہا گیا ہے اس قسم کا خلوص بھی دوسری جگہ نہیں ملتا ہے اور وہ خطوط نگاری میں غالب، شبلی، مولانا آزاد، مہدی آبادی نیاز فتح پوری زیادہ مشہور ہیں۔ علامہ اقبال اور مولوی محمد رفیع صاحب کے خطوط بھی تاریخ ہوئے ہیں ادیبہ دولی حضرت اس کی خاطر سے بہت بڑی حیثیت کے مالک ہیں۔ سید سلیمان ندوی کے خطوط بھی اہتمام سے تاریخ ہوئے ہیں۔ مولانا مودودی کے خطوط کا مجموعہ بھی مکاتیب زندان کے نام سے تاریخ ہو چکا ہے اور بہت سے لوگوں کے خطوط بھی تاریخ ہوئے ہیں اور مہدی ہیں لیکن میرے خیال میں خطوط لوبی کے بارے میں جو لوگ صاحب طرز کہے جاسکتے ہیں وہ غالب، شبلی، آزاد اور مہدی آبادی کی ہیں۔ ان میں سے ہر شخص کی کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت ہے جو دوسرے میں نہیں ملتی یا نہ ملنے کے برابر ہے۔ مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد نے خطوط میں ایک نئی راہ نکالی ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید ان کے مخاطب کو کبھی خط نہ پہنچ سکیں گے، انہوں نے خط لکھے ہیں۔ تمام خطوط میں علامہ انشان پانی جاتی ہے بڑے بلند پایہ علمی مباحث کو خطوط میں چھیڑا ہے اور ان پر فاضلہ بحث کی ہے طرز ادا بھی ایک قسم کا اختیار کیا ہے، حضرت مولانا کی زندگی مختلف اور متضاد چیزیں ہیں بٹی ہوئی ہے وہ ایک ہی وقت میں مصنف بھی ہیں، مقرر بھی ہیں، مفکر بھی ہیں، ادیب بھی ہیں اور ادیب بھی یعنی علوم میں تحسیر کے ساتھ عقلیات اور فلسفے کا ذوق بہت کم سمجھ ہوتا ہے۔ مولانا آزاد نے اپنی اسی جامعیت کا پورا پورا اظہار اپنے خطوط میں کر دیا ہے انہوں نے فلسفے کے سب سے بھی چھیڑے ہیں، ادب پر بھی سختی ڈالی ہے، دینی مسائل کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ شعروں اور نثری کا بھی ذکر کیا ہے، تاریخی واقعات بھی بیان کئے ہیں، سیاسی حالات کا بھی سراپے ذکر کر دیا ہے، لہجہ و سبب پر بھی دل چسپ بحث کے ڈالے ہیں۔ غرض کہ ان کے خطوط نیز نگہی موضوعات کی وجہ سے توں قزح کی کسی کیفیت پیش کرتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ہر موضوع کے لحاظ سے طرز ادا اور عبارت آفاقی کا رنگ بھی بدل جاتا ہے۔ شعروں اور نثری کے بیان میں کچھ اور رنگ ہے۔ چٹیا کی کہانی کا کچھ اور۔ تاریخ اور دینی مسائل کا کچھ اور۔

لیکن مولانا کی باقاعدہ موضوع پر لکھنے کی عادت نے ان کے خطوط میں مقالاتی کیفیت پیدا کر دی ہے وہ خطوط رائے نام و گئے ہیں۔ انہیں خط نامہ مقالات کہا جائے تو زیادہ موندل ہوگا۔ چنانچہ بعض لوگ ان کے خطوط کو مقالات ہی کہتے ہیں خطوط کی سی بے تکلفی سا دگ اور احساس رازداری مولانا کے یہاں بالکل مفقود ہے بالکل یہی کیفیت نیاز کے خطوط کی بھی ہے لیکن غالب، مہدی اور مولانا کے خطوط میں پینین خوبیاں پنچہ اتم پائی جاتی ہیں۔ خط لوبی کے دوران میں اگر یہ خیال آجائے کہ کیا لکھنا ہے اور کیا نہیں لکھنا تو خلوص۔ بے تکلفی اور سادگی کی نصیحت باقی نہیں رہتی۔ اظہار میں یگانگت نہیں رہتی اور بقول سید محمد امد کے ”رنگ آشنائی“ محدود ہو جاتا ہے، مولانا آزاد و خدیو ایک خط میں لکھتے ہیں ”میری دکان سخن میں ایک طرح کی جنس نہیں رہتی لیکن آپ کے لئے کچھ نکالتا ہوں تو احتیاط کی جھلنی میں اچھی طرح سجان لیا کرتا ہوں کہ کسی طرح کی سیاسی ملاوٹ باقی نہ رہے“ مولانا آزاد کے خطوط کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ عبارت میں اشعار جگہ جگہ استعمال کرتے ہیں خطوط کی بے تکلف فضا

اس قدر اشعار کی گرانہاری کہ برداشت نہیں کر پاتی اہل اکثر آدمی شان پیدا ہو جاتی ہے اور آدمی کا رنگ خط کے لئے بالکل مناسب نہیں ہے، اس میں تنگ نہیں کہ اشعار صحت اور عقل استعمال کئے گئے ہیں اور ہلات خود ہرے اعلیٰ معیار کے اشعار ہیں۔ حمایت میں نگینوں کی طرح جڑتے ہیں اور حمایت میں رنگینی و لطف و دہلا کر دیتے ہیں لیکن یہ طرز ایک ادبی مضمت کے لئے زیادہ موزوں اور خطوط کے لئے کم مناسب ہے اس طرز پر اہل خان صاحب نے جس طرح تبصرہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے نثر میں شاعری کا رنگ بھرنے کی کوشش کی ہے مگر خطوط کی عبارت نثر میں شاعری زیادہ ہے۔ مولانا کی اپنی عبارت کے لحاظ سے بھی اور اشعار کی کثرت کے لحاظ سے بھی لکھتے ہیں اور انہوں نے نثر میں شاعری کی ہے اور اس مطلب کو ادا کیا ہے اس طرح کیا ہے کہ جدت و نثر آسانی کو ہی ہے اور صحت و نثر رنگ و درون بھر رہی ہے۔ اجتہاد و فکر و گشت میں وہ طرز عام سے اپنی دلکش الگ رکھیں گے۔ انہوں نے جس وقت سے نظم یا شعریں سمجھنا شروع ہیں وہ ہمیشہ میں رد اصحاب اسلوب ہے یہی بغیر کسی اہتمام اور کاوش کے قلم برداشت لکھتے گئے ہیں لیکن قدرت بیان ہے جو بے ساختگی میں بھری چلی آتی ہے اور کاوش نہ کرے جو آدمی بھی آدمی سے زیادہ جنتی اور سحرانی رہتی ہے۔ ظرافت ہے تو وہ اپنی بے داغ لطافت رکھتی ہے واقعہ نگاری ہے تو اس کی نقش آرائی کا جواب نہیں فکر کا پیمانہ ہر جگہ بلند اور نظر کا معیار ہر جگہ ارجح ہے۔ اہل خان صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصروف نے بھی تبصرے میں شاعری ہی کی ہے اور عبارت خاطر کے رنگ کو اپنانے کی کوشش فرمائی ہے وہ عبارت خاطر میں ظرافت کی بے داغ لطافت کے اظہار کا صرف ایک ادھ مقام پر موقوف کیا ہے وہ بھی سرا ہے۔ چڑھا چڑھے کی کہانی میں چند فقرے ناگہانی نکل گئے ہیں یا پندت نہرو و غیرہ کا جہ میں ذکر کرتے ہوئے کچھ فقرے چست ہو گئے ہیں، پھر کچھالی میں ان کی اہمیت اتنی نہیں کہ مولانا آزاد کی تحسیر دل میں ظرافت کا مستقل رنگ تلاش کیا جائے۔ ظرافت مولانا کے مزاج سے بالکل مناسبت نہیں رکھتی۔

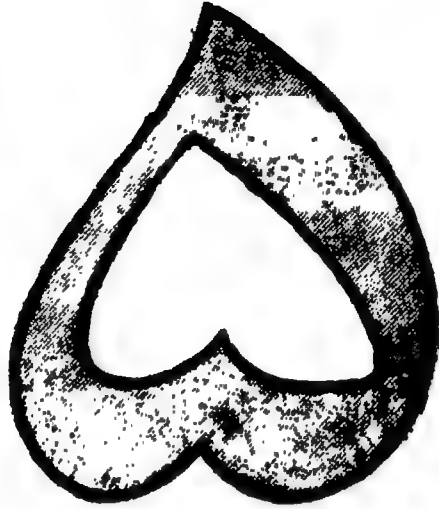
مولانا شاعری کے خطوط کو بھی ان دلوں میں بہت شہرت حاصل ہوئی ہے اور یہ شہرت خصوصاً ان خطوط کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے جو انہوں نے عطیہ رضی کو لکھے تھے۔ مولانا کے خطوط ٹیکنک کے لحاظ سے غالب کے بعد بہترین خطوط شمار کئے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں اکثر دل کی بات بلا کسی ذہنی تحفظات کے کہہ دی گئی ہے۔ جو بات دل میں ہوتی ہے مولانا بلا کم و کاست اس کو نوک و تسم پہلے آتے ہیں اور یہی خلوص و صداقت خطوط کی ٹیکنک کی جان ہے۔ یہ صداقت مرزا غالب کے یہاں بھی موجود ہے اور یہی الانادی کے خطوط میں بھی۔ مولانا آزاد اور نیاز فتح پوری کے خطوط اس سے محروم ہیں۔ مولانا، عطیہ بیگم کو خطوط لکھتے وقت ایسی باتیں بھی لکھ گئے ہیں جن کو آسانی سے ان کے زہر و دروغ کے خلاف استعمال کیا جاسکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنے مخاطب کی خاندانی شرافت اور وجاہت کی وجہ سے یہ پورا اعتماد تھا کہ ان کو خطوط کو کبھی شائع نہیں کیا جائے گا اور اس لحاظ سے ان کے خطوط تمام مشہور خط نویسوں سے اہمیت میں بڑھ گئے ہیں۔ کیونکہ غالب اور بھدی حسن کو بھی کچھ عرصے کے بعد یہ احساس ہو گیا تھا کہ ان کے خطوط کی تصدیق جاری ہے اور بڑا امکان ہے کہ ان کے خطوط کو شائع کر دیا جائے لیکن مولانا کو یقین تھا کہ کم از کم عطیہ بیگم دے خطوط ہرگز شائع نہیں ہوں گے۔ ان خطوط میں مولانا ایسی باتیں بھی لکھ گئے ہیں کہ لوگوں نے خوب براہی اور اپنی ادبی شہرت کا زینہ بنا لیا۔ چنانچہ چند حضرات نے ان خطوط کو طرح طرح سے استعمال کیا۔ کسی نے ان خطوط کی ردیفی میں عشیہ افسانہ تصنیف کیا۔ کسی نے مولانا کی فارسی غزلوں کی ترجمہ ان خطوط کے ذریعے سے کی اور خطوط اور غزلیات میں تاریخی نقطہ نظر کی پید کرنے کی کوشش کی تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ مولانا کے خطوط ہی عطیہ بیگم کے لئے نہیں بلکہ غزلیات بھی عطیہ بیگم کے لئے ہی لکھی گئی تھیں۔ مگر میں جیسا کہ اس مضمون میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں۔ ان حضرات سے اختلاف کرتا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ نہ تو یہ خطوط حشیہ خطوط تھے اور نہ مولانا کی فارسی غزلیات کسی ذات کو سامنے رکھ کر کہی گئی تھیں۔ دراصل اس بارے میں بہت زیادہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ مولانا فطری طور پر شاعر اور نفاست پسند قسم کے

آدی تھے۔ انہیں صرف فارسی ادب سے ہی نہیں بلکہ ایرانی تہذیب و تمدن سے بھی بڑا لگاؤ تھا۔ امدان کے زمانے میں ہندوستانی معاشرت پر ایرانی تمدن کی چھاپ کافی گہری تھی خطوط تک اکثر فارسی میں لکھے جاتے تھے۔ سیکڑوں سال کا افراک ایک ساتھ تو زمانے ہونے لگتا تھا۔ اس حقیقت یہ ہے کہ وہ آثار آج تک بڑی حد تک باقی ہے۔ ایرانی مزاج میں مبالغہ آماتی ایک جزو لاینفک ہے اس کے علاوہ ان کے یہاں عام روایتوں اور مشناساؤں سے مخاطب اسی طرح کیا جاتا ہے جس طرح ہم کسی محبوب کو مخاطب کرتے ہیں۔ مثلاً ہمارے یہاں میری جان ایک مبتذل قسم کا مخاطب ہے اور ہم عام طور پر استعمال نہیں کرتے۔ ہمارے بے تکلف دوستوں میں شاید بھی استعمال ہو جائے لیکن چھوڑوں کہ خصوصاً جوان لڑکیوں کو ہم ان الفاظ سے کسی مخاطب نہیں کریں گے۔ لیکن ایران میں یہ مخاطب بالکل عام ہے اور مجھے بڑے مروادہ محبت میں کوئی امتیاز نہیں۔ اسی طرح دوسرے عاشقانہ الفاظ ایرانی ادب اور ایرانی گفتگو میں عام طور پر بلا تکلف استعمال کئے جاتے ہیں اور یہ بات صرف چند الفاظ تک محدود نہیں بلکہ کلام کے عام لہجے اور عام تعلقات میں بھی یہ رنگ پایا جاتا ہے۔ مولانا شبلی نے اپنے خطوط ادباجی غزلیات میں اسی رنگ کو اختیار کیا ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ عطیہ بیگم کے گھرانے میں زندگی ایرانی تہذیب کی سطح پر ہی گذاری جاتی تھی۔ بس لئے مولانا شبلی نے وہی طرز مخاطب اختیار کیا اور عام تعلقات میں بھی اسی رنگ کو غالب رکھا اور ایرانی تہذیب اس کے طرز مخاطب۔ ایرانی ادب کے لہجے وغیرہ سے مولانا کے متعلق افسانہ طرازی کرنے والے مجھ سے کہیں زیادہ جانتے ہیں۔ لیکن میں حسن ظن سے کام لیں کہ یہی کہہ سکتا ہوں ان لوگوں نے ایک شاعرانہ تخلیقی طاقت کو خالص ہوس انگیزہ دیا بنا دیا۔

اب چند باتیں مہدی حسن آدھی کے خطوط کے متعلق عرض کر کے میں اسی مضمون کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ مہدی حسن مرحوم اپنی طرز نگارش میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں وہ طبعاً بڑے نازک مزاج، نفاست پسند، رنگین طبع اور دوست لوازم کے آدمی تھے، وہ عادتاً دوم درجے کی چیز پسند نہیں کرتے تھے، ان کا مذاق سلیم ان کو ہر جز اول درجے کی منتخب کتب پر مجبور کرتا تھا چنانچہ ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لباس اور غذا کے معاملے میں بھی معیار ہمیشہ بلند رکھتے تھے۔ کتابوں کے معاملے میں بھی ان کی پسند اور نپی تھی۔ ہمیشہ کوشش کرتے کہ اعلیٰ قسم کی طباعت والا ایڈیشن خریدیں۔ یہی بلند معیار انہوں نے اپنی تحریروں میں بھی بقصد رکھا ہے اور اس نفاست طبع کا سب سے زیادہ اظہار ان کے خطوط میں ہوتا ہے۔ ان ذات مہدی کی عبارت میں بھی الفاظ کا انتخاب اس قدر اعلیٰ ادب پسند نہیں ہے جتنا کہ ان کے خطوط میں نظر آتا ہے ان کے خطوط تکنیک کی تقریباً تمام شرائط کو لہا کر لے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ وہ خطوط بہت سوجھ بوجھ کر بڑی احتیاط اور بڑے اہتمام سے لکھتے تھے۔ لیکن یہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ ان خطوط کو شائع کرنا چاہتے تھے بلکہ عادتاً وہ محتاط تھے اور چاہتے تھے کہ اند چیزوں کی طرح ان کے خطوط بھی اول درجے کے ہوں۔ وہ خط لکھنے میں بڑی کاوش سے کام لیتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اس اہتمام اور کاوش کی وجہ سے ان کے خطوط میں اکثر آدھا اور نصف کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن کمال یہ ہے کہ باوجود نقصان کے احساس کے قاری کی دل چسپی میں کمی نہیں ہوتی۔ ان کی طرز نگارش اور اسلوب نثر پر قاری کو اپنی طرف مگن لیتے ہیں اور اس وجہ سے ان کے خطوط میں رنگ آسانی کی نمود موجود ہوتی ہے۔ کسی جگہ جھجکائی کا احساس نہیں ہوتا۔

مہدی حسن مرحوم بڑے رنگین طبع آدمی تھے۔ ان کی طبیعت کی رنگینی کا بجا ان کے خطوط میں چھلکتی ہے۔ حسی نازک سے انہیں خاص شغف تھا۔ اپنے خطوط میں طرز طرز سے انکا ذکر کرتے ہیں اور بڑے دالہانہ انداز میں کرتے ہیں جس طرح دیا حق خیر آبادی اپنے اشعار میں شراب کا ذکر نہیں کر لیتے ہیں اور ایک گونہ بے خدائی ان پر طاری ہو جاتی ہے یہی حال مہدی حسن کا جس لطیف کے بارے میں ہے کبھی کبھی وہ اس جس کا ذکر بعض مزاح پیدا کرنے کے لئے بھی کرتے ہیں لیکن یہ بات مسلم ہے کہ مرحوم آدھا مزاج یا مینش صبح ان کی نہیں تھی۔ ان کے خطوط کے مخاطب اکثر ان کے ہم عصر اہل علم تھے جن میں سید سلیمان ندوی، مولانا آزاد، مولانا جلیل الدین



آزمودہ دواؤں کا مرکب انالجین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Spornu

01/63

پروفیسر وحید الدین نقوی (ایم اے)

ابن ابی الریج

تاریخ فلسفہ سیاسیات میں وہ پہلا مفکر ہے جس نے امتداد اعلیٰ کا نظریہ قائم کیا اور اس کی آئینی حیثیت متعین کی سماج میں سیاسی اداروں کی حقیقی بنیادوں کا کھوج لگا کر فلسفہ سیاسیات کی بنیاد عمرا نیات پر رکھی اور نظریہ مملکت کے ساتھ ساتھ فن حکمرانی کے بھی بہترین اصول متعین کئے اس نے سیاسی اعمال کو اخلاق کا پابند بنایا اور بادشاہ کے موضوع پر سب سے پہلی کتاب تصنیف کی

احمد بن محمد بن ابی الریج آٹھویں عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ خلافت (۲۱۸ھ تا ۲۲۸ھ) میں عراقی علوم کا ایک بہت بڑا ماہر تھا۔ خلیفہ معتصم اس کی صلاحیت اور عالمانہ مرتبے سے واقف تھا۔ چنانچہ اس نے ابن ابی الریج سے ایک ایسی کتاب لکھنے کی فرمائش کی جس میں اخلاق اور معاملات کے مختلف پہلو جامع انداز میں پیش کئے گئے ہوں۔ ابن ابی الریج نے جو معتصم کے حسن انتظام اور حسن سیرت سے ذاتی طور پر بہت متاثر تھا، اس فرمائش کے بموجب ایک کتاب سلوک المملک فی تدبیر المملک کے نام سے لکھ کر پیش کی۔

یہ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصے میں مصنف نے مقدمہ کتاب تحریر کیا ہے جس میں کتاب کے لکھنے کی غایت پر روشنی ڈالی ہے دوسرے حصے میں اخلاق کے احکام بیان کئے ہیں، تیسرے حصے میں سیرت عقلیہ کا ذکر کیا ہے اور چوتھے حصے میں سیاسیات کے اصول و احکام پر بحث کی ہے۔

سلوک المملک فی تدبیر المملک جس زمانے میں لکھی گئی وہ تہذیب و تمدن کے اعتبار سے بڑے عروج اور ترقی کا زمانہ تھا۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید جو متقدمہ طور پر سلاطین عالم میں سب سے زیادہ شان و شکوہ اور جاہ و جبروت والا حکمران مانا جاتا ہے، معضبتی سے ابھی رخصت ہوا تھا اس کے عہد میں عظیم مملکت اسلامیہ کا دار الخلافہ بغداد، جہاں عالمی سیاست کا سب سے بڑا مرکز تھا وہ اس وقت کی دنیا میں علوم و فنون کا بھی سب سے بڑا گہوارہ بھی تھا۔ اس کے بعد اس کے لائق فرزند ہارون الرشید نے بیت الحکمت کا اضافہ کر کے بغداد کی عظمت میں اور چار چاند لگا دئے تھے۔ چنانچہ ہارون ہی کے بیت الحکمت کا طغیلا ہے کہ جدید دنیا یونانیوں کے علوم و افکار اور ان کے فنون و فلسفے سے روشناس ہوئی۔ پھر ہارون نے جلیلی عظیم الشان سلطنت پر فرائد روانی کی دیسی ہی عظیم الشان نظیر اپنے کردار کی یہ قائم کر گیا کہ اپنے بعد اپنے بیٹے عباس کو ولی عہد سے محروم کر کے اپنے بیٹے معتصم کو

محض اس لئے جائزین مقرر کیا کہ اس میں اتنی بڑی سلطنت کے نظم و نسق کے سنبھالنے کی پوری صلاحیت موجود تھی اور وہ اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے بھی فائق تر تھا۔ مہتمم جس نے اپنے عظیم المرتبت باپ مارون الرشید کا عہد اور اس عہد کے علوم اور علماء کی تدوینوں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں، پھر اپنے بھائی مامون کے عہد میں ان کا مزید فروغ اور ارتقاء ملاحظہ کیا تھا، جب خود سر ریاست خلافت ہوا تو اس نے بھی اپنے عظیم پیش روؤں کی رعایات کو برقرار رکھا اور علوم اور علماء کی تدوینوں میں کوتاہی نہ کی۔ ابن ابی الربیع نے بھی مہتمم کی بے حد تعریف کرتا ہے، مامون اور مامون کے زمانے کی رونقیں دیکھی ہوں گی۔ اس لئے اگر وہ مہتمم کو ان دونوں کے معیار سے کم تر پاتا تو غالباً اتنی ستائش نہ کرتا۔

علمی مقام | سیاسی مفکر ہونے کی حیثیت سے ابن ابی الربیع، تاریخ فلسفہ سیاسیات میں بعض اہم خصوصیات کا حامل ہے اور ان میں سب سے بڑی خصوصیت جو اس کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ سیاسی فلسفے میں اقتدار اعلیٰ کا نظریہ قائم کرنے کا شرف سب سے پہلے اسی کو حاصل ہوا۔ ہمارے زمانے میں اقتدار اعلیٰ کی آئینی حیثیت کو سیاسی فلسفے میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے لیکن ابن ابی الربیع کا کمال یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ کی آئینی حیثیت کو اس نے آپ سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے ہی متعین کر دیا تھا۔ اس کے آٹھ سو سال بعد برطانوی (Bodin) اور اس (Hobbes) اور آسٹن (Austin) وغیرہ نے اقتدار اعلیٰ کے موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس میں ابن ابی الربیع ہی کا نتیجہ کیا گیا ہے۔

ابن ابی الربیع کے سیاسی فلسفے کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سماج میں سیاسی اداروں کی اصل بنیاد کا کھوج لگایا ہے اور اس کا تفصیلی تجربہ کیا ہے۔ اس طرح گویا اس نے اپنے سیاسی فلسفے کی بنیاد عمرانیات پر رکھی ہے اور آئے والی نسلیں کے لئے بحیثیت کا ایک نیا اور وسیع میدان فراہم کر دیا ہے۔

اس کی تیسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے سیاسی فلسفے کی پیشکش میں محض نظریاتی اور تجریدی مباحث میں الجھ کر نہیں رہ گیا ہے بلکہ اس نے فن حکمرانی اور نظم سلطنت کو اپنا موضوع سخن قرار دیا ہے اور ایسے اصول متعین کئے ہیں جو کسی بھی دور کے حکمران اپنے انتظام حکومت میں استعمال کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابل ستائش بات یہ ہے کہ ابن ابی الربیع نے جو فن حکومت پیش کیا ہے اس کی بنیاد از سر تا سر اخلاق پر رکھی ہے اور اس کی پابندی میں وہ اس دور پر مستحکم ہے کہ جنگ جیسے نازک موقع پر بھی وہ اخلاقی کاوامن یا نفع سے نہیں جھوڑتا۔ فن حکمرانی کی اس بحث میں اس نے نظریہ مملکت کو بھی نظر سامنا نہیں کیا ہے بلکہ اس پر بھی اپنے مخصوص نقطہ نگاہ کے مطابق بڑی اہم بحث کی ہے۔

اس کی کتاب "سلوک الممالک فی تدبیر الممالک" کا موضوع چونکہ "بادشاہ" ہے اس لئے تاریخی اعتبار سے یہ کتاب بادشاہ پر بھی پہلی کتاب ہے۔

سیاسی افکار

(ان کی فطرت اس کو بالکل افسانہ اجتماع کی طرف مائل کرتی ہے اور اس کی اس فطرت کا اظہار اس کی احیاء اور ضروریات کی معرفت ہوتا ہے۔ جب اجتماع قائم ہو جاتا ہے تو اس کو باقی رکھنے کے لئے سنن و ذرائع (دائیں) کی ضرورت ہوتی ہے جنہیں حکام نافذ کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ چیز بھی خالق فطرت خود ہی فراہم کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ

میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فطرت پر پیدا کیا ہے اور اس فطرت کے مطابق اس کی زندگی کو نظم بھی عطا کیا ہے

انسانی فطرت

ابن ابی الربیع نے سیاست اور تمدن پر اپنی علمی بحث کا آغاز کرتے ہوئے سب سے پہلے اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص فطرت پر پیدا کیا ہے اور یہ فطرتی خصوصیت ہی اس کو ”بالطبع انسان“ اور اجتماع کی طرف مائل کرتی ہے یعنی تمام مخلوقات میں انسان ایک ایسی نوع ہے جس کی فطرت اسے ایک جانب تو اپنے ہی نوع کے ساتھ محبت و مودت کے بندھن میں باندھ دیتی ہے اور دوسری جانب اسے ایک اجتماع یا معاشرے میں رہنے پر مجبور کرتی ہے اس لئے انسان صرف اس کو قرار دیا جائے گا جس میں یہ دونوں انسانی اوصاف یعنی محبت اور معاشرت پسندی موجود ہو اس بحث سے ایک نتیجہ یہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ جہاں انسان فطرت کے درمیان انسان و محبت کا وجود فطری ہے وہیں معاشرے کا وجود بھی کلیتہً فطری ہے۔

معاشرے کا قیام

عملاً معاشرے کے قیام میں انسانی فطرت کا اظہار اس کی احتیاجات اور ضروریات کی معرفت ہوتا ہے یعنی وہ بنیادی ضروریات جن پر انسان کی زندگی کا انحصار ہے، بالفعل معاشرے کے قیام کا وسیلہ بنتی ہیں ابن ابی الربیع کے نزدیک وہ ضروریات پانچ ہیں: ۱۔ غذا - زندگی بسر کرنے کے لئے انسان کو سب سے پہلے غذا کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ ہر وقت محنت اور محنت کی وجہ سے جسمانی قوتیں تحلیل ہوتی رہتی ہیں۔ غذا کسی کسی کو لوہا لگتی ہے اور قوتوں کو بحال رکھتی ہے اس لئے اگر غذا نہ ملے تو انسان زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔

۲۔ لباس - جسم کے تحفظ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو سردی گرمی اور ہوا کی تکالیف سے بچایا جائے چنانچہ یہ کام لباس کے ذریعے سے کیا جاتا ہے اس لئے اس کا شمار بھی بنیادی ضرورتوں میں ہوتا ہے۔

۳۔ مکان - سکون و راحت حاصل کرنے اور ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رہنے کے لئے مکان کی ضرورت ہے۔

۴۔ ازدواج - عالم انسان میں بقائے حیات کا طریقہ صرف یہ ہے کہ تولید و تناسل کا سلسلہ جاری رکھا جائے اس کے علاوہ بقائے شخصی کا بھی کوئی اور طریقہ موجود نہیں اس لئے اندھا دھن کو فردی قرار دیا گیا تاکہ نسل اور نوع انسانی باقی رہے۔

۵۔ علاج - جسم انسانی کو کبھی کبھی کچھ عارضی لاحق ہو جاتے ہیں جن کا دور کرنا اس کی بقا کے لئے انتہائی ضروری ہے اور یہ چیز چونکہ علاج کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے اس لئے اس کا شمار بھی بنیادی ضروریات میں کیا گیا ہے۔

ابن ابی الربیع کے نزدیک یہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ انسان اس سے کسی حال میں بھی مستغنی نہیں ہو سکتا اس لئے ان چیزوں کا فراہم کرنا اس کے لئے ناگزیر ہے لیکن یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ ان اشیاء کی فراہمی ایک مربوط نظم کی محتاج ہے۔ مثلاً جب انسان غذاؤں کا طلب گار ہوتا ہے تو اس نے اپنے لئے سب سے زیادہ مناسب غذا حیوانات اور نباتات کو پایا لیکن ان دونوں کے حصول کے لئے ضروری ہوا کہ حیوانات کی پرورش اور حفاظت اور نباتات کی کاشت و حیرو کا اہتمام کیا جائے پھر ان غذاؤں کو بھی محفوظ رکھنے اور استعمال کے قابل بنانے کے لئے بہت سی صنعتوں کی ضرورت پیش آتی۔ اس طرح ضروریات کی فراہمی کا فائدہ ساتھ یہ نئی

ضرورتیں پیدا ہو گئیں اور ان کا ایک بسیط سلسلہ قائم ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام امور پر انسان کے لئے ضروری ہیں لیکن پرانے
تنہا ان امور کو انجام نہیں دے سکتا اس لئے تمام انسان ایک دوسرے کے تعاون کے قیام کے لئے ایک ایک کی ضرورت دوسرے سے
وابستہ ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ ایک ہی مقام پر مل جل کر رہنے لگے تاکہ باہمی تبادلہ محنت اور لین دین کے ذریعہ سے ایک دوسرے
کے ساتھ تعاون کر سکیں، اس طرح شہر آباد ہو گئے اور معاشرے اور تمدن کی بنیاد پڑ گئی۔

مملکت کی ابتداء

ابن ابی الربیع کے خیال میں بستیوں یا شہروں کی آبادی کے ساتھ ہی ساتھ لوگوں نے مل جل کر کام کرنا بھی شروع کیا لیکن معاشرتی
زندگی میں چونکہ عدل و انصاف اور ظلم و ستم دونوں ہی کا امکان تھا، اور ان امور میں ہر شخص علیحدہ علیحدہ روش بھی اختیار کر سکتا تھا
جس کے نتیجے میں معاشرہ ہی منتشر ہو جاتا۔ اس لئے باقی تعاون کی شان ربریت اس صورت مزید بہتی اور اس نے سب ہی کے لئے حسن و
فرائض (آئین) مقرر فرما دئے تاکہ تمام لوگ اپنے معاملات میں ان پر عمل اور قائم رہیں۔ اختلافات کی صورت میں ان ہی کی جانب
رجوع کریں اور ان لوگوں کو بھی جو ان سے انحراف کریں ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور کریں تاکہ ان کے معاشرتی امور میں باضابطگی
اور ان کے معاملات میں یکسانیت پیدا ہو۔ اس طرح تمام لوگ ظلم و ستم سے بچ جائیں گے۔ اور حسن و فرائض کی تنفیذ کے لئے چونکہ
حکام کا ہونا ضروری تھا چنانچہ شریعت بطور مدد اس جانب بھی ہدایت فرمادی اور حاکم کو بھی مقرر کر دیا تاکہ وہ احکام ربانی
کی حفاظت کریں اور لوگوں کو ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور کریں۔

۱۔ ابن ابی الربیع کی یہ لفظی بحث دراصل مملکت کی ابتداء اور اس کی تخلیق پر دلالت کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ اس کے نزدیک
مملکت ایک فطری انجمن ہے اور اس کی بنیاد نہ کسی جبر اور غوث پر رکھی گئی نہ کسی باہمی معاہدے کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے
اور نہ کسی لاشعوری ارتقا کے باعث وجود ہوئی، آتی ہے بلکہ ان تمام فطری پیچیدگیوں سے ہٹ کر اس نے صاف اور بدھی یہ بات
بتا دی کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فطرت پیدا کیا ہے اور اسی فطرت کے مطابق اس کی زندگی کو نظم بھی عطا کیا ہے۔
ابن ابی الربیع کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی شانِ حاکمیت سے یہ قطعی بعید تھا کہ وہ انسان کو زمین پر اپنے خلیفہ کی حیثیت سے پیدا بھی فرماتا
اور پھر اس کو مادیکیں میں بیچنے کے لئے چھوڑ دیتا۔ آدمی اگر انگریزوں کی طرح نہ ہو تو اس حیثیت کو پائے گا کہ جس خدائے زندگی
جیسی شے پیدا فرمائی ہے، اسی نے زندگی کی تمام ضروریات اور اس کے لئے اس لئے مملکت کو بھی بالفعل باری تعالیٰ ہی نے اپنے پیغمبروں کے
ذریعہ سے قائم کر دیا اور قیامت تک اس کو باقی رکھنے کے لئے اصول و قوانین بھی بھیج دئے۔

۲۔ ابن ابی الربیع کی گفت و گو دوسرا نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ قیام مملکت کے لئے انسان کی فطرت خود مطالبہ کرتی ہے لیکن بقائے
مملکت کے لئے آئین و احکام شریعت کی ضرورت ہے، اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ نظم و ترتیب آئین کے بغیر ممکن ہی نہیں اور ظلم و جبر کا استعمال
بھی قوانین کے بغیر نہیں کتا چنانچہ مملکت کے لئے یہ دونوں چیزیں مستقل طور پر شریعت ہی پر قائم کرتی ہے۔

۳۔ تیسری بات اس کی گفت گو سے یہ اخذ ہوتی ہے کہ ہر مملکت میں حکمرانی کا بنیاد و اصول یہ ہے کہ وہ احکام ربانی کی اطاعت کریں
ان احکام کی حفاظت کریں اور لوگوں کو ان کے مطابق زندگی بسر کرنے کی ہدایت کریں اگر وہ ایسے لوگ ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے
ساتھ مملکت بھی باقی رکھی ہے مگر وہ خود مملکت ہی کا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔

۴۔ ابن ابی الربیع نے اس بحث میں جو تھانگہ خود مقصورہ مملکت کے بارے میں بیان کیا ہے اس سے یہ ہے کہ مملکت صرف اس لئے قائم ہوئی ہے کہ اس کے اندر ایسے احکام باقی کا لفظ عمل میں آئے تاکہ لوگ ان احکام سے واقف ہو کر اپنی زندگیوں کو ان کے مطابق بسر کر سکیں۔ مملکت کے لئے غالباً اس سے بڑا اسلام کوئی اور مقصد متعین نہیں کیا جاسکتا۔

مملکت کا تحفظ

زندگی کی تفصیلاً تمام ہی ضروریات مملکت سے وابستہ ہیں اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ قحیم کی خرابیوں اور بانیوں سے مملکت کو محفوظ رکھا جائے جو خرابیاں مملکت کو لاحق ہوتی ہیں ان کو ابن ابی الربیع نے تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

۱۔ پہلی قسم ان خرابیوں کی ہے جو حکمرانوں کے خدا نے نفس کی جانب سے پیدا ہوتی ہیں اور پوری مملکت پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر حاکم و عامل شخص تزکیہ نفس کی فکر کرے، برائیوں سے بچے اور بھلائیوں کو اختیار کرے اور اس جتنی معاملات میں اپنے جذبات کا غلام نہ بن جائے بلکہ ہر معاملے پر عقل و دانش سے کام لے۔

۲۔ دوسری قسم ان خرابیوں کی ہے جو اہل ملک کی جانب سے پیدا ہوتی ہیں ان خرابیوں کو زور دینے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ قانونی ذرائع کو استعمال کیا جائے۔ عام لوگوں کے ساتھ نرمی اور سختی کی بجائے سطح بندی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

۳۔ مملکت کے لئے تیسری قسم کی خرابیاں وہ ہیں جو غیر اقوام اور بیرون ملکوں کے دہیہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان خرابیوں سے ہر وقت بڑھ کر بچنا چاہئے اور نصرت یافتہ افواج اور بہترین قسم کے ہتھیار مہیا رکھئے۔ چنانچہ تاکہ اچانک ہونے والے حملوں سے بھی مملکت کا دفاع ہو سکے۔

مملکت کے تحفظ کی لپٹ زور دار اہل علم و ادب، پرستہ، لیکن اولاً اپنے نفس کی خرابیوں سے مملکت کو پاک رکھو، دوسرے یہ کہ عوام کے لئے امر و نہی کا اجتہاد و احکام کے لئے بہترین تدابیر اختیار کرنا اور اسلام و مسلمات کا دفاع کرنا۔ لیکن ابن ابی الربیع کا خیال ہے کہ ان تمام امور و فرائض صرف وہ حکمران عہدہ پر ہو سکتے ہیں جو خود احکام و شریعت پر عمل میں ہوں و نہ جو شخص خود قانون کا پابند نہ ہو۔ دوسری قسم کی اس کا پابند نہیں کر سکتا اور یہ معسوم ہے کہ جہاں قانون کی پابندی نہ ہوگی وہ مملکت بہت جلد برباد ہو جائیگی۔ حکمرانوں میں ترتیب و تنظیم قائم رکھنے کے لئے ابن ابی الربیع بادشاہ سے حکمران اعلیٰ کی ضرورت ثابت کرتا ہے لیکن ساتھ

ہی اس مسئلہ پر گورنٹ نامی بھی کرتا ہے کہ بادشاہوں اور تیسروں کی کثرت ہمیشہ فتنہ و فساد کی موجب ہوا کرتی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ محض شہزادوں کے لئے صرف ایک ہی بادشاہ رہے۔ اپنے یہی ایک نظام کے تحت ادارہ بادشاہت کی وکالت کے ساتھ ہی بادشاہ ابن ابی الربیع اس بات کا پورا احسان و رخصتہ کہ یہ نظام ہی رعایا کے لئے دن کے نیچے یا میانی کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ چنانچہ وہ عوام سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کے مبین و دلاکار بن کر رہیں اور اس کے جملہ احکام و احکامات کی اطاعت کریں۔ اطاعت کے سلسلے میں وہ یہ تمش بیان کرتا ہے کہ بہترین طریقہ انسانی جسم میں تمام اعضاء اطاعت کے لئے خود ہیستہ میں باطن اسی طرح کا مثالی نظام احکامات قائم ہونا چاہئے۔ تاکہ بادشاہ نہیں ملے جاسکے۔ ان کے نظام کے لئے۔ لیکن بادشاہ کو بھی وہ غیر زور دار نہ انہوں اور اعمال کی ہرگز جانت نہیں دیتا بلکہ اس کو

لے اسلامی یا کسی نظام کے لئے بادشاہ کا نہیں قطعاً غیر افس ہے اس لئے ابن ابی الربیع کے سیاسی افکار میں اس کی موجودگی سب سے بھرپور ہے۔

اس امر کا پابند کرتا ہے کہ اس کے جملہ اعمال ایسے ہونے چاہئیں گویا کہ وہ انہیں دعایا کے روبرو انجام دے رہا ہے۔ بادشاہت کے جواز کے لئے وہ ایک دلیل یہ بیان کرتا ہے کہ ہر مملکت ایک محافظہ تدبیر کے لئے محتاج ہے اور مملکت کا یہ اختیار ان تکالیف کی وجہ سے ہے جو انسان ایک دوسرے کو پہنچاتے ہیں بادشاہ چونکہ ان تکالیف کا امدال کرتا ہے اس لئے اس کا وجود ناگزیر ہے اور اس کا تدبیر لوگوں کے لئے وہ مواقع فراہم کرتا ہے جن کی بدولت وہ مختلف پیشے اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کی مدد و خدمت کے لئے مسکنی ہو کر سب کے لئے زندگی کی ضروریات فراہم کرتے ہیں اس طرح ہر مملکت کے لئے معاشرت اور معیشت کا ایک نظم قائم ہو جاتا ہے۔

ابن ابی الربیع نے یہ دلیل بادشاہی نظام کے جواز کے لئے پیش کی ہے۔ لیکن اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو یہی دلیل ہر سیاسی نظام کے لئے جواز فراہم کر دیتی ہے اسی لئے یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیچ بھس کو بادشاہی نظام قرار دیتا ہے حقیقت میں وہ بادشاہی نظام نہیں بلکہ عام سیاسی نظام ہے اور جس کے لئے وہ لفظ "مالک" استعمال کرتا ہے اس سے صرف بادشاہ نہیں بلکہ عام سیاسی سربراہ مراد ہے۔ گروہ کے لحاظ سے بھی اس کا "مالک" عام بادشاہان عالم سے مختلف ہے۔

ارکان مملکت

ابن ابی الربیع نے اس باب میں مملکت پر ایک نئے انداز سے گفتگو کی ہے۔ اس کی یہ گفتگو محض نظری یا فلسفیانہ نہیں ہے اور نہ اس نے مملکت کے محض تحریدی تصور ہی کو موضوع بحث بنایا ہے بلکہ ایک مملکت کو صحیح طور پر چلانے کے لئے جن تدابیر کی ضرورت ہے ان پر اس نے بڑے حکیمانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو اس کے سیاسی انکار کا حقیقی جمل اس باب کے اندہ جھلکتا ہے، وہ اپنے اس جمل میں بالکل منصف و دے کہ مملکت چار ستونوں پر قائم ہوتی ہے یا یہ الفاظ دیگر ارکان مملکت چار ہیں۔ (۱) بادشاہ (۲) عدل (۳) تدبیر۔ ان میں سے اگر ایک رکن بھی کم ہو جائے تو مملکت کی عمارت ہی منہدم ہو جائے گی۔ دوسرے تمام مفکرین کے نزدیک مسکنہ طور پر مملکت کے چار عناصر ضروری ہیں، رعایا، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ ہیں، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ابن ابی الربیع کا تین زیادہ جامع اور زیادہ معقول ہے اور وہ اس طرح کہ رعایا تو دونوں فرقوں کے یہاں مشترک ہے لیکن عام مفکرین نے حکومت اور اقتدار اعلیٰ کو الگ الگ جو دو مختلف عناصر کی حیثیت سے پیش کیا ہے ان میں اقتدار اعلیٰ کی حیثیت محض اعتباری ہے اس کا کوئی واقعی مظاہرہ، بجز حکومت کے اور کچھ موجود نہیں ہوتا اس لئے ابن ابی الربیع نے ان دونوں کو بادشاہ کے اندر ضم کر دیا ہے۔ رہا علاقے کا معاملہ تو غالباً اس نے اس مفروضہ پر عمل کیا ہے کہ رعایا، بادشاہ اور اس کی حکومت وغیرہ، آخر یہ سب دارماہیں زمین ہی پر قائم ہوتی ہیں اس لئے ہر بحث میں زمین کو بھی ایک جزو اعظم کی حیثیت سے پیش کرنا اس نے تفصیل حاصل سمجھا اس طرح گویا اس کے ارکان مملکت میں عام مملکتوں کے چاروں مسکنہ عناصر ترکیبی کو لازماً شامل ہی ہیں لیکن مملکت کو حقیقی معنوں میں مملکت بنانے کے لئے اس نے دو جوئے عناصر در عدل اور تدبیر شامل کئے ہیں، فی الواقع ایسے ہیں کہ ان کے بغیر مملکت ایک جبرائے مدح کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان ارکان مملکت کا مختصر جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ بادشاہ

درسلطنت کا حصول اور اس کی بقا اصلی اخلاق پر منحصر ہے اور اس اعلیٰ اخلاق کا مظہر ہی زیادہ خود بادشاہ کرنا چاہئے (پہلی تاریخ فلسفہ سیاسیات میں ابن ابی الربیع وہ پہلا مفکر ہے اور سلوک الممالک فی تدبیر الممالک - وہ پہلی کتاب ہے جس نے

بادشاہ کو سیاسی فلسفہ کا موضوع قرار دیا ہے اور اس کو مملکت کے رکن اول کی حیثیت سے پیش کیا ہے اس کتاب میں اگرچہ سیاسیات کے علاوہ بھی دوسرے عقلی اور اخلاقی مضامین پر بحثیں ہستقل الباب موجود ہیں لیکن پوری کتاب کی مدوح یا اس کا مرکزی مقصد بالکل سیاسی ہے اور اس سیاست کا محور بادشاہ کی ذات ہے۔ یہی وجہ ہے مصنف نے خود کتاب کا عنوان "سلوک الملک فی تدبیر الملک" تجویز کیا ہے۔ مادہ ادبیل الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ مملکت کے لئے بہترین تدابیر اختیار کرنے میں بادشاہ کو کیا روش اختیار کرنی چاہئے چنانچہ اس عنوان سے اس امر کی قطعی طور پر تصدیق ہو جاتی ہے کہ اس کتاب کا اصل موضوع بادشاہ ہے لیکن تاریخی طبع یہ بھی مسلم ہے کہ یہ کتاب بادشاہ پر پہلی کتاب ہے۔

بادشاہت کے لوازم

مملکت کا بنیادی رکن ہونے کی حیثیت سے بادشاہ کے لئے ابن ابی الربیع چھ چیزیں ضروری قرار دیتا ہے۔

(۱) پہلی ضروری چیز یہ ہے کہ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہو اور اپنے پیش رو بادشاہ کا سب سے قریبی رشتہ دار ہو تاکہ تمام رعایا اس کی بادشاہت پر مطمئن ہو سکے۔ گویا وہ موروثی بادشاہت کا حامی ہے اور مملکت میں امن و استحکام کی واحد صورت اس کے نزدیک صرف یہی ہے کہ داخلی سیاست میں انقلابات یا انتخابات جیسے مضطرب احوال سے قطع نظر مملکت کا محفوظ اور پر امن طریقہ اختیار کر لیا جائے۔ اپنے اس تصور کی تائید میں چونکہ ابن ابی الربیع نے کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے اس لئے اس پر تنقید کی بجائے صرف اتنا کہ دینا ہی کافی ہے کہ خلافت عباسیہ کے موروثی نظام کا یہ ایک تاثر ہے جو مصنف کے ذہن پر جم گیا ہے۔

۲۔ دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ بادشاہ الزلزم اور عالی مرتبت ہو یعنی اس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا ہو اور اس کے اخلاق سنو گئے ہوں اور اس کی قوت غصہ نبی بھی حالت اعتدال پر ہو کیونکہ جب تک اس میں یہ اخلاقی رذلت پیدا نہیں ہو جائے گی اس وقت تک اسے ملک حاصل نہیں ہو سکے گا اور اگر کسی طرح حاصل ہو بھی گیا تو باقی نہیں رہ سکے گا۔ یہ تصور کس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سلطنت کا حصول اور بقا اعلیٰ اخلاق پر منحصر ہے اور اس اعلیٰ اخلاق کا مظہر سب سے زیادہ خود بادشاہ کو ہونا چاہئے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ پورے فلسفہ سیاسیات کا خلاصہ صرف یہی ایک بات ہے۔

۳۔ تیسری چیز جس کی بادشاہ کو سخت ضرورت ہے وہ حکم رائے ہے جس کے بغیر کوئی معاملہ طے نہیں ہو سکتا۔ رائے کی یہ اہمیت مطالعہ تاریخ اور گذرے ہوئے بادشاہوں کے حالات، ان کی تدابیر اور ان کے تجربات پر غور و فکر کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور جس بادشاہ میں بھی یہ پیدا ہو جاتی ہے وہ لوگوں کے مدد و فریب کا آسانی کے ساتھ شکار نہیں ہو سکتا۔ یہ بات سیاسی افادیت کے لئے بڑی حکم اور سیاسی استقلال کے لئے بہت ضروری ہے اور اگر سیاسی سربراہ خود ہی اس سے محروم ہو تو امور مملکت باز پھر اطفال کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

۴۔ چوتھی چیز صبر ہے، جو قوت اور شجاعت کے استعمال سے پیدا ہوتا ہے۔ جس بادشاہ میں یہ وصف موجود ہوتا ہے اس کے تمام امور پائیدار ہوتے ہیں اور دشمن اس کے مقابلے میں پسپا رہتے ہیں یہ بات بڑی پراز حکمت ہے اور اس کا مادہ اصلی یہ ہے کہ ہر ایک اخلاقی قوت ہے اور ایسی قوت ہے جو کبھی شکست یا بے بسی نہیں ہوتی اس لئے جس بادشاہ میں بھی یہ قوت موجود ہوگی وہ اپنے تمام امور میں غالب رہے گا۔

۵۔ پانچویں چیز مال ہے۔ مادشاہ اگر اپنے ملک کو آباد کئے اور عوام کے مال میں عدل اور انصاف سے کام لے تو اس کا خزانہ محفوظ رہے گا اور اس کی حکومت مستحکم رہے گی۔

۶۔ چھٹی اور آخری چیز یہ ہے کہ بادشاہ کے کچھ معتد اور مخلص دوست ہوں جو اس کے دست و پاؤں کی طرح اس کا ساتھ دیں تاکہ شاہ کا دل مطمئن رہے۔ ایسے دوست بڑے التفات و اکرام اور بے پناہ لطف و عنایت کے ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں اور ان کے انتخاب بڑی باریک بینی اور آسان نشی کی ضرورت ہوتی ہے۔

بادشاہ کے سیاسی مشاغل

ابن ابی الربیع کے نزدیک مملکت کی جملہ سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بادشاہ کی ذات ہے اب اگر یہ مرکز سیاسی اعتبار سے درست ہے تو یہ یقین رکھنا ہے کہ مملکت کا پورا سیاسی نظام بھی درست رہے گا اور اگر یہ مرکز ہی خواہیوں کا شکار ہو گیا تو پھر مملکت کی پوری سیاسی زندگی خواہیوں میں مبتلا ہو جائے گی اور اس کا کوئی ایک گوشہ بھی ان خواہیوں سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے پیش کردہ سیاسی نظام میں بادشاہ کو سیاسی اعتبار سے درست رکھنے کے لئے بڑی ٹھوس تجاویز پیش کی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ ایک بادشاہ کو کس قسم کی سیاسی زندگی اختیار کرنا چاہئے تاکہ اس کے ریلے اثر مملکت میں صحیح قسم کی سیاسی زندگی نشر و نما پائے اس خیال میں بادشاہ کی سیاسی زندگی کے پانچ پہلو ہیں اور پانچوں بہت اہم ہیں اس لئے اس نے ہر ایک پہلو کی الگ الگ وضاحت کی ہے اور اس کو درست رکھنے کے لئے مناسب تدابیر بھی بتائی ہیں جو ذیل میں درج ہیں ۱۔

(۱) نفس کی سیاست

بادشاہ کی سیاسی زندگی کا سب سے اوّل پہلو اس کے نزدیک خود بادشاہ کے اپنے نفس کی سیاست ہے یعنی اگر اس کا نفس درست نہ ہو تو اس کا دل بھی غریب ہو جائے گا اور اس کے تمام امور خیر و خوبی کے ساتھ انجام پائیں گے لیکن اگر اس کا نفس ہی غریب ہے یا وہ جلیقہ نفس تو پھر اس سے کسی بھی خوبی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ دنیا کے تمام سیاسی نظاموں میں جو کبھی قائم رہے یا آج قائم ہیں یہی نکتہ سب سے زیادہ ملحوظ ہے کہ خود سربراہ سیاست کی کیفیت نفس کیسی ہے؟ یا وہ شریف النفس ہے یا غیث النفس؟ صرف اس بات کے فیصلے پر ہی سیاسی نظام کی خوبی اور غریبی کا انحصار ہے اس لئے ابن ابی الربیع نے بادشاہ کو سب سے پہلے خود اپنے نفس کی سیاست کی جانب توجہ کیا ہے اور اس کی تربیت کے طریقے بھی بتائے ہیں تاکہ سیاسی نظام کی یہ غنیمت اولیٰ مدھی ہم جلد سے اس نے بادشاہ کو یہ مشورہ ہے کہ اس کو کاموں کے اعتبار سے اپنے اوقات اس طرح تقسیم کرنے چاہئیں کہ دن کا ابتدائی حصہ التعلیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر کے لئے مخصوص ہے۔ عبادت سے فارغ ہونے کے بعد دوپہر تک اس کو بنائے خود رعایا کے کاموں کو دیکھنا اور انہیں ٹھیک طریقہ پر انجام دینا چاہئے۔ اس کے بعد کچھ وقت اپنے طعام اور آرام کے لئے رکھے اور دن کے آخری حصے میں کچھ وقت سیر و تفریح کے لئے مقدر کر لے۔ اس طرح اس کی زندگی ایک معتد نظام اور اوقات کے مطابق بسر ہو جاتی ہے، دوسری چیز یہ کہ بادشاہ کو دانا اور حکیم ہونا چاہئے اور اس کے زیریں کچھ بھی ہو تو اسے حکمت و دانائی کے حصول کا شوق نہ غریب ہونا چاہئے۔ تاکہ اس کے معاملات میں نادانی یا سماعت جھگڑنے یا کسے قیصری نہ ہو کہ بادشاہ کو اچھی طرح یہ جان لینا چاہئے کہ اس کا حقیقی خزانہ رعایا کے دل میں ہے اب اگر وہ ان میں جھگڑائی ڈالے گا تو وہ محفوظ رہے گی اور اگر برائی ڈالے گا تو وہ بھی صحت سے رہے گی۔ اس لئے رعایا کے معاملات کی انجام دہی میں اس سے بڑے زیادہ یہی بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اس کے اس حقیقی خزانے میں کوئی ہلکی نہ ہونے پائے۔ جو کتنی چیز یہ کہ غلط عیب چینی سے مغموم یا غلط تقریر سے سرور نہ ہونا چاہئے یا جو کتنی چیز یہ کہ تدبیر کے فیصلوں پر گھبرانا نہ چاہئے اور کسی کام کو کسی اس کے غیر وقت میں نہ کرنا چاہئے۔ چھٹی چیز یہ

کہ ہر حال میں خدا کا شکر بجالائے اور لوگوں پر اس کی کلمے کا ہر وقت خواہش مند ہے۔ ساقیوں چیز یہ کہ کسی معاملے میں بھی غلط نہ کرے نہ لگائے اس اپنی ہر حالت سے اچھی طرح واقف ہے۔ انھیں چیز یہ کہ ہر کام میں حق و انصاف کر دینا اصول کی حیثیت سے اختیار کرے اور جو بھی ان کا فیصلہ ہو اس کے مطابق عمل کرے اور ان چیز یہ کہ لوگوں کے غلط شیعوں کو اپنی صاحب دانتے پر یہ کھڑے کر دیکھے یہ لی اصل اگر بادشاہ اپنا لے تو ابن ابی الربیع کا خیال ہے کہ سیاہ احمد میں اس کا نفس اس کو غلط دانتے پہنہ ڈال سکے گا اور ان تمام خیالوں کا بھی سنبال ہو جائے گا۔ جو کسی سیاسی سر بلہ کے حرف نفس کی دہر سے پیدا ہوتی ہیں۔

(۲) جسم کی سیاست

دوسرا پہلا بادشاہ کی سیاسی زندگی کا اس کی جسمانی کیفیات سے متعلق ہے یعنی اگر یہ کیفیات جسمی اور مائل بہ خوبی ہیں تو اس کے اثرات ملکی سیاست پر بھی اچھے پڑیں گے لیکن اگر یہ جسمانی کیفیات بادشاہ کو بستی اور بڑائی کی جانب مائل رکھتی ہیں تو اس کے زیارت پر سیاسی نظام قائم ہوگا اس میں بھی لازماً خرابیاں پیدا ہو کر رہیں گی۔ اس لئے ابن ابی الربیع اس کو بادشاہی سیاست کا دوسرا باب قرار دیتا ہے اور اس کی اصلاح کی بھی فکر کرتا ہے، چنانچہ اس کا مشورہ یہ ہے کہ بادشاہ کو اپنی جسمانی کمزوری کا غلام بن کر نہیں رہنا چاہئے بلکہ اس کو ہر حالت میں اندر ہر ممکن طریقے سے اپنی شہرت کو مغلوب رکھنا چاہئے چنانچہ جو شخص شہرت کا بندہ بن گیا ہو اس کو وہ سر سے بادشاہت ہی کا مستحق نہیں سمجھتا دوسری چیز یہ کہ بادشاہ کو بڑی لذتوں کا نوکر نہیں ہونا چاہئے اور اس امر کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ان سے بالکل ہی محفوظ رہے۔ تیسری چیز یہ کہ اپنے اندر اعلیٰ اخلاقی اوصاف پیدا کرنا اور بڑے خصائص سے پاک رہنا چاہئے۔ چوتھی چیز یہ کہ سستی، کاہلی اور غفلت کا شکار نہ ہو اور ہر وقت ہوشیار اور مستعد رہے، پانچویں چیز یہ کہ اپنی خواب گاہ سے کسی کو واقف نہ کرے، چھٹی چیز یہ کہ تندرست اور طاقت ور ہو اور گھوڑے کی سواری میں بہارت حاصل کرے ساقیوں چیز یہ کہ اگر شکل و صورت اچھی ہو تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے انھیں چیز یہ کہ اس کے تمام اعضاء و سلامت ہوں تاکہ چلنے پھرنے اور اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینے میں کوئی وقت محسوس نہ کرے۔ نویں چیز یہ کہ ملک کو آئندہ نسل کے لئے موجودہ حالت سے زیادہ آباد کرے۔ دسویں چیز یہ کہ کسی چیز کا عادی نہ بن جائے تاکہ اگر اس کو چھوٹنے کی ضرورت پیش آئے تو یہ آسانی چھوڑ سکے۔ گیارہویں یہ کہ ہر مصیبت کے وقت اپنے دل بھوکے کاموں کا احتساب کرے اور ہاں ہو یہ کہ اپنی ذات کے مقابلے میں ملکی مصالح کو مقدم رکھے تاکہ مملکت کو سیاسی طور پر ترقی حاصل ہو۔ ان بارہ اصولوں کو اختیار کر لے کے بعد، بادشاہ کے بارے میں ابن ابی الربیع مطلق یہ ہے کہ اس کی جسمانی کمزوری مملکت کے سیاسی اثر و اتقا میں غلط طور پر اثر انداز نہ ہوگی اور وہ فتنے بیلہ نہ ہو سکیں گے جو جسمانی نقصان کے آگے جھک جانے والے فرماں مصلوٰں کے ذریعے سے لازماً پیدا ہوا کرتے ہیں۔

(۳) خاص لوگوں کی سیاست

مملکت کے سیاسی نظام کو چلانے کے لئے بادشاہ کے چند خاص اور متحدہ لوگ ہر وقت میں ہمارے کدومت و باوند کی طرح خدمت انجام دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ بادشاہ کا سیاسی تعلق ایک خاص نوعیت کا حامل ہوتا ہے اور اس خاص تعلق کو بہتر سے بہتر حالت میں باقی اور بقرار رکھنے اور اس کو زیادہ سے زیادہ استوار کرنے ہی میں مملکت کی بھی بہتری پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس لئے بادشاہ کو۔ سیاست کا یہ پہلا درست رکھنے کے لئے بڑی اعلیٰ طے کام لینا پڑتا ہے۔ ابن ابی الربیع نے اسی باعث اس پہلو کو بھی وضاحت کی ہے

ادب بادشاہ کو ان مصلحتوں سے روشناس کر لیا ہے جن کی معرفت وہ اس مرحلے سے کامیابی کے ساتھ گزرتا ہے اس کے خیال میں ان خاص لوگوں میں سے بھی سلطنت کے محافظ تین اشخاص ہیں، مذہب، معتدلات و عقیدات اور بادشاہ کے جسم کے محافظ بھی ہیں، بادشاہ منہج اور طبیب۔ اس لئے بادشاہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان خاص لوگوں کی پرورشیدہ اور علانیہ دونوں طریقوں سے نگرانی رکھے اور ان کی خبروں اور سازشوں سے واقف رہے ہر وقت ان لوگوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے اور اپنی ہی جان کی طرح ان کی بھی حفاظت کرے اگر کوئی معمولی سی خطایا لخرش ان سے سرزد ہو جائے تو ان کو معاف کر دے اور مواخذہ نہ کرے ان میں ہونا یہ معزز ہوں تو ان کی حیثیت کے مطابق ان کے درجات بھی بلند کرے اور ان کے حقوق کی پوری طرح حفاظت کرے۔ ان کے پاسے میں اگر کوئی شکایت موصول ہو تو بلا تحقیق اس پر یقین نہ کرے۔ پھر ان کے مراتب کا اس طرح لحاظ رکھے کہ کسی کی حیثیت بغیر سب طور پر نہ بڑھ جائے ورنہ دوسرے لوگ ہل بدل ہو جائیں گے۔ طبیب کے ساتھ دفعتاً فوتنا اچھا سلوک نہ کرتا رہے۔ عاقل اور اہل علم حضرات کو اپنا ہم نشین بنائے اور ان کی ضروریات کی کفالت کرے تاکہ ان کی صحبتوں سے مستفید ہو سکے۔ بادشاہ کے لئے ان تمام تدابیر کو اختیار کرنا اس کے نزدیک نہایت ضروری ہے ورنہ امور مملکت صحیح طریقے سے انجام نہیں پاسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان تدابیر کو خاص لوگوں کی سیاست سے تعبیر کرتا ہے

(۴) عوام کی سیاست

مملکت کی حقیقی قوت عوام ہیں اور اگر غور سے دیکھا جائے تو مملکت ان ہی کے لئے قائم ہوتی ہے اور ان ہی کے دم سے باقی رہتی ہے سیاسی نظام کی خوبی اور خرابی کا انحصار بھی ان ہی پر ہے اس لئے بادشاہ کو ان کی جانب سے کبھی بھی غافل نہ رہنا چاہئے اور اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں ان کی بہتری کے لئے صرف کرنی چاہئیں۔ بادشاہ کی زندگی میں جتنی بھی سیاستیں ہیں ان میں اہم ترین یہی عوامی سیاست ہے اور اسی باعث ابن ابی الربیع نے عوام کے ساتھ سیاسی روابط استوار کرنے کے لئے بادشاہ کو تفصیل کے ساتھ مشورے دئے ہیں۔ اس کے اصل مشورے حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ رعایا کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ خوف سے نہیں بلکہ دلی رغبت سے اس کی اطاعت کریں۔
- ۲۔ پہلے ان کے ساتھ نیا منہ سے پیش آئے اور پھر ان کے دل میں اپنی قربت اور مدارج کی ترقی کی خواہش پیدا کرے۔
- ۳۔ ان کے سازشوں سے واقف ہونے تک ان کی خبریں دریافت کرنے سے غافل نہ رہے۔
- ۴۔ ان کے دل میں اپنی محبت و بناؤں جہ و جہان کی طرح سے نہیں بلکہ مذہب کا سچا پیرو ہونے کی حیثیت سے پیدا کرے۔
- ۵۔ اپنی رعایا کے عادات و خصائص اور ان کی قابلیتوں کے بارے میں واقفیت پیدا کرے تاکہ صلاحیتوں کے مطابق ان کو عہدوں پر مامور کیا جاسکے۔

- ۶۔ اپنے قریب کے بادشاہوں کی خبریں دریافت کرتا رہے اور سرحدوں پر بکثرت فوج رکھے۔
- ۷۔ اپنے لشکر کی اچھی طرح خبر گیری کرتا رہے اور انہیں افہام و اکرام سے فائدہ دے رہے تاکہ انہیں شکایت کا موقع نہ ملے۔
- ۸۔ پہلے دعویٰ اور مدعا صیہ کا جواب سننے سے اس کے بعد جس کی زیادتی ہو اس کو سزا دے۔

اسلامی نظام زندگی میں اس کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔ سیاسی اعتبار سے بھی یہ ایک ہمیل بات ہے کیونکہ اگر خود بادشاہ منہج کا طریقہ بن گیا تو اصل سیاسی قوت منہج کے ہاتھ میں منتقل ہو جائے گی۔

۹۔ جو شخص ملنے کے لئے آئے اس کو خوش کر دے تاکہ اس کے اوصاف کی شہرت ہو۔

۱۰۔ شہر کی عمارتوں اور ضروری اشیاء کے نرخوں کی دیکھ بھال کرتا رہے۔

۱۱۔ اپنی رعایا کو وجہ و عید اور ایامِ دہیم میں نہ رکھے۔

۱۲۔ بادشاہ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عام طریقے سے لوگوں کو نفع پہونچانا بہترین اثر پیدا کرتا ہے۔

۱۳۔ اچھول اور بڑوں کو ایک ہی درجے پر نہ رکھئے کیونکہ اس طرزِ عمل سے اچھے لوگ بادشاہ سے نفرت کریں گے۔

۱۴۔ جھگڑے اور فساد کے اصل اسباب کی پیچ کٹی کرے۔

۱۵۔ اپنی رعایا کو دوسری مملکت سے متاثر نہ ہونے دے ورنہ رفتہ رفتہ وہی مالک ہو جائیں گے۔

۱۶۔ تمام ملک پر سیاست جاری رکھے۔

مندرجہ بالا اصولہ باتوں میں ابن ابی الریح نے عوامی سیاست کے تقصیماً تمام ہی بنیادی اصول بیان کر دیے ہیں تاکہ اگر کوئی

بادشاہ چاہے تو بلا تامل ان سے استفادہ کر سکے۔ مختصر سے دیکھا جائے تو ابن ابی الریح کے ان اصولوں کی پیروی کرنے والا بادشاہ

جہودی مملکتوں کے سربراہوں سے زیادہ بہتر اور زیادہ عوامی ہے۔

(۵) جنگی سیاست

جنگی سیاست دراصل سیاستِ خارجہ کا ایک جز ہے اور مملکت کے استحکام اور اس کی بقا کے لئے ایک بہت ہی اہم عنصر ہے

اس لئے اس کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ابن ابی الریح نے بھی جتنی سیاستیں بادشاہ کے ساتھ مخصوص کی ہیں ان میں جنگی

سیاست کو بھی شامل کیا ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے اگرچہ یہ پانچویں اور آخری سیاست ہے جو بادشاہ اختیار کرتا ہے لیکن اہمیت کے اعتبار

سے بالذات ہی سیاستِ جنگی اولیٰ بھی ہے اس لئے اس معاملے میں اس نے بادشاہ کو جو مشورے دیے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ دشمن سے غافل نہ رہے اور ہر وقت اپنے جاسوسوں کے ذریعے سے اس کی خبریں حاصل کرتا رہے۔

۲۔ دشمن اسی سے خصائلِ دالے سے اپنی خبروں کو پرورشیدہ رکھے۔

۳۔ دشمن اور اس کے ساتھیوں کو دھوکا دینے اور ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے جتنی ممکن ہو دولت خرچ کرے۔

۴۔ دشمن کے ملک کا باشندہ اگر اپنے ملک میں پناہ گزیں ہو تو اس کے صحیح حالات جاننے بغیر اس پر بھی بھروسہ نہ کرے۔

۵۔ دشمن اگر قوی ہو تو کثیر فوج کے ساتھ خود کو مقابلہ کرے۔

۶۔ اگر دشمن کمزور ہو تو کسی شریف، زلیخا یا مقابلہ اعتمد آدمی کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجے۔

۷۔ اپنی فوج کو ایسی جگہ رکھے جس سے دشمن غافل رہے۔

۸۔ دشمن کو شک پہونچانے کے لئے اس کو وسائل سے محروم کر دے۔

۹۔ سپاہیوں کی ہر سماعت پر تجسس کا رادہ پیدا نہ افسرِ مقصد کرے۔

۱۰۔ دشمن سے جو کچھ رہے اور اپنی فوج کو محفوظ مقام پر رکھے۔

۱۱۔ دشمن کو کبھی حقیقت بھیجے اور اس سے ڈٹ کر مقابلہ کرے۔

۱۲۔ جہاں تک ممکن ہو لڑائی سے بچنے کی کوشش کرے اور لڑائی اس وقت شروع کرے جب اس سے بچنے کی کوئی صورت ممکن ہی

نہ ہوا کہ عدلت خوچ کر کے لڑائی مائل سکتا ہو تو مال دے ۔

- ۳۔ اگر کسی جیلے سے لڑائی مائل دے تو اس میں عدلت ادھانیں دہلای ہی محفوظ رہیں گی ۔
- ۱۲۔ دشمن پر فتح حاصل ہوجانے کے بعد امن عام کا اعلان کر دے اور لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کیساتھ پیش آئے ۔
- ۱۵۔ مال غنیمت کو فروغ میں تقسیم کر دے اور مستحقین کو ترقی دے ۔
- ۱۶۔ جھوٹی ادبے بنیاد باتوں کی تحقیق کرے اور جو جھوٹے ثابت ہوجائیں ان کو سزا دے ۔

ان سولہ امر میں ابن ابی الربیع نے جنگ کے بارے میں وہ بنیادی سیاسی اصول پیش کئے ہیں جن کو اختیار کرنے سے ایک مملکت عظیم خطرات سے بچ سکتی ہے ۔ ان اصولوں کی مرئی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان کو پیش کرنے والے نے جنگی امور کو بھی اخلاقی حقد کے اندر رکھنے کی کوشش کی ہے ۔ اور طاقت کو بعض غارت گربانے کی بجائے اس کو انانیت کا محافظ بنایا ہے ۔ سیاسی تدبیر کا یہ وہ مقام ہے جہاں ہنسے بٹسے سیاسی مفکرین نے شو کریں دکھائی ہیں لیکن ابن ابی الربیع وہ مفکر ہے جس نے سیاسی نظم آراؤں کے لئے بھی ان شوکروں سے بچ نکلنے کا اہتمام کر دیا ہے ۔

بادشاہ کی سیاستوں کی تقسیم اور ان کا تعین کر چکے کے بعد ابن ابی الربیع نے اپنے پیش کردہ اصولوں کو بہت سے انسان کو محسوس میں لانے کے طریقوں کی بھی تفصیل کے ساتھ وضاحت کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ بادشاہ کو مختلف کاموں کسے لوگوں کا انتخاب کس طرح کرنا چاہئے اور اہل دیگوں کی شانت کرنے کے طریقے کیا ہیں ۔ پھر بادشاہ جن چیزوں سے مستغنی نہیں ہوسکتا ان کی ایک تفصیل ہے اور ساتھ ہی بادشاہ کے لئے ضروری اور غیر ضروری چیزوں کی بھی فہرست مرتب کر دی ہے ۔ بادشاہ کے اچھے اور بُرے خصائل انسان کے تاریخ و اثبات پر بھی بڑی طرح مددگار ڈالتی ہے ۔ مختصر یہ ہے کہ اس باب میں اس نے فن حکمرانی کو محسوس طور پر پیش کر دیا ہے ۔

۲۔ رعایا

بادشاہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ رعایا کو اپنے اپنے جائز پیچھے اور کاموں میں مصروف رکھے اور کسی کو برائی میں پڑنے یا بُری باتوں کو سوچنے کی اہلیت نہ دے اور ایسا معقول بندوبست کرے کہ تمام لوگوں کی معیشت کا بہتر طور پر انتظام ہو جائے ۔ اور رعایا کا فرض یہ ہے کہ وہ مستقل طور پر اپنے بادشاہ کے اعمال و افعال کی نگہبانی کرتا رہے م ابن ابی الربیع کے نزدیک مملکت کا دوسرا رکن رعایا و عوام ہیں ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مملکت ان ہی کے لئے قائم ہوتی ہے اور ان ہی پر کسی کی زندگی کا انحصار ہوتا ہے ۔ اگر ان کی حالت بہتر اور ان کا معیار بلند ہے تو مملکت بھی اسی اعتبار سے طاقتور اور ترقی یافتہ ہوگی لیکن اگر اس کے عوام پسیمانہ اور ان کے اعمال افسردہ ہوں گے تو مملکت بھی اسی قدر بدست اور کمزور ہوگی صرف حکومت کی شان و شوکت اور حکمرانوں کا طعشق کبھی بھی مملکت کی عظمت کی دلیل نہیں بن سکتا ۔ مملکت عظیم اسی وقت ہوتی ہے جب اس کی رعایا عظیم ہر پہلو پر جس مملکت میں عوام کی بہتری کے لئے مسلسل کوشش نہیں کی جاتی وہ مملکت اپنے ظاہری روپ کے اعتبار سے کتنی بھی بڑی نہ ہو وہ حقیقی طاقت اور ترقی سے محروم ہی رہتی ہے ۔ رعایا کی اسی اہمیت کے پیش نظر ابن ابی الربیع نے اس کا تجزیہ کیا ہے اور لوگوں کی اقسام تین کی ہیں تاکہ ان کے ساتھ سیاسی ہمتاؤں کے لئے میں آسانی پیدا ہو جائے ۔

تقسیم بر اعتبار حالت

عام شہر میں کس نے سات قسموں میں بانٹ دیا ہے اور سب پہلی قسم میں ان لوگوں کو شامل کیا ہے جو ہندو تو فی اختیار کرتے ہیں اور یہ وقت خدا کی یاد اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور لوگوں کو اپنے نمونہ اخلاق اور سبکی و زہدیت کے ذریعے سے نیکی کی تلقین کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کے لوگ یا اہل اللہ کہلاتے ہیں۔ دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو علوم حکمت مثلاً طب، حساب ہندسہ اور منطق وغیرہ سے واقف ہوتے ہیں ایسے لوگ حکماء یا اہل عقل کہلاتے ہیں۔ تیسری قسم میں اس نے علماء و یا اہل علم کو شامل کیا ہے ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو سنن نبوی کے حامل اور انبیاء کے خلفاء ہیں اور جن کی جانب لوگ حلال و حرام اور تفسیر و تاویل کے مسائل میں رجوع کرتے ہیں۔ چوتھی قسم خاندانی یا صاحب نسب لوگوں پر مشتمل ہے یہ لوگ شریف، ذی عزت اور صاحب جاہ و مرتبت ہوتے ہیں۔ ملک میں ان کی کثرت خوبی کی دلیل ہے۔ یہ لوگ واجب الاحترام ہیں اور بادشاہ کا حقیقی ساندہ سامان بھی یہی لوگ ہیں۔ پانچویں قسم فوجیوں یا اہل سیف کی ہے یہ لوگ سلطنت کے محافظ ہیں۔ ان ہی کے ذریعے سے ملک فتح ہوتے ہیں اور دشمن کو شکست دے کر یہی اس کے شر سے ملک کو محفوظ رکھتے ہیں۔ چھٹی قسم باندہ دالوں یا اہل ثروت کی ہے جن میں تمام اہل عہدہ، کابینہ، پیشہ ور اور تاجروں وغیرہ شامل ہیں۔ ان لوگوں کے ذریعے سے لوگوں کے کام نکلنے میں ادب کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور ان لوگوں میں دیہات والے یا اہل دیہات بھی یہ لوگ کاشت کاری کرتے اور جانوروں کو پالتے ہیں جن سے لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری ہوتی ہیں سال تمام اہل اللہ، اہل عقل، اہل علم، صاحب نسب، اہل سیف، اہل ثروت اور اہل دہ سے مملکت آباد ہوتی ہے چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تمام لوگوں کو اپنے اپنے مشاغل میں مصروف رہنے دیا جائے تاکہ مملکت کے تمدنی امور بطریق احسن انجام پاتے ہیں اور بادشاہ ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال کو ملحوظ رکھتے ہوئے معاملہ کرے۔

تقسیم بر اعتبار سیرت

مملکت میں تمام لوگ اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے۔ ان میں کچھ لوگ تراعلی درجہ کی سیرت کے مالک ہوتے ہیں اور کچھ کی سیرت درمیانی حیثیت کی ہوتی ہے لیکن کچھ دیگر وار بھی ہوتے ہیں، اس لئے ابن ابی الربیع ان سب کے ساتھ یکساں ہونا و کو نہ سب نہیں خیال کرتا۔

۱) اس کے نزدیک اچھے لوگ ہلاقی کو دشمن اور بھلائی کو دوست رکھتے ہیں، پوری مستعدی کے ساتھ اداکار کی اطاعت کرتے اور لوہا ہی سے باز رہتے ہیں اور جس چیز میں مملکت کی بھلائی ہو اس کی اختیار کرتے ہیں چنانچہ ان کا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ اکرام و ماحول کا معاملہ کیا جائے دوسروں پر ان کو مقدم رکھا جائے اور ہڈی زہر مار دیں گے جہد سے ان کے سپرد رکھے جائیں اور ہر طریقے سے ان کے خارجہ بلند رکھے جائیں۔

۲) متوسطہ درجہ کی سیرت رکھنے والوں کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ یہ لوگ ہلاقی اور بھلائی کی جانب برابر نسبت رکھتے ہیں، اس لئے کبھی بھلائی کی جانب مائل ہو جاتے ہیں اور کبھی ہلاقی کی جانب۔ چنانچہ ان کا حق یہ ہے کہ ان کی برائیتوں کی اصلاح کی جائے جس طرح طبیب دلعین کا علاج کرتا ہے، اسی طرح کبھی چشم پوشی کے لئے کبھی سزا کے ذریعے ان کی برائی دالوں کو دھوکا دیا جائے۔ (۱۱) ہر لوگ نہ بے باطن اور بیکردار ہوتے ہیں ان کو وہ اچھے لوگوں کی بالکل ضد خیال کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ تعلیم و

تربیت سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ یہ لوگ طبعاً موزی دندوں کے مانند ہیں، اس لئے ان کا حق یہ ہے کہ جب ان پر نرا سزا کا کوئی اثر نہ ہو اور ان کی اصلاح سے قطعاً مایوسی ہو جائے تو ان کو کسی وعدہ مقام پر پہنچنے کا حکم دیا جائے تاکہ ان کے شر سے عوام رہایا مامون رہے۔

رعایا کے بارے میں بادشاہ کی ذمہ داری

مندرجہ بالا تمام اقسام کے لوگوں کے بارے میں بادشاہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ ان کو اپنے اپنے جائز پیشہ اور کاموں میں مصروف رکھے اور کسی کو برائی میں پڑنے یا بری باتوں کو سوچنے کی ہمت ہی نہ دے اور جو جسے لوگ میں ان کو بادشاہ کے معاملات میں غور و خوض کرنے سے روک دے غریبوں کی گزند اور فاقہ کے لئے المیہ دہی سے ان کی حیثیت کے مطابق وصول کرے۔ سیاست میں قریب اور بعید کو مساوی رکھے۔ مظلوم کو سبک نہ روکے بلکہ اس کو بلا روک ٹوک اپنے پاس آنے دے اور ظالم کے مقابلے میں اس کی دادرسی کرے۔ رعایا کی شکایات سننے اور ان کی حاجت برآری کے لئے ہر وقت مستعد ہے۔ مضبوط شہر بنانے کے ذریعہ اپنی رعایا کو برائی و دشمنوں سے محفوظ رکھے۔ رہنروں سے ملک کو پاک کرے اشیائے خورد و نوش کی حفاظت کا اہتمام کرے۔ رعایا کے گھروں کو چوروں سے محفوظ رکھے۔ تمام راستوں میں امن بجالا رکھے اور شہریوں کی بچ بکھی کرتا رہے۔

رعایا کے فرائض

سیاسی فلسفہ کا یہ وہ پہلو ہے جس کو عام مفکرانہ انداز کر دینے میں لیکن بعض مفکر رعایا کو مختار مطلق اور مقتدر اعلیٰ بھی سمجھتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک رعایا فرائض سے بالا ہو جاتی ہے۔ بہر کیف دونوں ہی صورتوں میں رعایا کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاتا لیکن ابن ابی البریج نے اپنے پیش کردہ سیاسی نظام میں رعایا کے فرائض سے بھی گفتگو کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ سیاسی نظام کی اس وقت تک تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ رعایا بھی اپنے فرائض کو ادا نہ کرے۔ مختصر طور پر اس کے نزدیک رعایا کے فرائض میں یہ امور شامل ہیں کہ وہ بادشاہ کی عیب جوئی اور اس کے رازدوں کی جھوٹ نہ کریں۔ اگر بادشاہ کسی بے کام کا قصد کرے تو فوراً اس انداز کو نصیحت کرنے سے باز نہ رہیں، یعنی یہ رعایا کی ذمہ داری ہے کہ وہ مستقل طور پر اپنے بادشاہ کے اعمال و اعمال کی نگرانی کرتے رہیں۔ اصلاحیہ نگرانی سیاسی نظام کی بہتری کا وسیلہ ہے۔ اگر بادشاہ کے کسی خاص شخص سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے کچھ نہ کہے بلکہ بادشاہ پر اپنی تکلیف کا اظہار کرے۔ اس طرح جمالی حکومت برائیوں کے انکباب سے باز رہیں گے، بادشاہ کی مسرتوں میں اظہار مسرت کریں اور اس کے غم میں شریک غم نہیں اور مدد کے وقت اس کی مدد کریں۔ بادشاہ جب بلا سے گواہ ہو جائیں اور بلا وجہ اس کی مخالفت نہ کریں الغرض مملکت کی جھلکی اسی میں ہے کہ رعایا بھی اپنے فرائض خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے۔

۳۔ عدل

(عدل ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے جو ہر فرد کی سیرت کا ایک لازمی جزو ہے) مملکت کا تیسرا رکن ابن ابی البریج کے نزدیک عدل ہے اس بارے میں اس کا قول یہ ہے کہ "عدل خلق کے لئے اللہ کا ایک حکم ہے، اس کے قابل احترام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمام قوموں نے مذاہب کے اختلافات کے باوجود قیام عدل پر اتفاق کیا ہے اور کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں ہے جس نے انصاف قائم کرنے کی ہدایت نہ کی ہو یا اس کی تعظیلت سے واقف نہ کرایا ہو۔"

عام سیاسی مفکرین کی طرح عدل کے بارے میں ابن ابی الربیع کا خیال بہت محدود نہیں ہے یعنی وہ صرف اسی شے کو عدل تسلیم نہیں دیتا جسے ایک سیاسی نظام اپنی علاقوں کے ذریعے سے نافذ کرتا ہے بلکہ اس کے نزدیک عدل ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے جو ہر فرد کی سیرت کا ایک لازمی عنصر ہوتی ہے اور اسی کیفیت کی درست اور نادرستی پر حقیقی عدل کا انحصار ہے۔ اس طرح وہ عدل کو اس کی کوئیں بلکہ پورے معاشرے کو عدل کا ذمہ دار سمجھتا ہے اور اس ذمہ داری کو مذہبی عقائد کی معرفت ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے اس کے نزدیک عدل کے تین درجے یا تین قسمیں ہیں:-

پہلے درجے میں وہ عدل ہے جس کی رو سے خدا سے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہیں یعنی وہ تمام فرائض اور واجبات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقدر فرمائے ہیں ان کو ادا کرتے ہیں، عرف اللہ کے لئے قربانیاں ادا کرتے ہیں، ساجد کو آدھ رکعت میں، نوافل کا اہتمام کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ آدمی اگر دیانت و ایمان کے ساتھ خود کو اسے تو فی الواقع وہ ابن ابی الربیع کے اس خیال سے اتفاق کر لے گا کہ اللہ پر سب سے پہلے حق اپنے پیدا کرنے والے کا ہے اس لئے حقیقی انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ سب سے پہلے اپنے خدا کا حق ادا کرے اور جو بندہ اس حق کو ادا نہیں کرتا اس سے پھر زندگی میں کسی بھی قسم کے انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

عدل کی دوسری قسم وہ ہے جس کی روح سے اللہ ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ تعاون جس کی بنیاد پر خود معاشرہ قائم ہوتا ہے، عام کر دیتے ہیں۔ مثلاً اگر کچھ لوگ ان کے معاشرے میں نہ درست منہ میں اچھی وجہ سے وہ خود اپنی ضرورت پوری نہیں کر سکتے ہیں تو اپنے مال میں سے بلاتن ان کو قرض دیں اور انہیں کھانے کمنے کے قابل بنائیں یا یہ کہ معاشرے کی جانب سے جو امانتیں یا جزمہ داریاں لوگوں کے سپرد کی جائیں وہ ان امانتوں کا پورا پورا حق ادا کریں اور اگر معاشرے کے کچھ لوگ اپنی اشیاء اور اپنے اموال کی خود حفاظت نہ کر سکیں اور انہیں بطور امانت دوسروں کے سپرد کر دیں تو ان کی وہ تمام اشیاء واپس کی جائیں، کچھ لوگوں میں جب اختلاف یا استغاش کی فوجت پیش آئے تو جاننے والے بالکل سچی گواہی دیں اور معاشرے کے تمام لوگ کاموں کی جانب سبقت کریں۔

عدل کی یہ صورت دراصل معاشرے کے قیام اور بقا کی ضامن ہے۔ معاشرے کے ساتھ سب سے بڑا انصاف یہ ہے کہ اگر اس کے کچھ اراکان معاشی جدوجہد میں ناکام ہو کر اس میں اندنگستی کا شکار ہو گئے ہیں تو ان کے لئے کوئی معقول اور باعزت سہارا فراہم کیا جائے تاکہ ان کے لئے کوئی معقول اور باعزت سہارا فراہم کیا جاسکے۔ تاکہ ان کی معاشی زندگی پھر استوار ہو سکے اور وہ جرائم یا بغاوت یا دوسری ناہمیل پہنچ چل پڑیں اور اس طرح جو معاشرے ہی کو غلامیوں میں مبتلا نہ کر دیں چنانچہ ابن ابی الربیع کی یہ تجویز کہ ان کو قرض دے کہ پھر سنبھلنے کا موقع دیا جائے معاشرتی انصاف کی بڑی کارگر صورت ہے۔ پھر معاشرے کی بقا اس امر سے وابستہ ہے کہ اجتماعی ذمہ داریاں یا عہدے اور منصب جوفی الحقیقت معاشرے کی امانتوں کی حیثیت رکھتے ہیں، شرط انصاف یہ ہے کہ ان کا پورا حق ادا کیا جائے اور کسی قسم کی بھی کوتاہی کو اس میں ہرگز روا نہ رکھا جائے۔ تاکہ معاشرہ شکست اور انتشار سے محفوظ رہ سکے۔ انفرادی امانتوں کا واپس کرنا بھی اسی لئے ضروری ہے کہ وہ قرین انصاف ہے اور اس سے بھی معاشرتی زندگی میں استحکام پیدا ہوتا ہے پھر انصاف اور انصاف کی صورت میں سچی گواہی کے بغیر انصاف کا قیام غیر ممکن ہے اس لئے ابن ابی الربیع اس کو بھی عدل کے لئے ایک ضروری شرط قرار دیتا ہے اور سب سے آخر میں تو وہ اجتماعی عدل کے تصور کو اس قدر وسیع کر دیتا ہے جوں وہ کسی کے ہم معنی بن جاتا ہے یعنی جہاں ان کی اختیار نہیں کرتا وہ عدل کے شرائط پورے نہیں کرتا یا یہ الفاظ دیگر دہی اور ظلم اس کے نزدیک

ہم معنی پہنچے۔ اس پر ہی بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عدل کے اس تصور میں وہ چیز تو لانا مشاغل ہے جس کو ایک مملکت اپنی عدالتوں کے ذریعے نافذ کرتی ہے لیکن اس کے علاوہ انسان کی لہری اخلاقی زندگی بھی اس تصور کی مدد سے عدل اور انصاف کی زندگی بن جاتی ہے۔ عدل کی تیسری قسم وہ ہے جس کی مدد سے لوگ اپنے اسلاف کے حقوق کی حفاظت کرتے ہیں۔ خود سے دیکھا جائے تو انسان کی زندگی اساس کے بیشتر اسباب زندگی کی فراہمی میں اس کے اسلاف کی کوششوں اور خدمتوں کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ اس لئے پرنسپل پاس کے اسلاف کا بھی کچھ نہ کچھ حق ضرور ہوتا ہے اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جن کی کوششوں کے نتیجے میں ہمیں مہذب اور متمدن زندگی میسر آئی ہے ان کا بھی حق ادا کیا جائے۔ چنانچہ ابن ابی الربیع نے اپنے فلسفہ عدل میں اس امر کا اہتمام کیا ہے۔ کہ اسلاف کے حقوق ادا کئے جائیں انسان کی ادائیگی کی یہ صورت ہو کہ ان کی میتوں کی تجزیہ اور تکفین کی جائے انسان کی قبروں میں انہیں راجست فراہم کی جائے ان کے فتنے اگر کچھ تھے ہوں تو ان کو داکر دیا جائے تاکہ ان کی روح اس بوجھ سے انسان کا نام اس آلودگی سے پاک ہو جائے۔ ان کے قیمتی بچوں کی تربیت اور تعلیم کا معقول انتظام کیا جائے انسان کی جانب سے غیر ضرورت کی جائے تاکہ انہیں باہمی سکون حاصل ہو۔

عدل کی اقسام بیان کرنے کے بعد ابن ابی الربیع ان امور کو بھی بیان کرتا ہے جو ایک عادل کے لئے ضروری ہیں چنانچہ اس کے خیال

میں وہ امور یہ ہیں ۱۔

۱۔ وفادار اور امانت دار ہو۔

۲۔ رحم دل ہو اور عریب سے پاک ہے۔

۳۔ اپنے وعدوں کو یاد رکھے اور ان کو پورا کرے۔

۴۔ ہر معاملے میں سچا ہے۔

۵۔ عدل کے لئے جو طریقے مقصد ہیں ان کے خلاف نہ کرے۔

۶۔ ہر چیز کی اس کے حق اور صحیح معرفت پر پورا پڑے۔

عدل اور انصاف کا وہ پہلا جیسے مملکت کی عدالتیں جاری و نافذ کرتی ہیں اس کی اہمیت پر بھی ابن ابی الربیع بہت زور دیتا ہے اساس کے قیام کی سفارش کرتا ہے۔ اس کے خیال میں مملکت کی بقا کے لئے بھی نظام عدل کا قیام نہایت ضروری ہے کیونکہ یہی وہ حقیقی روح ہے جس کے سہارے مملکت زندہ رہتی ہے۔ نیز یہ سمجھتا ہے کہ مملکت میں انصاف کی وجہ سے امن اور نظم قائم رہتا ہے اور اگر انصاف ہی باقی نہ ہے تو مملکت میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ انصاف کا قیام احکام شریعت کے مطابق کیا جانا چاہئے اور جو سزا میں

سقا کے نزدیک غیر اعلم ہے اور شرابیں۔ یعنی جو شخص علم حاصل کرتا ہے وہ صاحب خیر ہے اور جو جاہل رہ جاتا ہے وہ مجرم شراب اور بدلتا ہے۔ ابن ابی الربیع اپنی فکری گہرائی اور حقیقت پسندی میں یہاں سقراط سے آگے بڑھ گیا ہے اور وہ اس طرح کہ زندگی کے حقائق اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ اگر علم سے بھی بایاں سزا دہی ہو اسباب اوقات جاہل بھی نیکی کر گذرے ہیں لیکن جو شخص ظلم کرتا ہے وہ یقیناً ہلاک کر دیا جائے گا اور کسی بھی مرحلے پر جا کر ظلم کی بدی سے چلا نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی ظلم ایک باقی ہے اور حالت میں اس کو بدلتا ہی سے تعبیر کیا جائے گا اور یہ صورت بعینہ جس سے منسوب نہیں کی جاسکتی۔ البتہ افلاطون کے نزدیک عدل ایک اخلاقی صفت ہے اور اسی صفت پسندیت کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

شریعت نے مقصد کی ہیں ان کو جاری ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں اس نے انصاف کرنے کے اصول اور قواعد بھی بیان کئے ہیں اور حکم انصاف کے حکام اور فیصلے کرنے والے قاضیوں کے اوصاف بھی تفصیل سے بتائے ہیں۔ تاکہ انصاف کے پورے مرحلے میں کہیں کوئی نقص باقی نہ رہ جائے۔

۴۔ تدبیر

دخوش تدبیری اوصاف داتے سے مملکت آباد اور خوش حال رہتی ہے اس کو قوت اور استحکام حاصل ہوتا ہے اس کا نظم و نسق بھی ٹھیک رہتا ہے

مملکت کا پورا رخا رکن تدبیر ہے۔ خود سے دیکھا جائے تو خوش تدبیری اور صواب داتے سے مملکت آباد اور خوش حال رہتی ہے اس کو قوت اور استحکام حاصل ہوتا ہے اور اس کا نظم و نسق بھی ٹھیک رہتا ہے اور اگر بے تدبیری اختیار کر لی جائے یا غلط تدبیر کی پیروی کی جائے لگے تو پھر مملکت زیادہ بڑھ کر ٹھیک نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ ابن ابی الربیع تدبیر کو بھی مملکت کا ایک رکن قرار دیتا ہے اس کے خیال میں مملکت میں چار اقسام کی تدبیر بنیادی اہمیت کی حامل ہے، اول مملکت کو آباد رکھنے کے بارے میں، دوم رعایا کی حفاظت کی خاطر، سوم نوج کی تنظیم کے سلسلے میں اور چہارم مالی حالت کی درستگی کے لئے۔

۱) مملکت کی آبادی

تدابیر مملکت میں سب سے پہلی تدبیر یہی ہے کہ مملکت کو زیادہ سے زیادہ آباد اور خوش حال رکھنے کی فکر کی جائے۔ لیکن چونکہ مملکت کی آبادی دو حصوں میں منقسم ہوتی ہے اس لئے ان دونوں حصوں کے لئے علیحدہ علیحدہ تدابیر اختیار کی جائیں۔ آبادی کا ایک حصہ دیہات پر مشتمل ہوتا ہے جہاں کھیتی باڑی کی جاتی ہے اور لوگوں کی ضرورت کی اشیاء و فراہم کی جاتی ہیں۔ مملکت کے لئے دیہات کا وجود ناگزیر ہے اور بادشاہ کے ذمے ان کے تین حقوق ہیں، اول یہ کہ احکام شریعت کے مطابق محض رخصت کرے تاکہ کاشتکاروں پر ظلم و زیادتی نہ ہونے پائے اور وہ اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہیں۔ دوم یہ کہ کاشت کاروں کو تکلیف نہ پہنچائے تاکہ وہ زراعت کو چھوڑ کر کسی دوسرے کام میں مصروف نہ ہو جائیں اور سوم یہ کہ دیہات میں پانی کا معقول انتظام کیا جائے تاکہ اہل زراعت کو رحمتیں نہ اٹھانی پڑیں۔ بادشاہ ان حقوق میں سے کسی ایک کی بھی ادا نیگی میں کوتاہی کرے یا کسی اور طریقے سے ان پر ظلم و زیادتی کر بیٹھے تو اس کے نتائج انتہائی سنگین برآمد ہوں گے اور مملکت ہرگز آباد اور خوش حال نہ ہو سکے گی۔

آبادی کا دوسرا حصہ شہروں میں رہتا ہے یہ شہر آبادی کے بڑے بڑے اجتماعات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جہاں لوگ مل جل کر رہتے ہیں اور تمدن کی خدمت کرتے ہیں۔ بادشاہ کو شہروں کے بارے میں جن امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے وہ یہ ہیں کہ شہر کے لوگ راحت و سکون کی خاطر وطن بناتے ہیں اس لئے انہیں سکون حاصل رہنا چاہئے۔ ان کے مال و متاع کی اچھی طرح حفاظت ہونی چاہئے۔ اور ان کی عورتوں کی پردہ داری باقی رہنی چاہئے۔ اہل شہر کے لئے ضروری اشیاء کی فراہمی کا بھی معقول انتظام ہونا چاہئے اور اس امر کی بھی دیکھ بھال رکھنی چاہئے کہ جائز پیشے اختیار کرنے میں کوئی معترض نہ ہو۔ اگر شہروں میں ان میں سے ایک بھی چیز معدوم ہو تو پھر وہ سب کے کام ناممکن نہیں رہیگا اور اس کی آبادی اور رونق گھٹنے لگے گی۔

بادشاہ اگر کوئی نیا شہر بسانا چاہے تو اس صورت میں بھی چند امور کو ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہے مثلاً راتوں میں بچا پانی

وافر مقدار میں موجود مواد کھانے پینے کا سامان برآسانی دستیاب ہونگتا ہو مقام معتدل ہو اور آب و ہوا اچھی ہو۔ چلا گیا ہی قریب ہوں۔ مکانات، فوج و خطرات سے محفوظ ہوں اور اطراف میں کھلے میدان ہوں۔

(۲) رعایا کا تحفظ

رعایا اللہ کی امانت ہے جس کی حفاظت اور نگہبانی خداوند عالم نے بادشاہ کے سپرد کی ہے، اس لئے بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ اس امانت کا اہل و احق ادا کرے اور رعایا کی حفاظت میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھے۔ (اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی)

(۳) فوج کی تنظیم

بیرونی خطرات سے مملکت کا دفاع افواج ہی کے ذریعے سے کیا جاتا ہے اور انہیں کے ذریعے سے ممالک فتح کئے جاتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ فوج کو اچھی طرح منظم کیا جائے اور ٹھیک طور پر ان کی نگہداشت کی جائے، فوج کا سالانہ ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو ایماندار، عقلمند، کارگزار اور فزونی جنگ سے بخوبی واقف ہو۔ اسی کے ساتھ ساتھ اطاعت شعار اور ملازموں کی حفاظت کرنے والا ہو اور بادشاہ کو نیک نصیحت کرتا ہو۔

فوج میں ایسے لوگ نہ رکھے جائیں جو کاہل اور آرام پسند ہوں فوجوں کو ہر وقت سخت کوشی، محنت اور دھوکے کی سواری میں مصروف رکھا جائے انسان کی ہر طرح بھگڑائی کی جائے ان کی تنخواہیں معقول ہوں تاکہ دلچسپی کے ساتھ کام کریں، فوج کا ہر سپاہی تیز فہم اور مدد بخشم ہو، بہادر اور جنگجو ہو اور ہر وقت بادشاہ کی اطاعت پر کمر بستہ رہے۔

بادشاہ ہر ماہ خود فوج کا معائنہ کرے اور اس کی تعداد قابل اطمینان حد تک بڑھائے۔ ذی قہر اور فزونی جنگ سے واقف لوگوں کو فوجی سرداریاں عطا کرے۔ فوج کی تنظیم اس طرح سے کرے کہ ہر دس سپاہیوں پر ایک افسر ہو اور ایسے دس افسروں پر ایک رئیس مامور ہو اور اس طرح یہ سلسلہ سپاہ سالار تک پہنچ جائے۔ فوجیوں کی جملہ ضروریات کا کفیل رہے تاکہ انہیں شکایات کا موقع نہ ملے ورنہ ان تین خرابیوں میں سے ایک خرابی لازماً پیدا ہوگی۔ یہ کہ وہ رعایا پر مسلط ہو جائیں گے یا جو ان کو کافی تنخواہ دے گا اس کے پاس منتقل ہو جائیں گے یا پھر کسی کاروبار میں مشغول ہو جائیں گے۔ اس طرح ضرورت کے وقت وہ کسی کام نہ آسکیں گے۔

(۴) مالی حالت کی درستگی

مملکت کا نظام بغیر مال کے نہیں چلتا اس لئے ضروری ہے کہ مملکت کی مالی حالت کو درست اور مستحکم رکھا جائے تاکہ نظام میں خرابی واقع نہ ہو۔ مالی حالت کے استحکام کا ایک پہلو یہ ہے کہ آمدنی کے ذرائع متعین ہوں۔ یعنی شریعت نے جو طریقے متعین کر دیے ہیں ان کو مانڈ کیا جائے انسان کی بالکل غفلت و ذہنی نہ کی جائے۔ نیز منصف مزاج اور نیک نفس حکام نے جو ذرائع آمدنی پہلے سے مقرر کر دیے ہیں ان کو ختم نہ کیا جائے۔ اس طرح مملکت کی آمدنی کی ایک حیثیت متعین ہو جائے گی پھر مالیاتی استحکام کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مصارف کا بھی تعین کیا جائے یعنی جن امداد میں خرچ کرنا جائز اور ضروری ہے وہاں خرچ کیا جائے پھر اس کے بعد جو آمدنی بچے ہے اس کو عام بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جائے اس طرح آمدنی اخراج میں جو نسبت قائم ہوگی اس کی تین نوعیتیں ہوں گی۔ پہلی یہ کہ آمدنی خرچ سے زیادہ ہوگی۔ جس مملکت میں یہ صورت قائم ہوگی وہ مملکت بہتر ہے اور اس کی تدبیر درست ہے کیونکہ اس طرح

جو آمدنی بچ رہے گی وہ ضرورت کے وقت کام آئے گی۔ دوسری نوعیت یہ کہ آمدنی خرچ سے کم ہوگی جہاں یہ صورت ہو وہ مملکت اس کی تدبیر خواہ ہے اور مشکلات کے وقت میں وہ تاج کی کشاکش ہو جائے گی۔ تیسری نوعیت یہ ہے کہ آمدنی اندر خرچ و دلوں برابر ہوں گے جہاں یہ صورت ہوگی وہ مملکت امن کے زمانے میں اچھی حالت میں رہے گی۔ لیکن مصیبت کے وقت اس کی حالت خراب ہو جائے گی۔ اس لئے ہر شہنشاہ و مذہب بادشاہ کو اس معاملے میں بڑی احتیاط کے ساتھ قدم اٹھانا چاہئے۔

اسکا بن مملکت کی اس پوری بحث میں ابن ابی الربیع نے اصول اہل فہرین حکمرانی کا پوری تفصیل اور بڑی گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہے اور کارپردازانِ عالم کے لئے بہترین تجاویز پیش کی ہیں اپنی اس بحث میں اس نے سیاست کے ہر اصول متین کئے ہیں ان تمام کی بنیاد اخلاق پر رکھی ہے اور اس طریقے میں وہ اتنا پختہ اور مستحکم ہے کہ میدانِ جنگ میں بھی بڑا اخلاق کو کسی حیثیت سے رہا نہیں رکھتا۔ سیاسی مفکرین میں اس کو ہر امتیاز حاصل ہے وہ درحقیقت یہی ہے اور اسی سے اس کی عظمت کا صحیح اندازہ بھی ہوتا ہے۔

ارکان مملکت کی بحث کے علاوہ، کاروبار حکومت چلانے کے لئے بادشاہ کو جن عمل اور کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابن ابی الربیع نے ان کی بھی ایک فہرست مرتب کی ہے اور اس میں عالم وزیر، قاضی، حاکم، نیک افسر مال، پرہیزگار قاضی، منصف حاکم، ذہین تحصیلدار، مستعد کو قوال، جواز لشکر، حاذق طبیب، نیک نفس مصاحب، حتیٰ کہ باہر بھی نیک شامل ہے۔ پھر اس نے ان میں سے ہر ایک عہدیدار کے اوصاف اور ان کے فرائض اور ذمہ داریوں تک کی تفصیل اور ان کے انتخاب کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ اس طرح فنی حکومت پر ایک بہترین تصنیف آنے والی نسلوں کے لئے فراہم کر دی ہے جو تاریخ سیاسیات میں اس موضوع پر سب سے پہلی تصنیف ہے۔

کامیاب مطلب

کی چند خصوصیات ہیں..... مثلاً

۱۴۔ تشخیص پر احساس ذمہ داری کیساتھ غور و فکر ہو اور تجویز نسخہ میں مئی بہار اور مریض سے ہمدردی کا جذبہ کا انفرما ہو

۱۔ مدائیں ایسی ہوں جو مسیح اہماء سے تیار کی گئی ہوں۔

یہ ہر سہ بنیادی امر — اللہ ذوالجلال جوشانی مطلق ہیں کے اذن سے مریض کی شفا یابی — (درد)

مطب کی کامیابی چکاڑے پر ہے۔

عم لودے اطمینان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ **مرطبات اشرف** انہی خصوصیات کا حامل ہے۔ اس بات تک

پاکستان کے ہر علاقے کے مریض اس مطب سے شفا یاب ہو چکے ہیں۔ اگر آپ کسی طبی مشورہ کی ضرورت محسوس فرمائیں تو آپ

مطب اشرف کی جانب سے بروز فرمائیں علی گڑھ کی تباہ و راست پاکستان کے نامور طبیب مولانا حکیم عبدالحمیم مفت

مطب اشرف اشرف منزل نزد جامع مسجد جناح کالونی لائل پور

محمد رضا (جنگ مد)

اقبال کا فارسی کلام

حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال کا کلام دو زبانوں میں ملتا ہے فارسی اور اردو۔ فارسی کلام اردو کلام کے مقابل میں بہت زیادہ ہے ان کا پورا کلام گیارہ مجموعوں کی صورت میں شائع ہوا ہے جن میں سات مجموعے فارسی کلام کے ہیں، تین اردو کلام کے اور ایک مجموعہ ایسا ہے جس میں فارسی اور اردو دونوں قسم کا کلام موجود ہے اس مجموعے کا نام انخان بجان ہے۔ گویا ان کا دو تہائی سے زیادہ کلام فارسی ہے اور ایک تہائی سکم اردو۔ ان کے اردو مجموعوں میں بھی فارسی اشعار کثرت سے مل جاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا ذہن فارسی کی طرف زیادہ مائل تھا۔ ایک شعر میں وہ خود اپنی زبان شعری شیرازی بتاتے ہیں کہ

تم گلے ز زبانِ جنت کشیدر
دل از جیمِ گاز و نواز شیراز است

اتفاق سے اقبال کو بچپن ہی میں فارسی شعر و ادب کے مطالعے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے عمرے کا کالج سیالکوٹ سے ایف۔ اے کیا، اُس زمانے میں فارسی کا نصاب کچھ اس قسم کا ہوتا تھا کہ اس میں شعر و شاعری اور ادب لطیف کی کثرت ہوتی تھی۔ شری کتاب میں بھی اشعار سے خالی نہ ہوتی تھیں ہر طالب علم میں اردو ذوق شعری پیدا ہو جاتا تھا۔ پھر ان کو مولوی رحمن جیسا فاضل استاد مل گیا۔ جس کی محبت نے ان کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کر دیا۔ اقبال نے خود قیصری کو جاکشی۔ اقبال ایک طبع بلند اور ذہین رسالے کو لکھے تھے اس لئے جلد ہی سنازل شاعری طے کر گئے۔ ڈاکٹر اقبال نے اردو زبان چھوڑ کر فارسی میں شعر گوئی کہوں گی؟ اس کا جواب بالکل سہل اور آسان ہے وہ خود "اسرارِ خودی" میں اس کا جواب دیتے ہیں کہ

گرچہ ہندی مددِ غنبتِ شکر است
طرزِ گفتارِ ہندی شیریں تر است

نکرین از جبرہ اش مسخِ گشت
خامہ من شاخِ نخلِ طردِ گشت

پارسی از صنعتِ اندیشہ ام
دورِ خود با فطرتِ اندیشہ ام

یعنی گوارہ زبان میں بھی شیرینی اور شگاس ہے لیکن فارسی زبان اس سے شیریں ہے نیز اردو کا ظرف تنگ اور محدود ہے، مجھے اپنی وسعتِ بیان کے لئے فارسی کا سہارا لینا ناگزیر ہے، یہ شعر مگر جامع جواب ہے جو انہوں نے مسندِ جبرہ بالاتین اشعار میں دیا ہے۔ اس کے بعد مزید بحث و تحقیق میں جانا نتیجہ اوقات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اقبال نے دیگر شعرا کی طرح اپنے آپ کو کبھی شاعر نہیں کہا اور نہ خود کو شاعر سمجھا ہے، سید سلیمان ندوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔ میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا، اس واسطے کوئی میلادِ قیام نہیں اسد۔ میں کسی کو اپنا رقیب سمجھتا ہوں فنِ شاعری سے مجھے کبھی دل چسپی نہیں رہی ہاں بعض معاصدِ خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لئے اس ملک کے حالات و روایات کی مدد

سے میں نے لطم کا طریقہ اختیار کیا ہے مدد

کہ ہرین تہمت شعرو سخن بست

نہ مینی غیر انال مرد و خرد دست

یہ تو سنا ایک خط کا حالہ، اب ان کے یہ اشعار بھی دیکھتے

سوتے قطاری کشم ناتو بے زمام را

نغمہ کجا دن کجا ساز سخن بہانہ ایت

فقیر راہ نشین است ودلی غنی داند

نہ شیعہ نہ شاعر نہ خفہ پوش اقبال

امرا ز غوی کے دیا چہ میں لکھتے ہیں

بت پرستی بت گری مقصود نیست

شاعری میں مقصود نیست

ایں کتاب از آسمانے دیگر است

آنچہ گفتم از جہانے دیگر است

اس الکاکی وجہ یہ ہے کہ وہ شاعر اس شاعری کا مقام بہت بلند سمجھتے تھے۔ وہ شاعر کو سینہ ملت میں دل کی مثل تصور کرتے ہیں وہ شیعہ کے اس خیال سے متفق تھے کہ اخلاقیات کی بنیادیں و اعظوں کے ماتھے نہیں شاعر دل کے ماتھوں رکھی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شاعری کو واسطہ پیغمبری بتاتے ہیں۔

۸ شاعری ہم وارث پیغمبری است

مخبر یہ کہ ان کی شاعری مقصدیت سے بلبریز تھی۔ بعض خاص مقاصد کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے شعر گوئی کا آغاز کیا۔ ان مقاصد میں سے اولین مقصد سوتے قطاری کشم ناتو بے زمام را تھا یعنی بولی بھٹکی قوم کو راہ راست پر لانا یا دوسرے لفظوں میں اصلاح ملت مقصود تھی۔ بعض تفریع طبع اور تفنن کے لئے شعر کہنا ان کا سچے نظر تھا۔ وہ صحیح قوم کی حیثیت سے شاعری کرتے تھے اس لئے ان کا نام قیامت تک مفسرہ ہستی سے نہیں مٹ سکتا۔

جب اقبال نے شعر و شاعری کا آغاز کیا تو اس وقت قوم کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس حالت کا نقشہ انہوں نے ایک خط میں یوں کھینچا ہے : "علماء میں ملامت آگئی ہے یہ گروہ حق کہنے سے ڈرتا ہے۔ صوفیا اسلام سے بے پروا اور حکام کے ٹھہرنے میں ہیں۔ انجمنوں اور آج کل کے تعلیم یافتہ لیڈر خود غرض ہیں اور ذاتی منفعت و عزت کے سوا کوئی مقصد ان کی زندگی کا نہیں ہے عوام میں جذبہ موجود ہے مگر ان کا کوئی بے غرض رہنا نہیں ہے۔ اقبال کو یہ صورت حال نا پسند تھی اور وہ اس کی اصلاح کرنا چاہتے تھے، یہ اصلاح کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے لئے طویل وقت اور انتھک محنت درکار تھی۔ انہوں نے جب تاریخ کا مطالعہ کیا اور اسلامی کاروشن ماضی ان کی نظر سے گذرا تو وہ مشتربہ گئے اور یہ سوچنے لگے کہ اب مسلمان کیوں محکوم و مظلوم بن کر رہ گئے ہیں۔ اس سچی کے وجہ اور اسباب کیا ہیں؟ آخر ان کو معلوم ہو گیا کہ ایمان کی کمزوری، مومنانہ فضائل کا فقدان اور قرآن سے بیزاری نے مسلمانوں کو ذلت و پستی میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ قرآن کا یہ فرمان برحق ہے کہ انتہا لا علون ان کنتم مومنین یعنی ایمان دار لوگ کبھی ذلیل و سمانہ ہوں گے وہ ہمیشہ ہی غالب رہیں گے بشرطیکہ عدلت ایمان کو کسی صورت میں بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں شکم پرستی اور خود فروشی ایسے منافقانہ خصوصیات مسلمان کے شایان شان نہیں۔ دین فراموشی مسلمان کا طریقہ نہیں۔ لیکن اس وقت کا ہندی مسلم خود فروشی، پیٹ کی پوجا اور دین فراموشی میں بلا خوف و خطر معروف تھا۔

مسلم ہندی شکم را بندہ خود فروشی و دل ز دیں برکنہ

اقبال نے جب اپنی قوم کو کھڑی ہوئی عظمت یا دولتی انداز پرستی کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگی کہ یہ سب کچھ خود فروشی و دل ز دیں کی کارستانی

ہے، زمانہ سدا ایک سانہیں رہتا حالات ہمیشہ بدلتے نہتے ہیں اس نیلگوں ملک نے ہمارے عروج کو بستی میں بدل دیا ہے اس میں ہمارا کچھ قصور نہیں۔ اقبال کے فہم سلیم نے یہ جواب سن کر اسے لڑکا اندام صبح الفاظ میں بتا دیا کہ گردشِ دوداں کا خشک بالکل بے جا ہے اصل دہر بستی کی ہجرتی، قرآن ہے۔

خود از مجرحتی قد آں شدی خشک و بخور گدازش دوداں شدی

اقبال لا الہ کی مشکلات کو جانتے تھے اس لئے جب وہ مسلمان ہوئے کا دم بھرتے تو رزہ برادام ہر جاتے تھے

چون گویم مسلم نام بلزدم کہ دامن مشکلات لا الہ مل

اقبال کی شاعری کا طور پر تو می شاعری میں امداد یقیناً ہمارے قوی و ملی شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام سے پیری کا کام لیا ہے، یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ان کا کلام دیکھ کر ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ

از خستہ تان بہن جام شراب آردم نغمہ داد و از تار بہاب آردم

اسے حکیم روح ملت از دوائے فلسفہ دین ابراہیم را عہد شباب آردم

ایک خط میں لکھتے ہیں: "میرے زیرِ نظر حقائق اخلاقی و ملی ہیں۔ زبان میرے لئے ناولی حیثیت رکھتی ہے بلکہ فنِ شعر سے بھی میں بحیثیت فن کے نابلد ہوں۔ یہ مجھے اس بات کی واضح شہادت دیتے ہیں کہ وہ اصلاحِ ملت کے جذبہ سے سرشار تھے محض خیرت کے لئے طبع آزمائی نہیں کرتے تھے۔"

اقبال کا فارسی کلام بہت وسیع ہے راقم السطر کے لئے ان کے پاس فارسی کلام پڑھ کرنا نہ صرف مشکل بلکہ محال ہے یہ تو گویا ایک وسیع و عریض بحر ہے جس کے تمام گوشوں کو پہنچنا میرے بس کی بات نہیں اس کے علاوہ میں فارسی دان نہیں۔ فارسی خوان ہوں۔ ہیچداں ہوں، فارسی شعر و ادب سے پوری طرح شناسا نہیں اس لئے چند سطحی باتیں عرض کروں گا۔ قارئینِ کرام ادا و محترم نفا و حضرات سے گزارش ہے کہ وہ میری اس کوتاہی پر بہم ہونے کے بجائے ہمدردی و سکون سے کام لیں۔

بول تو اقبال نے غالب، بیگل، فردوسی، سنائی، فخرانی، فارابی، حافظ، ربی اور سعدی سب سے استفادہ کیا ہے لیکن وہ حافظ کے بڑے شائق تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ جب میں حافظ کے رنگ میں ہوتا ہوں تو ان کی اسپرٹ مجھ میں آ جاتی ہے۔ حافظ فارسی کے مشہور غزل گو شاعر ہیں۔ آہنگ تغزل میں اقبال اُن سے بہت متاثر ہوئے ہیں ادا ان کے متعلق کئی اشعار کہے ہیں، ربی اقبال کے روحانی مرشد تھے۔ اقبال کو ان سے بڑی گہری تھی اس لئے جا بجا ان کی مدح کرتے ہیں مثلاً

پیر ربی مرشدِ روشن ضمیر کاروانِ عشقِ مستی را امیر

منزلتِ برتر زہ و آفتاب خیمہ را از کہکشاں ساز و خطاب

نورِ قرآن در میانِ سیدان جامِ جمِ شمرِ حندہ از اُئینہ اش

مولانا دم کی مشنری جس کے متعلق جاتی ہے کہا ہے کہ یہ فارسی زبان میں قرآن ہے

مشنری مولوی معنوی ہست قرآن در زبانِ بیلیوی

اقبال کے کلام کا سرچشمہ ہے، اقبال کا عالم گیر پیغام جو نظریہ خودی کے نام سے موسوم ہے ربی ہی کا مرہونِ منت ہے اس کا اظہار اقبال نے بڑی بھرپور دلی سے کیا ہے

نقطہ نور ہے کہ نام او خودیت خاکِ پیر یا شہر از زندگیت

نہ مگر نقطہ نے بارہ و شاہد و دانش و رنگ و کس پیر یا میں نظم کیا ہے، اس نغمہ آہنگ کے علامہ اقبال مخالف تھے (د۔ م۔ ق۔)

”تصوت کا سب سے پہلا شاعر اسی ہے اور سب سے آخری شاعر حافظ ہے۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ تصوت کی تمام شاعری مسلمانوں کے ہونے کی گواہی دیتی ہے۔ یہ زمانے میں پیدا ہوئی اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا۔ خود ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھتے کہ ادبیات کا انتہائی کمال لکھنؤ کی مرثیہ گوئی پر ختم ہوا: اقبال کے ہم عصر بننے کے سخت مخالف ہیں۔ وہ حرکت کو روح زندگی سمجھتے ہیں۔ نئی ادبیات سے بے خبر صوفیوں کو سوداگران دین فروش کا نام دیتے ہیں۔“

فی شہر ہر مرد و زن سے خرقہ پوش
آہ زہی سوداگران دین فروش
ہا میری دل بند و شب اند سحر
از حضرت آئے ملت بے خبر
دیدہ با بے در مثل ز کس اند
سینہ از دولت دل مغس اند
وہ بھر نشین صوفیا کو میدان عمل میں آنے کی دعوت دیتے ہیں۔

اے کہ اند عجب ہا سازی سخن
لعرۃ کا پیش نمودے بزن
ایں کہ می بینی نیز ز باد و بخار
از جہول کا اللہ آگاہ شو
اقبال عمل ہی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہر چیز کو کشش کا تمام سے زندہ ہے اور دنیا نے فانی کے گلشن کی بہار عمل پہم ہے اے ہو کی فلسفہ کہتے ہیں اور اسی دہر سے انہیں ہمہ حرکت و حیات کا نام دیا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ قوموں کے زوال اور انحطاط کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ حرکت سے گریز کرتی ہیں اور سکون میں اپنی راحت دیکھتی ہیں۔

چوں نمود اندیشہ توے خواب
ناسرہ گرد و پیش سیم ناب
میر و اند سینہ اش قلب سلیم
دلگاہ او کج آید مستقیم
بر کراں از حجب ضرب کائنات
چشم او اند سکون بند حیات

اسی پیغام جدوجہد میں ہی اقبال مدنی سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ مدنی نے ان سے کوئی سات سو سال پہلے بعینہ ہی پیغام دیا تھا جو ان کے ہندو مرید نے اپنی قوم تک پہنچایا ہے، مشنری مولانا دوم کا تفسیراً دسواں حصہ اسی پیغام ہی و عمل پر مشتمل ہے۔ حرکت میں بڑے اور جویندہ یا بندہ وغیرہ الفاظ ان کی مشنری میں مل جاتے ہیں اس وقت کہا جاتا تھا کہ انسان مجبور شخص ہے اس سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ جدوجہد حاصل ہے۔ توکل علی اللہ ان کے لئے کافی ہے مولانا دوم نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے علم اٹھایا اور لوگوں میں بوش میں پیدا کرنے کی کوشش کی ان کے چند اشعار دیکھیے۔

ایں تحرک شد تبرک ما کلید
در تحرک گردی اسے دل مستقیم
عاقبت جویندہ یا بندہ بود
چوں کہ در خدمت شتا بندہ بود
مگر توکل می کنی در کار کن
رکشت کن پس نکیہ بر جبار کن
رمز الکاسب جیب اللہ نشنود
از توکل نہ سبب غافل مشنود

اقبال رہبانیت اور دنیا سے روگردانی کے سخت مخالف ہیں۔ ایسا فقر و دنیا سے روگردانی کرنے، بندہ حوروں میں چلے کاٹنے اور چنگ رہا باب پر دھن کرنے کی تعلیم دے فقیر کا فر ہے۔ یہی نوعی کے لئے پیامِ برکت ہے، فقر کا مقصد ایک نگاہ وادہ میں اند دل زندہ پیدا کرنا ہے، فقرہ زوق و شوق کی تعلیم دینا کا دوسرا نام ہے۔ مرد فقیر آفاقی ہوتا ہے اور تمام کائنات پر چھا جاتا ہے۔ غلب و سلوک اسے زبردست قوت کا

لا مالک بنا دیتے ہیں اسلئے سلاطین کے سامنے لا مالک کا فقر و گناہ سے دریغ نہیں کرتا

فقر و من چہیت ہائے خیر جماعت بندہ از تاثیر اولیٰ صفات

فقر و من لہذا بحر و ہر امت فقر و من لہذا بحر و ہر امت

آن خودی مالک تن و داسوختن این خودی ما بول چلای افروختن

فقر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت ہے، اقبال میں مرد فقیر تھے۔ اس کا اظہار خدا نہیں نے اپنے اشعار میں کیا ہے اگر میں ان کو مرد فقیر کہتا تو شاید آپ اسے جاننے سمجھتے۔ وہ آن خود مالک اپنے آپ کو مرد فقیر کہتے تھے۔ یہ اشعار بھری شہادت پیش کرتا ہوں۔

از تب و تابم نصیب خود بجز بعد ازین ناپدید من مرد فقیر

نہ پنج شہر نہ شاعر نہ غرقہ پرش اقبال فقیر راہ نشیر امت دل حنی مارو

اس دینائے فانی سے رخصت ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے اقبال نے جو اشعار کہے ان میں بھی وہ خود کو فقیر ہی کہتے ہیں گی یا عمر بھر انہیں اپنے فقر پر ناز نہ لگا

مرد سے منتہ باز آید کہ ناپید کیسے از حجاز آید کہ ناپید

سرا آمد مددگار سے این فقیرے دگر ملانے باز آید کہ ناپید

موت کا ڈر عمر دار و عمل میں مانع ہوتا ہے۔ موت ایک ناگزیر ہٹے ہے۔ اس سے گریز ممکن نہیں۔ ان کی زندگی ایسے خوش نوا پسندے کی مانند ہے جو کوئی دم شاخ و دست پر بیٹھ کر چھوٹے اور پھراڑ جائے۔ موت کا وقت معین ہوتا ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی، آنادادہ عقیدہ۔ تو میں موت سے نہیں ڈرتا جب موت کو ایک دن آنہی ہے تو اس سے ڈنکا کیا۔ پھر سلمان جو حیات بعد ممات کا قائل ہے موت سے کیوں ڈرے اس کی زندگی اور موت ہی قائل کئے گئے ہیں، حب مال اور ترس مرگ تو اس کے لئے فتنہ ہیں۔ علامہ موصوف چاہتے ہیں کہ سلمان مال و دند کی محبت میں گرفتار ہو کر اور موت کے ڈنکے دل میں جگہ دے کر اپنے خاندان و خاندان کو خدا غلام نہ کر دیکھتے مسلمانوں کی موجودہ فہمیت پر کس طرح اندیشہ کرتے ہیں

آنکہ بعد از انداد و اس اند مرگ فتنہ اور حب مال و ترس مرگ

بچو کا فر از اجن ترسندہ ای سینا ش فارغ ز قلب زندہ ای

سلمان با ایمان خدا کے سوا کسی چیز سے نہیں ڈرتا وہ ایم غیر اللہ کو دل میں نہیں آنے دیتا کیونکہ یہ عمل کا دشمن اور کاروائی زندگی کا راہنری ہے اگر بخیر غصہ غار دیکھا جائے تو یہاں سے دل میں پوشیدہ ہر شے کی جڑیں ڈھکے ہیں لہذا اس کو دھکے دینا از حد ضروری ہے۔

بیم غیر اللہ عمل ما دشمن آن کاروائی زندگی را بہن است

ہر شے نہاں کہ اندک تپ است اصلی او بیم است اگر بینی درت

موت کا ڈر غلامی کی علامت ہے مرد و عورت کے لئے زندگی لامتناہی ہے اس کے بعد مقامات سے سے موت بھی ایک مقام ہے وہ خود اندیش تو ہوتا ہے، مرگ اندیش نہیں ہوتا، موت اسے نازہ زندگی بخشی ہے اس لئے وہ خود موت کی طلب کرتا ہے۔

بندہ حق فیضیم واکہ دست مرگ یک مقام اندر مقام اور دست مرگ

ہر زمان میر و غلام از بیم مرگ زندگی اسد حوام از بیم مرگ

بندہ آنادادہ ماشائے دگر مرگ ادای دہد ہائے دگر

از خود اندیش است مرگ اندیش نیست مرگ آزاراں ز آنے بیش نیست
مردمیں جان دیتے وقت گھبراتا نہیں کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ موت ایک زینہ ہے جس کی مدد سے مجھے اس دنیا سے اُس جہان کی طرف کوچ کرنا
ہے جہاں میرے اسلاف پہلے سے ہی موجود ہیں اس لئے وہ مسکرا کر دنیا والوں کو الوداع کہتا ہے۔

نشانِ مردومیں با تو گویم جو مرگ آبد تقسیم بر لبِ اوست
سوائے اتفاق سے علامہ مصروف کے جہد میں مسلمان حکوم اور مظلوم تھے وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، برصغیر پر انگریزوں کی
حکومت تھی۔ ہندوؤں کے مقابل میں مسلمانوں کی حالت ابتر تھی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر برصغیر کو آزادی مل بھی گئی تو ترجیحاً اسے مسلمانوں پر
مغلوب نہیں گئے اس لئے کہ ہندوؤں سے مرگنا زیادہ ہے۔ اسی اندیشہ کے پیشِ نظر انہوں نے پاکستان کا تصور پیش کیا انہوں نے صاف الفاظ
میں یہ فرمایا کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک مخصوص علاقہ میں مرکوز کیا جائے۔
پھر اس خاکے کا عملی حل اس طرح پیش کیا کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو مل کر ایک واحد ریاست قائم کی جائے۔ اکثر مسلمانوں
نے اس نظریہ کی مخالفت کی اسلئے انتشار پیدا کرنے کی ایک کوشش قرار دیا۔ اقبال مرحوم غلامی سے سخت ناگاہ تھے وہ مسلمانوں میں جوش
آزادی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ غلامی سے اس طرح نفرت ملائے ہیں۔

تا غلام در غلامی نادر ام	ز آستانِ کعبہ دور افتادہ ام
ہوں بنامِ مصطفیٰ خواہم دود	از جہالتِ آبِ می گردود وجود
عشقِ می گوید کہ اے محکومِ غیر	سینہ تو از بتاں مانند دیر
تا ندائی از محمد سنگ و بد	از دود و خود میاں نام او

قیامِ پاکستان میں یقیناً اقبال کا اہم حصہ ہے یہ بات ہے کہ پاکستان ان کی وفات کے نو سال بعد وجود میں آیا۔
دنیا میں کئی مختلف نظامِ حکومت پائے جاتے ہیں لیکن ان عام اصولوں اور صرف نظامِ شریعت ہے۔ دیگر نظام ناقص سے خالی
نہیں ہیں اس لئے کہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں اور نظامِ شریعت خالقِ انسانیت نے خود اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے اس کی بنیاد و اساس
انسانی پر رکھی گئی ہے اور یہ لورچ انسانی کے تمام معائب اور تکالیف کا کامیابی سے خاتمہ کر سکتا ہے اس لئے غیر شرعی نظامِ حکومت کے خلاف اقبال
نے آواز بلند کیا اور کہہ دیا کہ

تا وہ بالانہ گرد و اہلِ نظام دانشِ تہذیبِ دینِ سدا لئے خام

شریعت اور طریقت میں کیا فرق ہے؟ دینی کے الفاظ میں

”شریعت جو شمسِ امت کہ راہِ می نماید، ہوں دود را آدمی، اہلِ رفتن تو طریقت است، ہوں بہتھر در پستی آن حقیقت است“
(سوانحِ دوم از مصطفیٰ)

اقبال مرحوم کہتے ہیں

آدمی اندر بربنِ غیر و شر	کم شتاد نفی خود را از ضرر
کس نہ اندر زشت و خوب کا بصیرت	جادو ہوا و باہر اور بصیرت
شرح بر خیزد ز اعمقِ حیات	روشن از نورش غلامِ کائنات
از شریعت امنِ التعمیم شر	و ادبِ ایمانی ابراہیم شر

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

تحریر :- استاذ عہد القادس محمود شہید
ترجمہ :- مولانا محمد مصباح اللہ شریانی

اسلامی حکومت میں مالیات کا شعبہ

اسلامی حکومت و سلطنت کے قیام کے روزِ اول ہی سے اسلام نے ایک ایسے مستقل مالیاتی شعبے کی بنیاد ڈالی کہ قبل ازیں لوگ اس سے یکسر نا آشنا تھے، اسلام کی بدولت ہی دنیا اس نظام سے روشناس ہوئی اور اسی دینِ کامل کے طعین شعبہ مالیات کا خاکہ اُن کے سامنے آیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظامِ حکومت چلانے کے لئے مختلف عہدیداروں کا تقصد فرمایا۔ علیہ کے لئے ناضی مقرروں نے انتظامیہ کے لئے ایسے افراد منتخب فرمائے جو کاروبارِ مملکت اِیامِ دینے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ ان کے علاوہ ایسے لوگوں کا بھی تقف فرمایا جو امرائے صدقات و وصول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ان کے فرائض میں یہ بات شامل تھی کہ وہ طبقہِ امراء سے صدقات جمع کر اُسی علاقے کے فقرار و مساکین اور غریب پر تقسیم کر دیں اور فاضل رقم بیت المال میں پہنچا دیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کیا اور ان کی حدود و مملکت میں وسعت پیدا ہوئی تو یہ شعبے کے فرائض میں بھی اضافہ ہو گیا اور صدقات، خراج، جزیہ، مالی نے اور مالی غنیمت سے آمدنی اور پھر اس کی تقسیم اسی شعبے کی وسالت سے ہونے لگی۔ ان مختلف ذرائع سے وصول شدہ رقم پہلے خزانے میں جمع کرادی جاتیں اور پھر بیت المال کی جانب سے اس کی تقف کتاب و سنت میں مذکور معاصف کے مطابق عمل میں آتی تاکہ کسی کے لئے اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور کوئی شخص بھی محروم نہ رہے پائے اور آدھی کو اس کا حصہ پلا مانگے مل جائے۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال سے ہر مرد اور عورت، ہر بڑے اور بچے کے لئے ماہانہ و نفیہ مقصد فرمائے۔ یہی نہیں بلکہ ہر لونڈو کا و نفیہ اُس کی ولادت کے وقت ہی سے مقصد فرمایا اور عرصہ دلازمت تک یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہا۔

جہاں مقررہ حق رضی اللہ عنہ ہر شخص سے اس بات کا اعتراف کرالیتے اور اعلف اٹھا لیتے تھے کہ کوئی شخص بھی اس مال میں کسی دوسرے آدمی سے زیادہ حصہ کا مالک نہیں یہاں تک کہ مجھے بھی کسی دوسرے شخص سے زیادہ لینے کا حق حاصل نہیں۔ ہذا سب سلمان، سوائے عہدِ مملوک اس مال میں ہارے کے شریک ہیں۔

کتاب اللہ اللہ صفت رسول اللہ و دین و مذہب کی خدمت کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نے فرق مراتب کا خیال رکھا۔ وہ لوگ جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی اور اس کی خاطر صدقہ لکھیں برداشت کیں۔ وہ طاقت مقصد کرنے میں ان کا خاص خیال رکھا۔ ان کے علاوہ ضر مند اشخاص اور افضیاد، ہاجرا و انصار، غزوہ ہند میں شرکت کرنے والے اصحاب اور اس سعادت سے محروم رہ جانے والے افراد اور ادا طرح دوسری خدمات اور امتیازات کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے ماہانہ وظائف کی رقم کا تعین کیا۔ لیکن اپنے دیگر وظائف کے آخری حصے

میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس تفریق دامنیاد کو عدل و انصاف اور مساوات کے خلاف سمجھتے ہوئے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور خلیفہ اول جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ممانعت کرتے ہوئے خلافت کی تعلیم میں سب لوگوں سے ایک ہی جیسا سلوک شروع کر دیا اور کسی کے درمیان کوئی فرق نہ مانا رکھا۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفہ رابع جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تعلیم مال کے سلسلہ میں لوگوں کے درمیان مساوات کو ملحوظ رکھتے تھے اور اس معاملے میں ان دونوں بزرگوں کا ایک ہی مسلک تھا البتہ خلیفہ ثالث جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے فرق مراتب کا خیال رکھتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نگاہ میں محمد اور عبدہ دونوں ایک ہی درجہ رکھتے تھے۔ اسی بنا پر وہ تعلیم مال میں دونوں کو شریک کرتے تھے لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے محمد کو اس میں شرکت سے محروم رکھا اور اس کی بنیاد انہوں نے اپنے اس اجتہاد پر رکھی کہ عبدہ چونکہ کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا اس لئے اس رقم میں بھی اس کا حصہ نہیں رکھا جاسکتا۔ جناب محمد بن مالک رضی اللہ عنہ نے حیات کیا "یا رسول اللہ! جو شخص قوم کا حامی اور مددگار ہو کر رہا ہو کیا اس کا اور دوسرے لوگوں کا حصہ برابر ہوگا؟" حضرت نے فرمایا: تم لوگ اپنی ہی جماعت کے مکرر عدل اور انصاف کے رزق کا سامان فراہم کرنے اور ان کی مدد کے لئے ہی ایسا کرتے ہو۔ پھر اس کا اور دوسرے لوگوں کا حصہ برابر کیوں نہ ہوگا۔

اس حقیقت سے کون شخص انکار کر سکتا ہے کہ مال و دولت کی حقیقی ملکیت خدا ہی کو حاصل ہے۔

اور حقیقت مالک ہر شے خداست

ایں امانت چند روزہ نزد ماست

لہذا اس کے بارے میں ہر قسم کا فیصلہ بھی اسی احکم الحاکمین اور مالک حقیقی ہی کا قابل قبول ہونا چاہئے۔ کوئی شخص بھی اس کی آمد و خرچ کے متعلق کوئی قسم کا فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: میں کسی کو دیتا ہوں نہ محروم رکھتا ہوں بلکہ میں تو شخص تعلیم کرنے والا ہوں جسے عطا کرنے کا حکم ملتا ہے اُسے عطا کر دیتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو گائی ہی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے دستور العمل کی حیثیت سے نافذ کیا اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسی فرمان نبوی کی روشنی میں فرمایا: یاد رکھو تمہارے مال و دولت (بیت المال) کی کنجیاں اگرچہ میرے پاس محفوظ ہیں مگر مجھے اس میں سے ایک درہم بھی تمہاری اجازت کے بغیر لینے کا حق حاصل نہیں:

سریا و مملکت اپنے تمام اختیارات کے ساتھ پہلی ملت مسلمہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ بغیر مالیات کے نظم و نسق کا ذمہ دار بھی رہتا ہے اور اس کی بنیاد پر شعبہ کے عزل و نصب کا اختیار بھی اُسی کو حاصل ہے۔ وہی انتظام و انصرام کرنا اور اس کی نگرانی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے مگر اس مقام پر اس لئے کہ وہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ کارکنان شعبہ ساری قوم کے نمائندے ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیں گے۔ سریا و مملکت کی جانب سے ان کا تقرر دیکھئے جانے کے باوجود بعدہ مرت اس کے ذاتی نمائندے کے طور پر کام نہیں کر سکیں گے اس شعبہ کا مدیر ہی جیسا معاملہ ہے کہ شخص حاکم وقت کے انتقال کر جانے سے عدلیہ ختم اور قضاء معزول نہیں ہو جائیں گے اور عدلیہ کی معزل سبب کے کوئی شخص بھی ان کو معزول نہیں کر سکے گا۔ (اس سلسلے میں خلیفہ ثالث جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا خازن بیت المال کی مثال، اور لیکن شعبہ مالیات کے فرائض اور ان کی حیثیت کی وضاحت کے لئے، بہت کافی ہے۔ خازن بیت المال کے خیال میں رقم کو اس مقصد کے لئے صرف کرنا درست نہیں تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے تھے۔ جب خلیفہ ثالث نے

اُس کی وجہ اس کے منصب کی طرف مہدول کرائی اور فرمایا کہ ”تمہاری حیثیت صرف خازن کی ہے تو اس نے جلاب میں کہا ”وہ مسلمانوں کے بیت المال کا خازن اور انگلاں ہے۔ حاکم وقت اور خلیفہ کا خازن نہیں۔“

کارکنان شعبہ مالیات اپنے فرائض پوری ذمہ داری کے ساتھ قرآن و سنت میں مذکور احکام کی روشنی میں بالکل آزادانہ طریقہ پر انجام دیتے تھے اسی نظم کے مطابق کارسبار مملکت انجام پاتے تھے یہاں تک کہ برسر اقتدار طبقے نے اسلام کے طریقے کو چھوڑ دیا اور اس کے احکام کو بدل ڈالا اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لینے کی کوشش کی۔

شعبہ مالیات کے کارکن یا حاکم وقت اور سربراہ مملکت مذکورہ فرائض سے حاصل شدہ رقم بھی صورت میں اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہیں کر سکتے بلکہ اسلام کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہوتے ہوئے ہی اس رقم کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ عوام حکومت کے مرتبے اور منصب اور ان کی مختلف حاجتوں اور ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے وظائف کے طور پر جو رسم اُن کے لئے مقصد کی گئی ہے کسی بھی کارکن کو اس سے نالاء رقم لینے کی اجازت نہیں۔ اُن کے منصب اور حاجتوں کو دیکھتے ہوئے اس حد کا تعین بھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا :-

”مسلمانوں میں سے جس شخص کو حاکم مقصد کیا جائے وہ اپنے اور اپنی بیوی کے اخراجات حکومت کے خزانے سے وصول کر سکتا ہے خادم نہ ہونے کی علت میں ایک خادم لے سکتا ہے اور اگر سائس کے لئے مکان نہ ہو تو ایک مکان بھی حاصل کر سکتا ہے۔“

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”مجھے بتایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا املا دگر ہی یہ بھی ہے“
من اتخذ غیر ذلک فهو حال اور ارقی
جس شخص نے اس (املا) کا ثلث کے علاوہ مزید کچھ لیا وہ
یا تو حاکم ہے اور یا پھر چرچہ ہے۔
(الحیث)

اس کی مزید وضاحت جاب ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان سے بھی ہو جاتی ہے :
من استخلفنا علی عملی فمرفقاہ رفقنا
جس شخص کو ہم نے کسی کام کے لئے کارندہ مقرر کیا (خلیفہ بنایا)
فما اخذ بعد ذلک فهو غلول
تو اس کے کھانے پینے کا انتظام کرنا ہمارا فرض ہے اس کے علاوہ
کچھ لے گا تو وہ خیانت کا مرتکب ہو گا۔
(الحیث)

شعبہ احتساب و نگران

اس شعبے کا مقصد برسر اقتدار طبقے کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنا اور ان کے احتساب و نگرانی کا فریضہ سر انجام دینا ہے یہ شعبہ تمام امت کی قائم مقامی کرتے ہوئے علماء و فقہاء و پیش منسل شہداء کے قیام میں مدد دیتا ہے۔
اس شعبے کا قیام دو وجوہ کی بنا پر ملت مسلمہ کے لئے نہایت ضروری ہے۔

اول یہ کہ برسر اقتدار طبقے کے قول و عمل کی نگرانی کا امت مسلمہ کا فرض اولیٰ ہے۔ وہ انہیں برائی میں مبتلا دیکھ کر خاموش ہو کر نہ بیٹھ جائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی منکر کا جو عظیم فریضہ ملت مسلمہ پر عائد کیا ہے اس فریضے کو صحیح طریقے سے بحال رکھے۔ دوسری باتوں سے اس ملت کے بہتر اور اخرف و افضل ہونے کا واحد سبب یہی ہے کہ دنیا میں پہرہ پر خیر کائنات کے لینے والوں کے نفع سے غفلت نہ ہوتے۔ ان کو جھلائیوں کا حکم دے اور پائیل سے روکے اور اللہ تعالیٰ کی نجات پائیمان واقعہ رکھے۔

کنتم خیرا مئة اخذت للناس تار من بالمعصاة وتنهون من المنكس وقومعون باللہ - (الفران)
ولكن منكم مئة یب عن الی الخیر یامرن
بالعرفت وینہون من المنکس واولئک ہم
المفلحون دآل عمران ۱۱۰:۱
تمہارے اند ایک ایسی جماعت ہوتی چاہئے جو دعوتِ خیر
اور نیکیوں کا حکم دے اور بدکاریوں سے روکے۔ کامیابی و
کامرانی اپنے ہی لوگوں کے قدم چومتی ہے جو ان صفات
سے مستفہ ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی وضاحت فرمادی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو ترک کر دینے
کا نتیجہ معاشرے میں فتنہ و فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا:
تار من بالمعصاة وتنهون من المنکس
او یسلطن اللہ علیکم شرارکم
ثم ید عوخیارکم فلا یستجاب لہم
(الحديث)

تم لوگ نیکیوں کا حکم دیتے رہنے اور بدکاریوں سے روکتے
رہنے کو اپنے اوپر لازم قرار دے لو۔ اس فریضے کو ترک
کر دینے کی صورت میں اللہ تعالیٰ ایسے افراد کو تم پر مسلط
داد تمہارے حاکم مقرر کر دیگا جو تمہاری جماعت میں بدترین
انفراد ہوں گے، پھر دان کے دیر حکومت کے خاتمے کیلئے
تم میں سے نیک لوگ دعائیں کریں گے مگر ان کی دعائیں قبول نہ ہوگی۔
اس لئے ہر شخص کو اپنی وسعت اور قدرت کے مطابق برائیوں کی روک تھام کا اہتمام کرنا چاہئے، عدم قدرت کے سبب جولاگ مولا برائی کی روک
تھام کے لئے کوئی قدم اٹھانے سے محذور ہوں۔ ان کے لئے بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ اس نخل کو دل سے بڑھائیں اور اس برائی پر
مثلاً اصحاب سے نفرت اور شدید ناراضگی کا اظہار کریں۔

ومن نراى منکم منکر فلیغیرہ بینہ کا فان
لہ یستطع فیلانہ۔ فان لہ یستطع
فیلقبہ وذلک اضعف الایمان
(الحديث)

تم میں سے جو شخص کسی برائی کو ہوتا ہوا دیکھے وہ وقت کے
زور پچھے اس کا استیصال کرے۔ وقت اس اقتدار سے
محروم ہونے کی صورت میں زبان سے کلمہ حق کہے اور اگر اس
کی بھی قدرت نہ ہو تو کم از کم دل سے اُسے بڑھائے لیکن
یا دیکھنا چاہئے کہ یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔

شعبۂ احتساب ونگران کے قیام کا دوسرا سبب یہ ہے کہ چونکہ حاکم وقت، ملت مسلمہ کے نائب کی حیثیت سے احکام جاری
کرنے کے بلو راست ملت سے متعلقہ مسائل پر اثر انداز ہوتا ہے اسان کے حقوق میں مداخلت کرتا ہے، ملت کے لئے اپنے حقوق کی حفاظت
اور دفاع کی خاطر بھی اس شعبے کا قیام ناگزیر ہے۔ یہی نہیں بلکہ خود حکم الہی کہین نے برسر اقتدار طبعیت کو ہر مسئلے میں ملت مسلمہ سے
وجود کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور ہر معاملے میں الزام اس سے شروع کرتے ہوئے حکم دیا ہے اور فرمایا:-

وئادہم فی الامہ دآل عمران ۱۵۹)

وامرہم شورعی بیخیم (الشوریٰ ۳۸)

اور کادہار سلطنت میں ان سے مشورہ کیا کرو۔
اسان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آپس کے مشورے سے نظام
حکومت چلاتے ہیں۔

بنامہیں ملت مسلمہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ برسر اقتدار طبعیت کے ہر مرحلے میں کامیاب رہے اور جب انہیں کوئی غلط کام کرتا

ہوئے دیکھ کر ان پر گرفت کرے اور جب بھی وہ راہ راست سے ہٹے ہوتے نظر آئیں ان کو صراطِ مستقیم پر لانے کا فریضہ سرانجام دے۔ حکام کی نگرانی اور احتساب کے باوجود نصیری صریحہ اور دلائلِ قطعیہ کی کثرت کے پیش نظر اس معاملے میں کسی قسم کے بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

تاریخ کے اسباق اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکیں گے کہ خلفائے رسول اللہ نے سب سے پہلے اس کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس تاریخی حقیقت کو وہی لوگ جھٹلاتے ہیں اور ان نصیری صریحہ کو رد و خفاء تصور نہیں کرتے جو اپنی دنیا کی زندگی کو حیاتِ خودی پر ترجیح دیتے ہیں اور سہرہ بڑا مملکت پر ملتِ مسلمہ کے نیکہ اندلس کو ایسے اصحاب ہی عضوِ محفل کی حیثیت دینے کی ہمت کرتے ہیں جن کی نگاہوں میں احکامِ خداوندی کوئی اہمیت نہیں رکھتے وہ اپنے میں سے ایسے ظالم و جاہل افراد کو جو رعیت کے حقوق سلب کر لینے کو کوئی عائدہ سمجھتے ہوں، مسندِ حکومت پر بٹھا کر امتِ مسلمہ کے حق میں کانٹے بونڈ بیٹھے ہیں کہ اپنا سب سے بڑا کام نہ تصور کرتے ہیں پھر برسرِ اقتدار طبقہ عوام کی بالادستی سے چھٹکارا حاصل کر کے خود ان پر برتری حاصل کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے اور اس کا واحد سبب یہ ہوتا ہے کہ ملتِ مسلمہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی برتی ہے اور اللہ تعالیٰ العزت کے احکام کو قائم کرنے کے واسطے میرا اپنے فرائض سے غافل رہ کر سکوت اختیار کر لیتی ہے اور اپنے حقوق کی واپسی کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھاتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب حضرت البرکات صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول منتخب کیا گیا تو پہلی بات جو ان کے منہ سے نکلی اس میں اسی بات کا اعتراف تھا کہ ملتِ مسلمہ کو حکمران طبقہ پر بالادستی حاصل ہے اور حاکمِ وقت کی جانب سے مجبوری اختیار لینے کی صورت میں اس کو صراطِ مستقیم پر لانے کی ذمہ داری بھی ملتِ مسلمہ ہی پر عائد ہوتی ہے۔ بیعت کے بعد پہلے خطبے میں ہی انشا فرمایا :
”لوگو! مجھے تمہارا ولی مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھا کی کلام کروں تو تم میری ہدایت اور اس میں بُرائی کی طرف مائل ہوں تو تم مجھے سیدھا کرو۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا تو انہوں نے قوم سے پہلی مرتبہ یہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا : ”جو شخص مجھے راہِ راست سے ہٹا دے دیکھے اس پر لازم ہے کہ وہ مجھے سیدھا کر دے۔“ ایک اعرابی نے اُس کو کہا : ”خدا کی قسم اگر ہم نے تجھ میں دُلبگی دیکھی تو تجھے ہم اپنی تلواروں کے ذریعے سیدھا کر دیں گے۔“

جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث منتخب ہوئے تو انتخاب کے فوراً بعد ملتِ مسلمہ سے خطاب کیا اور اس میں فرمایا :
”اگر تم مجھے کسی وقت صراطِ مستقیم سے ہٹا دیکر تلواریں مجھے مجھے صراطِ مستقیم پر چلنے کی تلقین کرو اور ایسے اقدامات کرو کہ میں اس سے ایک قدم بھی اِدھر اُدھر نہ ہرگز ہوں۔“

علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی خلافت کے فرائض نبھانے کے بعد سب سے پہلا خطبہ یہ دیا : ”کاروبارِ مملکت میں کسی شخص کو بھی دخل دینے کا حق حاصل نہیں سوائے اس کے جسے تم اجازت دے حتیٰ کہ تمہاری اجازت اور مشورے کے بغیر میرے لئے اس میں دخل دینا درست نہیں یہ خائن تمہارے معاملات ہیں۔“

قرآنِ ادنیٰ کے مصلحت سے امت اسی طریقے پر عامل ہے اور ہر صورت میں برسرِ اقتدار طبقہ پر انہوں نے اپنی بالادستی قائم رکھی۔ اسلام کی جانب سے مجتہد ہوئے اپنے اس حق کو استعمال کرتے رہے حضرت عمر بن الخطابؓ اور ایک شخص کے درمیان کسی معاملے میں بات چیت ہو رہی تھی۔ دو راتیں گفتگو اس نے کہا : ”امیر المؤمنین کچھ خدا کا خوف کرو۔“ وہاں جو لوگ موجود تھے اُن میں سے ایک کہنے لگا : ”امیر المؤمنین کو خدا سے ڈرنے کے لئے کہتا ہے ؟ اگر امیر المؤمنین کو خدا کا خوف نہیں تو پھر اللہ کوئی خدا کا خوف کرے گا۔“ خلیفہ دوم نے دخل و مداخلات

کئے داسے شخص کو ٹانٹ پلائی کہ تم اس معاملے میں دخل نہ دو۔ اس نے کتنی عمدہ بات کہی ہے۔ پھر فرمایا: ”اگر تم ہم کو اس طرح نہ تو تم بھلائی سے محروم ہو، اور ہمارا بھلائی سے کوئی تعلق نہیں اگر ہم اسے قبول نہ کریں؟“

خلیفہ دوم جناب عمر فاروقؓ ایک دفعہ دو چار مدعیوں سے تیار شدہ جوبہ پہنچے ہوئے، منبر پر چڑھے اور فرمانے لگے: ”لوگو! ذرا توجہ سے سنو: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہم سننے کے لئے تیار نہیں“ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”ابو عبد اللہ، کیوں؟“ انہوں نے کہا: ”تم نے سب کو ایک ایک چاہ دی اور تمہارے بجائے ظاہر ہوتا ہے کہ خود عدل والی بات کو چھوڑ کر ایک سے زائد چاہ دینا رکھ لیں (کیونکہ تمہارا جوبہ ایک چاہ میں تیار ہونا ممکن نہیں)“ خلیفہ دوم نے فرمایا: ”ابو عبد اللہ جلدی نہ کرو ذرا انتظار کرو“ پھر عبداللہؓ کو آواز دی مگر خاموشی رہی تو آپؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کو کہہ کر لکھا۔ انہوں نے لبیک کہہ کر جواب دیا۔ عمر فاروقؓ نے فرمایا: ”میں تمہیں خدا کے فضل و کرم کی قسم دے کر دیا سنت کرنا چاہتا ہوں کہ جس گپڑے کا میں نے جوبہ بنوا کر پہنا ہے وہ تمہارا ہی ہے؟“ عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا: ”خدا کی قسم آپ حدت فرماتے ہیں۔ یہ کپڑا میرا ہی ہے۔“ یہ سن کر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہاں اب کپڑا ہم تمہاری بات سنیں گے۔“

جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کے وظائف مدد لئے۔ ایک مجلس میں ابو سلمہ خولانیؓ بکھرے ہوئے کھڑے ہوئے۔ اسے معاویہؓ نے اپنی محنت سے نہیں لکھا۔ نہ تیرے باپ اور نہ تیری ماں نے محنت کر کے یہ دولت حاصل کی ہے۔ یہ سن کر حضرت معاویہؓ کو بڑا غصہ آیا۔ منبر سے اتر پڑے۔ لوگوں سے کہنے لگے کچھ دیواری اپنی جگہ پر بیٹھو کہ میرا انتظار کرو۔ خود ہی دیکھ لے لو اس حالت میں واپس آئے کہ جیسے نہا کر آ رہے ہوں۔ پھر فرمایا: ”ابو سلمہ کے کلام نے مجھے غصے میں مبتلا کر دیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہ ہے کہ غصہ، شیطان دلاتا ہے اور شیطان کی تحفیں آگ سے ہوتی ہے جیسے پانی ہی بجھا سکتا ہے لہذا تم میں سے کسی شخص کو جب غصہ آئے تو پانی کے ذریعے غصہ کو دھو کر نہ کئے اسے غسل کر لینا چاہئے، میں گیا اسادب غسل کرنے کے بعد واپس آیا ہوں۔“

صدق ابو مسلم اندھ بیس من گدی
دلا من کدابی فہم کدالی عطا نکم

ابو سلمہ نے پچ کہا ہے کہ یہ دولت میں نے اور میرے باپ
نے محنت کے ذریعے حاصل نہیں کی۔ آؤ اسادب اپنے

عطیات لے جاؤ۔

حضرت سفیان ثمالی رحمۃ اللہ علیہ کو ابو جعفر منصورؓ کے پاس لایا گیا۔ منصورؓ نے آپ سے عرض کیا کسی معاملے میں آپ کو ہماری ضرورت محسوس ہوتی ہو تو فرمائیے۔ امام سفیانؓ ثمالی نے فرمایا: ”خدا کے دے۔ تو نے زمین کو ظلم اور زیادتی سے بھر دیا ہے۔ یہ سن کر اس نے سر جھکا لیا کچھ دیر بعد سر اٹھا کر کہنے لگا: ”اپنی کوئی حاجت بتلاؤ۔“ آپ نے فرمایا: ”مجھے اس مرتبہ تک ہا جوین والی عمارت کی تلواریں نے پھونچا یا ہے مگر تو نے ان کی ادا دے سب تو میری بت کا نہیں فاقوں پر مجبور کیا ہے خدا کا کچھ تو خوف کر انسان کی ضروریات فراہم کرنے کی طرف توجہ دے ان کے حقوق ادا کر۔“ اس نے خدا دیکھتے سر جھکا لیا اور پھر سر اٹھا کر کہنے لگا: ”آپ کوئی اپنی حاجت ظاہر کریں جسے پورا کر دیا جائے۔“ امام ثمالیؓ نے فرمایا: ”خلیفہ دوم عمر بن الخطابؓ نے پچ کیا تو اپنے خاندان سے دینا دت کیا کتنی رقم خرچ ہو گئی۔ خاندان نے بتایا کہ دس دہم ہے کچھ ہی زائد قسم صرف ہوتی ہے لیکن تمہارے ان خرچے کا کوئی حساب ہی نہیں اس کثرت سے مال آٹا گیا ہے کہ اذیت تک اس پر جو کچھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے، یہ کہا اور نکل کر چلے۔“ خلفاء اور سربراہ مملکت ملت مسلمہ کے سامنے اسی بنا پر تسلیم ختم کرتے اور ان کی باتوں کو قبول کرتے تھے کہ وہ جانتے تھے امت اس حقیقت کی اچھی طرح باخبر ہے کہ اسے حکمران طبقہ کی بھڑائی اور احتیاج کا پورا پورا رشتہ حاصل ہے اور وہ ان کی کجی کو مدد کرنیکی صلاحیت رکھتے ہیں اور انہیں غلط راستے پر چلتا دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتی بلکہ وہ اپنے حق کو استعمال کر کے انہیں صراطِ مستقیم پر لانے کی پوری پوری کوشش کرے گی۔ چ

سفینہ غزل

ساقیا مے کہ دوہو مل ہے
مطرب غزلے کہ نفس گل ہے

میر تقی میر —

سورج نیدی

زندگی غم ہے حجابت ہے نہیں کیا معلوم
بگم شوق نے شہ پانی تو گستاخ ہوئی
شوقی حسن کو فردوسِ نغمہ بگم ہو
میرا نام آئے ہی ہرے پہ شوق چھوٹی ہے
میں تو شکوے کی بجائے شکوہ ستم کرتا ہوں
ہر گھڑی سود دنیاں ہی پہ نغمہ رہتی ہے
تم تو ہونٹوں پہ حرے، سوچو تبسم دیکھو

ادغم کس کی امانت ہے تمہیں کیا معلوم
اس میں کس کی ثمرات ہے تمہیں کیا معلوم
یہ ممانہ نہیں آنت ہے تمہیں کیا معلوم
یہ بھی فیضانِ محبت ہے تمہیں کیا معلوم
جو بچے غم سے شکایت ہے تمہیں کیا معلوم
دوستی صرت تجارت ہے تمہیں کیا معلوم
دل کی پینے میں حالت ہے تمہیں کیا معلوم

تم کو معلوم ہے سب حالی پریشانی غور ہے
اد یہ کس کی بدولت ہے تمہیں کیا معلوم

دو گھر راجی داہدو کیٹ

جہاں مجھ کو خیال گردشِ ایام آتا ہے
بہ نام خاص گردش میں جو کوئی جام آتا ہے
یہ سب موقعِ صحت کی بات ہے لے حضرت ناسخ

وہ میں بے ساختہ لب پہ تمہارا نام آتا ہے
تری ساقی گری پہ ساقیا الزام آتا ہے
خود بھی کام آتی ہے جنوں بھی کام آتا ہے

سند گہرا لہری

ہر شخص کی نگاہ کو پہچانتا ہے دل
اے چارہ گرا علاج کوئی اور ہی بنا
ٹائیڈ کہ اب بہارِ چمن میں نہ آسکے
یکساں ہے التفات و تعلق کی آندو
آتے کسی لباس میں رنگینی بہار

دھوکے تری نظر کے مگر کھارہا ہے دل
ترکِ وفا کی بات کہاں مانتا ہے دل
ذکرِ بہار ہی سے بہنے لگا ہے دل
کھلتا نہیں کچھ آپ سے کیا جانتا ہے دل
اپنے ہونکے رنگ کو پہچانتا ہے دل

نازک حراجِ ایک تمہیں تو نہیں ہو سوز
دنیا میں سب کو ایک سا بخش گیا ہے دل

افضل قریشی

ہائے کس گوشہ ساحل میں نہال ہوتا ہے وہ جو طرناں مری آنکھوں سے زلال ہوتا ہے
ہم نے دیکھی ہے بہت ترے گلستاں کی تحسّر سارے گلشن میں قیامت کا دھواں ہوتا ہے
اشک ہی تیری امانت انہیں برباد نہ کر میں جو دھواں ہوں، تو تیرا ہی زیاں ہوتا ہے
بند کلیوں میں کہاں بھول کی خوشبو افضل
عمر بڑھتی ہے تو احساس جواں ہوتا ہے

آئندہ زمانی

مجھ سے ہے کائنات میں رونقِ ہزم کائنات
میں ہوں دلیلِ زندگی میں ہوں حقیقتِ حیات
میرے خیالِ دلکے دشت میں گل کھلے ہوئے
میری ہی انگلیوں کی ضربِ نغمہ سازِ ممکنات
ذیرِ نیگیں ہیں مجھ پر شمس و قمر چمکے نظر
فرش سے عرش تک مرا دائرۂ تصرفات

ماہر القادی

گلشن میں تم آ جاؤ، اب رُت بھی سہانی ہے
کلیوں کا رنگین ہے، پھولوں کی جوانی ہے
اب وقت ہی ایسا ہے ایک ایک مسافر کو
طرناں سے بھی لڑنا ہے، کشتی بھی بچانی ہے
کچھ دن سے گلستاں کے حالات پہلیاں ہیں
بلبل کے بھی تہجہ میں آشفۃ بیانی ہے
اے حسن ترے مدقے کیا خوب کرشمے ہیں
جلوے بھی دکھانے میں صورت بھی چھپانی ہے

جو اشک ترے غم میں مژگاں پہ ابھر آیا
رُک جائے تو موتی ہے بہ جائے تو پانی ہے

روح انتخاب

ابوالعلاء معری کی شاعری

عربی شعروادب اور فلسفہ و حکمت کی تاریخ میں ابوالعلاء کا نہایت بلند مقام ہے، عربی شاعری میں اس نے بڑا انقلاب پیدا کیا اور اس کو ایک نیا رنگ اور نئی روشنی بخشی، جو لوگ اس کو متنبی کا متبع اور غرضہ چاہتے ہیں، ان کی رائے صرف اس حد تک صحیح رہے جتنا وہ متنبی سے متاثر تھا، لیکن بعد میں اس نے اپنی نئی راہ نکالی، دونوں شاعروں کے مزاج اور مذاق میں بہت اختلاف تھا۔ لہذا قدرتی طور پر ان کی شاعری میں بھی بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ متنبی کے الفاظ اور اسلوب بیان ابوالعلاء کے مقابل میں زیادہ واضح ہیں، اس کا فلسفہ اور حکمت محض تکلف اور آراء ہیں۔ اس کے مقابلے میں ابوالعلاء فطری فلسفی اور حکیم ہے۔ اس کے فلسفیانہ خیالات نہایت نکلتے نہیں معلوم ہوتا۔ ابوالعلاء نے شعروادب سے کبھی کوئی مادی فائدہ حاصل نہیں کیا لیکن متنبی کا پیشہ شاعری تھا، متنبی عزت نفس، عظمت و شان کے دعوے کے باوجود مال و دولت کا حلیہ اور دنیا کا دلدادہ تھا۔ اس کے لئے عمر بھر بادشاہوں اور وزیروں کی مدد رہا، لیکن ابوالعلاء کو مال و دولت سے نفرت اور دنیا کے جاہ و حشم سے کوئی واسطہ نہ تھا اس لئے کبھی کسی کی مدد و تائید نہیں کی، متنبی پر اور بکبر کے باوجود شاعری کو پیشہ بنانے میں عار نہ ہوا۔ لیکن ابوالعلاء نے انگار و تواضع کے باوجود زندگی بھر کسی کا اساتذہ بننا پسند کیا، متنبی کو جاہ و عظمت کی طلب نے دودھ گوتی پہاڑ آباد کیا، اور ابوالعلاء کی نگاہ میں دنیاوی جاہ و عظمت کی کوئی وقعت نہ تھی اور فی دستانہ بازی کا دامن اس کے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹا، متنبی دولت مند مگر بخیل تھا اور ابوالعلاء گنہگار لیکن دل کا سخا تھا۔ لہذا قدرتی طور پر ان کی شاعری میں بھی بڑا فرق ہے، ابوالعلاء کی شاعری تکلف سے پاک سادہ اور عام ان کی جذبات اور بلند اخلاقی سفیانہ خیالات کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔

اس نے شاعری کو عقل کی دنیا سے نکال کر حقیقت کا جامہ پہنایا اور ایسا فلسفیانہ طرز بیان ایجاد کیا جس سے لوگ اب تک نا آشنا، گرا ابوالعلاء سے بہت پہلے عربی شاعری فلسفیانہ خیالات سے آشنا ہو چکی تھی اور زہیر بن ابی سلمیٰ، عدی بن زہیر، ابوالعلاء ہبلو، دیگر عربی فلسفہ و حکمت کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا اور ابوالعلاء کا کوئی مقابلہ نہیں، زہیر حکمت فطری اور ان کی سادہ زندگی کے تجربات کا نتیجہ تھی۔ اس لئے اس میں کسی خاص نظریہ اور فکر کو کوئی دخل نہیں ہے، عدی، نا اور ابوالعلاء ہمہ مذہب اسلام کا پیروں تھا اور دونوں کی حکمت ان کے غائب ہے، متنبی کے نفسہ و حکمت کی نوعیت محض مذاقی ہے، لیکن شاعری میں الہیات، طبیعیات اور اخلاقیات کے متعلق فلسفیانہ خیالات پیش کرنا اور فلسفہ کو اس کے مقام اور کتابوں سے نکال کر ایسی جگہ لے آنا کہ ان کا ذہن خود بخود اس کی جانب مائل ہو جائے، ابوالعلاء کا کارنامہ ہے، ابوالعلاء

کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے ایک مستقل موضوع پر ایک پہا دربان مرتب کیا، یعنی درجیات جس میں صرف مذہب کا ذکر ہے۔

اس کی شاعری کا ایک خاص مقصد اور نقطہ نظر ہے، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی، فحش، یا وہ گوئی، کذب بیانی، اور آلتی، بے جا مدحی کاموں کو شاعری کا اصلی کمال سمجھا جاتا ہے۔ اس کے یہاں کوئی وجود نہیں۔

انما قلت شعبي المست فيذبحا تب فما انا تايب اكلا كلبين
جب میں شعر کہتا ہوں تو کوئی گاہ کی بات نہیں کہتا بلکہ لہجہ کی طرح میں بھی تائب ہو گیا ہوں

مسلکہ غفران میں اپنی غلط تعریف کئے جانے پر ناگواری اور اپنی غلط کاری کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت مسیح کے مانتہ استدلال کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ زبانِ مادب کے چمکار سے اور خود لغت کے شناسد کی تلاش میری شاعری میں بے حد ہے وہ شاعری کہ جس سے صدق و کذب، صحیح و غلط اور ہدایت و ضلالت میں امتیاز نہ ہو سکے،

من يبيع حندي فخرا او يرو لعة
فما يسا عف من هذا ولا هذي
يكفيك شعل من الدنيا ومنقصة
ان لا يبين لك الهادي من الهادي

وہ ان شاعروں پر اس پر کرتا ہے جن کی شاعری کا مقصد صرف تعریف ہی ہے، اس لئے ان کی پیدائش کذب، یا وہ گوئی اور مدحی تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور عام لوگ اسی کو کمال سمجھتے ہیں۔

بنی الاداب غرتكم قسدا يها
نما خارف مثل زمزم من ماء الذباب
وما شعل كمالا لى ناب
تلمص في المدايح والسباب
اضر من ثور من الاهداء
واسرق للمقال من الزباب

عام شاعری کا حال وہ رسالہ غفران میں یہ بیان کرتا ہے کہ شعراء آنا اور بے ماہ دوہوتے ہیں، وہ انگلی بچا اور غلط باتیں کرتے ہیں، قرآن کی اس آیت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے انما ترانا نهم في كل فاديه يومون وانهم يقولون مسالا ليعملون (ص ۲۴، ۲۵)

وہ اس اصول کا قائل ہے کہ شعراء اب کو انسانی زندگی کے حالات و تجربات کا ترجمان ہونا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ انسانی فطرت کی صحیح تصویر انسانی زندگی کی جتنی دلچسپ تعبیر اس کے یہاں ملتی ہے اس کی مثال ان شاعروں کے یہاں تلاش کرنا بے سود جن کا مقصد صرف خیالی آلتی ہے۔

ومن تأمل اقوالى ملأى جملا
ليظل فيهم سلا سلا مشروحا

ابراہیمؑ کا فلسفہ اس کے نقطہ نظر کی طرح اس کی زندگی اور تنقید میں لپڑی جا کر ہے، مثلاً اس کی طبیعت دگی و نزاعت، عزت، روزہ کی مداومت، شراب نوشی سے اجتناب، تجرؤ کی زندگی، اولدی اور اپنے وطن، ماحول اصفانہ کا بھی ذکر ہے۔

(مروری فیما والدین اصلاحی)

ہماری نظر میں

۱۔ قدوسی، ضخامت ۸۲ صفحات، مجلد، رنگین سرورق، قیمت چار روپے۔
 شعلہ جان لینے کا پتہ۔ سلطان حسن اینڈ سنز، متصل مولوی دینا باغ، فرخانہ، بندہ سٹوڈ، کراچی
 جناب قدوسی نے حالات کی ماساز گاری کیا وجود شمع و عن میں ترقی کی منزلیں طے کیا ہیں۔ یہ دیکھ کر طے ہوتا ہے کہ کیا غیرت میں ہے
 ان کی زندگی کشمکش کی زندگی بلکہ پول کہتے ہیں کہ وہ کسی انسان کی زندگی ہی ہے ان کی شامی پٹان کے غصے کا اثر ہے جسے لذت دے دے کو سمجھا ہے! قدوسی
 سعیدی کے کلام میں سوز و گداز اور احساس کی شدت پائی جاتی ہے۔

کیا کہوں اے ہم نفس، دنیا کی حالت کیا کہوں
 چند آہیں، چند آسود، ذلت و افلاس کے
 بچھے میں محسوس ہوں میں نے ہی کیا ہے جرم یہ
 اہل عالم کا جزئی سنگ باری کچھ نہ پوچھ
 ان شعروں میں قدوسی نے آپ ہیجہ بیان کی ہے انہی سے آپس میں نمایاں اور مار دیا ہے! ان کی شامی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہے بازگشت ہے!
 چند منتخب اشعار:-
 دام صیاد سے رہا جو کر
 اک دم سہی ترانہ تصور
 کرنے لے واد سراحم پیدا
 جہاں سینکڑوں تکرار کے وعدے نہیں
 مٹ جاتے ہیں سینکڑوں حقائق
 اک لمحہ کو روک کر گردشِ جام
 تیری ہی تلاش و جستجو میں
 پہنچ جاتے ہیں ب منزل پہ اپنی
 تیری زلف پر لیلیاں سنہری دکھائی
 چین پاتا نہیں، یہاں بھی دل
 پہنچاں سکرے اب مجھے کیا
 نصروں کو فریب دیتے وقت
 تیری آواز گر نہ آئے گی

ہیں اسیرِ حوادثِ ہر واز
 کچھ دل کو پناہ تو ملی ہے
 میرے سجدوں کی ناپذیرائی
 خدا بھی تراشے ہیں کچھ بندگی نے
 بتا ہے کہیں جب اک فنا
 شاید کہ زمانہ لوٹ آئے
 ہم دل میں پھرے تجھے بھائے
 غبارِ کارواں بھی کا دواں بھی
 ایک خواب پریشاں سے ہم ہو گئے
 اب کہاں جاؤں تیری متصل سے
 میں اپنے لئے بھی اجنبی ہوں
 آدمی خود فریب کھاتا ہے
 سانسِ ہستی کو تھوڑا لوں گا
 ۱۱/۱۱/۱۱

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا ————— کما اور دھلا لٹھا

(دوسرے)

ہر قسم کا دھاگہ تیار ہوتا ہے

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

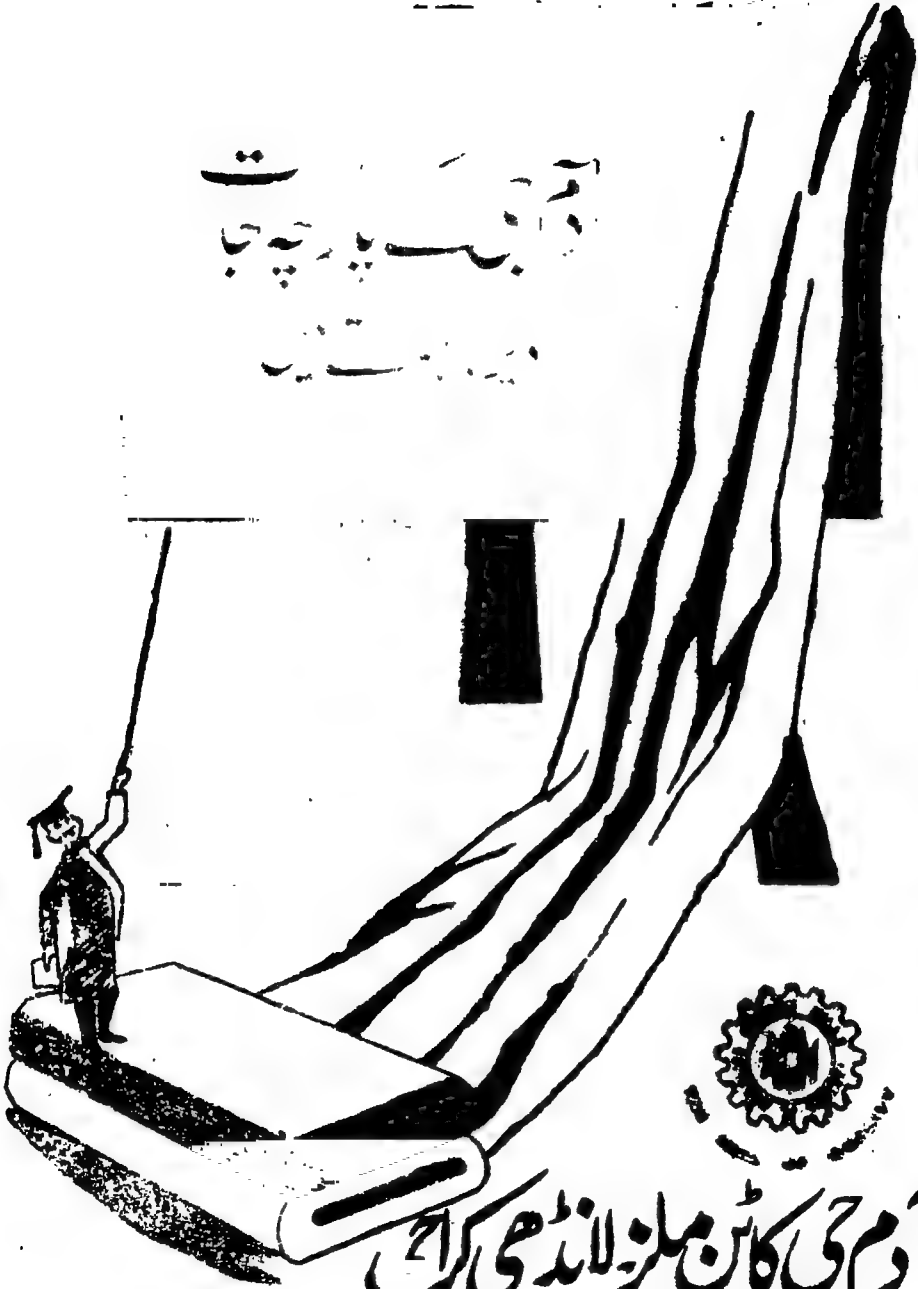
ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی قدر

اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

آدم جی کاٹن ملز پریپریٹڈ
لیمیٹڈ



آدم جی کاٹن ملز لائنڈھی کراچی

یہ قیمتیں بہت

بہادر کی خدمات

- ۱۔ بہت مشرقی کو پاکستان میں بہادر نے زخمی کیا اور اس طبیعت کے معیلات کو بے درگ کے مقبول بنایا و تمام بنایا۔
- ۲۔ بہت مشرقی کی دوا سازی کے اعلیٰ معیلات قائم کیا اور سب کے لیے ماہ و منزل متعین کی۔
- ۳۔ بہت مشرقی اور طیب و مطہر کے مقام کو بنایا۔
- ۴۔ پاکستان کے خاص و عام کی ناقابل فراموش خدمت انجام دی۔
- ۵۔ بہت مشرقی کی خدمت کو پاکستان کے کونے کونے میں پہنچایا۔

بہادر



جون ۱۹۶۶ء

کراچی

جلد ۱۸ شماره ۳

ایڈیٹر:-
ماہر القادری

ترتیب

۳	ماہر القادری	نقش اول
۱۰	تفہیم و ترجمہ مدحیہ الرحمن سواتی	خامیہ
۱۵	مولانا محمد مصطفیٰ رحمانی	ایک نعبہ
۱۸	پروفیسر اسرار احمد سہادی	الفردان
۲۳	شمس تبریز خاں آردی	حدیث بطور تفسیر قرآن
۲۹	ماہر القادری	جملگیاں
۳۳	مولانا محمد حسام اللہ شریقی	تألیفات
۳۶	مختلف شعراء	سوزگساز
۳۸	روح انتخاب
۴۵	ہماری نظریں

پیشہ مسعود حسین

پتہ:- ماہنامہ فاران جمیل اسٹریٹ کراچی

مشکوٰۃ پبلشرز انٹرنیشنل پریس کراچی میں چھپا کر دفتر ماہنامہ فاران، جمیل اسٹریٹ کراچی سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول



امتِ محمدیہ میں بہت سے فرقے پائے جاتے ہیں، ان کے آپس میں فقہ و عقیدہ کے اختلافات بھی ہیں، وہ ایک دوسرے کو گمراہ بھی سمجھتے ہیں ان میں باہمی مناظرے اور مسابقتیں ہوتے ہیں اللہ ہزار ناموں کا لٹریچر ایک دوسرے کی تردید میں ملتا ہے ایک وہ گمراہی ہوتی ہے جس پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ بعض نامائے نزدیک اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہوتا، جیسے جیسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم ہوتا رہتا ہے (وعدا اللہ) یہ عقیدہ کفر ہے۔ مگر یہ تمام فلسفیوں کا عقیدہ نہیں ہے اللہ کوئی فرقہ اس عقیدہ پر قائم ہے اس طرح بعض دوسرے کفریہ عقائد میں ہو کسی فرقہ کے بعض افراد کے ہو سکتے ہیں، مگر پورے فرقہ پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس لئے ان فرقوں کی گمراہی وہ ضلالت نہیں ہے، جو کسی فرد یا جماعت کو امتِ محمدیہ سے باہر اور دائرۃ اسلام سے خارج کر دے، یہ تمام فرقے ان تمام اختلافات کے باوجود اسلام ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے ماننے والے مسلمان ہی کہلاتے اور سمجھے جاتے ہیں۔

مگر

اس دنیا میں دو ایسے گروہ بھی پائے جاتے ہیں، جن کے مسلمانوں بھیجے نام ہیں، اللہ جو اپنی تفسیر و توحید میں قرآن و حدیث اور اسلامی ادب کی دوسری کتابوں سے استدلال کرتے ہیں، لیکن وہ امتِ محمدیہ سے خارج اور اسلام کے دائرے سے باہر ہیں، ان میں سے ایک نسرۃ بہائی ہے، جو مسلمانوں سے بعض سرسری مشابہتوں کے باوجود اپنے کو مسلمان نہیں کہتا اور نہ خود کو۔ امتِ محمدیہ میں شامل جانا ہے بلکہ وہ اپنے کو دوسرے مذہبوں کی طرح جدا گانہ مذہب سمجھتا ہے، ابہائی اس معاد میں پیچھے ہیں کہ وہ اپنے کو مسلمان جانتا کہ اسلام کا بہروپ دھار کر اپنے مسلک و مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت نہیں دیتے، اس کے برعکس دوسرا گروہ قادیانیوں کا ہے، یہ لوگ مرزا غلام احمد کو نبی تسلیم کرنے کے بعد امتِ محمدیہ میں شامل نہیں رہتے اور دائرۃ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کا دعویٰ یہی ہے کہ وہ مسلمان ہیں بلکہ اسلام کے حقیقی نمائندے وہی ہیں۔

اس تکلیف دہ بحث کو چھوڑنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوتی کہ پاکستان میں پچھلے چند سالوں سے قادیانیوں کی جواہری بہت بڑھ گئی ہیں اور وہ کھل کر مسلمانوں کو اپنے مسلک کفر و ضلالت کی دعوت دینے لگے ہیں، ہمارے پاس بھی کچھ دنوں سے ان کا لٹریچر آ رہا ہے جسے پڑھ کر جو درد حالی تکلیف اور سببی اذیت ہوتی ہے، اس کا اظہار الفاظ میں نہیں ہو سکتا، ہم نے ان لوگوں کو سختی کے ساتھ کھٹاکر اپنی خرافات ہمارے پاس نہ بھیجا کریں، قادیانیوں کو امتِ محمدیہ سے باہر اور اسلام کے دائرے سے خارج سمجھتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کا نام نہ کر دین میں جو نفرت پیدا ہوتی ہے، اتنی نفرت اب جس اوراد یا سید کا نام نہ کر بھی نہیں ہوتی، اسی عقیدے پر ہم اپنا خاتمہ پاتے ہیں۔ ہمارے اس لکھنے کے باوجود احمدیہ بلڈ گیس کا ہمد سے ”میکے“ نامہ پمفلٹ آتے رہتے ہیں، حال ہی میں عبداللہ خان عمر کے نام سے ایک ”نصیحتہ“ آیا ہے، جو

معاملہ چلتا رہا پھر یہ بات پھوٹ نکلی، یہاں تک کہ حکومت کو اس فتنہ کا علم ہو گیا۔

حکومت کے احتساب کار تک دیکھ کر پاک پٹن کے وہ قادیانی تاجروں کو فرار ہو گئے، مگر وہ عرب جو قادیانیوں سے میل جول رکھتے تھے پکڑے گئے، پولیس نے کچھ رجسٹر بھی برآمد کئے جن میں ان لوگوں کے نام لکھے تھے جن کو یہ قادیانی سوداگر تھوڑا دیا کرتے تھے۔ بے پڑے لکھے دو لوگوں کو تو حکومت نے باز پرس کے بعد چھوڑ دیا، مگر وہ عرب جو لکھنا پڑنا جانتے تھے، ان کو کچھ قید و بند میں رکھا کہ تم ان کے لاپٹ اور دھوکے میں کیسے آ گئے؟ انہوں نے اپنی صفائی میں یہی کہا کہ یہ "نفقہ" مرزا غلام احمد کا ہم سے ذکر کیا کرتے تھے کہ اس شخص نے اسلام کی حریت کی ہے، بس اسی حزمک ہم جانتے ہیں، ہمیں اور کسی بات کا پتہ نہیں، چند دن کے بعد یہ لوگ چھوڑ دئے گئے اور اس طرح قادیانی فتنہ کا بالکل شروع ہی میں سب روپ دیا گیا کہ۔۔۔

سب چشمہ باید گر بن یہ میل

سلطان ابن سعود حرم کے دور حکومت میں کسی قادیانی کے جھانڈا آنے کی حکومت کو اطلاع ملی تھی، جب وہ قادیانی جہدہ میں آیا تو اسے گرفتار کر لیا گیا اور پھر جہدہ سے بالا بالا ٹونا دیا گیا کہ حدود حرم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آئق داخل ہو سکتے ہیں، مرزا غلام احمد قادیانی کے آئق قدم نہیں رکھ سکتے۔

مغربی ممالک میں عیسائی ان قادیانیوں کے دام ترویج میں اسلام ہی کے نام پر آ جاتے ہیں، یہ فتنہ ساز شروع میں مرزا غلام احمد قادیانی کا نام مسلمانوں کے ایک ہیرو کی حیثیت سے ان کے کان میں ڈال دیتے ہیں، جب کوئی عیسائی اسلام قبول کر لیتا ہے تو پھر اُسے یہ باور کراتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کو نبی یا مجدد ماننا اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے بس وہ بے چارہ دین سے ناواقفیت کے سبب ان کے چکر میں آ جاتا ہے، مگر جو مسلم اس حقیقت سے باخبر ہو جاتے ہیں وہ ایک منٹ کے لئے بھی قادیانیوں کے کمپ میں نہیں رہ سکتے! عام مسلمانوں کی اس بدگئی کو دور کرنے کے لئے لارڈ ڈسہیڈ نے فاروق نے جب ہندوستان کا دورہ کیا تھا تو انہوں نے کھلے خزانے اعلان فرمایا تھا کہ میں مسلمان ہوں قادیانی نہیں ہوں۔ قادیانی عام مسلمانوں کو ایک اہم معاملے میں جیتے ہیں کہ اپنے مذہب کو "سلسلہ احمدیہ" اور مرزا غلام احمد کو "بانی سلسلہ" سمجھتے ہیں مسلمانوں میں طریقت کے جو چار سلسلے رقادہی، نقشبندی، چشتی اور بہروردی اپنے جاتے ہیں کیا "سلسلہ احمدیہ" بھی اُسی قبیل کا کوئی سلسلہ استخار ہے! پھر مسلمانوں میں جو فقہی مذاہب پائے جاتے ہیں "قادیانیت" اُس طرح کا کوئی فقہی مسلک و مذہب بھی نہیں ہے! یہ سلسلہ "نہیں ایک نبی کا ذب کی مستقل امت ہے!"

یہ کروار۔۔۔!؟
ہمارے پاس احمدیہ بلڈنگس لاہور سے عبدالمنان مگر نے جو فیمہ ہمارا مرد روح اسلام (راہ مارچ) بھیجا ہے وہ چار درتوں پر مشتمل ہے اور شروع سے لے کر آخر تک وصل و فریب اور غلط قسم کی تادیلات کے سوا اور کچھ نہیں ہے!

اس سے کس اہل ہوش و دانش صاحب ایمان و یقین کو انکار ہے کہ ہر دور میں امام، مجددین اور مصلحین پیدا ہوتے رہیں گے، مسیح موعود بھی تشریف لائیں گے اور امام مہدی بھی!

مگر

غلام احمد قادیانی نہ مجدد تھا نہ مصلح تھا نہ امام وقت تھا، نہ مسیح موعود اور امام مہدی تھا یہ شخص جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے مرتد اور خارج اسلام ہو گیا اور جو کوئی فرد یا ادارہ اس شخص کی امامت، مجددیت، مہدیت، مسیح موعودیت اور نبوت کی طرٹ لوگوں کو بلاتا ہے وہ خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے!

غلام احمد قادیانی کی شاعری گھٹیا درجہ کی شاعری ہے البتہ یہی حال اس کی آمدنشر کا ہے، البتہ اگر غلام احمد قادیانی نے اصل و نسب کی نصاحت و بلاغت اور "جماع الکلم" جنابت فرماتے ہیں اور انبیا و کرام شاعری بھی نہیں کیا کرتے یہ ان کے مرتبہ اور مقام سے فروتر چیز ہے۔ اس کے علاوہ مرزا نے قادیان کے جو حالات اور اقوال ملتے ہیں ان میں نہ وہ پاکیزگی اور اولوالعزمی نظر آتی ہے جو مجددین اور مصلحین وقت کے یہاں پائی جاتی ہے نہ اس میں بلند معنی فکر ملتی ہے اور نہ حریت خیال، مرزا غلام احمد قادیانی نے پنجاب کے لعنت گورنر کو بدخواستیں دی تھیں ان کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے :-

— میں دو بے سے گورنمنٹ کی خدمت میں اطلاع دیتا ہوں کہ بہ اعتبار مذہبی اصول کے مسلمانوں کے تمام فسر قول میں سے گورنمنٹ کا اول درجہ کا وفا دار اور جہاں نشاں یہی نیا فرقہ ہے، جس کے اصولوں میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لئے خطرناک نہیں۔

— جو باتیں اس فرقے کے لئے میں نے کی ہیں بن کو میں نے اتنے سے کہہ کر اچھا چاہ کہ ہر ایک مرید کو دیا ہے کہ ان کو اپنا دستور العمل رکھے۔۔۔۔۔ ان باتوں کو پڑھ کر۔۔۔۔۔ گورنمنٹ کو معلوم ہو گا کہ کیسے اس کٹن اصولوں کی اس جماعت کو تعلیم دی جاتی ہے، اور کس طرح بار بار ان کو ناکیدیں کی گئی ہیں کہ وہ گورنمنٹ برطانیہ کے بچے خیر خواہ اور مطیع رہیں۔

— یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نمک پر درودہ اور نیکیاں حاصل کر رہی اور صمد و مراحم گورنمنٹ ہے۔

— ہماری قریبی دعا ہے کہ خدا اس گورنمنٹ کو جزائے خیر دے اور اس سے بچی کرے جیسا کہ اس نے ہم سے بچی کی یہی وجہ ہے کہ میرا باپ، میرا بھائی اور خود میں روح کے جوش سے اس بات میں مصروف رہے کہ اس گورنمنٹ کے فوائد و احسانات کو عام لوگوں پر ظاہر کریں اور اس کی اطاعت کی فرضیت کو لوگوں کے دلوں میں جما دیں البتہ وجہ ہے کہ میں اتحادہ برس سے ایسی کتابوں کی تالیف میں مشغول ہوں کہ جو مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی محبت اور اطاعت کی طرف مائل کر رہے ہیں۔۔۔۔۔

انگریزوں کو اسلام اور مسلمانوں سے محبت کہ اور عداوت ہے، وہ کسی ثبوت کا محتاج نہیں ہے، انگریزی حکومت کی چال بازی ایسی سب پر روشن ہے جس شخص نے ایسی مشتبہ اور اسلام دشمن حکومت کی "اطاعت کی فرضیت" لوگوں کے دلوں میں جمانے اور مسلمانوں کے دلوں کو انگریزی حکومت کی محبت و اطاعت کی طرف مائل کرنے کے لئے اتحادہ برس تک بیاضت و محنت کی ہو، اس شخص کے کردار و میرت کے بارے میں کیا کوئی اچھی مائے قائم کی جا سکتی ہے؟ قرآن کریم میں جس "اول الامر" کی اطاعت کا حکم ہے اس کا مسلمان ہونا لازمی ہے، جو شخص "انگریز کی اطاعت" کو منصفوں اور فرض سمجھتا ہو، اس کی دینی فکر کس قدر پست، سطحی بلکہ غیر اسلامی ہے، کیا امام وقت اور مجدد انسان کا ایسا ہی کردار انسان کی شکست فرست اسی قسم کی جوا کرتی ہے۔ جو فرقہ انگریزی حکومت کا "نمک پر درودہ" ہو، جس کی اطاعت و عداوت ہی اس فرقہ کا ہانی، اور پشواؤ کا ہوتا ہو اور لعنت گورنمنٹ کی خدمت میں درخواستیں بھی کر اپنی نیاز مندی کا یقین دلاتا ہو۔۔۔۔۔ اس سے اندازہ کر لیجئے کہ وہ "فرقہ" کیا ہو گا اور اس کے بنانے والے کے قول و کردار کی سطح کیا ہو گی؟ قادیانیت نے دہاں انگلینڈ کے سایہ عاطفت میں نشو و نما پائی ہے اور اس امت کے "نبی کا ذنب" کی عمر کا خاصہ حصہ انگریز کی قصیدہ خوانی، دغا داری اور دنیا دہی میں بسر ہوا ہے، ہم مسلمانوں کو جنہوں نے انگریزی سامراج سے نکولی ہے اس شخص کی خود ساختہ نبوت، مسیحیت امت

وہ نبوت طلب کرنے والا کا فرج نہ جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ اس مسلمان کا نہ ختم نبوت پر ایمان نہیں، جسے تو وہ
ملی نبوت (معتنٰی) سے نبوت نبوت طلب کرتا ہے اسلئے ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ نئی
کے ظہور بعثت کے امکان کو ماننے کے بعد وہ مسلمان کا فرج ہو گیا۔

بالکل سامنے کی بات یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت کا بھی ظہور صحابہ کرام کے نزدیک ممکن
اور جائز ہوتا تو دور خلافت میں جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اُن سے جنگ کر کے، انہیں قتل نہ کیا جاتا بلکہ پھانسی کے حالات معلوم
کئے جاتے، اُن کی زندگیوں کو بچا اور پرکھا جاتا، اُن سے نبوت بعد ماورن اللہ ہونے پر گفتگو کی جاتی۔ مگر صحابہ کرام جو نبوت نبی آخر
کے بعد کسی نئے نبی کے ظہور و بعثت کے قائل نہ تھے، اس لئے انہوں نے صحابان نبوت کو کاذب مفسد و فحش و اذی و عریض خاتم النبیین سمجھ کر اُن سے مجاہدہ و قتال
کیا اور کافروں اور مرتدوں کی طرح اُن سے جنگ کی جس طرح حضرت زید اللہ ثانی کے موافق دوسرے لوگوں کو اور ابودراث نہیں کر سکتی اس طرح حضرت نبوت
حضور سید المرسلین حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی نئے نبی کے ظہور کو اور ابودراث نہیں کر سکتی اس سلسلے میں جو کوئی قائل رہتا اور دلائل
سے کام لیتا ہے وہ منافق ہے۔

معاذی اللہ جن سب میں بدعتی چاہتے اہانت کو نزع و عدال بجانا چاہتے وہ بھی اختلافات میں جو کوئی رقیب دین، امین بالہر اور فرقہ و فرقہ خلف الامام
پر ہر گاہ بپا کرتا ہے وہ امت میں اختلاف ڈالنے اور انتشار و تفریق کے جرم عظیم کا اندکاب کرتا ہے :

مگر

ختم نبوت کا مسئلہ کوئی فروعی فقہی مسئلہ نہیں ہے، یہ تو ایمانیات کا بنیادی مسئلہ ہے اس کے نہ ماننے سے ایمان و اسلام کی نفی ہوتی ہے !
امت مسلمہ میں سب سے بڑا اختلاف و افتراق تو مرز و ملام احمد دانی کا پیدا کیا ہوا ہے کہ نبیؐ کے بعد نبیؐ کی بعثت جائز ہے۔ یہ فتنہ جو اپنی تبلیغ کر سکتا ہے اپنے مسلک
کفر و ضلالت کی طرف مسلمانوں کو لے سکتا ہے اور اس کی ضلالت و تفریق کی تبلیغ کر سکتی ہے اور وہ حق نہیں تو اس فتنے کی تردید کیا مسلمانوں کو حق میں ہیں؟ جو نبی نبوت کی تردید
جو کوئی ملک میں تفریق و انتشار پیدا کرنے کا سبب سمجھتا ہے اُسے اپنے ایمان اور اسلام کا جائزہ لینا چاہیے۔

فساق و فجار اور کافروں کو بھی کبھی کبھار سچا خواب نظر آ سکتا ہے اور کافروں، مجرموں اور جو شیروں کی پیشین گوئیاں بھی
ٹھیک ثابت ہوتی ہیں، ان باتوں کی اہمیت - ایمان کے ساتھ ہے۔ کفر کے ساتھ ان کا کوئی وزن اور اہمیت نہیں ہے، تو جو شخص حضور
خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد "نبوت" کا دعویٰ کر کے کافروں و مرتدوں کو چکا اُس کے کسی سچے خواب کا نہ تو کوئی وزن ہے اور نہ
اُس کی کسی پیشین گوئی کا درست ثابت ہونا، اُس کے دعوئے نبوت کے "کذب" اور کفر و ارتداد کو ہلکا کر سکتا ہے اس کے علاوہ جھوٹے نبی
کے ماننے والے روپائے ہمارے ہمارے اور پیش گوئیوں کے بارے میں بھی مخالفہ آمیز تاویلوں اور کذب و افتراء سے کام لیتے ہیں۔

جہاں تک امامت اور تجدید و اصلاح کے منصب کا تعلق ہے امت کی نگاہ اُن شخصوں کی طرف جاتے گی جو مسلمان ہیں، عالم دین
ہیں، صاحب تقویٰ ہیں، جن کی زندگیوں میں وہ خوبیاں ملتی ہیں جو اسلام کو مطلوب اور اللہ اور رسول کے نزدیک پسندیدہ ہیں !

امام الانبیا، قدوة الاصفیاء، سید المرسلین، خاتم النبیین حضرت سیدنا و مطہرنا محمد صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام (رحمۃ اللہ
الہی و امی) پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کے سلسلہ کو ختم فرما دیا اب قیامت تک کسی قسم کا بھی کوئی نبی نہیں آئے گا یہ امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے۔
اس کی معافی میں کسی مدعی نبوت کی طرف جب بھی کوئی دعوت دی جائے گی اُس سے دین و ملت میں انتشار پیدا ہوگا اور اس فتنے کی تردید
اور رد کا تمام کرنا مسلمانوں پر واجب ہوگا، قادیانیوں کے تازہ لٹریچر کے جواب میں ہم نے اس فریضہ کو ادا کیا ہے !

بہارِ انصاری

از: حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مدظلہ العالی
تخلیف ترجمہ: عزیز الرحمن سواتی
تعلم دارالعلوم کراچی

خسکا

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو تختیں نہیں بنایا اور ہم
ہی نے تم کو چٹا بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز
بنایا اور ہم نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش
کا وقت بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے
اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں
سے کثرت سے پانی بھریا تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ سے غلہ
اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں۔

بلشبہ آسمان کے اور زمین کے بنانے میں اور ان کے بعد بگڑے رات
اور دن کے آنے میں اور چاندوں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں اور مریں
کی نفع کی چیزیں لے کر اور پانی میں جس کو اللہ نے آسمان سے برسایا
پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا اس کے خشک ہونے چھپے اور ہر قسم
کے حیوانات اس میں پھیلے گئے اور پہاڑوں کے بدلنے میں اور ابر میں
جو زمین و آسمان کے درمیان مقید ہوتا ہے۔ دلائل میں ان لوگوں
کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اور پتلے پیدا
کئے اور ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چلنے بنایا، اور
اللہ نے تم کو زمین سے ایک خامو طہرہ پیدا کیا پھر تم کو ہر زمین
ہی میں لے جائے گا اور تم کو ہر لے آوے گا۔ اچھا بھریہ تباہ
تم ہو مٹی پر بنائے ہو اس کو تم آدھی بنا تے ہو یا ہم بنائے دئے ہیں
ان آیتوں کو بار بار پڑھئے اور اس کائنات میں غم کیجئے زمین و آسمان کی یہ عجیب و غریب مخلوقات، قسم قسم کے حیوانات یہ طرح طرح کے

السم نجعل الارض مہاداً والجبال اوتاداً و
خلقناکم ازواجاً وجعلنا فوکم مہباتاً وجعلنا
الیل لباہاً وجعلنا النہاس معاشاً وینبیا فرقکم
سبعاً بشدا واداً وجعلنا سلجاً وھا جاجا
وانزلنا من المعصرات ماء شجا جالنفج ج
بہ سجا ونباتاً وجناپ العافا ۵

ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل
والنہاس والفلک التی تجری فی الہیما یمانیف الناس
وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض
بعد موتھا وبث فیہا من کل دابة وقرر فیہا الریح
والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات
لقوم یعقلون ۵

السم نروا کیف خلق اللہ سبع سموات طباقاً و
جعل القمر فیہن نوراً وجعل الشمس سراجاً ۵
واللہ انبتکم من الارض نباتاً ۵ ثم لیسکم
فیہا ویحجکم اھا جاجا ۵ افراء یتیم ما مئنون
انتم تخلقون ۵ ام نحن الخالقون -

ان آیتوں کو بار بار پڑھئے اور اس کائنات میں غم کیجئے زمین و آسمان کی یہ عجیب و غریب مخلوقات، قسم قسم کے حیوانات یہ طرح طرح کے

مسبزو نہ اور کائنات کا یہ مضبوط اندلس چلتا ہوا نظام جو نہ کبھی ٹوٹتا ہے اور نہ کبھی اس میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے، کیا یہ سب کچھ از خود ہوتا ہے؟ کیا یہ عجیب غریب نظام کسی پیدا کرنے والے سے بے نیاز ہے؟ اگر آپ کے دماغ میں کوئی فتور نہیں ہے تو آپ ان سوالات کا جواب ضرور نفی میں دیں گے، بلکہ آپ یقین کر لیجئے مجبور ہو جائیں گے کہ یہ کائنات خود کسی عظیم فرمانبردار کے تابع ہے اور اسی کی تدبیر و تصرف سے اس کا یہ نظام قائم ہے یہی بات قرآن کریم کی ان آیتوں میں بھی بتلائی گئی ہے۔

اُمّی اللہ! تنگ فاطمہ السمرات والامراض؟

१५५

اللہ تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کے لئے انبیاء بھی بھیجے اور ان کے ہمراہ بھی بھیجے۔ انہوں نے مخلوق کو توحید کی طرف توجہ دلائی لیکن یہ کہیں نہیں کہا کہ تم صاف کا اقرار کرو اس لئے کہ یہ بات پہلے ہی سے ان کی عقلوں میں صرف موجود ہی نہیں بلکہ راسخ تھی جیسے ہی انہوں نے ہوش سنبھالا انسان میں عقل آگئی انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس کائنات کا ضرور کوئی پیدا کر نے والا ہے اس بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ان آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔

اور اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔

فانموجہمک للددین حنیفا فطرہ اللہم اتق فطر الناس
علیہما لا تبدیل لخلق اللہم ذالک الدین العقیم

پس یہ معاہدہ دینا ہی ہے ۔

علامہ اسماعیل شہید دہلویؒ فرماتے ہیں :-

۱۰۔ اس عالم میں غرر کرنے کے بعد کہ اس کا ایک شاندار نظام ہے ایک کامل اور مضبوط تدبیر سے یہ نظام چل رہا ہے اس میں بلند ولست اور غائب و حاضر کے درمیان ایک خاص رابطہ ہے، اس میں تم کلم کے تصرفات اللہ تعالیٰ کا ایک خوبصورت اور بہتر ثابت ہے پائی جاتی ہیں، ایک عقلمند آدمی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ ب کچھ ضرور کسی کے ادا سے ہے ہر ماہ ہے اگر ان واضح دلائل کے بعد بھی وہ اس صانع و مختار کا انکار کرے تو اس کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی شخص ایک حسین معنوں کو دیکھ کر کہ اس میں شاندار سے شاندار الفاظ بہترین ترتیب سے موجود ہیں اور اس میں تمام فنی خوبیوں کی رعایت رکھی گئی ہے، اور اس کے بعد وہ اس عبادت سے یہ نتیجہ نکالے کہ اصل میں ماخذ کو زندہ ہوا تھا اس وقت ماخذ میں تسلیم بھی موجود تھا تو اس زندہ کی وجہ سے علم نے غیر اختیاری طور سے کاغذ پر کچھ لکھا اور اتفاقاً طبع سے اچانک اس میں یہ شاندار ترتیب قائم ہو گئی، اگر نہ تو الفاظ میں کچھ ہے نہ وہ الفاظ غیر متناصب ہیں اور نہ اس میں کوئی غلطی پائی جاتی ہے، تو کیا آپ کے خیال میں ایسے شخص کو باطل خانہ نہیں بھیجا جائے گا؟ یا یہ مثال سے لیجئے کہ ایک شخص ایک عقیدہ مستند ہے جس میں وزن کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور طرح طرح کی صنعتیں اس میں موجود ہیں، فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر وہ پیدا ہوا ہے اور اس کے بعد وہ رائے قائم کرے کہ وہ اصل شعر دوسرے ہے چنانچہ اس کے منہ سے جہنیں نکل رہی تھیں اتفاق سے وہ جہنیں خارجہ سے نکلا کر الفاظ میں تبدیل ہو گئیں۔ الفاظ میں ایک خاص قسم کا تسلس پیدا ہو گیا اور پھر یہ شاندار ترتیب قائم ہو گئی، اس کے بعد خود بخود اس میں وزن اور قافیہ پیدا ہو گیا اور اسی طرح اتفاقاً ایک شاندار

تقصید بن گیا، نہ شاعر نے وزن و قافیہ کی طرف توجہ کی تھی نہ اس نے تقصید کہنے کا ارادہ کیا تھا۔ امدنہ اس نے اس تقصید میں قسم قسم کی صنعتیں پیدا کرنے کا خیال تک کیا تھا، کیا آپ اپنے معترضے میں ایسے عقلیت کا وجود برداشت کریں گے؟ ایک بدیہی سے پوچھا گیا تھا کہ صالح کے وجود کی دلیل کیا ہے؟ سبحان اللہ! کیا سازگار جواب دیا، کہنے لگا:۔

”اڈنٹ کی میٹلینز کو دیکھ کر اس سے ہم اڈنٹ کی موجودگی کا اندازہ لگاتے ہیں اور جب ہم کو کہیں پاؤں کے فوٹس نظر آتے ہیں تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہاں سے کوئی گزرا ہے، پھر کسان جس میں تارے جگمگاتے ہیں ادیب زمین جو دلکش لٹریچر و فراز سے معمور ہے ادیب سمجھیں کہ یہ پیکر مروجین اڈنٹ میں، کیا یہ ایک لطیف و خیر کے وجود میں دلالت نہیں کرتے؟“

امام زاد خان نے فحش کیا ہے کہ ایک دفعہ خطیفہ اردو رشید نے امام الگ سے وجود باری کی دلیل پوچھی تو آپ نے فرمایا: ”یہ قسم قسم کی برائیوں اس طرح کی آوازیں اور صدا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔“ خداوند کو فرمائیے دینا میں اڈنٹ میں ان میں سے ہر ایک کی آواز ایک ایک اپنے اس سے کم جگہ سے نکلتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان سب اڈنٹوں میں ایب فرق پیدا کر دیا ہے کہ سننے والے کو قطعاً شبہ نہیں ہوتا امدنہ ان میں واضح فرق محسوس کرتا ہے، فطرتوں اور لہجوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسا امتیاز پیدا کر دیا ہے کہ پھر ہر ایک لہجہ، عورت ہر ایک مرد، نوجوان ہر ایک بوڑھا، ہر ایک کی آواز کو جدا جدا پہچانا جاتا ہے امداس سے بولنے والے کا لہجہ، بیاچہ، مرد یا عورت ہونا معلوم کیا جاسکتا ہے، اس دنیا میں اڈنٹ انسان لیتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کی آواز دوسرے سے مختلف ہے کیا آپ اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب و غریب کرشمہ نہیں کہیں گے؟ کوئی شخص یہ کہہ کر کہ یہ شخص اتفاق ہے اپنی عقلیت ہی کا ثبوت نہیں دے سکتا، ایک ملحد نے امام ابو حلیفہ سے وجود صالح کی دلیل پوچھی، آپ نے فرمایا:۔

”مجھے تعویذی دیکھ لے بہت دور، کچھ لوگوں نے مجھ سے ایک بات کہی ہے میں اس پر غور کرنا چاہتا ہوں، چند لوگ آتے امدمجھ سے کہنے لگے کہ سمندر میں ایک بہت بڑی کشتی ہے اس میں طرح طرح کا سامان تجارت لدا ہوا ہے، نہ اس میں کوئی محافظ ہے امدنہ ملاح، وہ کشتی خود بخود چلتی ہے اور بڑی بڑی مریچوں کو پھاڑتی ہوئی نکل جاتی ہے، جہاں جانا چاہتی ہے ملاح کے بغیر اپنے لئے راستہ بناتی ہے اور پیچ جاتی ہے؟ وہ لوگ سن کر کہنے لگے کہ یہ تو کسی عاقل کے کہنے کی بات نہیں ہے، تو امام نے فرمایا:۔

”خدا کے بندو اغور تو کہو! یہ کائنات جس میں سورج اور چاند کا نظام ہے امدن میں کا جدا امداس میں قسم قسم کی عجیب و غریب چیزیں ہیں کیا ان کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں؟“

حافز امام صاحب کی اس حاضری حوائی اور شگوش استدلال کو سن کر بہت حیران رہے امدن ان کے اقدار پر اسام قبول کیا، ایک دفعہ امام شافعی سے وجود صالح کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

”یہ دیکھئے! آت کہتہ ہے یہ ایک ہی ذائقہ رکھتا ہے، لیکن اس پر کہ کوئی لکھتا ہے تو اس سے لیٹھ نکلتا ہے اور جب شہد کی کھس اس کو کھاتی ہے تو اس سے شہد بنا دیتا ہے اور جب اس پر کہ کوئی لکھتی ہے، امدوسرے چاند نکلتے ہیں تو یہ میٹلینز امدلیٹ کی شکل اختیار کر لیتا ہے، امدہرلی جب اسے کھاتی ہے تو یہی شہد بن جاتا ہے، حالانکہ

پتہ وہی ایک ہے معلوم ہوا کہ اس میں یہ خاصیت از خود نہیں آتی بلکہ کسی کے پیدا کرنے سے آتی ہے۔

یہی سوال امام احمد بن حنبل سے بھی کیا گیا تھا آپ نے فرمایا تھا: —

”یہ دیکھئے! ایک مضبوط اور چٹا قلعہ ہے جس میں نہ کوئی سوراخ ہے اور نہ دروازہ، اس کا خراب کاری کی طرح سفید چمکدار ہے اور اندر کا حصہ سونے کی طرح نمد نہرا ہے، اچانک اس قلعہ کی دیوار پھٹ جاتی ہے اور اس میں سے ایک خوبصورت انکشیریں آواز دلا دلا جاتا تو کل آتا ہے جو چلتا پھرتا بھی ہے اور منٹا دیکھتا بھی ہے۔“
(امام کی مراد اللہ ہے)

کیا آپ اسے اتفاق کا نتیجہ کہیں گے؟ قطعاً نہیں یہ ضرور کسی مقدر و صالح کی قدرت سے ہوا ہے، تعجب کی بات ہے لوگ ان کھلی ٹانگیوں کے بعد بھی اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز میں اس کے واحد و یکتا ہونے پر دلالت کرنے والی علامات و دلائل موجود ہیں، — (علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں یہ اقوال نقل کئے ہیں)

توحید خداوندی کے دلائل
وہی یہ بات کہ صالح کی توحید کی کیا دلیل ہے تو ہم اس وحدانیت کو بے پہلے ایک عقلی دلیل سے ثابت کرتے ہیں، اصطلاح میں اس دلیل عقلی کو برہان تالیع کہا جاتا ہے، قرآن کریم میں وحدانیت کو اسی برہان تالیع کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے علامہ گلشنیؒ فرماتے ہیں کہ تالیع کے دو معنی بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ صالح متعدد ہیں ان میں سے ایک مقدر اور مغضوب کے وجود کو چاہتا ہے اور دوسرا اس کی نفی اور عدم کا قضا کرتا ہے، علامہ فرماتے ہیں کہ صالح برہان تالیع کا اطلاق ان ہی پر ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ صالح کثیر ہیں اور ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ ہر چیز میں ہی اس مقدر کو پیدا کر دوں، دوسرا ”خدا“ اس کے پیدا کرنے میں قطعاً کوئی دخل نہ دے، ظاہر ہے کہ ایک چیز دو قاعدوں کا استقلال مستقلاً مقدر نہیں بن سکتی، متکلمین جو کہتے ہیں کہ اگر خدا کوئی مان لے جائے تو ممکنات میں سے کوئی چیز جو دیں نہیں آسکتی اس کا مطلب یہی ہے کہ اس صورت میں یا تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے، یا ایک مقدر پر دو قاعدوں کا عمل کہنا لازم آتا ہے اور یہ دونوں باتیں محال ہیں۔

اس وجہاً کے بعد ہم اس دلیل کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں — اس دلیل کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ایسے دو خدا مان لئے جائیں جن میں ہر ایک کا ال طریقہ سے کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو ایسی صورت میں ان دو خداؤں کے درمیان تنازع لازم آئے گا۔ اور یہ باطل ہے اس لئے کہ اگر وہ دو خدا متافقیں یعنی ان میں سے ہر ایک یہ چاہے کہ میں ہی اس مقدر کو دوسرے خدا کی شرکت بے بغیر پیدا کر دوں تو ایسی صورت میں یا تو وہ مغضوب پایا ہی نہ جائے گا یا پھر ہر ایک کی قدرت سے یعنی شرکت سے موجود ہوگا اور ایسا ایک ہی خدا اس کا صالح ہوگا اور اسی کی ایجاد سے وہ موجود ہوگا دوسرے خدا کو اس کی ایجاد میں کوئی دخل نہیں ہوگا، یہ تینوں صورتیں صحیح نہیں ہیں، پہلی صورت میں تو ظاہر ہے پایا ہی نہ گیا، دوسری صورت میں بھی اس کا وجود ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ جب ان میں سے ہر ایک کا ال خدا ہے اور ہر ایک کو مستقلاً اپنے اسادے کے نافذ کرنے کا کل اختیار ہے تو ایسی صورت میں کسی چیز کا دونوں کی شرکت سے عرض وجود میں آنا دونوں کی کمر دکھا اور بکلی علامت ہے، چونکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنے اسادہ کو پھانہ کر سکا بلکہ وہ چیز دونوں کے اشتراک سے موجود ہوئی، ایسی صورت میں وہ دونوں کا طریقہ سے ”خدا“ کہلانے کے مستحق نہیں ہو سکتے، حالانکہ شروع میں ہم مان چکے تھے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا ال طریقہ سے قادہ ہے اور ہر ایک کو اس کا کل اختیار ہے کہ وہ مستقلاً بلا شرکت غیر سے اپنے اسادے کو برپا کرے، تیسری صورت بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جب اس مقدر کو صرف ایک خدا نے پیدا کیا اور دوسرے نے پیدا نہ کیا حالانکہ وہ دونوں خدا تھے اور اس کو

پیدا کرنا چاہتے تھے تو عدم ہوا کہ اس دوسرے میں پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں تھی اور وہ قادر نہیں تھا لہذا یہ بھی خدا نہیں ہو سکتا جب لازم کا بطلان ظاہر ہو گیا تو لزوم یعنی کئی خداتوں کے ہوتے جانے کا بطلان بھی واضح ہو گیا، اور وحدانیت ثابت ہو گئی اب یہ بات ہدیٰ طرح واضح ہو گئی کہ بالعرض اگر تعدد کی صورت میں مغضوب پایا جائے گا تو روحانیوں میں سے ایک امکان لازم آئے گا کہ — کیا تو امکان توادد لازم آئے گا اور یا اسکان تریج بلا مزج تفصیل باقیل میں آچکی ہے اس تفسیر کے بغیر ان کی کیم کی اس آیت پر غور کیجئے۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلُ اللَّهِ لَفَسَدَتَا

یعنی اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو یہ دونوں فاسد ہو جاتے۔

عام طور سے اس دلیل کو اتنا ہی سمجھا جاتا ہے لیکن اگر اس آیت میں "فساد" کے معنی یہ لئے جائیں کہ "وہ دیکھ ہی میں نہ آئے" تو یہی دلیل قطعی بھی ہو سکتی ہے،

توحید کی ایک اور دلیل

توحید باری تعالیٰ ایک اور دلیل بھی بیان کی جاتی ہے جو بہت واضح اور محقول ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا میں جب بھی ایک جنس کی دو چیزیں پائی جاتی ہیں تو ان میں بعض باتیں مشترک ہوتی ہیں اور بعض باتیں مختلف، فرض کیجئے تئید اور دکان ہیں، ان میں بعض باتیں تو مشترک ہیں، مثلاً یہ کہ دونوں انسان ہیں، دونوں مرد ہیں، دونوں چلنے پھرنے پر قادر ہیں، دونوں کے جسم میں آنکھیں، کان اور ناک موجود ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی بعض چیزیں یقیناً مختلف بھی ہیں، مثلاً یہ کہ ایک نرید ہے، دوسرا نر، نرید خالک کا بیٹا ہے اور نر محمود کا، نرید غفلت مند ہے، نر انا ہر شیا نہیں ہے، نرید مالدار ہے اور نر مفلس اور غریب ہے، اگر ان دونوں میں اس قسم کا کوئی اختلاف نہ ہو تو یہ دونوں نہیں رہیں گے، ایک بن جائیں گے، جو باتیں ان میں مشترک طور سے پائی جاتی ہیں انہیں مطلق کی اصطلاح میں "ما بہ الاشتراک" کہتے ہیں اور جو باتیں مختلف ہیں انہیں "ما بہ الامتیاز" کہا جاتا ہے، آپ اس کائنات کی کسی بھی دو چیزوں کے لیجئے، ان میں بعض چیزیں ما بہ الاشتراک ہونگی اور بعض چیزیں ما بہ الامتیاز۔

اس بات کو سمجھنے کے بعد دیکھئے کہ اگر اس کائنات میں ایک سے زیادہ خدا ہوتے جائیں تو لا محالہ ان دونوں میں کچھ چیزیں ما بہ الاشتراک ہونگی جو دونوں میں مشترک طور سے پائی جائیں گی، اور کچھ چیزیں ما بہ الامتیاز ہونگی جو ایک میں پائی جائیں گی، دوسرے میں نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان ما بہ الامتیاز کیا ہوگا؟ یعنی وہ کون سی چیز ہوگی جو ایک کو دوسرے سے متماز کرے گی ظاہر ہے کہ ان کی ماہیت و حقیقت کو ما بہ الامتیاز نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ہم دونوں کی ماہیت و حقیقت ایک ہی مان چکے ہیں کہ وہ دونوں خدا ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ ما بہ الامتیاز ان کی کوئی صفت ہوگی تو سوال یہ ہے کہ کیا وہ صفت صفت کمال ہے یا صفت نقص اگر وہ صفت کمال ہے اور خدا علیین پائی جا رہی ہے تو ظاہر ہے کہ خدا عا میں یہ صفت کمال نہ ہوگی دیکھیں کہ یہ صفت ما بہ الامتیاز نہیں ہے بلکہ ما بہ الامتیاز ہے اس صفت میں لازم آئے گا کہ خدا ایک صفت کمال کے محروم ہے اور وہ خدا کیا ہوگا جسکی صفت کمال سے محروم ہو؟ اور اگر آپ یہ کہیں کہ وہ صفت نقص ہے جو خدا عا کو خدا عا سے متماز کرے گی تو اس سے خدا عا تو نقص سے محروم رہے گا لیکن لازم آئے گا کہ خدا علیین ایک نقص پایا جائے اور اس ذات میں کوئی نقص ہوئے خدا کیجئے کہا جاسکتا ہے؟

اسدگر یہ کہا جائے کہ خدا عا کو کوئی جزء اسے خدا عا سے متماز کرے گا ہے تو اس سے سلام آئے گا کہ خدا اجنا سے مرکب ہے، حالانکہ خدا میں اجنا نہیں ہوتے اس لئے کہ ہر مرکب اپنے وجود میں اپنے اجزاء کا متحد ہوتا ہے ان اُس وقت تک وجود میں نہیں آسکتا جب تک کہ اس کے اجزاء یعنی سر، پیرو، ہاتھ، پاؤں وغیرہ نہ ہوں اس لئے وہ ان اجزاء کا متحد ہے، دھتھاس دھتھاس تک دھتھ نہیں کہلا سکتا جب تک کہ اس میں تنہا نہ ہو شہیدان نہ ہوں، اجزاء دھتھہ ہوں، اگر آپ خدا کے اندر بھی اجزاء فرض کریں گے تو لازم آئے گا کہ خدا اپنے وجود میں اپنے اجزاء کا متحد ہو جائے گا لاکہ خدا کی صفت نہیں ہوتا اس لئے کسی جز کو کسی ما بہ الامتیاز نہیں بنایا جاسکتا جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ خداوں میں کوئی چیز ما بہ الامتیاز نہیں بن سکتی تو لا محالہ ایک سے زیادہ خدا کا وجود بھی باطل ہو گیا اس لئے کہ دوسرے میں بغیر ما بہ الامتیاز کے نہیں پائی جاسکتیں۔

مولانا محمد مصطفیٰ
(علی گڑھ)

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

۹۔ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن سے تمام مخلوق حق کہ افضل المخلوقات یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کا بھی عاجز و دہانہ و محتاج و مگلا الہی ہونا ظاہر ہوا کیونکہ صاحبِ قدرت کاملہ کو مدد مانگنے کی کیا حاجت ؟
۱۰۔ اور اِیَّاكَ نَسْتَعِیْم سے تمام مخلوق کا عالم الغیب نہ ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ جیسے علم غیب حاصل ہے اُسے مراعاتِ تقسیم دینا کرنا چاہئے ضرور ؟

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ علم محیط اور قدرت کاملہ خصائص حق تعالیٰ سے ہے اور ہونا بھی چاہئے ، اس لئے کہ قدرت کا تعلق فعل اور فعل سے ہوتا ہے اور فعل و عمل کا سرزد ہونا بعینہ علم کے ، معلوم ، پس جب قدرت کاملہ ہوگی تو علم بھی محیط و کامل ہوگا اور جب تمام مخلوق عاجز و بھری تو علم محیط یعنی علم غیب کے بھی بے بہرہ ہوگی ، چنانچہ عارفِ معارف الہیہ صاحبِ علوم لدنیہ : ”الراستخین فی العلم ، افضل الرس والکاملین فی العلم سینا“ مولانا محمد مصطفیٰ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلامہ کو ارشاد باری ہوتا ہے :
”وَقَدْ لَا اَمَلَكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا اَلَا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَنُكِنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سَتُكْثِرُتْ مِنْ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنِيَ اَمَةً رَّحْمَةً“
کہ دیکھئے اسے نبی کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر یہ کہ اللہ چاہے اور میں علم غیب رکھتا تو بہت کچھ
خیر و نفع حاصل کر لیتا اور مجھے نقصان و ضرر نہ پہنچتا۔

صاف طور پر قدرت کاملہ اور علم غیب کی نفی ہوئی ہے ، حیرت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے خاصانِ خدا کے بارے میں یہ علم غیب کا عقیدہ جو سراسر لغوی قرآنی اور تعریجاتِ ائمہ شریعت و طریقت کے خلاف ہے ، امتِ مروجہ کے بعض افراد نے کہاں سے اخذ کیا ، انصاف شرط ہے کہ جب خصائصِ نبوت سے اپنے تئیں متصف کرنا غلامان و شبیدنیانِ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ ، والتسلیم کے لئے بھی قابلِ گرفت ہے تو پھر کیا خصائصِ الوہیت سے حضراتِ انبیاء و اولیاء کو متصف سمجھنا کم از کم اتنا بھی قابلِ مواخذہ نہیں ، بلکہ ، قاعدہِ توحید چاہتا ہے کہ اور بھی زیادہ مذموم ہے کیونکہ پہلی صفت میں مخلوق کی مماثلت مخلوق سے ہوئی اور وہ دونوں متناہی خواہ ایک اسفل بھی اور دوسری اجل ، اور دوسری سطح میں مخلوق کی مماثلت خالق سے ہوئی حالانکہ مخلوق متناہی اور خالق لامتناہی ہے۔
”اَشْأَاكَ كَسْ نَشْرُو دَام بَارِ حِیْس“
کایں جا ہمیشہ با و بدست است دام را

مذہبِ نصیبہ بدمذہبِ برصیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔

منزلاً من شریک فی محاسنہ فخرہ حسن فیہ غیر منقسم

یعنی محسنِ ظاہری و باطنی میں سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا شریک و ہم سر کوئی بھی نہیں ۔ چونکہ اس اسلوب بیان سے شبہ ہو سکتا ہے کہ کہیں آپ خدا تو نہیں ہیں (لَعَلَّہُ اللہ منہ)
لہذا اس دہم و شبہ سے بچانے کے لئے آگے فرماتے ہیں ۔

والحکم بما شئت مدحا فيه واحتكم
والنسب الى تدرج ما شئت من عظم
حد فيصا ب عنه ناطق بضم

دع ما اقرعته النصارى في بينهم
والنسب الى ذاته ما شئت من شت
فان فضل رسول الله ليس له

یعنی جس طرح نصاری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خصائصِ الوہیت کا دعویٰ کیا، تم ایسی باتیں نہ کرنا اور اس کے علاوہ اور جوڑے سے بڑے روحانی نعنائیں اور کمالات ہو سکتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح و لہت میں نہایت وثوق کے ساتھ کہنا کیونکہ آنحضرت فضل و کمال الٰہی نہیں ہے مجھے قوتِ ناطقہ حیطِ بیالیں لائے۔ ہاں اس قہیدہ میں اس شعر سے علمِ غیب کا شائبہ نہ کیا جائے۔

فان من جودك الدنيا وضرت فيها
ومن علمك علم اللوح والقلم

کہ جب لوح و قلم کا علم حضور کے علوم کا جوڑ ہے تو حضور کو علمِ غیب حاصل ہے، اس لئے کہ لوح میں قیامت تک کے حالات قلم بند ہیں حضور کو بعض دیگر حالاتِ آخرت کا بھی علم ہے جیسا کہ شیخ خالد انہری یا شیخ باجوری نے توجیہ و تشریح کی ہے، بلکہ آنحضرت کو عرض کرتا ہے علوم و معارف، و ماحید و واردا کی تو رائے عہد و مجدد کے کسی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی چنانچہ رل مع اللہ وقت لا ید ملک مقرب ولا نبی مرسل میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔

ہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ حضور کے مراتب و علوم میں جس طرح آفاتِ نا حیات طیبہ میں افتاد ہوتا رہتا تھا اسی طرح اب حیاتِ برزخیہ بھی آفاتِ ناقصاتی و مضاعفہ ہوتی رہتی ہے، چنانچہ من جملہ دیگر دلائل کے ان اللہ و ملائکتہ یصلون جلی النبی امیہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلم تسلیما میں جو نارت اور حکم ہے اس سے بھی یہ بات روشن ہو جاتی ہے کیونکہ نزولِ رحمت سستا ترقی روحانی کو اتفق لسانی مستلزم ہے قی علوم و معارف الٰہیہ کو، پس غور نہ پایا جائے کہ جب علوم بشریہ نبویہ میں ہر لمحہ تضاد ہوتا رہتا ہے تو غیب کہاں رہا، علم غیب کی تردید یہاں ہے کہ الان کما کان، اللهم ارنا الاشیاء کما حی بالنبی الای دآلہ و صحبہ صل اللہ علیہم اجمعین، آمین،

صلی اللہ الذین انعمت علیہم پہلے بندہ نے اپنے رجبِ مرطبیہ کی جانب ہدایت قرآن کی درخواست کی تھی اور بدلہ کے طور پر وہ عرض کرتا ہے کہ ماہِ ماست اُن عذرات کی جن پر آپ نے انعام فرمایا جو علمِ معرفت اور عملِ خیر کے جامع تھے، فایضاً اللہ علیہم ولا الضالین اور نہ مغضوب تھے اس نہ ضال تھے نہ وہ جن پر آپ کا غضب ہوا اور نہ جو گمراہ تھے یعنی کوئی نیا مارا مطلوب نہیں بلکہ وہی جو توحید علیہ ہے، وہی جو ب مقبولین بارگاہ کا ہے، جس پر تو لا و نعلما اجماع بھی ہو چکا ہے اور کن حضرات الذین انعم اللہ علیہم من المہیین والصدیقین والشہداء والعالمین انبیا اور صدیقین اور شہداء اور اصحاب یہ طفرات نعمت ایمان اور نعمت سلامت و امان و دول سے بہرہ ور ہیں، جن کا حال بھی اچھا، قال بھی اچھا اور مال بھی اچھا، ہم نے نہ قوتِ نظریہ کو غلط استعمال کی کہ گمراہی اختیار کی اور نہ قوتِ عملیہ کو بے جا کام میں لا کر غضبِ الٰہی کے مستحق بنے بلکہ وہ حضرات اپنی تعلیمات و توجہات سے نفوس کا تزکیہ فرماتے ہیں اور حکمتِ الٰہی کے مابقی نظریہ و عملی کا آبِ حیات پاتے ہیں ویزکیہم ویلہا الکتاب الہی حکمتِ جن کے صدق و دیانت پر جن کی عظمت و مقبولیت پر تمام عالم کی تاریخ شاہد ہے جن کے نفوسِ قدسیہ اور ہمارے رفاقت و محبت میں بھی چاہتا ہوں واولئک مع الذین انعم اللہ علیہم الایہ انہی کے نفوسِ قدس پر سر کے بن چنا مجھے ہے انہی کی تقلید میرے لئے خطرناک ہے نہ اُن لوگوں کی جنہوں نے قوتِ عملی کا بے جا استعمال کیا اور گمراہ و بدشاہ ہو گئے، ا

تقلید تو کفار کا مشربہ ہے جن کے لئے آپ نے فرمایا ہے اولو کان آباؤہم لا یعقلون شیئاً ولا یمتدون جب بے عقل اور بے راہ لوگوں کی لیکر کر بیٹھ چلے جاتے ہیں، میں ایسوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

منضرب علیہم اور ضالین میں شیطان ابلیس بھی داخل ہے اُس نے قوت عملی کا بے جا استعمال کیا۔ ابلی یعنی طاقت نہ کی اور یہ انکار کسی تراویح یا حسن ادب کی وجہ سے نہ تھا دشلا کوئی نہنگ اپنے کسی معتقد سے سرواٹے بیٹھے کے لئے کہے اور وہ ادباً سر جھکا لے اور سرواٹے نہ بیٹھے بلکہ غزوہ کے سبب واستکبار اور اس میں افراط بھی ہے کیونکہ جس طرح اس نفس و خود داری محمود ہے اسی طرح کبر و نخوت اور کج مذہب ہے اور قوت نظری کو بھی غلط موقع پر استعمال کیا یعنی نفس صریح اور حکم ناطق کے مقابلہ میں اور جو قیاس کیا وہ بھی اصولاً اور عقلاً غلط یعنی ضلعتی من نامہ و خلقتہ من طین کیونکہ مقدمہ کبریٰ منہ ہے یعنی "والناس افضل من الطین" یا "والناسی اشرف من الطینی" اور یہ افضلیت ناری کی خاکی پر اُس نے اسے زعم باطل میں بنیر کو تمسک کے قرار دی اور یہ نتیجہ تھا اُس کی انانیت کا، بس اس کی دلیل کیا تھی ایک سفسطہ تھا جس کا اثر و ات عیلت لحنی الی فیہ الدین ظا۔

نکات واستنباطات ۱-۱۔ صراط الذین انعمت علیہم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ راہ راست ایک ہی ہے اسی واسطے اُسے جمع موصول کی طرف منصف کرتے ہوئے بھی واحد یعنی "صراط" استعمال کیا ہے ورنہ صراط کہا جاتا ہے، یہ بھی دلیل ہے مذہب حق کے لغزو اور عدم لغزو کے علاوہ اس دلیل کے جواہر ان الصراط المستقیم کے تخت میں سابقاً تحسیری گئی تھی۔

۲۔ اور بدل انکل کے طور پر استعمال کرنے میں یہ راز بھی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ صراط مستقیم موجب حصول انعام ہے اور سلب نعمت سے اس کا لٹ ناموں و مخصوص ہے۔

۳۔ انبیاء اور صدیقین کی تقلید نامور ہے اور شہداء اور صلحاء کی فی حد ذاته مستحسن ہے اور بصورت اختلاف ظاہری بقا علی اللہم فالاقدم مقدم کے مقابلہ میں مؤخر متروک رہے گی۔

۴۔ مگر ہوں اور بدماہوں کی تقلید نا جائز اور مردود ہے۔

۵۔ "صراط الذین" سے یہ بھی مستنبط ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اصول میں متفق و متحد ہیں۔ فروع میں مختلف ہیں البتہ یہی البتہ فروع بھی انہی اصول صحیح پر متفرع ہیں، اور یہ صوری اختلافات باختلاف زمان و مکان و بلحاظ امر جز اقوام و ملل ہو گیا ہے جس طرح مجربین و اہل حق کے قول کے مطابق بعض ادویہ کے مقابلہ میں بعض طرق استعمال میں اختلاف نظر ہوتا ہے۔

۶۔ غیر المنضرب علیہم کے بجائے "الذین غضبت علیہم" اور "ولا الضالین" کے بجائے "ولا الذین اضللتہم" نہیں فرمایا گیا، قرآن حکیم کا اسلوب بیان یہ بھی ہے کہ عموماً مکروہ و منہوع چیزوں کی نسبت رب العباد کی جانب نہیں کی جاتی، بجز اس حالت کے کہ توجہ انعامی کا بیان ہو چنانچہ اذا صرحتہم فموشیغین میں مرض کی نسبت اپنی طرف کی گئی یہ نہیں کہا کہ اذا صرحتہم فموشیغین بلکہ شفا دینے کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب کی گئی فموشیغین اسی طرح یہاں انعام دینے کا لفظ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا "الذین انعمت علیہم" اور غضبتہم ضلال کو ان لوگوں کی طرف جنہوں نے گمراہی اور بدکاری کو اپنی طبیعت ثانیہ بنا لیا انہیں اس لئے غضب الہی کے مستحق ہوئے اور بجھکے رہے۔ اور

مارے پڑے سے ہرچہ ہست از قامت ناساز بماندام راست
ورنہ تشریفہ تو برد بالائے کس کوتاہ نیست

۷۔ منضرب علیہم اور ضالین میں بیڑ و نہاری ہی داخل نہیں ہیں بلکہ وہ تمام لوگ بھی جو شریعت اسلامیہ کا بایکات کرتے ہیں، اپنی ایمانات و انحرافات سے سنت نبوی کی عدم تردید کا باعث ہوتے ہیں۔ کیونکہ فرمایا جی صادق و صدوق علیہ السلام نے کہ ہدایۃ ضلالتہ (دربعد ضلالتہ و گمراہی ہے) بار اگاہ ہیں توین و یجئے کہ ہم آپ کی مضامندی میں عین اور آپ ہی کی مضامندی پر مرین آپ کے قرآن کا پناہ دلائل اور

ایک طرف ان کا یہاں صریحاً نہیں آیا ہے البتہ ضالین -

پروفیسر اسرار احمد صاحب دہلی

الفقان

انسان کی یہ نفلت ہے کہ وہ تکرار سے گھبرا جاتا ہے۔ ایک دفعہ کے بعد کسی چیز کا دوبارہ ذکر کیا جائے تو وہ لطف نہیں دیتا۔ اگر بار بار ذکر کیا جائے تو طبیعت اکتا جاتی ہے، بقول مولوی محمد حسین آزاد کے - "تو ہر بار پر ہی گئے کا بار ہر جائے تو اجماع ہر جاتی ہے" لیکن محبت کا معاملہ اس سے جدا گانہ ہے۔ محبوب کے ذکر کی تکرار میں جو لطف ہے کسی دوسری چیز میں نہیں۔ اس کے ذکر کھٹے تو طبیعت بہانہ جوئی کرتی رہتی ہے کہ کوئی تقریب ہاتھ آئے تو اس کا ذکر کیا جائے، پھر محبوب، محبوب میں بھی فرق ہوتا ہے۔ بعض محبتیں ہی اکتا دینے والی ہوتی ہیں۔ غالب نے تو ہر قسم کی محبت اور اس کی وفاداری کو عین ایمان کہہ دیا۔ لیکن مجھے مرحوم سے اس معاملے میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ وفاداری کا معیار بھی محبوب کے معیار سے ہی متعین ہونا چاہئے ورنہ محبت کرنے والا بہت خسارے میں رہے گا۔ اگر محبوب گھٹیا معیار کا ہے یا خود وفا دار نہیں تو اس کا ایک طرہٴ وفاداری اور استواری کا قائل نہیں ہوں۔ چنانچہ غالب کو بھی ایک جگہ یہ کہنا پڑا، غالباً دنیاوی محبوبوں کی نا استواری کو دیکھ کر اپنے خیال سے رجوع کیا ہوگا۔ فرماتے ہیں

چاکر مت کہ حبیب بے ایام گل کچھ اُدھر سے بھی اشارہ چاہئے
میں بھی یہی عرض کر رہا تھا کہ بغیر اُدھر کے اشارے کے چاکر گریباں کچھ لطف نہیں دیتا لیکن ایک محبوب ایسا بھی ہے کہ جس کے ذکر کی تکرار میں کبھی بے لطفی پیدا نہیں ہوتی، جس کے حضور میں معیار کی انتہائی بلندیوں بھی پست ہو کر رہ جاتی ہیں جس کے لئے وفاداری بشرط استواری واقعی عین ایمان ہو جاتی ہے جس کی محبت کے سہارے کے بغیر زندگی کی حقیقت ایک تہمت سے زیادہ نہیں رہتی امد اس تہمت کو برداشت کرنا واقعی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ دیکھتے فانی مرحوم کا شعرا سے وقت لطف دے گیا، فرماتے ہیں

بچے جانے کی تہمت کس سے استحقاق کس طرح استحقاق
ترے غم نے پجالی زندگی کی آمد ہر سوں
واقعی اگر اس کے غم کا سہارا نہ ہو تو زندگی کی آمد کا گریبان بہت سے دیوانوں کے ہاتھوں تار تار ہو کر رہ جاتے۔ اس کی محبت کا غم قدم قدم پر سہارا دیتا ہے اور انسان زندگی کی تہمت کو برداشت کرتا چلا جاتا ہے اور لطف یہ ہے محبوب ترین محبوب ہونے کے باوجود وہ نیاز کی لگاہ بھی ممکن نہیں۔ کبھی محبت کا عجب سرودھری سے نہیں دیتا، محبت کی نگار کا جواہر محبت سے ہی ملتا ہے۔ اصغر مرحوم خوب فرماتے ہیں

ہر تن ہستی خوابیدہ مری جاگے اٹھی ہر تن موی سے مرے آس نے پکارا مجھ کو
جس مجھ نے جب کے ہر تن موی سے اگر پکارا ہو اس کے لئے ان کی کچھ قربان نہیں کر سکتا۔ زندگی کا نندانہ تو اس مقام پر بڑا کم قدمہ اور عقربا نظر آنے لگتا ہے یہ ر. کے ادبی غلاموں کے لئے بھی لائق پذیرائی نہیں۔ دیکھئے ایک غیر معروف سے شعر کا ایک شعر یاد آگیا۔ کسی شاعر نے میں نے اس کا
لانی پیام یار نواز دے آئے خلیل دید و اصل کو جہانم ہستی اتار کے

شاعر غیر معروف ہے لیکن شعر کس بلا کا ہے۔ محبوب کی تسکین افزائی امد اپنی سپردگی کی انتہا کر رکھ ہے کہ پیام لانے والا امت کا فرشتہ ہے پیام موت کا

ہے لیکن جس کا پیغام ہے وہ اس وحدتِ مبدیہ میں کہ پیا میر کو اپنی ہانی کا فخر نہ کر دیتا ہے کیونکہ یہ فخر محبوب کے شانِ شان نہیں تھا اسی وقت اس کے پیامبر کے قدموں پر نثار کر دیا جائے اب آپ انما ذہ کر لیں کہ ایسے محبوب کے ذکر کی تکرار میں بے لطفی یا اکتاہٹ کس طرح پیدا ہو سکتی ہے اس کا جواب بھی ذکر انبیاء معلوم ہوگا اور فخر نہ کر دے گا۔ حقیقی غضب کی بات بھی ہے

نیا ہے لیجئے جب نام اُسن کا بڑی وسعت ہے میری داستان میں

داستان کی وسعت کا اندازہ آپ اس بات سے لیں کہ اس کا ذکر ہماری زندگی کا محبوب ترین مشغولہ ہے، وہ میں باغ و وقت نمازوں میں پابندی سے ذکر کرتے ہیں لیکن ذرا نہیں اکتاتے۔ اس کے علاوہ ہزار قسم کے بہانے تراشتے ہیں اور اس کے ذکر کی تقریب نکال لیتے ہیں اور آج بھی ہمارے شوق، جھوٹے ایک فریب ہمایا کر رہی ہے کہ اس کے کام کا ذکر کر کے اس کو یاد کر لیں اس کے کام کا نام قرآن ہی ہے اور فرقان بھی۔ میں اس صحبت میں صرف فرقان کے سے والا جہتِ ضرورت صیات کا ذکر کر رہا ہوں۔

توحید و شرک :- فرقان کے معنی ہیں کسوٹی جو کھرے اور کھوٹے میں تفریق کر دے قرآن نے چونکہ حق و باطل میں امتیاز پیدا کیا، ان دونوں کی ہیئت کا فرق مفید روشن کی طرح واضح کر دیا۔ اس لئے اس کو افسانہ خانے کے خطاب سے نوازا گیا۔ باطل کے بہت سے صحائفِ انسانی ذہن میں استعمال ہوئے تھے، جن کو قرآن نے انکسار کر دیا۔ لیکن یہاں میں صرف دو ایک کا ہی ذکر کروں گا۔ سب سے پہلے باطل جس نے اسلام سے قبل اس دنیا کے باشندوں کے دل و اعجاز پر قبضہ کر لیا۔ وہ شرک ہے، عیسائیوں نے تثلیث کا عقیدہ اختیار کر لیا تھا اور حضرت عیسیٰ جبریل اور حضرت مریمؑ کو بھی خدا کا شرک ٹھہرا لیا۔ یہودیوں نے دعویٰ کیا کہ حضرت عزراؑ خدا کے بیٹے تھے، ہندو مذہب میں بت پرستی اور فطرت پرستی عین ایمان تھی، چین اور بدھ مت نے اول تو خدا کا کوئی واضح تصور ہی نہیں دیا لیکن بعد میں انہوں نے بھی باقاعدہ بت پرستی شروع کر دی، غرضیکہ دنیا میں کہیں خاص توحید پرستی باقی نہ رہی تھی، حالانکہ حق صرف توحید رکھ سوسراطل ہے بلکہ توحید پرستی تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے فطریں گندھ دی ہے، انسان نے اپنی فطرتِ اعمال سے شرک کر اپنے ذہن میں پیدا کیا ہے اس کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی تسبیح ترین آداب و ادب کی تاریخ بتاتی ہے کہ تاریخ کے ابتدائی دور میں انسان توحید پرست ہی تھا، دیا نے جن کی ادویوں کی آٹھ ہزار سال قبل عروج کی تہذیب کے آثار جنھیں قین نے تلاش کر لئے ہیں ان میں کچھ تو شے بھی تھیں ان تو شروطن میں معبود اعظم آدی بادشاہ اور آخرت کے مالک جیسے الفاظ بھی ہیں جو اس بات کی بین دلیں ہیں کہ خدا کے علاوہ اور کوئی مطلق کا تصور انسان کی زندگی کے اس ابتدائی دور میں موجود تھا۔ اس کے علاوہ مرنجی مارو کے آثار تدبیر باکھائی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہاں بھی توحید الہی کا تصور موجود تھا وہ اپنے خدائے واحد کو "آدن" کہہ کر پکارتے تھے، ان تمام اکتشافات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کا تہذیبی ترین خدائی تصور توحید ہی تھا اس میں شرک کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اس وقت اس کی فطرت اپنی اصلی حالت میں تھی۔ دنیاوی اور دنیوی ہر پاک صاف اس لئے اس کی آنکھ اپنے اصلی مرکز یا سرچشمہ کی طرف ہی مچی ہوتی تھی، لیکن بعد میں آہستہ آہستہ شیطانی وسوسوں کو بھرنے کا موقع ملا اور تہذیب باطل غالب ہوتا چلا گیا۔ افسانہ خانے نے باطل کے اس پسے کو تار تار کر دیا اور حق کی جلوہ نمایاں اندر سر فوہ دے کا نام لیں اور خدا کی توحید کو فنی کر دیا اب صاف سے چمکنے لگا۔ بلکہ یہی نہیں توحید کے تصور میں بھی ایک اضافہ ہوا وہ یہ کہ اس سے پہلے خدا کے تصور میں تمثیل اور تعظیم کا عنصر نہ تھا تھا قرآن نے انتہائی تشریف تصور پیش کیا۔ مثلاً قرآن کریم نے فرمایا۔ "لینس کشم شئی" یعنی اس میں کائنات میں کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک اور جگہ میں فرمایا۔ "لا تدان کہ الا بصار" لنگ میں اس کا اداک نہیں کر سکتیں وغیرہ وغیرہ۔ بابا فانی نے اس کیفیت کا شعر ان الفاظ میں خوب بیان کیا ہے :-

مشکل حکایت است کہ ہر ذہن عین اوست لیکن نمی توان کہ اشارت بہ او کند

لیکن قرآن کریم نے اس بات کا خیال ضرور رکھا ہے کہ انسانی ذہن کی گرفت انسانی محدود ہے اس لئے تنزیہ کو اس حد تک لے جایا جائے کہ نفی حق کی صورت پیدا ہو جائے۔ اسی وجہ سے اس نے خدا کی وہ صفات جو اس کی تعریف میں آسکتی ہیں انصاف ان میں خود بھی جاتی ہیں بیان کی ہیں مثلاً وہ بندہ ہے، رحیم و کریم ہے، سمیع و بصیر ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی صاف کہہ دیا کہ وہ عظیم المثال ہے، "لینس کشم شئی" تاکہ انسان یہ بھی سمجھ

لے کہ اس کے جسم و کرم، سماعت اور بھادنت اور خدا کے حکم و کرم، سماعت و بھادنت میں کوئی نسبت نہیں ہے اور اگرچہ بھی تو نہ ہو سکتا ہے بلکہ
الفلسفان نے صرف حق باطل کو علیحدہ کیے ہی نہیں دکھایا بلکہ ایک قانون خداوندی یہ بھی بتایا کہ حق باطل
قانون بقائے اصلح - غیر ہے اور باطل باعث شر اور خدا کی سنت یہ ہے کہ اس دنیا میں بقائے نفع کا قانون نافذ ہے بلکہ یعنی یہاں

صرف مفید چیزاتی سے گی اور مضر چیز کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا جائے گا۔ جہاں حق و زور و باطل ان باطل کا نہ تھا یعنی جہاں حق آیا
باطل معدوم ہو گیا۔ ایک اور جگہ فرمایا۔ "ناما لہ فیہ ذیذ عجب جفاغ واما ما یفیع الناس فیہ لک فی الاشیء بین جہاگ سے بوسل کچسل
پیدا ہوتا ہے وہ ضائع کر دیا جاتا ہے اور جس چیز میں انسان کے لئے نفع ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ باطل کو فنا ختم نہیں
کر دیتا ہے وہ اسے بھی ہلکت دیتا ہے تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور ہلکت ہلنے کی بھی حسرت نہ رہے اور دراصل اس کی رحمت کا تقاضا بھی یہی تھا۔
کہ قرۃ وانا بت کا دوا نہ آخرت تک کھا رکھا جائے اس لئے اس کا نام غفرار دے دیا ہے۔ "وس یلک الغفور واما الرحمة" یعنی اے خیر ہے تھارا دے
ہذا صاحب رحمت اور بخشش والا ہے ایک اور جگہ فرمایا کہ مرین خدا سے ایوں نہیں ہوتا، حدیث فرمائی ہے "انما بت من الذنب کن لا ذنب لہ" یعنی
تو جس کی قبول ہو گئی، وہ گناہوں سے پاک ہو گیا۔ ان آیات اور معنیوں بالا حدیث سے اس حقیقت کی تردید ہو جاتی ہے کہ ایک دفعہ اگر گناہ سرزد ہو جائے
تو پھر بغیر سزا کے چاہے نہیں، اس عقیدے کی بنا پر عیسائیوں میں کفار سے کا عقیدہ پیدا ہوا جس نے ان لوگوں کے گناہوں کی معافی کے لئے کفار سے کے
طریقہ حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھائے جانے کا قصد اور جان دے کر اپنی امت بشریت کے لئے کھائی بیان کی۔

نیز قرآن کے وقت کفار کے سب زیادہ حیات بعد الموت کے عقیدے پر پھر لگ گئے تھے وہ کہتے تھے کہ نہ ان میں مصمم
حیات بعد الموت - اگر دیکھ لیجی میں مل جائے کہ بعد بھلا دیا یہ زندگی کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الفرقان کے ذریعے سے ان
کے باطل عقائد کی تردید کی اور فرمایا تخلیق اول، تخلیق ثانی سے زیادہ مشکل نہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر تمہاری بات بھی ان کی جلتے کہ نطفہ مائے اور جلداتا ہے
تو نہ ان میں ہی ہوں۔ مجھ سے بڑھ کر تم کسی طرح نہیں نکل سکتے، مولانا انا دیر میں القرآن میں اس باب میں فرماتے ہیں کہ ان کو ارض کی بہترین مخلوق ہے۔
جس مخلوق کی جسمانی اور معنوی نشوونما کے لئے خاطر کائنات نے اس تدبیر تمام کی ہے کہ محض دنیا کی چند سرفروزیوں کے لئے ہی بنایا
گیا ہوا اس کی زندگی کا کوئی پلن تو مقصد نہ ہو۔ "فما یستتم انما خلقکم عشا ذانکم الینا لا ترحون" - یعنی کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے
تمہیں اپنی بلا مقصد پیدا کر دیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے۔ کائنات میں ہر جگہ ارتقا کا قانون کام کر رہا ہے ہر چیز و جسم بدیہ آگے کی طرف
بڑھ رہی ہے تو انسان اپنی جگہ جا دوسرا کن کس طرح رہ سکتا ہے یقیناً طوطی وہ بھی ایک بہتر مخلوق کی زندگی کی طرف بڑھ رہا ہے ممکن ہے کہ ہر درج
ارتقا کے ہر منزلے کے نہ کر سکے اور پیچھے رہ جائے لیکن بحیثیت ایک درجہ کے ان ضرور آگے بڑھے گا۔ مولانا دوم نے بھی اپنی مغز میں اسی
خیال کا اظہار کیا ہے کہ میں جہانات، نہایت، جہانات کے مدارج سے گزر کر انسانی قالب میں نمودار ہوں اب یہ قالب بدل کر اس سے بہتر قالب
اختیار کر کے والا ہوں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

یہ کائنات ابھی ناقص ہے شاید کہ آہی ہے دو دم عدلے کن فیکون

صفات جمال و جمال - اللہ تعالیٰ کی صفات جمال و جمال کے بارے میں بھی بڑی گلی میاں پسین گئی تھیں بعض لوگوں نے جمال
کے پسند پاس قدم دیا کہ جمالی پسند ہو گیا۔ بعض لوگوں نے جمالی پسند کو اس قدر اجاگر کیا کہ جمالی کیفیات بالکل معدوم ہو کر رہ
گئیں۔ یہ معاملہ افراط و تفریط کا نتیجہ ماستہ حاصل درمیان کائنات تھا جو دونوں گروہوں کی نظروں سے اوجھن تھا۔ یہ دونوں نے خدا کے جمالی

تصور کرو اپنا لیا تھا۔ جو کسی تصدیق تھا کہ خود عظمت کی دونوں طاقتیں برابر کی ہیں۔ کبھی ایک غالب آجاتی ہے کبھی دوسری، یہی تصور جس فیہلو کو اپنا کر صرف رحم و رحمت کے رخ کو دیکھتا رہا اللہ اس کی وجہ سے یوم آخرت اللہ صاحب و کتاب کا معاملہ بالکل بے صفی ہو کر رہ گیا۔ انسان کو من مانی کرنے کی پوری آزادی ہو گئی۔ اسی طرح بدھ مت نے بھی رحم و کرم کی صفت کو اپنا لیا۔ اس طرح میاں دھرمی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ اللہ وحدت کا راستہ کثرت تعمیر سے محدود ہو کر رہ گیا۔ لیکن قرآن کریم نے یہاں بھی حق و باطن میں فرق کھدایا اللہ دونوں انتہاؤں کو دکھا کر درمیان کے راستے کی واضح نشاندہی کر دی نہ اتنا جسالی ہوسر نما یاں کیا کہ انسان کی نجات سے بالکل باہوس ہرہائے نہجانی تصور کو اس قدر عادی ہونے دیا کہ مخلوق، خالق کے مقابلے میں اگر گستاخی کرنے لگے۔ چنانچہ اس کو اصطلاحاً آپ۔ دیم کی کیفیت کہا گیا ہے۔ صحیح ایمانی کیفیت دراصل امیدویم کے درمیان ہی حاصل ہو سکتی ہے، یعنی خدا کی جباریت اللہ تباریت پر بھی ایمان ہو اور اس کی رحمت اللہ ربوبیت پر بھی اعتماد ہو پھر ایمان میں توازن پیدا ہوتا ہے اللہ میرا ہی توازن ہی قرآن کا اصل مقصد ہے توازن سے ہی زندگی میں سکون اور تسلی حاصل ہوتا ہے، ہم توازن تو ہر حال میں ہی دہر ہادی کا پیش خیمہ ہے، اسی توازن زندگی کے فلسفے کی وجہ سے امت مسلمہ کو امت وسط کا خطاب ملا ہے۔ قرآن فی فلسفہ صہات نے افراط و تفریط سے زندگی کے ہر شعبے میں دامن بچانے کی کوشش کی۔ حالانکہ طاقت سے زیادہ جباریت کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے قرآن ہمیں ہر گیر کتاب کا ذکر اتنے مختصر سے مضمون میں اس کے شایان شان ممکن نہ تھا۔ بہر حال جو کچھ ممکن ہو سکا اختصار کے ساتھ عرض کرنے کی کوشش کی ہے۔

تاودت رسم بود ز دم چاک گریبان
شرمندگی از خضر ز لبش مینہ ندام

تسکینی۔ موسم گرما کی شدت اور پیش میں کمی کی زبانی دوا

موسم گرما کی شدت، تپش، دھوپ اور ٹوکی ایذا رسانی ناقابل برداشت تکلیف کی بنیاد ہے سوائے چند پہاڑی علاقوں کے یہ تکلیف ایسی ہے کہ نہ کھانے کا مزہ نہ پینے کا لطف۔ انسان چاہتا ہے کہ کسی سرد خانے میں گھسا ہے۔

پہاں کی شدت اس موسم کا سب سے بڑا دکھ ہے سر ٹوکانی پی جاتی ہے طبیعت سیری نہیں ہوتی اس موسم میں گرم گرمی طے خارش اور چھبیاں زیادہ لگتی ہیں گویا کسی سپرو چین نصیب نہیں ہوتا۔ موسم گرما کی ان تکالیف کے پیش نظر ادارہ نے سپروں کے تجربات کے بعد ایک دوا ایذا دہی کے نام تسکینی ہے بلاشبہ تسکینی موسم گرما میں آپ کی تسکین کا سہارا بن جائے گی، دل کی دھڑکن اور اندوہ کو اعتدال پر رکھتی ہے مگر گرمی کا ازالہ کر کے اعتدیل مزاج کا سبب بنتی ہے پاس مہرول سے زیادہ نہیں برقی سپروں اور بار بار پانی پینے کی ضرورت نہیں پڑتی اس لئے معتدلیا نہیں بگڑتا چشم کا نظام صحیح طریقہ سے اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ تسکینی موسم گرما کی شدت میں تسکین کا ہوش بڑی ہے گرمی کے ہوش و بیدار کو اعتدال پر رکھتی ہے۔ اعتدال سے پیاس، اعتدال سے بے چین، اداس معتدل حرارت کو مزاج کا اعتدال پر رکھتی ہے اور گرمی کی برقی سے کاتی ہے تسکینی موسم گرما میں یہ قیمت ہے جو مختلف تکالیف سے نجات بخشتی ہے تسکینی آپ کی حقیقی راست کا ہوش ہے جو تسکینی کی ہر گرمی موسم گرما کے دھماکے مستقل فروغ دیتی ہے دلچسپی چارہاس کی دوا دیکھ کر بظاہر عرصے تک ہے۔ امیکلیکیشی ۵۰۰ ایم جی کے ساتھ یہ دوا دیکھ کر عظیم فریاد ہے۔ ۵۰۰ ٹیکہ ۲-۳ روپے۔ خارش مہرول سے پیاس کی نجات میں جلد آپ بھری تھریل و حرارت میں معتدلیا

اشرف یونانی لیبارٹریز ۳۲۹۔ جناب کالونی۔ لائل پور



آزمودہ دواؤں کا مرکب انجبین



سردرد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Spectre

۱۹۵۸

نہیں تو انہی کا ہے۔ قرآن و حدیث دو سہند ہیں جو شہادت دے آفتاب ایک فطرت عظمیٰ ہیں اگر دونوں کا سرچشمہ ایک ہے
بحریت مستند کہ با شال مختلف
مشفق و نیک درنگوی عین صحت است
کیں در صفات باہر خود مضمحل آمدہ

میرے مضمون کی روشنی میں رہا، وہ حدیثیں جن میں حضرت نے کسی آیت قرآنی سے استدلال فرمایا ہے اور میں نے صرف انہی حدیثوں کو لیا ہے ۱۲۰ وہ حدیثیں جو بغیر
تدلیس نبوی کے قرآن کی تفسیر میں ملتی ہیں اور جن کے الفاظ بھی ملتے جلتے ہیں اس قسم میں بھی خاصی تدابیر ہیں۔ امام بخاری کا کمال تفسیر تھا کہ اپنے تراجم
میں ۱۰۰۰ چھ سو سے زائد حدیثوں کو کسی نہ کسی آیت قرآنی کے ذیل میں لائے ہیں، جس سے وہی اصل مقدمہ کے اندر نہیں اور حدیث و تفسیر کے اسلوب میں انکا حدیث کا
رد و جواز ہے یہ کام بلا حاصل مولانا سید سلیمان ندوی کا چھوٹا ہرما ہے جس کی نکلیں کی سعادت مجھے نصیب ہوئی جس کا ذکر معارف کے مسلمان فرمیں۔ مولانا اویس ندوی
نے کیا ہے کہ انہوں نے دونوں عزائم پر ۶۰۰ حدیثیں بھی کی تھیں مگر وہ ہندو غیر مطہر ہیں۔ میں نے اللہ کا نام نہ لے کر صرف پڑھتی سے اسامو و جیو کیا اہل نظر اللہ راہ
کر سکتے ہیں کہ دوسرے جامع حدیث میں کتنے ضمیمہ ہوگا۔

۵ ہندو بادۂ ناخودہ درگ تاکست

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جبریل نے غار میں پڑھا۔ "اقرأ باسم ربك الذي خلق الانسان من علق اقرأ و ربك الاکرم"
حققت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبریلؑ کو دعائیں دیکھ کر سہم گئے اور گھبرا کر پڑھا اور اللہ علی آیت اتری۔ یا اہم المذشر تمہ ناذا و ربک
نکبت و شاک فططرہ و البحر جفا فجھ۔ ان عباس کہتے ہیں کہ حضرت جبریلؑ کے خوف سے دو سو حدیثیں جلدی یا دفن کر گئے تھے تو آیت اتری لا تحرق
ہو لسانک لتعجل بہ" ایسی البرغیان سے ناقص میں کہ حضرت نے برتن یہ خط مبارک لکھا تھا۔ من محمد عبد اللہ و رسولہ الی ہرقل
عظیم السلام علی من اتبع الهدی ما بعد فانی اور علیؓ یا عایۃ الاسلام اسلامہ تسلیم فیک اللہ اجدلہ من حقان
قولیت فان علیک اللہ البرکۃ عین و یا علی الکتاب لعل الی کلمۃ سواع بنی ربکم ان لا یغید الالہ ولا یغیر شیعہ شیئا
ولا یخذ بعضنا بعضا الربا یا من دون اللہ فان کوڑا فخر لوالا شہد واپانا مسلمون"

حدیث اس میں جبریل نے قیامت کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا۔ اس کا علم پانچ باتوں میں سے ہے، جنہیں اللہ ہی جانتا ہے پھر ثلاث
فراتی "ان اللہ صندہ علم الہ"۔

بخاری نے باب باندھا ہے۔ "قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النبیحہ و درسلہ، العلم ابن کعب کی حدیث ہے کہ حضور نے
خضر موسیٰ کا دانت سنا کر فرمایا۔ "ارایت اذا وینا الی الصخرہ قصصا"

پھر آپؐ نے فرمایا۔ اس کے بعد انہوں نے خوف کو دیکھا جن کا واقعہ قرآن نے بیان کیا ہے یہ حدیث باب انظر مد موسیٰ اور ابن جند کے حوالہ سے بھی نقل ہوئی
ابن مسعود کہتے ہیں کہ یہودیوں کے دور کے متعلق سوال پر حضورؐ حاضر رہے اندھیرے کی تلاوت کی۔ ویسٹونک قتل الروح من امر ربی نما اوتیم
من العبدہ الا ذلیلہ" حضرت انس کہتے ہیں کہ آپؐ نے غیر میں داخل ہو کر کہا۔ الشاکر ضربت خیلا اذا نزلنا باسحۃ قوم فناء صباح المناسمین"

اودین بار دہ لیا

۱۰ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے ان القرآن یحکمہ والسنة تقرک داعام الموتین امر ۲۶۹ امام صاحب کہتے ہیں ولا السنة ما فهم احدنا القرآن والمیزان الشعل فی
ص ۵۸ امام احمد بن حنبلؓ فرماتے ہیں ان السنة تفسیر للکتاب وتلیقہ والمرافعات للنبی ص ۳۸ امام شافعیؒ کا قول ہے بیح ما قولہ الا نمہ شرح للسنة
وجمع السنة شرح القرآن و کحول" القرآن اوجہ علی السنة من السنة الی القرآن (جامع بیان العلم)

الہیرہ کی حدیث میں فرمایا کہ مائیکہ بن میری نماز خواب کرنا چاہتا تھا میں نے اسے سہمہ کے متون سے باندھنا چاہا کہ تم میں دیکھ لیتے مگر اپنے بھائی سلیمان کا قول یاد آگیا۔ "رب حب لی ملکاً یشیق لا حد من بعدی" پھر اسے چھوڑ دیا۔ حمیر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ قبل طلوع و غروب نمازوں کی نائیکہ کے بعد آپ نے پڑھا۔ "سبح محمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب" التی فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو نماز قبول جائے وہ تقاضا پڑھ لے جب اسے یاد آئے "اقم الصلوة لعل ذکرک"۔

حضرت سائب بن جعفر علی بن ابی طالب کے آل آئے حضرت فاطمہ بھی تھیں پھر ابھی نماز نہیں پڑھی حضرت علیؑ نے کہا باب اللہ ہے تیری تپے جیجی حضرت یہ کہتے تھے کہ "کان الالف کثیر شیء جدلاً"

جہ علی کی تردید میں حضرت نے حدیث علیؑ میں فرمایا نیکی ہر کسی سے زیادہ ہے۔ "فاما من اعطی و اتقی" ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ حضرت نے فرمایا: "من قرئ قرآن وحید و رسالت کی گواہی دے گا اس کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔" یشت اللہ الذین امنوا بقول الثابت فی الحیوة الدنیا و فی الآخرة۔

ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ کونکہ نہ دینے والے قیامت میں ان کا لا طریق پہنچے گا "انا مالک ان اکثرکم کہ کما سے ڈسے گا۔ ہر تلاوت کی۔" ولا تحسبن الذین یخجلون..... ہما اثم اللہ من فضلہ حور علیہم بل حور شہم سیطر قون ما یجلوا بلہ یوم القیمة۔

حضرت الہیرہؑ کی حدیث ہے کہ۔ میں ہر سال سے اس کے دین دنیا کا نیا ہر عقداہم۔ "النبی اولی الموئین من انفسہم" مروی ہے کہ ولدت اس کا خاندان ہوگا اہل قرآن میرے ذمہ ہوگا۔

ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ تا دم سخن سے اللہ کہے گا میں نے تمہارے گناہ دنیا میں چھپائے اسباب یہاں بیان کرتا ہوں۔ کافروں اور منافقوں کا معاملہ ہوگا۔ فیقول الا شہاء و ہولاء الذین کذبوا علی ربہم الا لعنة اللہ علی الظالمین۔

اشعث بن قیس کی حدیث ہے کہ حضرت نے بھری قسم دے کے کہتے یہ آیت پڑھی۔ "ان الذین یشترون بعہد اللہ وایمانہم ثمناً..... و لمسم عذاب الیم" حضرت ابی ذرؓ کہتے ہیں حضرت نے یہ آیت پڑھی۔ "قال الم اقل انک من تسلیح حی ہجر" حضرت ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے سورج کے طلوع و غروب کا حال بتا کر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "والشمس تجری لمستقر لہا ذالک تقدیر الغیر" الخ۔

حضرت ابی سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضرت نے قیامت کا ذکر کر کے یہ پڑھا۔ "ولتضع کل ذات حمل حملہا و تری الذین سکا ربی و ما ہم لسا ربی وکن عذاب اللہ شدیداً"

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ حضرت نے فرمایا میں اپنے اصحاب کے لئے کہوں گا جیسے عبد اللہ (عسی) کہیں گے "و کنت علیہم شہیداً" اما و مت فیہم فلما توفی کنت انت علیہم۔

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ معاویہؓ نے یہ آیت (الذین امنوا و لبسوا بایمانہم بظلمہ) من کہ حضرت سے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے کون ظلم ہے کہا ہوگا؟ پھر کہا کیا حضور ہوگا؟ آپ نے انہیں تسلی دی اسیہ آیت پڑھی۔ "یا بنی لا تشک باللہ شیئاً ان الشک بظلمہ عظیم"۔

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے حضرت نے فرمایا کہ تم قیامت میں ننگ و دھڑلگ ادھر مختون اٹھائے جاؤ گے پھر یہ آیت پڑھی کما حدانا اول خلق فیدلہ و حدانا حلینا انا کنا فاحلین۔

حضرت ابوبکرؓ کی عدالت ہے کہ حضرت عمارؓ اپنی کھال کے برابر بیٹھ کر فرمایا کہ اس کے بارے میں مجھے کوئی حکم نہیں ملتا۔ جو باوجود وصیت نہ تھی۔
بعض مشعل ذرا غصہ کیا۔ ومن بعد مشعل ذرا غصہ کیا۔ ابھی کی حدیث ہے کہ آپؐ نے ایک ہمارے کے لئے عدالت کفہ سے کچھ طلب فرمایا
تو زجاجہ مطہرات کی طرف سے جواب آیا کہ گھر میں صرف پانی ہی ہے۔ آپؐ نے حاضرین سے کہا کہ ان کی ہمارے کیسے گا؟ ایک انھاری اپنے گھر سے گھٹا
انہ پیر سے کہا کہ ہمارے رسول کی ضمانت کو، میری کہہ ہمارے ہاں صرف بچوں کی خاک ہے۔ انہوں نے کہا دی لاؤ۔ اور انھاری بچہ کے بچوں کو ہسٹہ کر
سلا۔ پھر یہ دونوں ہمارے کے ساتھ اس طرح بیٹھے کہ گویا کھارے ہیں اس طرح رات بھر بھوکے تھے۔ صبح کو حضرتؐ نے فرمایا اللہ تمہارے ایثار پر خوش
ہو کر تمہیں پڑا اللہ آیت نازل کی ﴿وَيُثْرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَئِن لَّا كَانَتْ هُمْ مِّنْ صَاحِبَةِ دِينٍ لَّسَتْ هُمْ مِّنْ صَاحِبَةِ دِينٍ﴾
حضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے صرف ہمارے نبیؐ کے ساتھ کہ ہمارے میں حضرتؐ سے سنا ہے کہ وہ جنت میں اس لئے ہیں کہ ہمارے ہیں۔ وہمیں شاہی
من بنی اسرائیل۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ غزوہ ہند میں آپؐ سیحون والحدہ و یوسف الدجر پڑھتے ہوئے غزوتیں سے نکلے ابن مکتبہؓ ہیں کہ آپؐ نے مقتولین
کے کفن پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ "هل وجدتم ما وعد الله ربكم حقا؟"
حضرتؐ نے فرمایا کہ حضرتؐ نے انہیں طلب فرما کر کہا کہ تمہارے ملک وہ آیت اتری ہے جو دنیا و دنیا میں نہ ملتا۔ پھر یہ آیت تلاوت کی
۔ انا نعمت اللہ علیکم اجمعین

(کتاب التفسیر)

ابو سعید بن معلیؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے کہا میں قرآن کی بڑی آیت بتاتا ہوں پھر الحمد کی تلاوت فرمائی۔

سعید بن زیدؓ کہتے ہیں کہ حضرتؐ نے فرمایا۔ "الکفاة من امن شفاء للعین"

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ یہود کلمات کو عربی میں جان کر کہتے تھے حضرتؐ نے فرمایا کہ اہل کتاب کی تصدیق و تکذیب مت کرو پھر آپؐ نے پڑھا۔ "وقولوا انما بالله
وعملنا نؤمل" ابھی کی حدیث ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا سکین وہ نہیں ہے ایک دو گھوڑیں ایک دو نقشے مل جاتے ہیں بلکہ اصل سکینیت یہ ہے کہ ان سالہ
کے پھر فرمایا چاہو تو یہ پڑھو۔ "لا یسألون الناس ائمانا"

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ہوا الذی انزل علیک الکتاب الی قول اولوالالباب۔ انفسہا
جب تم لوگوں کو مشابہات کا تاثر دیکھو تو سمجھو کہ وہی کچھ نہیں ہیں۔ "والی اعین حابک ذریعہ من الشیطان المہیم"
حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں حضرتؐ نے فرمایا قیامت میں زکوٰۃ تو یہ والوں کے مال اڑو جان کر وہیں گے اور کہیں گے انا مالک انا کنز آیت
پڑھی۔ "ولا تعبین الذین یخلفون ہما اقمم الامر من فضہ"

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرتؐ کو دیکھا رات کے آخر میں اُسے اسماؓ سے کہ دیکھ کر فرمایا۔ "ان فی خلق السموات والارض من
اختلاف اللیل والنہار لا ولی الاہاب"

عمر بن مروانؓ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ میں نے عرض کیا بھائی آپؐ کو سناؤں آپؐ پھر تو قرآن اُترا ہی ہے اہم آپؐ نے
فرمایا مجھے رسولؐ سے سنا ہے اس میں نے سورۃ نسا سنا دی جب اس آیت پہنچا تکلیف اذاجئنا من کل امۃ بشہید وجئناک
صلی اللہ علیہ وسلم انہی نے کہا تمہارا میں نے آپؐ کی طرف دیکھا تو چشم نبوت انک انشاں تھیں۔

حاکم بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا غیب کی کنجیاں وہیں پھر یہ بت تلاوت کی۔ ان اللہ عندہ عمل ساعة فیقول الغیب ویعلم ما فی
الارض حام وما تدرک نفس ما زادکبب خدا داد قدری نفس باقی ارض تموت ان اللہ علیم خیر

ابن عمرہ راضی ہیں کہ ہم سے حضرت نے پوچھا تھا اس وقت کا نام تو عمر و مومنین کے مشابہ ہوتا ہے اور اس کا ہوش مفید ہے اور وقت وہ پہل دیتا ہے (توقی اکبر ہاکی حین)؟ میں نے خیال کیا کہ وہ کچھ ہے مگر جہاں البکر دیکھنا مرض تھے میں لبکٹا کیونکر ہوتا، پھر حضرت نے خود ہی بتا دیا کہ مجھ ہے، رات میں میں نے والد صاحب (حضرت عمرؓ) سے کہا: "آپ یہ جواب میرے ذہن میں آیا تھا" انہوں نے کہا پھر بتایا کیوں نہیں؟ میں نے کہا یہ سب وجوہات حضرت عمرؓ نے کہا اگر تم بتا دیتا ہوتا تو مجھے بڑی مسرت ہوتی!

ابن عازبؓ کی روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ مسلمان قبر میں جہاں گزشتہ اہل بیتؑ تھے گا اور یہی ہے جس کا ذکر اللہ نے کیا ہے یثبت اللہ الذین امنوا بالقول..... فی الصیرۃ الدنیاوی والاخرۃ۔

ابو سعید بن العقیلی کہتے ہیں کہ حالت میں نماز میں حضرت نے مجھ کو بلایا مگر میں نماز پڑھنے کے لیے جا رہا تھا اور حضرت نے کہا کہ تم نے فرمایا کیا اللہ نے نہیں کہا ہے: "یٰ اہل الذین امنوا استجبوا للہ واطیعوا"؟

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ میں حضرت کے خازن تھے، ۳۶۰ دیکھ، دست باریکیں ایک گز کی مٹی جس میں عمارت کے گولے اور پتھر ہوتے تھے۔ جارا ملحق وزحق الیہا ملکان الیہا ملکان ذھوقا،

ابو ہریرہؓ کا لاشا ہے حضرت نے فرمایا قیامت میں دنیا کے سونے، آگے اور ہتھکڑیوں کے گولے ان کی تعداد قیامت پھر کے برابر ہی نہ ہوگی پھر کہا اقیقۃ - فلا نفیم لہم یوم القیمۃ فرفنا۔

انہی کی روایت ہے حضرت نے فرمایا ہر پیر پر عہد ہے مگر اس کے اس باپ سے یہودی، عیسائی اور مجوسی بنا دیتے ہیں پھر یہ آیت پڑھتی اذ لا تظن الناس علیہم لاینبذہن لعل اللہ لایکلف الذین انعم علیہم۔

آپؐ کی حدیث میں ہے حضرت نے فرمایا کہ اللہ کہتا ہے میں نے صابون کھلے ہوئے رکھا ہے جسے کسی آگ لگے دیکھا، نہ کسی کانٹے نہ کسی بٹیکے کے دل میں خیال لگتا پھر بلا دیتا فرمائی۔ فلا تعلم نفس ما انا فی لہم من قرۃ أعین جلالہما کا نورا بعدہما۔

آپؐ کی دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رسولی بہت عبادت اللہ کے اس قول سے پڑ جاتا ہے: "یا اہل الذین امنوا لا تظنوا کالذین اؤذوا رسولی فیقول اللہ ما کانوا کذلک عند اللہ ویرہبوا"۔

ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی عالم نے آپؐ سے کہا تو باتیں ہے قیامت میں اللہ ایک انگلی پر آسمان، زمین، دھرتی، سمندر مٹی اور تمام مخلوقات کو رکھ کر کہے گا: "انہا للک" اس پر آپؐ نے ہلکے سے کہنے پر تلاوت فرمائی: "وما تقدی واللہ حق قدر"۔

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے بعد سے قرآن پڑایا قطعاً یا کنزین سے آسمان تک وحوال وحوال ہو گیا تھا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی فار تعجب یوم تاتی السعیرا ویرید خان صبیح یفشی الناس هذا عند اب الیم تاھاذا ذلک۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں حضرت نے فرمایا اللہ نے جب مخلوقات پیدا کیں تو رحم نے ان کی مکر تمام لی اللہ نے کہا تم اس پر راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے اسے میں جوڑوں اور جو تجھے توڑے اس سے میں مٹا دوں تو رحم نے کہا میں اس پر راضی ہوں۔ حضرت نے فرمایا تم پڑھ سکتے ہو فضل عظیم ان تو لیتم ان تصدوا فی الاضواء و تقطعوا الرسل کلمہ۔

حضرت انسؓ حضرت سے نقل کرتے ہیں کہ جنم کرتی رہے گی ہل من مزید، آنوکا لاشا پنے پاؤں رکھ دیا تو کہے گی بس کافی ہو چکا!

جبر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ کے ساتھ ایک ملت بیٹھے جو نے آپؐ نے چور ہو کر کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا اللہ کو اس طرح دیکھ کر مجھے اسے دیکھ ہے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی ان کی اس طرح و غروب کی نماز پابندی کر۔ پھر آپؐ نے آیت پڑھی: "فسمجد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب"۔

من دونہما جنتان۔ ابن قتیب کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا وہ جنتیں انسان کے سامان چاندی اور دھات کے سولے کمر ہوں گی،
 "وہن جہنم" ابوہریرہ کہتے ہیں آپ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سارا سال میں بھی اسے نہ ٹپے نہ کھڑے نہ گھبراوے آیت ہے۔
 ام حلیہ کہتی ہیں کہ حضور نے یہ پتھر کرم سے بیعت لی۔ ان لایسکان باللہ" فرم سے منہ کیے تو ایک عورت نے کہا کہ میں ایک عورت کا بدلہ دینا چاہتی
 ہوں تو حضور کا رخ رہے چاند نہ گئی اور پھر واپس آکر حضور کے ہاتھ پر بیعت کی۔

ابن عمر نے فرماتے ہیں حضور نے فرمایا: "یوم یلقوہ الناس لرب العالمین" کا عالم یہ ہوگا کہ لوگ کالوں تک پہنچنے میں ڈوبے ہوں گے۔
 عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں میں نے حضور کا وہ خطبہ سنا تھا جس میں آپ نے ناقہ ثمود کا ذکر کیا تھا آپ نے ازبعتہ اشتقاہا کی تشبیہ
 میں فرمایا کہ وہ اپنی قوم کا سردار تھا مجھے اللہ ضرور جو نبی کا چچا ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم جس حد تک تقدیر میں ایک جنازے میں شریک تھے آپ نے فرمایا ہر آدمی کا مقام جنت یا دوزخ میں لکھا ہوا ہے وہاں
 نے عرض کی یا رسول اللہ پھر کیا ہم اس نقب پر نہ لڑیں؟ آپ نے فرمایا ہمیں کدو کے لئے آسناں ہیں پھر آپ نے تلاوت فرمائی
 فاما من اعطی دالۃ وصدیق بالحق فلیسک لیسکالہ۔

ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم نے ایک طرفہ میں حضورؐ سے شخص کی اجازت مانگی تو آپ نے دیکھا کہ اللہ کی اجازت دی اور پھر آیت پڑھی یا ایہا الذین
 اصغرالا تمسوا لیبات۔ احل اللہ کلمہ ولا تقعدوا ان اللہ لا یحب المستبدین۔

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں سرور عالم نے فرمایا جنگ فی سبیلہ ربک بڑا جھوٹ ہے۔ "ولا تحسبوا ولا تجتسروا" ولا تحاسدوا
 ولا تنافسوا ولا تباروا کو فرما ہوا اللہ اخوانا۔

آپ ہی کی رعایت میں ہے حضورؐ نے اٹھا دفرمایا۔ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو اور جب ایسا ہوگا تو سب ایمان لائیں گے
 مگر لا ینفع لفسا ایمانہا لکن امنتم من قبل او کسبت فی ایمانہما خیرا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں سرکارِ عالم نے فرمایا، نور قیامت میں پڑھے جائیں گے کہ کیا آپ نے پیغام پہنچایا تھا وہ کہ بچے ہاں
 مگر ان کی امت کہے گی ما جاءنا من ذنیر۔ تو وہ جواب دیں مجھے اوستم کو لا ست محمدی (کولائیں گے تو تم گمراہ ہو گئے پھر آپ نے پڑھا۔ "وکن اللہ
 جعلناکم امۃ وسطا لعلکم تہتدوا علی الناس یکون الرسول علیکم شہیدا۔"

امام بخاری نے ایک باب قائم کیا ہے۔ قول الغیر۔ ہر بالقرآن مع السفۃ الکلام البہلہ۔ (۱۱۲۵)
 ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن، دینت میں کس قدر سبب اللہ ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور قرآن کے سمجھنے اور اس کے احکام
 کی تعمیل کے لئے ہم احادیث رسول کے کس قدر محتاج ہیں!

ماہر القادی

جھلکیاں

کس زندقہ کے ساتھ فرمایا جا رہا تھا بلکہ انشاء پر خدا تعالیٰ کا اعلان تاشقند سے مسئلہ کفر کے تصدیق کی راہیں نکلیں گی۔ مگر آپ کی کوئی ممانعت نہ تھی۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ سے بالکل بے اثر رہا۔ اور پھر پہلی اور دوسری دفعہ اولیٰ اجماعت اسی طرح دہرائی گئی کہ کثیر منہستان کا الٹ الٹ ہے! پاکستان کے کچھ رہنماؤں نے کہا تھا کہ اعلان تاشقند سے کثیر کے مسئلہ کو فائدہ نہیں، فقہان پہنچا، کسی شرط کے منافی بغیر نہ تو جنگ بندی ہونی چاہیے تھی نہ فوجوں کی واپسی اور کوئی معاہدہ۔ ان بھانڈوں کو "انتشار پسند" ٹھہرا گیا اور وہ ہار گئے، فلک جنابیں معزب قرار پائے۔ ایسا اقتدار کی خوشی و ناخوشی اور عقاب و کرم کے پیمانے پر دوسری ایکس پیجیس ہے! حق پسندوں اور سچی بات کہنے والوں کو کم ہی برداشت کیا گیا ہے اور ہمارے داری کا مزاج رکھنے والوں اور بال میں ڈالنے والوں کے ہاں یہ راہیں راہیں ہیں جن کو کھانا ملتا ہے۔

طاقت کے مقابلہ میں سچا بات کہنے کی ہرگز میں ہمت کہاں ہوتی ہے دنیا کی تاریخ میں نہاد فرقہ خالی کے بیگن ہی نظر آتے ہیں! انا! جب کبھی حضرت محمد الف ثانی جیسے حق گو مجاہد پیدا ہو گئے ہیں! تو اقتدار کو لاچار ہو کر جھکنا پڑا ہے!

یہ حالت ہو گئی ہے ان دنوں اپنے گھٹنوں کی
نہ جانے کب غزال جائے نہ جانے کب بہار آئے

۲۲ مئی کا سہ ماہیہ جنگ ہمارے سامنے ہے، اس کے آخری غور و جلیب سے خبریاں نظر آئیں۔

زکوٰۃ کی قسم آئی شرح میں کئی بیسی نہیں کی جا سکتی
ماڈرن مجتہدین کا جابلانہ اجتہاد برواشت نہیں کیا جائیگا

اس کے بعد مسند جہ ذیل بیان دے۔

لاہور ۲۰ مئی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی پاکستان نے ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر مشرف فضل الرحمن کی اس تجویز پر شدید نکتہ چینی کی ہے کہ حکومت زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ کر سکتی ہے، مولانا مودودی نے بجا ایک بیان میں کہا، جس طرح مذہبی رکتیں اسلام نے مقصد کر دی ہیں اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، اسی طرح زکوٰۃ کی شرح میں کمی بیشی ممکن نہیں مولانا نے زکوٰۃ کی قسم کو ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کرنے کی تجویز کی بھی مخالفت کی اور کہا کہ زکوٰۃ کے مصداق قرآن نے خود کر دئے ہیں، امیر جماعت اسلامی نے سرکاری قرضوں پر سود کی ادائیگی کے بارے میں مشرف فضل الرحمن کے قریب پر بڑی کڑی نکتہ چینی کی اور اسے جابلانہ اجتہاد قرار دیا۔

مولانا مودودی نے اپنے بیان میں کہا کہ اخباری اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ امریکی سے ملاپنڈی میں اسلامی مشاہدتی کونسل کا اجلاس ہوا ہے اس میں یہ تجویز بھی زیر غور آنے والی ہے کہ زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ کیا جائے اس سے ترقیاتی سرگرمیوں کے کچھ اخراجات پسے گئے جائیں، اس تجویز کے حق میں کونسل کے ایک رکن نے اخبارات کی بیان بھی دیا ہے، مولانا نے کہا کہ یہ جابلانہ

جہاں امر صاحب نے شاہ فیصل کو رنجی حملہ کی دھمکی دے دی، تصور؟ یہ کہ تم اسلامی ممالک ہیں۔ اتحاد کاغذ کو کیوں بلند کرتے ہو؟ امر صاحب کو سبک زیادہ چڑ۔ اسلامی اتحاد سے ہے۔ ۱۔ اسلامی اتحاد پر وہ سارا حجت کی پھینکی پھرتے ہیں! شاہ فیصل کی حکومت پر چڑھائی دھماکے اور ارض مقدس پر چڑھائی ہے، اس ارض مقدس پر جہاں کے اندر عین نام کے شہر آباد ہیں! اور کوئی بڑے سے بڑا مسلمان بھی کہہ اور عین پر حملہ کرنے کا تصور تک نہیں کر سکتا! کہ اور عین سے محبت و عقیدت مسلمان کے دین دایمان کا تقاضا ہے۔ مگر جس دلی فرعون کی محبت گھر گر گئی ہو، وہاں عربین شریفین کا احترام اور محبت و عقیدت کہاں باقی رہ سکتی ہے! خدا کی قسم شاہ فاروق کی ملکیت، آٹا مکر کی۔ جمہوریت سے ہزار درجہ فضیلت ملتی! آہ! اس وعدے کے سلی فونی کو کیسے کیسے حاکم اور فرماندار لگے باقی پڑا ہے۔

کراچی والا ہر دے نہیں بلکہ اسے خبر آتی ہے کہ یہ غیر جانبدار ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنسیں ہر دے ہیں۔ یہ غیر جانبدار ملک کوئی ہیں؟ ان کے اسماء گرامی بھی کسٹن لیجے۔ بھارت، بلوگستاویہ اور سر۔ ان کانفرنسوں میں کیا ہوگا؟۔ حالی احمد پر غیر جانبداری کے نواوہ نگاہ سے غور و فکر! مگر یہ تینوں سربراہ کیا۔ مسئلہ کثیر پر غور و فکر کرنے کی زحمت فرماتیں گے، یہ بھی تو عالمی مسئلہ ہے کہ اس مسئلے سے انشیاہ کا امن وامان اور مشرقی ممالک کی سلامتی وابستہ ہے!

مگر سر۔ احمد بلوگستاویہ کے سربراہوں نے پاک و ہند کے مابین جنگ کے دوران ہی جب "مسئلہ کثیر" کی کھدائیت نہیں سمجھی تو اب کیا سمجھیں گے!! یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

۳۔ من جواب الجب حلت بلہ اللہ ادا مت
شاہ فیصل کی اتحاد اسلامی کی دولت پر جہاں امر صاحب کی وہ برہمی! کہ حکومت نجد و بجاز کو "مسئلہ من" کی آؤ بنا کر، جنگ تک کا اعلیٰ یٹم دے دیا، مگر کافر سربراہوں سے اتحاد کے لئے اتنی سرگرمی اور وفد دھوپ!

ایک شاعر کو لوگا گیا کہ تم شراب کی زبان سے نعت کہتے ہو، یہ حوام ہے، ام الغیاث ہے، نعت عوی میں "جام و مینا" ادا دہ و صہبا کا ذکر کرتے ہو، یہ تقاضا کیوں؟ شاعر نے جواب دیا،۔

میں شربانی نہیں ہوں شاعر ہوں

اصطلاحاً شرباب پیتا ہوں

اس پر تاقی شربان کے پھر دے "شرمندگی" کی تراوشن ہونے لگی۔

اسی دور کے چند منتخب اشعار، جن سے ملاحظہ اطراف ملاحظہ ہوتا رہے۔ ۱۔

دامن پکڑ لیا ہے شبِ انتظار کا (دہوش گویا رہی)
جس طرح ہمیں پرانیں تیرے گیسو بھی نہیں (قمر جلاوی)

یہ بھی نہ جا سکے گی۔ اگر وہ نہ آ سکے
اس ترے سر کی قسم فرق سر تو بھی نہیں

تڑپتے تڑپتے سکون پا گئے ہیں جہاں سے پہلے تھے وہیں آ گئے ہیں (نیپا راولوی)
 دیکھ کر حال پریشاں اپنا ہم بھی ہنس لیتے ہیں دنیا کی طرح (دنا بقی دہری)
 آفری دشت آہ کرتا ہوں آج پہلا گناہ کرتا ہوں (نخشب چارپوی)
 جب تذکرہ ہوا پہ ثابت جمال کا محسوس یہ تھا کہ گلستان میں آ گئے (نظر الخربوی)
 ہم ترے نام پہ بیٹنے والے تجھ پر مرنے کے سوا کیا کرتے (زر کی کیفی)
 ٹھیر بھی جا دیر ساقی پہ دو گھڑی کیلئے تمام عمر بڑی ہے راولوی کے لئے (رشا کو قلعہ یا نہیں؟)
 وہ مخاطب بھی میں، قریب بھی ہیں اُن کو دیکھیں کہ اُن سے بات کریں (زراق گوگھڑی)
 بدلی جو چشم ساقی، ہمداد جھوٹ آیا کس تشنگی میں، کیا میخاد جھوٹ آیا (نظر حبیب آبادی)
 کبھی سر بھی رکھ دیتے اُن کے قدم پر ابھی حرف نقش قدم دیکھتے ہیں (اردم گھنوی)
 ہندوستانی مصرے، جن کے شروع کے مصرعے یاد نہیں رہے۔

س بڑے آئے مرا چاک گریباں دیکھنے والے
 س بنتے ہوئے دیکھا ہے محبت کو ہوس بھی
 س آفت کی دھار پہ ہنسا بکٹ گیا ہو گا
 س خون دل حرف کیا ہے تو ہمارا آئی ہے
 س کہ میں بھی ہوں تری خوشبو کی طرح آمادہ

کامیاب مطلب

کی جتنی خصوصیات ہیں..... مثلاً

● تشنیں پر احساس ذہن دار کی آگے ساتھ غور نہ کر ہو ● تجویز نسخہ میں فنی مہارت اور رعیت سے عمدہ روی کا جذبہ کار فرما ہو ● دو باتیں ایسی ہوں جو مہیج تیار کی گئی ہوں۔

یہ ہر سہ بنیادی امر۔ اللہ ذوالجلال بوشانی مطلق میں کے انوی سے رعیت کی کشمائیابی

مطلب کی کامیابی کا ذریعہ ہیں سہم پر سہم اطمینان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مطلب اشرف انہی خصوصیات کا حامل ہے اس بات کو پاکستان کے ہر علاقے کے مریض اس مطلب سے شکیاب ہو چکے ہیں اگر آپ کسی طبی مشورہ کی ضرورت محسوس فرمائیں تو آپ مطلب اشرف کی جانب رجوع فرمائیں جسکی نگرانی بلوہ راستہ پاکستان کے نامور طبیب مولانا حکیمہ عبدالرحیم اشرف خود فرماتے ہیں سب بوجہ اس کے مریض مخلص تھا کہ کہ شہر و منت محل میں یا سوائے طلب فرمائیں۔

(مطلب اشرف اشرف منزل از درجہ مہیج تیار کا اولیٰ کاغذ)

مولانا محمد حسام اللہ شریقی

تاثرات

(۱)

تاریخ کے کسی دور میں بھی دنیا کی کسی تحریک اور کسی غصب میں فرنا اول سے وہ کام نہیں ہو سکا جو دیوانگانِ عشق نے کر دکھایا۔ فرزا نے ہر خطے میں سرودنیاں ہی کے چکر میں پڑے رہے اور دیوانے نفع نقصان سے بے نیاز ہو کر بے خوف و خطر میدانِ عمل میں کود پڑے اور اپنی اکی جہالت و نمانہ اور ہمت مراد کے سبب تاریخِ عالم میں ایک انقلابِ عظیم برپا کر کے انہوں نے اس دنیا کے بایسوں کو حیران کر دیا۔

بے خطرہ کو دہڑا آتشِ نمرود میں عشق

عقل ہے محو تاشائے لبِ بامِ ابھی

جنابِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تین تہا ایک عظیم طاقت سے نوازا جاتے ہیں تو اس کی جانب سے آپ کو دہکتی آگ میں ڈال دینے کا حکم دیا جاتا ہے اس حکم کو سن کر آپ پر کوئی خوف و ہراس طاری نہیں ہوتا۔ آپ کی پٹائی پر تلے تک نہیں پڑتا اور نہ آپ کے کسی فعل سے کسی قسم کی گھبراہٹ ظاہر ہوتی ہے۔ اہل عقل و غور سوچتے رہ جاتے ہیں مگر عشق اور خلوص و ایمان آپ کو خوشی خوشی اس آگ میں کود پڑنے پر آمادہ کر دیتے ہیں اور پھر دنیا دیکھتی ہے کہ اس کے نتیجے میں وہی آگ گل و گلزار کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

ایک مدت کے بعد جب کہ میدان میں پھر مجدد عاشقانِ صادق نظر آتے ہیں ہونا بخ سے بے پروا ہو کر میدانِ جنگ میں کود پڑے اور ہزاروں کے لشکر سے ٹکرا جائے گی ہمت پیدا کر لی اور پھر اپنے عمل سے دنیا کو بتا دیا کہ کامیابی ایسے ہی لوگوں کے دم ہو سکتی ہے جو نفع نقصان کو یکسر نظر انداز کر کے عشق کے راستے پر چلنا پسند کرتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ ساز ہستیوں میں ہر مردانِ کاری و قور ہے ہیں۔ انہوں نے اس مقصد کے لئے نچیں پستوں سے زیادہ کام کیا ہے۔ کہ ملا کے تپتے میدانِ آہ بھی اس حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں کہ جنابِ حسین علیہ السلام اپنے بہتر شاغیروں کی معیت میں جب ایک لشکرِ جوار کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے ہیں تو عقلِ مصلحت وقت کا ساتھ دیتی اور مابہت سے کام لینے کی تلقین کرتی ہے مگر عشق کا فیصلہ اس سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ تب امامِ موصوت عقل و فہم کے نئے پیر عشق کے فیصلے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس پر عمل کر کے اپنی جان تک کا بازی لگا دیتے ہیں۔ گروقی طور پر یہاں لعین امام حسین علیہ السلام امدان کے ساتھیوں پر غالب آ جاتے ہیں لیکن بالآخر فتحِ عشق اور اخلاص ہی کی ہوتی ہے اور حق و صداقت ہی غالب رہتے ہیں۔ آج اس عاشقِ صادق کے نام لیا تو بے شمار مل جاتے ہیں جو اس کے خلاف کو یاد رکھنے والے اندھیرے میں آپ کو اس کی جماعت میں شمار کرنے والے گنتی کے چند لوگوں کے سوا شاید ہی کوئی مل سکے۔

تاریخ کے اس ایمان افزہ واقعہ سے اندازہ چڑھتے تو امامِ مالک، امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل بھی طرق و سلاسل پہنے سرزخوں کی اسی صف میں کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں ہزاروں طرح کی تکلیفیں برداشت کرنے کے باوجود بھی اخلاص و وفا کے دامن کو اتار دے نہیں چھوڑتے۔ کڑوں کی ضرب سے سارا جسم ہولناں اور چھلنی پر جانے اس عقیدہ مند کی صحبتیں برداشت کرتے ہوئے بھی وہ اس مانتے کو کسی صدمت ترک کر دینے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

تاریخ کے مزید کچھ اہلِ انصاف اللہ تعالیٰ کی جماعت کے ایک دوسرے سرگرم رکن حضرت محمد سرمدی سے طاقت ہوتی ہے۔ گمراہ کے قلعے میں طرح طرح کی مصیبتیں پھیل گئیں مگر ہاتھ استقامت میں نہ باجمعی لغزش نہیں آتے پانی اگر بے عشق کی کارروائی نہیں تو پھر اندک ہے۔

برصغیر کی حالیہ تاریخ میں ان لوگوں نے کاروائے نمایاں سر انجام دئے جن کا تعلق سرفروشل اور حق پرستوں کی اسی جماعت سے تھا جنہوں نے اپنے ام
خصیت ملک ملت کے لئے جنگ وقت کر دیا تھا۔ جو علی جوہر حسرت منائی، اور طر علی خاں الجیری دیوانیوں سے تھے۔

تاریخ کی مدق گرانی اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ ازل سے سرفروزی و سرپرستی ان لوگوں کے لئے مقصد پر مبنی ہے جو معن پرستی کا انداز نگاہ پر
کو ترجیح دیتے ہیں جو حالات اور مصلحت سے صلح کر لینے کے قائل ہونے کے بجائے صفات اور اطوار حقیقت کو اپنا شعار قرار دیتے ہیں اور حق گوئی کی خاطر مرنے
اپنے لئے باعث صداقت و افتخار تصور کرتے ہیں۔

ہم ادا معارفہ میں تیزی سے لپٹی کی طرف جا رہا ہے اور ہر معاملے میں وہ تعلیم و تہذیب کا مسدود یا ثقافت و معاشرت کا، وہ اخلاق و کردار سے
جو یا نہ کر دے نظر سے وہ اندرون خانہ کے معاملات سے متعلق ہو یا بیرون خانہ سے، عائلی اور تمدنی سلسلے سے اس کا تعلق ہو یا آئین و افکار سے، غرض اللہ
زندگی کے کسی بھی شعبہ وہ سائن و معاملات تعلق رکھتے ہوں۔ اسلامی ہدایات کی جس طرح کچھ بندوں خلاف وندی کی جا رہی ہے اور اپنی من مانی خواہش
اسلامی احکام سے بغیر کے اسلام کے ساتھ جو سنگین منافق کیا جا رہا ہے اس کی روک تھام کے لئے ابنِ ولایت کی ضرورت ہے۔

(۲)

افکار و مبانی کے سلسلے میں ایک اشتهارِ نظر سے گزرا۔ مرفوعہ عبارت ہے: ”جہیز ایک معاشرتی لخت ہے“ مختلف رسائل و جرائد میں
اس سے متعلق مضامین دیکھے جاتے رہتے ہیں مگر ان تمام مضامین کے مطالعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ سب لوگ یا تو افراط و تفریط میں ادیان
میں مبتلا ہیں۔ یا و اعتدال سے دلوں ہی گمراہ ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

شادی کے معاملے میں فریقین کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح اپنے سے برتر لوگوں اور اعلیٰ طبقہ سے تعلقات قائم کئے جائیں۔ وہ اپنے
اور لچھے طبقہ کو ان میں بہت سی خوبیاں ہونے کے باوجود یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے اسلام کی ہدایات کو ترک کر دینے کے
نتیجہ برآمد ہونے چاہیں انہیں اس معاشرے میں جو فساد و فحشا ہونا چاہتے وہ کچھ ہے جس کی صفائے بازگشت ”مشرق“ و ”مغرب“ میں سننا
وہ ہی ہے۔

اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے جب تک اسلام کا بتایا ہوا طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا یہ مسئلہ سلجھنے کے بجائے الجھتا ہی چلا جائے گا
اس پر رسم و رواج کی دین تہیں پڑھتی چلی جائیں گی تاکہ اسلام کی اصل شکل کا پتہ چلانا ہی دشوار ہو جائے گا۔

اسلام اور جہیز اسلام جناب محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسئلے میں جو ہدایات دی ہیں وہ بالکل واضح ہیں۔ لڑکی کے
سب سے بڑا جہیز اس کے اخلاق و اعمال اور کردار و افعال کی درستی، علم و عمل سے آشنائی اور دین سے دلچسپی ہے۔ اگر والدین نے لڑکی میں یہ صفات
عالیہ پیدا کر کے کی سب نہیں کی تو جہیز میں زیادہ سے زیادہ اندیشہ سے قیمتی سامان بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتا اور اگر وہ اپنی لڑکی میں یہ صفات
پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر کوئی جہیز نہیں ہو سکتا۔ لڑکے والوں کو بھی سوا ب کے چھپے بھاگنے کے بجائے اس حقیقت
پائیدار جہیز ہی کا کش کرنا چاہئے۔ جہیز کا بیش قیمت سامان بھی ان صفات کے سامنے بیچ ہے۔

فرمودہ ہیں کہ سامانی جہیز اپنے ساتھ خوشی و مسرت بھی لے کر آئے۔ جب کہ یہ یقینی امر ہے کہ صفات مذکورہ سے آراستہ ایک لڑکی اپنی
اور اپنے ساتھی کی زندگی کو بہتر طریقے سے سنوار دے گی اور اس کے لئے خوشی و مسرت کے پیمانے لہیز کر دے گی۔

دوسری جانب سے لڑکی والوں کو کسی لمحے بھی یہ حقیقت فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ہر کی زندگی کو کبھی پائیدار اور خوش حال زندگی کی
ضمانت نہیں بن سکتی مادہ و قسم ہر کی زندگی کو محض اس لئے نظر انداز کر دینا کہ اس رقم کو ادا کر دیا جائے نہیں پھر زیادہ یا کم ہونے سے کیا
فوق پڑتا ہے۔ ایک ایسی غلطی ہے جس سے صرف نظر کرنا کسی صدمت میں بھی مدد نہیں ایسے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس طرح ان کا

نکاح ہی جائز نہ ہوگا اور وہ زندگی بھر نعل حرام کے مرتکب ہوتے رہیں گے۔ اسی کی اولاد بھی صحیح النسل نہیں ہوگی۔) —
 عین ممکن ہے کہ ہر کی یہ زیادتی ہی خوش حال زندگی کے ماتے میں رہے بڑی رکاوٹ بن جائے۔ اس لئے اہل معاملہ کے لئے اس امر پر نظر رکھنا نہایت ضروری ہے کہ ہمیز کی مردہ پر رسم قیچ کے ساتھ ہی ساتھ زید ہر کو بھی دائرۂ اعتدال میں لانے کے لئے مناسب قدم اٹھائیں۔
 افراد ملت سے مددراست کی جائے کہ وہ نمود و تماشائے کی غرض سے زیادہ سے زیادہ سامانِ ہمیز دینے سے اجتناب کریں اور اس پیشی اور پائیدار ہمیز کی طرف زیادہ توجہ کریں جس کی طرف مٹور بالائیں اشارہ کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی رسم ہر کی تحدید کے لئے ہم چلائی جائے۔
 خوش حال زندگی بسر کرنے کے لئے ایک اور اہم مسئلہ، جسے عام طور پر غصہ انداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ وہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے، یہ ہے کہ دونوں کے درمیان نسکی اور نظم یا قی طرح پر ہم آہنگی پائی جاتی ہو۔ اس کے بغیر وہ اپنی زندگی بہتر طریقے سے گزارنے کے لئے کسی بھی کوئی مشترک لائحہ عمل مرتب نہیں کر سکتے۔ فریق اول برسرِ مسئلہ کو مشرق نقطہ نظر سے دیکھنے کا اور فریق ثانی مغربِ عینک کی دُست سے اس کا مطالعہ کرنے کا عادی ہو تو دونوں کے نقطہ ہائے نظر کے درمیان اس قدر بُعد اور اختلاف پیدا ہو جائے گا تو یہ امکان ہے کہ اس بُعد کو ختم کرنے کی کوئی شخص ہمت نہیں کر سکے گا۔ اور نتیجہً وہ اپنی زندگی ہی میں جہنم کی سیر کریں گے۔ اس لئے مستحقہ افراد (ڈاکے اور ریکی) کے درمیان نسکی اور نظم یا قی ہم آہنگی کا ہونا بھی اشد ضروری ہے۔

تقریرِ سیرت النبیؐ کی مفت تقسیم

اخبار "الجماعت" کراچی کی طرف سے ہر سال عید میلاد النبیؐ پر سیرت حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان افروز کتابیں شائع کی جاتی ہیں جو سارے ملک میں مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس سال ربیع الاول کے پہلے ہفتہ میں تقریرِ سیرت "رسول اللہؐ کے میٹھے بول" شائع کی جا رہی ہے جو پاکستان اور ہندوستان ہر جگہ وسیع پیمانہ پر مفت تقسیم کی جائیگی صرف ڈاک خرچ کیلئے سات پیسے کے ٹکٹ نفاذ میں ارسال کر کے اپنا نام و پتہ پہلے ہی درج کرالیں تاکہ میلاد النبیؐ سے پہلے پہلے آپ کو بذریعہ ڈاک تقریرِ سیرت مفت ارسال کی جائے۔
 (نوٹ، بھارت کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے ڈاک کے ٹکٹ ہم اپنے پاس سے لگائیں گے۔)

پتہ -۱

سرور شاہ گیلانی ایڈیٹر الجماعت کراچی ۳

سوز و ساز

نظر اٹھتی نہیں اور آگئے وہ
زباں کھولی نہیں اور ہو گئی بات

سراپا شرق دیکھ کر بے نیازی
یہی جذب و جنوں کی ہیں علامات

زیارت گماہ اہل جستجو ہیں
مری پر لہر زلفوں کے لٹانات

خود کی دسترس، مد نظر تک
جنوں ہے صاحب کثرت و کلمات

مجھ کل صحبت واعظ میں تھیں
اہل یتیم خانے کے دن ملات

ہوش تریزی

وہ لقمانے جنوں اب کے بہاؤ میں نہ تھا
ایک دامن بھی تو اٹھا ہوا خادوں میں نہ تھا

اشک غم غم گئے یاد آتے ہی اُن کی صورت
جب چوڑھا چاند تو پھر نور ستارہ میں تھا

مرنے جینے کو نہ سمجھے تو خطا کس کی ہے
کون سا حکم ہے جو اُن کے اشاروں میں تھا

ہر قدم خاک سے دامن کو بچا یا تم نے
اور یہ شکوہ کہ میں راہ گداؤں میں نہ تھا

تم سا لاکھوں میں نہ تھا جان تمنا لیکن
ہم سا محروم تمنا بھی ہزاروں میں تھا

ہوش کرتے نہ اگر ضبطِ فغاں کیا کرتے

پیش کش غم کا سلیقہ بھی تو باروں میں نہ تھا

تسلین قرشی

مجھ سے مل کر بھی اے دوست ہم کیا کریں
دل سے جاتا نہیں دل کا غم کیا کریں

اب کسی اور سے عرض غم کیا کریں
جب نہیں بک رہے ہو کہ ہم کیا کریں

لذت شغل آہ و فغاں کیا کہیں؟
شکر انعام شب اے غم کیا کریں؟

کیا کریں اُن کے جو دستم کا گلہ
دل بھی ظالم نہیں اُن سے کم کیا کریں

عاشقی عاشقی ہے، گدائی نہیں
پھر کسی سے سوال کرم کیا کریں

تھی بہت حسرت باتی مگر
رک گئے خود اُنہیں کے قدم کیا کریں

کام آئی نہ تسکین سلامت روی
پڑ گئے اند بھی بیچ و خم کیا کریں

(۲)

اُدھر ساقی، اُدھر پیرِ خطبات

مہاکبے پرستانِ نور میں اوقات

غم دل کے بہت نازک ہیں حالات
شکایت لبِ پی آئی اور نئی بات

سمجھ لیں اہل دنیا خوب یہ بات

کہ دنیا ہی نہیں دارِ مہکانات

بہت دلکش ہی ہر عالمِ حسن

مگر بے رخی میں ادھی بات

کمالِ عشق میں یکں ہیں دونوں

غمِ فرقت ہوا عیشِ ملاقات

(۲۱)

اے عشق تیری دوسری منزل بھی ہے کہیں
مرنا ہے ابتدا میں تو کیا انتہا میں ہے
لائی ہے جب صبا تو چمکتے ہیں بام و در
یہ روشنی سی کیا تری لئے تباہ ہے
ہر رنگند نشان ہے تری سمت کا منگر
اقرار نہ رہی بھی ہر اک نقش پائیں ہے
توصیف حسن، اصل میں ہے وصف حسن ساز
بندوں سے جس کو پیار ہے یا بغض میں ہے
یہ تشنگی، یہ پاس و فدا، یہ مجرم غم

کیا کارہ الی شوق کسی کو لایں ہے

(۳)

کس سے کہئے کہ زمانے کو گراں گزرا ہے
وہ فسانہ جو مری حسرت گفتا میں تھا
دل کہ آتا ہی نہیں تنگ تنگ کی طرف
کوئی اقرار کا پہلو ترے انکلا میں تھا
کچھ تجھے یاد ہے اے چشم زلیخانے جہاں
ہم سایہ بھی کوئی صبر کے بانٹا میں تھا
زندگی جانہ سکی شام و سحر آگے
سا ما عالم اسی آئینہ حکرا میں تھا

عمر بھر چشم تنگ کو ہی جس کی تلاش
ہمیشہ رہ حسن گیزاں کشا میں تھا

شفقت کاظمی

ترے حضور جو لب پر نہ آسکا ہوگا
وہ حرف ہم نے انسا دل میں کہہ دیا ہوگا
خبر نہ تھی کہ سیر جادۂ وف ہم کو
قدم قدم پہ بلاؤں کا سامنا ہوگا
تجھے خیال بھی اُس کا نہیں مگر اب تک
کوئی غریب تری ماہ دیکھتا ہوگا

کبھی نے ہم کو دیا ہے جو درد تنہائی
کبھی تو اُس کا عاں بھی سوچنا ہوگا
بہار جن کا مقصد نہ ہو سکی ہوگی
چمن چمن انہی پتھروں کا تذکرہ ہوگا
اُسی قدم مرے دل کی ہوس بڑھی ہوگی
تو کجا نگاہ نے جتنا گرم کیا ہوگا
بسا ہوا ہے جو اک اجنبی مرے دل میں
خود مجھ سے وہ شفقت کہیں ملا ہوگا

عروج زیدی

فاش ماز نہاں نہ ہو جائے
آن کے قدموں کے ہونے بہت
گرم بے سبب کا طالب ہوں
غم چھپانے کو شکر تباہوں
بڑھتے بڑھتے یہ بے زنی نظر
جذبہ دکھ ہی ولا مسک ہے
جدیدہ چاہ لب نہیں کھلتے
نوگوشم بن کے مجھ کو عروج
وہ کہیں بہسرباں نہ ہو جائے

شمار برقی

پھر یہ بندہ کو بے شوق معنویت پھر زندگی بے لاسک انانیت
پھر حصائے کسمی کی حاجت ہوتی پھر نے وہ پھر ہی پھر عزت
ڈھل گئی شام تیریاں چھٹ گئیں دن کے سورج سے پھر چھٹنے لگے
دویشا ہی مری فکر کردے گیا ایک دگش سی مینا و جبریت
باہر نماں ہے اندم تیر ہے پھر ہی میر وطن کی میں پاکست
چو بایا تیں داغوا ہے عصمت دیکھا ابائی پیا پر حسب غیریت



روح انتخاب طلب کیشن کی رپورٹ

ایک جائزہ

د اسلامی جمعیت طلبہ کراچی کی جانب سے ایک کتابچہ شائع ہوا ہے جس میں طلبہ کیشن کی رپورٹ کا
جس ایمانی فراست علمی و تعلیمی بصیرت اور بالغ نظری کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے وہ اس کا
مقتضی ہے کہ یہ ممکن "مقررہ" قارئین نامان ہنگ پر پڑھا دیا جائے — م۔ ق۔ م

دسبر ۱۹۶۵ء میں حکومت نے پیریم کورٹ کے جج جناب محمد صالح صاحب کی سرکردگی میں جو کیشن قائم کیا تھا اس کی رپورٹ اس
ماہ شائع کر دی گئی ہے، کیشن کا کام یہ تھا کہ تعلیمی دنیا کو جو مسائل درپیش ہیں ان کا جائزہ لے اور ان کے حل کے لئے ٹھوس اور عملی سفارشات
پیش کرے۔ کیشن نے پورے ملک کا دورہ کر کے اساتذہ، طلبہ اور تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے دیگر تمام افراد سے ملاقاتیں کی ہیں
اور تقریباً ایک سال کی محنت اور غور و فکر کے بعد یہ رپورٹ مرتب کی ہے۔

۱۔ نظریاتی پہلو

ہمارے نظام تعلیم کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ اب تک نظریاتی بنیادوں پر اس کی تفصیل تو نہیں کی گئی ہے، ایک لادینی اور مادی
تہذیبی نظام کے لئے یہ چاہیے بالکل مناسب جو لیکن ایسی ریاست کے لئے جس کی بنیاد اسلام کا ہمہ گیر نظریہ حیات ہے، یہ نہ صرف غیر
اطمینان بخش ہے بلکہ مثبت طور پر اس کو نقصان پہنچانے والا ہے۔ قومی لحاظ سے، ہماری اس سے بڑی ناکامی اور کوئی نہیں کہ ۱۹۴۸ء سال
کی مدت میں بھی ہم اس نظام کو نئی شکل نہیں دے سکے ہیں اس غامض کو سب محسوس کرتے ہیں جو طلبہ ہائے تعلیم اس میں طلبہ میں اعلیٰ اخلاقی اقدار
اور مضبوط سیرت و کردار کے فقدان کا شکار ہو رہے ہیں لیکن کوئی ٹھوس قدم اصل مسئلہ کو حل کرنے کے لئے نہیں اٹھایا جاتا۔ جب تک
نظام تعلیم طلبہ کو زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد عطا نہ کر دے گا، ان میں نظم و ضبط کا فقدان اخلاقی اقدار سے روگردانی یہاں تک بڑھائی
تک میں عدم دلچسپی کی شکایات درج نہیں ہو سکتیں۔ قومی تعلیمی کیشن کی سربراہ ناکامی بھی یہی تھی کہ اس نے انگریزوں کے چھوڑے ہوئے اس
نظام تعلیم میں کسی بنیادی اور ہمہ گیر تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی اس لئے اسے ایک یائس کن رپورٹ قرار دیا گیا۔ ہمارا اہم یہ ہے کہ
موجودہ رپورٹ بھی، اپنی بعض جہدی خوبیوں کے باوجود اس بنیادی مسئلہ کو حل کرنے کی کوئی خاطر خواہ کوشش نہیں کرتی۔ بلکہ مقام حیرت
و انسوس ہے کہ تبدیلی کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتی!

کیشن کا دائرہ کار محدود نہ تھا اس نے خود تسلیم کیا ہے کہ اس کا دائرہ کار اتنا وسیع تھا کہ تعلیمی دنیا سے متعلق ہر مسئلہ اس میں آسکتا تھا۔ مصوٰع ام یہی وجہ تھی کہ کیشن کے سامنے جو یادداشت پیش کی اس میں جہاں بھر لپہ اٹاناز سے جڑی اور وقتی ساق کی طرف توجہ دلائی وہیں پر زور الفاظ میں یہ بھی واضح کیا کہ موجودہ نظام کو اسلام کے سامنے میں ڈھلے غیر ملکی کے مل کی توقع بحث ہے۔ تعلیمی نظام کے غلط ترشح پر چلنے کی وجہ سے جو مسلسل اور ناقابل تلافی نقصان ایک آباد مسلمان قوم کی حیثیت میں ہم کو پہنچ رہا ہے، اس کی بنا پر توقع تھی کہ کیشن اپنے فرائض سے جملہ برآ ہونے کے لئے نظام تعلیم میں بنیادی تبدیلی کی سفارش ناگزیر تصور کریگا لیکن کیشن نے نہ صرف یہ کہ موجودہ نظام پر اپنے کامل اطمینان و اعتماد کا اظہار کیا ہے، بلکہ یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ ”وہ بے مقصدیت جواب تک ہمارے نظام تعلیم پر چھائی ہوئی سختی اب ختم ہو چکی ہے“ (صفحہ ۲۴) کیشن نے لکھا ہے کہ ”ہم نے کوشش کی ہے کہ اپنی موجودہ تعلیمی پالیسی میں اور حالات کے اس نظام میں جو اس وقت جاری ہے کسی قابل لحاظ تبدیلی کی سفارش نہ کریں“ (صفحہ ۱۹۲) کیشن نے جا بجا رسوائے زمانہ قومی تعلیمی کیشن کی رپورٹ کو مرکزی نقطہ اور معیار بنی مانا ہے اسدائیں اس میں کوئی خوابی نظر نہیں آسکی۔ اس طرح یہ دراصل اسی رپورٹ کا ایک تہمتہ ہے اللہ یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس کی سفارشات کو زیادہ خوش اسلوبی سے ناند کرنے کا راستہ بتانے والی ہے۔

اسلامی نظام تعلیم کے بارے میں کیشن کے فاضل ممبران نے جس پریٹن ٹکری کا اظہار کیا ہے وہ اس امر کی عکاس ہے کہ یا تو تعلیم کے اساسی اور خصوصیت سے نظریاتی اہم کے بارے میں ان کا علم بہت محدود ہے اور اس کا اعتراف تو خود کیشن نے کیا ہے کہ اس کا کوئی بھی ممبر طلبہ یا تعلیم گاہوں کے معاملات سے بہار دست تعلق نہ رکھتا تھا۔ (صفحہ ۲۴) پھر وہ اسلام کے تصور تعلیم سے واقف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”مختلف علوم و فنون میں مسلمانوں کا جو حصہ رہا ہے اگر اسے بھی پڑھا دیا جائے تو یہ بہت کافی ہے (صفحہ ۵۰) پھر وہ یہ فرماتے ہیں کہ طبیعات، ڈاکٹری، انجینئرنگ اور دوسرے سائنسی اور فنی مضامین کو اسلامی نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ کیا ہم یہ سفارش کریں کہ ان علوم میں مسلمانوں کے زمانے کے بعد جو کچھ ترقی ہوئی ہے اس سے ہم اپنے طلبہ کو ناواقف رکھیں (صفحہ ۲۵) اسلامی نظام تعلیم کے بارے میں اتنی بیکانہ بات کی توقع کیشن کے فاضل ممبران سے کوئی بھی نہ کر سکتا تھا۔ انہوں نے یہ کہ وہ اس بنیادی بات کو بھی نہیں سمجھ سکے کہ نظام تعلیم کسی نہ کسی تہذیب اور ثقافت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور اپنے طلبہ کو اس مخصوص نظام کا علمبردار بناتا ہے یہ نظریہ حیات اس کے طریق تعلیم اور طرز تعمیر ہی میں نہیں، لہذا بات مضامین کی ایک ایک سطح میں اور تعلیم گاہوں کے معذروہ کے معمولات تک میں سمویا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے تحت تربیت پانے والے کی پوری شخصیت پر اس کی چھاپ ہوتی ہے۔ پھر وہ کسی دوسری تہذیب کے نفاق اور اس کے گن گانے والے نہیں ہوتے۔ جب اس ملک کے باشندے اسلامی نظام تعلیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ اپنی اولاد کے لئے ایسے نظام تعلیم کا مطالعہ کرتے ہیں جو سائنس اور ٹیکنالوجی اور دیگر علوم میں ان کو درجہ اول کا ہار تو بنائے لیکن ان کی شخصیت ان کی نسل اور ان کا عمل اسلامی نظام حیات کا عملی سیکر ہو۔ محسوس نہیں کیشن کے معزز ممبران یہ مونی سی بات کیوں سمجھ نہیں پاتے کہ جب تک ہمارا نظام تعلیم زیر تعلیم نسل کو ہمارے بنیادی عقائد سے کائنات کا ایک خالق ہونے کے، اسلام کے ممکن ضابطہ ہدایت ہونے کے اور آخرت میں جواب دہی کے تقورات سے آراستہ نہیں کرے گا ہم نہ تو اچھے مسلمان بن سکیں گے اور نہ اچھے ماسر مغرب کی خوشہ چینی کر کے ہم دنیا کی فکری قیادت نہیں سنبھال سکتے، دنیا کے ایک پیرائے نے خواہ وہ بی اے ٹک ہو یا آٹھویں ٹک، نہ یہ کام ماضی میں سرانجام دیا ہے اور نہ مستقبل میں دے گا کیا ۱۸ سال کا تجربہ ہمیں یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اس بنیادی اصلاح کو نہ کرنے اور اپنا رشتہ اپنی تہذیب و ثقافت سے نہ جوڑنے کی وجہ سے ہم تعلیم کے میدان میں برابر رو بہ تنزل ہیں اصلاح کی جزوی کوششیں اسی لئے ناکام ہوتی ہیں کہ بنیادی خوابی سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ ہمارے اسباب کار کا دعویٰ ہے کہ گزشتہ ۱۸ سال میں تعلیم کے میدان میں نمایاں ترقی ہوئی ہے لیکن اس رپورٹ نے تعلیمی اداروں کا جو آنکھیں کھول دینے والا نقشہ کھینچا ہے وہ خود گما

ہے کہ کیا ترقی ہو سکتی ہے !! پس اس کمیشن کی سب سے بڑی ناکامی یہی ہے کہ اس نے نظریاتی تشکیلات کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے اور تعلیم اور اسلام کو دو علیحدہ عناصر تصور کیا ہے۔

تعلیم کی نظریاتی حیات سے لاطعنقی کا بنیادی نقطہ نظری ہے جو ساری سفارشات میں کارفرما ہے۔ چونکہ وہ تعلیم اور نظریاتی حیات میں کوئی ربط تلاش نہیں کر سکے ہیں اس لئے یہ اگر مشنری اسکولوں میں دی جائے تو بھی مناسب ہے اور قومی زبان میں نہ دی جائے تب بھی کوئی فکر کی بات نہیں !! اسی لئے ان کی ساری سفارشات اس محم کے گرد گھومتی ہیں کہ تعلیم کے لئے انتظامات مناسب ہونے چاہئیں۔ کلاس روم کٹ دے ہوں کھیلوں کے میدان مرچو ہوں، فرنیچر مناسب ہو، رہائش کا انتظام معقول ہو۔۔۔ یہ سب بجا لیکن کیا یہ ہمارے مآل کا حل ہے، کیا یہ طلبہ کی بے چینی کو، ان میں نظم و ضبط کے نقصان کو مایوسی اور بے اطمینانی کے احساسات کو تعلیم کے تشویشناک کرتے ہوئے معیار کو اور امتحانات میں ناجائز خدایوں کے کھلے ہندوں استعمال کو (صفحہ ۱۰) ختم کر دے گا۔ کاش کہ وہ یہ محسوس کریں کہ جب تک ہم اپنے طلبہ کو کسی مقصد حیات سے متاثر نہ کریں انسان کی ساری سعی و جہد کو اس اعلیٰ ترین مقصد کے گرد نہ گھمائیں جو اسلام ان کو عطا کرتا ہے ان کوششوں کے لئے ناکامی مقصد ہے، اور اگر ان کوششوں کو کامیابی نصیب ہو بھی جائے تو اس کا حاصل اس کے علاوہ اور کیا ہوگا کہ ہم مغرب کی تہذیب کو جس کا علمبردار یہ نظام تعلیم بنا رہا ہے بہتر اور مستعد کارکن فراہم کر کے دیں گے!

۲۔ واحد نظام تعلیم

کمیشن کی دوسری اہم ناکامی یہ ہے کہ وہ پورے ملک کے لئے ایک کلی اور ہمگیر نظام تعلیم کی ضرورت محسوس کرنے سے قاصر رہا ہے۔ مابچہ الوقت نظام مختلف نصاب، نئے تعلیم کے تحت ذہنی و فکری لحاظ سے متضاد افراد تیار کر رہا ہے مستقبل کے لئے یہ جتنا بڑا خطرہ ہے اس کا اندازہ ہر کسی کو ہے لیکن کمیشن اسے جاری رکھنے کے حق میں ہے۔ چنانچہ اس کی سفارش ہے کہ عربی مدارس و مکاتب، پرائمری کے بعد ان طلبہ کی ذمہ داری سنبھالیں جو ان کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں (صفحہ ۳۴)۔ یہ مطالبہ بھی رد کر دیا گیا ہے کہ انگلش میڈیم اور کنڈہ گارڈن اسکولوں اور عام اسکولوں کے تفاوت کو دور کیا جائے۔ (صفحہ ۱۰) کمیشن نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ہمارے سامنے مختلف طبقات کے لئے مختلف قسم کی تعلیم گاہوں میں مختلف طرز تعلیم کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے، لیکن ان کے لئے جو علاج تجویز کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جاپان کی طرح سارے مڈل اور ہائی اسکولوں میں اسکول یونیفارم جاری کرنے پر غور کیا جائے۔ کمیشن نے توقع ظاہر کی ہے کہ اس طرح وہ قصود مساوات حاصل ہوگا جو اسلام پر پا کر ناچاہتا ہے۔ (صفحہ ۳۴)

مشنری اسکول

ان مختلف قسم کے اداروں میں ایک قسم مشنری اسکولوں کی ہے جن کے لئے کمیشن نے جابجا کلمات جیر کہے ہیں یہاں تک کہ معلوم ہوا کہ دینیات کی تعلیم بھی سب سے اچھی رہی ہو جاتی ہے (صفحہ ۱۰) صرف ایک مختلف اسکول ہونے کے لحاظ سے نہیں بلکہ صریح طور پر نظم و ضبط پاکستان کے مذاہبات کے خلاف کام کرنے والے اداروں کی حیثیت سے ان کے بند کرنے یا انہیں صرف ان کے ہم مذہبوں تک محدود کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ان اسکولوں کے بارے میں اخبارات میں آئے دن واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں کہ کس طرح یہ اسلام اور اسلامی عقائد کی امانت اور حیثیت کی تبلیغ کرتے ہیں ان کی دست و داشت کا عالم یہ ہے کہ صرف لکڑی کے ہیں، صرف کیتھولک بورڈ ۲۴ پرائمری اسکول بن رہا ہے۔ عوام میں ان کی سرگرمیوں کے خلاف سخت ختم و فحش ہے لیکن کمیشن نے انہیں بھی وہ تحفظ عطا کیا ہے اور بہترین کارکردگی کا وہ سرٹیفکیٹ ضمانت فرمایا ہے جو اس سے پہلے سرکاری طور پر انہیں شاید نہ ملا ہو۔ یہ الزام کہ ان اسکولوں میں مشنری کام ہوتا ہے اور جو طلبہ منظمین کے ہم مذہب نہیں ہوتے انہیں مختلف طریقوں سے مذہب تبدیل کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

س کے لئے کوئی ثبوت نہیں: (صفحہ ۱۷)

۳۔ تحدید تعلیم

تعلیم کو محدود کرنے اور اعلیٰ تعلیم کو کم سے کم خوش قسمت افراد کے لئے قابل تحصیل بنانے کے بارے میں یہ سمجھنا کہ تعلیم کا مکمل حاشیہ ہے اس کی نظر میں بہت سے مسائل کا بوجھ ہے۔ طلبہ کی تعداد میں زیادتی انہیں ناگوار گذرتی ہے۔ وہ اس کا علاج یہ نہیں بتاتے کہ لاپرواہی سے کہیں یہ بتاتے ہیں کہ طلبہ ان کا بوجھ کم کر دیں۔ چنانچہ "نہ تو یہ ممکن ہے اس لئے پندرہ ہے کہ تیسرے پنجابہ منصوبے کی مدت میں آٹھویں جماعت تک لازمی تعلیم کر دی جائے: (صفحہ ۳۳) اگر کالجوں میں "بے سوچے سمجھے داخلہ کی رو" کو کم کرنا ہے تو BIFERATION کی اسکیم پر عمل فرمائی جائے (صفحہ ۳۶) کیشن کی نظر میں طلبہ کو میٹرک کے بعد تعلیم پھوڑ دینی چاہئے یا بہت سے بہت انٹر کے بعد۔ ڈگری کالجوں میں بہت کم طالب علم بیچیں تاکہ انہیں سلیقہ سے پڑھایا جاسکے اور پھر ڈگری کے مسائل بھی پیدا نہ ہوں۔

شام کے کالج

شام کے کالجوں کے بارے میں بھی اس روشنی میں سفارش کی گئی ہے کہ "اب جب کہ سارے لبرڈ اور یونیورسٹیاں بیرونی امتحانات کی اجازت دے رہے ہیں تو ان طالبانِ علم کے لئے جو ملازمت کرتے ہوں یا کسی وجہ سے دن کے کالج میں داخلہ نہ لے سکے ہوں، دروازے کھلے ہوئے ہیں اس طرح اب شام کے کالجوں کی ضرورت کم سے کم تر ہو گئی ہے۔ لبرڈ یا یونیورسٹی سے باقاعدہ الحاق کے بغیر یہ شام کے وقت COACHING CENTRES کے انداز پر چل سکتے ہیں۔ (صفحہ ۴۹)

۴۔ ذریعے تعلیم

گزشتہ چند سالوں میں ذریعہ تعلیم کے مسئلہ کو ملک کے ماہرین تعلیم نے سنجیدگی سے سوچا ہے اس کے نتیجے میں کراچی اور پنجاب کی جامعات نے اپنی حد تک اردو ذریعہ تعلیم اختیار کرنے کے لئے عملی اقدامات اٹھائے ہیں اور مشرقی پاکستان میں بھی راجستھانی یونیورسٹی نے ہنگامہ کو ذریعہ تعلیم بنانے کی طرف عملی اقدام شروع کر دیے ہیں۔ ہمارے ارباب کار میں ایک مقررہ طبقہ ایسے افراد کا ہے جو اب تک انگریزی سے اتنا تعلق محسوس کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی بہانے قومی زبان کی ترویج کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ پریستی کے کیشن سے اپنا وزن اسی دوسرے گروہ کے پائریز میں ڈالنا پسند کیا ہے۔ پنجاب اور کراچی کی جامعات نے جن مشکلات اور حالات کے علی الرغم قومی زبان کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے اختیار کیا ہے اس پر بہت افزائی کا کوئی کلمہ نہ لکھا، کیشن نے اس پر اپنے غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے۔ اس میدان میں جو امتداد رکھ رہے اور کسی متوازن اور ہم آہنگ پالیسی کے فقدان کی جو کیفیت ہے، اس پر حکومت کی کوئی گزرت نہیں کی گئی ہے۔ اس معاملہ پر کیشن نے ۹ (۱۰۸-۱۱۷) صفحے لکھے ہیں ہم چند اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔ "ہم اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہماری بعض یونیورسٹیوں نے ذریعہ تعلیم کی تبدیلی کی رفتار کو تیز کرنے میں معقول حدود سے تجاوز کر کے ٹھنڈے فیصلے سے زیادہ جذبات میں پھنسنے کو ترجیح دی ہے: (صفحہ ۱۱۲)۔ ہنگامہ اور اردو اصطلاحات ہمارے طالب علموں کے لئے ناقابلِ فہم ہوں گی: (صفحہ ۱۱۵)۔ کراچی یونیورسٹی کا فیصلہ تو اتنا DRASTIC کہ ۶۶-۶۷ء کے بعد اب کوئی طالب علم جس نے انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھا ہو اس کے تعلیمی اداؤں میں اعلیٰ تعلیم کے حق سے محروم رہے گا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ کراچی یونیورسٹی کو اس بات کا کیا حق تھا کہ وہ طلبہ کے ایک مستحبہ طبقہ کو اس طرح تعلیم سے محروم کر دے: (صفحہ ۱۱۵-۱۱۶)۔ (دیکھا ہم یہ عرض کریں کہ ہمارے تعلیمی اداروں کو یہ حق کہاں سے حاصل ہو گیا ہے کہ وہ انگریزی ذریعہ تعلیم برقرار رکھ کر اردو میڈیم اسکولوں کے طلبہ کو اعلیٰ تعلیم سے محروم کریں؟ جو کہ اس مسئلہ کا حل یہ نہیں ہے کہ انگلش میڈیم اسکولوں میں بھی قومی زبان کو اختیار کیا جائے نہ کہ ان کی منہی بھرتیوں کی خاطر اعلیٰ تعلیم کا سا نظام خواب کیا جائے؟ آخر ہمارے فاضل مہربان کے جذبات انگلش میڈیم اسکول کے طلبہ کے لئے

اتنے نازک کہیں ہو جاتے ہیں؟ — مذلیہ تعلیم کے مسئلہ پر یہ کمیشن میں اب اس مقام پر لا کھڑا کرتا ہے کہ ”مرکزی مذلیہ تعلیم کی بنیاد میں ایک کمیشن بنائی جائے جو ساری صحت حال کا تفصیلی جائزہ لے کر بتائے کہ مذلیہ تعلیم میں تبدیلی کیپ سے کی جلتے؟ اور جب تک یہ کمیشن مطمئن نہ ہو کہ تبدیلی ممکن ہے کسی یونیورسٹی کا جانت نہ ہو کہ وہ ان خود مذلیہ تعلیم تبدیل کرنے سے۔“ صفحہ ۱۱۷۔ گویا کہ ہنزہ رندوں کی کیفیت ہے اور جو قدم صحیح سمت میں آئے ہر جگہ چکے ہیں ان کو تسلیم کر دیا جائے، الا یہ اور پنجاب کی یونیورسٹیوں نے ایک ہی لواب فیصلہ کیا تھا جس پر پورے قوم نے ان کی تائید کی تھی۔ لیکن انہوں نے کمیشن کو یہی اقدام سے زیادہ ناگوار لگتا ہے۔ انگریزوں کے لئے یہ رواداری غیر ملکی مشنری اداروں کے لئے یہ وصفت اور ہے چارہ تو یہ زبان کے لئے یہ غیظ و غضب اسے تجویز بتا دے کہ ہم بتلائیں کیا

۵۔ مخلوط تعلیم، ضرورتوں کی تعلیم اور خواتین یونیورسٹی

ضرورتوں کی تعلیم کے بارے میں بھی کمیشن کوئی صحیح طریقہ نہ کر سکا۔ کمیشن نے اس پر علیحدہ گفتگو میں صرف ایک صفحہ صرف کیا ہے اور تینوں اہم ترین مسائل کو اس میں بننا دیا ہے۔ مخلوط تعلیم کا ہمارے دین اور معاشرت کے خلاف ہونا تو امر مسلمہ ہے ہی لیکن گذشتہ سالوں میں اس نے تعلیم کا ہرول کے اخلاقی، ماحولی اور طلبہ اور طالبات کی تعلیم میں دل چسپی کو اور تعلیمات کی تعلیم کے معیار کو جس تشویش ناک انداز سے متاثر کیا ہے، وہ آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے ہر ضرورتوں کی ہی ضروریات اور معاشرہ میں ان کے مقام کے لحاظ سے ان کے لئے مکمل طور پر علیحدہ نصاب کا مطالبہ یا یہی طور پر ایک مناسب اور ضروری مطالبہ تھا۔ لیکن کمیشن نے موجودہ طرز تعلیم ہی کو سنبھال دیا ہے اور اس کی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے۔ ان کے خیال میں یہ بات عام طور پر تسلیم شدہ ہے کہ ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم کے زمانے میں مخلوط تعلیم پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے یہ بہتر سمجھا جاتا ہے کہ ۱۱ اور ۱۲ سال کی عمر کے دوران انہیں علیحدہ رکھا جائے۔ ہمارا نظام انہی اصولوں کی روشنی میں مرتب ہوا ہے اور بہت اچھا چل رہا ہے۔ (صفحہ ۱۱۵) ”معاشرہ کے تدامت پسند طبقہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم نے ہر ضلع میں علیحدہ انٹر کالج کی سفارش کی ہے۔ لیکن ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ علیحدہ ڈگری کالج کی بھی سفارش کریں۔ علیحدہ نصاب کا تصور تو کمیشن کے لئے درازا کلمات تھی، یہ کہا گیا ہے کہ ”یونیورسٹیوں میں انہیں، ان کی ضروریات کے لحاظ سے مناسب معنایں پرچھائے جائیں۔“ خواتین یونیورسٹی کا مطالبہ روک دیا گیا ہے ہمارے نزدیک اس کے لئے کوئی حقیقی وجہ ہو جاز نہیں ہے۔ کمیشن نے بار بار ہمایہ محاکم کا ذکر کیا ہے کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ دین و ایمان کی خاطر نہیں، رہایات و لفاظی کی خاطر نہیں، صرف تعلیمی ضروریات ہی کی خاطر ہندوستان نے ایک نہیں دو دو خواتین یونیورسٹیاں قائم کی ہیں! آخر کیا وجہ ہے کہ مغرب کی اندھی تقلید کی راہ سے بہت گرسر چنا ہی ہمارے لئے مشکل ہو گیا ہے؟ اچھے لوگ جن کی اپنی پرورش اسلامی رہایات کی آغوش میں ہوئی ہے وہ بھی جب زندگی کے حقیقی مسائل کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو اپنے کو مغرب کی مروجہیت سے آزاد نہیں کہلاتے۔

۶۔ طلبہ کے اداروں میں جمہوری رجحانات کا خاتمہ

طلبہ کے مسائل کے پیدا ہونے اور ان کے نمکھٹنے کی سب سے بڑی وجہ انتظامیہ کی طلبہ پر عدم اعتماد ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ کمیشن اس بارے میں ضرور کوئی مفید خدمت انجام دے گا۔ لیکن یہاں بھی مایوسی ہوتی ہے۔ الفاظ کی حد تک تو کمیشن نے یہ بات بھی ہار کی ہے کہ طلبہ قابل اعتماد ہیں اور وہ لازماً سیاسی پارٹیوں کے ہر گائے ہوتے ہی نہیں ہوتے لیکن جب اس نے کالج یونیورسٹیز کے لئے نیا نظام تجویز کیا ہے تو خود طلبہ پر بدترین قسم کی بد اعتمادی اور سوردن کا ثبوت دیا ہے۔ یونیورسٹی کے مراعات تک وہ طلبہ کو آزادی سے کام کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتے۔ ملک کے بی۔ ڈی کسٹم کے طرز پر ایک نیم آزاد نظام تجویز کیا گیا ہے۔ وہاں وجہ جواز خواص کا ”جابلہ“ ہونا تھا۔ کیا اب جہالت ہمارے طلبہ میں آگئی ہے کہ وہ اپنے مسائل کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ یا پھر اصل مطلب آزادی عمل اور رائے کو تسلیم کرنا ہے! کمیشن کے مجوزہ نظام کے تحت (صفحہ ۱۸۱-۱۸۳) کالج کی ایک کونسل ہوگی جو ۵۰، ۵۰ طلبہ کے منتخب ایک نمائندہ پر مشتمل ہوگی۔ اب یہ کونسل سارے امور کی

ذمہ دار ہے۔ یہاں تک کہ نائب صدر اور جنرل سکریٹری بھی منتخب کرے گی۔ کالج کے طلبہ اس لائق بھی نہیں کہ وہ براہ راست جنرل سکریٹری منتخب کر سکیں۔ کونسل کا صدر لازماً وائس چانسلر یا پرنسپل ہو گا اور اسے کونسل کو ۳ ماہ معطل کرنے، انجمنہ منظور کرنے، میننگ کی تاریخ یا وقت مقرر کرنے اور کسی فیصلہ شدہ امر پر عملدرآمد روکنے کے اختیارات ہوں گے۔ غالباً اسکوول کی انجمنیں اس سے زیادہ آزادی سے کام کرتی ہیں!

ہمیں نہیں معلوم کہ کیشن نے کیا سوچ کر یہ سفارشات پیش کی ہیں شاید وہ چاہتے ہیں کہ طلبہ اپنے اجتماعی معاملات میں دلچسپی لینا چھوڑ دیں، اس لئے کہ اس سے سارے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر کیشن نے طلبہ کی ان تنظیموں پر بھی بڑی سخت گرفت کی ہے اور وہ ان کو زندگی کا حق دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں جو بین الکیلیاتی بنیادوں پر کام کرتی ہیں۔ کیشن کی نیت یہ ہے کہ یہ تنظیمیں کالج میں داخل ہونے والے نئے طالب علموں کو بہرہ کیلیق ہیں، اس لئے اگر انہیں ختم کر دیا جائے تو صورت حال تابو میں آجائے گی۔ یہ مسائل کو حل کرنے کی خاطر فوکرٹاری ذمہ داری ہے اور اس طرح مسائل بھی حل نہیں ہوتے۔ طلبہ کی اچھی اور بری سبھی طرح کی تنظیمیں ہوسکتی ہیں، کیشن کو رجسٹریشن کے قواعد کی سفارشات کرنے کی بجائے طلبہ کے شعور پر اعتماد کیوں نہیں ہے کہ وہ غلط انداز کی تنظیموں کو ختم کر دے۔ مسائل کے اٹھنے اور ان پر طلبہ کے جذبات نازک ہونے کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہے کہ یہ مشکلات موجود ہیں اور جیسا کہ کیشن نے خود بھی تسلیم کیا ہے۔ حکومت دعوے کرتی ہے مگر عملی اقدام نہیں کرتی۔ اگر اس امر کی اصلاح ہو جائے تو طلبہ کا ماحول سدھر سکتا ہے۔ اور پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ تنظیمیں دوسری تعمیراتی سرگرمیوں میں مشغول نہ ہوں لیکن اگر کیشن طلبہ کی مشکلات دور کرانے کے اس ذریعہ کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے تاکہ سرے سے آواز ہی نہ اٹھے، تو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ حکومت اپنی دوش بد لئے والی بہر حال نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو کیشن کو اس پر کیا اعتراض ہے کہ طلبہ اپنی آواز متحدہ پلیٹ فارم سے اٹھاتے ہیں۔

۴۔ فیسوں کی شرح

فیسوں کے بارے میں کیشن کا فیصلہ یہ ہے۔

حکومت ہماقتی اداروں کے تحت چلنے والے اسکوولوں میں فیسوں کی طرح بھی نیا دہ یا بغیر معقول نہیں ہیں۔ ان اداروں میں فیس کم کرنے کا کوئی ہوا نہیں نظر نہیں آتا؛ صفحہ ۲۹۔ ہم کالوں میں پاس یا چالیں فی صدگی کے مطالبہ کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ انٹر میڈیٹ اور ڈگری دونوں جگہ ۱۰ سے ۲۰ روپے ماننا نہ کم نہیں لی جاتی ہے اور اسے کسی طرح بھی نیا دہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ صفحہ ۵۰۔ مغربی پاکستان کے بعض طلبہ نے امتحانات کی فیسوں میں کمی کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ ہم مطمئن ہیں کہ امتحانات کی جو فیسیں اس وقت لی جا رہی ہیں وہ معقول ہیں اور ان میں مزید کمی کا کوئی سوال نہیں۔ اس لئے ہم اس مطالبہ کو حق بجانب نہیں سمجھتے۔ صفحہ ۱۰۶۔

۸۔ یونیورسٹی آرڈیننس

طلبہ کے حالیہ احتجاج کو بروئے کار لانے والے حوالوں میں سے ایک یونیورسٹی آرڈیننس بھی تھا جس کے بارے میں توقع تھی کہ کیشن اس کے سراسر مخیر ہو کر مزاح کے پیش نظر اس کی تیش یا کم از کم اس میں بنیادی ترمیمات کی سفارش کرے گا۔ لیکن اسے بس آرزو دکھا کہ شہرہ اکیشن نے اس بارے میں طلباء اور اساتذہ کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں بڑی کوتاہی کی ہے۔ اس آرڈیننس نے تعلیمی زندگی کو ایسے ناروا ضابطوں اور بندھنوں میں باندھ دیا ہے کہ یونیورسٹیوں میں سرکاری ڈیپارٹمنٹوں میں بدل گئی ہیں۔ اور باہم اعتماد کی فضا معدوم ہو گئی ہے۔ کیشن کا قصہ یہ کہ دنیا کے اختیارات پہلے بھی تھے کوئی حل نہیں۔ بلاشبہ انتظامی امور میں کچھ نا خوشگوار لحاظ بھی آتے ہیں لیکن ان کی بنا پر رجسٹریشن اور دس نکات کے مسئلہ کو مسترد کر دیا جاسکتا ہے اور اس کی بجائے دی جاسکتی۔ مشنری اداروں اور انگریزی ذریعہ تعلیم کے اداروں کے سلسلے میں تو کیشن کو رستہ کے بنیادی حقوق کا بڑا خیال رہا

لیکن تمام اساتذہ اور تمام طلبہ کے معاملہ میں آخر انہی بنیادی حقوق کا احساس کیوں پیدا نہ ہوا؟

کیشن کی تعلیمی تجاویز

ہم اس دیانتدارانہ جائزہ میں کوئی نئی جرم نہیں گے اگر یہ اعتراف نہ کریں کہ ان کمزوریوں کے باوجود اس رپورٹ کے بعض اچھے پہلو بھی ظاہر ہو سکتے ہیں اور خود کرنے کے لئے جو کچھ تجاویز پیش کی جاسکتی تھیں وہ اس نے پیش کی ہیں انکی بہت مفید اور تعمیری تجاویز پیش کی ہیں۔ لیکن ان تجاویز کے مدبر عمل ہونے اور نتیجہ خیز ہونے کا سارا انحصار اس پر ہے کہ حکومت ان پر مخلص و دیانت داری سے عمل کرے۔ کیشن نے تعلیمی اداروں کے لئے اپنے ضرورتوں کی جو فہرست دی ہے، جلد از جلد اس پر عمل کرنا اور اس میں اضافہ کرنا چاہئے۔ کیشن نے سفارش کی ہے کہ طلباء کے لئے مفت طبی امداد کے لئے انٹا کٹے جائیں، بسوں کے کرایوں میں رعایت کا انتظام کیا جائے گا کچھ میں سرکلر ریڈ سے یونیورسٹی سے قریب کیشن قائم کرے، ہوشیوں کا معقول اور سار انتظام ہو، لٹریچر کی کتب سستی ہوں، باسٹائمنڈ پر لیس اور آسانی سے دستیاب ہوں۔ امتحانات میں ناجائز فلاح کے استعمال کا سدباب کیا جائے تعلیمی ادارہ میں پولیس کا داخلہ ممنوع ہو۔ پائلٹ اسکولز کی ڈگری لینے کا اختیار واپس لیا جائے۔ اساتذہ کو باعزت مقام دیا جائے۔ ملازمتوں کے قوانین مطرہ انصاف کے اصول کے خلاف نہ ہوں۔ اور اس طرح کی دوسری وہ سفارشات جنہیں کیشن نے حق بجانب مانا ہے ہم حکومت سے پڑھ رہے ہیں کہ وہ مطالبہ کریں گے اب جبکہ یہ مطالبات طلبہ کے مطالبات نہیں بلکہ کیشن کے مطالبات ہیں اھان پر سیاسی پارٹیز کے بے پناہ کے الزام نہیں لگ سکتا تو یہ کسی مختصر اور مستعین میں ان کو پورا کرے۔ لیکن اس ضمن میں ہم ماضی ممبران کیشن، ارباب حکومت اور عام اساتذہ و طلبہ کو ایک نکتہ کی طرف دعوت بخود ہیں گے یہ تجاویز ایسی نہیں جن کی اچھا یا برا کیشن نے دیانت کی ہو گزشتہ ۱۸ سال میں یہ امر کبھی مشتبہ نہ تھا کہ طلبہ کے لئے سائنس کا مختلف معقول ہونا چاہئے مگر مسئلہ ایسا نہیں ہوا۔ اب ہم کس بنیاد پر یہ توقع کریں کہ ان تجاویز پیکل ہو جائے گا؟ ہم یہ عرض کریں گے کہ ان تجاویز پر عمل لئے ضروری ہے کہ ساری مشینری دیانتدار ہو، خدا سے ڈرنے والی اور آخرت کی جوابدہی کا احساس رکھتی ہو اور خود عوام کے سامنے بھی جوابدہ اگر یہ نہ ہو اور سفارش کر لیں اور شرت کا وعدہ وعدہ ہو تو بعض قواعد قوانین یا تجاویز و سفارشات کبھی کوئی اصلاح نہیں لایا کرتیں۔ خود کے لئے دو مثالیں ہیں۔

کیشن نے خود تسلیم کیا ہے کہ INTERNAL EVALUATION کے لئے ہم نے کسی سے کلیم نہیں سنا (صفحہ ۵) اس کی ناکامی کی کیا ہے؟ اساتذہ کا کردار؟ یا کچھ اور! لیکن کیشن کے پاس اس کے لئے کوئی سفارش نہیں کر کم از کم اساتذہ کے ٹریننگ کالج میں کردار کی عکس تربیت کا اور اسلامی عقائد کی بنیادوں پر انتظام کیا جائے اور اساتذہ کی عملی تربیت کی نگرانی جائے۔

امتحانات میں پڑھنا نہیں کی باکٹن گیشکات پر کیشن نے نشر لیش محسوس کی اور اس کے لئے اس نے اپنا انکائی منصوبہ پیش کیا ہے صفحہ ۱۰-۱۱۔ لیکن یہ کوئی نرالی قواعد نہیں ان پر عمل پہلے بھی ہوتا ہے لیکن بد عنوانیاں اس کے باوجود ہوتی ہیں۔ کیا طلبہ اساتذہ اور انتظامیہ خدا کے موجود اور علیم و بصیر ہونے کے احساس کو زندہ ایمانی قوت پائے بغیر اس مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے؟ اسی طرح دیگر تجاویز ہیں۔ سب کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کی رسم ایمانداری سے نچوڑ کر جائے لیکن سب جانتے ہیں کہ کل رقم کا کتنا اصل میں لگتا ہے اور کتنی کر لیں کی نذر ہو جاتا ہے۔ کیا اس کی اصلاح ضمن قواعد قوانین سے ہو سکتی ہے؟

ہم آخر میں پھر اس بات پر زور دینے لگے کہ آج ہمارا اہم ترین مسئلہ باکروائسمان پیدا کرنا ہے۔ نظام تعلیم کا یہ فریضہ ہے کہ وہ یہ کام انجام دے اور معاشرے کے بچے بڑے ہوتے ہوئے صحائفات کے آگے روک بن جائے۔ نہ کہ ان کو آگے بڑھنے کا ذریعہ بنے۔ ادبیہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا تک کہ ہمارا لہاب اور طریق تعلیم ہمارے نظریہ صحت سے ہم آہنگ نہ ہو، دینیات کا پیر پٹ، میٹرک تک ہو یا بی اے تک دینی معلومات میں اضافہ چاہے کرے لیکن وہ گناہ پیدا نہیں کر سکتا جو صرف اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ پورا نظام تعلیم اسلام کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو اور اپنی ذہنی تعلیم نہ اسلام کے سانچے میں اس طرح ڈھالے کہ توہم رسالت اور حق کے عقیدہ اس کی زندگی کے وہ بھلا اصول ہوں جن سے دیگر دینیاتی بڑی بڑی طاقت



اکمل البیان

فی تائید
تقویتہ الایمان

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے تواتر کے ذریعہ سکھوں سے اور زبان و قلم سے شرک و بدعت کے مظاہر اور رسوم و عقائد سے بھاگ دیا، حضرت شاہ شہید بھارت ایمانی سے کام لے کر شرک و بدعت کا رخنہ فرماتے تو متحدہ ہندوستان میں توحید خالص کا مطلع بھارت آلود رہتا، یہ ان کی جدوجہد تھی جس کی بدولت آج پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں میں توحید و سنت اور شرک و بدعت کے درمیان امتیاز کیا جاتا ہے۔ "تقویتہ الایمان" شاہ شہید کی شہرہ آفاق اور بے مثال تصنیف ہے، شرک و بدعت کے لئے پانچ "فرب کلیم" اور لوگ جو مشرکانہ عقائد و رسوم اور بدعات سے شغف رکھتے ہیں، ان کو سب سے زیادہ جلن تقویتہ الایمان کا نام سن کر ہوتی ہے کہ یہ کتاب قبر پرستوں کے مسلک و مصلحت پر نیکو کن فرب لگاتی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی، جن کے نام کے ساتھ ان کے معتقدین "اعلیٰ حضرت" لکھتے ہیں، مولانا مفتی نعیم الدین مراد آبادی دہلوی (۱۹۴۲ء) اپنی "اعلیٰ حضرت" کے شہرہ آفاق اور خلیفہ گزشتہ ہیں۔ ان مراد آبادی صاحب نے "تقویتہ الایمان" کے رد میں "اطیب البیان" نام کی ایک کتاب لکھی تھی جس کے جواب اور تردید کی توفیق اسی شہر کے ایک توحید شناس عالم — مولانا حافظ عزیزی الدین — کو میسر آئی۔

یہ کتاب راکمل البیان، ماضی ناقص مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم و مفتی کے ایما پر لکھی شروع کی تھی، جس کے بعض اجزاء اخبار "اہل حدیث" امرتسری میں شائع ہوتے رہے، مگر اشاعت کا یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ مولانا محمد عطاء اللہ صنیف بمبئی کی اگر جدوجہد فرماتے تو یہ نادر و شگارت تالیف گمنامی کی نذر ہو کر رہ جاتی، مولانا یونس نے ۱۹۵۸ء میں دینی جاگ اس کتاب کا پتہ لگایا، اسے حاصل کیا، اور پھر اس کی ترتیب و ترمیم کی، جہاں شدید ضرورت محسوس کی گئی، وہاں عبارت کو رد شدہ فرمایا، مولانا محمد عطاء اللہ صاحب نے جس پر مخلص محنت و عرق پینے کے ساتھ "اکمل البیان" کی ترتیب و ترمیم کی ہے، اس دینی کارنامہ پر وہ ملت اسلامیہ کی جانب سے تحسین و تہنیک کے مستحق ہیں۔

کتاب کی ترتیب و ترمیم کے بعد اس کی کتابت و طباعت کا مرحلہ درپیش آیا، یہ مرحلہ دشوار مولانا محمد اسماعیل صاحب امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کی کوششوں سے طے ہو گیا۔ ان کے بعض اصحاب نے طباعت و اشاعت کی مالی ذمہ داری اپنے سر لے لی، اور اس طرح شرک و بدعت کے رد میں یہ "الف نیکلو پیڈیا" تیار ہو کر منظر عام پر آگئی۔

اس کتاب پر بیابان مولانا محمد عطاء اللہ صنیف نے جو مقدمہ بہ عنوان "تصدیقہ" لکھا ہے وہ معلومات آفریں ہے، فرماتے ہیں:۔

تقریب الامان پر اعتراضات مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی مرحوم کو بھی تھے، مثلاً وہ جو بعد میں مسئلہ اسکان و امتناع نظیر کا عنوان بن گیا، جس کا جواب مولانا شہید ہی نے تسلیم برداشتہ لکھ دیا تھا، جو ایک مذہبی کے نام سے شائع ہو چکا ہے، غالباً اس کے بعد مولانا خیر آبادی مرحوم نے تحقیق الفتویٰ فی ابطال الفتویٰ کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی، جس کا جواب مولانا سعید علی ریاضی (ڈاکٹر) (مترقی ۱۳۵۷ھ) نے تحفہ قریبا (صواعق ص ۲۶) میں

اس سلسلہ میں مولانا شہید کی قوت دلیل کا شاید نتیجہ تھا کہ مولانا فضل حق کے بعض شاگردوں نے بھی مولانا کی تائید کی، مثلاً مولانا سراج الدین گھنوی، جنہوں نے اُسٹا کے رد اور مولانا کے حق میں ایک رسالہ لکھا (زبدتہ الخواطر ص ۱۹، ۷۶) بلکہ حضرت مفتی صدیق الدین آزادہ وغیرہ نے بھی مولانا کی تائید میں تحریریں شائع کرائیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ فریض یا سہو تدج بمصداق "الناس اعداء لما جہلوا" غلط مفروضوں پر مبنی اور زیادہ تر علمی یا معاشرانہ چشمک قسم کی رانی، تکفیر و تبدیلی کے فتوؤں تک اس کی نوبت نہیں پہنچی تھی، اور نہ مولانا پر وہابیت کا شبہ لگایا گیا تھا، اور جوں جوں غلط فہمیوں کے بادل چھٹنے لگے، وہ مخالفت و تبدیلی کم ہوتے ہوئے تفسیر یا سختی ہو گئی تھی، مولانا شہید الدین بھی انہیں بڑھ گئے، مولانا فضل حق خیر آبادی نے تو اپنی غلطی کا اعتراف ہی فرمایا تھا وہابیت معنی عنایت احد صاحب دہشت علم الصیغہ کہ ۱۔

"مولوی فضل حق صاحب بہت نادوم تھے اور دوتے تھے کہ وہ مجھ سے سخت غلطی ہوئی کہ میں نے مولوی اسماعیل صاحب کی مخالفت کی، وہ بے شک حق پر تھے، اور میں غلطی پر تھا۔" (راکس البیان ص ۸۱۱ بحوالہ امیر المذہبیات)

اس کے بعد مولانا مرحوم نے وہ تفصیل بیان کی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت کے اشارے سے وہابیت کے پر توحید و سنت کے احیاء کی اس مقدس تحریک کی کس کس طرح مخالفت کی گئی اور اس سے مقصود مجاہدین کو ہندوستان کے مسلمانوں پر ہندام کرنا اور غیر مقبول بنانا تھا۔

مولانا مفتی نعیم الدین مراد آبادی نے "تقریب الامان" کے مدین جو زبان استعمال کی ہے وہ سب دشمن کی زبان ہے اور جب تک دلائل کا قصق ہے وہ اکثر و بیشتر انتہائی کمزور و ضعیف، پلر، پرچ بلکہ متعدد مقامات پر ٹھکرا چکے ہیں، بدعت و شرک کا امر دنیا میں یہ وبال پڑتا ہے کہ بدعتی قوم صحیح اور سوچنے سمجھنے کی قوت سے محروم ہو جاتا ہے؛ مولانا حافظ عزیز الدین مراد آبادی نے اس قدر مقبول اور مستجاب جواب دے دیے کہ ان کے لئے ایک ایک سطر پر دل سے دعائیں نکلتی ہیں!

کتاب کی زبان بھی سادہ، اندھا فہم ہے مگر کہیں کہیں "خوات" (ص ۴۹۶) اور "انبیاء اول" (انبیاء اول ص ۹۸۰) بھی پڑھنا پڑا، صفحہ ۶ پر "تبرکاً ان ناموں کو پکارا کرتے تھے" نظر آیا یہ کتاب کی فعلی ہے کہ "جیسا کہ تھے" کی بجائے "جیسا کہ تھے" چھپ گیا۔

یہ کتاب ہے تو اطمینان البیان کے رد اور تقریب الامان کی تائید میں، نگاہ میں تفسیراً وہ مبنی آگئے ہیں جو شرک کا نہ عقائد

درموم اللہ بدعات کی بنیاد ہیں، انھوں نے قسم الطور سے ذہن و فکر میں بعض غلطیاں تھیں، جو اس کتاب کے مطالعہ سے مدد ہو گئے، بشرک و بدعت کی اس تفصیل و توضیح کے ساتھ تردید اللہ کسی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آتی، پھر جو بات کہی ہے عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ کہی ہے یہ کتاب خواص و عوام سمجھی کے پڑھنے کے لائق ہے، فاضل مصنف نے اہل شرک و بدعت کے "علم کلام" کی دجیاں بکھر کر دکھادی ہیں، اور ان کے منکب ضلالت کو پوری طرح بے نقاب کر دیا ہے! یہ کتاب اپنے موضوع پر ہر اعتقاد سے کامیاب، مفید اور قابل مطالعہ ہے! مکاتیب شریف میں رد و لاہور کے کارکنوں کو بھی اس کتاب کی اشاعت پر اللہ تعالیٰ وادین میں اجر عطا فرماتے گا!

از۔ مولانا خضر احمد عثمانی، ضخامت ۸، صفحات ۸، قیمت بارہ آنے،
برائۃ عثمان لکھے کا پتہ۔ مرکزی مجلس خدام صحابہ طہان۔

مولانا سید ابوالکلام اعلیٰ مرادوی نے اپنے رسالہ "ترجمان القرآن" میں ایک طویل مقالہ — خلافت راشدہ سے ملوکیت تک — لکھا تھا، اس مضمون میں حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت کے بعض اہم واقعات پر تنقید کی گئی تھی جن میں قریب قریب تمام مورخین کے نزدیک "اضطراب" پایا جاتا ہے، مولانا مرصوف کے اس مقالہ پر دینی حلقوں میں خاصی ہر سیکڑیاں ہوئیں، اور بعض جہادیں اس کا جواب بھی دیا گیا، ہفتہ وار شہابِ دلاہور میں حضرت مولانا خضر احمد عثمانی نے خاصی تفصیل کے ساتھ مولانا مرادوی کے مقالہ کا جواب تحریر فرمایا جسے مرکزی مجلس خدام صحابہ طہان پاکستان طہان نے کتابی صورت میں "برائۃ عثمان" کے نام سے شائع کیا ہے۔

مولانا خضر احمد عثمانی کا علم و فضل اہل علم کے نزدیک مسلم ہے، ان کی کوئی ایسی قریب قریب جاری نظر سے نہیں گزری، جس میں مولانا مرادوی کی ذات سے کہہ اور خدا کی جھلک پائی جاتی ہو، مولانا مرصوف نے یہ مقالہ خلوص و حقانیت کے جذبہ کے تحت لکھا ہے، اپنے مسلک اور عقیدے کی تائید میں انہوں نے تاریخی حوالوں سے استدلال کیا ہے، زبان اور لہجہ بھی شائستہ ہے، اس کتاب کو پڑھ کر کوئی کاتب اس پر مطمئن ہو جائے کہ حضرت عثمانؓ کی بالیسی اور عمل سے جو "اضطرابات" منسوب کئے جاتے ہیں، وہ جرح کے نہیں۔ تعدیل کے مستحق ہیں — تو ہم اس "قلب مطمئن" کے ہاں سے ہیں کوئی شک و محذور نہیں کریں گے، بلکہ اس کو تعدد و استحسان کی نگاہ سے دیکھیں گے!

ہم نے ابھی ابھی "برائۃ عثمان" کے فاضل مصنف کے زبان و لہجہ کی تعریف کی ہے مگر اس کتاب پر مولانا سید ابوالکلام مرادوی نے جو مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ اس سے جماعت اسلامی اور مولانا مرادوی کے خلاف بعض و عداوت کا جذبہ نمایاں طریقہ جھلکتا ہے، ہم ان علماء کو جانتے ہیں جنہوں نے جماعت اسلامی اور اس کے امیر پر بے بنیاد الزامات لگا کر اور غلط تہمتیں جوڑ کر عوام کو گمراہ کیا ہے!

اس کتاب دربارۃ عثمانی پر نقد و تبصرہ کے سلسلہ میں جو مضمون سامنے آتا ہے، اس پر ہم اللہ سے تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

صحابہ کرام کے دینیان جو اختلافات رونما ہوئے، لوہب نزاع اور جنگ و جدل تک پہنچی اور فوراً تقدیر فرمایا ہو کر رہا اس کے

بارے میں تین مسلک ہیں (۱) یہ کہ ان معاملات میں سرے سے ہی گفتگو نہ کی جائے، خاموشی ہی بہتر ہے کیونکہ قیامت کے دن ہمارے اپنے اعمال کے بارے میں باز پرس کی جائے گی، صحابہ کرام کے معاملات میں جاری کیا رائے اور فیصلہ ہے، اس کی باز پرس نہ ہوگی،

(۲) یہ کہ صحابہ کرام پر جو جرح کے مقابلے میں "تعدیل" کو ترجیح دی جائے، اگر ایسی رعایت ہو کر نہ اور ضعیف ہو اس کے کسی صحابی کے محل اعتراض

قول و فعل کی، تعدیل ہوتی ہو تو اسے قبول کر لیا جائے (۳) یہ کہ صحابہ کرام کے دینیان جو واقعات پیش آتے، وہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں جن نظر مورخین نے ان واقعات کو تسلیم کیا ہے وہ صحابہ کرام کے معاندانوں کے بدخواہ نہیں تھے، جو واقعات سینکڑوں صفحات میں پھیلے

ہوئے ہیں، ان کے ہاں علم اور اہل تحقیق گفتگو اور خاکہ کریں تو ان کے اس فعل کو "تدلیج" صحابہ سے منسوب اور مرموز نہیں کیا جائے گا۔ تاریخ کی ان کتابوں کو مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں، ہمارے کاروں اور یونیورسٹیوں کے نصاب تک میں بعض کتابیں داخل ہیں،

ان کتابوں کے ساتھ دوسلوں کے جاسکتے ہیں ایک یہ کہ ان میں اختلاف صحابہ کے واقعات ہیں، ان پر کوئی رائے نہ دی جائے نہ گفتگو اور محاکمہ کیا جائے، ان واقعات کے پڑھنے والے جو چاہیں مانتے قائم کریں، دوسرا یہ کہ ان واقعات پر محتاط انداز میں نقد و تبصرہ کر کے قارئین کو وہ تصور دیا جائے جو اعتدال و انصاف سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

”اب خود فرمائیے — یہ میں وہ ماخذ جن سے میں نے اپنی بحث میں سامان مواد لیا ہے، اگر یہ اُس دود کی تاریخ کے معاملہ میں قائل اہماد نہیں تو پھر اعلان کر دیجئے کہ مجدد رسالت سے آئیں وہاں تک کہ کوئی اسلامی تاریخ دنیا میں موجود نہیں ہے کیونکہ مجدد رسالت کے بعد سے کئی صدیوں تک پوری اسلامی تاریخ، تہذیب کی تاریخ سمیت، انہی ذرائع سے ہم تک پہنچی ہے، اگر یہ قائل اہماد نہیں ہیں تو ان کی بیان کی ہوئی خلافت راشدہ کی تاریخ اور امت اسلام کی سیرت اہل اسلام کے کارنامے سب اکا ذیب کے دفتر میں، مضامین ہم کسی کے سامنے بھی و ثوق کے ساتھ پیش نہیں کر سکتے، دنیا کسی اس اصول کو نہیں مان سکتی اور دنیا کیا، خود مسلمانوں کی موجودہ تسلیں بھی اس بات کو برقرار قبول نہ کریں کہ ہمارے ہندوؤں کی جو خوبیاں یہ تاریخیں بیان کرتی ہیں وہ تو سب جھوٹ ہیں، مگر جو کمزوریاں ہیں کتا میں پیش کرتی ہیں، وہ سب غلط ہیں، اور اگر آپ کا خیال ہے کہ شعبوں کی سازش ایسی طاقت مدد دیتی کہ ان کے دساتر سے اہل ملت کے یہ لوگ بھی محفوظ نہ رہ سکے اہل کتابوں میں بھی شیشی بدعات نے داخل ہو کر اُس دود کی تصویر بگاڑ کر رکھ دی ہے، تو میں حیران ہوں کہ ان کی اس نخل انداز سے آخر حضرت البکر بن و عمرہ کی سیرت اور ان کے مجدد کی تاریخ کیسے محفوظ رہ گئی؟“

مولانا مودودی کی تحسید کا جو اقتباس اوپر دیا گیا ہے، وہ ایک محتاط اور صاحب تحقیق و نظر انسان کی رائے ہے۔

یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ ابن سعد، ابن جریر طبری، حافظ ابن عبد البر، ابن الاثیر اور ابن کثیر (رحمۃ اللہ علیہم) نے خدا انہما ستم صحابہ کرام کو بدنام اور مطعون کرنے کی نیت سے ان واقعات کا ذکر نہیں کیا، ان کے بعد جس کسی نے بھی اُس دود کی تاریخ لکھی ہے، ان واقعات کو دہرایا ہے اور بعض مودعین نے ان واقعات کے مابین محاکمہ بھی کیا ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی ان واقعات کو مستند تاریخی حوالوں کے ساتھ پیش کر کے نتیجہ اخذ کیا ہے — گزشتہ اکابر مودعین اور اہل نقد و نظر کو ایسا کرنے کے سبب ”قدح صحابہ“ کا کسی نے مجرم نہیں گردانا — اس صورت میں مودودی صاحب پر بھی فرد جرم نہیں لگائی جاسکتی، زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے، کہ وہ ان جہات سے صرف نظر کرتے تو اچھا تھا۔

اس قسم کے مضامین اور اس نوع کی تحریروں میں سب سے پہلے یہ چیز دیکھنی کی ہے کہ لکھنے والے کا مسلک کیا ہے! مثلاً ایک عالم سنت رسول کو دین میں حجت سمجھتا ہے اُس نے اپنی تحریروں اور کتابوں میں جگہ جگہ ”سنت رسول“ کو دین حجت کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اس عقیدہ کے ساتھ بعض روایات پر جو حضورؐ یا کسی دوسرے نبیؐ کی سیرت یا کسی دینی اصل سے متصادم نظر آتی ہیں، وہ جرح بھی کرتا ہے تو ایسا کرنے کے سبب اُس پر ”انکار حدیث“ کی فرد جرم نہیں لگائی جائے گی! اسی طرح ایک اہل تہذیب جو صحابہ کرام کے ”عدول“ ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، اُس نے اپنی تحریروں میں صحابہ کرام کے اقوال و افعال کو جگہ جگہ دینی سند کے طور پر پیش کیا ہے اور وہ نہ تو نا صبیح ہے اور نہ خارجی اور داخلی ہے، اس مسلک اور عقیدہ کے ساتھ مستند تاریخی روایات کا تذکرہ اور ان کے مابین محاکمہ کرتے ہوئے، دو چار صحابہ کے بعض مابہ التزام احوال و واقعات پر نقد و نظر کی کوبت تک آجاتی ہے تو ایسا کرنے کے سبب صحابہ کرام

کی امانت کا التزام اس پر نہیں لگایا جاسکتا۔

اس عقیدے کی صحت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ عصمت صرف نبوت و رسالت کی صفت اور خصوصیت ہے، صوابیت یا ولایت کی صفت "عصمت" نہیں ہے، اسی لئے تنقید سے بالاتر صرف انبیاء کرام کی مقدس شخصیتیں ہیں، بعض لوگ "تنقید کا نام سن کر بہا فروختہ ہو جاتے ہیں۔ تنقید کے معنی عیب جوئی کے نہیں بلکہ پرکھنے کے ہیں، انبیاء معصوم میں ایذا والی پرکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، صحابہ کرام معصوم نہیں ہیں، وہاں "تنقید کی گنجائش کا امکان ہے؛ تنقید کے معنی صحابہ کرام کی تکفیر و تفسیس، تفسیق، امانت کے ہرگز نہیں، ہیں (نامحبی، خارجی اور افسخی جو معاملہ صحابہ کرام کے ساتھ کرتے ہیں وہ کھلی ہوئی ضلالت و گمراہی کا معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ ان فاسد عقائد سے ہر اہل ایمان کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

غائب ابراہیم میں جن فقہی مسائل کے درمیان اختلاف پائے جاتے ہیں ان میں اصل بنیادی وہی تو ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال و آثار اور فتاویٰ کے حورمیت محاکمہ کر کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی گئی ہے، بلکہ بعض مسائل میں ائمہ فقہ نے کسی ایک یا چند صحابہ کے قول و عمل اور فتویٰ کے مقابلے میں دوسرے صحابی کے قول و عمل کو صحیح اور درست نہیں سمجھا، ارباب فذکایہ عمل "پرکھنا" (تنقید) نہیں تو ان کو کیا ہے، عجب بات یہی جاتی ہے کہ انبیاء کرام کے علاوہ اور کوئی شخصیت تنقید سے بالاتر نہیں ہے تو اس سے یہ غلط فہم نکالنا ذہن کی بجلی کی دیں ہے کہ اس عقیدہ اور فلسفہ نے معاذ اللہ صحابہ کرام کو غلط کار ٹھہرا دیا اور ان کا "عدل" ہونا مجرد ہو گیا۔

تنقید کی دو مثالیں: — حضرت سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سب کے نزدیک محترم اور مکرم ہیں، ان کے مذہبوں کی دھول بھی ہم جیسوں پر پڑ جائے تو ہم پاک ہو جاتیں لیکن جب ان کی سیرت کا ذکر ہو گا تو ان واسیاب اور ذبیہ کی بارے میں جو غلط فہم رکھتے تھے، اس پر ضرور تنقید کی جائے گی، کہ اس مسئلہ میں وہ بہت زیادہ شدید اور انتہا پسند تھے اور ان کے اس نظریہ کے ساتھ دنیا کے کاروبار کا چلنا مشکل ہے۔ — کیا اس قسم کی تنقید پر متعین لاگنا ہو سکتا ہے، اور یہ تنقید کیا جائز تنقید نہیں ہے، جس سے دین ہی کی بھوٹی مقصود ہے، دوسری مثال حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے کہ "مزدقین" کو دوسری سورتوں کی طرح قرآن کا کچھ نہ سمجھنے میں، ان کی رائے دوسرے صحابہ سے منفرد بلکہ مختلف تھی، حضرت عبداللہ ابن مسعود کی عظمت، صوابیت، تعلق فی الدین اور علم و فہمی اپنی جگہ مسلم مگر ان کی اس رائے کو قبول نہیں کیا گیا اور نہ کیا جائے گا اور جب بھی جمع و ترتیب قرآن کی مفصل تاریخ لکھی جائے گی تو ان کی اس منفرد رائے پر ضرور تنقید ہوگی۔

تنقید کی ایک اور مثال ہر ان دونوں مثالوں سے شدید تر ہے، وہ حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ انہوں نے حضرات یثیبن (رضدین و فاروق رضی اللہ عنہما) کی بیعت نہیں کی، حضرت سعد کا یہ طرز عمل پسندیدہ نہ تھا، مولانا امین احسن اصنامی نے تو حضرت موصوف کے اس خاص طرز عمل کی "بائنی بصیرت" کو منسوب کیا ہے، ایک اور فقہ عالم، جو کتنی ہی کتابوں کے مصنف ہیں اور حنفی مذہب کی ممانعت میں مجاہد کی حیثیت رکھتے ہیں، ان سے اس واقعہ کا ذکر آیا تو فرمایا کہ حضرت سعد ابن عبادہ کے اس طرز عمل میں ان کا "نفس" شریک تھا، کبھی کبھار یہ تقاضائے بشری بعض صحابہ کرام سے اس قسم کی کمزوریاں یا رائے کی غلطیاں ظہور میں آتی ہیں، تو ان پر تنقید کرنے کو "امانت" یا "قدح" نہیں کہا جاسکتا، اور نہ اس سے "الصحابہ کلہم عدل" کی واقعیت پر حرف آتا ہے، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے مضمون میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: —

"صحابہ کرام کے متعلق میرا عقیدہ بھی وہی ہے جو تمام محدثین و فقہاء اور علماء امامت کا عقیدہ ہے کہ "کلہم عدل" ظاہر ہے کہ ہم تک دین کو پرکھنے کا ذریعہ وہی ہیں، اگر ان کی عظمت میں ذلہ بلاشبہ پیدا ہو جائے تو دین ہی مضطرب

ہوجاتا ہے، لیکن میں "الصحابہ کلہم عدول" (صحابہ راستہ ہیں) کا مطلب یہ نہیں لیتا کہ تمام صحابہ بے خطا تھے، اہل ان میں کا ہر ایک ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے بالاتر تھا اور ان میں سے کوئی نے بھی کوئی فعلی نہیں کیا ہے، بلکہ میں اس کا مطلب یہ لیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ اہت کرنے یا آپ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں، کسی صحابی نے کسی بدستی سے مرکز تباد نہ نہیں کیا ہے، پہلا مطلب گریا جائے تو تاریخ ہی نہیں، حدیث کی مستند اور قوی روایات بھی اس کی تائید نہیں کریں گی، اور دوسرا مطلب اگر لیا جائے تو وہ قطعی طور پر ثابت ہے، جس کے خلاف کوئی شخص کسی قہر اہم اعتماد و ذلیعہ سے کوئی ثبوت نہیں لاسکتا، حیدر ہے کہ صحابہ کی باہمی لڑائیوں تک میں جب کہ سخت خورزیہاں اُن کے درمیان ہوتیں کبھی کسی فسق نے کوئی حدیث اپنے مطلب کے لئے اپنی طرف سے گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کی، نہ کسی صحیح حدیث کو اس بنا پر جھٹلایا کہ وہ اس کے خلاف کے خلاف پڑتی ہے اس پر سخت جرات صحابہ کی بحث میں یہ ذہنی الجھن لاحق نہیں ہوتی چاہئے کہ اگر کسی کا فعلی پر ہونا مان لیا جائے تو اس سے دین خط سے میں پڑ جائے گا.....

"میں صحابہ سبک تمام غیر نبی انسانوں کو غیر محصور سمجھتا ہوں، اور بصورت میرے نزدیک صرف انہی کیلئے خاص ہے میرا خیال یہ ہے کہ غیر نبی انسانوں میں کوئی شخص اس معنی میں بزرگ نہیں ہوتا کہ اس سے فعلی کا صدور محال ہے یا اس نے کبھی فعلی نہیں کیا ہے بلکہ اس معنی میں بزرگ ہوتا ہے کہ علم و عمل کے لحاظ سے اُس کی زندگی میں غیر غالب ہے، پھر جتنا زیادہ کسی میں غیر غالب ہوتا ہے، میں اس کو اتنا ہی بڑا بزرگ مانتا ہوں !

اس معاملہ میں میرے اور دوسرے لوگوں کے نقطہ نظر میں ایک بنیادی فرق ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات میری پوزیشن کو سمجھنے میں غلط فہمی لاحق ہو جاتی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ جو بزرگ ہے وہ فعلی نہیں کرتا اور وہ غلطی کرتا ہے وہ بزرگ نہیں ہے، اس نظر نے کی بنا پر وہ چاہتے ہیں کہ کسی بزرگ کے کسی کام کو غلط نہ کہا جائے اور مزید برآں وہ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ جو شخص ان کے کسی کام کو غلط کہتا ہے وہ ان کو بزرگ نہیں مانتا، میرا نظریہ اس کے برعکس ہے، میرے نزدیک ایک غیر نبی بزرگ کا کوئی کام غلط بھی ہو سکتا ہے اور اس کے باوجود وہ بزرگ بھی رہ سکتا ہے.....

..... غلطیاں پڑے سے بڑے انسانوں سے بھی ہو جاتی ہیں اور ان سے اُن کی بڑائی میں کوئی نقص

نہیں آتا، کیونکہ ان کا مرتبہ ان کے عظیم کارناموں کی بنا پر متعین ہوتا ہے نہ کہ اُن کی کسی ایک یا دو چاٹیل کی بنا پر

مولانا مودودی کی اس وضاحت و تفریق کے بعد اُن لوگوں کا ذہن صاف ہو جانا چاہئے جو ان کی بعض تنقیدیں سے بزدلوں کا امانت یا سڑا ادب منسوب کرتے ہیں، ہر تقدیر انسانے بشری سرود ہی صاحب کا قلم تنقید میں کہیں تیز ہو گیا ہے ادبیہ "تیزی" اُن پر واضح کر دیتا ہے تو موصوت اپنی کھسی ہوئی عبارت پر اصرار نہیں کرتے، دلائل کے ذریعہ مطمئن ہو جاتے کہ بعد وہ اپنی تحسیدوں میں رد و بدل اور حد و اضافہ کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے، مجھ جیسے سچیدان نے اُن کے لکھے ہوئے بعض جملوں پر انہیں تو کا تو مودودی صاحب نے فراخ دلی کے ساتھ اپنی لغزش تسلیم کر مان لیا۔ مودودی صاحب کی عظمت و احترام کے باوجود میں اُن کو غلطیوں سے محفوظ نہیں سمجھتا، مگر مولانا مودودی بشری

کمزور ہیں اور غلطیوں کے باوجود گمراہ نہیں ہیں، وہ دین و ملت کے غیر خواہ اور ہمدرد ہیں ان کے زبان و قلم اور فکر و عمل کی قوتوں سے دین و ملت کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور انہوں نے ہر محاذ پر زبان و قلم سے اسلام کی ممانعت کی ہے، ان کی کتابیں اسلامی ادب کا قابل قدر سرمایہ ہیں جو لوگ مروت و دی صاحب سے "دین کی غریب" منسوب کرتے ہیں وہ محاذ و تعصب اور بغض و عناد میں مبتلا ہیں اور انہیں اس تہمت تراشی اور افتراء بازی کی اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہی کافی ہوگی۔

اب ہم نفس مسئلہ کی طرف آتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا اسناد پر اعتبار سے دینی ترقی کے شباب و جمال کا زمانہ ہے، خلیفہ کے طرز انتخاب کا معاملہ ہو یا باغ و ترک کا مسئلہ مرتدین اور معاندین زکوٰۃ سے جنگ کا موضوع ہو یا اصول حکمرانی کا سمجھنا، ساتھ ہی "اقامت دین کا مسئلہ بھی"۔ ان تمام مسائل اور واقعات و حالات میں مسلمانوں کے ایک فرقہ کے علاوہ پوری ملت اسلامیہ حضرات شیخین کے موقف اور طرز عمل کو نہ صرف حق یہ جانب بلکہ میں حق سمجھتی، ناجائز اور ناجائز ہے! جو مورخین شیخین کے دور خلافت کو سراہتے ہیں، انہی نے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے "اضطرابات" کا ذکر کیا ہے یہ تمام کے تمام "اضطرابات" جعلی، فرضی اور وضعی نہیں ہیں، مولانا مروتی نے بھی اپنے مقالہ میں محمد عثمانی کے ان اضطرابات کو دہرایا ہے! اس حقیقت اور واقعیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت صدیق و فاروق کے دور خلافت میں حکومت کی مشینیں جس سہولت و سہولت کے ساتھ تھیں ہوئی تھیں، حضرت عثمانؓ کے عہد میں وہ بالکل ویسی نہیں رہی، حکومت کے کل پرزوں میں کہیں کہیں ڈھیل پیدا ہو گئی! اس ڈھیل کا نمایاں مظہر بنو امیہ کا عروج ہے، جس نے آگے چل کر خلافت کا رخ طوالت کی طرف موڑ دیا۔

مولانا مروتی نے ہر عثمانی کے اضطرابات کا بیشک ذکر کیا ہے، مگر انہوں نے ان واقعات سے کوئی ایسا نتیجہ نہیں نکالا جس سے حضرت سید عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نیت پر کوئی حرف آتا ہو۔ مروتی صاحب لکھتے ہیں:۔

"سید عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اقربا کے معاملہ میں جو طرز عمل اختیار فرمایا، اس کے متعلق میرے وہم و گمان میں بھی کبھی پریشانی نہیں آئی کہ معاذ اللہ کسی بدینتی پر مبنی تھا، ایمان والے کے سے ان کی شہادت تک ان کی پوری زندگی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ترین اور محبوب ترین صحابوں میں سے تھے، دین حق کے لئے ان کی قربانیاں ان کے نہایت پاکیزہ اخلاق اور ان کے توفیق و ہمت کا کوئی گمراہ کر، آخر کو ان صاحب عقل یہ گمان کہہ سکتا ہے کہ اس سیرت و کردار کا ان بدینتی کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کر سکتا ہے، جس کو آج کل کی سیاسی اصطلاح میں خونی نرالی (NEPOTISM) کہا جاتا ہے، لیکن ان کے اس طرز عمل کی بنیاد وہی تھی، جو انہوں نے خود بیان فرمائی ہے وہ اچھے صلہ رحمی کا حکم چاہ گیا ہے اس کا تقاضا اسی طرح پورا ہو سکتا ہے کہ اپنے منہ دلوں کے ساتھ جو بھلائی کرنا بھی آوے گا کے اختیار میں ہو، وہ اس سے وسیع فائدہ کرے یہ نیت کی غلطی نہیں، رائے کی غلطی ہے یا الفاظ دیگر اجتہاد کی غلطی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

یہ ترانہ صبیح و خورشید اور رافضیوں کا مسلک اور طرز تفکر و احتساب ہے کہ وہ خلفاء راشدین کی غلطیاں بتا کر رخسارِ گلشنِ خرم انہیں گمراہ، ظالم بلکہ کافر تک کہتے ہیں! مولانا مروتی کا اس مسلک سے دوکان بھی واسطہ نہیں ہے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے کسی مضطرب واقعہ کے واسطے میں معاذ اللہ بدینت نہیں سمجھتے، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ اخلاق اور عبادت و تقویٰ کے قائل ہیں ان کی دینی قربانوں کو مانع نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ترین اور خصوصاً ترین صحابہ میں انہیں مشامہ کرتے ہیں۔

جہانے اپنا ہاتھ حضرت شیخین کے دور خلافت کے مقابلے میں ہر عثمانی میں حکومت کی مشینیں کہیں کہیں ڈھیل پیدا ہو گئی تھی،

اس منہد کے ساتھ ہم امین کامل الحیاۃ الایمان، خلیفہ راشد، ذوالنورین، دین و ملت کا محسن، صاحب طہارت و تقویٰ، مجرب و سخی
اصلاً پانچ قدم سمجھتے ہیں، بیشک سیدنا عثمانؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی، آپ کی نیت الایمان کے
انخاص میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا اور ہمارا دلی پوجا ہے کہ ان اضطرابات میں روایات و استدلال کے اندر مورخین ہمارے مجرب
ہو جائیں، مگر حضرت عثمانؓ بندے جو بعض مضطرب واقعات منسوب ہیں ان کی تبدیل ہو جائے (رضی اللہ عنہ)

مرغان کی شخصیت کے بارے میں مولانا طحطاخراہ عثمانی نے نچاچی کتاب (برأء عثمان) میں جو "تعمیل" کی رحمت فرمائی ہے،
وہ بہت کچھ نقل نظر ہے تاریخ کی مستند روایات یہ بتاتی ہیں کہ مرغان سے جو اعمال و واقعات ظہر میں آئے ہیں وہ قبل عثمانؓ نہ کا
سبب بنے، مرغان حضرت عثمانؓ کی طرف سے ان کی اطلاع کے بغیر بھی حکم دے دیا کرتا تھا! حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ
کی حکومت قائم نہ ہونے دینے میں، تفرقہ کا باعث "مرغان" ہی قرار پاتا ہے، طبقات ابن سعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول مرغان
کے بارے میں ملتا ہے۔

"لیعلمن سرا یہ ضلالتہ"

مرغان ضلالت کا جھنڈا اٹھائے محام

جو لوگ مرغان اور بنی ہاشم کی "تعمیل" کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہیں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی "تعمیل" کو بھی کھینچا اور
مقل نظر بنا دیتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ حضرت سیدنا عثمانؓ مخفی رضی اللہ عنہ سے بالکل مختلف ہے، امت کا اس پر اجماع ہے کہ
جس وصیفین میں حق حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جس کے واقعہ پر بدامت و راجعت
کی تفریق نصیب ہوئی، حضرت امیر معاویہ اپنے موقف پر کھمبے ہے، انہوں نے خلافت راشدہ کے مقابلہ میں اپنی امامت قائم رکھی اور شریعت ہی میں خلیفہ
ماشاء اللہ آپس گورنری سے معزول کیا، قرآن کے حکم کی خلاف ورزی کی! فقہ حنفی کی شہرہ آفاق کتاب ہدایہ میں امیر معاویہ کو "مستطاب
جائر" بتایا گیا ہے، اور حضرت علیؓ کو رضی اللہ عنہ کے موقف کے بارے میں لکھا ہے۔

"... والحق بین علی رضی اللہ عنہ"

یہ موقف کہ حضرت علیؓ ناقص پڑتے، اور امیر معاویہ حق پڑتے، نا صبروں کا موقف ہے جو سو فیصدی غلط اور گمراہ کن ہے، دوسرا موقف یہ کہ
حضرت علیؓ اور امیر معاویہ دونوں حق پڑتے، یہ بھی درست نہیں ہے، سچی بات یہی ہے ایسی ہی جگہ موقف ہے کہ امیر معاویہ اور حضرت علیؓ کے معاملہ
میں "حق" علیؓ کے ساتھ تھا! امیر معاویہ نے خلافت کو ملکیت میں تبدیل کر دیا، ان کے چھپتے بیٹے، ولی عہد اور جانشین — بنیہ —
نے بادشاہ بن کر کچھ کیا وہ اسلامی تاریخ کے سیاہ اوراق ہیں!

مولانا جعفر علی نے بیدار ولی عہد کے جو ازمیں جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں "امویت" کی جھلک پائی جاتی ہے، مزید کی ولی عہد کی
امیر معاویہ کا نا پسندیدہ کارنامہ ہے!

۱۔ "مرغان کا معاملہ صفار صحابہ میں نہ تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور عبداللہ ابن زبیرؓ جیسا ہے اور نہ بڑی عمر کے صحابہ
میں امیر معاویہؓ کی مانند ہے، اب وہی احادیث کی روایت تو اہل تشیع سے بعض روایتیں محدثین نے لی ہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی فقہ حنفی کے مکتبے پرٹے عالم ائمہ "اعلام السنن" جسے مولانا کتاب کے مصنف امیر مولف ہیں، ہجرت ہے کہ وہ اس حقیقت سے حریف نظر کر جاتے ہیں کہ "بلغات" کے تئیں فقہ حنفی میں اصل "قدہ" حضرت سیدنا علیؑ مانے گئے ہیں امدان سے لڑنے والے ہائی نظریاتے گئے ہیں، خلیفہ راشد حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہ کی حیثیت باطلی گذر کر ہے؛ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حق واضح ہو گیا تھا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نبید کے ولی چہ بنانے کی ہوجات سمجھائی تھی وہ درست مشورہ تھا اور حضرت عمر بن العاص نے حضرت امیر معاویہ کو لڑائی میں جو یہ مشورہ دیا تھا کہ کربج نیروں پر قرآن کو اٹھا لے یہ بیشک جنگی چال تھی۔ مگر ایسی چال جس کی تحسین نہیں کی جاسکتی، پھر حکیم کے مسئلہ میں حضرت ابو موسیٰ انصاری کے ساتھ حضرت عمر بن العاص نے جو معاملہ کیا اُس کی جو کوئی "تعدیل" کرے گا، وہ صریحی غلطی کا ارتکاب کرے گا۔ کھلی ہوئی غلطیوں اور نیا دیتوں کی "تعدیل" اپنی جگہ خود بہت بُری غلطی ہے اس ہمارے زمانے میں عمر و معاویہ کی یہ فتنہ کھڑا کیا ہے کہ امیر معاویہ کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کے موقف کو ناقص اور نبید کے مقابلہ میں حضرت امام حسینؑ کا کو خطا کار ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے یہ "نا بصیرت" ہے، جو فضائل کا مسلک ہے، ہم اس مسلک سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، انفس ہے کہ شیعیت سے غلطی امداناً اصل کے برعکس میں بعض اہل سنت عمر و معاویہ کے مسلک "اصحیت" سے متاثر ہو گئے ہیں۔

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے موقف کی "تعدیل" کرتے کرتے خود ناقص مصنف (مولانا ظفر احمد عثمانی) ان رعایتوں کو درج کر گئے ہیں، جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کا موقف بخروج ہوتا ہے۔

● "ابن عباس کہ وہیو نے حضرت شعبی (رحمۃ اللہ علیہ) سے رعایت کیا ہے کہ حضرت عمر کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوئی، جب تک قریش اُن سے اُگتا نہ گئے، انہوں نے قریش (کے ہما جوین) کو مدینہ میں محصور کر دیا تھا۔ (ص ۶۲)

● "قریش کہ وہ افراد جو ہما جوین کر مینہ اُگئے تھے، سب ہی خلافت کے اہل تھے، اس لئے ان سب کو حضرت عمر نے مدینہ سے باہر آنے کی اجازت نہیں دی، بلکہ مدینہ میں محصور رکھا۔" (ص ۶۵)

● "اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان بلایاتوں کی پوزیشن مضبوط نہ کرتے کہ مالک اشتر غنی کو فوج کا کمانڈر اُچھٹ پتا دیا اور محمد بن ابی بکر کو اپنا مشیر خاص یا سکریٹری بنا لیا، جو فتنہ قتل عثمان کے باقی تھے (اور ان کے ساتھیوں میں سے بھی کسی کو مجلس شوریٰ میں شامل کر لیا گیا، کچھ کو فوج میں، بلکہ خلافت کا منصب سنبھالتے ہی سب توں سے اپیل کرتے کہ ان بلایاتوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کو مقابلہ دم (خون) عثمان کے لئے دست اقدام پہنچنے کی فوت نہ آتی۔"

● "اسی چیز نے حضرت معاویہ اور ان کے ہم خیال صحابہ کی نظروں میں خلافت علیؑ کو خدو غل بنا دیا اور جنگ جمل نے اس فتنہ کو زیادہ قوی کر دیا۔"

حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت کے سلسلہ میں سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی رعایتوں کو نقل کیا ہے اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؑ کے بدبین مولانا ظفر احمد عثمانی نے بھی رعایتوں کو دہرایا ہے۔ اس سمت میں رعایت کے نقل ماحول سے "تقدیر صحیح" کی جو صحبت پیش آتی ہے اس میں کوئی بزرگوں کی ایک ہی مرتفع

ہاں! مریطین چمن خیز وہ گلزار کھلا
جس کے پھولوں کو لگی ہوا نہ گلستاں کی ہوا

ذہن بسیار ہوں ، یوں بوئے گل تر پھیلے
درد تک نکھلتا گیسوئے معنبر پھیلے

۱۱

ماہ طے کر کے ہوئے داخل مکہ شہینہ
چار سو پھیل گئی جسدہ حق کی تنزیہ
ابن کعبہ کی بڑھی گرفت دم سے تقریر
سیرت پاک نے دکھلا دی نبی کی تصویر

حسنِ اخلاق کا کلمہ پڑھا ہے گاؤں نے
آئے ہی گھیریا شیخ کو پر قانون نے

چند منتخب بند اور ابیات —

جھانگیں لے کے بڑھا، آپ علمدار جوہی
فرس و قاطر و اشتر ہوئے سیراب بھی
سوکھے ہرنٹوں پہ نمایاں سخی تشکر کی تری
دلِ عقیدت سے بھرا، آنکھوں دامت سے جھکی

شدرم احساں سے ہوتی فوج تنگ پانی
اس کو کہتے ہیں کرم، ہو گئے پتھر پانی

گھر کے ابرک و مساقی کوثر آئے
مشک کا ندھ پہ آٹھائے علی اکبر آئے

لے گئی دل کی کٹش منزلِ جاناں کی طرف
مر گئی رحمتِ معبودِ بیاہاں کی طرف

دیکھ کر بے ادبی مشہ کوفہ و شام
کبھی ہوتا تھا جو برہم وہ علی کا فرغ نام
پیاد سے دوش مبارک کو تھپکتے تھے امام

ہنس کے کہتے تھے کہ غصہ ہے شجاعت پر حلام
مرحمت شاہ کی جھب آئینہ دکھاتی تھی
ہر شکن اہرے عباس کی مٹ جاتی تھی

پیش قدمی کوئی کرتا، یہ نہ تھی تاب و مجال
اہتری فوج میں ظاہر ہوئی جیسے بھونچال
شاہراہ سپہ شام تھے بھڑے ہوئے چال
بدحاشی میں سمجھنے لگے تلوار کو ڈھال
دوش پر جائے کماں فوجی ہڑال رکھا
تیغ و کشمیریں رکھی، میان میں پکیاں رکھا

ماس دھپ اُن کے محافظ تھے سندھ پہ سوار
شاہد حوصلہ عزم تھی جن کی رفتار
نہ پس پشت سپر، اور نہ کمر میں تلوار
چشم افلاک نے دیکھے تھے نہ ایسے جرّار
دل شگفتہ تھے دیروں کے چمن کی صورت
دستِ نولاد میں نیزے تھے کرنا کی صورت

ایک بیک در سے بڑھتے ہوئے سائے دیکھے
کچھ جوی دوش پہ مشکیزے اُٹھائے دیکھے

تالیخ حکم عداد تھے وہ تیس سوار
جن کی ثابت قدمی لفظ شجاعت کا وقار
جن کے زخموں سے کیا گلشنِ ملت نے سنگھار
خون سے جن کے لکھی وقت نے تاریخ بہار
دائرس ہے اتنے جاندار شعروں کے بعد اس بند کی آخری بیت —
جن کا افسانہ روایاتِ نیکو کی سحر فی
پہرہ فرض پہ ہے، جن کی بہو کی سحر فی
میں کس قدر آبداد پائی جاتی ہے)

دم بخود نوج ہوئی سفہر غمناں کی طرح
خاک اڑنے لگی ڈیروں میں بیاباں کی طرح

پیاس اس طرح سے ٹھکرا دے بھلا پانی کو
مڑ دیتی ہے وفا فطرتِ انسانی کو

دوسرا رخ ۱۔

چہرہ تصویر بنا رنگ نہایت کے لئے اُن کی تلوار بنی ہاتھ مشیت کے لئے (دس ۴۷)
مصرعہ ثانی میں "آمد" کی بجائے "آمد" نمایاں ہے۔

یہ وہ پانی کہ شجاعت کا ہے قلم جس سے ہوا دولاکھ کے لشکر میں تلاطم جس سے (دس ۵۱)
مصرعہ اولی اظہار خیال اور اسلوبِ ادب کے اعتبار سے "ناپختہ" ہے۔

جسیرہ فرد حسینی کی ہے عباس میں صنو ان کے آئینے پہ ہے شیر خدا کا پر تو (دس ۵۲)
"ان کے آئینے" سے آخر کیا مراد ہے شاید "آئینہ دل" تو پھر "دل" کا انا ضروری تھا!

ہوئے پیدا تو کھلی گود میں شبیر کی آنکھ عمر بھر دیکھی اُسی صاحبِ توقیر کی آنکھ (دس ۵۳)
معاذہ یوں ہے کہ "ندان شخص ہندگوں کی آنکھیں دیکھتے ہوئے ہے" اس میں "آنکھوں" کا بچ کر انا ضروری ہے، واحد کے ساتھ جس طرح اس
مصرعہ ۱۔

میں ہے، درست نہیں؛ خود شاعر ہی اس مصرعہ کی صحت اور دوہرست کے بارے میں مذہب ہے اس لئے ذیلی حاشیہ میں اس کا بدل یہ مصرعہ ۱۔
نظر آتی تو اُسی صاحبِ توقیر کی آنکھ

بھی لکھ دیا ہے، مگر اس مصرعہ میں شاعرانہ لطف کی خاصی محسوس ہوتی ہے! "تو" نے بات کو اندازہ بگاڑ دیا، کیا حضرت عباس کو امام
حسین کی آنکھ کے علاوہ پورے گھرانے میں ادکسی کی آنکھ ہی دکھائی نہیں دیتی تھی۔

ہر تین سو سے نمایاں ہوئی تنویر کی آنکھ
آنکھ وہ آنکھ کہ کہنے سے تاثیر تھی آنکھ

"تنویر کی آنکھ" کیا ہوتی ہے! "تاثیر کی آنکھ" اس سے زیادہ مفہم کہ فیزا شاعر کا پہلا مصرعہ خاصہ اچھا ہے (ہوئے پیدا تو کھلی گود میں شبیر
کی آنکھ) اس مصرعہ کو ہتسار کر کہنے کے لئے انہوں نے بعد کے تین مصرعے جوڑے ہیں!

ہوئی جس کو تعریفِ خلائی حسین لوحِ قیمت پہ کھدا نام گرائی حسین (دس ۵۴)
مصرعہ ثانی میں بڑا تکلف پایا جاتا ہے! "کھدا" نے شرکی لطافت کو مجسور کر دیا۔

دل سے آواز یہ آتی تھی اُجھ لاکھتے عزم کہتا تھا کہ دنیا تو بالاکھتے (دس ۵۵)
اس سے پہلے مصرعوں میں "اندھیرے" کا ذکر آتا تو بند کی آغوشِ بیت میں "اچھا لاکھتے" موزوں لگتا!

ہیبتِ شبیر سے گر لگی ہوئی حاکم کی زبان گرچہ سرفرازِ اشعار مدینہ مروان (دس ۵۶)

”ختم کھٹے ہوئے“ نے اس بیت کو سلی اور بے تکلف بنادیا۔ ”دست گزار کی جگہ“ تھوکر گزار ہونا تو شعر میں نیا وہ وقت پیدا ہو جاتا۔
 بندش آپ میں جڑے ہوئے سر کو باہم
 ہندش آپ کی ترکیب ادلی تو اس طرح مافوق محسوس ہوتی ہے — پیریہ ٹکڑا۔ جڑے ہوئے سر کو باہم — پسے معرکہ کے لفظی دوسریت کے ساتھ عجیب سا لگتا ہے۔

ہم جو گرجیں تو پہاڑوں کے جگر پلٹے ہیں
 قعر بدعت کی بنا بلی ہے در پلٹے ہیں (ص ۸۶)
 معرہ ادلی کوئی شک نہیں مضبوط اور پرجوش ہے مگر دوسرے معرہ میں لفظ ”بدعت“ بھرتی کا لفظ ہے، ”قعر پش ہی“ کہنا تھا۔ پھر ”بنیاد کے پلٹنے“ کے بعد یہ کہنا کہ ”در پلٹے ہیں“ کس قدر کمزور انداز بیان ہے! یعنی ترقی کی بجائے ”تنزل“
 شکلیں بھر بھر کے برآمد ہوتے پیاسے ذی جاہ
 نکر تھی آپ پر پوچ جائے سوئے خیر شاہ (ص ۸۵)
 ”پانی کی بجائے“ آپ ”معرہ ثانی میں کس قدر کھٹکتا ہے!

جوش نے دودھ خون کے جو نفیس تیزکیب
 ہاتھ نیرے پر گیا، گھوڑے کو ہمیز کیا (ص ۸۶)
 ”دودھ خون“ لانے کی ضرورت تھی کہ یہاں ”فن طب“ موضوع سخن نہیں ہے، پھر اس معرہ میں ”تھکید“ کا عجیب بھی پیدا ہو گیا! اس بیت کا معرہ ثانی خوب نہیں۔ بہت خوب ہے۔

جہد اطفال شہنشاہ مدینہ نے پیا
 بی چکے اصغر ناواں تو سکینے پیا (ص ۹۱)
 ”جہد اطفال“ تیر سا لگتا ہے، ”اصغر ناواں“ کہنے کا یہ کیا محسوس تھا، ”اصغر کن“ ”موزوں“ لفظ تھا۔
 سجدہ حق میں وہ دن مات گزارے ب نے
 خاک پر گیسوئے احوال نزارے سب نے (ص ۹۳)
 دوسرا معرہ تکلف داند کا مجموعہ ہے!

نکر نہ کی نہ بچوں کی جدائی کا خیال
 دہر تشریش تھا ہر حال میں بھائی کا خیال (ص ۹۴)
 ”دنیاں تو جہد در دنا شد“ — کی شکل ایسے ہی شعروں پر صادق آتی ہے۔
 ٹکڑے ہو جائے گا گلزار جناب شہر
 چھد کے رہ جائے گا میدان میں اکبر گلبرگ (ص ۹۶)
 ”گلزار کا ٹکڑے ہو جانا“ یہ کہاں کو زبان ہے! انا جب کسی باغ کا ثراہ ہوا اسے بہت سے حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ”باغ کا ٹکڑے ٹکڑے“ ہونا اس وقت بولا جائے گا۔

قافلہ وقت کا گوز حست ہر گام میں ہے
 ماندگی شہدائت آرام میں ہے (ص ۱۰۰)
 صفد صاحب نے متعدد مقامات پر ”آسودہ تکلف“ کو شاید ”صفت“ سمجھ کر استعمال کیا ہے! اس بیت کا بھی یہی رنگ ہے۔
 ہے ازل سے ہی تسالون طبیعت آقا
 کہ شجاعت ہے اک ایمان کی شیت آقا (ص ۱۰۳)
 دوسرا معرہ تو مشقوں کے کہنے کا ہے۔

جہد بندہ ممدوثی مولا ہو قبول
 اپنے اس صفد ناچیز کا سجدہ ہو قبول (ص ۱۰۳)
 ”جہد“ کی جگہ ”ہدیہ“ لانا تھا! تیسرا معرہ یوں ہے —

کھد کے نام آپ کا سجدے میں تسلیم ہے حضرت
 مگر

اپنے اس صنف نامہ پر کا سجدہ ہر قبول
اس پر تسلیم کے سجدے کی طرٹ ذہن نہیں جانا، بلکہ لفظوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر اپنے ممدوح کو پیشانی سے سجدہ کرتا ہے۔ حالانکہ ہر صنف
فات باری کو سزاوار ہے۔

ڈاکٹر صفحہ حسین کے مرثیہ کی ایک بیت ہے۔

یہ دسائے یہ قطاریں یہ پیادے کیا ہیں

زندہ رہنا ہے تو کہہ دو کہ انا دے کیا ہیں

کاش امان کے مرثیہ میں مشعر سے لے کر آخر تک یہی رنگ و آہنگ قائم رہتا۔ صورت یہ ہے کہ ایک ہی بند میں تین چار مصرعے خاصے بلند
ہیں مگر ایک دوسرے بہت پست بھی آگئے ہیں، انہیں لفظوں کے دوہرے میں جھول رہا ہے، کسی جگہ آدھ اند تکلف امان کی شاعری میں چاہے
دو غزل ہو یا مرثیہ، نظم ہو یا سلام و دعا، ابھی وہ پیشگی پیدا نہیں ہوئی جو بڑے شاعروں کا طرہ امتیاز ہے۔ صفحہ صاحب ایسا
ایک میدان شاعری میں آئے، اس آئے ہی ان کی شاعری پر مضامین بھی رسالوں میں چھپنے لگے، انہوں نے شہرت کے طوفانی آغاز ہی میں کسی کتاب میں بھی
مرتب کر ڈالیں، لوگوں نے تعریف و تحسین بھی کی، اس ماحول میں اگر وہ بلوغ کمال اور تکمیل فن کا احساس پیدا ہو جائے تو کچھ مستبعد نہیں ہے کہ
اس طرے شلو کی کڑی ترک جاتی ہے، اور وقت سے پہلے بلوغ کمال کی خوش فہمی میں شاعر مبتلا ہو جاتا ہے۔

شہرت و تحسین سے کوئی تنگ نہیں شاعر ادیب کی سوسلا فرازی ہوتی ہے مگر یہ جزیرہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ بھی بن جاتی ہے!

شعرا و ادب کے معاملے میں ہم، افسوس ہے کہ سواداری اور مروت کو "تا انصافی" سمجھتے ہیں، شعرا و ادب میں خدا کی بھی اور پیچ اور
کسر عوس ہوتی ہے تو ہم اس کا اظہار کر دیتے ہیں، اسی صاف گوئی نے ہمیں نہ جانے کس کی نگاہ میں مبغوض اور ناپسندیدہ بنا دیا ہے!

سہ آئینہ اپنی لطافت کی سنا پاتا ہے

ترتیب دینے والے ۱۔ ظہور احمد، ممتاز احمد، عارف الحق۔ صفحات ۲۶۰، قیمت مفید کاغذ پر ۳ روپے، نیر

پنشن پر ۲ روپے۔ ۲۔ شے کا پتہ ۱۔ ادارہ مطبوعات جمعیت طلبہ ۳۳ اسٹریٹ روڈ کلاسی

اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان میں طلباء کے فلاح و بہبود انسان کے اندو اسلامی مدد اور دینی اخلاق پیدا کرنے کی برسوں سے کوشش کر رہی ہے
اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس ادارے کی کوششوں کے بڑے مفید نتائج نکلے ہیں، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جہاں بھی جمعیت طلبہ کے
متاثرین نظر آئیں گے، وہ اپنے بلند اور پاکیزہ اخلاق کے سبب پہچانے جاسکتے ہیں، مغرب زدگی، اشتراکیت اور بد اخلاقی کی دلیل میں ان کا
حال "گنول" کی مانند ہے! یہ طلبہ تعلیم میں بھی اپنے دوسرے ساتھیوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں بلکہ مجموعی طور پر ان میں ممتاز نظر آتے ہیں!
اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کی سہ ماہی میں اللہ تعالیٰ کی آیہ رحمت ہے! اسلامی اخوت نے مغربی اندیشہ شرقی پاکستان کے دین پسند طلبہ
میں ناقابل شکست اتحاد پیدا کر دیا ہے۔

اس ادارے کی بارہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن کا پورا بیڈٹ چار روپے میں مل سکتا ہے! اس نئی بیڈٹ کارڈ، نشانات کتابی، پوسٹ کارڈ،
نعارف، اور عجیب بھی شائع کئے ہیں، جن کی ہر سطر دین و دانش سے سہم رہے۔

اس کتاب پر تعلیم کا مسئلہ میں چھتے بھی مضامین ہیں اور نچے دوسرے کے مضامین ہیں۔ چند مضامین ۱۔

نظام تعلیم اور ادب (اختیار (مرلانا امین احسن اصلاحی) تعلیم کا بگاڑ (ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی)۔

تعلیم کی مابین (ڈاکٹر سید عبداللہ) تعلیم کے تعلق (غرضیہ احمد) نظام تعلیم کا اساسی نقیض (درا علیہ صلیقی)

تعلیم کا مقصد (اے، کے، بروہی) ————— یہ تعلیم اچھے اخلاق کیوں پیدا نہیں کرتی وہی بالاطنی مروری) —————
ہمارے دینی مدارس (نعم صدیقی) ————— ہندوستان کا نظام تعلیم ————— ایک تاریخی تجزیہ (غور شید احمد)
ہرمق لداپنی جگہ ایک علمی منشور اور عیسوی دستاویز ہے، اسی بات، مفید شمس، دانشورانہ تجزیے، اس کتاب کو بڑے سلیقہ
اور خوش ذوقی کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے !

ان فاضلانہ مقالوں کے علاوہ یونیورسٹی آف ڈیننس اور قومی تعلیمی کمیشن کی رپورٹ پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے، یہ تبصرے متوازن اور
عادلانہ ہیں، ساتھ ہی جرأت آمیز بھی ! خطرات سے بے پرواہ ہو کر، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اظہارِ حق، یہ مردِ مومن کی خاص
شان ہے !

یہ کتاب حکومت کے محکمہ تعلیمات کے اربابِ است و کث و کو خاص طور سے دعوتِ سک دیتی ہے ! اخبارات میں بھی اس کے مضامین
آنے چاہئیں ! اجماعیت طلبہ کو ہم اس علمی اور تعلیمی پیشکش پر مبارکباد دیتے ہیں !

• پورے کے دنیا میں خوشے گوارا انقلاب !

تین نئے پیسے بچائیے اور ہر ماہ آفسٹیں، **اچھا سا کھتی** پڑھیے !

دلچسپ یا مقصد کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں ————— دلچسپ لطائف و ظرائف، معلوماتی مضامین اور بلائیس

انعامی مقابلے !

طالب علموں کے لئے ماہانہ تعلیمی وظائف کا انعامی سلسلہ

چند لکھنے والے !

نعم صدیقی، ماہرِ لفظ و دی، اسد گیلانی، حقیقہ جالندھری، ابنِ فریبہ، محمود فاروقی

مائل خیر آبادی، ابوالجہاد زاہد، کوثر اعظمی، تاج الدین اشعر، ابوسلم عبدالحمی، ظہور احمد، نصر اللہ

خان عزیز، محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ جلالی، نیر بانو، سعیدہ سلطانہ نکہت !

فی پرچہ ایک روپیہ — سالانہ پختہ : دس روپے ! صدیوں — آمنہ فاروقی، رشید ارشد

خاص رعایت : اس ماہ کے آئندہ پیشگی سالانہ خریداروں سے صرف آٹھ روپے لئے جائیں گے اور مکتبہ اچھا سا کھتی

سے شائع کیا جانے والا بہترین کہانیوں کا مجموعہ بلا قیمت — تحفہ — پیش کیا جائے گا — آج ہی لانے خریدارین جائیے

ماہنامہ "اچھا سا کھتی" بارس اسٹریٹ کراچی ۳

باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا ————— گورا اور دھلا لٹھا
(دوسرے)

ہر قسم کا دھاگا تیار ہوتا ہے
باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی قدر اور
حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے



اب تیز ترین پرواز!
ٹرائیڈنٹ ۱-ای کے ذریعے
 کراچی - لاہور
 روزانہ ۳ پروازیں
 کراچی - راولپنڈی
 روزانہ ۲ پروازیں

فری کوانٹس				جائیداد بھارتیہ کلاس	فری کوانٹس			
۳۰۶	۳۰۴	۳۰۳	۳۰۰		۳۰۱	۳۰۵	۳۰۳	۳۰۴
مطلوبہ	مطلوبہ	مطلوبہ	مطلوبہ		مطلوبہ	مطلوبہ	مطلوبہ	مطلوبہ
۲۰-۳۰	۱۵-۲۵	۱۰-۲۰	۵-۱۵	کراچی	۱۲-۲۰	۱۸-۲۵	۹-۱۵	۲۰-۳۰
۲۱-۳۱	۱۶-۲۶	۱۱-۲۱	۶-۱۶	لاہور	۱۳-۲۱	۱۹-۲۶	۱۰-۱۶	۲۱-۳۱
				راولپنڈی	۱۴-۲۲	۲۰-۲۶	۱۱-۱۶	
				آمرتسر	۱۵-۲۳	۲۱-۲۶	۱۲-۱۶	

ملک کے اشد پروازوں میں تیز ترین بخاری اور آذر کا لیا مہیا

پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز **PIA** پاکستان سول ویم جیو پرواز

آدم جی کے پارچہ جاتا دوسرے تہیں



آدم جی کاٹن ملز لائڈس کراچی

کی قیمت ہی مسرت

بھارو کی خدمات

- ۱۔ طب مشرقی کو پاکستان میں بھروسہ دے کر رائج کیا اور اس طب کے معیارات کو بلند کر کے معیارات خاص وضع کیا۔
- ۲۔ طب مشرقی کی روشنائی کے احکام معیارات قائم کیا اور سب کے لئے رائج کیا۔
- ۳۔ طب مشرقی اور طب مغربی کے مقام کو بلند کیا۔
- ۴۔ پاکستان کے تمام قیامی نظام میں خدمت انجام دی۔
- ۵۔ طب مشرقی کو پاکستان کے گوشے گوشے میں پہنچایا۔



جماعت ربوہ اور جماعت لاہور کے عقائد

صداکین صاحب نے ربوہ کی قادیانی جماعت والوں کو مخاطبہ کے آن کی اس غلط فہمی اور غلط اندیشی پر متنبہ کیا ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی مانتا چھوڑ دیں، بلکہ انہیں مجدد زماں اللہ سیح موعود مانیں ۱

لاہور کی جماعت کے اس مسلک کے دجل و فریب، کذب و جہالت پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے، سہروردت پر سبیل تنزل (یہ عنوان — لوفرضنا) ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر لاہوری جماعت داسے اپنے اس قول میں صادق ہیں، تو انہیں ربوہ کی قادیانی جماعت کے مکلفہ کا مرتبہ پہلے اعلان کرنا چاہئے، کیونکہ مذکورہ بالا کتا مجھے میں یہ عبارت بھی نگاہ سے گزری۔

”... نبوت کی وحی جاری ہونے سے اسلام کا تختہ الٹ جاتا ہے غرض انہوں (مرزا غلام احمد) نے نہایت شد و حد سے یہ بیان کیا ہے کہ نبوت کا جاری ہونا اسلام کا خاتمہ ہے“

اس کتا مجھ میں اس کا فرق اعلان کیا گیا ہے کہ ————— ”اہل ربوہ اور جماعت لاہور کے دیمان جو اختلاف ہے وہ فروعی نہیں بلکہ اصولی ہے۔ —————“ مگر اس کتا مجھ میں اس کا اعلان نہیں کیا گیا کہ غیر نبی کو چاہے وہ مجدد ہی کیوں نہ ہو، جو کوئی فرد اور گروہ نہ نبی مانا ہے وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے اور دھارہ اسلام اور امت پر غصبیہ سے خارج ہو جاتا ہے، اس کتا مجھ میں تو قادیانیوں کی جماعت ربوہ کو امت محمدیہ میں شامل سمجھ کر ”مصلحت کی دعوت دی گئی ہے اور یہ مصلحت“ ظاہر ہے کسی ایسے بھتہ سے متعلق نہیں جس پر کفر و ایمان کا دار و مدار رکھے، پھر یہ انداز کس قدر سہل و آسان ہے، جو ان دونوں جماعتوں (لاہوری پارٹی اور جماعت ربوہ) کے دیمان تعلیق خاطر، عقائد کی یک رنگی اور مذہبی اخوت کا پتہ دیتا ہے۔

..... وہ یہ کہ ہمارے دونوں جماعتیں، قرآن کریم و حدیث شریف کی نصیحتوں کو شعشعہ مایہ یقین کریں۔

داحیہ بلڈنگس لاہور کا کتابچہ ص ۳۴

صحیح اعداد و شمار تو ہمارے پاس نہیں ہیں، مگر ایک سرسری انداز سے کے مطابق ہمارے خیال میں قادیانیوں کی تعداد ساری دنیا میں چار لاکھ سے زائد شاید نہ ہوگی، مسلمان، جو غم نہایت پر ایمان رکھتے ہیں، ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے فضل سے ساڑھے کروڑ ہے، یہ سب سب مسلمان مرزا غلام احمد کو نبی کا زب اور مرتبہ سمجھتے ہیں، پھر جو اقبال مرزائے قادیان کی کتابوں میں غلطیوں میں اس میں کس دھڑے متعلق، بے باطنی اور جیدہ اندیشی، تاویلیں اور غریب کالانڈر تو جیسے پائی جاتی ہیں، لاہوری جماعت کا اگر واقعی یہ بھتہ ہے کہ ”مرزائے قادیان کے دعوئے انکار سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہو جاتا“ تو پھر امت میں اختلاف برپا کرنے اور کڑوں سنسنیوں کے دلوں کو اذیت پہنچانے کے لئے وہ غلام احمد قادیانی کی ”مجددیت“ اور ”امت“ کی طرف دعوت کیوں دیتے ہیں، ایسی مشتبہ اور مبغوض شخصیت جیسے بڑی امت مسلمہ انتہائی ناپسند کرتی ہو، کیا اس قابل ہے کہ اس کی ذات اور شہنشاہ کی طرف لوگوں کو بلایا جائے، اور مسلمان کریم کی تفسیروں تک میں اس کا ذکر کیا جائے، غلام احمد قادیانی کی کتابوں میں آخوندہ کو نہ ہی ایسی دینی بعیرت اور اخلاقی حکمت پائی جاتی ہے جس کی امت مسلمہ دنیا جہے انداس کی شخصیت کی طرف رجوع کرنے بغیر دین و اخلاق اور احمد سے بہتر ہیں۔

حضرت عمران بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو ”مجددیت“ نہیں جانتی ہے کہ آپ نے شانِ نبیؐ کو بدعتوں اور نیا دینوں کو کشا کر چھوڑنا اور اسلامی

لے جا کر غم نہایت کا مسئلہ کفر و ایمان کا بنیاد کا مسئلہ ہے، یہ وہ جائز و ناجائز اور حرام و حلال نہیں ہے جو فقہی مذاہب کے اختلافات میں پایا جاتا ہے

ان فلسفوں کو کافر، افسانہ اسلام سے خارج ہیں سمجھتے۔ قرمزنا فلام احمد کی حیثیت نہ صحابہ بن منصفہ کی ہے اللہ تعالیٰ ہی اور علیہ السلام جیسے ہے، اس شخص کا اداس کے گانے والوں کا ارتداد اور کفر کھلا ہوا ہے، جس کے بارے میں امت مختلف الراء نہیں ہے، مرزا اور اس کی امت و معتقدین کے کفر بہت متفق ہیں۔

قرمزنا فیول کی لاہوری جماعت کے سرپرست میں بعض صوفیوں کے اقوال، جو مثال میں پیش کئے جاتے ہیں تو اس مسئلہ میں عرض ہے کہ جن میں صوفیاء کے اقوال و احادیث کی کوئی حیثیت نہیں ہے ہر کسی کے قول و فعل کے جانچنے اور پرکھنے کی کسوٹی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت ہے، اس کسوٹی پر جس کسی کا بھی قول پڑتا نہیں آتا ہے گا اسے رد کر دیا جائے گا؛

جہاں تک بعض لوگوں کے اقوال و کلمات اور افکار و تصورات کا تعلق ہے ہر قسم کی گمراہی اور کفر کرنا ہرگز میں ملتا ہے؛ — ضلالت — شیطان مرزا کا عظیم تھا — فرعون کے ایمان کی تصدیق — یہودیوں کی گوسا پرستی کی تائید بلکہ تحسین — ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ اور اح — کا اظہار — اور ہستی کو معرفت الہی کا ذریعہ قرار دینا — اللہ تعالیٰ کے حصول و اتحاد کا عقیدہ — اس قسم کے شیطانیات، ہندو بات اور بغوات کو دین کے کسی بنیادی عقیدہ کے جواد و عدم جو ان کے لئے مثال و حجت کے طور پر پیش کرنا، دین و دانش سے جہالت و پستی کی دلیل ہے؛ اگر کوئی شخص اپنے "خدا" ہونے کا اعلان کر دے، تو اس کے اس "کفر تمام" کے جو انبیا تاویل کے لئے پھلے کتابلوں سے "شر و تصرف" کا ایک ادھ ایسا قول مل سکتا ہے، جس کو بنیاد و بحث بنا کر گفتگو کی جاسکتی ہے؛

اللہ تعالیٰ کو اس کی طرح مجسم ماننا یہ "کفر" عقیدہ ہے، علامہ اقبال اللہ تعالیٰ کے جسم کے قائل نہ تھے، اس بارے میں ان کا عقیدہ اشاعرہ کے مسلک کے مطابق تھا، یہ واقعہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمائیت سے منزہ ہے، مگر کوئی شخص علامہ اقبال کے اس شعر کو۔

نادر تو دیکھئے گا، محشر میں جنوں میرا

یا میرا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک

اللہ تعالیٰ کے "جسم" پر دیں لائے کہ علامہ اقبال اس کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کا نہ صرنہ کہ جسم ہے بلکہ وہ اپنے جسم پہ لباس بھی پہننے ہوئے ہے جسے تمہا ہوں نے۔

"یا دامن یزداں چاک"

کہا ہے؛ تو ایسے گمراہ ادبے و قوت شخص کو سمجھایا جائے گا کہ اقبال اللہ تعالیٰ کے "جسم" کے ہرگز قائل نہ تھے، یہ تو ایک شعور نہ پیرایہ بیان اور نادر طعنہ جیسے بات ہے — وہ شخص اس توہید کو بھی قبول نہ کرے گا، تو سچ کہا جائے گا کہ جو تم نے سمجھا ہے اگر اقبال کا بھی واقعی یہی مطلب تھا تو اس شعر کو اداس کے کوئی خیال کو ہم سر سے غلط سمجھتے ہیں؛ ادب سے لے کر دین میں بخت کتاب و سنت میں کلام اقبال نہیں ہے۔

کسی صوفی کے یہاں "نفا فی الرسول" یا ولایت کے لئے "خلیفتہ" کی اصطلاح ملتی ہے؛ تو رسول کی ذات میں فنا ہونے سے اس کا مقصد رسول جیسا "خلی" یا صوفی "نبی پرنا پرنا نہیں ہے، بلکہ "نفا فی الرسول" کا مقصد چنانچہ تمام مہضات اور خواہشات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و مہضات کے تابع بنا دینا اور اپنی شخصیت کو اطاعت رسول میں گم کر دینا ہے۔ اللہ علی نبوت سے ادرائست نبوت کا فیضان اداس کا اتباع یعنی صاحب ولایت کی اصل شان یہ ہے کہ اس کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر زیادہ سے زیادہ منعکس نظر آئے؛ یعنی اس کی ہمہ زندگی اتباع رسول کا بہترین نمونہ ہو؛

"نفا فی اللہ" "نفا فی الرسول" کی اصطلاحیں نہ تو کتاب و سنت میں بیان ہوئی ہیں، اور محدثین کے یہاں بھی میں ان اصطلاحوں کی دین و شریعت میں کوئی اصل اور مذہب نہیں ہے، "نفا فی الرسول" کتاب و سنت کی روش سے کوئی منصب اور عہدہ نہیں ہے، جس پر فائز ہونے کا

اور بسا اوقات سو سو دفعہ مات کرنا دن کو پیشاب سے جس قدر عوارض وغیرہ ہوتے ہیں، وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔ (ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ص ۳۴) مصنفہ غلام احمد قادیانی

میرا حافظ بہت خراب ہے، اگر کسی دفعہ کسی کی ملاقات ہو، تب بھی بھول جاتا ہوں، یا دماغی عمل طریقہ ہے،

حافظ کی یہ ابتہری ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۳۷) مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی

رسالہ ریلو قادیان (صفحہ ۱۰ اگست ۱۹۳۷ء) سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزا کو مرقی کا مرض بھی لاحق تھا، "فراق کا مرض حضرت مرزا

صاحب کو مودوں کی نہ تھا، بلکہ یہ خارجی اثرات کے تحت پیدا ہوا تھا۔" مرزا کا پیشابیر احمد قادیانی کہتا ہے۔

"بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے ایک دفعہ تمہارے دادا کی زندگی میں حضرت مرزا صاحب کو کس پرگنی

تھی، جتنی کہ زندگی سے ناامید ہو گئی۔ (سیرۃ المہدی ص ۷۷ اول ص ۷۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل و ہمنام ادا خاد و نفی غیرت کا مدعی مرزا غلام احمد قادیانی، جو یہاں تک دعوئی کہتا ہے کہ "محمد کی نبوت آخر

محمد ہی کو ملی، شکل و صورت، کلام و گفتگو اور جسمانی صحت میں حضرت کی بالکل ضد واقع ہوا ہے۔" اصل اور نقل میں اتنا فرق، اس قدر مسخرت اور

اختلاف! اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ عراقی اور صحیفہ ہا، سل اللہ دنیا بیٹس کا مریض، اس الہ کا کمال کا "ہمنام" اور نقل کس طرح ہو سکتا ہے

جس کا مدینہ میں غیر مقدم —

"اشرق المشرق علینا"

کے فقرے سے کیا گیا، بے شک حضور حسن و جمال کے "ہمد کمال" اور اخلاق و نیکی کے ہر نمونہ تھے۔

من وجہک المنیر نقد لوس القصر

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے "منوعات" — براہین احمدیہ — کا اس انداز میں ذکر کرتا ہے، جیسے یہ قرآن، زبور، تہیت اور انجیل

کی طرح کوئی تحفہ آسمانی ہے کہ اس میں جو کچھ درج ہے وہ الہام ربانی اور وحی الہی ہے اور وحی الہی پڑھا کر ہر ایمان لانا مومنان کا فرض ہے!

"... ایسا ہی میرے مخالف حضرت عیسیٰ بن مریم کی لبت کہتے ہیں کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

دوسرا دنیا میں آئیں گے، اور وہ چونکہ وہ نبی ہیں، اس لئے ان کے آنے پر بھی وہی اعتراض ہوگا جو مجھ پر کیا جاتا ہے

یعنی خاتم النبیین کی ہر شخصیت ٹوٹ جائے گی۔"

مرزا کی بے بصیرتی اس کے ان اقوال ہی سے ظاہر ہے! حالانکہ قرآن کریم کے مفسرین اسی حدیث کا صدیوں پہلے جواب دے چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ نبی نہیں ہیں، ان کا ظہور تو حضور سے بہت پہلے ہو چکا ہے، نعم نبوت کو توڑنے والی چیز، نئے نبی کا ظہور ہے اور پھر حضرت

عیسیٰ دنیا میں اس حیثیت سے کثرت لیا لائیں گے کہ شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے، اگر یہ سامنے کی بات اس شخص کی سمجھ میں نہیں آتی، جس کا دعوئی یہ ہے،

کہ مجھے اللہ تعالیٰ طیب و مطہر فرما رہا ہے اور میں "برہن" اور "نقل" ہی ہوں، اور مجھے نبوت عیسیٰ ہے تو وہ دراصل "مفسد" ہی کی نبوت

تھی۔ !

لہٰذا، مرزا کا پیشاب احمد و احمد اس کی اصطلاحات کے مطابق مرزا کا "نقل اور شیں" کہا جاسکتا ہے کہ وہ جسمانی امراض کے معاملے میں باپ کی

مثل تھا، وہ کہتا ہے، "میرا صحت تو بچپن ہی سے خراب ہے" اس لحاظ سے تو میری پہلی نادر کی بھی نہیں ہوتی چاہے تھی مبن میں میری صحت خراب تھی اسی وجہ سے حضرت

مرزا صاحب نے صاحب کی تعلیم مجھ سے چھڑا دی تھی۔ (خطبہ جمعہ میاں محمد احمد مسجد الفضل قادیان ۳۴ مارچ ۱۹۳۷ء)

قرآن کی تحریف قرآن کریم کی آیات کے ساتھ مرزا غلام احمدؒ کی تحریف کا جو ترجمہ آمیز سلوک کیا ہے وہ اس کی "صفات" کی نقل ہوئی ہے۔ ہم دلی ہجو کے اس کے ہنپانات پہا لیں کر رہیں۔

اور دعویٰ — چنانچہ وہ مکالمات الہیہ جو یحییٰ احمدؒ میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی الہی ہے۔
— ہوالہذا امیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالہدیٰ ودرین الحق لیظہر علی الدین کلام ربنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کہنے کا لگایا ہے، پھر... ایسی کتابیں اس کا لہجہ محقر یہ وہی اللہ ہے محمد رسول اللہ والذین صدقوا علی اکفار ورحموا بینہم اس وہی الدین میرا نام محمدؐ رکھا گیا (ایک غلطی کا انا اللہ از مرزا غلام احمد)

— "قل یا عباد اللہ انی رسول اللہ البکہ جمیعہ" (اے مومن من اللہ) کہ اے غلام احمدؒ اس تمام لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں (البشری جلد دوم صفحہ ۱۰۰) محمدؐ الہام مرزا غلام احمدؒ
— وما ارسلنا الا رحمة للعالمین اللہ نے دنیا پر رحمت کے لئے بھیجے ہیں۔ (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۲۵) مرزا غلام احمدؒ فرماتے ہیں کہ

— وما یطیق من العوٰی ان ہوا لا وہی فی حق اودیہ (مرزا) اپنی طرف سے نہیں لڑتا بلکہ تم کو کچھ سننے پر یہ خدا کی وہی ہے (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۲۵) از مرزا غلام احمدؒ فرماتے ہیں کہ

قرآن کریم کی آیات جن کا مصداق حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات تدری صفات ہے ایسا ہر دے میں دہلایں نہ ہوئی ہیں اللہ ہو سکتی ہیں۔ مرزا کا اپنی ذات کو ان آیات کا مخاطب قرار دینا اللہ تعالیٰ ان قرآن کے ساتھ خلاق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مستحق وہی الہی کی معنوی تحریف اور کھلا ہوا دجل و فریب نہیں لڑا سکتا ہے۔

حد ہو گئی۔ دجل و تحریف کی کہ ظالم نے "ما تخذ من مقام ابواہیم مصلیٰ" کی یہ تاویل و تحریف کی — کہ دیر آیت) اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فتنے ہو جائیں گے، تب تو خداوند میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا ایمان سب فرقوں میں وہ نجات پائے گا جو اس ابراہیم کا پیرو ہوگا (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۲۵) مرزا غلام احمدؒ فرماتے ہیں کہ

ایسی باتیں وہی کہہ سکتے ہیں جو قرآنی انداز میں نہ ہوں، تیغیہ الشیطان کا لہری طور مصداق ہوا! اور مجھے نہ خدا کا خوف ہو اور نہ اللہ کی شرم! جو شخص اپنی شرم کی تحریروں میں یہ لکھ چکا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ اور غلام ہوں اور حضورؐ کے واسطے سے مجھے سب کچھ ملے ہے۔ پھر وہ ایسی "کفریات" بھی لکھتے گئے ہیں۔

.. اس کے (یعنی نبی کریم کے) لئے (عرف) چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند سورج دونوں کے گرہن کا اب کیا تو انکار کرے گا (احجاز احمدی ص ۱۰۰) مرزا غلام احمدؒ فرماتے ہیں کہ

— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اس کے تمام احکام کی تکمیل ہوئی اور صابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں اس کے ایک پہلو کی انتہا تک تکمیل ہوئی، اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس کے روحانی نفاذ اور اسرار کے ظہور کی تکمیل ہوئی۔ (ربا میں احمدی حصہ خیمہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰) مرزا غلام احمدؒ فرماتے ہیں کہ

— ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا

اسدو نہاں اس روحانیت کی قریات کا انتہا نہ تھا بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لئے بہت قدم
تھا جس روحانیت کے چھٹے ہزار کے آفریں میں اس وقت پوری طرح تجلی فرمائی ۔

(خطبہ الہامیہ ص ۷۷ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی)

”اسلام ہلال کی طرح شروع ہوا ، اور مقدمہ تھا کہ انجام کا نہاں میں ہندوہ جئے خداتعالیٰ کی محبت نے
چاہا کہ اسلام اس حدی میں ہند کی شکل اختیار کرے جو شہار کی رو سے ہند کی طرح شاہ پور یعنی چودھویں صدی میں
ان ہی معرکوں کی طرف اشارہ ہے خداتعالیٰ کے اس قول میں کہ ”لقد بعثناکما اللہ بہما“

(خطبہ الہامیہ ص ۷۷ مصنف مرزا غلام احمد)

منہاتے قادیان کے ان اقوال ہیں قدرتشکر ”مرسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس درمزا کی فعالیت کا پہلو ہے ان اقوال سے ہم نے کوئی نکتہ
پیدا نہیں کیا ہے ، بلکہ اس کے پیٹھے اللہ جالین مرزا غلام احمد نے ہی ان اقوال سے ہی بات سمجھی ہے وہ اپنی تفسیر میں کہتا ہے ۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اور سیح موجود ایک شاگرد ، شاگرد خواہ استاد کے علوم کا وارث ہو سطور پر
ہو جاتے ، یا بعض حصہ کو لیں بڑھ بھی جائے ، مگر استاد بہر حال استاد ہی رہتا ہے استاد اگر شاگرد ہی

(تقریر محمد احمد خلیفہ قادیان منہج اخبار علم قادیان ۲۸ مارچ ۱۹۱۶ء منقول از المہدی نمبر ۳۳)

اس کے بعد ایک قادیانی کے ذکر ملاحظہ کیجئے ، مرزا غلام احمد کے ان اقوال کا ”برہنہ اول“ میں ۔

مفسر پھر آتے ہیں ہم میں اور آگے سے میں بڑھ کر اپنی شان میں
مفسر دیکھتے ہیں ، جس کو اکتس غلام احمد گرد و یکے قادیان میں

(توضیح محمد عبداللہ بن اکتس قادیانی منقول از اخبار پیام صلح ، لاہور ۲۷ مارچ ۱۹۱۶ء)

تذکرہ نمبر ۲ ص ۲۷۷-۲۷۸ میں مرزا غلام احمد قادیانی ، تمام انبیاء علیہم السلام پر اپنی فعالیت کا اعلان کرتا ہے ۔

انبیاء اگر چہ بروہ اندھے من بعثنا ان نہ کمترم زکے

آخیر دادست ہر ہی ماہ تمام داداں جام ما مرا بہ تمام

کم نیم نالی ہمہ ہر دے یقیں ہر کہ گوید و شاہست لعین

ان شعروں سے اکبر قادیان نے کیا مغرور کیا اس کا اندازہ مرزا بشیر احمد قادیانی کے ان جملوں سے کیا جاسکتا ہے ۔

”اس کے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) شاگردوں میں علاوہ بہت سے محدثوں کے ایک نے نبوت کا بھی دعوہ پایا اللہ عز و
جل جلالہ نے انہیں سزا دے دی ، بلکہ اپنے معراج کے کمالات کو ظنی طور پر حاصل کر کے اولیاء العزم نہیں سے بھی آگے نکل گیا ۔

(تحقیق النبوة ص ۲۵۷)

اور

”ہم مسیح موجود کی ظنی نبوت کوئی گھٹیا نبوت نہیں ، بلکہ خدا کی قسم اس نبوت نے جہاں آتے کے بعد کو بلند کیا

لہ ایک چمٹے سے مجرم میں پھر بارگاہ ”آپا ہے ، یہ ہے قادیانی نبی کی ناکہ ہوازی ، جس سے وہی الہام کو نسبت دی جاتی ہے ۔
لہ قرآن حکیم کو اپنی ہوائے کس انداز کی جڑاٹے لئے اس طرح ٹھکانا لکھتے تھیں وہ نبوت ہے ۔

وہاں اس مقام پر کھڑا کر دیا جن تک انبیاء بنی اسرائیل کی پہنچ نہیں۔

(مکتبہ الفضل منہجہ رسالہ بدلت آت ریویوز ص ۱۴۱، نمبر ۳، جلد ۱۲)

مرزا کے بیٹے کے یہ الفاظ ————— اس نجات نے جہاں آقا کے دہر کو بلند کیا ————— غور طلب ہیں، یعنی مرزا کی غلی نیرت کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہر کو بلند کیا میرا آقا! ولعنہ اللہ علی من قال کھندا و کھندا

● ————— ہیں اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز مرزا غلام احمد قادیانی (اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر کہے گئے) تک یہ عاجز قید کی دعا کے بھی قید سے بچا یا گیا مگر یوسف بن یعقوب قیدیں ڈالا گیا اور اس امت کے یوسف (مرزا غلام احمد) کی ہیبت کے لئے پچیس برس پہلے ہی خالص آپ گواہی دے دی اور بھی نشان دکھائے، مگر یوسف بن یعقوب اپنی ہیبت کے لئے انسانی گواہی کا محتاج ہوا (بنی احمدیہ جلد پنجم ص ۳۱۲) معصوم مرزا غلام احمد قادیانی (یہ مفکرات نیز تشابہ بھی دیکھئے) —————

”ابنہ بھی مت سے الہام ہو چکا ہے کہ انا انزلناہ قرباً من القادیان اس جگہ مجھے یاد آتا ہے کہ جس سفر وہ الہام ذکر دے بالا جس میں قادیان میں نازل ہوئے کا ذکر ہے، ہوا تھا، اس روز کئی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم مرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر باقاعدہ قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے غزوات کو پڑھا انا انزلناہ قرباً من القادیان، تو میں سن کر بہت تعجب کیا کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں لکھا ہے تب میں نے دل میں کہا کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے، اور میں نے کہا کہ اربعین فہرستوں کا نام قرآن شریف میں اعزاز کے ساتھ لکھا ہوا ہے، مکہ، مدینہ، قادیان، یہ کشت تھا کہ کئی سال ہوئے مجھے دکھلا دیا گیا تھا ”انا لا اؤم جیہ“ و جیہ معصوم غلام احمد قادیانی (ایک عراقی ہے جو سنہ ۱۹۰۱ء میں آتا ہے بکثرت چلا جاتا ہے، اُن احمقوں اور جاہلوں کو کیا کہنے کہ جو ”ان“ ہیانات ”الہام“ دہی سمجھتے ہوئے ہیں اور اس قسم کے خرافات پڑھ کر بھی مرنا ہے قادیان کی عظمت کہتے ہیں اور اس کی ذات سے ان کی عقیدت میں کمی نہیں آتی، یہ کفر و ضلالت کا وہ آخری درجہ ہے کہ ذہن و قلب سے حق شناسی اسما چھوڑے کے جانے پہچانے کی تیزیری سرے سے جاتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے دلوں پر ہر گادی جاتی ہے!! اس کفر و ضلالت کی آخری پستی یہ ہے کہ —————

● ————— انت منی بمنزلتہ ولدی ”تو مجھ سے بمنزلتہ میرے فرزند کے ہے“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۱۱) معصوم مرزا غلام احمد قادیانی،

● ————— انت منی وانا ضدک ظہور و ظہوری — تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں، بترانہ میرا ظہور ہے“

والہام مرزا غلام احمد قادیانی منہجہ تذکرہ وحی مقدس مجرمانہ اہانت و مکاشفات مرزا ص ۱۵۰

● ————— محمدک اللہ من عرشہ دیشی ایک، خداوش سے تیری (یعنی مرزا کی) تعریف کرتا ہے اور تیری طرف چلا آتا ہے۔ ”والہام احم ص ۱۱۱) معصوم مرزا غلام احمد قادیانی

● ————— خدا قادیان میں نازل ہو گا ”البتہی جداول ص ۱۱۱) مجرمانہ اہانت مرزا غلام احمد

● ————— میں نے تجھ سے ایک غید و فروخت کی، یعنی ایک چیز میری — جس کا تو مالک بنایا گیا، اور ایک چیز تیری تھی جس کا میں مالک بنایا گیا، تو میں اس غید و فروخت کا اقرار کرتا ہوں کہ جس نے خدا کے لئے تجھ سے فروخت کی، تو مجھ سے لیا ہے جیسا کہ انا تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔

(مرزا غلام احمد کے کتاب البرہ ص ۵۰، ۵۱، ۵۲) تذکرہ مجرمانہ اہانت و مکاشفات مرزا

یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مرنا قادیان کے "ہامیری" کے تعلقات اور معاملات!! (استغفر اللہ)
 تمام اہل ایمان جانتے ہیں کہ مسیح موعود حضرت عیسیٰ ابن مریم ہوں گے — مرنا قادیان نے مسیح موعود کا دعویٰ کیا ہے، اس کے لئے ابن
 مریم کا اثر فردوسی تھا۔ وہ اس شخص کی فضیلت پر مدد فرماتے تھے یہاں کیا، کہتا ہے —
 "ہرم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفع کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرا دیا گیا، اور انوکھی ہینہ
 کے بعد جو دس ہینہ سے زیادہ نہیں، بنیادیہ الہام کے مجھے ہرم سے عیسیٰ بنایا گیا پس اس طور سے ابن مریم ٹھہرا"
 (کشتی نوح ص ۴۴، معصنہ مرزا غلام احمد قادیانی)
 کسی شریف و معقول اور سچے آدمی کے منہ سے بھلا ایسی کجی بائیں نکل سکتی ہیں، دیوانہ کی بڑے میں بھی ایک طرح کی معقولیت ہوتی ہے مگر
 یہ فریاد تو وہ ہیں کہ جو نہ دیکھے نہ سمجھے
 "ہر ایک پہلے سے خدا سے مجھے پروردگار کیا، چنانچہ ہزار شکر کا یہ مقام ہے کہ قریباً چار لاکھ سال اب تک میرے ہاتھ پر
 اپنے گناہوں سے اٹھ کھڑے تو یہ کہ کچھ ہیں۔ (حقیقتہ الامم معصنہ مرزا غلام احمد قادیانی)
 اول تو یہ لٹھا دیا تھا کہ مباہلہ آمیز اور گمراہ کن ہے کہ چند ہزار کہنے لاکھ تک پہنچا دیا پھر جن مسلمانوں نے مرزا کے ہاتھ پر تہ کی ان کو وہ "کافر"
 کہتا ہے یعنی مرزا نے قادیان کو نبی نہ ماننے سے پہلے وہ مسلمان کفر میں مبتلا تھے۔

اس صدمت میں

لاہوری جماعت کی یہ بات غلط اور بے اصل ثابت ہوتی ہے اور خود ان کے مسیح موعود کی تعلیمات کے مخالف ہے۔
 "..... جماعت لاہور کے ائمہ کے اعتقادات یہ ہیں کہ حضرت مسیح موعود نبی اللہ نہیں ہیں بلکہ مجدد ہیں اللہ یہ کہ ان کے
 دعوے کے انکار سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہو جاتا۔"

لاہوری جماعت کے اس دلیل و قریب کا پردہ مرزا اس طرح چاک کر چکا ہے۔

"کفر دو طرح پر ہے ایک کفر یہ کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ وسلم کو
 رسول نہیں مانتا دوسرے یہ کفر کہ شفا وہ مسیح کو موعود نہیں مانتا..... اور اگر خود سے چکیا
 جاتی ہے دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔ (حقیقتہ الامم معصنہ مرزا غلام احمد قادیانی)
 اقوال میں تناقض اور ۱۸۹۱ء میں بینک مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ عقیدہ تھا۔"

— ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔۔۔۔۔

بنیاد میں تبصرہ و ترجمہ قریب اب میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار کرتا ہوں اس خزانہ خدا
 و جامع مسجد دہلی میں) کہیں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حق نبوت کا قائل ہوں اور
 جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور مائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ (مرزا غلام احمد کا تحریری بیان، منہج تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۴۴)

مٹے اگر مرزا نے قادیان کے ذمہ نہ جات میں چار لاکھ قادیانی تھے، تو آج ان کی تعداد تقریباً پچاس لاکھ ہوتی چلتے تھی! پھر اس کے
 ہاتھ پر بیعت کرنے والے غالب تعداد میں ملتا ہی ہونے چاہئیں۔ سکھ اور ہندو تو شاذ و نادر ہی قادیانی بنے ہیں۔

● ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ دعوئی کا نزل فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریل لادیں اور پھر سب ہو جاویں، یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے۔۔۔ (انزالہ انعام صفحہ ۱۷۷ مرزا غلام احمد قادیانی) اس میں صاف اللہ کے عقیدہ کے بعد مرزا ولایت و مجددیت کا دعویٰ کرتا ہے۔

”ان پر واضح رہے، ہم بھی نبوت کے منکری پر اجماع بھیجتے ہیں اور اللہ محمد رسول اللہ کے قاتل میں اللہ انصاف صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور دعوئی نبوت نہیں بلکہ دعوئی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمد اند بہ اتباع آل جناب صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء و کوفتی ہے، اس حکم قاتل میں اداس سے نیادہ جو شخص ہم پر الزام لگائے وہ فقرہ اللہ دیانت کہ چھوڑتا ہے، غرض نبوت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں، صرف ولایت اور مجددیت کا دعویٰ ہے۔ (اشتہار مرزا غلام احمد صفحہ ۲۲ شعبان ۱۳۱۳ھ مندرجہ تلخیص رسالت جلد ہفتم ص ۳۳) یہ ولایت کا دعویٰ کیا اور کیوں؟ یہیں سے دھار کا نواز اور ذہن دفس کی غواہی کا غاذ ہوتا ہے۔“ دعوئی ولایت خود بڑے جھگڑے اور خطرے کی بات ہے!

اس کے بعد

”نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے، جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا، اور اس میں کیا نیک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قیہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے (انزالہ انعام ص ۲۲۱، مصنف مرزا غلام احمد) دعوئی ولایت کے بعد، محدثیت کا دعویٰ اس اعلان کے ساتھ کہ ”محدثیت ایک شعبہ قیہ نبوت اپنے اندر رکھتی ہے!“

پھر دہرے کہنے لگا

”مجھے سیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں مسیح کا قاتل ہوں بلکہ مجھے تو فقط ”مثیل مسیح“ ہونے کا دعویٰ ہے، جس طرح محدثیت نبوت سے مشابہ ہے ایسا ہی میری روحانی حالت ابن مریم کی روحانی حالت سے مشابہت رکھتی ہے۔ (اشتہار مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ تلخیص رسالت جلد ۷ صفحہ ۲۱) حالانکہ کشتی نوح میں مرزا نے کو ”ابن مریم“ ٹھہراتا ہے، جس کا والد اچھ دیا جا چکا ہے، ہوائے نفس نے اندازے بڑھایا، اور وہ اس حد تک پہنچ گیا۔

”میرا دعویٰ ہے کہ میں وہ مسیح موجود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانے میں ظاہر ہوگا۔ (تقدیر گزشتہ صفحہ ۱۹۷ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی) مسیح موجود کے دوسرے کے بعد نہی چھوٹے کا اعلان کیا گیا۔

”میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں، پہلے بھی کئی نبی تھے جس سے میں جنس تم لوگ سہا مانتے ہو“

مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ انجیل بعد صفحہ ۱۹۷ اور ص ۱۹۸

اس دوسرے میں ”بروزی“ اور ”ظلی“ ہونے کا دم چھڑا بھی اڑا دیا گیا، اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی مانند، اپنے ”نبی“ ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔ ۱۸۹۹ء میں مرزا غلام احمد کا یہ عقیدہ تھا۔

”میرے لئے کافی فخر ہے کہ میں ان لوگوں (صحابہ) کا راجہ اور شاہک ہوں، جو عزیٰ فضیلت خدائے تعالیٰ نے انہیں بخشی ہے وہ قیامت تک ان شخص نہیں پاسکتا۔ (اعلان مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ انبیاء علیہم السلام قادیان اگست ۱۸۹۹ء)

آگے چل کر کہا ۔

صدقہ مشین است در گیم نام

پھر دنیا و کرام سے اپنے کو افضل ٹھیرا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پر غرور و فضیلت دکا، جس کے اقتباسات اوپر دئے جا چکے ہیں۔
جو شخص صاحب کرام کی خاک پاہر نہ چھو سکے گا تھا، پھر روں کہنے لگا۔

• خدا عرش پر تیری تعریف کرتا ہے، ہم تیری تعریف کرتے ہیں، اذیتیں دے دے دے بجھتے ہیں؟

دوسرے دوسو حرفت، کچھ اربعین نمبر ۲، نمبر ۲، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی (

• سلام علی ابیہم (ابوہیم پر سلام، یعنی اس کا بڑا پر ۲)۔ اربعین نمبر ۲ ص ۲۰۰۔۱۱۱ مرزا غلام احمد قادیانی (

• ان الہامات کے کئی مقامات ہیں اس خاک پاہر غلطی کی طرف سے صلوة اور سلام ہے۔

(اربعین نمبر ۲ ص ۲۱، مرزا غلام احمد قادیانی ۲)

اللہ

• (مرزا نے) فرمایا کہ پہلا سچ حرف مسیح تھا، اس لئے اُس کی امت گمراہ ہو گئی اور سو سلسلہ کا

خاتمہ ہوا، اگر بھی حرف مسیح ہوتا، لیکن میں بہدی ہوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مرند بھی ہوں، اس لئے

میری امت کے دو حصے ہو جائیں گے، ایک وہ جو مسیحیت کا رنگ اختیار کریں گے، اسیہ تباہ ہو جائیں گے، اور

دوسرے جو بہدیت کا رنگ اختیار کریں گے۔ (امام مرزا غلام احمد قادیانی منہج اخبار الفضل ۱۶، جنوری ۱۹۱۶ء)

اور پھر اس نئی کا ذب نے اعلان کیا۔

• آج سے اہل نبی جہاد جو طوائف سے کیا جاتا تھا، خدا کے حکم کے ساتھ کیا گیا، اب اس کے بعد جو شخص کا فر ہو گا اور اٹھاتا

اور اپنا نام خادری رکھتا ہے، وہ اس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے۔..... سو اب میرے گھر کے

بعد تیار کا کوئی جہاد نہیں۔

اب چمڑے دو جہاد کا اے دوست! خیال

دشمن ہے وہ خدا کا جو کہتا ہے اب جہاد

داعیان مرزا غلام احمد قادیانی منہج تبلیغ رسالت جلد نہم (

اللہ

مجبور بہوت کی اس پتہ بازی میں۔ تب کا یہ آخری پتہ،

چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی، اور شریعت کے فروعی احکام کی تجدید ہے،

اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اُن اس وحی کو میرے اوپر ہوتی ہے، فکر نہی کشتی کے نام سے موسوم کیا۔.....

اب دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت اور میری بیعت کو کون کی کشتی قرار دیا اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے

لئے اس کو اختیار نہایت ٹھیک اور اچھے کے آکھیں ہوں دیکھو، اللہ جس کے کان ہوں تھے۔

(اعلیٰ اربعین ص ۱۱۱ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

جو شخص اپنے ملنے اور بیعت کرنے والوں کو "پیری امت" کہہ کر خطاب کرے، اس کی جانب سے اس بات کا اعلان کیا جائے کہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی، اور جس کے حکم سے "فریضہ جہاد" منسوخ کیا جائے اور جس کا یہ دعویٰ ہو کہ "مسیح موعود" کو دانا نہ کہو، جو انبیاء و کلام سے اپنے کو افضل سمجھتا ہو، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کسی نہ کسی جہت سے اپنی "فضیلت" ثابت کرنا ہو، اور قرآن کریم کی متعدد آیات کا اپنی بات کو مخاطب اور مصداق بنانا ہو۔۔۔۔۔ اُس کے پاس میں وہ بھی جہالت کا سلسلہوں کی اس طرح دھوکا دینا کہ مرزا نے محمد، امام احمد صرف "مسیح موعود" ہونے کا دعویٰ کیا تھا، "نبوت" کا دعویٰ نہیں کیا کتنی جھوٹ اور غلط بات ہے! "کشتی لوح" کے منورہ پہنچنا تو دیاں کسی ابہام و تشابہ کے بغیر کھل کر کہتا ہے۔

"ہلاک ہو گئے، وہ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہیں کیا مگر وہ جس نے مجھے بھی پناہ میں خدا کی راہوں میں سے اتاری ماہ ہوں، اور اُس کے رسول سے میں آخری نور ہوں، بڑی سست ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔۔۔۔۔"

وہ جو کسی نے کہا ہے کہ "مدعا گویا حافظہ ناشد"۔۔۔۔۔ تو مرزا کے مدعا گو اور جھوٹے کرنے کی سست بڑی دیں یہ ہے کہ اس کے کلام میں حد درجہ تناقض پایا جاتا ہے، کبھی کہتا ہے، اور کبھی کہہ! اُس کے اقوال و احوال گرگٹ کی طرح رنگ بدستہ ہیں، اُس کے یہاں ایسے اقوال بھی ملتے ہیں جن میں "دعویٰ نبوت" کا انکار ہے مگر بعض دوسرے اقوال میں اُس کے بھی ہونے کا دعویٰ بھی ہے وہ خود بھی کہتا ہے۔

"جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے" (ضمیمہ برائین احمدیہ صفحہ چہم ص ۱۱۱) اور مرزا غلام احمد قادیانی (

تو

اپنے ہی قول کی درست کلام میں تناقض ہونے کے سبب مرزا "جھوٹا" قرار پاتا ہے، یہی وہ جادو ہے جو سر پر چڑھ کر لیا کرتا ہے! اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں جھوٹوں اور لپٹاؤں کے کلب و افترا کا ہمد چاک کر دیتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی سیرت و کردار کی یہی جھلک اُسے بے نقاب کر کے کھلے کافی ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ

انگریزی حکومت کی نیاز مندی کی وفا داری اور دنیا زد مندی پر اس نے غصہ کیا ہے۔

"مرزا نے لکھا ہے کہ میں نے کوئی کتاب یا اشتهار ایسا نہیں لکھا، جس میں گورنمنٹ کی وفا داری اور اطاعت کی طرف اپنی جماعت کو متوجہ نہیں کیا۔۔۔۔۔"

اللہ

"اس ملتے پیرے نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اصول کی چٹائی سے ان کے ملبے میں" (ضروریہ الامم ص ۱۱۱) معنی مرزا غلام احمد قادیانی (

جو شخص اپنے کو نبوت کا ظن اور بردہ کہتا ہو، وہ قرآن لگے۔ اولی الامر سے یہ منہم اخذ کرتا ہے کہ انگریزی گورنمنٹ اس حکم میں داخل ہے اور اس کا فریضہ کی اطاعت منصوص ہے!

"یہ وہ فرقہ ہے جو فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہے! اور جناب اللہ بدوستان اور دیگر مختلف مقامات میں پھیلا ہوا ہے یہی وہ فرقہ ہے جو دن رات کوشش کر رہا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات میں سے جہاد کی یہی وہ رسم کو اٹھا دے۔ گورنمنٹ کے اعلیٰ حکام کی طرف سے ایسی کاسدساتیں کاہنہ ضروری ہے جس سے مسلمانوں کے دلوں میں نفوذ ہو جائے کہ یہ سلطنت اسلام کے لئے درحقیقت چشہ فہین ہے"

(قادیانی رسالہ ریلوے رولز آف ریلیجیون سسٹم ۱۹۱۷ء جلد ۱۱ اور نمبر ۲۲) اقتباس معروضہ مرزا غلام احمد قادیانی جو اس حکومت کو مش کیا (

جو شخص نے انگریزوں کی خوشنودی کی خاطر "فریضہ جہاد" کو "یہودہ رسم" کہا اور اس حکومت انگریزی کو اسلام کے لئے چشہ فہین سمجھتا ہو۔ کیا وہ دلی، محمد علیہ

ہم ہو سکتا ہے، اسلام کے مسئلہ فریضہ اور مخصوص دن کو جو شخص نے منسوخ کر دیا، اس نے دین کی جہید کی ہے یا دین کی بنیادوں کو ٹھکانا ہے! اگرچہ مسلمانوں کے جو بیجا ہوش سے ڈھٹا تھا، اور عرب تھا، زمانے کا یا ان کے انگریزوں کی دل دہی اندیشہ شریعت کے لئے دین کے اس علمبرگن کی تیغ کا اعلان کر دیا۔ اس نزاع کی فطرت، اسے شرعی اوقات پر کسی پر دھڑکی یہ کہ مجھ پر دھڑکی تو ہے! اعدائے حق تعالیٰ مجھے شرف کلام سے لہذا تاج ہے، کیا۔ مہبط کی کالیں کا کلمہ ہو سکتا ہے!

اور سنئے

۱۔ اطلاع: براہین احمدیہ کے مصلحت میں ایک پیل گرنی گورنمنٹ ہوائیہ کے معلق ہے کہ دعا کا ان اللہ یبعث ہم دانت فیہم ایمنما تو لو افشہ وجہ اللہ یعنی خدایا! ہمیں ہے کہ اس گورنمنٹ کو کچھ نہ گناہ ہو چرچائے، حالانکہ ان کی حکومت داری میں بہت ہر، جدھر ترانہ خدا کا اس طرف نہ پہنچے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ مجھے اس گورنمنٹ کی پراسر سلطنت اذیت ملے گی، دل خوش ہے، اللہ اس کے لئے میں دعا میں شغل ہوں کیونکہ میں اپنے کام کہ میں ابھی طرح چھٹا سکتا ہوں نہ مینہ میں نہ دھم میں نہ شام میں نہ ایران میں نہ کابل میں! مگھوں گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لئے دعا کرتا ہوں، لہذا وہ اس الہام میں ارشاد فرماتا ہے کہ اس گورنمنٹ کے اقبال اللہ کی طرف سے دعا دیتا رہا دعا کا اثر ہے اللہ اس کی ترغبات میں ترسے بیٹے ہیں، کیونکہ جدھر ترانہ آدھر خدا کا منہ۔ اب اگر گورنمنٹ شہادت دے سکتی ہے کہ اس کو میرے زمانہ میں کیا کیا ترغبات نصیب ہوئیں یہ الہام سترہ برس کا ہے، کیا یہ ان کا نفع ہو سکتا ہے، غرض میں گورنمنٹ کے لئے بمنزلہ عزیز سلطنت کے ہوں درویشہ بھائی خدمت گورنمنٹ

عالیہ انگریزی زبان میں مرزا غلام احمد دایا نے منہج تبلیغ رسالت، جلد ششم، حاشیہ صفحہ ۱۰۶ پر فرمایا: (دایا نے)

حکومت انگریزی جس نے مستبدانہ اسلام دشمن حکومت کے اقبال و شرکت اور ترغبات کو جو شخص اپنی دعا کا اثبات کرتا ہو اسیہ کہتا ہو کہ میں گورنمنٹ کے لئے بمنزلہ عزیز سلطنت کے ہوں۔ کیا ایسا شخص دین و ملت اسلاموں کا غیر خواہ ہو سکتا ہے؟ اور حکومت کا اس مدبر خوشامدی اللہ کا سرلیں، جس نے شاہراہ کو بھی بادشاہوں کی بھٹنی اختیار کیا ہے، فحاشی! انگریزی میں منظروں پر مجھے چھوڑ دیا ہو، ذمہ کا حق ہے یا مسخ کا؟

اس نئی کاذب کا ایک ادیب عجیب و غریب کلام مدحاً خط کیجئے۔

۲۔ اقرار نامہ مرزا غلام احمد دایا نے تصدیق فرمادہ، اجلاس طرح، ایم ڈوٹی صاحب بہادر،

ڈپٹی کمشنر ڈسٹرکٹ جسرٹ، فیصلہ ۱۸۹۹ء فیصلہ ۲۰ فروری ۱۹۰۰ء

نمبر ۱۸۹۹ء فیصلہ ۲۰ فروری ۱۹۰۰ء

مرزا غلام احمد دایا نے بحضرہ خدائے تعالیٰ با قسور صانع اقرار کیا ہے کہ آئندہ

۱۔ میں ایسی پیش گوئی نہ کرے گا کہ میری طرف سے کسی شخص کو یا ایسے معنی ہوں یا ایسے معنی خیال کے جا سکیں کہ کسی شخص کو دینی مسئلہ ہو خواہ ہندو ہو یا عیسائی وغیرہ، ذلت ہو چھٹی یا مسودہ عقاب الہی ہو گا۔

۲۔ میں خدا کے پاس ایسی پس (فرما دو درخواست) کرنے سے بھی اجتناب کروں گا۔ کہ وہ کسی شخص کو دینی خواہ مسلمان ہو، خواہ ہندو یا عیسائی وغیرہ، ذلیل کرنے سے یا ایسے نشان ظاہر کرنے سے کہ وہ عقاب الہی ہے یہ ظہر کرے کہ نہ ہی ہندو

لے قرآن کریم کی اس آیت کا ترجمہ مرزا نے جن غلطوں میں کیا ہے اس سے اس کی عریانی افسانہ و افراط پر ملازی اساتذہ ہی عجیب نفس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہاں اس کے کیا کیجئے،



آزمودہ دواؤں کا مرکب

انالجین

سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقیناً زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

 Spacht

61/55

مفتی ولی حسن ٹوٹکی

اقسام حدیث

موقر ماہنامہ "نامان" کے شمارہ اپریل میں "قرآنی کی شرعی حیثیت" کے عنوان سے ایک طویل مقالہ نظر سے گذرا جس کو جناب جلال الدین ٹوٹکی نے تقسیم فرمایا تھا اس پر مقدمہ وارث سرمدی صاحب نے لکھا تھا، مقدمہ میں حدیث کی مختلف اقسام انسان کی تعریفیات بیان کی گئی تھیں تعریفیات دیکر کبر و کبریا کی تعریف ہو۔ تعریف یا سب کی سب غلط تھیں، اس لئے بطور استدراک اقسام حدیث انسان کی تعریفیات حالہ قرطاس میں تعریفیات صرف انہی کی ہیں جو مقالہ میں ذکر کی گئی ہیں، یہ تمام تعریفیات اصول حدیث کی مستند کتاب "تدیب المرادی فی شرح تعریف النواہ" کے پیش نظر لکھی گئی ہیں۔

۱۔ صحیح - وہ حدیث جس کی سند متصل ہو، مادی نہایت قائل، ضابطہ اول اور حدیث میں شذوذ، علت، نکات نہ ہو۔

سند متصل ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سند میں کوئی مادی ترک نہ ہو۔ پوری سند از اول تا آخر چلنی ہو۔

قائل کا مطلب یہ ہے کہ مادی تقویٰ، طہارت، امانت، دیانت سے آلودہ نہ ہو۔

ضابطہ، جس کا حافظ ہر قسم کے سقم سے پاک ہو، شیخ سے سماع کے وقت بھی صحیح یاد رکھا، پھر کتاب یا حافظہ میں صحیح اور بلا کی دشمنی رکھا اور اسی طرح اپنے تئیں کے سامنے بلا کم و کاست بیان کیا، غرض تینوں درجوں میں مادی ضبط کی صفت سے مستغنی ہو۔

شذوذ، یعنی لغت مادی کا اپنے سے زیادہ خارج اور اولیٰ مادی کی مخالفت کرنا۔

نکات۔ ضعیف مادی کا قوی مادی کی مخالفت کرنا۔

علت۔ سقم، یا عیوب کہ کہتے ہیں، علماء اصول حدیث کے نزدیک جو اسقام یا عیوب کچھ جانتے ہوں اس سے وہ حدیث خالی ہو، علت، علت ہے، اصل حدیث سمجھنا نہایت دقیق فن ہے، جہاں کسی متن حدیث میں ہوتی ہیں۔ اور کبھی سند میں، پھر یہ فعل کسی ظاہر ہوتی ہیں کبھی نہایت خفیہ۔ جہاں حدیث پر متفق نہ ہوں میں بھی لکھی گئی ہیں، ابن ابی حاتم کی کتاب البطل مشہور ہے۔

۲۔ حسن - وہ حدیث جس میں اس قسم کے اس کے مادی صحیح کے ساتھ کے مقابلہ میں صفت ضبط میں کم تر ہوں۔

۳۔ ضعیف - وہ حدیث جس میں حدیث صحیح یا حسن کی صفات نہ ہوں، یعنی یا تو اس کے مادی میں عداوت، حفظ، ضبط کے لحاظ سے کمی ہو، یا اس میں شذوذ، نکات، علت وغیرہ پائی جائے۔

جس طرح صحیح کے درجات ہیں، اسی طرح حدیث ضعیف کے درجات ہیں۔

۴۔ مطہرج - وہ حدیث جس میں مادی نے شکل لغائی شرح یا حدیث کی وضاحت کے سلسلہ میں کچھ لفظ اضافہ کر دیے ہوں۔

- ۵۔ متر وک ۱۔ وہ حدیث جس کو ایسے روایتی نے روایت کیا جس کا جھوٹ ہونا حدیث کے علاوہ دوسرے موقوف پر ثابت ہو گیا ہو۔
 ۶۔ مسند ۱۔ وہ حدیث جو مرفوع یعنی جس کا سلسلہ زمرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور سند پوری اور متصل ہو۔
 ۷۔ مسلسل بالجلف ۱۔ وہ حدیث جس کو روایت کرنے والے نے اپنے ہمین کے سامنے حلف اٹھا کر روایت نقل کی ہو۔
 ۸۔ عالی ۱۔ وہ حدیث جس میں وسائط کم ہوں۔
 ۹۔ متصل ۱۔ وہ حدیث جس کی سند میں کوئی مادی ترک نہ رہا ہو۔
 ۱۰۔ منقطع ۱۔ وہ حدیث جس کی سند سے ایک یا کئی مادی متفرق مقامات سے ساقط ہوں۔
 ۱۱۔ مرفوع ۱۔ وہ حدیث جس کے مادی کے متعلق ثابت ہو گیا ہو کہ وہ جھوٹی حدیث بننا چاہے۔
 ۱۲۔ مرسل ۱۔ وہ حدیث جس میں تابعی سے اس کا مادی ساقط ہو۔
 ۱۳۔ مضعن ۱۔ وہ حدیث جو عن سلمان، عن فضال سے روایت کی گئی ہو۔
 ۱۴۔ مبہم ۱۔ وہ جس کے مادی کلام ذکر نہ کیا گیا ہو۔
 (باقی صفحہ ۳۴ پر)

تسکینی موشم گزرتا کی شدت اور تیش میں کنی کر نیوانی حروا

موسم گرما کی شدت، تپش اور لوگ ایذا رسانی ثابت بل برداشت تکالیف کی بنیاد ہے سوائے چند پہاڑی علاقوں کے یہ تکلیف ایسی ہے کہ نہ کھانے کا مزہ نہ بچھنے کا لطف، انسان چاہتا ہے کہ کسی سرد خلیف میں ٹھسار ہے۔
 پیاس کی شدت اس موسم کا سب سے بڑا دکھ ہے میوں پانی پی جائے طبیعت پیر پیر نہیں ہوتی اس موسم میں موسم پوری والے خارش اور بچھپال زیادہ نکلتی ہیں، گریا کی پسو چین نصیب نہیں ہوتا۔ موسم گرما کی ان تکالیف کے پیش نظر امارہ کے برسر کجانات کے بعد ایک دعا یاد کروں گا جو کہ نام تکین ہے بلاشبہ تکین موسم گرما میں آج کی تکین کا سامان پیدا کرتی ہے دل کی دھڑکن اور اختلاف کو اعتدال پر رکھتی ہے، جگر کی گرمی کا ازالہ کر کے تعدیل مزاج کا سبب بنتی ہے پیاس معمولی سے زیادہ نہیں بڑھتی، میوں اور ابار باپانی پینے کی ضرورت نہیں پڑتی اس لئے عمدہ زیادہ نہیں بگڑتا ہضم کا نظام صحیح طریقہ سے بغیر غرض انجم دیتا ہے، تسکینی موسم گرما کی شدت میں تکین کا باعث بنتی ہے گرمی کے کوش و سیمان کو اعتدال پر رکھتی ہے اعتدال سے پیاس اعتدال سے پسینہ اور معتدل حرارت گیا مزاج کو اعتدال پر رکھتی ہے اور موسم گرما کی برہمی سے بچاتی ہے تسکینی موسم گرما میں یک نعت ہے جو مختلف تکالیف سے نجات بخشتی ہے تسکینی آپ کی حقیقی راحت کا باعث ہے چونکہ تسکینی کی ہر گرمی موسم گرما کے دوران مستقل ضرورت رہتی ہے دن میں تین چار بار اس کی دودھ لکھیے مطابق عمر دے سکتے ہیں۔ ۴۰ مکہ کی شیشی ۱۰، ۵۰ مکہ سے ملتی ہے یا صند دھڑکے طلب فرماتے۔ ۵۰۰ مکہ ۲۰۰ دھڑکے خارش، ہونٹے پھنسی کی شکایت میں بھال آپ ہمدی مقبول و معروف دوا صنفین استعمال کریں دواں اس قسم کی تسکینی بھی دن میں دوا تین بار استعمال کرتے رہیں تو تکالیف سے جلد شفا حاصل ہو جاتی ہے۔

اشرف یونانی لیبارٹریز ۳۴۹ جلد ح کالونی، لائل پور

ماہر القادی

یڈیو کے سوال نامہ کے جواب میں

دراستہ نگار پاکستان نے حکمران یڈیو کا سوال نامہ میرے پاس بھیجا تھا، اس کے جواب میں جو کچھ عرض کیا گیا، وہ "قارئین خزانہ کی اطلاع اور دلچسپی کے لئے صبح ذیل کیا جاتا ہے"

حک، معاشرے اور نظم و نسق کے معاملات و مسائل میں حکومت کی جانب سے عوام کے پاس ان کی ملنے معلوم کرنے کے لئے سرائے بھیجا، کیشیاں اور کیش مقصد کا، صحت مند ذہن اور عوام دوست مزاج کی علامت ہے، جوہر کا کیش قابل تعین ہے، مگر سوال یہ ہے کہ خود حکومت ان کیشیوں کی سفارش پر کتنا متوجہ رہتی، اور ملکی مسائل میں عوام کی پسند و ناپسند کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے؟ سامنے کی مثال یہ ہے کہ اب سے چند سال پہلے "شہاب الدین کیشن" نے عوام کے نمائندوں پر دواست یعنی اردان کے خیالات اور نظریوں کا علم حاصل کرنے کے بعد پاکستان میں پارلیمانی طرز حکومت اداستیاات کے لئے "سامنے دہی" باغیان کی سفار کی تھی۔ مگر حکومت نے اپنے مقررہ نمائندوں کی کیشن کی سفار و اثری کے علی الرغم آزاد جمہوریت کی بجائے "پابند جمہوریت" (دنیایہ جمہوریت) کو خلعت و جود بخشا۔ پارلیمانی حکومت کے مقابلہ میں صدارتی طرز حکومت کو قائم کیا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ عائلی قوانین کا جب شروع میں مسودہ منظور کیا گیا ہے تو پاکستان کے علماء کرام کی غالب اکثریت نے ایک ایک دفعہ کا قبضہ کر کے بنایا کہ ان قوانین کی فساد فساد و فحاشات میں دینی نقطہ نگاہ سے یہ یہ خامیاں پائی جاتی ہیں اور مجموعی طور پر یہ قوانین بہت کچھ ترمیم و اصلاح کے ہیں اور بعض دفعات تو حدت کر دینے کے قابل ہیں۔ مگر علماء کی اس مشرت، گزراؤں، تجویزے، اداستیاات کے باوجود عائلی قوانین کو نافذ کر دیا گیا۔

اس قسم کی مثالیں

موجودگی میں "حکمران نشریات" کے سوال نامہ کا جواب دیتے جڑے دن بھیجاؤ اس کا شکریہ عرض کرتا ہوں کہ بنیادی جمہوریت کے لغات نامے میں راقم اطوف کی گزرا "طوطی کی صدا" بن کر رہ جائے! اداستیاات اقتدار کی ملے، مشرہ، اداستیاات و منصوبہ ہلاکت و قریب فیصل اور عرف اور قربا پائے۔

سوائے کہ بعض حالات وہ ہیں جن کو "بنیادی" کہا جاسکتا ہے، یعنی جن پر نشریات کے مقصد و جو کا مدد ملتا ہے، میں ذیلی اور فروی سوالا کی بجائے ان "بنیادی" حالات کو ذہن میں رکھ کر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں!

یہ بات عالم آشنا اور معلوم خاص و عام ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر اداستیاات کے لئے وجود میں آیا ہے، مسودہ مندستان کے مسودوں نے، کے مطابق کے لئے صرف اسی لئے جوہر کی کیشیاں اداستیاات کا دین ہوا اداستیاات تم ہو گا! اس لئے پاکستان میں ہر مسئلہ اور معاملہ اسی نقطہ نگاہ سے دیکھنا، غور کرنا اور پر عمل کرنا چاہئے کہ اسلام کی اصولی اور دینی تعلیمات کس سے کتنی تقویت حاصل ہوتی ہے، اکتب و سنت جیسے "معروف" (دینی) اور منکر (بدی) کہتے ہیں،

بالکل واضح ہیں، ان کے پاس میں دو مانتی نہیں ہو سکتیں پاکستان کے ہر حکمران اور شہرہ جات کا یہی رنگ ہونا چاہئے کہ ان میں "معروف" (دینی) کا خلیفہ ہو اور "مشرک" (دنی) کے لئے کوئی گنہگار نہ رہے۔

یہ فیہر صرف عجیب اساطیر ہیں جو بچنے کا ذریعہ ہی نہیں ہے بلکہ ملک و ملت کے ذہن و دل کی تربیت کا مقررہ واسطہ اور ذریعہ بھی ہے، اور یہ کہا جا چکا ہے کہ پاکستان "اسلام کے نام پر اسلام کے لئے وجود میں آیا ہے، لہذا پاکستان کی "نشریات" کا اسلامی قدردان اور دینی نظریوں کا پرہیزگار ہونا چاہئے۔ دوسرے، چین اور دوسرے اشتراکی ملکوں کی مثال ہمارے سامنے ہے، دلائل ریڈیو اشتراکیت کے معلم اور مبلغ بنے ہوئے ہیں، اشتراکی ملکوں کی نشریات کا کوئی پروگرام اشتراکی نظریہ کا خالص ہو ہی نہیں سکتا۔

پاکستان کی "نشریات" جن کو سرفیصدی اسلام کا مظہر اور ترجمان ہونا چاہئے، اس میں چند ہی طور پر اسلام کی جھلک پائی جاتی ہے، اور اس کا بھی یہ رنگ ہے کہ قرآن کریم کی چند منٹ کی تلاوت اور اس کی تفسیر و ترجمانی کے بعد لیا وہ وقت "طاؤس و دبا" ہی میں صرف ہوتا ہے! اس طرح اللہ اور رسول کے ذکر سے دلوں میں جو گہرا کی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ ناپی نظر اور گالے بجانے کی لذتوں میں گم ہو کر رہ جاتی ہے!

گانے بجانے اور رقص و سرور سے غلبہ اور ہواؤں میں گونجنے والی نغمہ نگاریاں "اسلامی مزاج" کے کوئی مناسب نہیں سمجھتیں اور یہ فنکارانہ فنات سے بھی پاکبازی اور غیر تقویٰ کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے، سازندوں، طوائفوں، نریت کاروں، رقاصوں، اداکاروں کے ایک کچھ عام طرز پر دینی اخلاق اور پاکبازی کی ضد ہوتے ہیں، اس لئے ان کے ذریعہ جن "فن" کا مظاہرہ ہوتا ہے وہ ان کے کردار کا آئینہ باقی ہے۔

صرفیہ کے کام کے "سبیل" کا آج کل کے قص و خفا سے دوسرا واسطہ بھی نہیں ہے، ان بزرگوں کے یہاں "سماع" کی سخت شرطیں ہیں، ان کی اکثریت آلات مزاحیہ کی مخالف رہی ہے، اور محنت کا گانا بجانا تو بالاتفاق رکے نزدیک نہا نما اور حرام ہے!

اسلام دینِ نطرت ہے، اس لئے خوش آواز کی کوسید نہ کہتا ہے۔ دینی کی نشریات کو "خوش آواز" اور "آواز" کے ذریعہ دلکش بنانے میں کوئی قہارت نہیں ہے! "مومن صوت" اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

اس گولڈش کا مقصد وہ ہے کہ مزاحیہ نمبروں، یا سنجیدہ ڈرامے، سیاسی یا تنقیدی مضامین ہوں یا دینی مقالے، ان کا مزاج، آہنگ اور اس پر ایسی ہونی چاہئے، جو دینی نظریوں اور اسلام کی اخلاقی قدروں کو تقویت پہنچتی ہو!

ہندوستان کے مختلف جن دلوں پاکستان نے جہاد کیا تھا، ان دلوں - نشریات کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں آثار و قربانی، خوفِ خدا، اطاعتِ دین اور غیر دینی کی جو فضا اور ماحول پیدا ہو گیا تھا، وہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی تک مزاج و دین اور اسلامی اور غیر اسلامی اور بہت سی اخلاقی کمزوریوں کے باوجود قوم یہی چاہتی ہے کہ معاشرے کو سکروٹس کی پاکیزگی میسر آئے۔ ریڈیو معاشرے کو پاکیزہ بنانے میں بڑا اثر پائے گا کہ کتنا ہے!

دینی قدیم اور اسلامی تعمرات کس طرح علوم و فنون میں سوتے جا سکتے ہیں۔ اس کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔ — شاعر "سائنس" پر کوئی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے، اس مقالے میں تمام فنی مصطلحات اور معلومات کے ساتھ کہیں کہیں یہ جھلک پیدا کر دی جائے کہ کائنات کی پیچیدگی اور تنظیم ایک خالق اور منظم (creator + organizer) کے وجود کا پتہ دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے مادہ اور توانائی کو سوز کر دیا ہے، اس ذکر سے "سائنس" کی ترقی اور اکتشافات کو فائدہ برابر ہی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، مگر اس سے یہ نکتہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی خالقیت اور ربوبیت کا تصور اور عقیدہ ذہنوں میں مانع ہو جائے گا! اشتراکیت کے ماننے والے جو بی بی تمام قوانین اور اصول ہیں اس میں صرف کر سکتے ہیں کہ خدا کا تصور ذہنوں سے غور ہو جائے تو اسلام پر عقیدہ رکھنے والے کیا اللہ تعالیٰ کے تصور یقین اور ایمان کو جملہ کر کے لئے اپنی صلاحیتیں مردود کر کے کتنا شاعرانہ دین کا ہوا جب چاند کے قریب پہنچا ہے تو اس نے اعلان کیا کہ اس فضا میں "خدا" کہیں نظر نہیں آیا! خدا کے وجود کی نفی کیا یہاں کوئی مراء

تھا۔ مگر اشتراکیت کے پروگرام اور مزاج میں جو بدکاری کی نفی و انکار شامل ہے، اس لئے دوس میں اس منہج سے فائدہ اٹھایا گیا، اہم مسلمانوں کے ہوا ہذا۔
 ماں ایسے موقع پر پائندہ لہائی کی قدرت، صفت اور سلوک کا اعلان کر سکتے ہیں کہ یہ مرد کو گلب اور انداک کا نظام اللہ تعالیٰ کی بے کراں قدرت کی گواہی دے۔
 ایک دوسری مثال:۔ ریاضی کے واسطے میں اگر یہ کہا جائے کہ اس علم کے ذریعہ بھی دینی تصورات کو باہر کیا جاسکتا ہے، تو اس پر بعض لوگ شاید
 کہیں گے: مگر ذہن و فکر دینی اور اسلامی ہوں تو کیا حق کے ذریعہ بھی ہوں کو دینی تصورات سے روشناس کر سکتے ہیں، مثلاً اس سوال کی بجائے کہ: چار گھوڑے،
 اور دو بیل، کل کتنے جانور ہوتے۔۔۔ اگر یہی سوال کریں۔۔۔ انھوں نے صبح کی نمازیں چار رکعتیں، ظہر کی نمازیں بارہ اور عصر کی نمازیں چار
 رکعتیں، بتاؤ اس نے کل کتنی رکعتیں پڑھیں؟ تو اس سوال سے بچوں کو ریاضی کے قاعدہ "جمع" کے یکھنے میں بھی کوئی دقت پیش نہیں آئے گی اور ساتھ ہی "دینی
 تصورات" ان کے ذہن و فکر میں تازہ ہو جائے گا۔

حکومت اگر نشریات کی اصلاح و ترقی چاہتی ہے، تو دین کی اخلاقی قدروں پر اس کی بنیاد ہونی چاہئے: اس مقصد کی تکمیل کے لئے آئے ایسے
 بھی مل سکتے ہیں، جو شعراء و ادب و فن میں دینی قدروں کو اس طرح سرسختے ہیں کہ: نشریات کی دلکشی، حسن اور دلچسپی باقی رہے اور اظہارِ ایمان پاکیزہ
 کو سن کر بے مزہ نہ ہوں۔

آپس مجھے "آرڈو" کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے: نشریات کے سلسلہ میں زبان کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، یہ واقعہ ہے اور حقیقت ہے کہ ہندوستان
 ہندوستان کی جنگجو "آرڈو" میں "آرڈو" زبان نے تنہا جو نمایاں بدلہ لیا، اللہ کا نامہ انعام دیا، وہ متحدہ ہندوستان کی تمام زبانوں کی مجموعی کوششوں پر
 ہے، اس پر سب لوگ جو عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کا سب سے بڑا ذریعہ "آرڈو" زبان تھی، پاکستان بننے سے پہلے متحدہ ہندوستان کے ہر صوبہ اور
 کے مسلمانوں کا یہی دعویٰ تھا کہ "آرڈو زبان ہندوستان کی" لنگو فرینک ہے: اقیام پاکستان کی جدوجہد کے دوران ہر مسلمان یہی توقع رکھتا تھا کہ پاک
 بننے کے بعد یہاں "اسلام" قائم ہوگا اور "آرڈو" یہاں کی حکومت کی زبان ہوگی،

مگر

انفوس ہے کہ حکومتوں کی بے تدبیر اور کیلکسٹوں اور صوبائی عیصیت کے ارے ہوں کی رخنہ اندازی کے سبب "آرڈو" کو وہ مقام پاکستان میں حاصل نہ ہو سکا
 جس کی وہ مستحق ہے، اب ہر حال یہ بات ہر شخص کے نزدیک ہے کہ پچھلے پاکستان میں صرف "آرڈو" ہی ایسی زبان ہے، جو ہر خط میں سمجھی جاتی ہے۔

اس لئے

ریڈیو پاکستان کی "آرڈو" کی اس مسلمہ حیثیت کے پیش نظر "آرڈو" نشریات کو دنیا وہ سے نیا وہ موقع اور حصہ دینا چاہئے۔

یہ چند گزارشیں ہیں جن کو اخلاص و تہمیر کے جذبہ کے تحت پیش کیا گیا ہے۔

(دوسرے ۲۲ کا بغیر)

- ۱۵۔ متواتر ۱۔ وہ حدیث جس کو اس قصداً شخص بیان کریں کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔
- ۱۶۔ مشہور ۱۔ جس حدیث کے مادوی ہر طبقہ میں متن فرم ہوں، یا جس کی رعایت عہد صحابہ میں کم ہو، دوسرے اور تیسرے عہد میں کثرت سے اس
 ہوتی ہو۔
- ۱۷۔ عزیز ۱۔ وہ حدیث صحیح جس کے سلسلہ رفاۃ میں ہمیشہ دوسری مادی پائے جاتی۔
- ۱۸۔ احادیث ۱۔ وہ احادیث جن کی رعایت کرنے والے ایک ایک ہیں۔
- ۱۹۔ غریب مطلق ۱۔ وہ حدیث جس کی سندیں صحابہ سے رعایت کرنے والا منقطع ہو۔
- ۲۰۔ مرفوع ۱۔ وہ حدیث جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہو اور اس کے سب مادوی نقد ہوں۔
- ۲۱۔ موقوف ۱۔ وہ حدیث جس میں مادوی محال کے قول و فعل یا تفسیر کو بیان کرے۔
- ۲۲۔ مقطوع ۱۔ جس میں مادوی تابعی کے قول و فعل، تفسیر کو بیان کرے۔

ڈاکٹر محمد اسلام

جگر کا تصوف

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے جج لکھا ہے کہ

۔ تصوف کا اصل پایہ طریقی حقیقی ہے۔

اور احمد فاروقی نے حسن کے سہارا کی وضاحت افلاطونی فلسفہ کثرت پر کی ہے۔

۔ حقیقت سخن ہے اور ہمارے حقیقت۔

عشق کی تعریفیں ہر شہسپائی حسی حسی کرتے رہے ہیں۔ جج لکھا ہے کہ انہی اپنے مخصوص عالمانہ مگر نہایت دلچسپ اختلاف میں کی ہے۔

۔ ہم تادریحاً کی طرف دیکھتے ہیں اور میں کچھ نظر نہیں آتا، اس کا کوئی سنگ نہیں، ہم تادریحاً کو کائنات کا کھنڈہ ہیں اس کی

کوئی آواز نہیں، ہم تادریحاً کو کھنڈے ہیں لیکن وہ ہمیں کہیں آتے ہیں آنا اس کا کوئی جسم نہیں، ہمیشہ امان ہمیشہ آواز ہے

نام و نشان بتاتا ہے، اور ہر آدمی کی جانب واپس آتا ہے۔

عشق بھی ایک طرح کا غیر معمولی انداز ہے جس کی تعریف کرنے کی کوشش بیوقوفانہ کی ہے، جگر نے خوب کہا ہے۔

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے

مردیہ نے اپنے دربار سے عشق و دروں پر شمس کچھ نظر سے قائم کئے ہیں جن کو مولانا جیسے اعظم گڑھی نے بالترتیب چار نظریوں میں تسلیم کیا ہے۔

۔ پہلا نظریہ ۱۔ عشق خالقِ حسن ہے۔

دوسرا نظریہ ۲۔ اصل حقیقت محض حسن ہے اور حسن کا تقاضا ہے طہرہ و خود نمائی اور یہ تقاضا ہے عشق کا فرق انسان ہے اور غیب کی اصطلاح

میں اسی کو زمین کہتے ہیں۔

تیسرا نظریہ ۳۔ عشق و دروں اپنی اپنی جگہ مستقل مقامات ہیں مگر شمس کا معیار حسن نظریہ طرف مختلف ہوتا ہے اور فطرت اپنے معیار بلند کی جستجو

میں متفق ہے اور جب اتفاق سے درج چیز پائے آجاتی ہے تو درج ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھتی ہیں۔ اس کا تقابلی حسن و عشق سے دروں

کا نظریہ رنگ بگھڑاتا ہے۔

چوتھا نظریہ ۴۔ تمام کائنات عالم جو کہ محض ایک حسنِ ازل کا پرک ہے لہذا عشق و عشق کی حقیقت ایک اندیشا میں مختلف ہیں۔

اور جگر نے کہا ہے کہ ۱۔

پیر تقی میر۔ حیاتِ اندیشہ ص ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱

”حسن نام ہے مناسب اور صحت کا۔“

اسے الکبہ امتسراجہ کامل دجلہ صفات برگزیدہ

خدا صحت تمام کا مجموعہ ہے۔

لفظ ومعنی جس کو چھو سکتے نہیں وہ مرا اک لفظ آفاقی ہے۔

حقیقت کا مدک و حاصل کوئی تعریف پر نہیں سکتی وہ مقام وسطی ہے جہاں تمام حقائق ایک نقطہ پر ملتے آتے ہیں۔

”حسن حقیقت سے نسبت جو جانے پر انسان کی ظاہری و باطنی کیفیات میں سائنٹیفک کنیڈات کو بنے گئے ہیں چونکہ نسبت کے کسی مادے میں ایسا مادہ کی نسبت ہی سے ان کیفیات کا نظیر ہوتا رہتا ہے۔“

”حسن ایک حقیقت کا نام ہے جس کا احاطہ ممکن نہیں لیکن کائنات مظاہر حسن کا مجموعہ نسبت اگر حسن کامل سے ہے تو ظاہر ہے کہ مظاہر حسن اس کے لئے بہت کچھ ہیں لیکن وہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کا متقاضی رہتا ہے اور اس کی ترقی کی مقدار گہری کی جانب بڑھتی جاتی ہے اور اس کے آثار میں پاکیزگی و لطافت بدرجہ اتم ہوگی۔“

تصویر کے ہاتھ میں جگہ اپنے مائیں اپنے بعض اشعار میں بھی نظم کر دی ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

یہ حسن طلب ہی کا اک جملہ رہتا ہے	کس نے اسے دیکھا ہے کس نے اسے پایا ہے
اگر نہیں پس پر وہ کوئی حقیقت میں	یہ کون بول رہا ہے ظہم صدمت میں
مجموع بنا ہوا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں	میں وہ ہوں تو نے ظالم انور جس کی آندو کی
مجھ میں رہے مجھ سے مستند ہو کر	بہت پاس نظر بہت دُور ہو کر
وہی حسن جس کے میں یہ سب مظاہر	اُسی حسن میں مل رہا ہوا ہوا ہوا
پر وہ جب اٹھ گیا ہے دیکھا ہی ہے اکثر	اپنی ہی آرزو میں اپنی ہی جستجو کا۔
ہر حقیقت کو ہر انداز نماشا دیکھا	خوب دیکھا تھیں عہدوں کو گر گویا دیکھا
ہم نے ایسا نہ کوئی دیکھنے والا دیکھا	جو یہ کہہ دے کہ ترا حسن سما پا دیکھا
نقاب حسن دور عالم انصافی جاتی ہے	مجھ کو میسر ہی قبلی دکھائی جاتی ہے
یہ سب لالہ و محلی یہ سب چاند تارے	ترے اک تبسم کے چند استعارے
ہر ذرہ عالم پر حاوی ہیں صفات اس کے	سب کہنے کی باتیں ہیں مخاری و مجوری

اردو شاعری کے بیشتر موضوعات فارسی شاعری کی تقلید میں اردو شاعری کا تصور بھی فارسی شاعری سے متاثر ہے فارسی میں حافظ، خرمسار اور دہلوی سب کے سب مونیانہ رنگ کے شاعر تھے اس لئے ان کی شاعری ان کے واردات قلبی کا مظہر ہے بقول درکن نسیم ان کا عقیدہ ہے کہ ا۔

یہ کائنات ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہیں حسن مطلق (BEAUTY IS GOD) کی

بھلک مٹی ہے ان پر تو کس اس کائنات کا ایک اہم جز ہے اس لئے اس میں بھی حسن مطلق کی ضرورت ہو دوسرے جز

ملہ احمد رفائی صاحب کا مضمون ”عزیزان“ نظریات ”جگر“ (غیر مطبوعہ) مجھے عبداللطیف اعظمی صاحب ایڈیٹر ”جامعہ“ نے ذاتی طور پر کوئی فرمایا اب یہ مضمون نگار شائے جگر میں شائع کیا گیا ہے۔

اس میں اضطراب پیدا کرتی ہے اس بات کا کہ وہ حسن مطلق کو اپنے حلقہ فہم میں لے آئے مگر یہ ممکن نہیں کیوں کہ حسن
بیگانہ و حسن منہجہ مراد ہے ابدالان محدود و حسن منہجہ منسلک اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ مگر
بہر اس حسن بیگانہ کا عاشق بنا رہتا ہے مگر اصل نصیب نہیں ہوتا۔

اُردو شعرا میں میر درد کا کلام تصوف میں ڈوبا ہوا ہے ان کے بعد بحالیہ کی یہاں بھی تصوف کا کچھ عنصر مل جاتا ہے اور میریں صدی کے شعرا میں اصغر
نے حسن کو چشم باطن سے دیکھا اور وہ قربت شامہ اور قربت سامہ کو بھی بردے کا رلائے۔

بجز اگرچہ صوفی مشاعر نہیں ہیں ان کو خود بھی اس کا اعتراف ہے

میں نہ زاہد سے ہوں شہر مندہ نہ صوفی سے جوگر

مسلک عشق مرا مسلک زندانہ بھی

پھر بھی ان کو ماحول ہر اعتبار سے صوفیانہ ملا ان کا گھر طویل ماحول مذہبی تھا ان کے والد ایک صوفی فنش اور اللہ والے انسان تھے اور بزرگان دین اور
اولیائے کام سے بڑا ہفتیت رکھتے تھے انہیں کا اثر جوگر بھی پڑا بالکل ابتدائی زمانے میں والد کی تربیت میں رہے اور پھر جب شعر و شاعری کے میدان میں قدم
رکھا تو حضور احمد صاحب مرحوم مراد آبادی و حیدرآبادی کے صوفی شعرا کا ساتھ جوگیا جن کے انتقال کے بعد انہوں نے ایک وفد ان کو مدینہ منورہ کے عالم میں خواب دیکھا
ان سے رسول مقبول کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لئے گزارش کی

جوگر مراد آبادی کو اصغر گزدری کی صحبت سے فیض اٹھانے کا موقع ملا اور پھر وہ شہر بغداد الفنی صاحب مکتوری سے بیعت ہو گئے جن کا مدعا فی فیض ان پر

ہمیشہ جاری رہا اسی طرف انہوں نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے

دند اگر کوئی زنجیر ہلا دیتا ہے

تھمے و مٹی ترے غافل نہیں ہوتے

یہ بھی ہے کہ جوگر ابتدا سے آخری ترک حسن کی تعریف و توصیف میں محو رہے لیکن بعد گو وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں انہیں حسن کی کہیں پردہ

حقیقت غالباً محسوس ہونے لگی، فرما رہے ہیں۔

روح مضطرب رہی جب تک نہ پیدا غم ہوا

رابط باطن اس کو کچھ نہیں کہ روزِ اولیں

اس لئے یہ خیال کہ جوگر کے کلام میں تصوف کا رنگ امتزاج طاقات کے بعد آیا وہ اصغر ابدالان کے کلام سے تاثر ہو کر تصوف کی طرف راغب ہوئے تھے

نہیں معلوم ہوتا ان کے تصوف کی بنیاد زمان کے خاندان اصابت آبادی دوست حوی کی صحبت ہی میں پڑ چکی تھی، لیکن اصغر سے جب ملاقات ہوئی اور وہ شاہ ولی اللہ
صاحب سے بیعت ہوئے قرآن کا یہ جوہر اور نکھر آیا۔

جوگر کے بالکل ابتدائی زمانے میں ایسے اشعار ملتے ہیں جنہیں خالص صوفیانہ کہا جاسکتا ہے مثلاً

ایک ہی جسدہ کہیں مجزوں کہیں بیلجی ہوا

دیدہ حق میں میں کیسے فسق کی امتیاز

محو حیرت ہوں خود اپنا حسن پنہاں دیکھ کر

کیا کروں گا اب بہر گل بداناں دیکھ کر

شان ہے ایک مگر رنگ جدا گانہ ہے

دہی گل ہے دہی بلبں وہی پردانہ ہے

اس کے بعد ان کے یہاں ایک تسلسل ہوتی کیفیت ملے لگتی ہے

رفتہ رفتہ سامنے حسن تمام آ ہی گیا

اللہ اللہ یہ مری ترک و طلب کی وسعتیں

اول اول ہر قدم پر تھیں ہزاروں منزلیں
اس کے بعد جب وہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مشکوٰۃ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے تو ان کے اس صوفیہ رنگ میں اور نکھار پہچانے
ہر تن محو دل اک نغمہ بے ساد میں ہے
اب نہ مطرب میں کوئی ندرت نہ آواز میں ہے
گوش مشتاق کی کیا بات ہے اللہ اللہ
سن رہا ہوں میں وہ نغمہ جو ابھی ساد میں ہے
جگر نے حسن حقیقی کی تلاش میں مجازی کے ذریعہ کی اداس تلاش میں ابھرنے میں حقیقی کو حسن مجازی کے حلقے سے طاریا
صوفی نے جس کوٹ پر مطلق سمجھ لیا
اک پر تو لطیف تھا حسن مجاز کا
رہنہ نہات بن کا عشق کسی مرکز نگاہ کا مرکز نہت نہیں رہ گیا بلکہ وہ نہات خود سرتا پادندہ عشق بن گیا اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ
کوئی مقام نہیں

اول اول ہر قدم پر تھیں ہزاروں منزلیں
ان کا خیال تھا کہ وہ صرف اپنی ہی ذات کا ہوا کرتا ہے اپنی ذات سے ہٹ کر کسی چیز کا شہدہ لائے ہے
یہ مفصل ہستی بھی کیا مفصل ہستی ہے
اللہ رے کمالی خودی کی یہ وسعتیں
آئینہ خانہ عالم میں کہیں کیا دیکھا
کیا جہاد اور کیسی حقیقت
باتیں ہیں دو مقصود ہے ایک
ہزار جان گرا ہی فدا ہے اپنی نسبت
میں عشق ہوں مکمل میں شوق ہوں مسلسل
جگر نے عشق کو کہیں خانہ حسن مانا ہے اللہ کہیں اصل حقیقت حسن کو بتایا ہے کہیں حسن و عشق دو لڑکوں کو مستقل ہستیاں سمجھا ہے تو کہیں
حسن و عشق کی حقیقت کو ایک امدان کی شانوں کو مختلف بتا رہا ہے شاد

شرط اول خواب ہونا تھا
ایک ہلکا سا حجاب چشم حیراں چاہئے
عشق میں سستی تھی لیکن غصے رسوائی نہ تھی
عشق کیا ہے حسن کا عکس شباب
جھکر پائیں گے جہاں تک وہ نمایاں ہونگے
اور اس پہ یہ پردہ ہے کہ پردہ ہی نہیں ہے
مگر کسی سے کسی کا جواب ہو نہ سکا
خود بن گیا حسین دو عالم پہ بھا گیا
یہ حسن ہے کیا؟ یہ عشق ہے کیا؟ کس کو ہے خبر اس کی لیکن
بے حاشیہ پردہ ہوا نہیں، بے مادہ فسادِ عین جام نہیں

میر عشق معتبر یہ کسی کو خبر نہیں
ایں بھی حسن ہے تو بقیدِ نظر نہیں
بجھانے بعض اشعار میں اپنی اجہادی آفریح کی بدولت حسن و عشق دونوں کو اک الگ ہستی بنائیں گے کہ جائے دونوں کو ایک ہی خوب پرے
آئے ہیں شاناً

حسن سے عشق جدا ہے نہ جدا عشق سے حسن
کون سی شے ہے جو آنکوش و آغوش نہیں

عشق کا کسم کاسیاب ہوا
میں ترا تو مرا جواب ہوا
تو ہی کمالِ عشق ہے تو ہی کمالِ حسن ہے
اپنے سرا کسی طرف آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھ
اس طرح نہ ہو گا کوئی عاشق بھی تو پابند
آوازِ جہاں دوا سے وہ شوقِ دہیں ہے
جگر کے صحنہ نہ کلام میں و جہاں کی سستی بھی ملتی ہے -
پیر کے دیکھوں اگر سینہ سستی عشق
میران ہوں یہ مجھ پر کونسا باطل ہے
کیا چیز ہے کل عالم کیا چیز مراد ہے
وہ عجم تماشا بھی کیا بزم تماشا ہے
جگر کے یہاں تصویریت کا لفظ بھی پایا جاتا ہے -

گزنہ کے تو گزرد جا بطسزیدہ بگری
یہ کل جہاں ہے قریب قلبی نظری
صحرایہ نہ لیتی ہے دیا ہے نہ سال ہے
جو کچھ نظر آتا ہے یہ شعبہ دل ہے
جگر نے منہ بھر لیں اشعار میں دکھانے کے ساتھ ساتھ اپنے نگر و جہاں سے ان میں گہرائی اور عزیمت پیدا کر لی کشش کی ہے
یہ سب نو رو نما کش ہے تیرے بچنے سے
نڈے نڈے سے نمایاں شانِ قد دیکھ کر
ہر چیز پر پڑتی ہیں تھیر کی نگاہیں
ان کے یہاں ہر مشرعی تصویریت کا داخلی معیار بھی پایا جاتا ہے

چشمِ نظرِ سریت میں جس کا جہان نام ہے
حسنِ تمام یار کا جسدِ تمام ہے
خود فیاض ہوا جگ جسدِ مستند نہ ہو
آئینہ خاندِ عالم میں کہیں نہ ہو
"سریت" کے معاملہ میں وہ جہاں ہماری رہنمائی کرنے سے قاصر ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں
کام نہ آئی حق کی عقدہ کفائیوں جگر
اس جلدِ تمام کی ہم کو خبر ہی کیا
جگر کے محلِ انظری سریت بھی بالترتیب ملاحظہ فرمائیے -

اب اس صورت سے کیا آئیں تیرے آئینہ خاکے میں
تیری ہر ایک شان کے شایاں بست دیا
تو ہی تصویر ہی بن کر تری تصویر دیکھیں گے
الساں کو دوسرے عشق نے الساں بنا دیا

ماہر القادی

یاد رفتگاں

نیاز فتحپوری

میری عمر بہت سے بہت تیرہ چودہ سال کی ہو گئی، مجھے یاد پڑتا ہے کہ نیاز صاحب کی ایک دو انگلیں رسالوں میں میری نگاہ سے گزری تھیں، اس کے بعد ۱۹۷۲ء میں رسالہ نگار کے دو چار شمارے کی بے پناہ پڑھنے کو مل گئے، مضامین کی ترتیب و مزاج اور ایڈیٹر کے امانت نگارش نے وجدان و طبیعت کو چمکایا اس زمانہ تک میرا مطالعہ انتہائی محدود تھا، اس سے پہلے کانپور کے ماہنامہ ”زمانہ“ بدایوں کے ”نقیب“ و ”نقاش“ اور ان کے رسالہ ”ادیب“ کے چند شمارے پڑھ چکا تھا، اب یہ وہ دور تھا کہ کسی ادیب و دانش پرور کی تحسیر میں — عتیقہ، مراثی، شعلہ، مستقبل، ماہ الاشراف، طبعی و غیر البصیرت — جیسی ترکیبیں نظر آئیں تو ذہن مرعوب ہو جاتا، ۱۹۷۲ء میں قصبہ ڈبائی ضلع بلند شہر کے شاعر عاشق ڈبا کوئی صاحب نے مجھے اسے اردو کے کئی سالہ کی خریداری کا مشہدہ کیا، قومیں نے چھوٹے ہی ”نگار“ کا نام بتایا اور وہ ”نگار کے خریدار بن گئے“ !

۱۹۷۸ء میں سب سے پہلی بار حیدرآباد دکن جانا ہوا، وہاں دارالمطالعہ بھی تھے، آصفیہ قلی پوری بھی اور کشتی کتب خانہ بھی، مطالعہ کی کوئی حد نہایت نہ رہی، جو کتاب بھی مل گئی اُسے پڑھ ڈالا، رسالہ نگار بھی نگاہ سے گزرتا رہا، یہ تقسیماً وہ زمانہ ہے جب نیاز فتحپوری نے بڑی کثرت کے ساتھ ”مولویوں اور مولاناؤں پر طعن و طنز کی شدید اور پھیلاؤ شیعہ کوئی تھی اس طنز کا دوسرا قدم ”اسلامی نقد“ کا خاق اڈا اور بعض دینی محققات بلکہ مسلمات کو کھوج کر کرنا تھا، مجھے ابھی طرح یاد ہے کہ ایک دن شام کے وقت ہمارا ہر مکش ہمارے مین السلطنہ صدر اعظم حکومت حیدرآباد کے دبیر میں ہوش ہلکا ہوا، نیاز صاحب کا وہ مضمون مزے سے لے کر کٹنا رہا تھا، جو مین ہمت کا خاق اڈا گیا ہے۔

نہ ناظر الحسن نام تھا ہوش نخلص، بلکہ رام کے رہنے والے تھے اور اپنے نام کے ساتھ ”سید“ لکھتے تھے، بڑی بلند بچہ اور لطیفانہ طبیعت پائی تھی، دبیر ساری کے فن میں طاق، ایک سال تو اب حیدر علی خان والی رام پور کے مصاحب ہے، پھر حیدرآباد دکن میں ہمارا ہر سرگرن پڑا دہا اور دوسرے اعزاز کے درباروں میں اپنی بلند شہر کے سبب ہادیابی اور قریب حاصل کیا، نیاز فتحپوری سے بڑا یاد رہتا تھا، نیاز صاحب کو بار بار حیدرآباد بلایا، اور اُسے ہزاروں روپیہ دلویا !

ناظر الحسن ہوش بلکہ رام نے حیدرآباد دکن سے ماہنامہ ”ذخیرہ“ نکالا، جو کچھ دلوں کے بعد بند ہو گیا، اس ماہنامہ کا خاصہ بلند معیار تھا، ہر ہوش صاحب کے لئے ناظر پڑے، رپٹا ستر ستر لڑکے، دفتر میں سیرنگ بینک کے انسپکٹر کی خاطر سے لڑائی بنائی گئی، دوسروں سے ماہنامہ کے قریب تنخواہ تھی، مگر اس زمانے میں وہ بلکہ میں رہتے اور ساری کے لئے نکلن رکھتے، امانتہ معارف، انسور پیپر سے کیا کم ہوں گے، ہوش صاحب کے خطا باٹ کا ایک حصہ میں دہائی ص ۴۱

کی رہی وہ شعر یاد رہ گئے ہیں۔

اس اہتمام سے مجھ کو فلک و قمار کیا
یہ دو سبب ہوئے اسے دل تری تباہی کے
جلائے خاک کیا، خاک کو خراب کیا
کہ اس نے وعدہ کیا کرتے اعتبار کیا
میری منزل کا بس یہ شعر کچھ غنیمت تھا۔

دل عزیز باتری سب زہر کو شیاں معلوم
جو کوئی بس نہ جلا، صبر اختیار کیا
میری نظم منقحہ کے بعد ماہنامہ نگار میں میرا کام وقتاً فوقتاً چھپتا رہا وغالباً ۱۹۱۷ء میں نیاز صاحب جید نے یاد دہائی کی تھی، ان سے
منا ہوا کہ آپ کی ایک نظم پر نگار میں تنقید رہی ہے، اس کے عرض کیا کہ اگر تنقید میں کچھ باتیں محل نظر ہوئیں تو کیا ان پر بحث و گفتگو کو آپ نگار میں شائع

دہلیہ (حاشیہ ص ۳۵) کوئی اللہ ہی ہے عہد بیدار ہوش صاحب کی دھڑکیں میں ان کی دل دہی کے لئے تمام اکابر و عہدہ دار شریک ہوتے تھے ان سے ملے ملحق و ہم و کثرت،
ایک چھوٹے چار بیویاں، انیس کوٹھی، دیدہ زیب فرخسپر، شاندار موٹر، چاندی کے کھانا دان سے لیکر ریش کار کے قانون تک ہر چیز میں انتہا درجہ کی
صفا فی اللہ سلیقہ، مبالغہ آمیز طرز سے ہوش صاحب کی خاصی بے تکلفی تھی۔ اپنی ہر چیز کی تعریف کرنے اللہ سننے کا شوق تھا، ایک دن مجھ سے کہنے لگے۔
ابہر صاحب! یہ جو میرے مکان کی صد عذاب ہے، کئی امر کی سیاحت اس کے ٹوڑے گئے ہیں!

ساحل بگڑی مرحوم ہوش صاحب کے چھوٹے بھائی تھے، شہر جید آباد کی بلیڈی و کارپوریشن میں ہوش صاحب نے ٹیکس کی دھڑ لیا بی بی کاں پکڑ
کر دیا تھا، ٹھکانے سے ہتے تو بڑی ترقی پاتے، مگر وہ دو تین ہزار روپیہ کا خچن کے جید آباد سے فرار ہو گئے، یہ درقم بعد میں ہوش صاحب کو بھائی پڑی۔
حکومت جید آباد کے زمانہ کے بعد ہوش بگڑی نے بھارت کے نیاؤں کی خوشنودی کے لئے ایک کتاب لکھی جس میں حسن نظام جو ان کے مرنے پر اللہ
مشت تھے، ان پر خوب خوب پختیاں لکھیں اللہ تعالیٰ ان کی پرستہ اسناد کی باتوں کو قسم کے ذریعہ منظر عام پر لائے، ان کا کتاب نے ہندوستان کے اہل باطل و فساد
کے یہاں بار پائے انسانی حاصل کرنے میں ہوش صاحب کی مدد نہیں کی۔

ہوش بگڑی کا انتقال ایسے عالم میں ہوا کہ وہ اپنی پچھلی زندگی و زندگی کے آثار ڈھونڈتے تھے مگر کبھی نظر نہ آتے تھے حالانکہ ان کی مغفرت فرماتے۔
(حاشیہ ص ۳۶) اس نظم کو بھیجے ہوئے، میں نے پیلا پنہری کو لکھا کہ تسلی اللہ تعالیٰ دونوں طرح لکھا جاتا ہے آپ جس لفظ کو پسند
فرماتے ہوں، نظم کا عنوان بنادیں! انہوں نے "تیسری" پسند کیا۔ دلی میں بھی نیا وہ تری تیسری ہی بولا جاتا ہے مگر میں "تسلی" کو صرف لطفانت اور تسلی کی بنا
پر ترجیح دیتا ہوں اللہ اس ترجیح پر مجھے اصرار ہے! میری ایک دوسری نظم کا ایک شعر ہے۔

ہواؤں میں اڑتی ہوئی تہلیاں
پلک مارتے ہیں یہاں سے وہاں

مے ہمارا سرکش بھاد کی ایک مثنوی ہے، جس میں گہرا جہانگیر میں کسی ایک بادشاہ کا واقعہ نظم کیا گیا ہے، دروازا کا اور ہندو مسلم اتحاد اس نظم کا مرکزی
نقشہ ہے اس نظم کی نظم بنانے کے لئے ایک کیٹیٹ قائم ہوئی اللہ تعالیٰ ہوش بگڑی کے مشورے اور سفارش سے پیلا پنہری کو اس کے مکالمے لکھنے کے لئے جید آباد کو
بلا یا گیا، اتفاقاً غالباً ساڑھے تین سو روپے ہمارا قریب پائی رہنے کے لئے مکان اس کے علاوہ انیاد صاحب نے کئی بیٹے بلوہ جید آباد میں قیام کیا۔ نگار کے
کاتب کو بھی انہوں نے کھنڈ سے جید آباد بلا لیا تھا مگر تسلیم توڑی ہی ہو کر رہ گئی۔ (دیکھئے ۱۹۱۷ء سے آٹھ سال قبل کا واقعہ بیان کردہ ہوں)

علاؤ مرحوم اللہ میں شام کے وقت اکثر انیاد صاحب کی قیام گاہ پر جایا کرتے تھے، ایک دو گھنٹہ تا شام کا شغل بہتہ، انیاد صاحب کا شام کے کوئی خاص ڈپٹی
نہ تھی ہندی خاطر وہ کھیل میں شامل ہوجاتے اور کڑھوٹ میں بار بار غلطیاں کرتے یہ ۱۹۱۷ء کا واقعہ ہے، حضرت خانی بدایونی علیہ السلام کو کبھی پہلی طاقت انیاد صاحب
کی قیام گاہ پر ہوتی ہوش بگڑی! انہیں ہمارا جہانگیر کشن پشاد کے یہاں سے اپنی کاریں لے گئے تھے۔

فرمائیں گے، بدلے، خردہ۔۔۔۔۔ اسی لئے تنقید کا یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ چند ماہ کے بعد میرا آجھ آباد (مجلات) جانا نکل آیا، وہاں ایک مشاعرہ تھا، ایک صاحب نے مجھے اس مہینہ کا ننگ لگا کر دیا۔ جس میں میری نظم پر ”ماہِ واعلیہ“ کے تحت نیا دعوا ہے تنقید فرمائی تھی۔ یہ تنقید پڑھی تو مجھے بڑی حیرت ہوئی، بعض اعتراضات بالکل غلطی بلکہ غلط تھے! اشتباہ میں نے ”بادہ ہائے ناب“ نظم کہا تھا، اس پر نیا دعوا صاحب نے اعتراض بلند کیا کہ ”بادہ ناب“ کی جگہ نہیں آتی، میں نے اس کے جواب میں غالب کی ”مسئل غزل“ کا یہ شعر خوبصورت پیش کیا۔

وہ بادہ ہائے ناب گویا کہ ہائے ہائے

اسی طرح بعض دوسرے اعتراضات کا دلیل کے ساتھ جواب دیا گیا مگر نیا دعوا صاحب نے میرا یہ خط ننگ میں شائع نہیں فرمایا۔ میں نے یاد دہانی بھی کی، لیکن شرفی نہیں ہوئی، آخر کار ہاندا مشاعرہ میں جوائن دونوں اگر وہ سے نکلتا تھا، میں نے اپنا یہ خط پھر ادا کیا۔

نیا دعوا صاحب میرے مراسم میں اسی حد تک تھے کہ میں نے کوئی نظم یا غزل ان کے یہاں پھینک دینے سے بھی دی اور انہوں نے رسید کے طور پر خط لکھ دیا۔۔۔ اپنے رسالہ میں ”ماہِ واعلیہ“ کے تحت انہوں نے میری کتنی ہی غزلوں اور نظموں پر تنقید فرمائی اور ان صاحب کا ناپوری کی ایک غزل پر تنقید کرتے ہوئے اس کا اعلان کیا کہ میں ان شاعروں کے کلام پر تنقید کرتا ہوں جن کو اپنے نزدیک بنایا صعب اول کا شاعر سمجھتا ہوں، دماغ کا ٹھیک طرح ذہن میں محفوظ نہیں رہے، مفہوم بھی تھا۔

پاکستان بننے کے (مقابلہ) چار پانچ سال بعد نیا دعوا صاحب یہاں تشریف لائے اور ”پاک دہشت سوسے“ کی صدارت فرمائی، مجھ، جوش، ذرات، حنیف جالندھری جیسے مشاعرہ سرا اس مشاعرہ میں شریک تھے انہی دنوں نیا دعوا صاحب نے اپنے تمام دانت نکھرا دیے تھے، جس کے سبب وہ بڑھتے سے نظر آتے تھے حالانکہ صحت اچھی تھی اور گوارا ایسے تھے، جیسے اور غیر محرر والے کہہ سکتے ہیں! ان دنوں یہ اطلاع بھی کئی محفلوں میں سننے میں آئی کہ اس وقت کی حکومت نیا دعوا صاحب کو پاکستان اس غرض سے بلانا چاہتی تھی کہ یہاں آکر وہ دیندار اہل تسلم اور اسلام پسند دانشوروں کے گروہ پر آنا دیکھائی اور تجدد کا رنگ پیدا کر دینگے مگر نیا دعوا صاحب نے مجھے جیسے مطالبے اور شرطیں پیش کیں، جس کے سبب معاملہ پٹ نہ سکا، یہی سبب تھے کہ حکومت کو بعض مشیروں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ نیا دعوا صاحب دینی حلقوں میں ہٹا دیں، ان کے کہنے پر تھے مہمان اس بنا پر نیا دعوا کارگر نہ ہو سکیں گے!

اس مشاعرے کے بعد وہ اپنے عزیز ندو سے ملنے اور ساتھ ہی یہاں کے ماحول اور فضا کا جائزہ لینے کے لئے ایک دو ماہ کے لئے بشیر فاروق صاحب کے یہاں ان کے محراب میں ایک چرم مندر پر بٹا ہوئی، میں نے بھی اس میں شرکت کی پھر وہ ۱۹۶۷ء میں مستقل طور پر پاکستان آ گئے، یہاں ان کی جو پیروی ہوئی وہ ان کی توقعات سے کہیں بڑھ کر تھی، کئی اداروں سے ان کا علمی تعلق تھا، مانا نہ کہ ان تین ہزار روپیہ سے کیا کم ہوگی، سب سے زیادہ فائدہ انہیں نیشنل بینک پاکستان کے ناظم اعلیٰ جناب ممتاز حسن کی ذات اور واسطے سے پہنچا، ممتاز صاحب بڑے علم و درت اور اہل علم کے قدماں واقع ہوئے ہیں اور خود بھی صاحب علم و فضل ہیں! نیا دعوا صاحب کو اس کا حال تھا کہ پاکستان بہت پہلے وہ کیوں نہیں آ گئے!

گھنٹوں بعد وہ عام طور پر شاعروں اور محفلوں میں شرکت سے گریز ہی کرتے تھے۔ مگر کراچی کا متعدد ادبی و شعری نشستوں میں انہیں دیکھا گیا، وہ تین جگہ انہیں ملے پھر بھی شہنشاہ ان کی اس غزل پر ہیں کا ایک شعر یہ ہے۔

چشم تہ ہے اس طرف اور اس طرف ابر بہار

دیکھتا ہے آج کس سے، کتنا دیدیا جائے ہے

ایک نشست میں بہت فادہ ایچ اے بی ایچ صاحب ”میر مشاعرہ دہشتی“ کو راجی تشریف لائے، تو ایک ادبی محفل میں ان کی مدح میں نیا دعوا صاحب نے ایک نظم پڑھی، پاکستان میں اگر ان کی عظمت پسندی اور کم آیزی میں جھوٹ کا خاصہ رنگ پیدا ہو گیا۔

پاکستان میں مالی فراغت اور طرح کے آرام و راحت سے وہ پوری طرح لطف اندوز بھی نہ ہوتے پاتے تھے کہ کینسر جیسے موزی مرض میں مبتلا

کچھ نگار کے خدائمبر کے بارے میں

اُردو کے خدائمبر اور مقتدر جریڈول میں نگار کا جو مقام ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے یہ رسالہ ۱۹۶۲ء سے حضرت نیاز فتحپوری کی افکار میں جاری ہے جو اس کے صاحب طرز انشا پر دلزد ہیں۔ دو جہزوں علمی و ادبی کتابوں کے مصنف ہیں جنہیں ان کے تبحر علمی کی بنا پر علامہ کہا جاتا ہے اور جنہیں حکومت ہند نے اپریل ۱۹۶۲ء میں اُن کے علمی و ادبی خدمات سے متاثر ہو کر سب سے بڑا ادبی اعزاز ”پدم بھوشن“ عنایت کیا تھا لیکن مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اہتہ بڑے ادیب اور عالم ہیں جو علمی دیانتداری ہوتی چاہئے وہ نہیں ہے۔ کچھ عرصہ پہلے ہفتہ وار سر فراز دیکھنوں میں ایک مضمون شائع ہوا تھا ”علامہ کیسے جیتے ہیں“ جس میں علامہ نیاز فتحپوری کے ادبی سہولوں کی متعدد مثالیں پیش کی گئی تھیں۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اُن کا دامن شہرت نہ یاد و غبار نہ ہوئے پائے اُن اس کے لئے میں نے حضرت نیاز سے اُن کے کوئی جانے کے بعد خط و کتابت بھی کی لیکن افسوس کہ انہوں نے مجھ ناچیز کی درخواست کو قابل اعتناء نہ سمجھا، اس لئے مجھے مجبوراً اس حقیقت کو ظاہر کرنا پڑا ہے جسے میں نے اب تک میں نے ظاہر نہیں کیا تھا۔

حضرت نیاز فتحپوری عرصہ سے برسال اپنے رسالہ نگار کا ایک خصوصی شمارہ بطور سالانہ پیش کرتے رہے۔ ۱۹۵۷ء کا سالنامہ ”خدائمبر“ تھا جس میں مجددِ مکتب سے عبد حاضر تک مختلف مذاہب میں خدا کے تصور کا جائزہ لیا گیا تھا۔ یہ نمبر تمام تر اس خاک کرنے و جہزوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد نیاز صاحب کی فراغت پر تیار کیا گیا تھا اور نیاز صاحب نے پہلے اس کی تحریر طبعاً اعتراض بھی کیا تھا۔ لیکن بعد میں انہوں نے مختلف اراحد مجھے دیکھ کے ساتھ کہنا چاہا ہے کہ ”ناپسندیدہ“ طریقوں سے اُسے اپنانے اور میری ساری محنتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی یہ سب کیسے ہوا، اس کا جانتا شاید دلہی سے خالی نہ ہوگا۔

- نگار کا سالنامہ ۱۹۵۶ء ”خدائمبر“ لکھنے سے پہلے میرے حسب ذیل مضامین نگاریں شائع ہو چکے تھے،
- ۱) آدمی نے لکھنا کیسے سیکھا جون سے اگست ۱۹۵۶ء تک۔
- ۲) اظہارِ اعداد کے طریقے زمانہ قدیم سے لے کر اب تک اگست سے دسمبر ۱۹۵۶ء تک۔
- ۳) مذہبِ عالم کی تخلیق اور قطب شمالی (نامکمل) اگست سے نومبر ۱۹۵۶ء تک۔
- ۴) پیداؤں عالم اور اساطیری روایات کا تقابلی مطالعہ دسمبر ۱۹۵۶ء
- ۵) فنِ تفسیر کی تاریخ (نامکمل) جون سے نومبر ۱۹۵۶ء تک
- جولائی سے دسمبر ۱۹۵۶ء تک۔
- مارچ سے اکتوبر ۱۹۵۶ء تک۔

اگر اسے خود ستائی پر محمول نہ کیا جائے تو یہ کہنے کو بھی چاہتا ہے کہ نیاز صاحب میرے مضامین سے بہت متاثر تھے، اسی لئے ۱۹۵۵ء میں جب انہوں نے ”خدائمبر“ نکالنے کا ارادہ کیا تو اس کا ذمہ داری میرے سپرد کرنا چاہی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن میں اس نمبر کی تیاری کے سلسلے میں نیاز صاحب کی خواہش پائی کہ امیر المومنین ملک لاہوری (دیکھنوں) نے کیا اعداد انہیں وہ تمام کتابیں دکھائیں، جن سے اس سالانہ کی تیاری میں مدد ملتی تھی۔ ان میں سے بیشتر کتابیں کتب محفوظہ (RESERVED) تھیں کتابوں کی کثیر تعداد کو دیکھ کر اُن سے منہ پر مطلب صراحت

اخذ کرنے میں جو غیر معمولی محنت کی ناپاڑی اس کے پیش نظر نیاز صاحب کو "خدا اعزّز نکالنے میں تامل ہوا اور بولے: مجھ سے بڑھا چاہے میں انہی محنت نہیں پہنکتی کیہاں آکر تب کتابیں پڑھوں ادا ستے ایک ٹاپ کی۔ اگر آپ اس کام کا پتہ ڈالیں تو میں "خدا اعزّز نکالوں گا۔" مذکورہ دوسرا نمبر نکالنے کے متعلق سوچوں گا۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں یہ کام مکمل کروں، لیکن میری دوشٹری میں ایک قیہ کہ "خدا اعزّز" رسالے کی صورت میں نیرز پرنٹ پشائع ہو چکا تھا۔ کئی صورت میں اچھے سید کا غریب شائع ہوا اور دوسرے یہ کہ پرنٹنگ آپ میرے نام سے چھپے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ پیش لفظ میں یہ لکھیں کہ "اگر اس حق صدیقی میری مدد کرتے تو شاید یہ سالانہ منظر عام پر نہ آتا۔" ظاہر ہے کہ آپ شہسوار ادیب ہیں آپ کی فہرت کے آگے میرا نام مانڈ پڑ جائے گا۔ نیاز صاحب اس پر لاشی ہو گئے کہ پورا "خدا اعزّز" میں عربی کوئی اور رسالے پر عرب کی حیثیت سے میرا نام دیا جائے گا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے یہ وعدہ کیا کہ وہ مجھے اس محنت کے لئے معقول سا دفعہ بھی دیں گے البتہ انہوں نے "خدا اعزّز" کو نکال دیا اور صورت میں شائع کرنے سے منع دیا ظاہر کی کہ انہوں نے اس طرح واکت زیادہ آتی اور نگار کے غیر ماردوں کو بھیجنے میں ذراک خرچ بھی زیادہ لگتا۔ بات معقول تھی اس لئے میں نے اس پر اعلان کیا۔

کچھ عرصے بعد میں نے نیاز صاحب سے ہا کر کہا: "آپ نے لاہوری میں جو کتابیں دیکھی تھیں، وہ سب پائی ہیں۔ یہ چند کتابوں کی فہرت ہے ان کا خریدنا نہایت فوری ہے تاکہ جدید ترین تحقیقات سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔" نیاز صاحب فہرت دیکھ کر خوش ہوئے اور بولے "فرد سگوار ایسے" اور اسی وقت سو روپے کا چیک لکھ کر دیا۔

میں نے ایک مقامی کتب فروش کے ذریعہ کتابیں منگوا لیں اور رسالے میں فروغ ہو گیا۔ اب میرا روز کا یہ معمول تھا کہ دفتر کے بعد سیدھا لاہوری پہنچتا اور جب تک وہ بند نہ ہو جاتی مختلف کتابوں سے نوٹس تیار کرتا۔ مجھے امیر الدولہ بیگ لاہوری کے علاوہ رام کرناشن اشرف دکنھڑ کے کتب خانہ سے بھی بڑی مدد ملی، جہاں ہندو مذہب کے متعلق کافی کتابیں تھیں میں ان دونوں کتب خانوں سے گھر بھی کتابیں پڑھنے کے لئے لایا کرتا تھا۔ گھر آ کر کھانے کے بعد سات بجے تک لکھنے پڑھنے کا سلسلہ جاری رہتا اور صبح کو ۶ بجے سے ۹ بجے تک بھی لکھتا پڑھتا اس کے بعد کھانا کھا کر دفتر چل دیتا۔

سالانہ کی تیاری کے سلسلے میں پہلا کام میں نے یہ کیا کہ مذاہب کی قدامت کے لحاظ سے معلومات کی ایک فہرت عرب کی اور عربی مذاہب پر سیدھا دار متعلق کتابوں کا مطالعہ کرنا اور مضمون لکھنا شروع کیا جب ایک لکھنا ان پر مضمون تیار ہوتا تو وہ تیار صاحب کے حوالے کر دیتا اور وہ اسے دیکھنے کے بعد کتاب کے حوالے کر دیتے یہ سلسلہ آٹھ نو ماہ تک جاری رہا یہاں تک کہ "خدا اعزّز" مکمل ہو گیا اور جب دس ماہ ہو گیا تو میں بڑی امیدوں کے ساتھ نیاز صاحب کے پاس پہنچا اور معاوضہ طلب کیا۔

میرا خیال تھا کہ اس شانہ معذ کی محنت کے لئے نیاز صاحب مجھے کئی سو روپے معاوضہ دیں گے کیونکہ وہ اس سے پہلے بھی مجھے لگاؤ میں لھانیا میں لکھنے کے لئے کئی سال سے خصوصی معاوضہ دیا کرتے تھے یعنی فی صفحہ ایک روپیہ لیکن بقول نیاز یہ معاوضہ نہ تھا بلکہ جن نامہ حالات میں میں کام کر رہا تھا، اسے ہا کر دیکھنے کے لئے میری دوستی میں نیاز صاحب نے صاف انکار کر دیا اور کہا: "معاوضہ کیا؟ جو کچھ مجھے دینا تھا وہ چکا۔ میں اپنے اس وقت کے جذبات کو ٹھیک طور سے بیان نہیں کر سکتا لیکن مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے میرے سامنے ایک ادیب اور عالم نہیں ہے بلکہ ایک سرمایہ دار ہے جو مزدور کے کس کی مزدور بھی نہیں دینا چاہتا۔ انہوں نے دعویٰ گفتگو میں یہ بھی فرمایا کہ "معاوضہ تو آپ کو تہ دیا، جب "خدا اعزّز" آپ کے نام سے شائع نہ ہوتا اس سے آپ کی کتنی فہرت ہوگی یہ سوچئے۔ میرے اور ان کے درمیان اور کیا گفتگو ہوئی۔ اس کا ذکر نہایت تکلیف دہ ہے۔ باہر میں انہوں نے کہا کہ "فی الحال میں باہر جاتا ہوں اور وہاں سے فانی پر کچھ اور دوں گا" اس کے کئی مہینے بعد جب میں ان سے ملے گیا تو انہوں نے ۵۰ روپے نہایت کئے لیکن یہ قسم ہا کر

سالہ نیاز صاحب کا سنہ پیدائش ۱۸۸۵ء ہے اور میرا ۱۹۲۱ء گزرا وہ مجھ سے عمر میں ۴۵ سال بڑے ہیں۔ میں نے نگار کا "خدا اعزّز" ۱۹۵۹ء میں لکھا تھا اس وقت نیاز صاحب کی عمر ۷۴ سال تھی اور میری ۲۶ سال۔

نیا فہم نے دنیا کے مختلف مذاہب کا تاریخی و حقیقی جائزہ لے کر بتایا ہے کہ مختلف مہدوں اور مختلف قوموں میں خدا کا تصور کیا تھا اسکا ہے۔ اس گھر سے جہاں میں لگاؤ کی وسعت مطلقہ اور مذاہب عالم سے ان کی گہری واقفیت کا اعجاز ہوتا ہے دلائل مذاہب پر لایا ماطر ملاء تھا آتا ہے ۔ (مجدد نامکمل ہے۔ غالباً یہ کہنا چاہتے تھے۔ جو کہیں ادا دستیاب نہیں ہو سکتا۔)

مجھے اگر تجھ سے جو تکلیف ہوئی، وہ بیان ہے باہر ہے۔ میں نے فرمان صاحب اور نیا صاحب کو کوئی خط لکھے کہ ایک تردید یا بین لگاری کسی قریبی اشاعت میں شائع کیجئے کہ لگاؤ کا "خانمبر" اسحق صہلانی کا لکھا ہوا تھا کہ نیا فہم کا ادب جب خانمبر دوبارہ شائع ہو تو اس کا خیال رکھیے کہ اس میں جو کچھ حقیقت سے میرا نام ہوا لگاؤ آپ نے اس نے کیا تو مجھے مجرماً اخبارات کے ضمیمہ صداقت کو بے نقاب کرنا پڑے گا جو علامہ نیا کے لئے کثیف ساقی کا باعث ہوگا۔ میں اپنی چیز کا اپنا ثبوت کرنے کے لئے لڑی ہوئی کا زور لگا دوں گا اور میرے پاس اس کے لئے کافی ثبوت موجود ہے۔ سیکرٹری میں علامہ نیا کے لئے بے پناہ عزیت ہے لیکن آپ لوگ مجھے اس بات پر مجبور نہ رہے ہیں کہ میری حقیقت اور عبت لغزت سے بدل جائے اور وہی نیا ان اسلم جو تباہی کی تحریف کے کسی نہ ٹھکانا تھا ان کے خلاف حرکت میں آئے۔ ظاہر ہے کہ علامہ نیا کی شہرت کو افسوسناک کر کے مجھے خوشی نہ ہوگی لیکن یہاں سال اندر جو شخصیت بستی کا نہیں ہے بلکہ یہ خیر و شر کی قدیم جنگ ہے اور مجھے امید ہے کہ آخر میں حقیقت پر ہی ہوگی۔

۱۳ اگست ۱۹۶۲ء کو نیا صاحب نے مجھے ایک خط لکھا،

"عزیزم، فرمان کے نام رجسٹری ملی۔ آپ کا اضطراب دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ خانمبر میں آپ کے نام کا اظہار کر دیا جائے گا اور آئندہ سب کے آئندہ میں بھی۔ فرمان صاحب کا ہر تھا کہ انہوں نے مجھ سے پہلے نیا فہم شائع کر دیا میں خود اب کسی کام کر نہیں دیکھتا۔ بالکل فرصت نہیں ہے۔ خانمبر آپ کو فروغ دے دیا جائے گا۔ نیا۔"

یہ خط مجھے ۱۳ اگست ۱۹۶۲ء کو ملا۔ اس سے بعد ذیل میں مجھے فرمان صاحب کا ایک تاریخ ملا تھا:

1915 APM 156 KARACHI 12 12/13
ISH-QUE SIDDIQUI 26 GWYNNE TALAB
LUCKNOW
DONT WORRY SEE NEXT ISSUE
FARMAN

ترجمہ :

۱۹۱۵ء پی ایم ۱۵۶ کراچی ۱۲/۱۳

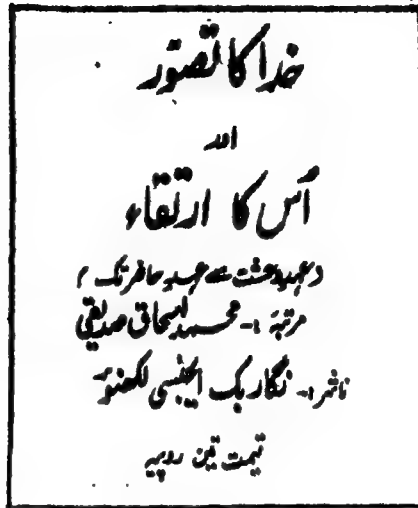
اسحاق صدیقی ۲۶ گوشن تالاب لکھنؤ

پریشان نہ ہوں۔ آئندہ شمارہ دیکھیے۔

فرمان

غالباً تاریخ دینے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ کہیں میں اخبارات میں ساما واقعہ نہ لکھ دوں۔ بہر حال فرمان صاحب نے ستمبر ۱۹۶۲ء یا اس کے بعد لگاؤ کے پیچھے میں کوئی بیان اپنی غلط فہمی کے بارے میں شائع نہیں کیا۔ مارچ ۱۹۶۲ء میں "خانمبر" کا حیدر ایڈیشن مل گیا جس کے دیکھنے سے

معلوم ہوا کہ نیا نصاب ضروری اصل تالیف میں ڈروٹی تبدیلی نہیں کی ہے لیکن ضرورت کے چند صفحات میں بعض اہم تبدیلیاں مصلحتاً کی ہیں۔ مثلاً :
سانہ در ۱۹۵۵ء کے اندر اس کی سرورق کے پہلے صفحہ کی عبارت حسب ذیل تھی :



اسی سرورق کے دوسرے صفحہ پر نیا نصاب نے "تعارف" لکھا تھا جو یہ ہے :

تعارف

۱۔ مذہب بڑے دلچسپ و وسیع مطالعہ کی چیز ہے، علم انسان، جغرافیہ، تاریخ
نسیات اور ہیئت و علم الجرم بھی علوم اس سلسلہ میں ہمارے سامنے آ جاتے ہیں۔

مذہب فطری چیز ہے یا فنی فطری، لیکن اخلاقیات مذہبی یقیناً فطری چیز ہے کیونکہ تمدن انسان کی تمدنی تعلیم و
ترقی اس کے بغیر ممکن نہیں۔

مذہب کی اساس خدا کے تصور پر قائم ہے اور گو وہ ایک منطقی نتیجہ ہے انسان کے جبل و جمہوری کا، لیکن کس قدر
عجیب بات ہے کہ اس تا کی وجہ اشتراک نہ انسان میں خود آگہی پیدا کی اور خدا کی جستجو نہیں خدا ایک پرہیز
گرا مذہب پرہیزگار نہیں لیکن اُس نے اپنے آپ کو فرض و سدھافت کر لیا۔

انسان کا جمادات، نباتات و حیوانات سے گزرتے ہوئے مجرود مکس پرہیز گارانہ فطرت کے راز پرستہ رازوں کو وہ خدا کا
دینا عقل انسانی کا چٹا گلہاں ہے، لیکن انسان کی اس منزل تک صرف خدا کی جستجو نے پہنچایا۔

شاہد عالم کا قابل مطالعہ و حاصل بخشنا ہے، تاریخ و ماضی کے پیرائے واسطے
نفسیاتی رجحان کا مطالعہ ہے اور اس لئے نگاروں کی پسپا دل اپنے اندر کھتا ہے۔

مہر قیام کے کلید حاضر تک الہ ان کے کس طرح خدا کا تصور کیا، اس راہ میں اس نے کتنی محنتیں کیں
اور پھر کس طرح آہستہ آہستہ وہ کائنات پر چھا گیا یہ داستان بہت مختصر و طویل ہے، لیکن یہ انتہا دلچسپ اور
انہیں منتشر اجزاء کو ہمارے عزیز دوست محمد اسماعیل صاحب مدنی نے یکجا کر کے اس مہذب میں شائع کیا ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ اس موضوع پر کبھی ایسی کتاب لکھی گئی ہو جس میں اتنی جامع و وسیع کتاب اس سے قبل شائع ہوئی ہو اور قابل مطالعہ
یقیناً قابل مبارک باد میں کہ انہوں نے غیر معمولی محنت و توجہ سے کام لے کر بہت مختصر لہذا میں ایسی قیمتی چیز پیش
کئے۔ زبان کی پیش ہمارے خدائے نام دعا۔

نیا د

۱۹۶۲ء کے لاکھ لاکھ لکھ میں نیا د صاحب نے یہ محنت کی کہ ہندوئی سرودھ کے پہلے صفحہ سے بیرون نام پر قائم اٹا دیا اور ان کے آخوی دھرم پر لکھ کے لکھ لکھ
ہیں میں یہ لکھ کر ہے نکال دئے لیکن اب سرودھ کے پہلے صفحہ کی عبارت صاف ہے۔

خدا نمبر نگار پاکستان

برائے
نیا ز قیام دہری

قیمت فی کاپی
تین روپے

نیم سالانہ
دس روپے

نگار پاکستان ۳۲ گارڈن مارکیٹ کراچی ۳

(راہنما فروغ احمد کھنڈ)

نیا د صاحب کی اول نگار کا یہ نمبر ہے، جس پر مجھے نظر پڑا ہے کہ ان کی شخصیت سماجی زندگی کی طرح - بڑی عجیب - نظر آتی ہے! اتنا شہرہ اور دوسرا
نیا ز قیام دہری کے یہاں شعر و سحر کے مسائل میں بڑی کوشش کر رہی ہیں اور انہوں نے بعض اوقات دشواری کے درمیان پہنچ کر گنت ہی کرتے ہیں، لیکن
اس کے ساتھ ایسے چکا چاند اعتراضات بھی کر رہے ہیں، جن سے ان کے مشمولہ نقد کے ارسطو میں ہی ملے قائم ہوتے ہیں۔

اسلام آباد نکلنا شروع ہوا ہے تو مولانا ابوالکلام آزاد کو آجینا آندے گئے تھے، نیا د قیام دہری اس سب سے متاثر ہوئے ہیں تو ان کی قیام دہری میں

ہے، لکھتے ہیں۔

— دنیا نے شاعری شکل سے ایسے اباؤں سے پیدا کیا، بیان بزرگ اس عبارت انہی کی مثال پیش کر سکتی ہے۔

— میرے کائنات سے استبعاد حقیقی ہے،

— جسارت مستور اور سلاست مغالی حمد لکائی۔

اس لئے نگاہ میں انہوں نے سہا دیندہ بلکہ کم طرز نگارش کا اثر شروع شروع میں قبول کیا، جن کے یہاں "احتسابات و استنباطات" جیسے بوجھیں الفاظ اور فنی ترکیبیں تھیں اس کے بعد نیاز صاحب کا اسلوب تحریر میں ادب میں ہو گیا، وہ کوئی نیک نہیں، اچھے انشا پرداز نہیں مگر سرسید، شبلی، نعمانی، حالی، ابوالکلام آزاد، عبدالمجید دیوبادی اور آغا جیدین کی طرح "صاحب طرز" انشا پرداز نہیں ہیں! نیاز — خسر و افش میں قافی عبد الغفار کے درجہ کے ادیب اور صاحب قلم ہیں — نیاز صاحب کے یہاں ایسے ہر جملے بھی ملتے ہیں — "وہ! نکلیں جن کی گڑائی میں سہل کا حق ڈھپ جاتا تھا" مگر قاضی عبد الغفار کی تحریریں اس قسم کے اہمال سے پاک ہیں۔

نیاز صاحب کے نام کے ساتھ بعض لوگ "علامہ" لکھتے ہیں یہ غلط قسم کی معریت ہے، "علامہ" کے لئے جس جامع قابلیت اور علم و فضل کے لوازم ضروری ہیں۔ ان سے نیاز صاحب بڑے حد تک گورے تھے، ان کو "مولانا" بھی نہیں کہنا چاہئے کہ "مولانا" کے لئے لازمی شرط ہے "دین و مذہب" کا رنگ اللہ بعض اختیار کرنا۔ مگر نیاز صاحب نے اس کے برعکس اپنی زندگی کا خاصہ حصہ دین و مذہب کی تنقیص و تکذیب میں گزارا اور اس دوش و رنگ کا خاک اڑایا۔ نیاز صاحب اس کا سلیقہ رکھتے تھے کہ کسی نثر پر کوئی کتاب یا مقالہ پڑھا اور اس کا خلاصہ اور دین میں منتقل کر دیا، نگار کے "باب المراسلات" میں جانے کتنے مقالات انہوں نے مرتب کئے، اور خود ہی جواب دئے، اشتائے کی اور روزمرہ کے برتنے کی چیز "دیا سلائی" ہے۔ مگر اس کی تاریخ کون جانتا ہے؟ انسا میکرو پیڈیا یا اس قسم کی دوسری کتابوں اور قاموسوں میں "دیا سلائی" کی تاریخ مل سکتی ہے، اب کوئی شخص انسا میکرو پیڈیا میں دیا سلائی کی تاریخ پڑھ کر اپنے سالہ میں دیا سلائی پر کسی فرضی نام سے استفسار کرے اور جواب میں انسا میکرو پیڈیا کی عبارت کا ترجمہ حالہ کے بغیر درج کر دے تو ایسے ناقل اور مترجم کو محقق ہرگز نہیں کہہ سکتے! ان! جن لوگوں کا مطالعہ محدود ہے یا معذور نگار کی قابلیت و استعداد سے واقف نہیں ہیں وہ ضرور معروپ ہو جائیں گے! ابھی حالی نیاز فقیر کی "باب المراسلات" والی تحریروں کا ہے! جن کو پڑھ کر لوگ انہیں علامہ اور محقق سمجھ گئے ہیں ایک تروہ شخص ہوتا ہے جو کسی فن میں عبور یا ادب رکھتا ہے اور ایک شخص وہ ہے جس نے کسی فن پر کوئی معنی یا کتاب پڑھی اور بڑے اس کی سمجھ میں آئیں انہیں اپنی زبان میں منتقل کر دیا، نیاز صاحب کا شمار بھی اسی دوسری صف کے لوگوں میں ہوتا ہے، اشتائے فن عروض ہند بہت کچھ لکھتے رہے ہیں مگر اس کی زیادہ تر زوہد عروض کی کتابوں سے اخذ و نقل کی ہے! اگر وہ عروض جانتے ہوتے تو باخبروں کے ایک ایسے تجربہ کار کی دیا چر میں تعریف نہ کرتے جس کی ڈیڑھ سو دیا چروں میں کم از کم ۸۰۰ دیا چروں کا قضا و لزلہ ہیں۔

نظام دوسری کا تذکرہ کھانا قرآن کے ہاں ہے میں ایک دفعہ معمرن یا کتاب پڑھا حالات کی تحقیق نہیں کی، اس ناقص مطالعہ اور دوسری معلومات کا یہ نتیجہ نکلا کہ اول تو کثرت حوا کا نام غلط لکھا ہے چونکہ تجرود بتایا حالانکہ نظام دوسری کی شادی بھی ہوئی اور اولاد بھی! ان! یہ ضرور ہمارا کہ ان کی اولاد نہ نہیں دی۔ نیاز فقیر کی زندگی کا یہ زیادہ انفسر ناک اور قابل خدمت و بیزار ہی پہلو دین کی مخالفت و تکذیب اور تردید ہے! ان کی تاریخ پہلو تختہ پر ولے نہ جانے کتنے زبوروں کو گمراہ کیا اور ان کے اندرون سے ایجاد اور نفرت پیدا کر دی!

نیاز صاحب زوہد میں ڈاڑھی رکھتے تھے، نماز روزے کے ٹپسے پابند تھے، جس زمانے میں وہ میخ الملک اجم خاں مرحوم کے صاحبزادے ہیں خاں کے ولی میں آتا ہیں تھے، تو ملا حامد دہلوی کا بیان ہے کہ نیاز صاحب کے ڈاڑھی بھی اللہ نماز کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ پھر نہ جانے کسی مولوی کے ساتھ ان کا کیا معاملہ پیش آیا کہ مولویوں کے شدت کے ساتھ مخالف ہو گئے اور یہ مخالفت جو مولویت کی تردید سے شروع ہوئی ہے، فقہ حدیث، قرآن، خدا، انبیاء، ملائک، نماز، روزہ..... کی تنقیص و توہین کی حرکت پہنچ گئی، انہوں نے یہ تلک لکھ مارا! —

”کلام مجید کو نہ میں کلام خدا سمجھتا ہوں، نہ الہام تہائی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں۔۔۔۔۔“
(نگار، ماہ جون سنہ ۱۹۷۲ء)

میں نہیں معلوم کہ ان لکھنؤ اسکالرز نے کیا بات سے انہیں توبہ کی توفیق نصیب ہوئی یا نہیں، ان کی طعنائہ تحسیروں پر جب مسلمانوں نے لکھنؤ میں احتجاج کیا، تو معاشرے کے دباؤ میں آکر انہوں نے باقاعدہ توبہ نامہ اپنے سارے میں چھاپا۔ اگر وہ اپنے اس عہد پر حق نہ نہ رکھے اور پھر اُسی بیدینی والہاؤ کی اشاعت و تبلیغ شروع کر دی۔

مگر کے آخری حصہ میں نیا دفعہ پوری کے تعلیم کو یہ لکھ بھی لگ کر دی کہ انہیں ”قادیان“ بلایا گیا، وہاں ان کی خوب آؤ بھگت ہوئی اور اس جہان نوازی اور یرغرافی میں خالی عزت و تکریم ہی نہیں، فقر و فاقہ بھی شریک تھیں، قادیان میں کس کس کرم و نوازش کا اجر انہوں نے بدلہ اس طرح ادا کیا کہ اپنے محلہ ”گلا“ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی خوب خوب تحسینیں کیں اور اس حلیف بہت ادنیٰ کا ذب کو۔ عاشق رسولؐ تک لکھ دیا۔

نیا دفعہ پوری نے متحدہ ہندوستان میں مسز اینی بسنٹ کی ہوم رول کی تحریک سے لے کر، خلافت، کانگرس اور مسلم لیگ کے تمام دغا بازیوں کو دیکھ کر دیکھ کر، وہ جہدیت اور مطلق العنانی، آزادی اور دفعہ کے فرق کو اچھی طرح جانتے تھے، اُن کو یہ بھی معلوم تھا کہ کرسی اقتدار پر کھ سہنے کے لئے کیسی سی حکمت عملیوں سے کام لیا جاتا ہے، پاکستانی عوام کے فتنوں سے بھی وہ اچھی طرح باخبر تھے، انگریز کے جو دستہ ادا داس کے پاس ”تھکنڈل“ کا بیج اُن کو دینے کے لئے بھیجا تھا۔ مگر پاکستان میں آکر اُن کا قلم حیرت فک کے مقابلہ میں زیادہ تر مصلحت شناسی ہی رہا، خوف یہ تھا کہ اگر اُن کا دغا رائے کو استعمال کیا گیا تو اردو ترقی پورڈ، نیشنل میگزین اور دغا نامہ ”بلک“ سے جمالی فائدہ کا تعلق ہے وہ خطرے میں پڑ جائیگا، اسی فائدہ دین اور فک کے باغیوں کو حکومت و سیاست کے معاملے میں متحدہ اردو بے باک دیکھا گیا ہے مگر نیا دغا صاحب ۱۰۰۰۰۰۰۰۰

کامیابِ مطب کی چند خصوصیات ہیں..... مثلاً

● تفصیص پر احساس ذمہ داری کے ساتھ غور و فکر ہو۔ ● تجویز نسخہ میں فنی مہارت اور مرئیں سے ہمدردی کا جذبہ کار فرما ہو۔

● دماغ ایسی ہوں جو صحیح اجزاء سے تیار کی گئی ہوں۔

یہ ہر سہ بنیادی امور۔ اللہ ذوالجلال ہوشیاری مطلق ہیں کے اذن سے مرئیں کی شغلیابی (اور

مطب کی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔

ہم پورے اطہمینان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ”مطب اشرف“ انہی خصوصیات کا حامل ہے۔ اسباب تک پاکستان کے ہر علاقے کے مریض

اس مطب سے شغلیاب ہو چکے ہیں۔ اگر آپ بھی طبعی مشدہ کی ضرورت محسوس فرمائیں تو آپ

مطب اشرف کی جانب رجوع فرمائیں جس کی گواہی ہر ماہ سلامت پاکستان کے اسمبلیب مولانا حکیم عہد الرحیم اشرف۔ خود فرماتے ہیں۔

یہ دہات کے مرئیں مفصل حالات لکھ کر شدہ مفت حاصل کریں یا سوالنامہ طلب فرمائیں۔

مطب اشرف اشرف منزل نزد جامع مسجد جناح کالونی لائل پور۔

تضمین

ڈاکٹر انعام حسن حرکیف ماہر ہمدردی

جناب انعام حسن میڈیکل کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے فائنل انٹیمس (M.B.S.) ڈاکٹر ہیں۔ ان کے لکھنے کے علاوہ خاص بصیرت، تجزیہ، اندیشہ رکھنے میں، شعروادیکھا نقد اور زبان میں کثرت اپنے قابل فخر واقعہ حضرت مولانا احسن ماہر دہلوی مرحوم سے ملتے ہیں پائی ہے! بعض اوقات شعر پڑھتے ہیں کہ کئی سکڑ ٹیک سینے والی کو تلفظ کی اماگی کا انتظار کتنا پڑتا ہے! انسان کے مزاج و فطرت میں یہاں اسلوب و لطف و تفسیر کا سبب بن جاتی ہے۔
یہ ایک عجز کی انہوں نے تضمین کی ہے جو تائید خدائے نہ کا مزہ ہلکے خیال سے دہچ زیل کی جاتی ہے! (دم-ق)

میری ہنسی ہنسی نہ سہی، گل پھنسی سہی
دعشت سہی، جہنم سہی، اے خودی سہی
دل پر جو ہاتھ ہے، یہ گریباں دردی سہی
اُن کی خوشی ہی ہے تو اچھا لڑی ہی سہی
الفت کا نام آج سے دیوانگی سہی
بیتھا ہوں لڑ پڑا کے اسمبلی کا انتخاب
ہر چند نامراد ہوں پھر بھی ہوں کامیاب
کوشش تو کی ہے کوشش برباد ہی سہی
میرے نفس نفس ہیں ہے اک طرف بے کلی
کافی نہیں حضور تبسم کی چاشنی
بیٹھے ہوئے ہیں آپ جو روکے ہوئے ہنسی
چغزلوں کے دل سے پوچھے لطف کی گنگنی
باد صبا یہ تہمت آوارگی سہی
نکمر سن کی سانپ زخمی ہے جو کھرل
شاید اسی طرح یہ بلا کر جائے ٹل
گہا ہے شوق رنگ کوں کیوں اس میں مل
جب پھر گئی ہے کاکلی شب رنگ کی غزل
ایسے میں اک قصیدہ فساد ہی سہی
تاہر بھی اے عولین ہے مجھ کو اب و گل
تاہر کی نظر ٹولیں ہے اک مشن منفعیل
جس کا مزاج خشک دتر، بلکہ مستدل
تاہر سے اجتناب نہ فرمائیں اہل دل

(اچھوں کے ساتھ ایک گنہگار بھی سہی)

باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا ————— کورا اور دھلا لٹھا

ہر قسم کا دھلا کاتیار ہوتا ہے
باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کاتیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد

پاکستان کی صنعت کی قدر

حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

مولانا ابوالکلام آزاد

روحِ انتخاب

ماہِ ربیع الاول

آرامِ از کہ در سینہ نہا نست نہ وعظ است
بردار تو ان گفت و بہ منبر نہ تو ان گفت

ماہِ ربیع الاول کا دوسرا دہرہ ہے جسے دس مرتبہ کا ایک پیغام عام ہوتا ہے۔ کیونکہ تم کو یاد آجاتا ہے کہ اسی مہینے کے ابتدائی ہفتوں میں خدا کا رحمت عامہ کا دنیا میں ظہور ہوا اور اسلام کے داعی برحق کی پیدائش سے دنیا کی دائمی علمِ ایلہیہ یا اللہ پرستشیاں ختم کی گئیں صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ و صحابہ و سلمہ تم خوشیوں اور مسرتوں کے دلولوں سے معمور ہو جاتے ہو تمہارے اللہ خدا کے رسولِ برحق کی محبت کو پیشگی ایک بیخودانہ جوش و خروش پیدا کر دیتی ہے تم اپنا زیاد سے زیادہ وقت اسی کی یاد میں، اسی کے تذکرے میں اور اسی کی محبت کے لذت و سرور میں بسر کرنا چاہتے ہو۔

تم اس کے ذکر و فکر کی مجلسیں منعقد کرتے ہو ان کی آرائش و زیبیت میں اپنی محنت و مشقت کی کمائی ہے دینے لگتے ہو خوشبو و اسادتر و تازہ پھولوں کے گلے سجاتے ہو۔ کافرین و کفاروں کے خوب صورت فالوں اور برقی روشنی کے بکثرت سمیٹے روشن کلمے جو، عطر و گللب کی ہلک اور اگر کی بٹنوں کا بزمِ جب الہوان مجلس کی بھی طرح ہو کر دیتا ہے تو اس وقت جسے دشا کے محروموں اور دوسروں کے مقدس توافوں کے اندر اپنے محبوب و مطلوب مقدس کی یاد کو ڈھونڈتے ہو اور بس اوقات تمہارا آنکھ کے آنسواں تمہاری ہر محبت و دل کی آہیں اس کے اسم مبارک سے وابستہ عشق کرتیں اور اس کے عشق سے عجاہات روحانی حاصل کرتی ہیں۔

پس کیا وہ مبارک ہیں وہ ولی جنہوں نے اپنے عشق و شغف کے لئے رب السموات والارض کے محبوب کو چنا اور کیا پاک و مطہر ہیں وہ زبانیں جو سید المرسلین اور محدثی العالمین کی مدح و ثنائیں نہ مزمعہ ہوتیں!

مصلحت و مین آنت کہ یا ساں ہر کار

بگذارند و قسم طرہ یار سے غیر بند

اہل نے اپنے عشق و شغف کے لئے اس کی محبوب کو دیکھا جس کو خود خدا نے اپنی چاہتوں اور محبتوں سے متا دکیا۔ انسان کی زبانوں نے اس کی مدح و ثنا کی جس کی مدح و ثنائیں خود خدا کی زبان، اس کے ملائکہ اور قدوسیوں کی زبان ان کی شریک و ہم نوا ہے۔

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما

خدا کی الوہیت و ربوبیت جس طرح و حد و اثر کی ہے کہ کوئی ہستی اس کی شریک نہیں۔ اسی طرح اس انسان کا اس کی الٰہیت اعلیٰ الٰہیت کبر

بھی وعدہ لاشریک ہے کیونکہ اس کی انسانیت و وحدیت میں کوئی اس کا سا بھی ایسا لہاس کے حسن و جمال و فراوانیت کا کوئی شریک نہیں۔

وَنَزَعَ عَنْ شَرِيكَ فِي عَاسِنَه

بَجَوْهَرِ الْحَسَنِ فِيهِ غَيْرُ مُقْتَصِرٍ

یہ وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں تم دیکھتے ہو کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کہاں کہیں کیا گیا وہاں ان سب کہاں کے ناموں سے پکارا ہے اور ان کے واقعات کا بھی ذکر کیا ہے قرآن کے ناموں کے ساتھ کیا ہے لیکن اس الٰہان کامل اس فرد اکمل، اس صفاتِ وحدیت کے وعدہ لاشریک کا اکثر مقامات میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ نہ تو اس کا نام لیا گیا اور نہ یہ کسی دوسرے وصف سے نامزد کیا گیا بلکہ صرف حمد کے لفظ سے اس کے پروردگار نے ایسا مقدس و انحصاریت و امتیاز سے اسی حقیقت کو واضح کر دیا کہ اس وجودِ الٰہی تھا کہ اس وجودِ الٰہی کی وحدیت اور ہندگی اس وجودِ آخری و مرتبہ تصور ہی تک پہنچ سکتی ہے جو الٰہانیت کی انتہا ہے اور جس میں اللہ کوئی عباد اس حد تک لاشریک نہیں ہیں پس وحدیت کا فرد کامل وہی ہے اور اس لئے بغیر امتیاز و نسبت کے صرف "عبد" کا لقب اس کے ناموں اور علموں کی طرح پہنچنا لغتاً ہے کیونکہ تمام کائنات ہی میں اس کا سا اور کوئی عبد نہیں!

پس جن کی تقدیریت و وحدیت کا یہ مرتبہ ہوا اس کی یاد میں جتنی گھڑیاں بھی کٹ جائیں اس کے عشق میں جتنے آنسو بہ جائیں، اس کی محبت میں جتنی آپس بھی نکل جائیں اللہ اس کی مدح و ثنا میں جس قدر قصیدے زبانیں زمر و مرثیہ پڑھیں، الٰہانیت کا حاصل، روح کی سعادت، دل کی طہارت، زندگی کی پاکی اور بانیت و اہلیت کی پادشاہی ہے۔ وَلِلّٰهِ مَدَامُنَا قَالِ !

ملاہ تو بہرہ قدم کہ پابند خوش است

وصل تو بہر سبب کہ جو بند خوش است

دوئے تو بہر دیدہ کہ پسند نگو است

وگر تو بہر زبانی کہ گویند خوش است

تم بیچ الاول میں آنے والے کی یاد اور محبت کا دعویٰ رکھتے ہو اور مجلسِ مشفقہ کے اس کی مدح و ثنا کی حد میں بندہ کہتا ہے لیکن تم بھی یہ یاد نہیں آتا جس کی یاد کا تمہارا زبان دعویٰ کرتا ہے اس کی فروشی کے لئے تمہارا ہر عمل گواہ ہے اور جس کی مدح و ثنا میں تمہاری حد میں بندہ زمر و مرثیہ پڑھتا ہے اس کی عزت کو تمہارا وجود و ثبوت دہا ہے وہ دنیا میں اس لئے آیا تھا کہ انسانوں کو الٰہانیت کی بندگی سے ہٹا کر صرف اللہ کی وحدیت کی ہر اہل مستقیم پر چلائے اور غلامی کی ان تمام زنجیروں سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دے جن کے بڑے بڑے بوجھ ملنے انہوں نے اپنے پاؤں میں ڈال لئے تھے۔

يُضِحُّ اَصْحٰرَهُمْ وَالْاَغْلَالُ الْعَنِي

سَكَاتٌ عَلَيْهِمْ -

وَالْقُرْآنُ ()

اس نے کہا کہ اطاعت صرف ایک ہی ہے اور حکم فرمان صرف ایک ہی کے لئے مبرا و واجب ہے۔

اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ (القرآن) حکم و طاقت کسی کے لئے نہیں مگر صرف اللہ کے لئے۔

اس نے سب سے پہلے ان کو اس کی چھٹی ہوائی وحیت واپس دلائی اور کہا کہ مومن نہ گریبا و دشمنوں کی غلامی کے لئے ہے نہ کافروں کی اطاعت کیلئے نہ کسی اور انسانی طاقت کے آگے جھکنے کے لئے، بلکہ اس کے سر کے لئے ایک ہی جو کھٹ، اس کے دل کے لئے ایک ہی عشق، اس کے ہاؤں کے لئے ایک ہی طریق اطاعت ہے۔ وہ جھکا ہے تو اسی کے آگے، رہتا ہے تو اسی کے لئے، اعتماد کرتا ہے تو اسی کی نافرمانی، خدا اور خدا ہے تو اسی کی بیعت سے، امید کرتا ہے تو اسی کی رحمت پر، وہ مشرک نہیں ہے کہ خدا کی طرح ان لوگوں کو بھی بیعت اور تعبدیت کی صفت بخٹے۔

پس اگر بیچ الاولیٰ کا مہینہ دنیا کے لئے فرضی و مسرت کا مہینہ تھا، تو صرف اس لئے کہ اس مہینے میں دنیا کا وہ سب سے بڑا انسان آیا۔ جس نے مسلمانوں کو ان کی سب سے بڑی نعمت یعنی خدا کی بندگی اور الہیوں کی آقا کی عظافت اور اس کائنات کی خلقت و نبات کا لقب دے کر خدا کی ایک پاک و محترم امانت عطا فرمائی۔ پس ربیع الاول الہی صلیت کی پیدائش کا مہینہ ہے خدا کی موت اور ہلاکت کی یادگار ہے خدا نوح الہی کی بخشش کا اور یسوع مسیح کے مہینہ ہے۔ و ملائکہ ارضی کی تقسیم کا اولین اعلان ہے اسی ماہ میں کلہرے حق و عدل زندہ ہوا اور اسی میں کلہرے ظلم و فساد اور کفر و ضلالت کی لعنت سے خدا کی زمین کو نکالتی ملی۔ پس اس مہینے کے آغاز کی فوجی اور اس کے تذکرہ و یادگاری کی لذت ہر اس شخص کی روح پر حرام ہے۔ جو اپنے ایمان اور عمل کے اندر اس پیغام الہی کی تعمین و طاہت اور اس اس مہینے کی پیروی کے لئے کوشش نہیں رکھتا۔ فیئسما وی الذین یستمعون القول فیئسبعون احسنہ آو لئک الذین ہدایم اللہ و اولئک ہم اولوالالباب۔

جلی کا دیوبند حاصل مطالعہ نمبر

- ایسے منتخب مضامین کا مجموعہ جو آپ کے لئے منتخب نامہ و ثابت ہوں گے۔
- تلفظ یہ ہے کہ جلی کے مستقل عنوانات مثلاً تحقیق کی ڈاک اور تسبیح سے جلی نہ تنگ بھی اس میں موجود ہیں گے۔
- لٹرائین عربیہ کی اس نمبر کے صفحات پر ایک ایسے ڈائیو سے داخل ہوا ہے کہ شاید دور دراز تک آپ اسے نہ بھلا سکیں
- اس مختصر مطالعے میں تمامات کی تلاش کہاں بھی نہ کیجیے
- گوہر طرح کو رنگ بھلی نے آپ کو باؤس نہیں کیا انشا و اللہ فیئ
- جلی آپ کے ذوقی مطالعہ کے لئے خاصے کی چیز ثابت ہوگا۔
- جلی کے سالانہ خریداروں کو یہ نمبر مفت ملے گا۔ آپ آج ہی آٹھ روپے بھیج کر سالانہ خریداریں سکتے ہیں۔
- قیمت تین روپے ہوگی۔ جو حضرات سالانہ خریداریں بغیر تنہا بھی نمبر حاصل کرنا چاہیں وہ ڈاک غریب ملا کر سارے چلے روپے روانہ فرمائیں۔
- انجنت حضرات حق جولاں تک اپنی مطلوبہ تعداد سے دفتر کو آگاہ کر دیں۔ تاخیر مناسب نہ ہوگی۔

منیجر مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو۔ پی)

آدمی کے بار پر جا

نہ پکڑے



آدم جی کاٹن ملز لائڈھی کراچی

ہماری نظریں

حیاتِ فخر تالیف: جناب شائق احمد خاں، ضخامت ۸۸ صفحات (مجلد رنگین و دلکش سرسبز، کتابت و طباعت دیدہ زیب) قیمت پانچ روپے، اٹلے کا پتہ: ۱- غنیمت منزل، ۱۰۸ ٹری، ماڈل ٹاؤن لاہور

بولنگ حیدر آباد دکن کے حالات اور تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کو نواب غازی بیگ بہادر مرحوم کے نام اور شخصیت سے غور و تأمل ہونا چاہئے۔ نواب صاحب مرحوم کی بیانت، فرض شناسی اور خدمات سے ”غریب الملش“ کی حیثیت اختیار کر لی تھی، صاحب مرحوم اپنی ذاتی قابلیت اور محنت و جدوجہد کی بدولت دہرہ بدرہہ ترقی کرتے ہوئے خدماتِ مالیات کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہو گئے، نواب صاحب مرحوم کے خلیفہ جگر آباد خان فرزند جناب شائق احمد خاں صاحب نے اپنے والد کے سامنے حیاتِ فکر کرنا وعدا دی ہیں۔ ”ہرگز ان کی صفت میں قابلِ تدا صد اضافہ کیا ہے۔“

شائق احمد خاں صاحب حکومت حیدر آباد دکن کے فکر و مواصلات کے سب سے بڑے افسر تھے، ۱۹۴۵ء میں پاکستان میں اینٹن جرنل ہلے حیدر آباد کی حیثیت سے ان کا تقرر ملا۔ ان کی سالانہ ملازمت میں ۱۰ سال تک میں شریک رہے، ان کے فرائض کو دیانت و قابلیت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ عربی کا شہر غریب الملش۔

”الولاء مشی لابیہ“

شائق صاحب کی ذات اور شخصیت و مہارتِ آتی ہے بہت سی خوبیوں میں وہ اپنے نام و باپ سے ملے جلتے ہیں، خاص طور سے دینداری اور غیر پسندی باپ بیٹے دونوں کی زندگیوں میں تدریجاً مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس کتاب کے سولہ (۱۶) باب ہیں، کتاب کا اختتام ”فہمہ جات“ پر ہوتا ہے، اچھے باب میں لائقِ مروت نے اپنے خاندان کے حالات بیان کیے ہیں، دوسرے باب میں انہوں نے اپنے دماغ و فاضلہ خاں بہادر مرحوم احمد خاں شیر مال بیات جہول و شیر کی زندگی اور سوانح حیات پر روشنی ڈالی ہے اس کے بعد کے ابواب میں نواب غازی بیگ بہادر کی سیرت پر سے دلچسپ اعداد و اشیاء پیش کی ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے سے حکومت حیدر آباد دکن کی داخلی سیاست، علاقائی سازش اور فحری رقابت کا بھی آگاہ ہوتا ہے، یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ صاحب سیرت (نواب غازی بیگ) نے سخت سے سخت آزمائشوں میں حق و صداقت کا دامن اتارے نہیں چھوڑا، اہلِ ائٹھ خاں کے فضل سے سچائی کی آغوشِ رحمت ہوئی، نواب صاحب مرحوم کی عائلی زندگی بڑی خوشگوار تھی، میری بچوں سے انتہا مددگار لگاؤ اور محبت و شفقت، نواب صاحب کی عمر پچاس سے بھی کم تھی، جب ان کی بیگم صاحبہ کا انتقال ہوا، مگر انہوں نے دوسری شادی نہیں کی، ان کی محبت و مہربانی کو دلائی و تہنیت میں صرف ہوئی۔

نواب صاحب مرحوم کی مذہبیت اور دینداری کا ایک واقعہ: ۱۔

”ابا جان کی نماز میں پابندی حیدر آباد میں غریب الملش بن گئی تھی، نماز کے وقت خواہ وہ کسی جگہ ہوں، بلا تکلف نماز ایت

باندھ لیتے تھے، ایک مرتبہ بہادر گورکھ پٹا دیمین السلطنت سے ملنے کے بعد احوال سے عاں آ رہے تھے، مغرب کا وقت

آیا تو ڈرائیو کر ڈرائیو کر گھر پہنچا، گھر پر کھانا پڑا، ڈرائیو نے عرض کی کہ فرائض کی مسافت باقی ہے گھر پر کھانا پڑا۔“

لیجے گا، آپا جان نے فرمایا — کیا معلوم اگلے لمحے ہی سے مرگ نکلا جائے اور میں زندہ سلامت اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچوں، اپنی نماند کے فخر ہونے کا خطرہ کیوں مول لوں، چنانچہ وہیں بزرگ پر ہی اتر کر جھل میں نماز پڑھی؟

اس آخرت فراموش حدیث قویہ باتیں — معجزہ اور کلمات — معلوم ہوتی ہیں !

باپ کی سیرت بیٹے نے کبھی ہے مگر اقوام و حقیقت اور محبت کی شدت نے مبالغہ کا رنگ اختیار نہیں کیا، بڑی ذمہ داری اور فوق کے ساتھ حالات قلمبند کئے ہیں اور گفتار مقامات پھا دیوں کے نام تک مدح کر رہے ہیں۔

”موسیٰ رے بان“ (دس، ۱۱) صحیح تلفظ ”موسیٰ ریل بان“ ہے — ”نہا نہیں یاد ہو جگ بھی اپنے بیٹے بہا دھال کا اپنے ساتھ لائے تھے (من)“
 نواب بہا دیر بجنگ کے والد کا خطاب ”نواب نصیب یاد ہو جگ“ تھا — ”انہیں وہاں لٹے کٹے آئے“ (دس، ۲۲) ”اُن سے وہاں لٹے کٹے آئے“
 صحیح و دمر ہے — ”اُن کے عملی جذبہ سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کی“ (دس، ۲۳) ”استفادہ“ کے ساتھ ”حصول“ زیادہ ہے، ”استفادہ“ میں فائدہ اور نفع حاصل کرنے کا ضمیر موجود ہے،

”سیات غفر“ سیرت نگاری کا اچھا نمونہ ہے، اس کے مطالعہ سے دل و دماغ خیر و نیکی اور شرافت و خلافت کی کاثر قبول کرتے ہیں، جناب شیخ احمد خاں صاحب کی کوئی ادبی تفسیر اس سے پہلے ہماری نگاہ سے نہیں گزری، یہ کتاب اُن کی ان پر مدای کے پورے آئینہ دار ہے، جس سے اگر وہ بدو شعور ہی سے کام لیتے تو اُن کا شمار اُردو زبان کے مشہور اہل قلم اور ادیبوں میں ہوتا۔

تذکرہ زندان

از — نور علی شاہ وایم، اے، ایل، ایل بی، صفحات ۱۶۶، قیمت ست ایلین چھ روپے، ماعلی ایڈیشن (معہ طالع کرم) دس روپے۔ طبع لاہور۔ مکتبہ چراغ ماہ کلاپی ۱۲، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۳۔ سی، شاہ عالم ایکٹ لاہور

۶ جنوری ۱۹۶۶ء کو پاکستان میں یہ المناک سانحہ پیش آیا کہ پاکستان کی سب سے بڑی دینی اور اخلاقی تنظیم ”جماعت اسلامی“ کو خلیفہ کوئی قراہی گیا اور اس کے کارکن گرفتار کر لیا گیا، یہ بد فہم غرضیہ صاحب بھی انہی بلاغت و محبت اور اسیرائی حق و صداقت میں شامل تھے، اُن کی اسیری کی مبادیہ ۱۹۶۶ء کے شروع ہوئے۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو ختم ہوئی اور جلیانے انکشاف کے اس اقدام کو غلط قرار دیا۔

اس کتاب کو خوشی سے سنا سنا اپنے چھوٹے بھائی — انیس — کے نام منون کیا ہے ! انتساب کا یہ انداز کس قدر اثر انگیز ہے۔

اپنے بابرے بھائی

انیس
کے نام

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ان چند غفلتوں کو اقسام اطراف نے بار بار پڑھا اور دل نے بڑا اثر قبول کیا ! انیس اپنے بیٹے بھائی (خوشید) کے قوت بازو ہی نہیں ہیں، بلکہ ہم نکر اور ہم خیال بھی ہیں، ایک جان و دماغ کی کہاوت کتابوں میں پڑھی اور بار بار لائوں کے سنی، مگر ان دونوں بھائیوں میں اس غریب المشر کو جسم دیکھ لیا۔

مضامین کی فہرست —

عشق اپنے عجبوں کو سوتے زندان لے چلا — وہ مرا پیچہ پل داخل زندان ہونا — پچاسی گھاٹ کے شب و روز — ہم میں باشندے
 جیل خانہ کے — لیجئے اسلام آباد — وہ باندھن جس کو نظر آنا آنا ہوتا ہے — انیس کے نام — کٹ گیا قید میں ماورے مہال۔
 زندان کی عید — پھر پیش جرات دل کچلا ہے عشق — جس نے ہر گام و عدالت کا تری دیکھا ہے — ہوم اور دفاع — لاہور میں
 ۳۳ دی — پھر دی ہاتوں دی خار و میلاں ہوں گے — دو میں ہے خوش ہر کہاں دیکھتے تھے — یا مان زندان — رخصت اے زندان جنوں

زنجیر در کھڑا کرتے ہے !

ان غزوات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب میں کیا ہو گا ؟ دلچسپی کے ساتھ سوز و تاثر بھی ! دل کی چوٹیں بچ بچ کا غنڈہ اُٹھا رہی ہیں ! کتاب کے مطالعہ سے "صبر و استقامت" ادا بنیاد و قربانی کا وہ مفہوم سمجھیں آتا ہے جو صرف خیالی نہیں رہا بلکہ عمل و تجسس کی راہ سے نکلا ہے !
پہلی گھاٹ کی خوفناک اور بھیاں تک لائیں ، کھانے پینے ، رہنے بھینے اور سونے کی دشمنی شروع میں م ناقابل برداشت تکلیفیں ! مگر کس طرح کا خوف ہراس نہیں ، زبان شکوہ سرا ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے شکوہ ذکر سے ترادہ جو غالب نے کہا ہے ۔

سچ میں جن میں کیا گیا ، گیا دبستان کھل گیا

ز

ان اسیران محبت نے بھی زندان کو دین و اخلاق کی درس گاہ بنا دیا ، قرآن و حدیث کا کوس ، دینی موعظات پر گفتگو انداز کرے ، اس کے بعد کثیفیت و انایت کی کیفیت !
فاضل تذکرہ نگار نے اپنے رفقاء و زندان کی سیرت و کردار کی جو عکاسی اندر جمائی کی ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے !
ہمارے میں ان علمبرداران حق و صداقت کو ہر جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رفاقت میں سر آئی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کی کفایت کا انا لفسر دیا ۔

حالات کے سامنے خورشید احمد صاحب سے جو بیان دیا تھا ۔ وہ پڑھ کر اس کتاب میں دہچ کیا گیا ہے "تذکرہ زندان" کا اس بیان نے بڑی تاریخی اور قانونی بلکہ علمی اہمیت عطا کی ہے اس سلسلے کے ساتھ اپنے دفاع میں قانونی نکات اور لائل و نظائر پیش کئے گئے ہیں ، کتنی دلنشین اور اثر انگیز زبان ہے یہ بیان اس امر کا ذمہ دہ ثابت ہے کہ دین انسان کو کس قدر بصیرت اور صفائی عطا کرتا ہے اور صحیح معنی میں "وفاقی آدمی" کتنا بے باک ، جو یہ صاحب فرات اور صلہ نہیں جوتا ہے !
"تذکرہ زندان" میں دین و اخلاق کی بصیرت کے بہت سے مسائل بھی آگئے ہیں ، اسلوب نگارش اور زبان پر کار و سادہ ہیں !
فوری اشارے کے ترجمہ جو حاشے میں دئے گئے ہیں وہ شاید بعض پڑھنے والوں کو تکلیفیں کہیں جس پر مصنف نے غصے سے ہانک کر کہہ دیا : مولانا ابوالکلام آزاد کی "مخبر و مصلح" کی طرح "تذکرہ زندان" میں بھی اشعار قریب قریب ہر صفحہ پر ملتے ہیں مگر انہوں نے کہ شعروں کی خامی تھا وہ اس میں ہے جس کی کما بت بھیجے نہیں ہوئی جس کے سبب اشعار نامزد ہو گئے ! اس کتاب کی ساری ذمہ داری کتاب پر نہیں ڈالی جا سکتی ، مصنف کے حافظہ اور ذوق سے بھی بھر چکے ہوئے ہیں ۔
تذکرہ زندان نے آمداد اب کی عظمت میں اضافہ کیا ہے ، یہ کتاب پڑھنے والے کے دل و دماغ پر گہرا نقش چھوڑتی ہے ! حکمرانوں کے محال و حکام اس کتاب سے قید خانہ کا نظم و نسق درست کرنے میں بہت کام استفادہ کر سکتے ہیں !

نذیر عثمینی

مترجم :- ڈاک ڈام احمد محمد رال دین احمد رضا خاں ، ۱۰ صفحات ۱۰۰ ، رنگین و عین سر مدق ، کاغذ ادر کتابت و طباعت انتہائی دیدہ زیب ، قیمت دہچ نہیں کی گئی ۔ ملے کا پتہ :- مجلس نذیر عثمینی ، نئی دہلی ۔

علمی و ادبی مولانا امتیاز علی خاں عثمینی (ولادت ۱۹۰۷ء) کا آغاز تقارن کتب خانہ ریاست رام پور کے ناظم دکنان کی حیثیت سے ہوا اور اس تعارف کو پہلا ادارہ نذیر عثمینی کو شروع کرنا مرصوف کی اُن کتابوں سے ملا جو مرزا غالب پر انہوں نے عرب کی ہیں ! غالب کی نظم و نثر کا ذکر کرتے ہی مولانا عثمینی کا قصور ذہن میں آ جھرتا ہے !

مولانا امتیاز علی خاں عثمینی متحدہ کتابوں کے مصنف ، مولف اور مترجم ہیں بہت سے علمی موضوعات پر انہوں نے اپنے درجہ کے مضامین بھی لکھے ہیں ، مولانا مرصوف کا مطالعہ بہت وسیع ہے ، اللہ تعالیٰ انہیں علم و ادب کا صحیح ذوق اور انداز تہذیبی شوق بھی عطا فرمایا ہے ، رام پور لائبریری سے طاعت کا تعلق ہونے کے سبب انہیں علم و ادب کا کام کرنے کے مواقع اور ہر بات میں سیرتیں ! جن سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی زندگی کو علم و ادب کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ۔ علم و فضل کے ساتھ وہ خود ادر و تالیف اور تصنیف اور بحث کش بھی واقع ہوئے ہیں اس لئے جن موضوعات کو پھر انہیں بحث و تہذیب اُپنی ٹھیلی اپنی علم و استعداد کی حد تک اُس کا

حق ادا کر دیا۔

جناب امتیاز علی خان عرشی کی علمی شخصیت اور ادبی حیثیت کے مستند و مسلم ہونے کا نفاذ مثبت یہ ہے کہ ہندوستان میں "جلس نذیر عرشی" کا قیام عمل میں آیا جس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین خان دجاست تن، نائب صدر جمہوریہ ہند مقصد ہوئے اور مجلس کے ارکان میں ہندوستان کے چوٹی کے ادیب اور صرف اول کے اہل علم اور نامور شخصیتیں شامل ہوئیں، دوسرے ملکوں کا تو میں ظلم نہیں مگر پاکستان اور ہندوستان میں کسی ادیب و دانش پرداز اور عالم و محقق کو خراج تحسین و عقیدت پیش کرنے کے لئے اتنے بڑے آدمیوں پرستش کوئی مجلس آج تک وجود میں نہیں آئی!

"جلس نذیر عرشی" نے مولانا عرشی کی اس کٹھن پر سالگرہ پر ایک کتاب — نذیر عرشی — مرتب کر کے، ان کی خدمت میں پیش کی: یہ "نذر" اور "ہدیہ" درجہ اہر سے کہیں نیا دہ قیمت ہے! اور قدغنشی کے اظہار و اعتراف کی حسین حدت ہے۔

"نذیر عرشی" کا مقدمہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے لکھا ہے، پھر شہناش پر خاں جناب مالک رام (ایم) نے مولانا عرشی کے سوانح حیات مرتب کئے ہیں — اس کے بعد —

نگارشات عرشی

از اکبر علی خان

عرشی — شیعہ علم و لغتین، دلیل بنیخسہ

از ڈاکٹر سید عابد حسین

عرشی صاحب

از سید صاحب الدین عبد الرحمن

یہ وہ مضامین ہیں جو عرشی صاحب کے تذکرہ و تعارف سے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں پڑھ کر موصوف کی علمی شخصیت اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ پھر مقالات شریعت جو کہ یہ مضامین و مقالات بلند پایہ اور معلومات آفریں ہیں! مقالات کی بلندی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شریعت احمد خاں عرشی کا تنہا مقالہ، جو محقق طوسی کی شہرہ آفاق کتاب "تجربہ" پر ہے علم و دانش کا مستحق سمجھتا ہے۔ یہی حال انگیزی مقالوں کا ہے، انھوں مقالے عجیب ہیں، بہت خوب ہیں۔

"مگر غالب نے یہ کیا کہ یہاں میرا فارسی کلام دیکھو جو "لفظ اے رنگ رنگ سے حمد ہے میرے مجموعہ اردو میں کیا بڑا ہے وہ محض بے رنگ ہے" دس ۲۷۳۔ ڈاکٹر سید عبداللہ "میرے مجموعہ اردو میں کیا رکھا ہے" لکھنا تھا "کیا بڑا ہے" ایسے وقت پر نہیں بولا جاتا — صفحہ ۱۴۱ (سطر ۸) "تذکرہ خرابات کے طے کا جو تذکرہ کیا ہے، اس میں کتاب کی غلطی کے سبب ۱۲۷۱ھ کی جگہ ۱۲۷۲ھ چھپ گیا۔

اس کتاب کے مقدمہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین خان لکھتے ہیں: —

"مولانا امتیاز علی خان عرشی کا نام کی تعارف کا حق یہ نہیں، ان کے متعدد تصنیفی کارنامے علمی اور ادبی حلقوں سے خواجہ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ پچھلے ۲۵-۳۰ برس میں انہوں نے بوختی اور تنقیدی کام کیا ہے، اس سے جہاں ہمارے زبان کے نوانے میں پیشہ ہوا اضافہ ہوا، وہیں ہمارے لئے کئے والوں کو ماہ ملی ہے، کئی قیمتی اور قابل تذکرہ مباحث انہیں کی بخش اور ذوق جستجو کی بدولت پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی ہیں، کئی پرانی کتابوں کو انہوں نے اپنے حسن ترتیب سے نئی زندگی بخشی دی ہے خاص طور پر مترن کے تجزیہ و تدوین کا جو بلند معیار انہوں نے قائم کیا ہے وہ کسی زبان کے لئے بھی باعث فخر ہو سکتا ہے۔

..... مجھے خوشی ہے کہ ان کے اصحاب اور تدریس ان کی اس کٹھن پر سالگرہ پر ایک مجموعہ مضامین ان کی تذکرہ ہے یہی یہ گایا ہم سب کی طرف سے ان کی علمی خدمت کا اعتراف ہے؟

ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ "اعتراف" اردو دنیا کے جذبات کی جگہ ترسائی کرتا ہے۔

ہمارے گیارہ چوبیس کا مضمون "مشتہد کیم خط" فی حقیقت سے کوئی شک نہیں معلومات آفریں جس کا انہوں نے ہندوستان کی زبانوں (خاص طور سے دینی گری) کے لئے روشن دم الخط اختیار کرنے کی جو تجویز کی ہے وہ دوسری زبانوں کے لئے خطیرہ قوسوں کا فیصلہ ان زبانوں کے علماء اور محققین کریں گے مگر اردو زبان

بھارت کے شہر دہلی میں اپنا مقامہ تھی۔ دو بلند مہم طاہر العربیہ کی۔ آپ بیتانہ آتی رہتی ہیں، جن کو بڑی تعزیرت حاصل ہوئی ہے! یہ سکا ابن العرب کی آخر میں کون؟ یہ بات اب ملنے نہیں رہی، مولانا قاسم عثمانی اس قلمی نام (PEN NAME) سے اس قسم کے طنزیہ مضامین لکھتے رہے ہیں، جن کی طرح میں نہایت ہی ہوتی، یہ کبھی پڑھنے والے "محمد سے یہ خانے تک" کو پڑھنے شروع سے پڑھتے ہیں۔ انہی مضامین کا انتخاب اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

یہ کتاب طنز و مزاح اور شغریٰ تسلیم کا شاہکار ہے، وہ چسپ آتی کہ افسانہ میں لے کر، نظم کرنے سے پہلے کچھ اندکام کرنے کو بھی نہیں چاہتا! اس میں خالی ادبی چٹخارے اور غزلات کی سلیجھرائیں ہی نہیں ہیں بلکہ حکم و ادب، اندین و سیاست کی بہت سے ساری بھی آگئے! موجودہ سوسائٹی جس سے اچھ کی دنیا گزر رہی ہے اس پر وہ وہ چوٹیں کی ہیں کہ مستحذین اہل بدعت کے چہرہ دل کا رنگ فق ہو جاتا ہے۔ چندا قنات سات۔

— "ہاں! پیسہ ہمارے! پی پی نہ بول، میری پی پی نہ بول! استیاناں! پیسہ ہاں پی پی نہ بولے گا تو کیا ڈھیچوں ڈھیچوں کے گا۔۔۔۔۔"

— "مشاعروں کے پاس میں میرا نثر لکھوا! ہے: جیسے چٹا لک بھر کھانے کے لئے من بھر پتھر چٹانے خریدی ہوں، دس نکتے شمرنے، تب کہیں ہا کر ایک اچھا شعر لے پڑا ہے۔"

— "ان کی آواز، بڑی ہلکا مریخ چہ، مگر وہ اشارہ ہی اتنے بلند سروں میں لے لیتے ہیں کہ انترے کے لئے گھٹا نش باقی نہیں رہتی۔"

— "ایک شعر۔ جن کا نام یا تو بقیہ ندائی تھا، یا سبیل ندائی یا شاید دل دل بقائی۔ تینوں نام یادداشت کے غلے میں الجھے گئے پڑے ہیں کہ یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا، یہ ہر حال وہ اوسطاً دو شعروں کے برابر تھے، بلکہ قاسم عثمانی شمسدا صا در روش صدیقی تینوں کی ایک ساتھ شکلیں کس دی جائیں تو گویا ان سے زیادہ نہیں بنے گی، رنگ لپکا جاسی، آنکھیں گولی، جن کا قطر نے پیسے سے زیادہ نہ ہوگا، دانا کم و بیش نصف بالشت چڑھا۔

انہیں دیکھ کر، میں نے پھر حیرت سے پوچھا۔

"کیوں پھر صاحب! کیا آپ کو یقین ہے کہ ان کا افسانہ ہم راوی کا خالق ایک ہی ہے؟"

"اماں کیوں کہہ دیتے ہوں؟ وہ آنکھیں پھڑپھڑا کر بولے۔

— "یہی بخیرہ پن ہے، جس نے بے شمار پھانسیوں کو دفن کر دیا اور ان گنت جھوٹ، اداام اور غروغصے، حقائق بن گئے؟"

طاہر العرب کی کی ایک غزل بھی پڑھئے اور لطف لیں گے قابل ہے، فرماتے ہیں۔

مخشر نہ ہوگی بندگی اولیا بغیر

خواہر سے لوگی ہے، تو قرآن سے عشق ہے

نیض قہر کبیر و اجمیر کی قسم

جب حوس ہی نہیں تو صلہ و زکوۃ کیا

میں فاتحہ پڑھوں گا، پلاؤ کی قاب لا

ملا ہمیں بھی جہد و دستار لائے دے

چلتا نہیں ہے کام نمرود و ریا بغیر

یہی وہ بقی تپاں ہے کہ جس کی محبت سے
یہی وہ غنچہ لڑس ہے جس کی خوشبو سے
اٹنے دہر کو بخشا مہینوں کا شعور
تڑپ رہے ہیں ستمگر لڑ رہے ہیں غنیم
دیوار پاک ہسکتا ہے مثل باغ نعیم
یہی وہ نیم صاف نیت ہے جس میں تقیم

مہر و مہر و انجسم کا جہاں تیرے لئے ہے
ہے نعمت ناسید و ثریا ترا ہم ماں
اے پاک جہاں ہاں !

ہر قدم پر ہے ڈھاکنے رنگ میں
کیا جاؤ ہے سلہٹ کے آہنگ میں
اے وطن کی زمیں
تیرے دیریا جواہر اٹکتے رہیں
تیرے جنگل بہاروں میں پلٹے رہیں
اے وطن کی زمیں
پہلی نظم کا یہی رنگ ہے ! (اٹھ کرے زو و قسم اور زیادہ)

ہم چٹانوں کی مانند مضبوط ہیں
دوستوں کے لئے ریشم و پرنیاں
ہم کہ فولاد و آہن کی دیوار ہیں
دشمنوں کے لئے تیغ کی دھار ہیں

لے کر خدا کا نام جو میدان میں آجئے
نصرت کے پھول گوشہ دامن میں آجئے

دوسرا رخ

ترے خمیر کی آواز سے کھٹک اٹھے
ترے جھجھکے عرواں کے ہر شاخے پر
بغیم میں غلاماں تھاں سے خطاب کیا گیا ہے
زے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اُس کو کھٹک اٹھے کہن بدست نہیں
مسل امن ہے ایمان کا پانی تو ہے
مشیقوں کے جھلی بدوش کاشانے
پہلے ہیں زمان و مکان کے افانے (ص ۱۷)
مشیقوں کے جھلی بدوش کاشانے یہ کیا بات ہوئی! پھر جام و ساغر کھٹک کھٹکے ہیں، کاشا و دلیں
روح مزدوم ہے انصاف کا مانی تو ہے (ص ۳۷)

محبت کی جھج آردیں نہیں آتی اسرار کہیں ناگزیر قدرت محسوس ہوگی، تو اس کا عمل ابد موقعہ دوسرا ہوگا۔

”روح مزدور یہاں لانے کی کیا تکلیف!“

تم سیکر نو لاد ہو میثاقی ازل سے
”ادل کے دن سے“ کہنا تھا، یا ”یوم میثاق“ سے!

اپنی توہین کے دہن
جب کھلے جانبِ رن (ص ۶۳)
”جانب“ عربی اور ”رن“ ہندی ہے، اس لئے ان دونوں لفظوں کے درمیان اضافت جائز نہیں!

اہل جنوں کا عزم جب نگیر جاگ اٹھا
اہل جنوں سے دنیا کی تسخیر اور کائنات پر حکمرانی کرنے کی نسبت کچھ میں کہیں کھاتی، مصروفِ نانی کو۔ برسرِ شمشیر کی ترکیبیں بچکانہ سا بنادیا
جنت نشاں بہاریں معدوم ہو چکی ہیں
نغموں کی آتشیں معدوم ہو چکی ہیں (ص ۸۶)

”آتش“ تو فذ کہ ہے!

تجہ کو حاصل دعا تھا ہرگز دین کی
تجہ میں تو یہ ہے شمس تبریز کی (ص ۹۰)
مناظرِ پاکستان کے کسی خط یا شہر میں شمس تبریز رحمت اللہ علیہ نہیں آئے، ملتان میں جن کا راز ہے وہ ایک ادیب ہیں، جن کا نام بھی شمس ہے۔
حصارِ بند سے خلوت گیر چوندہ تک
ہر اک مقام سے ہم لوگ کامراں گولے (ص ۱۱۶)
”چوندہ“ کے ساتھ ”خلوت گیر“ کی ترکیب بالکل بے معنی ہے! یہ مصروفیوں ہو سکتا تھا۔

محین و بند سے لا سجد اور چوندہ تک
”جہاؤ سلم“ کو فریٹنڈ پبلیکیشنز ملتان نے بڑے سلیقے سے شائع کیا ہے، جنہ جہاد کو گرم و تازہ رکھنے کے لئے اس مجموعہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت برتی جائے۔

موفد: ڈاکٹر حسین عزیز، صفحات ۸۰ ۵ صفحات (مطالعہ کد) قیمت دس روپے
بنیادی بیماریاں اور گرانگ میاڈم سینٹرل ہو اسپتال، اسلام آباد، روڈ کراچی

ڈاکٹر حسین عزیز صاحب کراچی کے مشہور ہومیوپیتھ ڈاکٹر ہیں، نوجوانی کے بعد ان کی زندگی اسی فن کی تحقیق اور تجربہ میں گزری ہے! یہ کتاب ان کے مطالعہ، تحقیق اور تجسس کا پتھر ہے، اس میں انہوں نے تفصیل کے ساتھ ”بنیادی بیماریاں“ کے اسباب و علامات سے بحث کی ہے اور ہر بات پر ہی تفصیل کے ساتھ لکھی ہے! اپنے تجربہ کی بنا پر صاحب موصوف نے کہیں کہیں ڈاکٹروں کی عام باتوں سے اختلاف بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر حسین عزیز صاحب ہومیوپیتھک طریقہ علاج کے تجربہ کار طبیب بلکہ عالم ہیں، انہوں نے کتابوں سے اور اور مریضوں کی نغبات کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے اس لئے ان کی اس کتاب میں بعض ایسے ”اکتافات“ ملتے ہیں، جو دوسری کتابوں میں نہیں مل سکتے!
مرض کے علاج کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ طبیب کو اس مرض کا اصل سبب معلوم ہو جائے، اس کے لئے بڑی محنت اور عمدہ فکر کی ضرورت ہے اور ڈاکٹر صاحب اس محنت اور عمدہ فکر کے عادی ہیں بلکہ اس فن میں ”اسپیٹلٹ“ ہیں۔

یہ کتاب ڈینیڈی بیماریاں میں مطالعہ کے کارآمد اور مفید ہے، ہومیوپیتھ ڈاکٹروں کو اس سے ضرور استفادہ کرنا چاہئے! اس دعا دیں! اس مرض پر
ہر دانا پر پہلی کتاب بنظرِ عام آتی ہے

میں کتاب میں کتابت کی غلطیاں کہیں کہیں ملتی ہیں مثلاً ”گھٹیا“ کو جگہ جگہ ”گھٹیا“ لکھا گیا ہے، دوسرے ایڈیشن میں کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کر دی گئی ہے۔

اردو ڈائجسٹ سالنامہ ۱۹۶۶ء

مجلس اطاعت، لاہور (مجلس اعلیٰ صدر مجلس) الطاف حسن قریشی (مدیر مسئول) نضر اللہ خان
رہبر، میان سادہ، ضیاء، مقبول جہانگیر اور آباؤ شاہ لہری۔ ضامنت، ۲۲ صفحات، دکان
ارکات و طباعت، برچہ زید، صوفی رنگین و سادہ اور جادو نظر قیمت۔ دور رس پکاس ہے۔
ٹخنے کا پتہ۔ اردو ڈائجسٹ، من آباد، لاہور۔ کراچی آفس، ہمارا ہی، مغربی کالونی، کراچی۔

اردو ڈائجسٹ پاکستان کا سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اور مقبول اردو ماہنامہ ہے، ہمارے ریلوں اور ہوائی جہازوں میں۔ اردو ڈائجسٹ ہی عام طور پر
مسافروں کے ہاتھوں میں دیکھا جاتا ہے! اس سالنامہ جو اس وقت ہمارے سامنے ہے ایک لاکھ سے کیا کم چھپا ہوگا! جب کہ اس کی عام اشاعت ستر چھتر ہزار بتائی
جاتی ہے۔

سالنامہ کے مضامین میں بڑا ترغیب پایا جاتا ہے اور ساتھ ہی ترتیب کا سلیقہ بھی اتر چھپے ہیں اور بعض مضامین ہیں اور منتقبات ہیں، اپنا سالنامہ دلچسپ اور قاری
سے زیادہ غریب کی بات یہ ہے کہ دین و اخلاق کے تقاضوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، نوجوان لڑکیاں اور لڑکے بچے کے لئے اس سالنامہ کو تنہا ہی میں پڑھ سکتے ہیں۔
منجید و اللہ باد و قار و ادب کا گلدستہ، بعض مضامین معلومات میں اضافہ کرنے والے بھی ہیں۔

جناب الطاف حسن قریشی، انٹرویو کے سبب اتنے مشہور ہو گئے ہیں کہ یہ لفظ کہیں ان کا لقب اور شخص بن کر رہ جائے، اس سالنامہ میں بھی
جناب ذوالفقار علی بھٹو (وزیر خارجہ پاکستان) کا انٹرویو شامل ہے، جس کے بعض حصے دولت خورشید کو دیتے ہیں!۔
جناب عبدالرشید مرحوم کے حالات زندگی بھی الطاف حسن قریشی ہی نے مرتب کئے ہیں جو پڑھنے اور سبق لینے کے لائق ہیں۔
حرف نظم میں حضرت مخدوم جالندھری کی "نام تمام غزلیں" ذوق و وجدان کو اپنی طرف نہیں کھینچتیں! ہناب احمد ندیم قاسمی کے کلام کا انتخاب خوب ہے،
مگر یہ ہے کہ اس میں ایسے سلی شعری بھی آ گئے۔

آپ کیوں سامنے نہیں آتے آپ کیوں روح میں سماتے ہیں (ص ۱۲۰)
کتنا ہے کیت اندر سلی ہے یہ شعر!

نمانہ ہر چکا اس اولین ڈبیر کو لیکن سناؤ دے رہی ہے تیری نظروں کی پکار اب تک
"اولین ڈبیر" نے شعریات کا تلف غارت کر دیا، حضرت جگر مراد آبادی کہہ رہاں ہیں نیال کسی خوبی اور لطافت کے ساتھ نظم ہمارا ہے فرماتے ہیں۔
میت ہوئی اک عادی عشق کو لیکن
اب تک ہے ترے دل کے دھڑکنے کی صدا یاد
احمد ندیم قاسمی صاحب کہتے ہیں۔

ترے مذاق کے حصے بکھیر دیں تو نے قدم قدم پہ کئی قمریاں، کئی شمشاد
اس شعر کا مفہوم ہمارے تو پہ پڑا نہیں! "قمریوں کا بکھیر دینا" منہ مکھ خیز انداز بیان!۔
سر ہشتر یہ کون سند نشیں ہے کوئی دیکھا بھلا خریا جبین ہے (ص ۱۲۱)
یہ کیا شاعری ہے!

جب جسم کی سات چاند ڈوبا دل پہنچ آٹھا کہ مر گیا چاند (ص ۱۲۲)
نمایا کا نہ شعر!
اتنا سیال ہے یہ پل کہ گماں ہوتا ہے میں ترے جسم کو چھو لوں تو گھس جاؤں گا

آخر یہ بات کیا ہوئی؟ پھر مغرب کے جسم کی حرارت، گرمی اور تابناکی شکر کو کہہ "پل" (یعنی وقت) کے کھستال ہونے کی وجہ سے محسوس ہوئی ہے۔
چاند گرہ آج ستاروں کی قسم کھا کے بتا کہ کس نے ان کو تبسم کے لئے ترسیا (ص ۱۴۶)
چاند گرہ سے مریض جبر و غم کیا یہ سوال کر سکتا ہے۔
سہ کس نے ان کو تبسم کے لئے ترسیا

یہ نفسیات کا ناقص مطالعہ ہے!

شب نہ کھٹک، تو نہی آگ نہ جلتی دل میں

مجھ کی ساری شرارت ہے اسی شام کا نام

الفاظ مرچرو ————— گو مفہوم!؟ —

۔ آرو و ڈائجسٹ کا یہ سائنس یقیناً مقبول ہوگا، اور خاص و عوام سب اس سے پسند کریں گے؟

فانان

عام طبیب و مہینہ کی یکم تاریخ کو تیار ہو کر پوسٹ کیا جاتا ہے۔
اگر کسی مہینہ میں یہ تاریخ تنگ رسالہ نہ ملے۔ تو دفتر "فانان"
کو نہ ملنے کی اطلاع دے دی جائے، تاکہ دوبارہ رسالہ
بھیجا جاسکے!



ہمیشہ
ٹوئسٹ
دھوپ کے پیشے

ہر جگہ سے دستیاب ہو سکتے ہیں

استعمال کریں



اب تیز رہی پولاد!

ٹرائیڈنٹ ۱-ای کے ذریعے

کراچی - لاہور

روزانہ ۳ پروازیں

کراچی - راولپنڈی

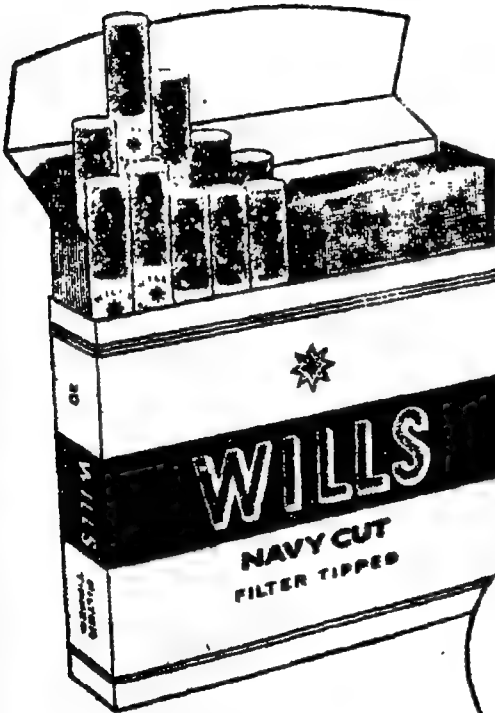
روزانہ ۲ پروازیں

فرانڈسٹ				سائنچ ایئر لائن کے کلاس	فرانڈسٹ			
۳-۶ روزانہ	۳-۶ روزانہ	۳-۶ روزانہ	۳-۶ روزانہ		۳-۶ روزانہ	۳-۶ روزانہ	۳-۶ روزانہ	۳-۶ روزانہ
۳۱-۰۰	۲۹-۰۰	۱۶-۳۰	۰۰-۰۰	کراچی	۱۲-۳۰	۱۸-۵۰	۹-۵۵	۲۳-۵۵
۳۱-۲۵	۰۰-۲۵	۱۵-۵۵	۱۵-۲۵	لاہور	۱۰-۳۰	۰۸-۱۵	۰۸-۱۵	۲۳-۱۵
		۱۶-۲۵	۰۸-۲۵	راولپنڈی	۱۰-۰۵			
				کراچی	۹-۲۵	۱۵-۰۵		

ملک کے اندر پروازوں میں سب سے زیادہ تیزی اور آسانی کا یہ مہیا

پاکستان ایئر لائنز پبلک لیمیٹڈ **PIA** پاکستان سوگت لاہور

نیپا ولسر فیلٹر ٹیپڈ



آج کے ترقی یافتہ دور میں
ولسر آپ کے لئے ایک
نیپا فیلٹر ٹیپڈ ریگریٹ
پیش کرتے ہیں۔ ولزس ریگریٹ اپنی
عمرہ کو اتنی بہترین تمثیل کو اور دلا سہری
تھام دیا تاں فوہوں کے ساتھ آپ کے
ریگریٹ نوشی کے صحیح طبع اور
مکمل تکین کی ضمانت ہیں

۱۰ ریگریٹ کے پیکٹ کی قیمت ۱۲/۶
آپ کی سہولت کے لئے ریگریٹ کے پیکٹ
کی ۱۰ پیسے میں دستیاب کیا
جدا سے ملے گا اور ۱۰ پیسے
قیمت میں ملے گا

PAKISTAN TOBACCO COMPANY LIMITED, SUCCESSORS TO W.D. & H.O. WILLS, EX-SMOS & LONDON

فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی



اور قبض سے
نجات کے لئے اب اسٹریپ پیکنگ میں

صافی قبض کشا قرص

”صافی قبض کشا قرص“ مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا

صافی سے تیار کئے جاتے ہیں۔

صافی کے یہ قرص نہایت اطمینان دہنری سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچائے
قبض رفع کرتے ہیں۔ مزید براں ان میں تمام مصفی خون صفات بھی موجود ہیں۔

ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جنرل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

ہمدرد دوا خانہ (وقت) پاکستان
کراچی۔ لاہور۔ ڈھاکہ۔ پشاور۔



جلد ۱۲

شماره ۵

ماہنامہ قانون

ماہنامہ

کراچی

ماہ اگست ۱۹۶۶ء

ایڈیٹر: مآثر القادری

تہذیب

۳	مآثر القادری	نعتی اول
۷	مولانا محمد مصطفیٰ دعلی گڑھم	سورہ التوحید
۱۰	مآثر القادری	آبشار
۱۱	مختلف شعراء	سوز و ساز
۱۲	پروفیسر اسرار احمد	غذیب کی ضرورت
۱۷	مآثر القادری	یہ امت خرافات میں کھر گئی
۲۳	مولانا محمد حسام اللہ شریانی	تاثرات
۲۶	عبدالمجید صدیقی (ایم اے)	روح انتخاب
۲۷	بیماری نظریں

مسرور حسین

پبلشر

مقام اشاعت

دفتر ماہنامہ قانون کیمپل اسٹریٹ کراچی

چند سالانہ
سات روپے

قیمت فی پرچہ
۲۲ پیسے

مسٹر حسین پبلشر نے انٹر میڈیٹ پریس کراچی میں طبع کرانہ دفتر ماہنامہ قانون کیمپل اسٹریٹ کراچی میں سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ اول

آج کی دنیا میں سب سے بڑی تین طاقتیں ہیں، جو عالمی سیاست پر اثر انداز ہیں، بلکہ یوں کہے کہ یہ طاقتیں عناصر سیاست کا تجربہ ہیں: دوسرا حاکم کا شاید ہی کوئی بین الاقوامی مسئلہ ایسا ہو، جس کا کسی نہ کسی عنوان سے، امریکہ، روس اور چین سے تعلق نہ ہو، ان طاقتوں کی کشمکش نے ایک طرف دنیا کو شدید خطرات اور بیسیک اطمینان میں مبتلا کر رکھا ہے تو دوسری طرف اس کشمکش کے سبب سیاست عالم کا توازن بھی قائم ہے۔۔۔ وہ نہ کہیں کسی ایک ہی طاقت کو غلبہ میسر آجائے، تو دنیا میں جو متحدہ اہمیت امن پایا جاتا ہے، وہ بھی رخصت ہو جائے!

امریکہ، روس اور چین کے بارے میں ٹھیک طور پر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ خردان حکومتوں کے درمیان "طاقت" کا تناسب کیا ہے؟ سائنسی ایجادات اور برق و بخار کی قوت میں امریکہ اور روس چلتی سے بڑے ہوئے ہیں، مگر جہاں تک آبادی یعنی MAN کا تعلق ہے، چین ان دونوں ریاستوں کی مجموعی قوت سے تقریباً دوگنی قوت رکھتا ہے! اور بس پچیس لاکھ نہیں، کروڑوں سپاہی محاذی جنگ پر بھیج سکتا ہے! مال و دولت اور بعض دوسرے ذرائع اور مادی وسائل میں روس کے مقابلہ میں امریکہ کا پلہ بھاری ہے، مگر امریکہ سرمایہ داروں کا ملک ہے اور روس مزدوروں کی تحریک کا علمبردار ہے، اس لئے روس کے عوام میں جو فوادى عزیم پایا جاتا ہے، امریکہ کی پبلک اس سے بڑی حد تک محروم ہے! سائنسی ایجادات میں امریکہ اور روس کے مقابلے ہوتے رہتے ہیں، یہ دونوں ریاستیں اپنی سائنسی قوت کا آئے دن مظاہرہ کرتی رہتی ہیں تاکہ دنیا ان کا وزن و عجب اور ان کی قوت کو محسوس کرے بلکہ دلی، ذری اور سہی ہوتی ہے چین اور روس ہم عقیدہ ہیں مگر اس کے باوجود ایک دوسرے کے حریف اور رقیب بنے ہوئے ہیں! چین "ملا قسم کا اشتراکیت" ہے جو اشتراکیت کے نظریہ پر بہت زور دیتا ہے، اس کے برخلاف روس "متحدہ انداز خیال کمیونسٹ" ہے! البتہ زعم خود اپنے اشتراکیت کے لفظوں کو نہیں بلکہ روح اشتراکیت کو پیش نظر رکھتا ہے، اس اختلاف کیسے تعویضی طبیعت بھی ابھرتی ہے، روس، چین کی برہمی ہوتی طاقت سے خطرہ محسوس کرتا ہے، چین کی موجودہ ملائی حکومت "روسی حکومت کے مقابلہ میں کہیں ہے، اس لئے روس میں ملکی تنظیم، چین کے مقابلہ میں بہتر ہے، مگر چین جس تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت جلد اپنی کسبی کی ہر کی کو قیاد کر لے گا!

امریکہ، روس اور چین دونوں کا دشمن ہے مگر ان دونوں میں اس کی زیادہ دشمنی جس کی کوئی حد نہایت نہیں، چین کیسے کہ ہے، روس کے ساتھ دشمنی کے باوجود امریکہ بھی کسی نہ کسی حد تک نرم گوشہ رکھتا ہے، مگر چین کیسے کہ اس کا معاملہ اس دشمنی کا ہے، جہاں نرمی، صلح و مفاہمت اور عام انسانی حریت و اخلاق کا سرے سے وجود ہی نہیں پایا جاتا! دشمنی سونیفیکیشن اور صرف دشمنی! روس اور چین کے اختلافات نے دنیا کے اشتراکین کو دو گروپس (GROUPS) میں تقسیم کر دیا ہے، ایک ٹولی چین کی حامی ہے اور

دوسری دوس کی اس اختلاف نے دنیا میں اشتراکیت کی رفتار ترقی کو خاصہ دھماکا دیا ہے، اشتراکیت کی مقبولیت کو سب سے زیادہ حد تک ترقی دینے والے ممالک میں سے ایک ہے، امریکہ دنیا کی وہ پہلی طاقت ہے جس نے سردشتیا میں ایٹم بم استعمال کر لئے ہیں جس کی اقتدار باری ظہور کا مصداق بن گیا، ہندوستان کو چھوڑ کر، امریکہ، چین اور سوویت، ان تینوں طاقتوں میں دنیا کے عوام میں چین کے بارے میں نسبتاً اچھی رائے سمجھ میں ہے۔ چین کی پالیسی جوابدہ، منظر عام پر آتی ہے وہ یہ ہے کہ چین دوستی اور دشمنی کے مابین دوغلی پالیسی نہیں رکھتا، وہ جس کا دوست ہے کھلا بنا دوست ہے اور جس کا دشمن ہے کھلا ہوا دشمن ہے، اس لئے سیاست میں اس کا نقطہ نگاہ اور طریق کار پیچیدہ اور پراسرار نہیں ہے۔

مہر علی احمد خاں، بنی انسان کے مطابق، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت، دنیا کے حالات سدا ایک جیسے نہیں رہتے، ان میں لوٹ پھراؤ دل بدل ہوتی رہتی ہے۔

ثبات ایک تغیر کو ہے نہانے میں

پہلی جنگ عظیم میں چین کوئی قابل ذکر طاقت ہی نہ تھی، دنیا اسے "ایف مریں کا ملک" سمجھتی تھی، روس میں زاریت کا دور دورہ تھا، شہزاد کی حکومت ابھی وجود میں کہاں آئی تھی، امریکہ کی طاقت بڑی تھی مگر برطانیہ، فرانس اور جرمنی کے مقابل میں کم تر اس دور میں برطانیہ عظیم ترین طاقت سمجھی جاتی تھی، جس کے حدود مملکت میں محدود عزوب نہیں ہوتا تھا، اگرچہ اس زمانہ کا سب سے بڑا عالم سیاست تھا۔ ساری دنیا ن نگاہیں کھنگام چلیں اور اس وقت پر لگی رہتی تھیں۔ لندن کی سیاست کی ہوا کا جو رخ ہوتا تھا اسے امت بین الاقوامی پالیٹکس کا سفینہ رنگ کرتا تھا، برطانیہ کی طاقت کے بعد اپنے عظیم الشان بحری بیڑے کے سبب فرانس کا نمبر تھا:

مگر

اس پچاس سال کی مدت میں دنیا کی حالات بے شمار گزریں گئے، کتنی فتنہاں اس صوم میں ختم ہو گئیں، کتنے حکماء مارے ہو گئے، کتنی جدوجہدیں بھر تیں، کتنی کوششیں کیں، گمنام اور افسانہ، ذکر و شہرتوں کو صاحب اختیار بنے ہوئے قوتوں کا وہ طریقہ اور فلسفہ کی اب کوئی نمایاں حیثیت بین الاقوامی سیاست میں نہیں رہی، بڑے طاقتوں نے دوسری جنگ عظیم ہوئی ہے، زبردستی دونوں حکومتیں خود اپنی جان بچانے کی فکر میں رہیں کہ کہیں ہم اس سبب نہیں نہ آجائیں، دانش پر چلنے نے بہت سہرا پی، اس نے برطانیہ عظمیٰ کے عروج و زوال کے دونوں منظر دیکھ لئے۔ انگریزی حکومت کے تیراقبال کاٹ کر بھی اور عزوب بھی:

بدنام حکومت

بعض غلط فہمیاں اور غلط فہمیاں نے اسے یہ کہا جاسکے کہ امریکہ موجودہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے، تو شاید کوئی مبالغہ نہ ہو، لیکن بات یہ ہوئی، اس کی دولت کا یہ عالم ہے کہ امریکہ کی بعض بعض کمپنیوں کی اتنی آمدنی ہے کہ مشرقی ملکوں کا مجموعی جیٹ اس سے کم ہی ٹھہرے گا۔

امریکہ دنیا کی جس قدر سب سے بڑی طاقت ہے، اسی قدر دنیا میں سب سے بڑے بدنام ہے، "سامراج" کا لفظ بول کر آج کی دنیا میں سے "امریکہ" مراد لیتی ہے، اس قدر میں سامراجیت کی سب سے بڑی علامت امریکہ سمجھا جاتا ہے، دنیا کے کئی اخباروں میں، جن میں امریکہ "ڈائریکٹری" کے ساتھ نہ آتا ہو، اس پر کسی نہ کسی عنوان سے طنز نہ کی جاتی ہو، اگر دنیا کی اچھی ٹھہرتی انڈیکس نامی کا کوئی رٹن ہے، تو امریکہ بے پناہ طاقت کے باوجود شہرت و ہر دلعزیز کا بااثر اور پیچیدگی عوام کی مصل میں ہلکا اور بے قدر نظر آتا ہے۔

یہ نہیں ہے کہ امریکہ کے دشمنوں نے جو بڑا اور غلط پروپیگنڈہ کر کے اسے سارے جہان میں بدنام کر دیا ہے، امریکہ کی سیاست پر پورے ماسی سب کے سامنے ہے، اس کا گروار کھلی کتاب کی طرح منظر عام پر آتا رہتا ہے۔ کوئی شک نہیں امریکہ میں آزادی رائے کے ذریعہ بڑے بند ہی نہیں ہے، وہاں کے صدر ملک کی پراپرٹیز زندگی پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے، مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ امریکی دانشور اور صاحبان

نکر و نظروں کے اسباب حل و عقد کے سامنے یہ حقائق کیوں نہیں لاتے کہ بین الاقوامی دنیا میں امریکہ کی ڈیولپمنٹی نے اسے سارے عالم میں بدنام اور رسوا کر دیا ہے، بدنامی اور رسوائی کی زندگی کوئی اچھی زندگی نہیں ہے!

امریکہ کی سیاستیں کرۂ ارض کے ایسے دودھالہ گوشہ میں واقع ہیں، کہ وہاں نہ تو کسی غیر حکومت سے سروکار ہے نہ کسی دوسرے ملک کا جھگڑا ہے اور نہ جہانوں کی ہر دار اور بحری بیڑے کی گزرگاہ کا کوئی تقبیہ ہے، امریکہ کا جغرافیائی موقف گوشہ دہانت کا موقف ہے۔ پھر اس کے یہاں زمین کی بھی تنگی نہیں ہے کہ کثرت آبادی نے زمین کی وسعت کا کوئی مسئلہ پیدا کر دیا ہو۔ غرض کی پیداوار کا یہ عالم ہے کہ لاکھوں متن فاضل قدامت سے دنیا برد کر دینا پڑتا ہے۔ سوئی اور آپن سے لے کر ہوائی جہاز اور بالک ٹیگ زندگی کی ہر ایک ضرورت کے لئے وہ پوری طرح خود کفیل ہے، دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہیں ہے۔ امریکی بچ بچے دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں ہر چیز خالص اور ملاوٹ سے پاک وصاف ہے۔ امریکہ کی آمدنی کی فہرست ادنیٰ کا یہ عالم ہے کہ اس کے ساتھ جیٹ کے لئے اعداد و شمار نظر آتے ہیں، دولت اور مال و زر کی کوئی حد و انتہا نہیں، وہاں کا معیار زندگی اس قدر بلند ہے کہ امریکہ کے خاک و ب کیڈلک کار میں رکھتے ہیں۔ دنیا میں عیش و راحت کے چھنے سامن ہو سکتے ہیں، امریکہ کے باشندوں کو تمام کے تمام میسر ہیں!

اتنی عیش و آرام کی بے غرض زندگی کے ہوتے ہوئے یہ جو امریکہ نے ہر ملک میں اپنی سیاست اور ڈیولپمنٹی کی ٹانگ اڑا رکھی ہے۔ اس میں آخر اس کا کیا فائدہ ہے؟ وہ جو شہدہ ضرب المثل ہے کہ غم نہ داری بڑ بڑا۔ تو اس نے خانوادہ کے چھپے سولے لکھ بیں اور بہت سے دم چھٹے لگا رکھے ہیں، جس کا حاصل رسوائی کے سوا اور کچھ بھی نہیں! امریکہ کو خود اس کا قہر ہے کہ کتنے بہت سے ملکوں میں اس کی حکمت عملی غلط ناکام ہو چکی ہے! آج کی دنیا میں نہ صرف امریکہ بدنام ہے بلکہ اس کا سہارا بھی رسوائی کا SYMBOL بن کر رہ گیا ہے! ساری دنیا کا چور و دھری پلنے کی بوس میں، عوام میں غیر ملکی لٹریچر، بدنامی اور رسوائی حاصل کر کے، امریکہ نفع میں نہیں لڑتے ہیں رہا ہے! اس کا خرچ کیا ہوا ایک ایک ڈالر اس کے لئے دشنام بن کر رہ گیا ہے! ڈالر روٹ کے ذریعہ امریکہ نے کچھ بڑے آدمیوں کے ضمیر کو بے شک قہر لئے ہیں، گروہ کے دلوں میں اپنے لئے نفرت و بیزاری کے جذبات پیدا کر دیے ہیں۔

امریکہ کی برائے عالم ڈیولپمنٹی میں یہودی سرمایہ دانوں کا بھی بہت کچھ عرصہ دخل ہے، یہودی جس ملک کی سیاست میں دخل ہوں گے وہاں کی یہ حالت اور اسباب سیاست کو بے اثر و بنا دیں گے، ترکی میں بے دینی کی فضا پیدا کرنے میں یہودیوں نے نمایاں پارٹ ادا کیا ہے خاص طور سے مسلم حکومتوں کو جس طرح بھی ممکن ہو نقصان پہنچانا، یہودیوں کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے! جلالتہ الملک شاہ فیصل کے ساتھ امریکہ کے حالیہ دوسرے میں جو نازیبا سلوک ہوا ہے، وہ اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ یہودی امریکہ میں کس قدر اثر و رسوخ رکھتے ہیں امریکہ میں جب تک یہودیوں کا عمل دخل رہے گا وہاں کی ڈیولپمنٹی اسے تمام دنیا میں اور خاص طور سے مسلم حکومتوں میں غیر بر دہشیر اور بد رسوا ہی کرتی رہے گی۔

وہ دوسری بات ہے کہ حکومتیں ایک دوسرے کے حالات کا اتنا پتا لگانے کے لئے اپنے جاسوس دوسرے ملکوں میں رکھتی ہیں، مگر امریکہ نے تو یہ غضب ڈھا رکھا ہے کہ اس کا ایک ہا قاعدہ حکمہ — سی، آئی، اے — کے نام سے قائم ہے جس پر ایروں ڈالر خرچ ہوتے ہیں اور یہ خوفناک حکمہ غیر ملکوں میں انقلاب لانے کے لئے طرح طرح کی سازشیں کرتا رہتا ہے، امریکہ کی یہ خفیہ تنظیم روپیہ پیسہ کی طرح، جاہ و منصب کے لالچ، زوال نعمت کی دھمکی اور خوف کے ذریعہ کسی ملک میں بھی ہر طرح کا انقلاب لاسکتی ہے۔ خفیہ انقلاب بھی! سی، آئی، اے کا وہ ذاب کوئی ناز نہیں رہا، اخباروں کے ذریعہ اس تنظیم کے اغراض و مقاصد اس کے غمراہ کی تفصیلات منظر عام پر آ چکی ہیں! ہجرت ہے کہ دنیا کی حکومتیں امریکہ کی اس خوفناک خفیہ تنظیم کو کس طرح گوارا کئے ہوئے ہیں، امنیں

کم از کم اس مسئلہ میں متفقہ طور پر امریکہ کو الٹائی ٹیم دینا چاہئے کہ بین الاقوامی روابط کے موافق امریکہ دنیا کی دوسری حکومت کو اس قسم کی تنظیمات قائم کرنے کا کرتی حق حاصل نہیں ہے اس تنظیم کو فدا کر دینا چاہئے! سی آئی، اسے امریکی سیاست کا وہ شاہکار ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے! جس ملک کے یہ عزائم اور ایسے گرفت ہوں کیا وہ دنیا میں قیام امن کا داعیہ اپنے اندر رکھتا ہے اور اس کی کوششیں اس مقصد کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں!

تعمیم ہند کے بعد امریکہ نے پاکستان اور ہندوستان دونوں ملکوں کی مالی امداد کی، مگر اس نظریہ کے تحت کہ..... نچا رسا ہے!! ہندوستان بہت بڑا ملک ہے، امریکہ کی ہمد و دیں اور لوازشوں کی زیادہ تر یہ کھا بھات ہی پر ہوتی رہی ہندو پاک کی جنگ میں امریکہ کا جو رول رہا ہے، وہ سب پر ظاہر ہے، اس کے طریقہ عمل سے اس جنگ میں جتنا بھی فائدہ پہنچا ہے، بھارت کو پہنچا ہے!

امریکہ جو سارے جہان کے حالات کی خبر رکھتا ہے، کیا وہ مسئلہ کشمیر کی حقیقی پوزیشن سے ناواقف ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہے مسئلہ کشمیر کا ہر پہلو اس پر آئینہ کی طرح دکشن ہے، مگر وہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر اس جتنی کو سلجھانا نہیں چاہتا، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ پاکستان کا موقف حق پسندانہ ہے، مگر امریکہ ہی کا نہیں اپنی مصلحتوں کا ساتھی ہے! دوسری طرف پاکستان کے داخلی مسائل کا جہاں تک تعلق ہے، اخبارات میں یہ خبریں تک چھپ چکی ہیں کہ مشرقی پاکستان کی مغربی پاکستان سے علیحدگی کی جانب امریکہ میلان رکھتا ہے، اس خبر میں جتنی بھی صداقت ہے، بہر حال یہ خبر امریکی ڈپلومیسی سے تعلق کے سبب کتنی خونخوار نظر آتی ہے۔

مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کی آخری صورت جنگ ہی ہو سکتی تھی، جنگ بھی کر کے دیکھ لی، پھر صلح بھی ہو گئی، مگر جنگ و صلح کی تدریس اور تفسیر کے بعد بھی کشمیر کا مسئلہ حل نہ ہو سکا! معاہدہ تاشقند جس کے بارے میں اشتاد فرمایا گیا تھا کہ اس سے کشمیر کے تصفیہ کی سبیل پیدا ہوگی، اس سبیل کا دودھ دودھ کہیں نہ نہیں، جن دانشوروں اور ہمارے لئے اس معاہدہ کو بے مہرٹ بتایا، ان کو اشتاد پسند ٹھہرایا گیا، انہوں نے جس سے بالوں مات معاہدہ ہوا تھا اس لئے صبح ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ کشمیر بھارت کا آرٹ انگ ہے! اس معاہدہ کے بعد مقبرہ کشمیر کے مسلمانوں پر بھارت کے ظلم و ستم میں اضافہ ہو گیا! روس اور امریکہ کی ہمد و دیوں کا زیادہ تر رخ بھارت کی جانب ہے، چین، ایران،

یٹا، ترکی اور بعض دوسرے ہمارے ہمد و ممالک پر عالم حیرت سا طاری ہے!

سے مقام ہوش و خرد سے آگے تمام عالم غبار سا ہے

نہ جانے یہ دھند کب بجھے گی اور یہ غبار کیسے دودھ ہوگا؟

ماہر ارتقا دی

۲۵ دسمبر ۶۶ م

سُوقِ التَّوْحِيدِ

قل هو اللہ احد ایک سے مراد یہ ہے کہ اس میں تعدد نہیں، ترکیب نہیں، اس کا کوئی مثل نہیں، نظیر نہیں، ایسے کمالہ شئی ∞ نظیر دوست ندیدم اگرچہ از مدوہر نہاد م آئینہ ما مد مقابل رخ دوست

پس اس کی وحدت ذاتی اللہ حقیقی ہے۔ عدد ایک ہی نہیں جو زائل ہو جائے اور دوئی سے بدل جائے مثلاً $1+1=2$ کیونکہ یہ وحدت حقیقی نہیں، ایسی، دہر ہے کہ ایک معدوم بھی ہو جاتا ہے مثلاً $1-1=0$ اور جب صفر کے نام سے عدم کا مفروب ہوتا ہے تو خود عدم بن جاتا ہے مثلاً $0 \times 1 = 0$ اس کا تجزیہ یہ بھی ہو جاتا ہے، مثلاً $1 \div 1 = 1$ ، $1 \div 2 = 0.5$ ، $1 \div 3 = 0.33$ اور اس کی تعصیف بھی ہو جاتی ہے مثلاً $1 \div 10 = 0.1$ بلکہ غور فرمائیے تو وہ عدم سے مل کر کسی اضعافاً مضاعفہ ہو جاتا ہے مثلاً $1 \div 100 = 0.01$ اور پہلی شکل میں عشرات، و سوری میں سات اور تیری میں آٹھ کا درجہ ششدر دیا ہوتا ہے۔

مزیہ برآں، خدا کی شان یہ ہے کہ وہ حاجت کمالات ہو، (خدا اللہ ناقص ہو!) قویہ، (قویہ) اور بدعت باہر اقامتیاز اور ماہر الاستاذ ایک کے پیسٹیم کا پڑے گا کسی خدایں اگر ایک خوبی ہے تو دوسرے خدایں دوسری خوبی شفا ایک قیصر ہے اللہ و دوسرا عظیم، تو بہ بلا علم سے محکوم رہا اور دیگر قدرت سے، اس لئے کوئی بھی حاجت کمالات نہ تھا حالانکہ واجب الوجود کے لئے حاجت کمالات ہونا لازم نہیں ہے مگر ان شخصوں کے ایک نے زیادہ خط

انسانیت بڑا کفر ہے، جسے بڑی گمراہی اور سب سے بڑا مضبوط ہے،

لفظ "احد" نے تنزیت (۱۵۴۱ھ) کو بھی باطل کر دیا اور تثلیث (۱۵۴۱ھ) پر بھی ایک نئی نگاہ

لگائی۔ اس نئی بات یاد رکھئے کہ وہ بے مثل و بے مثال ہے، بالکمال اور عاقل و مال ہے، نہ کسی لہجہ میں، نہ کسی علم میں، اس کی ہی وحدت

و شہدہ معجزہ جاں نثار، ناولک ناز بے پناہ تیرا ہی عکس و رخسہ ہے، سائے تیرے آئینہ کیوں

اللہ! اللہ! محمد مصطفیٰ یعنی معصومہ وہ ذات جس کی طرف ضرورت کے وقت رجوع کریں یا بمعنی غنی اللہ ہے نیا زاد اللہ حاصل
و دلوں یعنی کا قریب قریب الیک ہی ہے را، اور نام پاک الہی جل شانہ نہ مکر ساتھ سماں ہوا، اہتمام معجزوں کے لئے۔

مراۓہ ہے کہ شان الہیہ کے لئے احدیت بھی لازم ہے اور وحدت بھی، اللہ دو کونوں کو دوسرا دین دھم کے ہیں، یہ نہیں کہ ایک صفت کم لازم

ہو اللہ دوسری زیادہ احدیت سے ذات و صفات میں یکتائی کا اظہار ہے پس نہ کسی دوسرے کو قدرت کا ملکہ حاصل ہے نہ علم تمام اللہ وحدت ہے اس کے رحم و

کرم اور مریض خلقتی ہونے کا بیان ہے، اور بعد بالمعنی الاول صفات اضافیہ میں سے ہے اور بالمعنی الثانی صفات سلبیہ ہے، اس سے اس کی تنزیہ

کا اظہار ہے کہ سب کو اس کی ضرورت ہے اور کسی کی بھی ضرورت نہیں، سچائی الہی ہے جس پر عدم طاری نہ ہو سکے، قادر الہی کہ کسی مادہ آل کی

نہیں علیم الہی کہ کسی دین کی ضرورت نہیں۔ سمیع الہی کہ مخلوقات کی طرح کان کا محتاج نہیں، بصیر الہی کہ آنکھ کا دست کار نہیں، حکم الہی کہ

کو حلف و صورت و زبان سے بے نیاز مقررین اور شافی الہی کہ کسی سے مغلوب و عاجز نہیں، بے غریب اللہ ہے اجازہ فعال الہی کہ ارادہ کرتے ہی معدوم موجود

ہو جاتے اور موجود معدوم، اور کام عین حکمت سرالما مصلحت، معبود و غنی الہی کہ تمام جن انس و ملائکہ ہمہ تن معادت ہو جائیں تو رانی بڑا ہی اس

کے کمال ذاتی میں اضافہ نہ ہو اور سب کے سب اگر اس کی عبادت سے منہ موڑ لیں تو ذرہ برابر بھی اس کے جلال میں کمی نہ آئے اللہ و درود الہی کو ب

الہی کہ سوا تائمانی الفت کی آہیں اور خرمیدگیان اور شہیدان کو بلائے محبت کی سرفروشان الہی کے لطف و کرم کی محتاج اور کسی کے رحم و کرم سے روکنے

ہوتے۔

چونکہ فیہ سب مایا، محمد ہے اللہ وحدت کا تقاضا یہ بھی کہ خود بخود ہو، اس لئے نہ باپ کی حاجت نہ ماں کی ضرورت، اللہ ظاہر ہے کہ ترکیب کو بھی اس

میں دخل نہیں اور تجزی کو بھی ماہ نہیں، اللہ مع ہذا لم یزل ولا یزال، جس کے معنی یہ ہونے کہ اٹلا دھجی، اس کی شان کے مافی، اہلنا لہدیٰ ولہدیٰ۔

لہدیٰ سے تریدہ ہوئی مشرکین عرب کی جو ملائکہ کو بنات اللہ کہتے تھے اور اسی طرح یہود و نصاریٰ کی جو حضرت عزیر اور حضرت علی

کو ابن اللہ کہتے ہیں اور ان فلاسفہ و عجمی ابطال ہوا و واجب الوجود سے عقل اول انسان عقل اول سے بالترتیب عقل عشرہ کے قواعد کے قائل ہیں، اللہ دلیل

اور کما خروا۔ اہیت اور انحداریت ہے، کیونکہ جو احد اللہ محمد ہو گا وہ واجب الوجود ہو گا اور واجب الوجود قدیم ہوتا ہے نہ کہ حادث حالانکہ مولود کیسے

حادث ہوا حال ہے، اللہ چنانکہ احدیت کے لئے لازم ہے غیر متبعض اور غیر متجزی ہونا جیسا کہ سابق بیان ہوا اور اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ

اس سے نہ وہ مولود ہے نہ والد۔

لہدیٰ ولہدیٰ سے معلوم ہے کہ بعض مذہب اوتار کے قائل ہیں اور ہمارے بعض سنی بھی علم کی کمی اور ایمان

کا کمزوری سے ان سے سب سے نیچے نیچے نکالتے دیکھتے ہیں، اس لئے فرمایا لہدیٰ پس اول الانبیاء حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق بھی یہ وہم نہیں ہو سکتا۔

کہ وہ رفیعاً لہدیٰ منہ خدا تعالیٰ کہ ان کی افلاک و سماوی دنیا میں چمکے ہوئے ہے، خدا تو ہم پر اللہ ہے اور قدرت بیسی خدا اسلام کے بارے میں بھی یہ شبہ نہیں ہو سکتا

کہ وہ خدا ہے، کیونکہ خالق و خلیفہ، بہت اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھی، اللہ وہ خدا کا بیٹا ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ لہدیٰ یعنی خدا کی کوئی

اولاد نہیں، اہلنا و سرتاج انبیاء و خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم، حضور کے بارے میں بھی ایسی ہی کو یہ عقیدہ کا لازم نہیں رکھنا

چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں ہو سکتے، اللہ بیٹا ہی بھی حالانکہ خدا کی شان ہے کہ وہ لہدیٰ ولہدیٰ، نہ اس کے

املا ہے اس لئے ہاں ہاں، کیونکہ اس کی عظمت و جلال اس سے کہیں بڑے ہے کہ تو اس کی جانب منسوب ہر مکمل اور پیکر میں عقلی اس کی اہمیت، اہمیت اور صمیمیت سے پیش کی گئی۔ جو بعض غبی الذہن لوگوں کے لئے نیا دہ غیب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تمام بات و صحت کے طبع پر عقلی و عین بھی بیان فساد کی کہ وہ لم یکن لہ کفراً احداً، پس اس کے تقدس کے خلاف ہے والدہ عیناً، کیونکہ جب اس کا فہم کفر کوئی نہیں، تو اور اس کا کوئی عدیل نہیں۔ زوجہ کا ہونا مسدوم، اور جب زوجہ کا وجود محال تو اولاد کا وجود بھی محال، سبحانہ و سبحانہ لا مثلاً یک لہ،

سب کو مقبول ہے دعوتے تری یکتائی کا

ساتھ کوئی بت آئینہ سیمائے ہوا

دنی کا شئی لہ شہادہ

یدل علیہ انہ واحد

”کاروان حجاز“

ماہر القاری

کتاب ناول سے زیادہ دلچسپ اور لائق و گل سے زیادہ رنگین و پاکیزہ

سفر نامہ نہیں دین و دانش کا مندر

آپ کے دل کی دھڑکنیں گنگناہیں گی اور آپ کی آنکھوں کا خدا اور رسول کی محبت کے آنسو رواں ہوں گے۔

خوب صورت و رنگا سرورق دیدہ زیب کتابت و طباعت

قیمت جلد ۱- چار روپے (علاقہ محمول)

ملنے کا پتہ

مکتبہ فاران کیبل اسٹریٹ کراچی ۱

آبشار

جناب خاقان کی کہ جو یہ کلام ”بہاؤیہ“ پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے یہ اعتراض وارد کیا تھا کہ ”آبشار“ مونث نہیں، مذکر ہے! اس سلسلہ میں بعض حضرات نے مجھے لکھا کہ ”آبشار“ کے بارے میں مزید تحقیق فرمادی ہے، کیونکہ جہل لکھنوی سے اس لفظ کا ”مونث“ ہونا بھی ثابت ہے۔
 لفظ لکھنوی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ لکھنوی میں یہ لفظ ”مونث“ بھی بولا جاتا تھا، مگر نواب جعفر علی خاں آثر لکھنوی ”فرہنگ انز“ (حصہ دوم) میں لکھتے ہیں :-

”اس لفظ کو صرف نور اللغات اور جمال وغیرہ نے مونث قرار دیا ہے، مگر جن لوگوں نے آبشار دیکھا ہے اس کو مونث نہ مگر مذکر کہیں گے پانی کا حجم اور نہ دیکھ کر کیسا قند بندھی سے گزرا، اس کی تائید کے منافی ہے؛ بحین اتفاق سے ایک مثال مذکر کی میں مل گئی (طبع فصاحت) مؤلفہ مدحین ماہ لکھنوی“

”پہاڑیوں سے آبشار گرتا، گھاٹیوں سے جھرنے بھڑکتا“

اگر لکھنوی میں یہ لفظ ”آبشار“ — دوسرا طریق ”مونث“ بولا جاتا تو آثر لکھنوی کی زبان پر اسے مونث ہی ہونا چاہیے تھا مگر موصوف اس کے ”مذکر“ ہونے پر اصرار کرتے ہیں :-

میر تقی میر کے دو شعر ہیں :-

اور ہر کے تین ایک تھا آبشار وہ البتہ شایان سیر و شکار

اور —

آبشار آئے مجھے آنسو کے پلکوں سے تو میر کب تک یہ آب چاہد منہ پہ تانا کیجئے

نسیم دہلوی نے بھی میر کی طرح ”آبشار“ کو مذکر ہی نظم کیا ہے :-

آبشار۔ اشک کے کام آتے ہیں حواری میں کہ اڑھا دیتے ہیں اکثر مجھے چب و دانو

طبع ہوشیار (جہد اول ص ۱۱۱) میں بھی مذکر ہی لکھا گیا ہے :-

”اُن سے آبشار نے ساون بھ دوں کی گھٹا کو رشہ ما دیا“

الفاظ کی تذکیر و تانیث کا معاملہ یہ ہے کہ تعلیم شاعروں اور ادیبوں کی نظم و نثر سے بیشک ہم سہم لیتے ہیں مگر بعض الفاظ ایسے بھی

ہیں، جن کو دوسرے ہائے علم و خواص نے تذکیر یا تانیث کی سند سے دیکھا ہے، مثلاً غالب اور آثر لکھنوی نے مذکر یا مذکر یا نہ تھا ہے مگر اب یہ

لفظ بالاتفاق ”مونث“ ہے جو کوئی ”مذکر“ بولتا ہے وہ ”ضررہ کی مخالفت کرتا ہے“

اسی طرح ”خارنار“ میر تقی میر کے زمانہ میں مونث بولا جاتا ہوگا، اُن کی منزل کا مطلع ہے :-

بہاں اب خارنار میں ہو گئی ہیں وہاں پہلے بہاں میں ہو گئی ہیں

جائزہ

مگر اب ”مذکر“ ”سبزہ نادر“ ”جزیرہ نادر“ اور ”خارنار“ وغیرہ مذکر بولنے جاتے ہیں، اسی عوام و خواص کی بول چال اور نثر پر مجھے کئی نکتہ آتا ہے۔ آثر لکھنوی نے ”فرہنگ انز“ میں لکھا ہے کہ ”آبشار“ مذکر ہی بولا جاتا تھا، اس کی تائید کی مثالیں خاں خاں ہی ملی ہیں، مگر اب یہ بالاتفاق مذکر بولا جاتا ہے،

سوز و ساز

شفقت کاظمی

وہ بھول کر بھی میرے بندے نہیں آتا
بنے ہیں لوگ مرے حال کے تماشا
میں کسی کو مرے حال پر نہیں آتا
ہم اپنے خون سے لگے ہیں کھادیں گے
ہم اپنے خون سے لگے ہیں کھادیں گے
کوئی سکون رہے اور غم نہیں آتا

یہاں سے دور جکر جیسے کاظمی جو کہ
اسی سے چاروں طرف جکر نہیں آتا

داتا گوردی

کہا مٹا کر میں ہوں دل میں بیزار کے
پیش قدم یہ کہیں آمد تو فدا ہو نہ جو
برطانت تو رہتا پھر ہے یہ گریباؤں کے
تذکرے خاک نشین رہے ہیں ایوانوں کے

فساد و غم میں ہی خوشی کی جستجو کرتے رہے
تشنگی کی بات اور ذکر سب کو کرتے رہے
مرا رہی ہیں بھی ہم سب کو کرتے رہے
کیا کہیں ہم دل سے کیا کھینچ کر لے رہے

علامہ شبلی میر تقی میر

شدت غم ہو آنکھوں سے آنسو
میں ترے جہر سیم کا شکوہ کروں یہ مرے ضبط سم کی توہین ہے
آپ من تن کے مدد و محبت نہیں رہے یہ ربط باہم کی توہین ہے
کچھ توہین دیں کچھ اثر بھی نہ ہیں دل کی توہین ہے غم کی توہین ہے

میں شمس

ترے شہر میں یہ عالم بھی گز گیا ہے مجھ پر
ہمیں کچھ نہ ختم ایسے بھی ملے ہیں
کوئی عجب سے بات کرتا تو میں انکسار ہوتا
کہ من کا وقت بھی مرہم بھی نہیں ہے

نذیر عظیم
نقاد علی

غموشی لاکھ بے حرف و نوا ہو
مگر مفہوم تو ہم نہیں ہے

مذہب کی ضرورت

۱۔ مذہب کے لغوی معنی چلنے کے لئے گام کے ہیں، زندگی اور حرکت لازم و ملزوم چیزیں ہیں اگر زندگی ہے تو حرکت کی ضرورت ہے۔ حرکت کہہ نہ گئے کیلئے ہے کی ضرورت ہے، راستہ نہ ہو گا تو حرکت آسان اور مفید نہیں ہو سکتی، اسی آسانی ہمیا کرنے والے راستے کا نام مذہب ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ زندگی اور حرکت لازم و ملزوم۔ چنانچہ زندگی اور زندگی کا سفر طے کرنے کا راستہ بھی لازم و ملزوم ہو گئے ایک کے بغیر دوسرے کا وجود ممکن نہیں۔

۲۔ انسان معاشرتی زندگی گزارنے پر مجبور ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی کا ڈھنگ ہی اس قسم کا بنایا ہے کہ وہ اجتماعی اور گروہی زندگی کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ جانوروں کے بچے تھڑی سی مدت میں خود کفیل اور آزاد ہو جاتے ہیں لیکن انسان کا بچہ ساہا سال تک ماں باپ پر نیندا قارب کی نگرانی کا محتاج رہتا ہے۔ اس وجہ سے انسانی زندگی گروہی زندگی بن جاتی ہے۔ جب بہت سے انسان ایک جگہ رہتے ہیں تو ایک دوسرے سے واسطہ پڑتا ہے تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ تعلقات سے حقوق و ذرائع قائم ہوتے ہیں ان کے لئے اصول و قوانین کی ضرورت پڑتی ہے اگر یہ قوانین جموں تو وصفت کی زندگی ہو جائے انہیں زندگی کے اصول و قوانین کا نام مذہب ہے۔ جب انسان معاشرتی زندگی گزارنے کے لئے موجود ہے تو اس کے قوانین حاصل کرنے کے لئے بھی مجبور ہے اور یہی قوانین

اصطلاح میں مذہب کے نام سے موسوم ہیں۔ اس لئے انسان مذہب سے گریز نہیں کر سکتا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مذہب نام ہے خدا کے لئے ہوتے قوانین کا۔ تو کیا یہ ضروری ہے کہ خدا کے دے ہوئے قوانین پر ہی زندگی گزارا جائے کیوں نہ انسان خود اپنی زندگی کے قوانین بنائے اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ ہذا تہذیبوں میں سالی پوری قوت سے غور و غوض کرنے کے بعد آج تک یہی فیصلہ نہ کر سکی کہ زندگی کیا ہے، کہاں سے آئی، کس نے پیدا کی، کب ختم ہو گی، ختم ہونے کے بعد دوبارہ پیدا ہو گی یا نہیں۔ پیدا ہونے کا سبب کیا ہے۔ افراد کو کیوں موت آتی ہے، انسانی فطرت کے اسرار اور رموز کیا ہیں۔

وہ ذات الٰہی زندگی کے لئے متوازن، مفید اور بہرہ جہتی قوانین کس طرح بنا سکتی ہے۔ زندگی کے لئے قوانین بنانے کی سب سے زیادہ مفید اور مفید ذہن ذات ہوسکتی ہے جس نے زندگی کو پیدا کیا، جو زندگی کے تمام اجزائے ترکیبی کو جانچا ہے جو زندگی کی تمام کمزوریوں سے آگاہ ہے۔ جو تمام ارضی و آسمانی نعمتوں کو سمجھتی ہے جس نے زندگی کی صلاحیتوں اور ان کے تناسب کی خود تحقیق کی ہے۔ چنانچہ ہمارے اس دعوے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین روزانہ بدلتے رہتے ہیں کہ خدا کے بنائے ہوئے قوانین ازل سے ابدی ہیں ان میں تبدیلی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ "وہن تجدی یسنت اللہ

تبدیل"۔ خدا کی سنت میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی یہ ابدیات ہے کہ انسان اپنے ذہن و باطن میں اس سنت سے منہ موڑ لے اور سرکشی اختیار کرے لیکن اس سرکشی سے انسان کے کسی مفید نتائج پیدا نہیں کئے، انسانی گروہی زندگی کے قوانین کس طرح اثباتاً ثابت ہوتے ہیں ایک ایک امر ثبوت امریکہ کا قانون امتیاز شراب ہے کہ انہوں نے شراب کی تباہ کاریاں دیکھ کر اس کو پہلے خلاف قانون قرار دیا لیکن جب بغیر شراب کے زندگی دیکھی تو وہ دیکھ کر اس کے نقصانات کو جاننے اور دیکھنے کے قانون کے خلاف لغات کو دی اور خود اپنی ایک کمزوری کے انہوں نے جس کو گناہ بنا دیا اس کو قانون صرف تین سال کے بعد ختم کر دیا لیکن خدا کے قانون میں شراب ابدی طور پر حرام ہے۔ اس کو کوئی قانون ساز پہلی کسی قسم کی اکثریت۔ کوئی اقتدار مطلق حال قرار نہیں دے سکتا۔

۳۔ مذہب کے تصور کی بنیاد و ماحصل خدا کا تصور ہے۔ بغیر خدا کے تصور کے مذہب کا تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مذہب کے قوانین دینے والے ان کا مؤثر کرپولی اور خدا و جزا دینے والے کی ذات ہے۔ اسی وجہ سے یہ مذہب ابدی میں مذہب کے اصول و قوانین یک طرفہ اور محدود ہو کر رہ گئے۔ انسان میں سمیت افراط و تفریط پیدا ہو گئی۔ ان مذہب میں خود کا تصور واضح نہیں بلکہ تقریباً معدوم سا ہے، اسی وجہ سے ان کی زندگی کا تصور مثالی ہے مگر دنیا اور

ربانیت کی طرف سختی سے مائل ہیں، ایک جوفلفہ کی جان لینا بھی گناہ عظیم ہے، دشمن کا مقابلہ اپنی جان سے کر دیتے ہیں۔ ایسی دنیا میں جہاں ایک کی زندگی کا انحصار دوسرے کی مرگ پر اس قدر قائم ہے کہ قوانین زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتے کمزوروں کو کون زندہ ادا کرنا دیتا ہے۔ طاقت و کمزور کو نکل جاتا ہے۔ بڑی بھلی جھوٹی بھلی کو کھاتا ہے۔ بڑا دھنچکا چھوٹے کو نہیں دیتا۔ بڑا دھنچکا دوسرے کی فطری طریقہ خدا کا ہے، ہماری ایک سانس میں لاکھوں جلائیم عجم کے ابد جا کر مر جاتے ہیں۔ ہم اس زندگی میں مکمل اپنا پر عمل کر ہی نہیں سکتے، چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ عین ابد بدھ نہیب دالے ناک سے عدال باندھے پتے ہیں لیکن باوجود عدال لاکھوں جلائیم کپڑے کے سوا فانی ہیں سے گرد کران کے صم میں داخل ہو کر مر جاتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کا قانون خدائی قانون نہیں اس لئے تشنہ نامکس اور غیر متوازن ہے، خدا کے واضح تصور کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ ان پر عملی طور سے بہت کمزور ہے اسے زندگی گزارنے کے لئے کسی نہ کسی سہارے کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ بقول قافی مرحوم:

بچے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی
ترے غم نے پکائی زندگی کی آبرو برسوں

واقعی بغیر خدا کے سہارے زندگی کی آبرو بچا بہت مشکل ہے، یہاں پریشانیوں اور نا کامیوں اس قدم میں کہ زندگی کے کسی نہ کسی لمحے میں ہر شخص زندگی کا دامن تار تار کرنے کی نشان دہی کرتا ہے ایسے نازک وقت میں خدا سے ریم و کیم کا تصور ہی انسان کی دھارس بندھاتا ہے اور زندگی کو ختم کرنے کے نہیال سے باندھ کھتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے جیسے خدا کا تصور ختم کیا جا رہا ہے خود کشی کی وارداتیں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ پچھلے سال جاپان جیسے چھوٹے سے ملک میں چالیس لاکھ خود کشی کی واردات ہوئیں۔ سب زیادہ خوش حال اور ادا لدار ملک امریکہ میں تمام ملکوں سے زیادہ خود کشی کا رواج رہتا جا رہا ہے یہ ہے ان کی مجرور کا ادب بے بسی۔ جب ہر طرف سے مصائب و آلام کا ہجوم ہو اور سہارا کوئی نہ ہو تو ان میں غریب کیا کرے اور دنیا کے تمام سہارے بہت کمزور ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ضعف الطالب المطلب" یعنی دینا کے طالب بھی کمزور ہیں اور مطلب میں ایک دوسرے کو سہارا دینے کے قابل بھی نہیں بلکہ دنیا کے تمام سہاراں کو ایک جگہ بکری کے چالے سے نشیب دہا ہے جو ایک تھکے کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔ خدا انگلی لگا دیتے اور کمزور کا پورا اصل صاف۔ اپنی انگلی سے پٹ کر ختم ہو جاتے گا۔

۴۔ خدا کے تصور کے بغیر سہارا کی زندگی میں اخلاقی قوانین نافذ نہیں ہو سکتے۔ اخلاقی زندگی ہماری زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ ہے اور ہم یہ جانتے ہیں کہ اخلاقی قوانین کو دنیا کی کوئی عدالت نافذ نہیں کرتی۔ یا تو وہ دالے عامر کے ذریعہ نافذ ہوتے ہیں یا نیکی برائے نیکی کے تصور سے یا خدا اور مذہب کے تصور سے، نیکی برائے نیکی کے تصور سے اخلاقی قدروں کے بہت کم لوگ پابند ہو سکتے ہیں۔ بلکہ لوگ کہنے کہ ایسے لوگ پوشٹائی ہوتے ہیں عموماً انہیں اپنے جاتے۔ دالے عامر کی پابندی میں ایک بہت بڑی عروابی یہ ہے کہ بغیر خدا کے تصور کے اکثر اس کی تربیت غلط اور ناقص ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ کے امتناع شراب کے قانون کو ہی لے لیجئے کہ اس دالے عامر نے شراب کو حرام قرار دیا اور باوجود فقہان اور مذہب داری کے اعتراض کے محض عادت پڑ جانے کی وجہ سے پھر اس کو جائز اور حلال قرار دے لیا، اس قسم کا غلط اور متاثر کن دباؤ ہر وقت دالے عامر پر پڑ سکتا ہے۔ لیکن خدا کی نجات ان تمام کمزوریوں سے پاک ہے، اس کے فیصلہ اور پسند و ناپسند کو کوئی چیز متاثر نہیں کر سکتی۔ اس کی سنت اور اس کے قانون انہی دلیلیات ہیں۔ اس کے غیر مشرکہ کامیاق متعلق ہے، اس کی اخلاقی قدیم تغیر ناپذیر ہیں اور اس لئے ہر زمانے کے لئے باعث سکون و طمانیت ہیں۔ برصغیر اس کے دالے عامر کی اخلاقی قدیم زمان و مکان کے فرق سے ہر دم بدلتی رہتی ہیں اور ان کو کسی طرح قرار نہیں۔ ان کا انانی دشمن شیطان ہر لحظہ ان کو بد اخلاقی کے لئے نئے دالے دکھاتا رہتا ہے اور اس طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

۵۔ خدا کا تصور ایک اعلیٰ ذات کا تصور ہے۔ ایک بلند ہستی کا یقین ہے۔ یہ بلندی کا تصور ان کو سر بلند دکھاتا ہے۔ یہ قاعدہ کہ بات ہے اور ہم میں سے ہر شخص اس کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ محبوب میں خدا اعلیٰ اور بلند ہوتا ہے محبت کرنے والے کو بھی اتنا ہی بلند

میں چھ جاتی تو ہر دھن ہر تختہ گل پکار دیا کہ کہتا ہے کہ میری ترتیب اسباق خدا کی کسی پرستیا با عہان کی موجود نہت ہے، جب اتنی بڑی کائنات کے اندر سے میں اتنی نہ ہر دست با خدا کی ہر کہہاں کہہیں بھی نہیں آسکے اندر ہم سرائے حیران ہونے کے کچھ نہ کہیں کہ ہر ہم یہ کس طرح نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اس ہمدہ رنگارنگی میں کوئی مجبور نہیں ہے اللہ کی عظیم مہمت کا بنانے والا کوئی عظیم ترین انجینئر نہیں۔

ج۔ مذہب اللہ خدا کے ماننے والے کہتے ہیں کہ اس باقائہ کائنات کو ایک قادر مطلق خدا نے ایک خاص مقصد کے لئے بنایا۔ لیکن دوسرے جو خدا کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ یہ کائنات خود بخود پڑی پیدا ہو گئی، وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ پڑی کس طرح پیدا ہو گئی، جبکہ دوسری کوئی چیز پڑی نہیں کیسی سبب یا خالق کے نہیں پیدا ہو سکتی، پھر کائنات بھی ایسی کہ جس کے ہر ذرے میں ایک عالم پوشیدہ ہے اور اس کے چھوٹے اجڑا بھی ایک اصول کے تحت گردش کرتے ہیں۔ ایک فلسفی سائنسدان نے جو کہ خدا کے وجود کا قائل ہے اس ضمن میں ایک بڑی اچھی مثال دیا ہے وہ کہتا ہے کہ اگر کسی بوتل میں سودا نے ڈالے جائیں اور ایک دانے پلٹان لگا دیا جائے تو لٹان نہ وہ مادہ بوتل کو کوئی لاکھ مرتبہ ہلانے سے اتفاق سے صرف ایک مرتبہ رکے اور پلٹ کے گا تو اتنی بڑی کائنات میں اتنے کام اتفاق سے ہر دست کے مطابق سرانجام پانے کے لئے اتفاق وقت اور ہر گاہ کہیں کا اتفاق بھی نہیں ہو سکتا اور جو کہ کسی طرح ممکن ہی نہیں، پھر یہ تو معمولی سمجھا گا آدمی بھی انسانہ لگا سکتا ہے کہ یہ بات نیا وہ مناسب ہے کہ مخلوق کا کوئی خالق ضرور ہے یا یہ دھڑکی زیا وہ معقول ہے مخلوق بخیر کسی خالق کے پڑی نہ معلوم کیسے پیدا ہو گئی، ہر شخص اپنی عقل سلیم سے یہ خودی سوال کر کے حجاب حلو م کھتا ہے۔

اس کے علاوہ دہر لول نے یہ دعویٰ تو کیا ہے کہ ہم عقل سے خدا کے وجود کو ثابت نہیں کر سکتے لیکن کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ ہم خدا کے عدم یا نہ ہونے کو عقل سے ثابت کر سکتے ہیں اور کسی کے وجود کا عقل سے ثابت نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کہیں کہ آج سے دو سو سال پہلے ہم بہت سی چیزوں کا وجود عقل سے ثابت نہیں کر سکتے تھے لیکن آج وہ ہماری عقل میں آ رہی ہیں اور ان کا نہ ماننے والا جاہل اور اندھا کہلانے لگا۔ میرے خیال سے آج بھی ایک انسانی جواب کہ تم کا لطیفہ بھی خیر اور ہجرت انجیز ہے گا، ایک دوسرے سے بحث کے دوران ایک خدا پرست نے خوب کہا کہ حضرت اگر خدا نہ بھی ہوا تو ہمارا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس کے تعجب سے خندہ کی سندی ہے، زندگی میں ابھی اللہ پاکیزہ تسدیں آجھرتی ہیں۔ پس کون اور معتدل زندگی گزارنے کا موقع ملتا ہے لیکن اگر خدا نکل آیا تو ہماری مٹی پلید ہو جائے گی تبہیں کہاں پتا ہلے گی۔ ان سزائوں اور عقوبتوں کا بھی خدا انسانہ کر لو جو ایک قادر مطلق خدا ایک باطنی اور انفرادی بندے کو دے سکتا ہے۔

فاران کا

توحید نمبر

دور حاضر و عظیم دینی اور علمی پیشکش

مصلحہ کا پتہ: ۱۔ مکتبہ فاران کیسٹ اسٹریٹ کراچی ۱



آزمودہ دواؤں کا مرکب

انالجین



سر درد - کمر کا درد - دانستہ کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زور اثر اور بے ضرر علاج ہے

Specific

01/63

یاد رہے کہ وضع کرے، جس کی سند، مثال، نمونہ اور نظیر کتاب و سنت اور آثار و حدیث میں نہ پائی جاتی ہو۔ دین میں کوئی نئی بات نکالنا حاصل اس بات کی طرف نہیں کوئے جاتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر و تقویٰ اور اصول سعادت کے کچھ اصول و رسوم بیان کرنے سے وہ گئے تھے اور وہی کے تابعین اور اہل بیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد و تربیت یافتہ صحابہ و رضوان اللہ علیہم اجمعین (یعنی ان اصول اور اصول سے بے خبر رہے!

پچھلی منزل کی تباہی اور خدشہ و ہلاکت کا سبب یہی تھا کہ انہوں نے اللہ کے دین میں قیامی باتیں ایجاد کر لیں اور اپنے نزدیک اور نبیوں کی شان میں اس قدر مبالغہ کیا کہ ان کی شخصیتوں کو "الہیت" سے لایا، یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں قرآن کریم اس کی خبر دیتا ہے کہ یہود، حضرت عزیر کا دلہا بنی حضرت عیسیٰ کو "ابن اللہ" کہتے تھے یہ عقیدہ ان لوگوں کی شدت عقیدت اور غرور و محبت نے تراشا ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی بزرگ، پیر، ولی یا نبی کے ساتھ حقیقت شرعی حدود سے تجاوز نہ کرتا تھا، تو اس مبالغہ آمیز حقیقت کا سلسلہ رفتہ رفتہ "شرک" کی حد تک پہنچ کر رہتا ہے! اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اور فرما دیا تھا کہ مجھے میرے رب سے زیادہ درجہ ۱۰ معلوم ہو اگر یہ صفت اللہ تعالیٰ کی صفت اور شان ہے کہ وہاں حمد و ثناء میں جتنا بھی مبالغہ کیا جائے وہ حقیقت سے کم ہی ٹھیکے گا، مگر جسے چاہے وہ انبیاء و رسول ہی کیوں نہ ہوں، ان کی نعمت و مناقب کے کچھ حدود ہیں جن کا لحاظ پاس کرنا ضروری ہے! مراتب میں فرق نہ کر کے اللہ و رسول کو ایک سطح پر نہ لانا اور نہ نام نہ لانا ہے۔

سے گزرتی مراتب نہ کنی نہ ذلیلی

کافروں اور مشرکوں کے یہاں اہل ذہن کے مقابل میں جو چیز نمایاں نظر آتی ہے وہ یہی ہے کہ اپنے کیشوں، مینوں اور ہرگون کی شان میں وہ اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ حقیقت الہیت کا رعب دھار لیتے ہیں، وہ اپنے پیروؤں میں بھی کہلام کہتے ہیں تو کسی کو بھگوان! کسی کا لیلہ کا انداز لکھتے ہیں، اسی دلی کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ مال و دولت عطا کرتی ہے اور کوئی دولت و دنیا والوں کو محبت و دوستی بخشتا ہے یہی حقیقت "مندی" اور "مقام" شالوں میں تہن کے آگے سیس لواتی، ان پر چڑھا دے چڑھاتی، ان کے ناموں کی دنیائی دنیا اور جہ پکارتی ہے، شرک و بت پرستی کی انتہا یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا والوں اور پڑوں تک کو بوجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ گنگا، فانی نے ہماری مصیبت کو دور کر دیا اور پس پ کا طوطا کرتے سنن کا نشان مرض جانا مانا، مندی اور دنیا وال پر چڑھ گئے تھے اس اور شرک کی نبی ست میں مبتلا ہو کر بعض و بصیرت سے کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے بڑے دھرم کا کام کیا ہے اور دیویوں اور پوتوں کو خوش کے بڑی نیکی کی ہے!

مسلمانوں میں بھی جہاں جہاں حقیقت کا بے جا غلو پایا جاتا ہے وہاں مشرکوں اور بت پرستوں کی رسول اور پیروں کا مشابہہ رسم اور تہذیب اور آداب اور ان کے عقائد سے ملنے جلتے عقیدے کسی نہ کسی طرح پار پائے گئے ہیں، اور چال و پھری کی انتہا یہ کہ کوئی ان بدعات اور مشرکانه رسوم کے خلاف زبان کھولے تو اللہ آسمانی بے چارے کو ملعون کیا جاتا ہے کہ تم ہنگام دین سے سر و مل نہ رکھتے ہو اور ان سے بدعتیہ ہو گئے ہو! اُس بیمار کو کیا کہنے جو طبیب اور معالج کو مرض سمجھ کر اس کو نصیحتیں کرتا ہو، اور اپنے مرض کو عین صحت سمجھ بیٹھا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کوئی ذات ہے نہ شکل کتا ہے نہ اندہ فرما دے اور غریب نواز ہے، مگر بعض مسلمانوں کے غلو حقیقت نے یہ القاب ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت و ربوبیت کو مراد ماہیں، نہ ہر گاہ دین کو دوسرے رکھے ہیں! جس طرح نہر سے آدی پر ہینر کتا ہے اللہ تعالیٰ ہے کہ کسی چیز میں چاہے وہ کتنی ہی خوش ذائقہ کیوں نہ ہو اگر کسی کی ناک سے بھی مقدار میں کم نہر کا مشابہہ ہو جائے تو اُس چیز کو چھوئے گا بھی نہیں، اس وقت سے کہ کہیں نہر کی تلاوت کے سبب اُس کی ہلاکت واقع نہ ہو جائے اگر "شرک" جو ایمان کے لئے نہر کی طرح قائل ہے اُس کے سوا کسی مسلمان کیسے بے پروا ہو گئے ہیں، اگر قبروں کو بوجھ کر کہے انسان سے سوا وہی، انگ کہ بھی نہ اُن کے ایمان میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے اور اُن کے اسلام میں کسی قسم کی خرابی پیدا ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامانی قبر کے بارے میں امت کو تنبیہ کی تھی کہ اُسے کہیں نہ بت نہ بنالیا اور یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجی تھی کہ انہوں نے اپنے پیروں کی قبول کو بوجھ کر کہ بنالیا، اُس، تبجا، میسراں، چالیسراں، برسی اور سا لگھ، مردوں کے لئے ڈنڈیاں، ان رسول سے صحابہ کرام واقف ہی نہ تھے، اس لئے صدیوں تک اس کی کتابوں میں ان نقیسات کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ حضرت نے قبروں پر چراغ جلائے والوں کو ملعون فرما دیا ہے، مگر مسلمان حضرات

کے اس ارشاد کے مطابق قبول ہو چکا اغان کرتے ہیں اور پہلے لگا ہے! انشرا کا نہ رسوم و بدعات کا یہ سلسلہ دین و حقیقت بن کر رہ گیا ہے! یہ ہمارا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ نہیں ہے اور ہم نے اس باب میں انداز بھی غلط کیا ہے، کئی سوال سے نہ جانے کتنے مسلمان نہ صرف ان رسوم و بدعات کی وبا میں مبتلا ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اب سے دوسرا دوسرا قبل اس لیے کہ انہیں ان غلطوں میں کیا ہے۔

مارگر ٹشکرین عرب کے حقائق انسان کے اعمال انسان کے حالات کی پوری پوری تصویر سے واقف نہیں چاہتا ہے تو اس زمانہ کے عوام و جمہور کو دیکھ لے وہ قبول انسانہ نہیں چاہتے ہیں اس طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، غرض اس زمانہ کی آفتوں میں سے کوئی آفت نہیں جو اس زمانہ کی ایک قوم اس کا ارتکاب نہیں کرتی انسان کے دل و اعتقاد نہیں رکھتی، خدا ہم کو ایسے عقائد و اعمال سے بچائے۔ (الغزالی کیسے — اردو ترجمہ)

بدعت جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "فلاحات" سے تفسیر فرمایا ہے، کبھی ایک حال پر نہیں رہتی، شروع شروع میں اس کی بعض صورتیں سادہ اور بے ضرر تھیں مسلم ہوتی ہیں، مگر اس پر اضافہ فرماتے چلے جاتے ہیں اور پھر گراہی کی کوئی حد اتہا نہیں رہتی، مثلاً کسی شخص نے کسی ہنگام کے یوم و فعات پر ہنگام کی بیکاریات کی ہوگی، پھر کچھ قرآن شریف پڑھ کر اس کا ٹاپ آن ہنگام کی تدرج کو ٹشکر ہنگام اولیصال ٹاپ کے لئے فقرہ کو کھنا بھی کھلایا ہوگا، اس کے بعد سال کمال آئی قبر پر دوسرے عقیدت مندوں نے آنا شروع کیا، اور سفر رفتہ نامین کا جتنا روئے باقاعدہ پہلے شیطانی صحت اختیار کر لی جیسے سوس کا نام دیا گیا، پھر اس قبر کا طواف کرنے لگا اور بعض لوگ اسے جوئے پئے لگے بلکہ سہہ تک کرنے لگے، کسی یا دشاہ یا میر نے اس قبر کے مصارف کئے جانا وقت کی اس طرح سماج و لیشنی کا سلسلہ چل پڑا آپ کی جگہ بیٹا اور بیٹے کے بعد پوتا لکڑی کا وارث قرار پایا اور اس وصالت کے ایک سے نامزد ہوئے دوسرے تو عدالت میں مقدمہ بازی تک کی فیت تک مکی، سجادہ نشین کے منصب کے علاوہ "مزار مبارک کی" خدمت "پھر لوگوں سے مستقل ہوتی اور اس طرح "خادم" کے نام سے باقاعدہ ایک پوسٹ (POST) بن گئی، اللہ خاتم نامین سے نکلنے والی خدمت وصولی کہنے لگے۔

یہ عرس ہے — دوسرے نامین "شریک صالح" کے مزار مبارک کی نیابت کے لئے آئے ہیں، اقرب پر چاہیں چڑھائی جا رہی ہیں، کھانے کی دیکھ لٹ رہی ہیں، کہیں "سماج" کے نام پر گانے بجانے کی مجلسیں جم رہی ہیں، صاحب قبر سے مرادیں مانگی جا رہی ہیں، مزار کے دھانے پر بہت سے حاجت مندوں نے تو اپنی عیالوں کو لٹکا دی ہیں، کوئی جہولی پھیلنے لگا ہے اور دوسروں کو انہما کرنا ہے کہ سرکار! اس دے خالی ہاتھ واپس نہیں جاؤں گا، اس فقیر کی جہولی میں تو حضور کر کھنڈ کھنڈ ڈالنا ہی ہوگا! قبر کا طواف ہے، سجدے ہیں، صاحب قبر سے استمداد و انتہا اور استغاثہ ہے، قبر کا غسل ہے! جس کے پانی کو معتقدین بڑی عقیدت کے ساتھ پی رہے ہیں، اور بہت سے کوششیں ہیں بھر کر لے جا رہے ہیں — خدا کے لئے خود کیجئے کہ عرس و زیارت قبر کے اس کا دعبار کا اسلام سے کوئی دھکا نہیں دے گا، اگرچہ شرک و بدعت نہیں ہے تو پھر شرک و بدعت کا دنیا میں سرے سے وجود تھا نہیں ملتا اور کتاب و سنت میں "شرک و بدعت" کا جو ذکر کیا ہے، تو خدا ظالم یہ لڑ ہی "برائے میت" ہے، اس نام کی کوئی برائی "دنیا میں نہیں پائی جاتی۔

ایک تو تمام اہل عوام اور سبھی علماء میں گویا ریت قبر اور عرس کے اس انسٹی ٹریشن کو کارفرما سمجھ رہے ہیں مگر بعض ایسے علماء جو کتاب و سنت اور آثار و صحابہ پر نگاہ رکھتے ہیں، ان ہاتھوں سے ہوتا ہے کہ وہ ان خواہات پر نیک نہیں کرتے اور خود کا بندہ ان لغویات پر نیک کرتا ہے، اس کی یہ علماء رٹا نہیں فرماتے بلکہ اس کے موقف کو مستحکم بنانے کے لئے طنز و مزاح کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں، ان اہل علم کی اس روش سے "شرک و بدعت" کے ان مظاہر کی گونانہ پہنچتی ہے یہ حضرات اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ ہماری بعض اعتدال و احتیاط کی روش ہے اور ہم نے افراط و تفریط سے دامن بچا کر معتدل موقف اختیار کیا ہے! یہ ان صحابہ کی بھول ہے! شرک و بدعت اور توحید و سنت کے مابین "اعتدال" اور "دھیانی" ماہ کا تصویر ہر سرے سے غلط ہے! توحید و شرک اور سنت و بدعت کے دھیان نہ تو مواظبت ہو سکتی ہے اور نہ بین ہوئی کوئی مسلک دفع کیا جاسکتا ہے۔

"الیصال ٹاپ" کا مسند اپنی جگہ خدمت ہے مگر اصل سال رسم اور طریقہ کا ہے! دیکھنا یہ ہے کہ انسانی دعا و ملاقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کیا عمل اختیار فرمایا اور صحابہ کرام کس طرح پرکار بند ہے اس کی کتاب میں کوئی ضعیف قول بلکہ موضوع روایت تک بھی ایسی نہیں ملتی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے کی چیزوں اور پسینہ وغیرہ کو سانپ کھانا توڑ پھوسا اور چھوڑ دیا اور ان کی تاب کی طرف سے کی طرح کو پہنچایا اور
 وہ صحابہ کرام کا ایسا عمل رہا! اللہ فقہ کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر ملتا ہے! اس صورت میں یہ بات محمد کے لئے اس وقت کے ہے کہ مسلمانوں نے نبیوں کی زندگیوں میں
 وہ فتنہ کی جیسے اور طریقے نکال دیے ہیں کہ یہ بی بی کی صحبت ہے یہ بھلا شاہ تشنگ مرستی، نیاز ہے، یہ بھلا بزرگ کے نام کے گنہگار ہیں، یہ تباہ کی دہلیاں ہیں
 بہشت برات کا صلہ ہے، یہ سماں صاحب ولایت کا۔ تو نہ ہے یہ کیا رہوین کی نیا نیا حدہ چھٹی شریف کی فتنہ ہے۔۔۔۔۔ ان کے لئے کوئی دلیل، کوئی سند جو ان
 کی اہانت اور استہباب کے لئے کوئی نظیر، اس قسم کی رسمیں اور طریقے ہندوؤں، پارسیوں، یہودیوں، عیسائیوں وغیرہ کے یہاں سے آئے ہیں، جن کو دین
 و کار و کتاب سمجھ لیا گیا ہے اور جن کے خلاف اس بدعت ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتے۔

جس طرح مسلمانوں کو بدنام کرنے اور لوگوں کو ان سے نفرت دلانے کے لئے قریش کے لئے فتنہ کرنے کی سعی، اس طرح اس بدعت
 نے ”وہابی“ اور ”دیوبندی“ کی طنز بازی کی ہے، جو کوئی توحید و سنت کی حرمت دیتا اور شرک و بدعت پر تکریم کرتا ہے اس پر دہانت اور ”دیوبندیت“ کی بدعت کی کٹی ہے
 حضرت سیدنا محمد فاروق رضی اللہ عنہ نے جس پر سو کوڑے مٹے ہوئے کہا تھا کہ اسے پتھر توڑ نہ توڑ پھینچ سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے جو دم دیا ہے اسے جو دم دیا ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے جو دیا تھا، ابھی حضرت فاروق اعظم نے اس بدعت کو کٹا دیا تھا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے۔
 ”بیعت رضوان“ کی سعی، اور لوگ اس بدعت کے اور گرد جمع ہونے لگے تھے، اس کا اندیشہ تھا کہ اگرچہ کہیں یہ بدعت نشان پرستش نہ بن جائے!۔۔۔ یہ ہے توحید
 شناسوں کا مزاج، ذہن نہ سکا اور اس بدعت کے قریب و استیصال اور توحید و سنت سے ترک کا نام اگر دہانت ہے تو پھر لوں کہنا چاہئے کہ حضرت
 محمد فاروق رضی اللہ عنہ سے بڑے وہابی تھے کہ ایک تبرک و بدعت کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف نسبت رکھنا تھا، اسے صرف اس اندیشہ کے سبب کٹوا
 یا کہ لوگ اس کی تعظیم و تکریم میں ایسا باغ نہ کرتے گلیں، جو پرستش کی حد تک پہنچ جائے!

حدیث نہ عین میں ہے!۔۔۔

کنت نہتیکم عن زیارة القبر فن ودھا فانھا تزھدن فی الدنیا و تذکر الاخرۃ دین نے نہیں زیارت قبر سے منع
 کیا تھا، سب قبروں کی زیارت کیا کرو، یہ چیز دنیا سے بے رغبت کرتی اور آخرت کی یاد دلاتی ہے (م)
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ لفظ کس قدر واضح ہے اس میں قبروں کی زیارت کی غایت بتا دی گئی ہے۔۔۔۔۔ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاد
 دہانت حاصل کرنے کے لئے یہی فرمایا کہ قبروں پر جا کر صاحب قبر سے مرادیں، لگا کر دیا ان سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے کی درخواست کیا کرو، دعا مانگیں اور
 ہدایت حاصل کرنے کے لئے یہی فرمایا کرو، بلکہ اس کے برخلاف خود اپنی قبر کے بارے میں یہ ہدایت فرمائی!۔۔۔

لا تجعلوا قبری عیدا

دیری قبر کو ”عید“ نہ بناؤ (م)

”عید“ کہتے ہیں میلہ دگانے کو، یہ آج کل کے ”سوس“ ”عید“ (یعنی میلے) نہیں تو ادھکیا ہیں! پھر حضور نے دنیا سے تفریق کے لئے پہلے مرض الموت میں فرمایا کہ۔

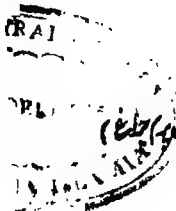
لعن اللہ الیہود والنصارى اتخذوا قبورا انبیاءہم مساجد

و لعنتہم وہ الذی یہود و نصاریٰ یکم انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مساجد بنا لیا (م)

پھر حضور نے فرمایا!۔۔۔

لعن اللہ ذلالت القبرس والمتخذین حلیمہا المساجد والسورج (مشکوٰۃ)

و لعنت اللہ ان کے لئے جو قبروں کو بنایا کریں قبروں پر لعنت خدا کی جو قبروں پر مسجدیں بنائیں اور ان کی قبروں پر سورج (م)



اگر یہ غیب جانتا تو بکثرت بھلائی حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان نہ ملتا بات مجھے پیش نہ آتی، میں نہ صرف خدا کے عذاب سے ڈھانے والا ہوں !

اور

تس لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ، ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم فی مملکتنا متبع الا ما یوحی الی
اسے مختصر کیا کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب جانتا ہوں اور میں یہ کہتا ہوں کہ میں
کوئی فرشتہ ہوں میں تو اپنی طرف مائل ہونے والی وحی کا اتباع کرتا ہوں !
تس لا اقول لکم عندی خزائن اللہ " میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے (فرما کر اس کا بھی اعلان کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہے پھر اسی حد پر ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے خزانے بھی نہیں ہیں ۔ ان واضح آیات اور احادیث کے کہتے ہوئے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون د
مکان کا مالک سمجھتا اور یہ عقیدہ رکھتا کہ کائنات میں جس کو کچھ ملتا ہے حضرت کے خزانے اور اساتے سے ملتا ہے ، لوگوں کی تقدیریں حضرت پر لکھی ہیں ،
مربعین کو شفا آپ دیتے ہیں اور نہ صرف آپ ۔ بلکہ ہر ولی ، پیر اور شہید کائنات میں متصرف ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان بڑوں کو انسانوں کی حاجت
رد کرنے پر مامور فرمایا ہے ۔ اس قسم کے تمام عقائد " توحید " کی ترویج کرنے والے ہیں ؟
صحابہ کرام کی کسی مشکلات میں مبتلا رہے ہیں مگر یہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد کے لئے نہیں لکھا اور نہ حضرت رسول پر ہر کار فرما د
استغاثہ کیا ؛ صحابہ کرام سے تدبیر پر چڑھ کر کون غوث ، قطب اور اہل ہر مکتبہ ہے مگر ان کے یہ عقیدے ہیں اور عقائد وہ کہ آگے وہ مجھ پائے گئے ہیں ؛
اگر وہ مالک و مختار مطلق کث اور عالم الغیب ہوتے تو جس " صفین کے " المذابک واقعے ہی سرے سے پیش نہ آتے " حضرت علی کرم اللہ وجہہ تافہین عثمان بن
کی شرافت نہ کر سکے ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی انگلی سے کنوئیں میں گڑھی ، صحابہ کرام نے بہت کچھ
تلاش کی ، مگر انگوٹھی نہ ملی ، اور حضرت کی مہارک انگشتہ کی گم ہوجانے کا سب کو غم ہوا ، مگر جو مقدس تھا ، وہ پورا ہو گیا ؛ جب صحابہ کرام جو اولیاء اللہ
کے سرور ہیں ، کنوئیں میں کھوئی ہوتی انگوٹھی کو تلاش نہ کر سکے تو ہمیں صیورت میں کس ولی اور غوث و قطب کے ہارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ سارے جہان
کی مشکلات فی اور مستغیری کرتا ہے اور کائنات کا کوئی گوشہ اُس کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے ۔

تمام صحابہ کرام میں ہر ایک کو نہ تو پورا قرآن حفظ تھا اور نہ ہر صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث کا علم تھا ، جب صورت
حال یہ ہو تو اولیاء اللہ کے ہارے میں یہ عقیدہ رکھنا کتنی غلط اور اختلاف واقعہ بات ہے کہ وہ ولی کے حالات جانتے ہیں اور ساری کائنات کا علم اور خبر
رکھتے ہیں ؛ حدیثیں اور فقہا بھی اولیاء اللہ میں مگلاں لئے کہ وہ " علم غیب " نہیں جانتے تھے ، اُن کے درمیان ساری امتعات پر ان کے اختلافی پاسے ملتے ہیں
یہاں تک کہ ایک راوی ہر ایک صحت جو کہتا ہے اور دوسرا محدث اُس کی تعدیل کرتا ہے ، ایک بات ایک امام فقہ کے نزدیک جائز ہے اور دوسرے امام
کے یہاں ناجائز ہے ؛

صحابہ کرام ، تابعین اور فقہاء و محدثین کے یہاں اس قسم کی باتوں کا پایا جانا ، خلافتِ امتستان کی منقصت کی دلیل نہیں ہے ، اس لئے کہ کتاب سنت
نے کسی نبی ، رسول ، صحابی یا ولی کا یہ منصب کب بتایا تھا کہ وہ " عالم الغیب " اور کائنات کا مالک و مختار ، بیحد و غیر اور عظیم بذات الصدقہ ہے ؛ نہایت الامت
کی یہ صفت کتاب سنت میں کہیں نہیں بتائی گئی کہ انبیاء و اولیاء دینا کو رزق اور اولاد عطا کیا کرتے ہیں اور ان کو جو کوئی بھی دہر و دزدیک سے لپکاتا ہے ، اُس
کی پکائی سن لیتے ہیں جو کہ انبیاء و اولیاء دینا کے ہارے میں اس قسم کے عقائد رکھتا ہے اُسے اپنے ان عقائد سے توبہ کر کے توحید پر چم جانا چاہئے ؛ اور نہ شرک وہ
گناہ ہے تو خدا نہیں کیا جاتا ۔ اور شرک کے بعد کوئی عمل غیر فائدہ نہیں پہنچاتا ۔

انبیاء کرام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات تو ہیں ، جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اُن سے فوقِ عادت کا ظہور جاتا ہے مثلاً عیسیٰ علیہ السلام

ماہنامہ مذہبوں اور گروہوں تک کو اچھا اور بھلا چکا کر دیا کرتے تھے، مگر اس مجرہ سے یہ نتیجہ نکالتا تھا اس مع الفارق ہے کہ اس نسل میں ساری دنیا کے مریضوں کی حالت کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خبر پہنچی تھی اس تمام جہان کے مریضوں کو شفا آپ ہی عطا فرماتے تھے، اس حضرت عیسیٰ کا یہ مجرہ حق ہے مگر کیا کسی مسلمان نے آج تک حضرت عیسیٰ کو مریض میں شفا دینے کے لئے پکارا ہے، اور کیا اس کا ایسا کما شریعت کی رو سے جائز سمجھا جائے گا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدد و حمایت میں صحابہ کرام کا یہ عقیدہ نہیں رہا کہ جو صحابی جہاں بھی ہے حضور اس کی حالت سے باخبر ہیں اور نہ کسی صحابی نے سفر و حضر میں مشکل کے وقت حضور کے نام کی دعا کی، اگر سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ سے حضور کے ہوتے ہوئے دعا کا ہے کہ کرتے، ناں! وہ بعض اوقات حضور سے دعا کرنے کی درخواست کرتے تھے، کہ اجازت و قربت تو دعا رسول کی منظر رہتی تھی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بیمار ہے اس کا باپ اس کے سر ہارنے بیٹھا ہوا ہے، اس مریض کو پیاس لگتی ہے وہ جانتا ہے کہ پانی گھر میں موجود ہے اور اس کا باپ پانی پلانے پر قائل نہیں ہے تو وہ شخص اپنے باپ سے پانی پلانے کی درخواست کرے گا، اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرے گا کہ مالش! مجھ پانی پلا دے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی درخواست یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ دعا، یہ بات بتاتی ہے کہ حضور کے تصرف و قدرت اور اختیار و امکان میں سب کچھ ہوتا تھا یا آپ ہی سے ہر مصیبت اور مصیبت و احتیاج کے وقت و دعا، انہما اور استغاثہ کرنے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ عطا کرنے اور مصیبت اور بلا سے گریز کا اختیار دیا ہے، لیکن واقعات اس کی تصدیق و تائید نہیں کرتے! حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ من اولادہ کو اہل تصوف اپنا امام مانتے ہیں اور عرف کے تین خانہ دے انہی سے منسوب ہیں، اور جن کو اہل بدعت نے منکر کیا۔ کالقبہ دے رکھا ہے، ان کی زندگی سب کے سامنے موجود ہے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر علیہ السلام کا ہوا حاصل کرنے کے لئے حضرت علی نے کیا کچھ نہیں کیا، دعا بھی اور ہر ممکنہ تدبیر اور جدوجہد بھی، لیکن تقاضا وقفہ کے آگے وہ مجبور نظر آتے ہیں، حضرت علی کی تمام امدادوں کے باوجود امیر معاویہ کی امارت باقی رہتی ہے اور تقاضا ایک حد تک بڑھتا ہے، امارت اور حکومت کے جھڑے نفاٹے عالم میں ہر اسے نظر آتے ہیں یہاں تک کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دردناک واقعہ بھی اموی حکومت کے ہاں وصلات میں کوئی انقلاب اور تغیر پیدا نہ کر سکا اللہ تعالیٰ کی حکمتیں وہی خوب جانتا ہے کہ انبیاء کرام تک کو ظالم قتل کر دیتے ہیں مگر اللہ کے ہاتھ ان پر عذاب نازل نہیں ہوتا۔

یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ تمام جانداروں کے دلوں کا حال جانتا ہے اور زمین کا کوئی فندہ، و زمین کا کوئی پتہ اور آسمان کا کوئی ستارہ اس سے پوشیدہ اور چھپا ہوا نہیں ہے، کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور ہر کسی کی مصیبت بھی وہی فندہ گناہ ہے، وہی زانی ہے، وہی شافی ہے، وہی کارساز اور مشکل کشا ہے، وہی دنیا کے کارخانے کو کسی کی شرکت اور مدد کے بغیر سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ تمام کی تمام قدرتیں اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کسی کو بھی عطا نہیں کیں! اور کسی کا تو ذکر ہی کیا ہے، خود انبیاء و کرام اور مسلمان عظام کی مقدس زندگیاں ان اختیارات اور قدرتوں کی نفی کرتی ہیں!

قرآن کریم میں حضرت خاتم الانبیاء و سید المرسلین امام الاولین والاخرین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو منصب بتایا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تلاوت و ان کی تعلیم اور تکریر نفوس سے ایہ کہیں نہیں کہا گیا کہ مذاق دینے صحت و اولاد عطا کرنے، سارے جہان کے مصیبت زدوں کی فریاد سننے اور ان کی مصیبت سے فکرت کرنے پر حضور کو مامور کیا گیا ہے! حضور کا سب سے بڑا شرف اور منصب نبوت کا شرف ہے اور وہ بھی اس شان کی ایک فہم کہ نبوت کا آپ کی ذات پر اتمام کر دیا گیا، اب قیامت تک ہر کسی کو بھی ہدایت و سعادت ملے گی حضور کے نقش قدم پر چلے گی، حضور کا اسمہ حسنہ الہیت کے لئے قطعی اور آخری معیار ہے! اتباع رسول کے علاوہ نجات اور خلافت کا اور کوئی ذریعہ اور راستہ نہیں! حضور کی ذات عالین کے لئے رحمت ہے حضور اخلاق ذیلی کے مہربان و منیر اور صاحب خلقی عظیم ہیں، آپ جیسا کوئی دوسرا ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ انسان کامل کا لقب اس پر ہی کو زیب دیتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کے لواحق عطا فرمائے گا اور مقام محمود بھی! اس دن تمام انبیاء و رسولوں میں تمہارا درجہ اول کی شرافت کا انہی صرف حضور ہی کو عطا کیا جائے گا۔ قیامت کے دن حضور

کنہر کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی جبریت کا یہی طرح اظہار ہوگا اور تمام انسانوں میں حضور ہی سب سے بلند و بالا اور عزت و محترم نظر آئیں گے (نفاہ ابی دآمی)

میلاد اور قیام اشتہار کا دوسرا دعوت نامہ اور دعوات کی نوعیت ہے کہ ان میں کسی ایک مسئلہ کی بھی تحقیق کر لی جائے تو دوسرے تمام مسئلوں کی گنجائش ہے! اکتی اور سبکتی چلی جاتی ہیں کہ ہر دعوت دوسری دعوت سے رابطہ و تعلق رکھتی ہے!

مثلاً "مولود" (یا میلاد) ہی کہلے لیجئے اس کی کوئی اصل و دیر رسالت اور جد و صواب میں نہیں ملتی! کسی کی پیدائش اور وفات کے دن منانے کا دستور اس میں نہیں رہا، سال کے سال سا لگہ و سنا لگہ تو خالص بھی بدعت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندکی سیالی نے اپنی سالگرہ نہیں منائی! خلفاء راشدین کے مقدس دور میں اسلامی حکومت کے حدود کو کتنی وسعت اور مال و دولت کی کس قدر فراوانی نصیب ہوئی، مگر کسی خلیفہ راشد کے عہد خلافت میں حضور کا "یوم میلاد" نہیں منایا گیا نہ اس دن چوخاں نماز رنگ بونگی جھنڈیاں نصب کی گئیں اور نہ کوئی جلوس نکلا، کسی ضیعت سے ضیعت رعایا میں یہ تک نہیں ملتا کہ اس دن صحابہ کرام نے کسی جگہ جمع ہو کر قرآن خوانی کی ہو یا حضور کے نام کی دیکھیں بکا کر کھانا تقسیم کیا ہو، "یوم میلاد" یعنی BIRTH DAY اللہ جنم دن، منانے کی بدعتیں اور اس دن طرح طرح کے کھیل تماشے، جوس اور مظاہرے، یہ تو ہندوؤں، عیسائیوں، یہودیوں اور مغز و کپوں کا مشاہدہ ہے! مسلمانوں کے تیرہ اعراف میں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان کے علاوہ مسلمانوں نے جن وقت میں کو اپنا "تیرہ روزہ" منایا ہے، وہ ان کی شرعی طبع اور جدت طرانیوں پر!

صحیحہ کلام سے نیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت کس کو ہو سکتی ہے، اگر حضور کی پیدائش کے دن جلوس نکالنا، چلخان کو یا جھنڈیاں لگانا، حضور کی محبت و عظمت کا ذیلیہ اظہار رہتا۔ تو صحابہ کرام ایسا فرماتے، مگر ان کے یہاں اس قسم کے مظاہروں کا نام و نشان بھی نہیں ملتا! انہیں کیا چاہتا ہے کہ اس طرح کے مظاہروں اور جلوسوں کی دین میں کوئی حیثیت نہیں ہے! باوجود بیچ الاولاد کو جو جلوس نکلتے ہیں وہ کھیل تماشوں کی طرح ہیں، تاہم کی مثال ہمارے سامنے ہے کئی سال سے "یوم میلاد" کے ان جلوسوں میں غلڈہ گردی اور ناشی کو خاصہ فروغ حاصل ہوا ہے، بدعت کی یہ خاصیت ہے! جہاں بھی اس کو نمایاں کرنے کا موقع ملتا ہے، وہاں کسی نہ کسی طرح برائیاں اور بے عزتیاں ظہور میں آکر رہتی ہیں۔

"یوم پیدائش" یا "یوم دفات" تو لیدوں، شاعروں اور ادیبوں کو زیب دیتے ہیں، یہ "یوم اقبال" ہے، یہ "یوم حسرت" ہے، یہ "گاندھی جینئی" اور "TILAK DAY" ہے! کہ لایں ایک بار سمجھو، ان بڑے آدمیوں کی زندگیوں پر فخر کریں، اور اس طرح ان کی محبت و عظمت کا اظہار کیا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقارن سیرت سے تو مسلمانوں کا ایک دن یا چند دن کا نہیں بلکہ زندگی کے ہر لمحہ اور ہر لحاظ کا تعلق ہے! اس لیدروں کے "یوم پیدائش" کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "یوم میلاد" منا کر حضور کی محبت و عظمت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

یہ کوئی نہیں کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن حضور کا ذکر کرنا ممنوع ہے، صاحبان فکر و بصیرت کا کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تو ہمیشہ ہی ہوتا رہنا چاہئے، اس کے لئے کسی خاص مہینہ اور دن کی قید نہیں ہے کہ ایک دن یا چند دن ذکر رسول کریم کے مستحب، مطمئن ہو جائیں! ذکر رسول سے تو مسلمان کی سیرت و ہوی نہیں سکتی، یہ تو اس کی روح کی غذا اور ایمان کا تقاضا ہے، اسوہ رسول کو ہر وقت پیش نظر رہنا چاہئے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے مبارک ذکر سے کوئی شیعہ قسم کا منافق ہی روک سکتا ہے، ذکر رسول تو رسالت و برکت اور نفاہ و سجاد کا ضامن ہے! اس مقدس ذکر سے آئینہ دل کی جھلک ہوتی ہے! نہ صرف اجتماعات جلوسوں میں بلکہ مسلمانوں کے گھر و دیوں میں اس کا چرچا ہونے لگا جاتا ہے، ہر مسلمان بچے کی گھٹی میں ذکر رسول کا نشان ہونا ضروری ہے! ماہ و ربیع الاول ہی نہیں ہر مہینہ ذکر رسول کا مہینہ ہے کیونکہ امت کا ہر فرد ہر وقت رسول جانتے اور اس پر عمل کرنے کی انفاہ و احتیاج رکھتا ہے! اجماعات کھلتی ہیں، وہ یہ ہے کہ لیدروں کے "یوم" جس طرح منائے جاتے ہیں، ذکر رسول کا

نوعیت " Day " کی نہیں ہونی چاہیے۔

سیرۃ رسولؐ کے جلد گانام "مرویات" یا "میلاد" رکھنا صحیح نہیں ہے اور نہ یہ طریقہ درست اور پسندیدہ ہے کہ سیرت کے ہر اجتماع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کو اس طرح لادنی سمجھا جائے کہ جب تک ذکر ولادت نہ ہو گیا کہ اس اجتماع کا مقصد یہی پورا نہیں ہوا، اجماع سیرۃ النبیؐ کے متعدد اجتماع میں دیکھا ہے کہ سیرت پر بڑی کامیاب درجہ پڑا ولیہا ان افراد تفسیریں ہو چکی ہیں، اتنے میں ایک بڑی صاحب جملہ کے مشتعلین سے کچھ دیر سرگودھ کے بی۔ ایسٹج پرنٹرز لیتے ہیں اور تفسیر فرمائے لکھتے ہیں کہ جس دن حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے ہوا قریش کی دوسروں میں رشک و حسد سے مرگ اور حضرت جب حکم ما دیں تھے تو یہ یہ واقعات پیش آئے اس کے بعد ۔۔۔۔

نکل جائے محض سے جو بے ادب ہو

اُنھوں کا کہ نظمیں محبوب ر سب ہو

پڑھتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اردو کے لغتیا اشعار بصورت سلام " گانے لگتے ہیں !

اول تو اس قسم کی روایتیں کہ حضرت کے والد نذر گوار کا عقد جب آمنہ سے ہوا تو قریش کی دوسروں میں رشک و حسد سے ہلاک ہو گئیں بے سند بلکہ لغو۔ خلفاء و تبعاء انہی ان قیاس میں پھر شاید اس کو کوئی شخصی شکل ہی سے پسند اور گوارا کرے گا کہ اس کی ماں، بہن یا دادی اندانی کے محل اور بچنے کے واقعات کا ذکر تفصیل کے ساتھ مضمون میں بیان کیا جائے یا یہ تفصیل غیرت منہ طبیعت پر گراں گزرتی ہے۔

نذر کا مسئلہ یہ ہے کہ سراج کو مستحب کا، مستحب کو سنت کا اور سنت کو فرض کا درجہ دے دینا دین میں سخت ناپسندیدہ بات ہے اس قاعدہ کی درست " ذکر ولادت کو سیرۃ النبیؐ کے سرعہ " ضررناؤ اللہی سمجھا، ناپسندیدہ نہیں ہے، بلکہ اس پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہے !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سرت کے بیان میں مناسب عنوان سے کبھی سمجھا و حضرت کی ولادت کا ذکر بھی کیا جاسکتا ہے، بلکہ کوئی علمی مجلس تو حضرت کے آباد و عداد و مضرہ قصی، کلاب، عدنان، نزار، قریش اور خاتم تک کے حالات بھی بیان کئے جاسکتے ہیں اور قریش کی قدیم شہری اور بدلتہ زندگی انسان کے تمدن و تہذیب کا بھی بیان ہو سکتا ہے، مگر ذکر رسولؐ کی محفل کا " میلاد " نام رکھنا اور محفل میں " ذکر ولادت " اور " ذکر ولادت " کے جوصلہ و سلام کے لئے کھڑے ہو جانا، یہ بدعت ہیں۔

مسلموں کے فقہاء و بگڑنے میں " میلاد " کی محفلوں کا بہت کچھ ہاتھ رہا ہے، میلاد کی جو کتابیں ان محفلوں میں پڑھی جاتی ہیں ان میں ضعیف ہی نہیں موضوع اور محلی مسائل تک ملتی ہیں، البتہ وارثی میرٹھی کا " میلاد " اچھا اور کچھ نیچے، اس میں کبھی کیسی بے سند روایتیں اور بہت اندلسی باتیں ملتی ہیں جو دل و دماغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے " میلاد " اکبر کے ذریعہ واقف ہوئے ہوں، سمجھ لیجئے کہ یہ دل و دماغ سیرت رسولؐ کا کتنا عجیبے غریب تصور رکھتے ہیں ! میلاد تہذیب کی نسبت " میلاد " اگر بے سند ہے مگر اس میں بھی اس قسم کی روایتیں ملتی ہیں کہ شب معراج جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہونے لگے تو براق ٹوٹ گیا، یہ حالت دیکھ کر حضرت غوث الاعظم کی درجہ و شان حاضر ہوئی اور اس کے سوار سے حضرت براق پر سوار ہوئے (مستہزم کی ترجمانی) یہ تفسیر لادنی کتابوں کا عالم ہے اب یہ محفل میلاد میں تفسیر کرنے والے واعظ، اُن کا رنگ تفسیر بھی ان کتابوں کے رنگ سے ملتا جلتا ہے، سیرت رسولؐ یہ لوگ بھی ہاتے نام بیان کرتے ہیں ان کو نہ یا وہ چڑھی ایسی باتوں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، آپ کے بدن پر کبھی نہیں بیٹھتی تھی، آپ چونکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اس لئے ۔۔۔۔

میں تو پاک ہی کہوں گا کہ ہر مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محبوب میں نہیں میرا تیرا

جو داعططر علی دلائل ہوا اس نے مواہب لدنیہ کے عربی اقتباسات پڑھنے شہرہ روا کر دیے، سننے والے مرعوب اور متاثر ہو رہے ہیں کہ ہمارے مولوی

”سیلا کی طرح نہ جانے کتنی رسیں بادشاہوں اندامیروں کی نکالی ہوئی ہیں، قبول پر گنبد اور عمارتیں بادشاہوں نے بنوائی ہیں اور پھر ان پر کشتی، نندوینا، عود و گل، اند بوجہ نشین و خدام کے لئے ہزاروں لاکھوں روپیہ سالانہ کی جہادیں وقف کی ہیں، اس طرح ”عز و فاقہ“ اور بیگم کی حقیقت و احترام کے نام پر قبر پرستی کا پورا انتہی ٹوٹن بادشاہوں اندامیروں کی داد و پیش کے قائم کر دیا ہے۔

قرآن کریم اس کا شاہد ہے کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے لئے ”عالم الغیب“ وانشاء ” فرمایا ہے، علم غیب کی تعریف یہ ہے کہ وہ ذاتی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتیک نبیوں کو غیب کی اطلاع دی ہے مگر یہ ”اطلاعات و خبر“ ہے، ”غیب“ نہیں ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے؛ خبر و اطلاع کے بعد غیب غیب کہاں رہتا ہے؛ اگر غیب کی اطلاع و خبر کا نام ”غیب“ ہو، تو ساری امت ”عالم الغیب“ قرار پائے گی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی باتوں سے امت کو بھی مطلع فرمایا ہے؛ — غیب ”کل نہ بر اللہ“ ذاتی ”نہ بر اللہ“ ”غیب“ نہیں، ”اطلاعات غیب“ ہے؛

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ حضور کی پیش گوئیوں صحیح ثابت ہوئی ہیں جو بلا تعلق جس طرح آپ نے فرمایا ہے، مستحسن ہیں جا کر ہر ٹھیک اسی طرح ظہور میں آیا ہے — مگر سیکڑوں واقعات ایسے بھی سیرت رسول میں پائے جاتے ہیں، جن سے ”عدم علم غیب“ کی حقیقت کھل کر سامنے آتے ہیں؛ مثلاً مکہ شریف میں حضور کا یہ ایشاء دلتا ہے —

لو استقبلت من امری ما استبدت لم
استق المہدی —
یعنی اگر پہلے سے اس امر کی خبر ہوتی جو اب بعد میں ہوئی، تو
میں اپنی تسبیح بانی ساقط نہ کرتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعث اللمعات میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں —
اگر اس سے پہلے میں جانتا کہ ان کو احلام ہر شمس
میں بھی قرآنی ساقط لاتا اور میں نہیں جانتا تھا کہ حکم الہی
اس طرح واقع ہو جائے گا۔
کے حکم الہی نہیں خواہ بود

قرآن شریف میں ”و علمک صالحہ تکن تعلمہ“ کی آیت سے اہل بدعت یہ نکتہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ”ماکان وما یکون“ کو علم عطا فرمادیا تھا، حالانکہ یہاں ”علم“ سے احکام شرعیہ اور علم دین مراد ہے؛ خود قرآن شریف میں آیا ہے، ہم نے نبی کو ”خبر“ نہیں سیکھا، اس سے ”علم“ منطقی ہر ہے کہ دنیا کے اگلے پچھلے تمام شہزادوں کے تمام دواوین کا حضور کو علم نہ تھا اس صمدت میں سوچئے ”ماکان وما یکون“ کے علم کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؛ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں تحریر فرمایا ہے —

لما حکم شرعیہ بدو لدو علی ایشاں را علم حاصل
نمی شود، و درہم علم وادامت قولہ تعالیٰ و علمک
ما لہ تکن تعلمہ
شریعت کے احکام میں وحی کے نزول کے بغیر ان انبیاء
علیہم السلام کو علم حاصل نہیں ہوتا؛ اللہ اس بار سے میں
حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تو تجھ کو علم دیا جو نہیں جانتا تھا۔

حضرت شاہ صاحب ”علم“ سے ”علم ماکان وما یکون“ نہیں بلکہ علم دین مراد ہے۔ اگر ”علمک“ نام تک تعلم ”سے غیب کا ”کل“ ”علم“ مراد لیا جائے
بہر تمام امت محمدیہ بلکہ ہر انسان کو عالم الغیب قرار دیا جائے گا، کیونکہ قرآن کہتا ہے —

و لعلکم ما لکم تکرر لعلکم
اللہ اسے مسلمانوں کو تم کو سکھاتا ہے (یہاں رسول) تو تم نہ جانتے تھے۔

فما دنا بآذیه فخر حنفی کی مشہور معروف اندہایت مستند کتاب ہے، اس میں مغیب کی تعریف ہونے لگی ہے۔

وما علم اللہ تعالیٰ لیسار عبادہ بالوحی والادام
جو علم اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو بندگیہ وحی یا لاسم
لصیق بعد الا علام فیما
عطا فرماتا ہے، بعد اطلاع کے اس پرغیب کا اطلاق نہیں ہوتا

تسراں کہیم کہتا ہے۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب
تو کہہ دے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں کہتا کہ میرے

پاس خزائن ہیں اللہ کے اند میں غیب جانتا ہوں۔

یہ جہاں بدعت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کے خزانے عطا فرما دیے ہیں، اس آیت سے اس عقیدہ کی تردید ہوتی ہے اللہ
"ذاتی" اور "عطائی" قدرت و اختیار کی جو دھڑک میں ڈالنے والی جٹ چھڑی جاتی ہے، یہ آیت اس نزع و بحث کا بھی فیصلہ کر دیتی ہے۔ آیت مذکورہ
میں اللہ تعالیٰ خود بانی رسول اور نطق نبی سے کہہ رہا ہے کہ "میں غیب نہیں جانتا" یعنی وہ غیب جس کی تعریف یہ ہے کہ وہ ذاتی ہوتا ہے کسی کا بتایا
ہوا نہیں ہوتا اور وہ "کل" ہوتا ہے جوئی نہیں ہوتا اور پھر اس اللہ تعالیٰ کے دستہ ہوتے خزانے بھی نہیں ہیں۔

قیامت قطعاً طرہ پر کس ساعت میں آئے گی، اس علم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یسئلکم الناس عن الساعة وقد انما علیہا عند اللہ
وہا ینا دیکھ لعل الساعة تكون قریباً
لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کے بارے میں، تو کہہ کہ اس
کی خبر اللہ کے پاس ہے اور تو کیا جانے شایہ قریب ہی ہو۔

کیا اس محکم و واضح آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "عالم الغیب" ہونے کی نفی نہیں ہوتی، بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الہی سے
مطلوع ہو کر قیامت کے آثار کی تفصیل بتائی ہے، اندہ حق ہے یعنی حضور نے جو کچھ فرمایا ہے، ہر بہرہ اسی طرح مانع ہو کر ہے گا، گدا اس آیت میں اللہ
تعالیٰ اس کا اظہار فرما رہا ہے کہ قیامت بالکل ٹھیک کس ساعت میں آئے گی، اس کا علم رسول خدا کو بھی نہیں دیا گیا۔

کفار بارہا قیامت کے بارے میں حضور سے سوال کرتے تھے، اس کے جواب میں فرمایا گیا:۔

قال انما العلم عند اللہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے پوچھنے پر کہ قیامت کب آئے گی، جواب دیا کہ اس کی خبر
تو اللہ تعالیٰ ہی کر ہے۔

اسم مسلم کی روایت سے ظہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہ بھی حضور سے قیامت کے بارے میں کبھی دریافت فرماتے تھے۔

عن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول
تنب ان یموت بشہیر نسائی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم لوگ مجھ سے
قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہو حالانکہ اس کا علم تو اللہ
تعالیٰ ہی کو ہے۔

اس سے اہل بدعت کے اس قول کی نفی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب و ذات سے نفس اللہ تعالیٰ نے عطا کر دیا تھا۔ ایک دوسری
حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔

... قال رب اصبی فیقول انک لا تدرك ما
احد ثابہدک قال ستعاقب ستعاقب فیقول
... تو میں کہوں گا اے میرے رب، یہ میرے آسمانی ہیں، اللہ
تعالیٰ فرمائے گا تجھے نہیں معلوم کہ تیرے بعد انہوں نے کیا فی ہائیں
تکالیٰ تعین، (اس پر ہم کہیں گے ننگا دھڑک ہو۔ وعدہ ہو، اس

کو جس نے میرے بعد دین کو متغیر کر دیا۔

یہ حدیث قیامت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کی نفی کر رہی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں :-

ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عالماً
بجميع اللغات :-

ایک طرف قرآن کریم کی آیتیں ہیں، دوسری طرف احادیث اور صحابہ کے آثار و باقیات ہیں، یہ سب کی سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار کرتے ہیں۔

طہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فتح کبرام الاموال ص ۱۰۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں :-

ثم اعلم ان الانبياء لم يعلموا المغيبات من الدنيا
الاما اعلمهم الله تعالى احيانا وذكر الخفيه
لصراها بالتكليف باعتقاد ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم
يعلم الغيب لمعارضه قوله تعالى قل لا يعلم
من في السموات والارض من الغيب الا الله
— كذا في المسألة

پھر تو جان لے کہ انبیاء کو علم غیب نہیں جانتے تھے غیب کی کسی چیز کو مگر جنت اللہ تعالیٰ نے ان کو جب بھی بتایا، اور خفیہ نے تصریح کی ہے کہ فرج ہونے کی اس حقیقت کے ساتھ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب جانتے تھے اس پر عقیدہ حق تعالیٰ کے اس اشارہ کے مخالف ہے۔ کہہ دے کہ اسے (محمد) نہیں جانتا کوئی آسمانی میں اور زمینوں میں غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اسی طرح سائرہ میں بھی ہے۔

اس ظلم و اذیلت کو تو دیکھئے کہ احادیث کے ائمہ جس عقیدہ کو ”کفر“ بتاتے ہیں، اہل بدعت اُس کو ”کفر“ بتاتے ہیں اور دین سمجھتے ہوئے ہیں اور حلال عقیدہ نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ اُس کو اُلٹا مطعون ٹھہراتے ہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنقیص اور حقارت کے کلمات کی نفی کرتے ہو !

صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۰ اور بارہ ص ۳۱۱ (۱) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے :-

قالت ومن حديثك انك بعد ما في قدي فقد
كذب وقد قلت وما قد رى نفسي ما ذا تكسب
غدا ومن حديثك انه بعد ما الخيب فقد
كذب وهذا يقول لا يعلم الغيب الا الله

حضرت عائشہ نے (فرمایا اور جس نے تجھ سے بیان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونے والی بات جانتے ہیں تو تحقیق اُس نے جھوٹ بولا، پھر حضرت عائشہ نے) یہ آیت پڑھی — یعنی کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل کی کہے گا۔ اور جس نے تجھ سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے، اُس نے جھوٹ کہا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی نہیں جانتا غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے !

کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہ روایت ”اور کلمات و معانی نبوت کی نفی و انابت کی صحیحی حجت کہنے کی کوئی اہل ایمان حجت کر سکتا ہے !

تمہاری شریف کتاب ”التغییر“ میں روایت ہے :-

ومن زعم انہ یعلمہ ما فی غد فغدا اعظم
الفیئذ علی اللہ واللہ یقول لا یعلم من
فی السموات والارض الغیب الا اللہ

جس نے گمان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل ہونے والی بات کو جانتے ہیں، تو حقیقت اس نے بڑا بھاری پھٹان
باندھا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی نہیں جانتا آسمان و
زمین میں غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے !

اس روایت کی اگر کوئی یوں تاویل کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل ہونے والی بات کو بیشک بالذات نہیں جانتے تھے، مگر اللہ کے
حاکم کے ہونے علم کی بنا پر جانتے تھے — تو یہ انتہائی ناسزا و گمراہ کن حق لفظ ہے، حتیٰ یہ ہے کہ کتاب و سنت، آثار صحابہ اور حدیث و فقہ کے
اکثر سببی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نبی، رسول، ولی اور فرشتہ "عالم الغیب" نہیں ہے، علم غیب میں مجدد خاصہ صفات باری تعالیٰ ہی ہے، جو ہیں
اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں! جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "علم غیب" ثابت کرتے ہیں، وہ کتاب و سنت کی مخالفت کا گناہ اپنے سر
لیختے ہیں! اچھا "عقبت رسول" ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی مخالفت پر فخر دنا کرتا ہے اور گمراہی کو ہدایت اور سعادت سمجھتا ہے۔

قبر اور عرس کے بارے میں اہل بدعت نے جو غلو کیا ہے اور جیسی جیسی مشرکانہ رسمیں اور بدعتیں لگائی ہیں ان کے سبب ملالوں
کی خاصی تعداد اپنی بھالت کے سبب توحید و سنت کی راہ سے ہٹ گئی ہے،

علامہ علی تارکی شریعہ عین العلم میں فرماتے ہیں :-

ولیس ای القبر ولا التابوت ولا الجدا و فورہ
انہی من مثل ذلک بقبرہ علیہ السلام
تکلیف بقبرہ سائر الامام ولا یقین نافذ زیادۃ
علی المس فرمودہ اولیٰ والمصلی
حقیقتہ کی مشہور کتاب مآثر غائبہ میں ہے :-

ولا یقین القبر سوانہ من عداۃ النصارى

یعنی قبروں کو بوسہ نہ دیوے کیونکہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے !
یہ ہے فقہ حنفی کا فیصلہ اصول، فتویٰ اور مسلک: مگر اقام اطراف نے ان آنکھوں سے نہ صرف حوام بلکہ بعض بدعتی علما کو ذہن پرستے
دیکھا ہے انسان کی دیکھا دیکھی ان کے معتقدین بھی اس شکالت میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے واپس نہ عثق و تعقید رکھتے تھے، مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین میں جتنا پہنچا بھی گوارا نہ
تھا، اس اندیشہ سے کہ مدینہ کے باہر موت نہ جائے، سفر حج کے علاوہ، انہوں نے باہر نہ جانا بھی ترک کر دیا تھا، مگر حضرت مسد بن ہر دان رحمۃ اللہ علیہ
کہتے ہیں :-

راویہ انس بن مالک یسجد علی النبی صلی اللہ علیہ
وسلم یسجد لہم و الی جدا و القبر ثم یدعو
و یقول علی ذلک الامۃ الاسر بعد ان یتقبل
القبر و وقت الدعا و حتی لا یدعو عند القبر
ذ ن الدعا و عبادۃ

حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط اور توحید نشانی کا یہ عالم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض و عرض

اصداستغاثہ و فریاد و رنج، صلوة و سلام کے بعد دعا کا وقت آتا ہے تو پچھلے روز کے قبدرخ ہو جاتے ہیں اصدا اپنے رب اور مہر دے دیا کرتے ہیں اور آج مسلمانوں کا یہ عالم ہے کہ کسی "توبہ شاہ" اور کلہاڑا شاہ کی قبر پر بھی جاتے ہیں تو صاحب قبر کو شکل کش اور حاجت دعا جان کر استغاثہ کرتے اور مزار کے دروازوں اور جالیوں پر پتھر پیاں لکھ لکھ کر رکھتے ہیں۔

مولوی نعیم الدین مراد آبادی فرامذہب ص ۱۱۰ "حضرت مولانا شاہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، موصوف تصحیف الحسن ص ۲۲ میں بطور سند کے ناقل ہیں۔

"میں نے (یعنی شاہ عبدالغنی محدث دہلوی نے) اپنے شیخ علی متقی رحمۃ اللہ سے عرض کیا تعین دندہ (برائے عرس) پر حکم است در وقتی فرما کہ (میر مبارک) نے فرماؤ انگشت و برآوردند و فرمودند ابی! و در میان سلف بنود۔ یعنی دن کے تعین کا عرس کے لئے یہ حکم ہے! تو میر مبارک مجھ کا گراٹھا یا اندھا کہ اس کا معمول سلف میں نہ تھا۔ (راکس البیان ص ۱۳۲-۱۳۱)

دین کے معاملہ میں قابل تقلید روش۔ اسلاف کی ہے، یا۔ اخلاف کی! پس "سوس" جس کا سلف میں معمول نہ تھا اس کا معمول نہ بنانا ہی صحیح روش ہے! شاہ حمزہ ماہر دینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۹۹ھ) بریلوی حضرت کے "پیران پیر" ہیں، وہ ایک اپنی وصیت "انوار العارفین" مطبوعہ صدیقی بریلی میں لکھتے ہیں۔

و فاتحہ ایانہ ہرگز نہ تکلف نکلند، بلکہ نہ نماز نہ کہ حکم چنین است۔۔۔

رد المحتار زجلہ ص ۱۱۱ (۱) من بعد ذیل عبارت خود سے پڑھتے اور سمجھتے کہ ضحائے بدعات سے کس قدر اجتناب کیا ہے۔
 دینی البزاز یہ لیکر اتحاد الطعام فی العیوم الاول والثالث و بعد اسبوع و نقل الطعام الی القبری المراسم و اتحاد والد دعوتہ لقلۃ القرآن و جمع الصلوات و الصلوات للفقہ و القراءۃ سورۃ الاحقاص و الاخلاص و الحاصل ان اتحاد الطعام عند قرأتہ القراءۃ لاجل الاکل لیکر۔
 قادیانیاں یہ ہیں کہ مکہ ہے تیار کرنا کھانے کا پہلے دن اللہ تیسرے دن اور پختہ کے بعد اللہ نے جانا کھانے کا تیسرا، کسی موسم میں اور تیار کرنا دعوت کا قرآن پڑھنے والوں کے لئے اور جب ہرنا صلوات اور تارویں کا ختم کے لئے یا پڑھتے سورہ الفاتحہ یا سورہ قل ہرنا اللہ کے لئے حاصل رکھنا کھانے کا قرآن پڑھنے والوں کے سامنے کھانے کے لئے مکروہ ہے۔

یہ جو مسئلہ نوز ہیں۔ پنجہ آیت "قل" اللہ ختم شریف کا دعا ہو گیا ہے اس رسم دعا پر تک کہ جو یہ ظاہر ہے ضرر معلوم ہوتا ہے، فقہ حنفی کی کتابوں میں "مکروہ" لکھا ہے۔

شیخ عبدالغنی محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔

"ادعات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تھی کہ میت کے لئے سوائے وقت نماز جنازہ کے کچھ ہوں اور قرآن پڑھیں نہ قبر پر، نہ قبر کے علاوہ ایسی کچھ ہونا بدعت ہے اور مکروہ، البتہ تعزیت اہل میت کو تسلی اور مہر دلا سنت و مستحب ہے لیکن یہ اجتماع مخصوص تیسرے دن کا اور دوسرے تکفیات کا مرکب ہونا اور میتوں کا مال بے وصیت کے خسر چ کرنا یہ جہداً اور بدعت اور حرام ہے۔ (راہ فقہ ج ۲)

اس عبارت کی روشنی میں سمجھنی چاہئے کہ تیمار، دسواں، یا لیسواں اور پری ان کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے اور امور و رسوم بدعات ہیں

داخل ہیں، جن کے کرنے سے ثواب کی بجائے اللہ عذاب ملنے کا امکان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے قومیت کے ایصالِ ثواب کے لئے اجتماعِ حدیثستان خوانی بھی ثابت نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس فعل کو گناہ کبیرہ سے بھی زائد شدید بتایا ہے کہ مسلمان اپنی حاجت مانگنے کے لئے اجیر شریف کا سفر کرتے ہیں یا سالار محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر جاتے ہیں! کوئی شک نہیں، شریک ہر بڑے سے بڑے گناہ سے زیادہ بڑا گناہ ہے!

مسلمانوں کو کتب و سنت یا آثار و اقوال صحابہ میں اس کا کہیں حکم نہیں دیا گیا، کہ تم بزرگوارِ دین کی قبروں کی زیارت اُن سے حاجتیں اور مرادیں مانگنے کے لئے کیا کرو۔ ایسا کرنا شریعت کی رو سے قطعاً ناجائز ہے اور دین و دنیا کے خسران اور وبال کا باعث ہے۔

شاہ ولی اللہ قدس سرہ "معارف المبین" (ص ۳۲) میں لکھتے ہیں۔

ہائیکہ بت پرستان خود لباسِ ابریشمی و کھڑائی ہی پر نشانند
بہر پرستان نیز مرگدہ بزرگانِ خود با ہم جنیں ہی پر نشانند
بت پرست لوگ اپنے بڑوں کو ریشم و کھڑاب کا لباس پہناتے ہیں
اور بہر پرست لوگ بھی خاص اپنے بزرگوں کی قبروں کو اسی طرح
پہناتے ہیں۔

مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فتحہ ثانی عشریہ ص ۳۳۱ میں فرماتے ہیں۔

دعا مشابہت ہنوس و دایام عاشورا چیز ہے کہ ہنوس با
بتان خود کنند، ایسا صورتِ قبر کہ نہ نمایند و غرض دہند
اور ہنوس و دایام عاشورا سے مشابہت دہائی جاتی ہے م بس دایام عاشورا
میں چیزیں کہ ہنوس اپنے بڑوں کے لئے کرتے ہیں یہ لوگ بھی اپنے
پیشواؤں کی قبروں کے لئے کرتے ہیں اور غرض دیتے ہیں۔

لکھتے بہت سے عرس ہیں جن میں ایک دن قبر کی "خس" کے لئے مقرر کیا جاتا ہے اور اس گھٹی ہوئی بت پرستی کو خیر و ثواب کی بات اور سعادت و برکت کا سبب سمجھا جاتا ہے!

صحیح البخاری ص ۳۳۱ ج ۲، میں ہے۔

فان منهم من قصد لزیارۃ قبور الانبیاء
والصلیاء ان یصلی عنہم قیومہ صمد و یدعوہم
ویبہم لہم الخیر فہذا الذی یجوز عند احمد بن
علیہ السلام المسلمین فان العبادۃ وطلب الخیر الخ
والاستغاثۃ من اللہ وحده۔۔۔

بعض ایسے ہیں جن سے قصد ہے کہ وہ انبیاء و صلیوں کی زیارت
کا کوئی مقصد نہیں ہے نہ نماز پڑھیں اور قبروں کے پاس دعا
اور حاجت کا سوال کریں، پس کسی مسلمان کے عالم کی نزدیک
یہ طریقہ جائز نہیں، کیونکہ یہ دعوت اور طلبِ حاجت
اور مدد مانگنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

کبیر کی شرح مینۃ المصلی ص ۳۳۱ میں مرقوم ہے۔

وقال شاف الامۃ وضع الید علی القبر ید عتہ
ومن جاور اللہ العلامۃ مشایخ مکہ ینکرون
ذلک ویقولون انه عادیۃ اهل الکتاب وحق اہل

فرمایا شریف الامم نے ہاتھ رکھنا قبر پر بدعت ہے اور وہی
ہے مشایخ مکہ مکرمہ سے کہ اس کا انکار فرماتے تھے اور کہتے
تھے کہ یہ عادیۃ اہل کتاب کی ہے اور اہل اسلام میں ہے کہ

عليه الدين انه من عادة النصارى ولا شك
انه بدعت لا سنة فيه ولا الثور عن صحابي ولا عن
امام من يعتمد عليه فيكونا ولعل يعهد الاستلام
في السنة الا للبحر الاسود والركن اليماني خاصة

یہ عادت نصاریٰ کی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ بدعت
ہے اس میں سنت سے کچھ ثابت نہیں اور نہ کسی ایک بھی صحابی
کے اثر سے ثابت اور نہ کسی قابل اعتماد امام سے ثابت اس میں یہ
کہ مکروہ ہے اور سنت نہیں ہے، پھر نہ بجز اس وادان
بہائی کے لئے مخصوص ہے۔

و

قال العلامة الزعفراني في وضع اليد على القبر ومسه
وكتيبته من البدع التي تنكر شرعاً وروى عن
النس بن مالك روى رجلي وضع يدك على قبر النبي
صلى الله عليه وسلم فنهاه وقال كنا ما نعرف هذا
على محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم و
قد انكروا مالك والشافعي واحمد اشد الانكار

اور علامہ زعفرانی نے فرمایا ہاتھ رکھنا قبر پر اور ہوسہ
دینا بدعت ہے جس پر شرع میں انکار کیا گیا ہے اور انس بن
مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے ایک شخص
کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر ہاتھ رکھنے سے روک دیا
اور اس کو منع کیا اور فرمایا کہ ہم اس فعل کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جانتے بھی نہ تھے، اور تحقیق
اس فعل کا امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد نے بہت
سنجیدگی سے انکار کیا ہے۔

وصالحی ص ۱۳۱ وفاقاً ص ۱۳۱ ج ۲

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ البیان المبین میں جو اس الابرار سے نقل فرماتے ہیں۔
ما زان جہد است سجدہ گاہ ساختن قبور و دگر افان نکرد
بہ آنہا و اعتکاف نزد آنہا و آویختن پردہ کا و مقرون کردن
خدمت کہ جا روپ گشت و عود ساری دما بجا نہایت و مردم
را برائے گور پرستی و عورت می کنند تا آنکہ جاہلان قہر تزیج
میدہند بجادست قبر را بر مجادست مسجد اطوار و قین می
کنند کہ خدمت این آستانہا افضل از خدمت مساجد است
مترجم گریب واقعی راست گفتہ است بحشم خود دیدہ
باشد، و مقالہ این گروہ بگوش خود شنیدہ۔

اور میں جہد افعال گور پرستوں کے قبروں کو سجدہ گاہ بنانا
اور ان پر عتکاف پر جان و دوشن کرنا اور ان کے نزدیک اعتکاف کرنا
اور پردے لگانا اور خدمت جا روپ گشتی مقصد کرنا اور
نوشہ راگریختن، کو بان سلگانا، اور آدمیوں کو گور پرستی کی دقت
دینا یہاں تک کہ قبروں کی پوجا کرنے والے تزیج دیتے ہیں،
بجادست قبر کو مجادست مسجد اطوار بیت اللہ العظام
پر اور یقین کرتے ہیں کہ خدمت اس آستانہ قبر کی افضل
ہے خدمت کرنے سے جا روپ گشتی مترجم کہتا ہے واقعی سچ فرمایا
میں نے بحشم خود دیکھا ہے اور ان بالوں کو اس گروہ کی
اپنے کانوں سے سنا ہے۔

ان تمام اقتباسات سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ بندگانِ دین کی قبروں پر احترام و عقیدت کے نام سے جو بجا میں ہو رہی ہیں وہ نہ صرف یہ کہ بے
سند اور بے اصل ہیں بلکہ بہت سی زمیں مشرکانہ ہیں اور تبرک پرستی کے اس پلہ سے انکی پوشش کا "بدعات" اصطلاح کیے ہوئے ہیں اور بدعت کو
نظیر رسول نے فضیلت کہا ہے۔

میت کی زندگی

روالتمار جلد ۱ میں مرقوم ہے -
اعلم ان اللہ عز وجل الذی وقع

لہ صلات من اکثر العوام وما یؤخذ من اللہ من
شیع الزیت ونحوہا فی ضلح الاولیاء الکلام
تفسیراً لیس فیہ فہو بالاجماع باطل وحرام ،
کان یقول یا سیدی فلاں رو غائبی او غدی
مرونی او قضیت حاجتی ثلک من الذہب
اور ایضاً او من الطغام او اشیع او الزیت
کذا فی بحر الدقائق برجوع منہ اند نذر المخلوق
والشہر لیس مخلوق لا یجوز لہ عبادۃ والعبادۃ
لا تكون مخلوق ومنہا ان المذکور لہ میت
والمیت لا یمکن منہا انما ان فلان ان المیت
لیخص فی الامور دون اللہ لانی و اعتقادہ
ذلک کفہ -

جان تو وہ نند جو اموات کے لئے اکثر عوام کہتے ہیں ، یہی
پہ ، روٹنی اور تیل اور انداس کے اولیاء و کرام کے غفلت
پر تقرب کے لئے جاتے ہیں وہ بالاجماع باطل وحرام ہے -
کہتے ہیں کہ اے سید میرے انسان میں غائب شدہ
اگر واپس آجائے یا میرا یعنی اچھا ہو جائے یا میری حاجت
پوری ہو جائے تو تمہارے لئے اتنا سونا اتنی چاندی
اور اتنا کھانا اور جسے اسے انسان تیل میرے ذمہ ہے
اسی طرح جسے الزاق میں ہے ، پس یہ کئی وجہ سے باطل ہے
کہ نیکو نند مخلوق کے لئے ہے اور نند مخلوق کے لئے جائز
نہیں ہوتی ، سرگرم اور جس کے لئے یہ نند کی گئی ہے وہ میت
ہے اور میت کسی چیز کی مالک نہیں اور نند کے لئے والے کا
گمان ہے کہ میت کو الٹ لٹا لٹا کے کاموں میں تصرف اور
اختیار حاصل ہے اور اس کا یہ اعتقاد کفر ہے -

فلفظ حنفی کی مستند کتابیں بن افال کو باطل و حرام لکھا ہوا ہے اور جس عقیدہ کو کفر کہا گیا ہو ، اس بدعت انبی باطل و حرام افعال و عبادت
اور کفر یہ عقائد کے حوا کے لئے فضول کی منطقیں چھانتے ہیں اور دین و شریعت کی صحیح بات بتانے والوں کو مطعون ٹھہراتے ہیں کہ یہ لوگ دہلی ہیں
جو بندگان کا ادب و احترام نہیں کرتے !

حضرت مجدد الف ثانی سرسہدی رحمۃ اللہ علیہ (جلد سوم ص ۶۷ مطبوعہ لوگش پریس) اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-
... و حرمات لا نذہب شیخ کند ، و بر سر قبر تائے
ایشان رفتہ آن حرمات را ذبح کی نمایند عدایات فلف
ابن ہس لا داعی شرک ساختہ ... ؟
اور حرمات کو نذہب کر کے نہیں اور حرمات کو ذبح کر کے نہیں ، عدایات فقہ نے اس عمل
کو شرک میں داخل کیا ہے -

فناوی عالمگیری دکتا بعلوم میں چونکہ ہے اس کا استدلال صحیح ذیل کیا جاتا ہے :-
- اکثر عوام چہ نذہب نہیں ، اس کی صورت یہ ہے کہ بچھنے ہر گون کی قبر کے پاس جاتے ہیں اور بگاڑ پر وہ
اتھا کر شہادیت کہتے ہیں کہ اے سید فلاں ، اگر میری حاجت مدافعی ہو جائے تو آپ کے لئے اس قدر پیسہ
اپنی طرف سے نذہب مانا ہوں ، تو ایسی نند بالاجماع باطل ہے ...

فناوی عزیزی (جلد ۱ ص ۱۹) میں شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :-
... خودون آن قریب بکلام است ، بشرطیکہ نند
غیر اللہ باشد ، مانند گلگاہ شیخ سدو سہمی بر صلی
تفسیر وغیرہ
بشرطیکہ نند غیر اللہ کی ہو جس طرح گلگاہ شیخ سدو کے
اور سہمی بر صلی تفسیر وغیرہ کی اس کا کھانا حرام کے قریب
ہے -

دُعای بحق فلاں کیساتھ | مسلمانوں میں یہ رسم بھی چل چکی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کہ بہ حق فلاں... کہہ کر مانگتے ہیں اسباب کرنے سے اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ دعا نیا دم پڑتا رہ جاتی ہے۔ — سالک ملاح علی قاسی

رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔

قال ابو حنیفہ وصاحبہ لا یکف ان یقول الرجل
استلک بحق فلاں اذ یحق انبیاک ورسلاک
بیت الطام والمشلح الطام ومحو ذلک اذ لیس
لاحد علی الشرح۔
امام ابو حنیفہ نے اور اُن کے صاحبین نے فرمایا کہ مکروہ ہے
اُدکی کا یہ کہنا کہ میں تجھ سے بحق فلاں یا بحق ترے نبیوں
اور رسولوں کے یا بحق بیت الطرام و مشعل الطرام ائمہ ما شہد
ان کے سوال کرتا ہوں اس لئے کہ کسی کا اللہ تعالیٰ کے دُور کوئی
حق نہیں۔

فقہ کی مشہور کتاب در مختار میں ہے۔

وکفر قولہ بحق رسولک وانبیاک واولیائک
اذ یحق البیت لادق الخلق علی الخلق فی حق
لنا دلیلی (جلد پنجم) میں "بحق رسول اللہ بحق فلاں ولی اللہ" کہنے کو مکروہ بتایا گیا ہے۔
یعنی مکروہ ہے کہنا بحق ترے رسولوں، نبیوں اور اولیاء کے
یا بحق البیت، کیونکہ کسی مخلوق کا اللہ تعالیٰ پر کفری حق نہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اشواق العابدین میں ہر اہل حق کے ساتھ فرماتے ہیں۔

.. آنجہ جہاں سیکویند یا شیخ عبدالقادر دیرینی شیعہ دیا خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی شیعہ شہ جاز
نیست، شرک و کفر است، حق تعالیٰ فرماید والذین یدعون من دون اللہ جہاد امثالکم...
(ترجمہ) — یہ جو جہاں کہتے ہیں کہ یا شیخ عبدالقادر دیرینی شیعہ دیا خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی
شیعہ شہ جاز نہیں ہے (بلکہ) شرک و کفر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین...۔

علامہ قسری رحمۃ اللہ علیہ مرقاة شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

ان الامة ای جمیع الخلق من خاصة والعامة و
الانبياء والاولیاء وراسخو الامۃ لوان جمعت ای
اتفقت فرضا و تقدیر علی ان ینفعلوا بشیء فی
امر دینک اور دنیاک لہ ینفعلوا ای لہ
یقدر و لان ینفعلوا فی امر دینک اور دنیاک
لہ ینفعلوا ای لہ یقدروا لان ینفعلوا الا
بشیء قد کتبہ اللہ ملک ای قدر و دائرہ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اشواق العابدین میں تحریر کرتے ہیں۔

و ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مجھے کہ در شرح وارد
نشہ است، چنانچہ کلمہ وظیفہ یا محمد یا محمد
یا محمد گفتہ باشد، معانہ باشد۔
ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طریقہ پر جو شرع میں
مذکور ہو اس پر کلمہ کوئی تخصیص بطور وظیفہ کے یا مختصراً یا
کتاباً ہو معانہ ہوگا۔

عبد اور اسماء عربی میں "عبد کے معنی" بندہ "کے بھی ہیں اور غلام کے بھی ہیں! مگر عبد اللہ اور عبد الرحمن وغیرہ ناموں میں "عبد" سے بندہ ہی مراد ہے، اس لئے اس ہئیت اور انداز پر کوئی ایسا نام ہرگز نہیں رکھنا چاہئے جیسے "عبد" کی نسبت غیر اللہ سے کی جائے، چاہے نام رکھنے والوں کی نیت اللہ وغیرہ "عبد" سے حالت اور فلاحی کی کوئی نیت ہو! صحابہ کرام اور تابعین سے بڑھ کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فدا کی، عقیدت و صداقت اور قربان ہو کر کون ہو سکتا ہے ان نفوس قدسیہ نے اپنی اولاد کا نام "عبد المصطفیٰ" یا "عبد الرسول" نہیں رکھا! اور صدیقوں تک مسلمانوں میں اس قسم کے کسی نام کا وجود نہیں پایا جاتا! ہندوستان میں مغلیہ بادشاہ اکبر کے درمیں البتہ ایک عالم کا نام "عبد العلی" ملتا ہے، اس قسم کے اسماء نہ صرف یہ کہ احتیاط کے خلاف ہیں بلکہ توحید کے تعارض کی ضد ہیں برہمنی کے شہر عالم مولوی احمد رضا خاں صاحب کے دیباچوں اور دیوبندیوں کی حدیث، اور انہیں بدعتِ عدم جلانے اور پڑانے کے لئے اپنے نام میں "عبد المصطفیٰ" کا اضافہ کیا اور اپنے نام کی ہر میں اس نام "عبد المصطفیٰ" کو کندہ کر لیا، اس سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر "فتح الحریۃ" کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

لَا تَجْعَلُوا كَمَا يَكُونُ دَنَا مَنَافَاؤُنَ خُودًا بِنْدَةِ فَسْلَانِ وَ
عَبْدُ فُلَانٍ حَقِّ بِنْدَةِ فُلَانٍ مُتْرَكٍ دَرَسِيَّةً اِسْت
حضرت شاہ صاحب نے اس نقل کو "ترکی الالہام" بتایا ہے، اور کہی مسلمان متحرک نہ کے پاس بھی نہیں چھوڑ سکتا! بدعت سے شغف رکھنے کا یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ "مشرک نہ ہوں" سے طبیعت کی ایک قسم کا لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔
جواب اللہ تعالیٰ چاہے اہل بدعت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ وفات پانے کے بعد یہ گناہین کا مات میں تصرف کی قدرت رکھتے ہیں، یہ ان کا عقیدہ کوئی صداقہ نہیں رکھتا۔

مَا قَالِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مَاتِ الْأَنْفُ
اَنْفُ عَنْهُ عِلْمُ الْبَشَرِ الْعِلْمُ يَنْتَفِعُ بِهِ
وَالْوَلَدُ الصَّالِحُ يَنْفَعُ عَوْلَةً وَالْقَدْتُ قَدْ الْجَارِيه
جب کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مرنے والے انسان منقطع ہو جاتا ہے اس کے عمل، مگر تین چیزیں علم نفع دینے والا، اور صالح بیٹا جو اس کے لئے دعا کرے اللہ صدفہ جاریہ۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد عینی منیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۷۰ھ) جو بہت بڑے شیخ اور صوفی گنہگار ہیں اپنے کتب پنہاؤ و شرم میں تحریر فرماتے ہیں۔

انبیاء اولیاء و سلاطین و احرار و ملوک چند ہی چیز خواہند
کہ شہرہ نشہ چند ہی چیز خواہند کہ شہرہ نشہ خود پس بہ
آنچه حکم کردہ است رضا اندہند، ہم تسلیم باید شدہ وہ
بندگی بیش باید گرفت بندہ و از مرگ چاہیت
از بندگی چارہ نیست، شہرہ آنچه خرامت اوست چہ جلالہ
انبیاء، اولیاء اور سلاطین و احرار و ملوک چند ہی چیز خواہند
کہ چاہتے ہیں کہ ہر جائیں مگر وہ نہیں ہوتیں اور کتنی ہی چیزوں
کو چاہتے ہیں کہ نہ ہوں مگر وہ ہر جاتی ہیں، پس جو کچھ حکم کر دیا
گیا ہے اس پر اصرار ہو جانا چاہئے اور تسلیم حکم کر دینا چاہئے
اور بندگی کا طہرہ لیا اختیار کرنا چاہئے کیونکہ بندہ حکومت
کے سوا چارہ نہیں ہے اور وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا

ہے، جس جلالہ
کیا کوئی صاحب فہم اور سمجھدار وہی حضرت شیخ شرف الدین احمد عینی منیری رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفسیر پر نہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آیت

ہم لگا سکتا ہے! حضرت برصورت نے ٹھیک دیکھت ہی ہے، جو کتاب وسنت سے ثابت ہے اور جس کی طرف راقم اطراف بیسوں سے مسلمانوں کو کہتا ہے کہ تقاضا دے دے آگے انبیاء و اولاد علیہ السلام بھی اسی تمام جمہوریت اور جلال شان کے باوجود، مجھ یا اسلامی برصا میں بعض اوقات جب تعالیٰ نے نہیں چاہا تو رسولوں اور پیروں تک کی دعائیں قبول اور تمنا میں ٹھہری نہیں ہوتیں۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے کتب (۱۹) میں یہی بات فرمائی ہے کہ عالم تقاضا و قدسین، انبیاء و اولاد تک بسا چیز خواہند، نشود۔
بہت سی چیزیں چاہتے ہیں، مگر نہیں ہوتیں۔

مسئلہ میں مسئلوں میں جو مشرکانہ زمینیں، باپا گئی ہیں، ان میں ایک کسم۔ امام خاں نے ہاندھنے کی بھی ہے، اس عقیدہ کے ساتھ کہ انسان امام، منسخر پر جانے والے کی حفاظت کے خاں میں ہیں! حالانکہ دنیا میں کوڑے دل لوگ جو خدا نہ منسخر کرتے ہیں ان کے جانے کی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نبی یا ولی کو خبر نہیں ہوتی اور اس فرقی حفاظت اور نگہبانی اللہ تعالیٰ کے علاوہ اند کوئی نہیں کرتا اور سفر میں جو کچھ آتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیش آتا ہے۔ اور تو امام مولیٰ احمد رضا خاں صاحب تک (ملفوظات حصہ سوم مطبوعہ حسنی پریس بریلی ص ۵۶) کا یہ فقرہ ہے۔

”عرض۔ امام خاں کا جو یہ ہاندھا جاتا ہے، اس کی کوئی اصل ہے۔ استاد۔ کچھ نہیں۔“
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور اسم گرامی سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانے کو حقیقت رسول کی نشانی سمجھا جاتا ہے مگر نے گاہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم دیا اور نہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کا معمول دیا، فقہ حنفی کی مشہور کتاب رد المحتار

”نہیں صحیح ہے کوئی بھی رعایت مرفوعہ انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اذان میں سن کر۔“
(رد المحتار ج ۱)

مسلمانوں نے عقیدت و محبت کی بہت سی رسمیں اور منہیں اپنے دل سے گھڑ لی ہیں، جن کی کتاب وسنت، آثار و صحابہ اور اقوال و کردار میں کوئی دلیل نہیں ملتی! پھر اس پر متم ہے کہ جو ان بے اصل و بے سند باتوں کو کہیں کرتا اس کو اُلٹا مطعون کیا جاتا ہے!!
صحابہ کرام کا یہ معمول نہیں رہا کہ وہ مدفعہ رسول پر چاکر منسخر یا دواستغاثہ اور عیوض احوال کرتے ہوں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تم پر جب کوئی مصیبت پڑے تو میری قبر پر اگر عیوض عرض کرنا! مگر مسلمان نہ لگانے دین کی قبول سے مرادیں مانگتے ہیں اور قبول کی جاہلوں پر عرضیاں اور درخواستیں لکھ لکھ کر لٹا سکتے ہیں!
حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تاملی عزیز میں تفسیر فرماتے ہیں۔

بعد رحلت شالی استبداد و بہ اس طریقہ فساد از حق تبارک
و تعالیٰ حاجت مرا بخوار و شفیع من شود دعا کے من
بخوار و دست است یا نیست؟
جواب۔ استبداد و انعامات خواہ نزدیک تمہا باشد
یا غائبانہ بے شبہ ہلاکت است و مذابح صحابہ تابعین
نہ بود۔
یعنی بعد وفات اولیاء و مشہد و صلوات سے اس طرح سے
استبداد کو اس فساد! حق تبارک و تعالیٰ سے میری
حاجت دعا کے لئے عرض کریں، میرے شفیع ہوں اور
میرے لئے دعا کریں، دست ہے یا نہیں۔ جواب۔ نہ
عبدالعزیز صاحب کی طرف سے استبداد و مرآت سے خواہ
قبول کے پاس کی جاوے یا غائبانہ بلاشبہ بدعت ہے نہ انہ
صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم میں یہ (شعاع) نہ تھا۔

فقہ حنفی کی مشہور کتابوں ————— درمختار، فتاویٰ عالمگیری۔ وغیرہ میں بھی اس طرح دعا کرنے کو مکروہ بتایا گیا ہے (یعنی یہ حق نہیں بلکہ کفر و بدعت)۔
یہ نکتہ افرینیاں اس کے علاوہ فقہ کی کتابوں اور مشہور اکابر علماء اور مبلغان دین کے اقوال کو سند میں پیش کیا ہے اور کسی آیت و حدیث اور قول و روایت سے کوئی نکتہ نہیں تراشا اور عقل کے تیرے لئے لڑائے ہیں۔

اہل بدعت نے مبلغان دین کے لئے کچھ القاب و اذکار اور مذاہب اپنے ہی سے گھڑائے ہیں اور جو کوئی ان سے اس یا سے کسی کتاب و سنت سے مستند بننے کے سبب اختلاف کرتا ہے، اس سے وہ بدعتیہ و گمراہی، دیوبندی اور بدعتیہ کہلاتے ہیں، اسی طرح ان لوگوں نے کچھ تقسیمیں اور ریس نکالی ہیں، جن کو وہ مبلغان دین کی عقیدت و محبت کا لائق تعاضا سمجھتے ہیں ان کے نزدیک جو کوئی ان تعاضوں کو پورا نہیں کرتا وہ بدعتیہ ہے اور مبلغان دین کی زمین کہنے والا ہے۔

اس ضمن میں کتابوں سے جو اسے دئے گئے ہیں ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کھلی ہوئی بدعات اور کسر و فرک کی باتوں کو اہل بدعت نے دین و شریعت سمجھ لیا ہے اور ان کے لئے کتاب و سنت اور شریعت میں کوئی مسند اور نظیر نہیں ملتی۔ ان کو یہ لوگ حیز جان و ایمان بنائے ہوئے ہیں ایک عقوبت ہے کہ گمراہی و ہدایت کا اسے دینی ہر دین کا ٹھہر لگا دیا گیا ہے۔ یہ کیسے عاشقانِ رسول ہیں کہ خلاف سنت افعالی کا ارتکاب کرتے ہیں اور عشقِ رسول کے مدعی اور علمبردار ہیں۔

اس مسلک و روش کے علماء اپنے عقیدت مندوں کے ہجوم میں اس قسم کی غلط فہمیاں پھیلانے دیتے ہیں کہ یہ دہائی اور دیوبندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مبلغان دین کے اختیارات و کمالات کی نفی کرتے ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں بتاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تفسیر کرنا دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات دے دیں، جن کی نفی اور تردید کی جاتی ہے!

اس گروہ کے علماء اصحابِ نعمت کتاب و سنت، آثارِ صحابہ اہل احوالِ ائمہ سے مستند دلیل لانے کی بجائے "ہدایتی نکتے" تراشتے ہیں یہ کہ ————— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مجرب ہیں، رحمتہ الخالین ہیں، سراجِ مرین ہیں، شیخ المبین، افضل البشر، افضل الراس ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم و اذن سے حضور کو کمالات کا مالک و مختار بنا دیا ہے۔ !.....!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچنے فضائل بیان کئے گئے ہیں وہ سب حق ہیں ان میں جو کوئی کلام یا چیزیں چھال کر کہے وہ زندقہ، ایسکین و عداوت متذکرہ ہاؤ کا انوکھا جیز۔ "اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم و اذن سے حضور کو کمالات کا مالک و مختار بنایا ہے۔" ————— غور طلب ہے اس کے لئے کتاب و سنت سے دلیل چاہئے۔

کتاب اللہ میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالات سنبھالنے اور کھفانہ عالم کے چلانے کے اختیارات دیئے گئے ہیں اور سب کو دنیا میں جو کچھ ملنا چھا وہ اس سے ملتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کو عطا فرما دیا ہے۔ یہ عقائد اساسِ مسلم کے فضاںِ مقدسوں کے غلو و عقیدت کے تراشے ہیں، کتاب و سنت سے ان عقائد کی تائید نہیں ہوتی، اس لئے اس قسم کے عقائد نہ تو قابلِ قبول ہیں اور نہ لائقِ تحقیر ہیں، بلکہ ان عقائد کی تردید میں شہانِ کبریم کی وہ آیت اور ہر جگہ کی جا چکی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان و حق ترجمان سے کہلایا گیا ہے کہ میرے پاس اللہ کے دئے ہوئے خزانے نہیں ہیں! اور خود سیرتِ رسولی کے بے شمار واقعات ان عقائد کی تائید نہیں کرتے۔

جو کوئی اللہ تعالیٰ کا جتنا مجرب ہے، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کا فیما بابر و ادا و اطاعت گزار ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیا و رسول میں جو سب سے زیادہ محبوبیت ملی ہے اس کا سبب حضور کا ————— کمالی و معیت ہے یہ کہ حضور اللہ تعالیٰ کے حکم و فرمان کے مقابل میں بالِ بیل و برہر

طریقہ کو کھدکا واسطہ بھی نہیں ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کھانے کا ثواب آنکس میت کی مدد کو پہنچایا تھا۔ ایصالِ ثواب سے اس روایت کا کوئی تعلق؟ کسی قسم کی کوئی نسبت؟ حدیث کچھ بتاتی ہے ایسا اہل بھکت اُس سے کچھ احادیث نقل کرتے ہیں!

اسی طرح ایک روایت ہے کہ حضرت امین سے گزرتے تھے، دو قبروں پر آپ نے ہر ایک شاخیں گاڑ دیں اور فرمایا ان قبروں پر عذاب ہو رہا تھا۔ یہ شاخیں جب تک پری رہیں گی اہل قبر کے لئے دُعا و مغفرت کرتی رہیں گی۔ اس حدیث سے اہل بھکت استعمال کرتے ہیں کہ قبروں پر پھول چڑھانا جائز ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن قبروں پر اظہارِ عقیدت و محبت کے لئے پھول نہیں چڑھائے تھے، بلکہ تخفیفِ عذاب کے لئے درخت کی ہر ایک شاخیں قبروں پر نصب فرمادی تھیں۔ بدیہی مسلمان بزرگوں کی قبروں پر جو پھول چڑھاتے ہیں قرآن کا یہ قصداً منع ہے کہ یہ پھول جب تک نفل مانہ رہیں گے صاحبِ قبر کے لئے دُعا و مغفرت کرتے رہیں گے اور صاحبِ قبر پر جو عذاب ہوتا ہے اُس کی تخفیف کے لئے یہ پھول چڑھائے جائے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ احادیث سے استعمال کرنے میں یہ لوگ کتنی غلط بیانی سے کام لیتے ہیں بلکہ جان کر عوام کو دھوکا دیتے ہیں!

پہلی حدیث یہ ہے،

من یمرء اللہ بہ خیراً یفقتہ فی الدین وامنما انا قاسم واللہ یعطی
رجس کے ساتھ اللہ بھلائی کا امانہ کرتا ہے، اُس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں تو بابتلے والا ہوں
اللہ دینے والا ہے

حدیث کے الفاظ ظاہر یہ ہیں اور عبارت کا سباق و سباق بتاتا ہے کہ یہاں "یعطی" سے "ال دین" و دولت نہیں بلکہ احکام دین و شریعت کی عطا مراد ہے، علامہ تہ لبشت رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے "عطا و تعلیم سے علم و حکمت اللہ تعالیٰ فی الدین ہی مراد پایا ہے۔ گما اہل بھکت، اس حدیث کا صرف یہ ٹکڑا۔

وامنما انا قاسم واللہ یعطی

پڑھ کر سن نہ رہو تو اسے اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے تمام خزانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیے ہیں، حقیقت معطی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے رسول اللہ اس عطا کے قاسم (بانتے والے) ہیں!

اگر

اس حدیث کا یہ مفہوم ہے، تو یہ حدیث قرآن کی اس آیت۔

"قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ"

سے نکلتی ہے اور صحیح حدیث قرآن کی مخالفت نہیں ہو سکتی، اور ہوگی تو وہ غلط اور جھبی ہوگی جسے روک دیا جائے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے اس کا مفہوم بھی صحیح ہے مگر اہل بھکت نے اس سے جو مفہوم دُعا فی پیدا کئے ہیں، وہ سراسر غلط ہیں اس آیت قرآنی کے مخالف ہیں۔

غیر اللہ سے استعانت کے جو انہیں اہل بھکت قرآن کی یہی اس آیت۔

"استعینوا بالصلوٰۃ والصلوٰۃ"

سے استعمال کرتے ہیں ایک اس آیت قرآنی کے حکم کی تعمیل میں کوئی مسلمان "مبرا و صلوة سے استغاثہ کرتا ہے کہ آئے "مبرا و صلوة" تم میری دستگیری امداد فرماؤ! اگر بلا نصرت کوئی ایسا کرتا ہے، تو اس سے زیادہ گونہ اور حق کوئی نہیں ہے! اس آیت کا سیدھا سادہ مفہوم یہ ہے کہ مبرا و اختیار کرو گے اندازہ پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرمائے گا اور اس سے ملے قصہ کشد کا مارکٹ کشش نکالت ہوگی،

یہ ہے اہل بھکت کا قرآن اور احادیث کی یہ تھوڑک! انسان کی قرآن بھی اس حدیث کافی کے چند نام نہ کرنے!

عوام کو کھینچتا ہوں سے دل بھی ہوتی ہے، لہذا جہاں مہین کے نام پر داگ رنگ ہو، سداغ و قلع ہو، مرد و زن کا اختلاف ہو، چوڑا بھول بتاٹے، کلا سے کھانے کی رنگیں، متخا تھروں کے طباقی، ٹکاگ، حنڈل اور سچا لکے جلیس ہوں ————— وہاں عوام کو دل بھی ہوتی چاہئے! اس عایانہ ذوق کی بدولت ان خرافات کا باندھ کر ہم ہے!

پھر

ہوتی علماء اپنے مسک کی کھل کر کھلنے کی چوٹ تبلیغ کرتے ہیں مگر جو علماء اور واعظین اس مسک کے غماز نہیں، وہ کچھ تو دعا داری اور اخلاقیات، خوف سے اور کچھ اس وجہ سے کہ عوام مسلمانوں میں ان کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کو ٹھیس لگے گی، ان بدولت و خرافات کی اپنے معاملہ اور تفسیر پر وہ تردید نہیں کرتے!

لیکن

یہ ہمارا ذاتی تجربہ ہے کہ جب بھی عوام کے سامنے ان قسم کے سائن کو صریح طور پر پیش کیا گیا ہے اور ان کے دلوں میں یہ بات آوارہ دہی گئی ہے کہ ان بد سے اللہ رسولی اور مذہب گاہن دین کی خوشنودی حاصل ہونے کی بجائے ان کی ناراضگی اور عتاب و غضب حاصل ہوتی ہے تو وہ چونک پڑے ہیں اور ایسے عقائد میں تبدیلی پیدا ہو گئی ہے!

توحید و سنت کی اشاعت و تبلیغ اور بدعت و شرک کی تردید کی ذمہ داری ہر اہل ایمان پر عائد ہوتی ہے جس سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ اُسے کرنا چاہئے، ورنہ اس سائن میں سرکرت و گریز صرف نظر اور چشم پوشی کی اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دی کرئی ہوگی!

اشرف لیبارٹریز

۱۰۰ زوداٹر پینٹ ادویات -

۱۰۰ خالص اجزاء سے تیار شدہ قرابا دینی مرکبات -

۱۰۰ ماہرانہ تشخیص -

۱۰۰ ہمدردانہ علاج کا عظیم اور قابل اعتماد مرکز

آپ فواد طیب ہوں یا ڈاکٹر ————— خدا نخواستہ مریض ہوں

یا کسی مریض کے سر پرست ————— آپ اپنی طبی ضروریات ————— کیلئے

اس ادارہ کا

اسی طرح قابل اعتماد پائیں جس طرح لاکھوں افراد، اس ادارے کی خدمات سے مطمئن ہیں،

راہنہ شفا اور سوالنامہ تشخیص و تجویز مفت طلب فرمائیں۔

اشرف لیبارٹریز حبشہ کالونی۔ لائل پور

مولانا محمد حسام اللہ شرنی

تاثرات

مرتبہ پانے کی جگہ بھی ضروریات زندگی ہی میں شامل ہے۔ نہایت یہ تو یہی جس مکان میں آپ رات نش رکھتے ہیں اس کی صفائی، سہرائی، نگہداشت اور حفاظت اور اس کی دیکھ بھال کیا دوسرا آدمی کرے گا؟ اس عمارت کا کوئی حصہ کمزور ہو جائے تو کیا آپ اسے یوں ہی کمزور رہنے دیں گے؟ کڑیاں لوٹ جائیں یا شہزیروں کو دیکھنے کے لیے چاٹ چاٹ کر کھوکھلا کر دیا ہوا اور اس کمزور اور بوسیدہ کڑیوں اور شہزیروں پر سنبھلی اس چھت کے کسی رشت بھی گر جانے کا امکان ہو۔ تو کیا پھر بھی آپ اس کی طرف سے ہنسی ہے تو یہی برقیں گے؟

ظاہر بات ہے اگر آپ اس مکان کی صفائی، سہرائی، دیکھ بھال اور نگہداشت کی طرف توجہ نہیں کریں گے اس عمارت کی کمزوری اور شکستگی کو دور کرنے کی سعی نہیں فرمائیں گے تو یقیناً ایک نہ ایک دن وہ مکان گر جائے گا۔ اس کی پھٹ پھٹ جانے کی اور بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے ساتھ ان لوگوں کو بھی لے بیٹھے جو اس میں رات نش رکھتے ہیں اور اگر کسی طرح وہ لوگ زندہ سلامت بچ بھی گئے تب بھی ان کا سامان نقصان سے محفوظ نہیں رہے گا بلکہ اس میں سے بہت سامان ضائع ہو جائے تو کچھ بعد بھی نہیں۔ اسی لیے شخص کو، جو اس مکان کی خامیوں سے واقف ہوتے ہوئے بھی انہیں دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور نہ اس کی رات نش ترک کرتا ہے، آپ کیا کہیں گے، کیا دوسرے لوگ اس کو دائرہ تسلیم کریں گے یا اس کی عقل و دانش کی تعزیت کے لئے محض ماتم منعقد کریں گے۔

بہت سی عمارتیں آپ کو ایسی بھی نظر آئیں گی جن کی تعمیر کا مقصد رات نش نہیں بلکہ ان سے دوسرے فوائد حاصل کرنا مقصود ہوں گے، اور ان سے کئی دوسری اغراض وابستہ ہوں گی۔ ایسی عمارتوں سے ان کے مقصد تعمیر کو نظر انداز کر کے رات نش وغیرہ کا کام لینا کسی طرح بھی درست نہ ہوگا بلکہ ایسا کرنا قوی دولت کے ضیاع کا سبب اور ایسا کرنے والے افراد کو مفاد سے غلامی کے غلبہ ہوں گے۔ ان عمارتوں سے وہی کام لینا ان کا جائز استعمال ہوگا جن کے لئے انہیں تعمیر کیا گیا ہے یعنی دفاتر، تعلیمی اداروں، کالافونیاں یا مکانوں وغیرہ کے استعمال میں لانا یقیناً ان عمارتوں کا جائز اور صحیح استعمال ہوگا۔ پھر زندگی ان مشتبہ نائے مختلفہ سے وابستہ افراد کو ان عمارتوں کی بھی اسی طرح دیکھ بھال کرنا ہوگی جس طرح وہ اپنی رات نش گاہوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کرتے ہیں۔ اور اگر ان لوگوں نے ان عمارتوں کی دیکھ بھال، صفائی، سہرائی، نگہداشت اور حفاظت کی نگرانی انجام نہ دیا اور اس سے غفلت برقی تو یہ لوگ بھی اس خطرے سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے جس خطرات میں گھر والے مبتلا تھے، اور ہر لمحے ان کے سر پر خوف کی یہ تلوار لٹکی ہوئی نظر آتی رہے گی کہ کہیں کوئی حادثہ پیش نہ آجائے اور انہیں تمام عمارت سے کوئی جانی یا مالی نقصان نہ پہنچ جائے اور اس خوف سے انہیں کبھی چھٹکارا نہیں مل سکے گا۔

جس دیں میں آپ بٹے ہیں اور جس ملک کو آپ اپنا وطن مشہور کرتے ہیں اس کی حیثیت بھی وہی ہے جو آپ کے مکان کی ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ اس مکان میں آپ تہاہر بٹے ہیں اور اس دوسرے مکان میں آپ کے افراد و خاندان کے ساتھ ہی ساتھ آپ کی ہرادی اور خاندان، مذہب اور قوم کے دوسرے افراد

جی آپ کے ساتھ رہنا کٹھن رہتا ہے اور اس طرح یہ وطن ایک وسیع خاندان کو اپنے اندر جگہ دے ہوئے ہے۔ اور اسی سبب اس کی صفائی مستحضرانہ دیکھ بھال اور نگہداشت کا فرض بھی کسی ایک فرد کی ذمہ داری نہیں بلکہ ساری حیثیت میں ان سب لوگوں کا مشترکہ فریضہ ہے جنہوں نے اس مکان کی چار دیواری میں پناہ لے رکھی ہے۔

ایک بات اور ————— کبھی ایسا بھی ہوا ہے۔ آپ نے گھر کی معاملات کو یکسر نظر انداز کر دیا اور وہ ان سے بالکل بے تعلقی اختیار کر لی ہو یا کبھی کسی چور کی آہٹ پر آنکھ کھل جانے کے باوجود آپ نے اسے مال و اسباب سمیت کرے جانے کی اجازت دیدی ہو اور اس سے کوئی باز پرس نہ کی ہو۔ آپ نے اپنے گھر میں کسی چور کو غلبہ لگاتے دیکھ کر اس کے اس فعل سے عجز و پستی کی ہو؟ خدا خواستہ آپ کے مکان یا دکان میں کسی طرح آگ لگ گئی ہو تو آپ کھن ایک تماشا بن کر اسے دیکھتے رہے ہوں اور آگ بڑھ کر اس آگ کو بجھانے کے لئے کوئی عمل قدم نہ اٹھایا ہو؟

یقیناً ان باتوں کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ گھر کی معاملات سے بے تعلقی اختیار کر لینا کسی عقلمند کا شیوہ نہیں یا کسی چھوٹے لڑکے کو کسی قسم کی سزا دے بغیر چڑھ دینا والدین کی طرف سے بے جا ہے۔ اس طرح آگ بجھ کر اسے بجھانے کے لئے عملی کوشش نہ کرنا سفاہت کی علامت ہے۔

اگر واقعہ آپ کا بھی یہی خیال ہے اور یقیناً ایسا ہونا چاہیے تو آپ نے اپنے اس وطن عزیز کو کیوں فراموش کر رکھا ہے اور اس کے معاملات سے کیوں بے تعلقی اختیار کر رکھی ہے اپنی تہذیب و ثقافت کو کیوں مٹا دیا؟ گھر کوڑوں کے حوالے کر دیا ہے تو آپ کا معاشرہ مغربیت کی آگ میں جل رہا ہے اور یہ آگ روز بروز تیز ہوتی چلی جا رہی ہے اور آپ کی اخلاقی اور طبی قدروں کو خوشگوار لڑکیوں کی طرح جلاتے دے رہی ہے۔ مگر آپ اس آگ کو بجھانے کے مطلق فکر نہیں کرتے ————— کیا اس سے بڑا کوئی المیہ ہو سکتا ہے۔

آپ اپنی تمام اشیاء، گھر، مکان، دکان اور اس میں موجود مال و اسباب وغیرہ کی حفاظت کو سب چیزوں پر مقدم سمجھتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے اس وطن عزیز کی کسی شے کا خیال نہیں رکھتے۔ اس کی تہذیب و ثقافت، اس کے آئین و اخلاق اور تعلیم و معاشرت کو اپنی توجہ کا مرکز نہیں بناتے اور انہیں اپنے دین و مذہب کے مطابق ڈھالنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اس حقیقت سے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے کہ اس دین کے حصول کے لئے جسے پاکستان کے نام سے شہرت حاصل ہے اور جس کے لینے والے اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے اور نبی احمدؑ ان جناب محمد مصطفیٰؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا دم بھرتے ہیں، اپنے آبائی وطن کو چھوڑنا محض اس لئے گوارا کیا تھا اور جہاں وہاں کی قسبانیاں صرف اسی لئے پیش کی گئیں کہ وہ کسی طرح ایک ایسے خطہ ارض کے مالک بن جائیں جہاں وہ آنا کوئی سے اپنے معبود حقیقی کے سامنے سر نہایت خم کر سکیں اور اپنے خدا بڑے حیات کو اُس کے لئے ہوئے آئین کے مطابق ڈھال سکیں۔

اب اس دین میں لینے والے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور اس مکان میں رہائش رکھنے والے شخص کی طرح اس مملکت کی دیکھ بھال، نگہداشت اور لگائی کے فریضے سے حق و خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہو۔

مقصود تعمیر سے ہٹ کر عمارت سے استفادہ کو ایک غلط اقدام سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس دین کے مقصد بنانا کو نظر انداز کر دینا قوی معاد سے غداری کے مترادف نہ ہوگا؟

اس مملکت میں وطن کی جن نگہوں نے اپنے خون سے زیادہ کی ہے اور جس ارض مقصد کے لئے انہوں نے جانی و مالی قربانیاں پیش کی ہیں اور جس غرض کے لئے اپنے آبائی وطن کو ترک کیا ہے ان اغراض و مقاصد کو کسی صورت میں بھی نظر انداز کرنا مناسب نہ ہوگا۔ ان کی ہجرت انسان کی شہادت کو مایا لگا جانے دیا جائے؟

آپ اپنے افسانہ خانہ کو اتنی آزادی دے دیں گے کہ وہ ان اقتلا سے اخراجات کر جائیں اور ان بنیاد کو مدیم بہم کر ڈالیں جن پر آپ کا گھر پر نظر قائم ہے؟ اپنی اولاد سے آپ اپنی عزت و توقیر کی توقع رکھتے ہیں لیکن اگر وہی آپ کی عزت و اہم کے دہ پے ہو جائے اور آپ سے مقابلے کے لئے نکل کھڑی ہو اور اسی تقابلی پرانے نب آپ کا اس کے ساتھ کیا مدیہ ہوگا؟ آپ وجود و تاریخ سے کام نہیں لیں گے اور اسے سخت علامت نہیں کریں گے؟ آپ کے اہل محمد میں سے بھی جو شخص سنے گا وہ بھی آپ کی اولاد کو برا بھلا کہے گا اور اسے ناخفت شمار کرے گا۔ اس سے قطع نظر اگر کسی بھی شخص میں کوئی شخص آپ کے والدین کو برا بھلا کہنے لگے اور سخت علامت کرنے لگے تو آپ کی غیرت و محبت اسے برداشت کرے گی۔ ان کی زبان سے اپنے والدین کی برائیاں سننے کے باوجود پھر بھی آپ خاموشی اختیار کئے رکھیں گے؟

اگر ایسا نہیں کر لیا دیر ہے کہ دین کے معاملے میں لوگوں کی اس آزادی کو برداشت کر لیا جاتا ہے اور اسلام کی بنیادی قدروں سے انحراف کرنے والوں کو معائنہ سے آبرو دینا نہ مقام حاصل رہتا ہے۔ آپ اپنے والدین کی بیانی تو نہیں سن سکتے لیکن آپ کس نے رسول اللہ اور ان کے احکام و فرمان کا شائبہ نہ کھلے بندوں خالق اٹھا جانا اور تحقیر کی جاتی ہے اور پھر بھی آپ کی غیرت و محبت کو جوش نہیں آتا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام آپ کی نظر میں اتنا بھی نہیں جتنا آپ کے والدین کا ہے۔

میرزا بنیاد ساز چند دوسرے سوالوں میں بھی الجھا ہوا ہے اور ان کے جوابات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ آپ بھی اس مشکل کو حل کرنے میں میری مدد کیجئے۔ کیا کبھی آپ اس بات کو گوارا کر سکتے ہیں کہ آپ کی مملکت میں کسی دوسرے کا قانون نافذ ہو یعنی گھر آپ کا ہو اور حکم کسی باہر کے آدمی کا چلے کیا آپ اس کا تصور کر سکتے ہیں کہ آپ کی اچھی سمجھی اور صحیح مسلم زبان کا ٹ وی جائے اور اس کے بجائے کسی دوسرے شخص کی زبان کا چونکا دیا جائے؟ کیا آپ اس چیز کو برداشت کر لیں گے کہ آپ کی حیثیت محض ایک چال بھری جونی شین کی ہو جائے؟ اگر آپ ان باتوں کو برداشت کرنے کی اپنے میں ہمت نہیں پاتے بلکہ ان کے نصی سے بھی دیر بھاگتے ہیں تو پھر ایسا کہہ سکتے ہیں کہ اپنا وطن چھوڑتے بھی غیروں کے آئین کے نفاذ اور اس پر عمل کرنے میں کوئی تباہت محسوس نہیں کی جاتی۔ کیا اسلامی دستور ہمارے مسائل کو حل کرنے کے لئے کافی نہیں؟ یہ کیسی غلط فہمی ہے کہ ایک نرس رسا کے مالک ہوتے ہوئے بھی آپ اس پر اپنا اختیار نہیں رکھتے اس میں بھی دوسروں کے خیالات بھروسے ہیں۔ ادب اتنی گہنی لکھن ہی شکل ہے کہ اس میں آپ کے ذاتی رجحانات اور خیالات سما سکیں۔ کیا یہ زندگی کی یہی عادت ہے کہ اچھی بھلی زبان کو محض مصل بنانے پر بھی کسی قسم کا کوئی احتجاج بھی نہ کیا جائے بلکہ دوسروں کی زبان کے پیوند پر فخر کیا جائے کیا آپ کی زبان اس قابل نہیں کہ وہ انہما و مطلب کے کام آئے اور اس سے کاروبار زندگی میں فائدہ اٹھایا جاسکے یا وہ محض زینت کا ایک زیور ہے جسے نمائی الماس میں سجایا ہی کافی ہے۔ اپنی زبان کو محض رنگینوں کی بولی کے لئے استعمال کرنا اور اس سے ان کے خیالات و احساسات کی ترجمانی کو کام لینا غیرت ملی کے رخصت پرطلہ بچے سے کچھ کم ہے؟ فک و تدبیر سے کام لے کر مجھے ان سوالوں کے جواب دیجئے۔

اس دین سے اپنی الفت اور وطن سے اپنی محبت کے اظہار کی ایک طریقہ ہے کہ اس وطن عزیز میں بسنے والا ہر فرد اسلام کا دامن ہر حالت میں تھامے رکھے۔ اپنی تہذیبی اور ثقافتی قدروں کو کسی صورت میں بھی فروغ نہ کرے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ذوقی دلو سے ایک قدم آگے بڑھ کر اس غلط فہمی کو پیش کرے وہ اپنے مذہب اسلام کے فروغ اور اپنی زبان اور قوم کی ترویج کے لئے اپنی ہدی زندگی وقف کرے ان لوگوں پر کوئی نظر رکھے جو اس کے بنیادی اخلاق و مقاصد میں ترمیم و تحریک کے ترکیب ہوں۔ اور اگر ایسا نہیں تو پھر اقبال کی زبان میں یہی کہنا پڑے گا۔

وہ چیز نام ہے جس کا وہ شہر محبت کی

میرے وطن میں نہیں ہے ابھی کہیں پیدا

روحِ انتخاب

اللہ تعالیٰ کو کسی نے دیکھا نہیں بلکہ اس ذاتِ بروج کو اس کی نشانیوں سے پہچانا ہے ایمان چونکہ ایک کلی کیفیت کا نام ہے اس کے کسی شخص کی ایمانی نسبت کا فیصلہ کسی محسوس حیا کے سامنے نہ کر سکتا۔ مگر یہ حقیقت اپنی جگہ ستم ہے کہ اللہ تعالیٰ عقلی نگاہ کو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بچی محبت اس کی تعلیم سے وابستگی اور ان کی اطاعت کا جذبہ صادق یہ سب ایمانی کیفیات انسان کے طبع و فکر اور اس کے طرز عمل میں ضرور منعکس ہوتی ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ کسی شخص کا دل کے دین سے ہمہ گیر محبت بھی ہو اور وہ جان بوجھ کر ایک گنگے بندھے منصوبے کے تحت ایسی تدابیر اختیار کرے جن سے دین کی تخریب کا خطرہ ہو، یا وہ اسلام دشمن قوتوں کا کامیاب کرنے اور ان کا راستہ روکنے کے بجائے ان کی تائید کرنے لگے۔

ہمارے ہاں اس وقت اسلام کے ہاں سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ایسی حکومت کو زیب نہیں دیتا جس نے اسلام کو اپنے دستورِ امتین کا بنیادی پتھر قرار دیا ہو۔ اباب اختیار کے اپنے باسیوں کو جذبات اس قدر ناکم نہیں کہ کہاں کی ہے ان کی کسی پالیسی یا طرزِ فکر سے اختلاف کیا ہو چسپاں شکیں اور ہو گئیں اور تنقید کرنے والے کو ان کی اس بے جا حسادت کی نرا دینے کے لیے سرکاری مشینری حرکت میں آگئی مگر اسلام کے خلاف یہاں جس کا جوئی چاہے کہتا ہے اس سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ اسلام کے ہاں سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس کا حال یہ ہے کہ وہ اگر خود کسی کوئی قدم صحیح سمت میں اٹھائی ہے تو اس پر سرکاری دل نہیں جتنا ادا ہے کہ نہ ہوتے لیکن کوئی تو برٹریٹ پر ہی ہے عملی جامہ پہناتی ہے اور اس کے حق میں ٹھوس اعداد و احوال دے کر مخالفین کو خاموش کرنے کی سعی کرتی ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات عوامی دباؤ سے مجبور ہو کر کوئی ایسا اعلان جاری کر دیتی ہے جس پر لوگوں کو قدمہ اطمینان ہوتا ہے اور وہ اسے ایک منید قدم سمجھ کر اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں لیکن یہ اعلان یا قاضیات کی نیت بنتا ہے یا گشتی ترسوں کی صدمتیں دفتری قانون میں دب کر رہ جاتا ہے۔ عملی زندگی میں اس کے مطابق قطعاً کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔ زندگی کی جوئے مساں جوں کی توں جاری رہتی ہے۔ تجدید پسند اور بے دین طبقے اس کے خلاف کھسک کر بے سر ہوا ہوتے ہیں مگر حکومت اس سے سب نہیں ہوتی۔ اور وہ ان ساری باتوں کو اس خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے ہیں جیسے کہ وہ اس سارے ڈرامے کی خاموش تماشا ٹی ہے اور اس کا خواہاں ہے اس فیصلے سے کوئی دھکا تعلق بھی نہیں ہے ابھی چند ہی روز کا قاضی ہے کہ حکومت مغربی پاکستان نے تعلیمی اداروں میں ناچ گانے کی حرمان پر پابندی عائد کی اور ملک بھر میں حکومت کے اس اقدام کا خیر مقدم کیا گیا اس اعلان کو سنتے ہی تجدید پسند اور ثقافت گزیدہ عسکر سخت ہریم ہوئے اور انہوں نے اس کے خلاف اخبارات میں باقاعدہ ایک مہم شروع کر دی جس میں پیش پیش خود حکومت کے اپنے منظرِ نظر سے اخبارات ہیں ان کے کالموں میں کبھی کسی بگڑے ہوئے مسلمان یا وٹا کو بطور مثال پیش کر کے قص و سرود کی حمایت میں مضامین لکھے گئے اور کبھی یہ بھونڈی دلیل دی جانے لگی کہ اگر خیر نسبی پاکستان کے اسکرولوں اور اسکا بلوں میں ناچ گانے کا پرچم سرنگوں ہو گیا تو مشرقی پاکستان سے تو می وحدت کے منٹے کمزور ہو جائیں گے۔ گویا خیر نسبی اور مشرقی پاکستان میں اگر کوئی مشترک نقطہ تو وہ ناچ گانے کا

جنوں ہے اس کے سوا ان میں اخوت کا کوئی دوسرا رشتہ موجود نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب حکومت نے اس معاملے میں ایک تسنن قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور اس کے فیصلے کو کچھ ہی قوم کی تائید بھی حاصل ہے تو کیا اس کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ اسے جلد از جلد اسے نافذ کرنے کی کوشش کرنی اور لٹ و لاف و طاقت کے سامنے نتائج استعمال کر کے گفتی کے ان چن لوگوں کو محسوس جواب دیتی جو اس معاملے میں افسانہ پیداکر رہے ہیں لیکن یہاں حال یہ ہے کہ نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات میں جن پر حکومت کا جلا و راست قبضہ ہے اس فیصلے کے خلاف جڑے دل آزار مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ انسان میں سے کوئی

ہماری نظریں

تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر اسرار احمد دایم۔ اے ۲ صفحات ۵۳۵ صفحات دجلہ، رنگین گروپرز قیمت چار روپے،
لئے کا پتہ ۱۔ دارالاشاعت الاسلامیہ، بالمقابل ڈاک خانہ کرشن منگو لاہور۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی مخالفت میں متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں ادیبہ سلسلہ جتنا ہی رہتا ہے ان ناقدین کا مقصد جماعت اسلامی کو عوام مسل نوں میں نامقبول اور غیر مردود بنانا ہے، بعض کتابوں پر دافرقین خوج کی گئی ہیں، اور نہ جانے کس مصنف اور ناقد کی اس محنت و خدمت کی کس کس عزرائی سے پیدائی ہوئی ہے۔

تھر کی مثال ہمارے سامنے ہے، جمال ناہرا اپنے اقتدار اور آمریت کے لئے سب سے زیادہ خطرناک افران المسلمون کو سمجھتا تھا، اس جذبہ کے تحت اس نے "افران" کو جس بے رحمی اور سفاکی کے ساتھ ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر اپنے اقتدار کے لئے سب سے بڑے خطرے کو دیکھا ہے، وہ انسانیت کی بہت بڑی طریقہ بندی ہے اتنی دودا بگیز کہ۔

سے اسماعیل راجی بود گروں بیاد و بریزیں

پاکستان میں جماعت اسلامی - اقامت دین کی تحریک کی تبلیغ اور علمبردار ہے، اپنی بساط کے مطابق انتہائی ناسازگار ماحول میں اس عظیم و مقدس تحریک کے لئے وہ دوشادھ و پادشاہی کا کافی جہد و جہد کرتی رہی ہے اس لئے ہر دور حکومت میں "جماعت اسلامی کی سر زمین" ادب اب بست و کٹا کر کھنکھاتی رہی ہیں اور اس تحریک کی راہ میں سکاوٹیں پیدا کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ یہ سلسلہ زندگی و جدت کی سنگی اور تہد و بند کی صعوبتوں سے لیکر قسم و قرطاس کے محاذ تک پہنچتا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کو ایک دن منہ دکھانا ہے۔ جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے رسے میں ہم اس قسم کی سرزنش اور ہنگامی نہیں رکھتے کہ صاحب موصوف نے جماعت اسلامی کے بعض دوسرے ناقدین کی طرح سرکار دہلیا میں رسوخ اور ی قسم کی منفع حاصل کرنے کی غرض سے یہ کتاب لکھی ہے ان کا معاملہ دوسرے مصنفین اور ناقدین سے مختلف ہے، ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی کے بیان کی اصلاح کی نیت سے یہ کتاب تصنیف کی ہے اور بڑی دیدہ و بریں کے ساتھ جماعت اسلامی کے سابق اور حالہ زورف کا جائزہ لیا ہے۔

مگر

اخذ سے دیکھتی ہے باوجود ان کی یہ کتاب بھی دوسری کتابوں کی طرح قریب قریب ہی کام انجام دے گی کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی طرف سے عوام مسلمان ہنگام ہوں، جماعت کے بارے میں یہ خیال قائم کریں کہ یہ بھی دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح ایک سیاسی پارٹی ہے اور اپنا دنیا دار اور وقتی مصلحتوں کا غلبہ ہے، جماعت اسلامی اس طرح مسلم نوں میں نامور، دلچیز و دلچیز ہوگی اقتدار میں بھی راہیں بدگ نماں اور دین پیدا ہوں گی! دوسروں، ہمدروں اور ماحول کا لئے وہ اخلاص جو دشمنوں اور بدخواہوں کی مخالفت اور بدخواہی کے مقصد کو تقویت

اور خدا پر پختا ہوں۔

یہاں تک جماعت اسلامی کے ارکان کا تعلق ہے، وہ پورے شعور، اخلاص اور بے نفسی کے ساتھ جماعت سے وابستہ ہیں اور کسی متذنب میں مبتلا نہیں ہیں ان کی غالب اکثریت نے جماعت کے پورے لٹریچر کو صرفاً سونا بٹھا ہے، آخرت کی جس جواب دہی سے بچنے کے لئے ڈاکٹر مسر احمد صاحب نے کتاب لکھ کر، دینی خیر خواہی اور احقاق حق کا حق ادا کیا ہے، اسی جذبہ کے تحت جماعت اسلامی کے ارکان بھی جماعت سے وابستہ ہیں اور ان کا مقصد بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور آخرت کی مسر خودی ہے! اس کتاب کو پڑھ کر جماعت کے ارکان "اتات دین" کی تحریک سے علیحدگی اختیار نہیں کر سکتے! ڈاکٹر صاحب کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے دینی بصیرت رکھتے ہیں اور جماعت اسلامی کے فاضل و عال سے اچھی طرح باخبر ہیں! اہ! یہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر، دوچار ارکان ڈاکٹر صاحب جماعت سے علیحدگی اختیار کر لیں! مگر ذرا رائے العزیز ان کی اور دوسرے نامہین کی یہ تمنا ایسی نہیں ہو سکتی کہ اس قسم کی کتابوں کا مطالعہ جماعت اسلامی کی صفوں میں عام انتشار پیدا کر دے گا اور اس کے بیشتر ارکان "اصلاح" کے نام پر سرکشی اور بغاوت پر آمرا آئیں گے جتنے بے یمن برکتی کی بھی یہ تمنا جوشن اللہ پر دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو صوفیوں نے شکستہ یعنی تعظیم ہند سے پہلے تک کی "جماعت اسلامی" کی بہت کچھ تعریف و توصیف کی ہے کہ وہ اپنے مقصد وجود اور اساس نامہین پر قائم تھے، یہاں تک کہ اس کے ارکان میں صحابہ کرام کے دینی جذبہ کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔ مگر ڈاکٹر صاحب کو اس کا علم بھی ہے کہ اس دور میں بھی نادین نے جماعت اسلامی کی ہدف طنز و طعنت بنایا ہے، اس کے ارکان پر "خارج" کی بھتیجیت کی ہے، مولانا مودودی پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ "مجدویت" کے دھوے دار ہیں! بعض صاحبان ریٹ و تقریر نے "کشف" کے ذریعے یہ معلوم کر لیا کہ جماعت اسلامی سے ضریح اکید نہیں رکھنی چاہئے! اس قسم کی تنقید و طنز کو ڈاکٹر صاحب قلیلاً غلط سمجھتے ہیں گے! جماعت کے بعض اعضاء ذہین تو ڈاکٹر مسر احمد سے علم و تقویٰ اور اخلاص و دینداری میں بہت بلند تھے، مگر ان کے اخلاص و دینداری نے کام کیا انجام دیا! یہ حضرات جماعت اسلامی پر طنز و تنقید دین کی بہت بڑی ضرورت سمجھتے تھے، اور اپنی جگہ مطمئن تھے کہ وہ اس طرح دین کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ شکستہ کے بعد جماعت اسلامی کے موقف کا ڈاکٹر صاحب نے جو تجزیہ فرمایا ہے اور تحریک جماعت اسلامی کا تحقیقی مطالعہ کیا ہے اگر اس کی کینیت پر ایسی "طنز و تنقید" کا کوئی گمان کرنے لگے، تو ایسا کرنے کا اُسے حق تو حاصل ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ جس طرح جماعت اسلامی نے شکستہ سے پہلے کے موقف کو جماعت کے نادین نے غلط سمجھنے کی غلطی کی تھی، ڈاکٹر مسر احمد صاحب نے شکستہ کے بعد کے موقف کا تجزیہ کرنے میں غلطی کی ہو!

ڈاکٹر صاحب کے اس تجزیہ اور تحقیقی مطالعہ کا خلاصہ انہی کے لفظوں میں یہ ہے —

۱۔ بعینہ یہی کیفیت جماعت اسلامی پاکستان کے ساتھ پیش آئی وہ ایک خالص اصولی اور دینی الاوامی بلکہ انسانی بنیادوں پر دعوت کی علمبردار بن کر کھڑی ہوئی اور ابتدا میں اُس نے نسلی، لسانی، وطنی اور لونی تو متیں تو ایک طرف خود مسلم قوم پرستی جو ایک قومیت ہونے کے باوجود بین الاقوامیت کا رنگ بہر حال کھتی تھی، کی شدت کے ساتھ خفیہ گفت کی، لیکن اس کی یہ شان زیادہ سے زیادہ پانچ سات سال تاخیر رہ سکی، اس کے بعد اس نے بھی پاکستان میں اگر مسلم قوم پرستی کا لبادہ اٹھ دیا، وائے!

خوش و خوشید دے شکستہ تبیل بود (مطلا)

اس کتاب میں جماعت کے لٹریچر اور خاص طور سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تحسینوں کے اقتباسات درج کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ان میں تضاد پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ —

تھا جو نا خوب بستہ برج دہی خوب ہوا

مولانا مودودی ہوں یا جماعت اسلامی ان میں سے کوئی بھی معصوم نہیں ہے، اس لئے فکر و رائے اور عمل کی غلطی کا صدور کوئی چھینچے کی بات نہیں ہے! افسوس اور جماعتوں کے سیرت و کردار اور قول و عمل میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ غلبہ کس چیز کا ہے، غیر کا یا شر کا! اور ہی کتاب کے پیش نظر ان کے اچھے اور برے ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔

انگریز کے دہلی میں متحدہ ہندوستان میں اقامت دین کے لئے جماعت نے جو طریق کار انتخاب کیا تھا وہ درست تھا، اس وقت یعنی سنہ ۱۹۴۷ء میں کسی کے دہم و دھن میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ انگریز کسی مزاحمت کے بغیر اپنا بے بدسترا ہندوستان سے چلا جائے گا اور اس کا جانا اور ہندوستان کا تقسیم ہو کر پاکستان کا بن جانا، ایک ہی سانحہ وقوع میں آئے گا! پاکستان بن جانے کے بعد جماعت اسلامی کو بالکل نئے حالات کا سامنا کرنا پڑا، یہاں سب سے پہلا سوال یہ سامنے آیا کہ پاکستان کا کس طرح کیسا ہونا چاہئے؟ اس صورت میں جماعت اسلامی دستور کے مسئلہ کو نظر انداز کر کے رکھ چاہے وہ دینی ہو یا لادینی، ہر طرف معاشرے کی اصلاح میں لگی رہتی کہ جب پاکستان کا معاشرہ خالص اسلامی ہو جائے گا، اور خود ارکان جماعت تزکیہ نفس کی مطلوبہ کیفیت کو حاصل کر لیں گے، اس وقت کس طرح کی سیاست کے معاملات پر ترجیح کی جائے گی! اگر جماعت ایسا کرتی تو وہ اپنی اس غفلت و کوتاہی اور غلط اندیشی پر اللہ تعالیٰ کی یہاں جواب دہ ہوتی!

متحدہ ہندوستان میں جماعت نے انگریز حکومت کو خطاب نہیں کیا، اسمبلی کے انتخاب میں حصہ نہیں لیا، کوئی جلسہ نہیں نکالا، پیس کا فلسفہ منعقد نہیں کیا، مگر پاکستان میں اسے ان تمام مرحلوں سے گزرنا پڑا جو حضرات اپنی سادہ لوحی کے سبب شیون و احوال کی تبدیلی اور ان کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں! انہیں ششہ کے بعد کی جماعت اسلامی پاکستان کے قول و عمل میں تضاد نظر آتا ہے! اسی قسم کے تضاد کو اس میں بحث و گفتگو بنا کر یہ کتاب لکھی گئی ہے! کوئی شک نہیں اس کتاب میں بعض دلیل بھی حاضری ہیں، جماعت کے ماضی و حال کا تجزیہ بھی بڑے سلیقہ سے کیا گیا ہے، لیکن لا املہ بھی خوب ہے، مگر عمومی طور پر یہ کتاب ذہن و فکر پر یہ نقوش چھوڑتی ہے۔

(۱) لکھنے والا جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے کے بعد شدید نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہے اور اس کا ضمیر اپنی علیحدگی کو حسد و جلاوتی کے لئے بے چین ہے، یہ کتاب کچھ کراس نے اپنے زعم میں اس عظیم دینی تنظیم سے علیحدہ ہونے کا جو اثر تلاش کر لیا۔

(۲) ماضی نازل ناقد جب اسلامی جمیعت طلبہ کے رکن تھے، اسی وقت ان کے رفقاء نے ان کے مزاج کی کیفیت معلوم کر لی تھی کہ وہ کسی تنظیم میں گناہ مکن کی حیثیت سے کام کرنا اپنی "فردی" کی توہین سمجھتے ہیں اور جس تنظیم میں بھی خود ان کی شخصیت کو خاص اہمیت نہیں دی جائے گی، اس تنظیم سے وہ زیادہ دل نہ لگا رہتے ہیں۔ ان کی ذہانت اپنا اظہار اور نمود و جہدہ گری چاہتی ہے۔

(۳) صاحب موصوف کسی مقصد کے حصول کے لئے اس کے ایک ہی جیسے لگے بندھے طریق کار پر نگاہ رکھتے ہیں اور حالات کی تبدیلی کے سبب طریق کار کی بعض مختلف مرحلوں سے گزرتا رہتا ہے! اس نظر انداز فرما دیتے ہیں! اس کی تو انہیں مشق ہے کہ ہر مسئلہ کی ہندی چندی کے رکھ دیں اور جہاں تک تحسیر و گفتگو کا تعلق ہے تجزیہ و تشریح کا حق ادا کر دیں مگر مصل کے عملاً برتنے والوں کو واقعات کی دنیا میں جن مختلف حالات سے سابلہ پڑتا ہے ان مسئلوں و احوال کے تقاضے و اکثر صاحب کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

"اقامت دین" کا کام ہر ایک اور غلطی ایک ہی انداز پر کیسے ہو سکتا ہے کوئی احمق ہی ہو گا جو امریکہ میں جا کر تبلیغ اسلام کا آغاز حکومت اہلیہ کے مطالبہ سے کرے گا! مگر اندونیشیا، سرنگان، اور ہندوستان میں حکومت اہلیہ کے لئے جدوجہد نہ کرنا، دینی غلط نگاہ سے بہت بڑی غفلت ہوگی! مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے متحدہ ہندوستان میں حالات کے لحاظ سے "اقامت دین" کے طریق کار سے بحث کی تھی، پاکستان بن جانے کے بعد حالات میں بدل گئے، اس لئے ان کی تقریر و تحسیر کا بالکل وہ انداز کیسے رہ سکتا تھا۔ حالات کی تبدیلی پر نگاہ نہ رکھنے کے سبب مولانا موصوف کی تحریروں میں ناانہین کو "تضاد" نظر آتا ہے، بلاشبہ بعض اوقات حالات کے لحاظ سے دینی احکام میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ پھر

مولانا ممدودی کی تفسیروں میں کہیں کبھی لفظی تضاد کا ثبوت بھی مل جاتے تو اس سے ان کی وہ اصل دعوت کو مجسّم نہیں ہو جاتی، جس کو وہ ۳۳ سال سے پیش کردہ ہیں اور کوئی بڑی بڑی مصیبت اور آفات کش آن کی عرصیت و استقامت میں لپک پیدا نہیں کر سکی، اور امتّ دین کے بارے میں ان کا شک یک ہی موقف ہے جو اس تحسّیک کے مؤلفّ غازی تھا۔ ان کی دعوت و تحریک کی اصل متاع نہ تضاد نہیں استقامت ہے۔ کسی مجرّموں سے بھرت ہونے بارخ میں کہیں کہیں، خار و خس بھی آگ آئیں تو اس بارخ کوہ خار نہ کہنا کیا واقعہ کی غلط ترجمانی نہ ہوگی۔

اس سلسلہ میں ہم جن چند واقعات کا ذکر کرتے ہیں، ان سے تشبیہ و مماثلت ہرگز مغفّر نہیں ہے۔ بلا تشبیہ عرض ہے کہ مکہ اور مدینہ میں دعوت حق اور اس کے طریق کار اور لوازم بالکل ایک ہی جیسے نہیں ہیں، بعض مستشرقین نے انہی کم فہمی کے سبب مدنی دود میں صلح و جنگ مفاہات، صلحانے، تعزیری حدود کے اجراء وغیرہ کو دیکھ کر یہ حکم لگا دیا کہ ہجرت کے بعد پیغمبر اسلام کی زندگی بدل گئی تھی، اور آپ کے یہاں بادشاہت کا رنگ آگیا تھا (معاذ اللہ) جو کوئی سنون و احوال کی تبدیلی کو نظر انداز کر دے گا، وہ فقہ و ترجمہ میں مستشرقین جیسی غلطی کا ارتکاب کرے گا۔

گئی زندگی میں معاشرتی متعلو تک جو شعبہ ابی طالب میں گوارا کیا گیا، مگر مدینہ میں بنو نضیر اور بنو قریظہ کے ساتھ جلد وطنی اور قتل کا بتناؤ کرنا پڑا۔ مکہ میں یہ حکم کہ ————— اصبر یا آل یا صبر ————— (اے آل یا سر میر کوہ) مگر مدینہ میں تلوار کا جواب تلوار سے دیا گیا، مکہ اور مدینہ میں جو طریق کار کی تبدیلی ملتی ہے، اس میں نہ برابر تھا و نہیں ہے، حالات کے تحت یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور دین کو غالب کرنے کے لئے ہی اختیار کئے گئے تھے۔

ان بنائے مقصد کے حصول کے لئے وہ "طریق کار" نا جائز ہے، جس پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہو یا اس کے سبب کوئی اخلاقی مضرت و قباہت وجود میں آتی ہو اور دین کا اصول ٹوٹتا ہو۔

ڈاکٹر امرا احمد صاحب اور ان کے بعض رفقاء و جماعت اسلامی سے غلیہ ہونے کے بعد جس "مزاج و فکر" کو اپنانا چاہتے ہیں ————— اس کی بس ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے اور حقیقت حال کے سمجھنے کے لئے بس ایک مثال ہی کافی ہے۔ ————— انگریز کی حکومت آتی تو دیسی سپاہ روشنائی کی جگہ "طرح طرح کی" "روشنائیاں" جو اس زمانہ کے جدید سائنسنگ انداز پر مبنی جاتی تھیں، عوام میں رائج ہو گئیں، اور سرکنڈے اور واسطی تسلیم کی بجائے "ہولڈ" استعمال ہونے لگے۔ مگر بعض علماء اور مشائخ نے ہولڈ اور ایک کے استعمال کو مکروہ سمجھا اور واسطی تسلیم اور دیسی سپاہ روشنائی استعمال کرنے کو اپنا معمول بنالیا۔ مگر اس معمول پر خدا نے کے معتمدین میں پرانہ روکے اور آج ہولڈ، فائٹمن پین اور ولایت کی بجی ہوئی روشنائیاں (Kerosene) ہر عام و صوفی کسی دینی و دشرقی قباہت کے بغیر استعمال کرتا ہے، ایہی وہ مزاج افسر ہے جسے دینی مقصد کے حصول کے لئے ان طسّ لقیوں میں جو حالات کے لحاظ سے اختیار کئے جاتے ہیں، "دنیا داری" نظر آتی ہے۔

جماعت اسلامی پاکستان نے "امامت دین" کے لئے جن طسّ لقیوں کو استعمال کیا اس کے سمجھنے کے لئے ایک مثال دیکھ ذیل کی جاتی ہے۔ ————— دو مسلمان ہیں دونوں کے دونوں صوم و عنقہ کے پابند، گناہوں سے محنت اور دیندار ہیں ان میں سے ایک زیادہ وقت مسجد میں گزارتا ہے، فرض اور سنون نمازوں کے علاوہ لواصل کثرت سے پڑھتا ہے! اس مسجد کے قریب شراب کی دکان ہے وہ دیندار مسلمان انتہائی جذبہ افسست کے ساتھ اس دکان کے پاس سے گزرتا ہے اور مسجد میں جا کر صلوٰۃ و اودا اور تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاتا ہے۔ ————— دوسرا شخص پہلے شخص کے مقابل میں لواصل بہت کم پڑھتا ہے مگر وہ محدثین و عظیم و لغت پیدا اور افرادی ملاقاتوں کے ذریعہ شراب کی لغزت و گوں کے دلوں میں پیدا کرنے کی جدوجہد کرتا ہے، اسلام دشمنی کے غلاب سے مسلمانوں کو ڈھاتا ہے۔ انہی دونوں پر حد بھی آجاتا ہے کہ حد میں جو کوئی "پونج" دلوں کے ذریعہ چٹا جائے گا اسے اختیار حاصل ہوگا کہ محدث کی دکان، اندارے یا کار و بار کو معاشرے کے لئے غرضت سال پائے تو اسے اپنے اختیار سے بند کر دے! وہی شخص جو شراب کے خلاف جدوجہد کر رہا تھا کہ ایک خدا ترس مسلمان سے اس بات کا حلف لیتا ہے کہ اگر وہ اسے دلوں میں خاص "پونج" بن گیا، تو شراب کی دکان کو بند کر دے گا۔

اس شخص کے وقت کا اب خاصہ حصہ "پنج" کے انتخابات کی جدوجہد میں صرف ہوتا ہے، اس کے لئے وہ جلوس نکالتا ہے، اٹھتا رہتا اور پمفلٹ شائع کرتا ہے۔ پس میں اپنے بیانات چھڑاتا ہوں، چہنہ بچہ کرنے کے لئے آئے اپنے گناہے بھی مقصد کرنے پڑتے ہیں، پریس والے اس کے کسی مظاہرہ کا فوٹو بھی انجمنیات میں چھاپ دیتے ہیں، اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جلد کے بعض ناپسندیدہ لوگوں تک سے تباہی کرنا پڑتا ہے، لاؤڈ اسپیکروں پر انتخابات کے اعلانات دی جاتے ہیں، ان جلسوں میں "تسویروں کا موضوع" "محرم و مصلوٰۃ" "نہیں" "انتخابات" ہی ہوتے ہیں۔ جن کو کوئی چاہے تو خاص سیاسی تقصیریں کر سکتا ہے۔

انتخابات سے ایک دن پہلے تک حالات بہت سازگار تھے، مگر دنوں میں ہر ماہیہ واروں نے ووٹ خریدنے اور انتخابات میں "ہندو طبقہ کا یہ نمائندہ" "مارگیا" — یا یہ ہوا کہ وہ شخص کامیاب نہ ہو گیا، مگر کامیاب ہوجانے کے بعد، "اُس نے" "خزب خانہ" بند کرانے کا جو صنف اٹھایا تھا، "اُس سے چھڑ گیا اور اپنے حلف اور وعدے کی فریب کا رونا و ملیں اور دیکھیں کہ لگا :

اس شخص نے "پنج" کے انتخابات کی جس ہمیں صحت یہ تھا "اُس کا مقصد" "شہادت کی بندش" تھی۔ "کی ایک مقصد کے لئے" "اُس نے" "پس یہ پا پڑ چیلے تھے اور اس کام میں اپنا وقت، پیسہ اور توانائیاں خرچ کی تھیں — — — "تیسری جماعت" کے "نظر نگار" "اور مقصد یہ بھی ڈاکٹر امر اس احمد صاحب کا بھی نقطہ نگاہ ہے، وہ چھاپا ہے، "وہ شخص جس نے" "انتخابات" کی، "اس ہم سے کوئی سروکار نہیں رکھا اور اپنا زیادہ وقت صلوٰۃ اور وظائف اور دعا میں صرف کیا، صحیح معنی میں دیندار ہے — — — مگر وہ اسلام جس کو معاشرہ "نبی عن المنکر" اور "امر بالمعروف" "کے" — "اسا میں" "ہوتا ہے، "اُس کے" "اجتمعی نقطہ نگاہ سے" "دوسرا شخص زیادہ" "دیندار" ہے کہ "اُس نے" "نبی عن المنکر" لئے جدوجہد کی، اور اس کی اس جدوجہد میں جو وقت صرف کیا وہ عبادت ہی میں گزرا، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہی "اُس نے" "پرست" اٹھائی "اُس کے" "اپنے" "نفس کی لذت اور کوئی ذاتی منفعت اس جدوجہد میں شریک نہ تھی۔" "اس ہرے" "مسند کے صبر کے لئے" "بعض ایسی باتیں بھی گورا کر لی ہیں، جو اجماعت سے زیادہ گراہت کا دھجہ رکھتی ہیں۔

اُس پہلے شخص کے یہاں جو معاشرتی مسائل اور نبی عن المنکر اور "امر بالمعروف" سے متعلق کوئی سروکار نہیں رکھتا، فکر و خیال کی یک رنگی نظر آتی ہے اس کے عمل میں کوئی یکسانی پائی جاتی ہے، زندگی کی ایک لہجہ "کسی شکر کے مقابلہ میں کوئی تقادم اور راحت نہیں، اٹ باڑ وٹ بین کی بجائے کبود و زعفرانی جیسی صاف ستھری اور بے نلش زندگی جس میں عزیمت کی خاصی کمی محسوس ہوتی ہے۔

دوسرے شخص کے یہاں دین کا ایک مخصوص محدود نقطہ نگاہ رکھنے والوں کو سیاست اور دنیا داری نظر آئے گی اور تقادم و بچی اور کہیں گے کہ اس شخص نے تو اپنی تقصیریں یہ کہہ تھا کہ ترقی و ترقی سے صاف اور دیندار لوگوں کی دوستی اور مصافحت ہو ہی نہیں سکتی مگر اس "انتخاب میں اس شخص نے فاسقوں اور فاسقوں سے ووٹ حاصل کرنے کے لئے دلائل کا ٹمرا لیا اس کے بیانات اخبار میں شائع ہوتے اور تو بھی "ایک کام کی شہرت دلیں میں" "یاد کرتی ہے اور اخلاص کی کیفیت ضائع ہوجاتی ہے — — — انتخابات کی ہم کے بعد اس شخص کا پسلا ساری زندگی نہیں رہا، خشیت و امانت کی جگہ سیاست اور فاسقوں نے لی ہے، یہ شخص محرم و مصلوٰۃ کا کتاب تک بیشک پابند ہے، مگر ان فرائض کی ادائیگی بس "قانونی" اور "دراستی" ہی ہو گئی ہے، !

ڈاکٹر اسد احمد صاحب نے اپنی کتاب میں جماعت اسلامی پر تقادم و خشیت و امانت کی کمی، "نوسمانہ" اس کے خاتمہ سیرت و کردار کے لحاظ کے جو الزامات لگائے ہیں، ان سب کے جوابات اس مثالیں موجود ہیں، جو ہم نے ابھی ابھی آپری دی ہے !

مولانا محمد علی کی تقریروں میں "نوسمانہ زندگی" اور "سلی مسلمان" دیکھو کی جو اصطلاحیں پائی جاتی ہیں، ان کے ڈاکٹر صاحب نے ٹیٹھ لفظی معنی لئے ہیں، حالانکہ بعض الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے خالص "لفظی معنی" نہیں بلکہ "سن و فہم" کے اعتبار کی شدت مراد ہوتی ہے، "نوسمانہ" کی اس آیت —

دلوں کا حال تو اشد ہی بہتر جانتا ہے، وہ شخص نماز پڑھ رہے ہیں اور نماز پڑھنے کے مطابق ادا کر رہے ہیں۔ اس کا فیصلہ کرنا اصلاً مسلم کا حکم لگا بہت دشوار ہے کہ کسی کی نماز میں اضافہ کی گنتی کی پائی جاتی ہے؛ اس طرح کا احتساب دینی نقطہ نظر سے پسندیدہ نہیں ہے اور اس شخص کو غیر مخلص اور منافق کہا جائے گا، جو ایک طرف نماز بھی پڑھتا ہے اور دوسری طرف منکر و فحش میں مبتلا ہے۔

جماعت اسلامی والوں نے جلوس بھی نکالے ہیں، پولیس کا نفر نسیں بھی گئی ہیں اور انتظامات بھی کر رہے ہیں۔ مگر ان تمام مصروفیات میں وہ نماز سے غافل نہیں ہے، ڈاکٹر صاحب یہ نہیں کہہ سکتے کہ شہر کے اندر جماعت اسلامی خلافتِ مسند کی دین کی منکر ہو گئی ہے یا جماعت کے ارکان نماز سے بے پہلو ہو گئے یا روزہ نہ رکھنے کے لئے رخصتیں ڈھونڈتے ہیں۔ اسلام کے اندر حصولِ عوام کی تیز فہمیں ہی ایسی کوئی کوتاہی اور غفلت ارکانِ جماعت میں نہیں پائی جاتی، اگر ہوتی تو ڈاکٹر صاحب اپنی اس کتاب میں اس کی نفی لازماً فرماتے اور اس کا ذکر ضرور کرتے؛ جماعت اسلامی کے ارکان اور معروف دینداروں اور علماء کی دینی زندگی قریب قریب ایسی جیسی ہے، اس زندگی پر مبنی بات ان کے یہاں نیا وہ ہے کہ وہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے سیاست و حکومت کے مسائل سے بھی سروکار رکھتے ہیں اور وہ اصول سے نہیں ہیں، ہر چیز پر منکر کا حکم لگایا جاسکے، بادشاہوں، مطلق العنان حاکموں اور سلطانِ جاہ و دولت نے سیاست و حکومت کے معاملات کو بہت کچھ بڑبڑا دیا ہے، مگر اقامتِ دین کے لئے ان شعبوں سے بہت کچھ کام لیا جاسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے بغیر جاری ہو رہی نہیں کہئے؛ اگر حکومت کو برائی یا لالچنی بات یا دینی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا سبب ہو تو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس سے احتساب فرماتے، حالانکہ یہ بات پڑھتی ہوئی دھوپ سے بھی نیا وہ روشن اور واضح ہے کہ حضور نے اسلامی ریاست کی بنیادیں لگا کر اس مقدس کام کو مکمل کیا ہے، پھر نیا یا اور خلافتِ راشدہ کا پرچار اور اس کا ضمیر و دستہ ہے؛ دین کو پھر اس زمانہ جیسا عروج کبھی نصیب نہیں ہوا اس کا سبب خلافت و صداقت اور اہمیت کے علاوہ حکومت کے فلسفہ زندگی کے ان شعبوں پر قبضہ و اختیار ہے، جن سے صرف قائم ہوتا ہے اور مشکلات پر پابندی لگائی جاتی ہیں۔

جماعت اسلامی نے ملک میں دینی انقلاب لانے کے لئے ہر امکان کی جدوجہد کی ہے؛ اسمبلیوں کا انتخاب، کس قدر نئی سیاست ہے، مرکزِ جماعت نے اس کی نظیر کی، اس نے دنیا کو دکھا دیا کہ دل میں خوفِ خدا اور نیتِ نیک ہو، تو پھر انتخابات کو کچھ نہ بنایا جاسکتا ہے؛ جماعت کو اگر صحیح اصطلاح ملی ہے کہ جماعت کے کسی کارکن یا مستحق نے انتخابات میں کوئی بے عنوانی کی ہے تو اس پر تہماً سزا دینی احتساب کیا ہے، گواہی کے انتخابات میں یہاں کے عوام نے اس حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے کہ جماعت نے اپنے امیدوار کی شکست گوارا کر لی ہے، مگر لوگس و دلوں کی پیشکش کو ٹھکرا دیا، یہ احتیاط اور اخلاقی پابندیاں، کیا خوفِ خدا و خشیتِ الہی سے نالی ہیں۔

مزدبہروں یا طلباءِ عوام ہوں یا خواص جو بھی جماعت کے لڑکچہ اور اس کے ارکان سے متاثر ہوئے اس کی زندگی میں دینی انقلاب پیدا ہوا ہے، ہم نے بنائے اسلام کے جوان طلباء کو جو جماعت سے متاثر ہیں، رمضان کے مہینے میں احتکاف کرتے دیکھتے ہیں، جماعت کا لڑکچہ کر دہ ساری میں اپنی مثال آپ ہے؛ اکتے، لکڑ، کیورٹ، مغرب زدہ، مذہب میں اور فتن و بدعت کے مارے ہوئے تھے، جن کو جماعت اسلامی کی کتابیں پڑھ کر قلب کی توفیق نصیب ہوئی اور ان کی تاریک زندگیوں میں ایمان و اخلاق سے روشنی ہو گئی۔

جماعت کے شہرہ نصرتِ حق نے لاکھوں مریضوں اور بیماروں اور مسکینوں کی خدمت کی ہے؛ جماعت اسلامی کے جیسوں میں جیب سلیف اور خوش انتظامی باقی جاتی ہے وہ مغرب زدوں کی اس طنز کا بھر پور جواب ہے کہ دیندار لوگ بے سلیف ہوتے ہیں۔ اور کسی نظم کو نہیں چلا سکتے؛

جماعت اسلامی کے ارکان کی قربانی اور استقامت کی شہادت پاکستان کے میل خانے میں گئے، ان خیر پسند لوگوں نے مصائب و مشکلات

کا مقابلہ جس ممبر مجلس کے ساتھ کیا ہے وہ کس قدر ایمان افروشاہ جملات آئندہ ہے اسلام میں جماعت اسلامی کا جو سالانہ اجلاس ہوا ہے براہ راست اس میں قتل و آتش زنی اور لٹ مار کے بعد ہونا تھا واقعات پیش آئے تھے، اس وقت جماعت نے جس اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کیا تھا، اس نے پاکستان کی تاریخ میں ندین اصناف کا اضافہ کیا ہے اور دنیا کے سامنے ایک ایسی مثال قائم کی ہے جو ہر جہت سے غیر معمولی اور عظیم ہے۔

دولت سازی ہو، عائلی قوانین ہوں، فیملی پلاننگ ہوں، فتنہ انگارہ حدیث ہو، کیونکہ ہم، مغرب زندگی، وطن پرستی اور شرک و بدعات ہوں، غرض ہر چیز پر جماعت اسلامی کے اکابر اہل علم اور باپتسم نبوآنا نظر آتے ہیں؛ دین کے خلاف جب بھی پاکستان میں کوئی فتنہ اٹھتا ہے، جماعت اسلامی اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے، ملک کی تمام پارٹیوں اور گروہوں سے آگے رہتی ہے۔ اور فعال تر نظر آتی ہے۔ اس کے موقف پر یہ خرم صادق آتا ہے۔

آگئے تھے بھیلوں کی زد میں سب اہل چمن

میں نے اپنے آشیانے کو مقابل کر دیا

حیرت ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو مولانا مودودی کی تحسیر میں لفظی تضاد تو نظر آگیا مگر جماعت اسلامی کی اتنی نمایاں خوبیاں اور دشمن اچھا پیاں دکھائی نہ دیں؛ جب کسی فرد اور جماعت سے کسی کو کد ہو جاتی ہے، تو پھر دل و نگاہ عیب جو اور عیب میں ہو جاتے ہیں؛ محسن اور خوبیوں سے صرف نظر اور کمزوریوں کی تلاش و جستجو؛

۱۹۷۱ء تک جماعت اسلامی کا متحدہ ہندوستان میں جو دینی رول رہا ہے، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس کے بہت مداح ہیں، انہیں شکایت پاکستان کی جماعت اسلامی سے ہے کہ وہ اپنی بنیادی پالیسی سے ہٹ گئی ہے؛ حالانکہ جماعت اسلامی جس مقصد کے لئے وجود میں آئی تھی، وہی مقصد اب بھی جماعت کے فکرو عمل کا محور ہے؛ ڈاکٹر صاحب کو خدا کا واسطہ دے کر ہم عرض کرتے ہیں، وہ بتائیں۔ کہ جماعت اسلامی نے تقسیم ہند کے بعد آخری کس دینی قریب کو بدل دیا ہے اور کس سر میں مبتلا ہو گئی ہے، ہمارا یقین ہے کہ وہ کسی ایسی برائی، غلط کاری اور بے عزت کاری کی نشاندہی نہیں کر سکتے؛ اب رہا انتخابات اور دوسرے سیاسی مسائل سے جماعت کا عملی تعلق تو اس کی حیثیت اور مقصد کی نہیں، تبسیر اور تبلیغ کی ہے؛ جماعت نے یہ نتائج امتدیر میں اقامت دین ہی کے کیلئے اختیار کی ہیں، اس سے تبسیر اور انما دے کی غلطی ہو سکتی ہے، مگر اس سے کوئی ایسی غلطی سہہ نہیں ہوتی، جس نے معائنہ میں مگر اچھی پھیل گئی ہو یا اس کے سبب ذہن و فکر کسی بے دینی اور فضالت کے عقیدے پر چم ہو گئے ہوں صدیقی انتخابات میں جماعت نے "اہل بیتین" کے اصول کے تحت "معتد" کی حمایت کی تھی، اور دو لوگ الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ناگزیر حالات کے تحت اس نا پسندیدہ صورت کو گوارا کیا گیا ہے، اسلامی حکومت کا سربراہ مروجہ کو ہونا چاہئے؛

پاکستان کے شہری، قصبوں اور سبوروں میں اس حقیقت کا واضح طور پر شاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ جماعت سے متاثر ہیں، وہ دینی فکر اور اسلامی کردار کے حامل ہیں۔ جماعت سے قربت و نزدیکی، آدمی کو دین سے قریب کرتی ہے؛ صنعت و ایمان و عمل کے اس درمیان جو کجانی اسلامی حقیقت میں دین و اخلاق کا روشن مینارہ ہے؛ جو لوگ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ تیرکوشی "کمی طرح" اندھیرا ثابت ہو جائے وہ دین و اخلاق کی کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے سکتے ہیں؛

مولانا مودودی کا بڑے سے بڑا مخالفت بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ دین و اخلاق کی کم نالی میں مولانا مودودی کا اسلوب نگارش اور فلسفہ ذات لال انتہائی دلکش اور غایت دلچسپ کا سا خشک اور عطر حاضر کے دل و دماغ کو وطن کی زمینا لاپے۔

— مگر یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ جن عظیم مفکر انسان پرمانہ کی تحریروں سے تبلیغ دین میں بہت مفید کام کیا جاسکتا تھا، اُس کو جان کر نقصان اٹاندا۔ DISEASE - کیا جاتا ہے جیسے مولانا مودودی کے معاملہ میں اس بات پر ان حضرات نے ایسا کر لیا ہو کہ اپنے مسائل اخباروں، اور کتابوں میں مودودی صاحب کی تفسیر کا کوئی اقتباس نہ آنے دیں گے، مولانا علی میاں کے "البحث الاسلامی" سے لے کر نولبر کے "المیزان الاسلامی" کے میثاق "ملک میں مولانا البرا علی مودودی کی قیدیوں سے یہی سوچ کیا جاتا ہے — جب اپنے درجہ کے ذیلیں ہیں "خراب" کی یہ صورت پیدا ہو جائے، تو ہنگاموں پر دسرا ڈاکٹر اسلوا حد بھی اس گدہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس گدہ میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جن کے دل کی سسپے بڑی لیکن جماعت اور مولانا مودودی گمنا ہیں مگر مہر کی ہے اور جماعت کی مخالفت کو جنہوں نے اپنا مشن بنالیا ہے، جماعت کی ترقی کی خبر سے جن کو تکلیف اور جماعت کی پریشانی اور مصیبت کی اطلاع سے جن کو خوشی ہوتی ہے۔

جماعت اسلامی کا طریقہ پڑھ کر جو لوہاں دین سے قریب ہو رہے ہیں ڈاکٹر اسرار احمد کی یہ کتاب اُن کو کیا عجب ہے مذہب میں مبتلا کر دے اور جو لوہاں دین سے قریب ہو سکتے تھے وہ دین کی طرف آنے سے ترک جائیں — یہ کارنامہ یہ کتاب انجام دے گی، جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر تصور و ایان کے علاوہ بعض دینی حقوق جو بے بنیاد الزام تراشی تھے ان کو اس جس عنوان سے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس نے جماعت اور مودودی صاحب کو "مظلوم" بنا دیا ہے، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی یہ کتاب اس مظلومیت میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی کر کے رہے گی۔

از ۱۔ خیام المہند سید جمال الدین حیدر دہلوی - مرتب - آئندہ دہلوی، ضخامت ۸۰، مصنفات قیمت چار روپے چاس پیسے

صبح الہام

حضرت حیدر دہلوی (۱۹۰۷ء - ۱۹۵۷ء) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، تقیر ہند سے پہلے ہی موصوف ہندوستان کی شہرت رکھتے تھے، اور اپنی مفکرانہ اور حکمت سے بے پریز یا عمیوں کے سبب خیام المہند کہلاتے تھے، حیدر دہلوی کی ذات شعرا و دیگر مشتاق لٹریچر تھی، سینکڑوں نوجوان شاعروں نے اُن سے استفادہ کیا، جن میں منندہ ذیل تلامذہ خاصے معروف ہیں۔

نارائن حیدری، حکیم شام جان کیف دہلوی، حکیم حبیب الشکر دہلوی، انیس جھنجھالی، آئندہ دہلوی، شہاب دہلوی، کارن دہلوی، آندہ دہلوی، فضل دہلوی، اکبر دہلوی، فرید جاوید، رشید الجوانی، بشیر رضوی۔

یہ ہی مانتے ہیں کہ مولانا سیما ب اکبر آبادی کی طرح حیدر دہلوی کی شعری توانائیاں بہت کچھ دوسروں کے کام آئیں، انتہائی زود گو اساتذہ کے ساتھ اکثر و بیشتر یہی معاملہ پیش آتا ہے، مصحفی کو بھی تنگی حاش کے سبب اس مرحلہ سے گزنا پڑا۔

حضرت حیدر دہلوی مشعوذوں کے شہسود تھے، ان کی شہرت رسالوں میں جیسے ہوئے کلام سے ہوتی، یہ شہرت بہت بائیدار ہوتی ہے، دہلی میں سید بیضا علی جیسے اکابر اُن سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے، مگر اس کمال فن کے باوجود، حیدر صاحب پریشانی مند گاہی رہے معاشی فراغت انہیں شاید کسی دوسری بھی میسر نہیں آتی — اپنے وطن میں اُن کا ایک حال تھا، اس شعر سے ان کی پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے

بہت ہی تنگ ہوں حیدر نصاف دہلی سے — خرابیہ میں رکھے بس اب یہاں سے مجھے ۱۹۳۷ء میں حیدر دہلوی حیدر آباد پہنچے، وہاں ایک ماہ کے قریب قیام کیا مگر اُن کی قسمت نے کچن میں بھی یا دہلی نہ کی۔ پاکستان بننے کے بعد مشرقی پاکستان چلے گئے، وہاں کئی سال رہنے کے بعد کراچی تشریف لائے۔ دہلیویں اور اُن کے بچوں کا پورا اثر ساتھ تھا، یہاں کی زندگی پریشانی ہی میں گزری، اپنی لہری زندگی کی داستان انہوں نے ایک شعر میں بیان کر دی ہے

ہم نے تمام عمر حوادث میں کی بسر — کم ظرف تھے جو دامن ساحل میں آ گئے۔

حیدر دہلوی کے کام میں جبری زندگی، توانائی اور حشا دلی پائی جاتی ہے۔ کس اعتماد کے ساتھ فراتے ہیں۔

ابھی ماحول عرفان بہتر میں پست ہے حیدر
یگانہ ہر بلند آواز پہچانی نہیں جیاتی

یہ واقعہ ہے کہ ان کی شاعری کی آواز بلند اور بہت بلند ہے، شعر گوئی میں ان کا اپنا خاص رنگ ہے، جس میں انفرادیت جگہ جگہ جھلکتی ہے ؟
حیدر نے ہمیشہ بلند فضا میں مشق پر مادی ہے، ان کے کلام کا مجموعہ ان کے شاعرانہ جذبہ و جذبہ نے ترتیب دے کر شائع کیا ہے، جس پر
ڈاکٹر اسلم فرخی نے دیباچہ لکھا ہے !

منتخب اشعار :-

تہا رہی گرمی محض کے رنگ نے اڑ کر
وہ ڈھال کر خراب خدا مسکرا دے
یہ سوزِ غم ہے اس کو بڑا طسرف چاہتے
جس قدر درد کی صورت میں سزا کم ہے
تہا رہی راہ میں مٹ تو رہے ہیں
اندازہ بہار بھی وحشت میں چلتے
بجائے مژدہ وصال دیا
الشہرے یاد ایک سہا یا بحال کی
چمن میں تو بے جہت تک کوئی غنچہ کھل نہیں سکتا
اس قدر لطیف ہمہ رنگ کہ نیت نہ بھرے
آشیاں اس شب تاریک میں ملنا مشکل
کہیں جیج کریں گے پھر چار تنکے
تھیں اب تذکرہ شاد دہش کچھ بھی نہیں
نہ اذیت شکر نہ تابِ نظر نہ قسود و فنا
یہ وقتِ شام، یہ پیمانہ شراب طلوع
خلافتِ وقت یہ تشوینِ آوری کیسی
اک کن سے دیا ترتیب اجزائے پریشان کو
یہی ہوتا ہے اشکِ نونوں گرا کرتے ہیں آنکھوں سے
کہیں ہے دام کہیں باخیاں، کہیں حصار
میرے اسلوبِ بیان کوئی الجھن میں نہیں

کہیں پناہ نہ پائی تو آفتاب بنا
لو اند بھی نکھار دیا رنگِ جام کا
لاکھوں میں کوئی دل نظر آئے گا کام کا
واقعی ہے ادبی کی کہ ترا نام لیا
ثبوتِ زندگی دین اور ہم کیا
کتے ہیں چاک میرے گریباں میں دیکھنا
تائے کیا بات کہہ کے ٹالی دیا
صورت بھی اپنی بھول گیا ہوں میں نام کیا
تری موجودگی میں کس کو دھوئی لب کشائی کا
ایک ہی جلوہ اگر کچھ سوار طلب
ماں! اگر برق چمک جائے گستاخ کے قریب
اگر ہم سلامت، نشیمن سلامت
کیا فرشتوں کے فالعن بھی ہیں ان لوں پر
یہی ہے بندہ نوازی تو وہ بندہ نواز
اک آفتابِ غروب، ایک آفتابِ طلوع
طلوعِ صبح سے پہلے ہی آفتابِ طلوع
اک تہ سے ہوئی آخر تکین لبشرِ برہم
شبِ غم اند کیا تارے کے تھکے تھکے نہیں
فقس کی طرح مقید ہوں آشیانے میں
بھول ہی بھول ہیں کانٹے مر دین میں نہیں

ملہ اس شعر نے فارسی کا ایک شعر یاد دلایا :-

در حیرتِ تم کہ صبح دید آفتاب نیست

یاد رہے خانہ آمد وجام شراب نیست

کوئی دیکھے قریہ سمجھ میں نشیمن میں نہیں
ایک ناموس محبت کا اگر پاس نہ ہو
مبادا ہم سے کوئی لغزش ستانہ ہو جائے
کیفیت دل وہ ہے جو دیکھی نہ مٹنی مٹتی
بس ایک تھقل عزم پر دانا ہے

نظر پھر بھی آمادہ شک رہی ہے
اُٹا ہوا دل میں جہاں تک طاقت پہنچا ہے
اُس کا کیا انجام ہو گا جس کا یہ آغاز ہے
نکسے گردش بھی چین میں میرے مقدس
سوطر سے یاد ہے اک تیری انگڑائی مجھے
پھر نہ اس طرف کے پید اکھی انساں ہلے گئے
وہ مستی رنگیں مرے سامنے اڑی ہے
جب دیکھے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی ہے
بہلا کر چلی جاتی ہے ریا فی نہیں جاتی
کہیں دن گزرا ، کہیں رات کاٹی
شب جبر کاٹی کہ برسات کاٹی

”فیروز شاعر“ جس نظم کا عنوان ہے اُس کا یہ آخری شعر کس قصداً ترا فرما رہا ہے —

شیرازہ اپنی فطرت کے خلاف

تجھ پہ بحسین دستاقل بھی معاف

اب کے اس دھنگ سے ترتیب دے ہیں تنکے
لاکھ اسباب کو سیکڑوں جینے کے اصول
حرم کے طرف پلاس درجہ محبت بھی نہیں ابھی
کچھ اندھی آثار نظر آتے ہیں اب کے
بہت روز گلشن نشینی رہی

ہزار اُن کے جسوڑوں سے چٹمک رہی ہے
پھر بھی چٹمکا رہیں غوثا سیری سے مجھے
مٹتے ہی نظریں لوں پر کچھ کے دم آنے لگا
میں واماندہ تلبش و دست کے بھی اب نہیں قابل
مروجے ، خراب کعبہ ، ماو فو ، قوس قزح
ختم کر ہم یہ ہی ایک ایک بلا اے شب بھر
تو نیا جیسے کہتی ہے بہسا رمل و لالہ
وہ صن شگفتہ ہے بہ ہر حال شگفتہ
چون والوں سے مجھ کو انشیں کی بولہ بولش ابھی
یہ کیب زندگی ہے کہ تیری طلب میں
نقد میں گیسو تھے ، آنکھوں میں آنسو

نام تمام غزلوں کے منتخب اشعار —

یہ اشک بدامانی ہر وقت نہیں ابھی
نہیں پیا تھا نظر سوتے نکل ہر لب
جاہر حق میں کروٹ تیرے سے انام لینے میں
لوچ فطرت پہ عجب چیز ہے ”دیوانہ“ بھی
مجھ سے بالوں کس طرح ہو جاؤں
چلتے بادل تھے ، دن جوئی کے
پہلے ہی دو لفظ تھے دنیا کی حکایت

دوسرا رخ —

طبع خاموش رہی اندر نرم نشاط

کچھ دیر تصور بھی اے چشم پُر آب اُن کا
چارہ گو خیر تو ہے ، کچھ تو بتا کیا دیکھا
سلاٹک عرش و کرسی کی طمانی تمام لیتے ہیں
یہی اک لفظ ہے عنوان بھی ”اف“ نہ بھی
زندگی ہے تو آسرا بھی ہے
پس ادھر آئے اور ادھر گئے
اب عشق و وف کا کوئی مفہوم نہیں ہے

”خاک میں پردہ ملا۔ یہ نگار! اس شعر میں کمزور ہے، ”پردہ نہ خاک ہو گیا۔ یہاں اس مفہوم کی ترجمانی کا محسوس تھا۔

کیوں نہ وہ غیرتِ ندر شید نہایاں ہوتا مجھ کے مشورے سے خاک گریباں ہوتا
”صبح کے مشورے نے شعر میں ابہام پیدا کر دیا، ”مشورے“ کی ”ی“ نہ دینی تو شعر میں لنگشی پیدا ہو جاتی۔
لے اٹھا عیش کوئی حسن کوئی سوزنا دل میں وہ بد بخت کہ میں نے دلی ناکام لیا (ص ۲۹)
ممکن ہے یہ کتابت کی غلطی ہو کہ ”عش“ کی بجائے ”عیش“ چھپ گیا!

مرگستی عاشقانہ سے مطلب تو اپنے تباہی کی تصدیق فرما (ص ۳۳)
مفہوم واضح نہیں ہوا، اس قسم کی ”انشائیت“ سے طبیعت میں گھٹن سی پیدا ہوتی ہے،

ترے منہ سے احوالی حید کی تکذیب وہ دوسیل ہے اُس کی تصدیق فرما
شر کے اصل مفہوم ہی ہیں آں تو کوئی لطف نہیں ہے، پھر یہ کہ محبوب احوال عاشق کی ”تکذیب“ کرتا ہے، عجیب انداز بیان ہے! اس کے علاوہ
عروض کے اعتبار سے ”تکذیب“ صحیح استعمال ہوا ہے، مگر صورت و نغلی !!

مجھے بھی دیکھنا ہے میری ناکامی کہاں تک ہے ندائے دوست! اب تو بھی طرفدارِ عدو ہو جا (ص ۳۶)
ایسے سلی شعرا انتخاب میں پھانٹ دینے چاہئے تھے!

گوشہ الٹ کے چہرے سے تم نے نقاب کا دامن بھل دیا، نگہ انتخاب کا (ص ۴۱)
”نگہ انتخاب“ کا دامن اور پھر اُس کا ”بھلا دینا“ — تکلف ہی تکلف اور آدمی آدمی!

ہم اشتیاق دید میں مہر سے ہے حق چین کردہ لے گئے، آنکھیں سے خواب کا
”مہر“ سے آخر یہاں کس کیفیت اور احوال کی ترجمانی مقصود ہے! پورا شعر بے لطف ہے!
نکل آئی وصال کی صورت ددنی الجہد نیک فال دیا (ص ۴۲)

جس غزل کا مطلع بے پناہ ہو — فرماتے ہیں —

جا تجھے مژدہ وصال دیا
ہائے کیا بات کہ کے نال دیا

اُس میں اتنا کمزور شعر پایا جائے!! — ددنی الجہد نیک فال دیا — فرشتوں کا انداز بیان ہے۔

بہت قلیل قافی سرگیاں سنا کر کی مرکبات کا اک ہوش تھا شباب نہ تھا (ص ۴۶)
”عنا صر“ ”مرکبات“ پھر ”آنا“ ”یہ تو“ ”من“ ”ہب“ اور ”گیشری“ کی اصطلاحیں ہیں! ”قلیل“ کے استعمال نے شعر کو اندازِ دنیا دہ
کمزور کر دیا! ”شباب“ کی بول تو لطف اس شعر میں کی گئی ہے، اس میں کوئی کیفیت نہیں! پھر شعر میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ ”عنا صر“ کی سرگیاں قلیل
کس طرح تھیں! اور تھیں تھیں، تو اُس کا نغاب! ”شباب“ نے کیا اثر قبول کیا۔

اک حشر آندو دلی انجام میں میں تھا مجھے چناں میں جو، میں گاپے چنیں میں تھا (ص ۵۱)
مصرعہ ثانی میں ”شعریت“ کا فقدان ہے۔

تیرے جلوں کو اس انداز سے مسترد کیا سرفرشتے نے طوافِ دلی رنجہ کب (ص ۵۳)
جلوؤں کو مسترد کرنے کے بعد دل ”رنجہ“ کیوں ہونے لگا، ”وہ تو“ ”پہلو“ ہو گیا، ”رنجہ“ شعر میں لانے کی کیا تکلفی؟ ”پہلو“ کہنا چاہئے تھا۔

منظر عام سے جب وہ کسی صفت نہ پٹے چارونا چارنا نہیں حسن پہ منسرد کیا
اس شعر میں "ابہام" کے سما کیا رکھا ہے !

شب سے میں مجھ تک اس طرح گفتاں میں رہا آنکھ غنچوں پہ رہی، ہاتھ گریباں میں رہا (ص ۵۵)
شب کی جگہ "نام" لاتے تو شعر زیادہ صحت ہو جاتا، پھر اس شعر میں وصفت کی جس کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے، وہ "فطری" سے زیادہ "معنوی" معلوم ہوتی ہے۔

پہلیں ستم سے برج تراک و مقابل ٹوٹ گیا دل ٹوٹنے ہی کے قابل تھا اچھا ہی ہر اول ٹوٹ گیا (ص ۵۶)
"تراک و مقابل ٹوٹ گیا" یہ ٹکڑا بہت کمزور ہے! پھر یہ کیا کوئی سلسلہ ہے کہ "دل" "محبوب کا مقابل ہوتا ہے، ایسے وقتوں پر "آئینہ دل" لاتے تو بات بنتی !

مرہ دے جائے شاید ناشناسانِ محبت کو کوئی چلتا ہوا فقرہ بھی افسانے میں رکھ دینا (ص ۶۲)
یعنی آئیہ آدھ چلتے ہوئے فقرے کے علاوہ باقی افسانہ کو "سپاٹ" اور "بے مرہ" ہی رہنے دینا —!! جناب سیما ب اکبر آبادی کی مشہور غزل پر حیدر دہری نے یہ غزل کہی ہے۔ سیما ب فرماتے ہیں ا۔
وہ جس سے سمجھ جائیں رُوداد مرے غم کی
ایسا بھی کوئی ٹکڑا افسانے میں رکھ دینا

یہ قرینہ اور لطف کی بات ہوتی !

اک شعر مشتعل ہو سب کو طرہ تھا وہ تو نہیں تھا، تیرا نزولِ غمِ سرور تھا (ص ۶۴)
"سرور شافی و جہان کے لئے تکلیف وہ !"

دیکھ چکا، سمجھ چکا دونوں نہیں بد معاملہ تیری انا ادا فریب میری نظرِ نظرِ حجاب (ص ۶۹)
"بد معاملہ" تو تجارت اور لین دین کی اصطلاح ہے، یا اس صفت میں اس کا استعمال پر عمل ہونا کہ محبوب کے وعدے و وعید اور عاشق کے بھید و نا کا نکرہ آتا —

حلقہ بگوش اُس آنکھ کے مومن بھی گبر بھی دستِ مرہ میں قسمت دینا وہیں ہے آج (ص ۸۱)
"دستِ مرہ" کی ترکیب جلی نہیں لگتی۔ پھر "مومن و گبر" لائے تھے تو "کفر و دین" کہنا تھا۔
نہیں بھر بھی لٹ جس میں مٹ گیا اور دھوکے پاک ہو گئی چشم پر آب آج
مصرعہ اولیٰ!؟ و جہانِ نسلا کے رہ گیا۔

تمہاری انگڑائی کا یہ عالم نہا تم اپنی نظر سے دیکھو

چمن میں سورجِ شمیم صدمتے تو چمن پر کہکشاں تصدق (ص ۸۶)
"انگڑائی" کے مقابلہ میں "سورجِ شمیم" کی بجائے "شاخِ گل" لانا تھا، اور "کہکشاں" کی جگہ "توسِ قزح"!! کیونکہ انگڑائی کی صفت "فوشتر" اور دشمن نہیں بلکہ سستی کے علاوہ وہ ہنیت ہو سکتی ہے جو توسِ قزح اور شاخِ گل کی چلک میں پائی جاتی ہے۔ تشبیہ میں "دوہرِ شہر" کی مناسبت ضروری ہے !

صدات سے دلِ نالوں، نالوں سے اثرِ برہم کچھ عشقِ ادھر برہم، کچھ عشقِ ادھر برہم (ص ۱۱۰)

”صدعہ کی جگہ“ ”صدعات“ ”دست ہے مگر یہ بول چال کی زبان نہیں ہے اور شعر میں بھی اس طرح ”صدعات“ ”صدعات“ ”صدعات“ لکھا۔
 ”صدعہ سے ہے دل نالاب“

ہو سکتا تھا۔

تیا مت بن گئیں انکا انیاں عہدِ جوانی کی
 تیرہتی وہ عالم کے دلوں پر پھلتے جاتے ہیں (ص ۱۱۹)
 مصرعہ شافی حیدر دہلوی جیسے شاعر کو کسی طرح زیب نہیں دیتا۔
 وہ اس ادا سے تباہی پہ دل کی خوشی میں چپ
 کہ جسے دل کوئی پہلو میں اور رکھتا ہوں (ص ۱۳۱)
 شعر میں انسان کی کوئی غلطی نہیں، مگر مضمون ادا پھر وہ جسے ”لطفِ شاعری“ کہتے ہیں؟!
 مرتع بھی گل لڑیں بھی جمدہ رنج و راحت کا
 کہ شب کو آنکھ کھولے، صبح کو افسانہ ہر جائے (ص ۱۳۸)
 ”جمدہ رنج و راحت“ یہ الفاظ وجدان کو کھٹکتے ہیں، اول تو ”جمدہ“ اس شعر میں نہیں آنا چاہئے پھر ”رنج و راحت“ کی بجائے ”مرتب و لذت“ یا
 ”منا و بقا“ ”ادب“ ”ہستی و نیستی“ جیسے الفاظ لانے چاہئے تھے!
 کوئی شغف کوئی توس قفر سمجھتا ہے
 تری طرف سے جو موج صبا نکلتی ہے (ص ۱۶۱)
 شغف اس توس قفر یعنی رنگ و فوسے ”موج صبا“ کو کیا نسبت، خوشبو اور اندازِ خرام کا ذکر کرنا تھا۔
 احساس انہیں آئندہ ملاقات کا کپ ہے
 یہ سات لوگ جاتے گی اس سات کا کپ ہے (ص ۱۶۵)
 ”اس س“ کے استعمال سے اس شعر میں آخیکہ فائدہ اٹھایا گیا ہے! اور کس مضمون کی ترجمانی کی گئی ہے۔
 کیوں نہیں محمد سے ملے ڈھل رہے ہو
 غلطیہ ابھی گیسوئے شب تابہ کر رہے (ص ۱۶۸)
 شراب قلات ہی میں عام طور پر پی جاتی ہے اس صدمت میں سات کے وقت زکس محمد سے ملے ڈھالنے میں آخیکہ قیامت ہے!
 تو طر کا بھڑکا ہوا شعلہ دم رفتار
 لہرائی ہوئی برق تری دا بگڑ رہے (ص ۱۶۸)
 ”تو طر“ پڑھتے ہیں نہاں ”تا فر“ مضمون کرتی ہے! پھر محبوب کی رفتار کو شعلہ طور سے تشبیہ دینا بھی تکلف سے خالی نہیں!
 ہر نفسا میں سے ہی ہے کروٹیں حقانیت
 ہر طرف بکھرا ہوا شیرازہ منصوبہ ہے (ص ۱۷۲)
 ”شیرازہ“ ”منصوبہ“ کی ترکیب کتنی نا مانوس ہے! شعر میں مجرعی طور پر بھی دعائی اور پختگی کی خاصی کی محسوس ہوتی ہے۔
 آپ کے نقش قدم پر ہاتھ پڑ کر رہ گیا
 اے دلیغا! دست دامن گیر میں بھی خاک ہے (ص ۱۸۱)
 ”دست دامن گیر“ سے اس شعر میں کس مفہوم کو ادا کیا گیا ہے! کیا ”نقش قدم“ کے دامن بھی ہوتا ہے!! پھر محبوب کے نقش قدم کی ”خاک“ کا
 اس مصرعہ میں ذکر کرے الفاظ میں کیا گیا ہے! حالانکہ محبوب کے قدم یا نقش قدم کی خاک کا ل جانا بہت بڑی بات ہے۔
 وہ ستم کیا، جو توجہ سے نہ برسدا کے
 وہ لطر کیا جو غلط انداز ہو کر رہ گئی (ص ۲۰۶)
 ”برسدا کے“ سے نہ جانے کیا مراد ہے! اس زبان کا اب کہاں چلن ہے؟

حریف تسکین و مستقر مول، بلند یوں سے بلند تر ہوں

(ص ۲۲۳)

میں آج کل جس مقام پر ہوں، ضرورت بال و پر نہیں ہے

”حریف“ ”مستقر“ کی تہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ میز اب کوئی خاص ”مستقر“ یعنی نشیمن اور مقام پیدا نہیں ہے مگر ”حریف تسکین“ کی ترکیب سمجھ
 میں نہیں آتی! پھر ”ضرورت بال و پر“ کی جگہ ”ضرورت پیدا نہ“ کہتا تھا، یعنی میں اب اس بلندی پر فائز ہوں کہ پہاڑ کے لئے کسی مزید بلندی کی
 ضرورت ہی باقی نہیں رہی!

عقیدہ یہ قدم اندامیں جانب دنیا
دنیائی قدموں کی ہے شکرانی ہوئی سی (ص ۲۲۳)

اسی "نایدہ" ہے احساس کا سبب مدین کی پابندی اندمبوری ہے۔
لب نالہ نرنا اگر نے نہیں ہے
تو پھر ضابطے میں کوئی لے نہیں ہے (ص ۲۲۴)

یہ شعر کیا ہے، "پہیلی" ہے؟
پس صحرانوردی ہڈیوں کا ڈھیر ہی عقیدہ
اس شعر کو پڑھ کر وہ جان دھشت محسوس کرتا ہے۔ (ص ۲۲۵)

اشجار و سجہ ریز صمد کے حضور میں
نکبت گل احمد کی لٹائے طیور میں (ص ۲۲۶)

طائروں کی نوا میں خوشبو کا ہونا عجیب و غریب مشاہدہ اور تجربہ ہے
اشیاء پر کیا جانے کہ ان میں سانس بھی شامل ہوتا ہے، اور "گلے الفاظ" بھی
لکھتے ہیں۔ مگر یہ نادرین خاصی تکلف آمیز ہے۔
دنیا کے دولہے دولت دیں سے اٹی ہوئی
باروں کی طرح کفر کی ظلمت چھٹی ہوئی (ص ۲۲۷)

تیسرا معروف تو خاصہ ہے، باقی تینوں معروف کمزور ہیں، جن سے شاعر کی "نظم گوئی" کا کوئی اچھا تقاضا نہیں ہوتا۔
صرف اولیٰ میں زبان کی غلطی ہے۔ اٹنا، اگر دو غبار کے لئے ہوتے ہیں۔ دولت کیسا تھوڑی ہوئی "آنا چاہتے تھے، معروف ثانی میں "فضائیں" جمع ہے اس لئے
"چٹی ہوئی" محض غلط ہے! تیسرا معروف زرا بچکانہ ہے!

اس طرح انسانہ بے ثباتی کا پیہم چاہیے
مجرئی دست مرثہ معروف، ماتم چاہئے (ص ۲۲۸)

"دست مرثہ" کا معروف ماتم ہونا۔۔۔ بس کوئی کہے بھی لڑکیا کہے!
آج بھی ہے چہرہ شب تاب ہندیں نقاب
عروشید ہو گیا انگشت احمد کا عتاب (ص ۲۲۹)

"انگشت احمد کے عتاب" سے شاید "معجزہ شق النقر" مراد ہو۔ مگر یہ پیرایہ بیان کیا ہے!
غالب پر جو نظم ہے اس کا ایک شعر ہے،
تیرے اندازِ بیاں نے کھوئی رسم ابتذال
شاید معنی کے رخ سے صاف کی گری و ملال (ص ۲۳۰)

رسم ابتذال کو نظم کر دیا، یا اس کا استیصال کر دیا۔ اس طرح اظہار خیال کرنا تھا، کھوئی رسم ابتذال! یہ کہاں کی زبان ہے! پھر دوسرے
معروف میں "ممال" "نیا دہ" ہے، "گرد" کہ گربات پڑی ہو جاتی ہے۔
دولوں و خوں میں بہ یک لڑکے تسلیم غالب ہے، تو
نثر میں بھی نظم میں بھی داد کا طالب ہے تو

یہ کیا شاعری ہے!!
مستجاب ملک دولت تیری ہر تعریف ہے
میش قیمت، بے بدل، مستثنیٰ تعریف ہے
یہ نظم ڈیڑھ لکڑی حد تک درج میں ہے، "مقبول" نثر میں نہ اسکا تو مستجاب "باندھ دیا، مستجاب" دعا، کے ساتھ استعمال ہوتا ہے
"مستجاب الدعویٰ" مشہور معروف ترکیب ہے۔

تو مقہوری نہیں تھا نثر و شاعر بھی تھا
مرتبہ عالی تر! باطن بھی تھا، ظاہر بھی تھا
یہ نظم عقیدہ دہری مروج کی روشنی کے زمانہ کی کہی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔۔۔ دوسرا معروف کس قدر کمزور ہے۔

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا ————— کورا اور حوصلہ لٹھا

لوسا

ہر قسم کا دھاگا تیار ہوتا ہے

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی قدر اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

آدم جی کاٹن ملز پرائیویٹ لیمٹڈ



آدم جی کاٹن ملز لائڈس پرائیویٹ

فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی



اور قبض سے
نجات کے لئے اب اسٹریپ پیکنگ میں

صافی قبض کشا قرص

”صافی قبض کشا قرص“ مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا

صافی سے تیار کئے جاتے ہیں۔

صافی کے یہ قرص نہایت احتیاط و نرمی سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچائے
قبض رفع کرتے ہیں۔ مزید براں ان میں تمام مصفی خون صفات بھی موجود ہیں۔

ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جنرل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

بہار دوا خانہ (دو قف) پاکستان

کراچی - لاہور - ڈھاکہ - پشاکانگ



ستمبر ۱۹۶۶ء

جلد ۱- ۱۸
شمارہ ۱- ۶

قارئین

ماہر القادری

ایڈیٹر

ترتیب

۳	ماہر القادری	نقشِ اول
۲۲	محمد لہذا ایم اے	تحریک جماعتی اسلامی کا ایک تحقیقی جائزہ
۳۸	مولانا محمد تقی عثمانی	دعا کیوں کی جائے
۴۴	محمد حفیظ اللہ بھلوی	حضرت اورنگ زیب عالمگیر کی رواداری
۵۹	ڈاکٹر انعام احسن	تضمین پر بغزل ماہر القادری
۶۰	ماہنامہ "ثقافت" لاہور	روح انتخاب
۶۱	ہماری نظریں

قیمت فی پرچہ ۱- ۶۲ پیسے

پبلشر : مسٹر حسین

چند سالانہ - سات روپے

مقام اشاعت
وقت ماہنامہ قارئین کی مکمل اسٹریٹ گراہی

مسٹر حسین پبلشر نے انٹرنیشنل پریس کراچی میں چھپا کر دفتر ماہنامہ "ثقافت" میں اسٹریٹ گراہی مائے شائع کی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول

_____ امام الادین مآلّٰخوین، افضل المرسلین، خاتم النبیین سیدنا محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی پر نبوت و رسالت کو ختم کر دیا گیا، اللہ اب قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔۔۔۔۔۔ یہ وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر عہد رسالت سے آج تک تمام امت مسلمہ کا متفقہ طرہ پر اجتماع رہا ہے، دین کو نبیہ وہ لسانی عقیدہ ہے، جن کی نفی "کفر" ہے؛ خلافتِ راشدہ کے عہد میں بن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، ان سے صحابہ کرام نے نبوت کا ثبوت نہیں مانگا، اللہ ان کے دعویٰ نبوت کی نہ اس انداز پر تاویل کی کہ ممکن ہے یہ لوگ بروہی اور غلیّٰ نبی ہوں بلکہ اس کے برعکس اور علیٰ الرحمہ ان کا ذب مدعیان نبوت سے جہاد و قتال کا سلوک کیا، کتاب و سنت کی واضح ہدایت اور صحابہ کرام کے اس اسوہ کو پیش نظر رکھ کر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی بھی ایسا بھی بات کی کہ جو مسلمان کسی دینی نبوت سے اس کے بچہ ہونے کی دلیل اور ثبوت طلب کرے تو ایسا کرنے سے وہ "کافر" ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ اس گفتگو کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ ختم نبوت کے عقیدہ کا ساتھ "امکان نبوت" کا عقیدہ "کفر" ہے، یہ دونوں "تضاد" ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے کہ کوئی شخص "امکان نبوت" کا بھی قائل ہو اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہو کہ ختم نبوت کے عقیدہ پر میرا ایمان ہے تو ایسا شخص فریب نفس اور خدع شیطان میں مبتلا ہے، "امکان نبوت" کا عقیدہ رکھنے کے بعد ختم نبوت کا عقیدہ کہاں باقی رہ سکتا ہے، آگ اللہ ہانی شاید ایک جگہ جمع ہو جائیں مگر "امکان نبوت" اور ختم نبوت یہ دونوں عقیدے صحیح نہیں ہو سکتے!

قادیانوں کی یہ منطق سرفیصد کی غلط، لغو، بھڑائی، بے اصل بلکہ کفر آمیز منطق ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کی نبوت کو بھی ماننے میں اللہ نہ ان سے یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ "ختم نبوت" پر ہمارا ایمان ہے اللہ رسولی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "خاتم النبیین" ہیں! یہ نہیں ہے کہ وہ منافستہ طرہ پر کسی مغالطہ یا غلط اندیشی میں مبتلا ہو گئے ہیں، وہ جان بوجھ کر اس وجہ فریب اور نفاق و دود رنگی سے کام لیتے ہیں۔

لاہوری جماعت کے شعبہ دعوت و ارشاد سے "خوفات" کا ہمارے یہاں آجانبہ ہو گیا ہے، اس عذاب سے نجات ملی، تو ضلالت و کفر کے مرکز بلوہ سے تین رسالے ہمارے نام بھیجے گئے ہیں۔۔۔۔۔۔ ماہنامہ "النصار اللہ" رابڈ پٹر مسعود احمد دہلوی کے دور شمار سے اللہ ماہنامہ "الفرقان" (مدیکہ تول ابوالخطا جاندھری) کا ایک پرچہ۔۔۔۔۔۔ ان رسالوں کو پڑھ کر جو کثرت ہوتی ہے، اس کا اظہار انہوں میں کہاں ہو سکتا ہے، غضبِ خدا کا "جھوٹی نبوت" کو صحیح اور حق ثابت کرنے کے لئے کیسے کیسے گمراہ کن نکتے ترشے گئے ہیں اور قرآن کریم کی آیات حکم کے مفہوم میں کس بے باکی بلکہ بے شرمی کے ساتھ تحریف کی گئی ہے!

ماہ جولائی کے "فرقان" میں جو اداریہ (نقشِ اول) فقہ قادیانیت کی تردید میں شائع ہوا تھا، بلوہ کے جملہ "الفرقان" ڈاگت سلسلہ میں حسب ذیل اقتباس کو۔۔۔

"سید المرسلین، خاتم النبیین، فخر الادین مآلّٰخوین حضرت سیدنا محمد رسولی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حولیت

ادب

- چنانچہ وہ مکالمات البیہودہ برائین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ وحی الہیہ۔
 هو الذی ارسل رسولہ بالحدیثی و دین الحق لیظهرہ علی الدین کلامہ (برائین احمدیہ صفحہ ۱۱)
 اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے، پھر اس کتاب میں اس مکالمہ کے
 قریب یہ وحی الہیہ محمد رسول اللہ اشہد ان علی الکفار کفار بینہم اس وحی اللہ میں غلام
 محمد لکھا گیا۔ (ایک غلطی کا ازالہ از مرزا غلام احمد)
 • وہ وصایتی عن الموحی ان هو الا وحی محمدی۔ اسے (مرزا) اپنی طرف سے نہیں بولتا بلکہ :
 جو کچھ تم سنتے ہو یہ خدا کی وحی ہے (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱) از مرزا غلام احمد
 • اللہ نے مجھ رحمتہ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے، (صحیفۃ الوحی ص ۱۰)
 • اللہ نے مجھ کو فرستادیا ہے (ضمیمہ انجم آتم ص ۳۵)

اور

- اس کے (یعنی نبی کریم کے لئے صرف) چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا، البیہودہ نے چاند اور سورج دونوں
 کے گرہن کا، اب کیا تو انکا لگائے گا۔ (امجد زامی ملک مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)
 • آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اس کے تمام احکام کی تکمیل ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت
 میں اس کے ہر ایک پسو کی اشاعت کی تکمیل ہوئی اور سچ ہووے کے وقت میں اس کے دعائی نفاذ واسرار
 کے ظہور کی تکمیل ہوئی۔ (برائین احمدیہ حصہ خیمہ حاشیہ مرزا غلام احمد قادیانی)
 • ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے ہزاروں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا
 اندوہ زمانہ اس روحانیت کی تکمیل کی انتہا کا تھا، بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لئے پہلا
 قدم تھا، پھر اس روحانیت نے کچھ ہزار کے آغوش میں اس لئے پسو کی طرح تجلی فرمائی :-
 (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۷ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)
 مرزائے قادیان کے ان اقتباسات سے کیا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مقابلہ میں مرزا کی انضیبت کا پہلو نہ یاں طور پر
 سامنے نہیں آتا ؟
 حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات گرامی تمام انبیاء کرام کے کمالات و فتوحات کی جامع تھی، حضور کے اس شرف کے مقابلہ میں
 مرزائے قادیان کا دعویٰ ملاحظہ ہو۔

انبیاء گریہ بودہ اند بے	من بعرفان نہ کمترم ز کے
آنچه دادست ہر نبی را جام	داداں جام را مرا بہ تمام
کم نیم زال ہمہ بروئے یقین	ہر کہ گید دروغ بہت لعین

(دوئین ص ۲۸۷-۲۸۸ از مرزا غلام احمد قادیانی)

آنچه داد است هرگز با جام داداں هم با مرا به تمام

مرزا غلام احمد دہلوی کی تحریروں کے جو اقتباسات اوپر دئے گئے ہیں ان کے ہوتے ہوئے مرزا کا یہ کہنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور متبع ہوں اور معصیہ کی واسطہ سے مجھے سب کچھ ملا ہے ————— دلیل و فریق سناؤ کیا ہے! ایسا غلام جو خود آقا بن بیٹھا ہو، اور جس نے "قائمت" کے تمام لوازم اپنے سے منسوب کر لئے ہوں اس کا نہان سے یہ کہے جانا کہ میں تو اپنے آقا کا ادنیٰ غلام اور تابع ہوں اور انہی کے طفیل مجھے یہ منصب و شرف ملا ہے کھلا ہوا فریب ہے!

قادیانوں نے اس صلاحت امیر مغلاطہ کی تلقین کرکے کئے ہم ایک سانچے کی مثل یہاں مدبج کرکے ہمیں — کسی بادشاہ کی رعایا کا ایک فرد اعلان کرتا ہے کہ میں "برہمنی بادشاہ" اور غلطی فرماں روا ہوں، اس کے بعد وہ حکومت کے بعض ٹیکسوں کے منسوخ کئے جانے کا اعلان بھی فرما دیتا ہے، ملک کے ایک مقام میں وہ "برہمنی بادشاہ" اپنا دار الخلافہ بھی قائم کر لیتا ہے، اس غلطی بادشاہ کو کچھ ماننے والے بھی میسر آجاتے ہیں جو اس کے نام کے ساتھ "جلالتہ الملک" لکھتے اور بلطے میں اور اس کی بیوی کو "ملکہ مغنہ" کہتے ہیں، اس "برہمنی بادشاہ" جگہ یوں کہتا ہے صلی بادشاہ کے کچھ حالی مرانی بھی ہیں، بن کو اصلی اور حقیقی بادشاہ کے ولیوں کے توڑ پھڑ عزت تاب کہا جاتا ہے ! ان دعویٰ کے ساتھ یہ "برہمنی بادشاہ" اصلی بادشاہ کی مدد و ستائش بھی کئے جاتا ہے کہ میں تو حضور کا غلام اور خدا کا رسول ہوں، مجھے جو کچھ شرف و عزت ملی ہے وہ سرکار والا تبار کی غلامی اور نیاز مندی کے طفیل میں ملی ہے، خداوند نعمت سے اس خاکدار کو جو نسبت غلامی حاصل ہے، اس نے مجھ کو اس مرتبہ تک پہنچایا ہے — انصاف سے بتائیے کہ ایسا باغی اور خود سرفرو رہایا جو خود "بادشاہ" بن بیٹھا ہے، اس کو بادشاہ کا غلام اور نیاز مند سمجھا جائے گا یا بادشاہ کا حریف اور بد مقابل ! احساس جعلی اور برہمنی بادشاہ نے اسی بدشاہ کی جو مدد سرائی کی ہے وہ نواضع ملک اور کھلے ہوا مذاق نہیں تو ادھیکیا ہے۔ کیا کوئی اصلی بادشاہ اپنے اس قسم کے فرد رعایا کو جو خود "برہمنی بادشاہ" کہتا ہو، گوارا کر سکتا ہے ! احساس کی قصیدہ خوانی اور مدح سرائی سے خوش ہو سکتا ہے، ایہ مثال ٹھیک طور پر سرنا غلام احمد قادیانی کی خود۔ ختم نبوت پر صادق آتی ہے ! انہی شرابدار کی بنیاد پر ہم نے ماہ جون کے "فازان" میں یہ کہا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا نام سن کر ہمارے دل میں جتنی نفرت پیدا ہوتی ہے، اتنی نفرت ابوبکرؓ اور اہلبیتؓ کا نام سن کر بھی نہیں ہوتی، کیونکہ یہ دونوں کافر اور ملعون اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید مخالف و معاند تھے مگر حضورؐ کے حریف "اور بد مقابل نبی نہ تھے، مرزا غلام احمد کافر و مرتد ہونے کے ساتھ حضورؐ ختمی نبوت کا حریف اور بد مقابل بھی ہے۔

ماہنامہ الفرقان (جلد ۲) کا جو اقتباس اپر دیا گیا ہے اس میں **آئینی** کی اصطلاح بھی نظر آتی، اہداف دیا نیوں کا یہ وہ علمِ کلام ہے جس میں سونی صدی جمہالت و حماقت اور فحش و فساد پایا جاتا ہے، کیا کسی آسمانی صحیفہ اور حکمت و اخلاق کی کتاب میں ایسی کوئی اصطلاح ملتی ہے کہ ایک شخص کسی نبی کا نام بھی ہو اور ساتھ ہی خود بھی نبی ہو؟ ایک شخص کسی گھرانے کا غلام ہو اور ساتھ ہی اس گھرانے کا آقا بھی ہو، نماز کی حالت میں ایک شخص مقتدی بھی ہو اور امام بھی ہو، کیا کسی ملک کا بادشاہ، صدر، فرمانروا اور حاکم اعلیٰ اس کو گوارا کر سکتے کہ اس ملک کا کوئی زمین اور لکھا پڑھا چیرا ہی اس کا اعلان کرے کہ میں چیرا ہی حاکم یا چیرا ہی فرمانروا اور **Peon King** پھانسیا بھی دیا جائے گا، یا پھر اس کا صحیح مقام میں خانہ ہوگا! اسلامی حکومت اور مسلم معاشرے میں کفر کو گوارا کیا جاسکتا ہے، مگر جمہوری نیت کو گوارا نہیں کیا جاسکتا، سعودی عرب میں کوئی اس قسم کی باتیں کرے تو دیکھو، وہ اپنا حشرای دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا!

مفہوم قرآنی کی تحریف — قرآنِ کیم کے مفہوم میں پوری بے شرمی اور بے باکی کے ساتھ — کہ نہ خدا کا خوف اور نہ بندوں کی شرم — تحریف و تصرف کی بنا مرزا غلام احمد قادیانی نے ذالی تھی کہ جو آیات قرآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی ہیں، ان کا مصداق قرآن نے ہی ذات کو قرار دیا، یہاں تک کہ ”و اتخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ“ کی یہ تاویل و تحریف کی — کہ (یہ آیت) اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقے ہو جائیں گے، تب آخوند خانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا افسانہ سب فرقوں میں وہ نجات پائے گا، جو اس ابراہیم کا پیرو ہوگا۔ (ابراہیم خیر ص ۳۳۳) معنفہ مرزا غلام احمد قادیانی (اپنے پیشوا کی اس سنت — تحریف مفہوم قرآن — کی قادیانی پورے وحش عقیدت کے ساتھ طالب النعل بالنعل پیروی کر رہے ہیں امام فریدی کا ماہنامہ ”الغمام اللہ“ جو قادیانیت کے مرکزِ رتبہ سے نکلتا ہے ہمارے سامنے ہے اس میں ”اما اعطینک الکوثر“ کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے —

”یعنی اسے رسول اہم نے آپ کو کثرت عطا کی ہے، امام راجب اصفہانی اپنی کتاب ”المفردات فی غریب القرآن“ میں عدد کثرت کے اور معانی کے یہ بھی لکھے ہیں کہ

وقد يقال للرجل السخي، الكوثر

یعنی کوفہ سخی آدمی کو بھی کہا جاتا ہے

اس طرح لغت کی مشہور کتاب اقرب المروءین کو کثر کے دوسرے معانی کے علاوہ یہ معنی بھی درج ہیں —
السيد الکثير العطا یعنی الیہ مراد جو کثیر العطا ہے، اس صورت میں آیت قرآنی کے یہ معنی ہوں گے اما اعطینک ربحاً کثیراً العطا والخیر، ہم تجھے ایک ایسا آدمی دیں گے جس میں عطا اور خیر کثرت سے مل جائیگی،
لانا ایسا شخص جو آپ کو دیا جائے گا وہ آپ کا مدعا فی فرزند اور غلام ہوگا، کیونکہ جو شخص کسی کو بخش جاتا ہے وہ اس کا غلام بنتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد بھی ہے، قرآنی آیت میں ”ک“ کی ضمیر تجھے کی جگہ ”احمد“ رکھ دیں اور کثر کی جگہ غلام، تو آیت کے یہ معنی بن جائیں گے کہ ہم احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غلام بنائیں

اے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ نبی بن کر دنیا میں آچکے ہیں اور جب دوبارہ تشریف لائیں گے تو تحریف محمدی کے معانی میں فرما دیں گے اس لئے ان کا نام ختم نبوت کے معانی میں نہیں ہے، مرزا غلام احمد کی خود ساختہ نبوت ”معدیہ نبوت“ ہے جو ختم نبوت کے معنوں میں عقیدہ کی نفی کرتا ہے۔

خیر کثیر والا م غلام احمد عطا کریں گے، جو آپ کا رد دعائی فرزند ہو گا

یہ وہ منہوی قریف، مذاق دل لگی اور عظیم و قرآن کے ساتھ یہ قادیانی کرتے بہتے ہیں، منہم قرآنی میں قریف کی ماہ مرزا غلام احمد ہی نے ان کو دکھائی ہے! امام نابغہ اصفہانی نے "الکوثر" کے ایک معنی "مردی کے بھی لکھے ہیں اور اس سے ان کی مراد صرف یہ ہے کہ جس طرح سخی آدمی سے لوگوں کو فیض پہنچتا ہے اسی طرح لفظ "الکوثر" میں "خیر کثیر کی صفت پائی جاتی ہے کسی مفسر نے "الکوثر" سمیت سلسلہ کے کسی خاص فرد کی فائت مراد نہیں لی!

قرآن کی تفسیر کا جو محرمانہ انداز قادیانیوں نے اختیار کیا ہے، اس کو اصول و اساس بنا کر کوئی شخص جس کا نام "کوثر، علی کوثر، یا کوثر حسین" ہو یہ کہہ سکتا ہے "انا عظیم الشان اللہ کوثر سے مجھ کوثر" نام کے شخص کی فائت مراد ہے! قرآن پاک میں میرے ظہیر کی خوشخبری دی گئی ہے اور جس کسی کا نام "کوثر" ہو گا وہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "والقمر" میں میرے نام کی قسم کھا لی ہے، یا اس پر ایمان میں میرے وجود کی شہادت دی گئی ہے یا یہ کہ میں تیریا میں "شاہد" بنا کر بھیجا گیا ہوں، کیونکہ "والقمر" کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ "قرن لگی دیا ہے" اسی طرح موسیٰ جو بنی اسرائیل کے مشہور نبی کا نام ہے، اس کے ایک معنی "آسترے" کے بھی لغت میں دئے گئے ہیں، تو کیا اس لغوی نام کی آڑے کر جو ہم اپنے پیشہ کی تقدیس کا ڈھنڈورا پیٹنے لگیں —

لغات القرآن میں "الکوثر" کی تشریح یوں کی گئی ہے: —

"جنت کی ایک نہر اور حوض کا نام، جو اللہ نے محمد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی طور پر عطا فرمائی ہے۔
ومن انس مدفوعاً — مسلم حضرت ابن عمر کی مرفوع روایت سے ثابت ہے کہ جنت کے ایک حوض کا نام ہے،
(معالم) عام خیر کثیر (سید ابن جبرائیل بن عباس)

اہل لغت نے لکھا ہے کہ کوثر کثرۃ سے بنا ہے، جیسے نول فیض سے، جو چند تعداد میں کثیر اور مرتبہ میں عظمت ہو اس کو کوثر کہتے ہیں، صاحب معجم القرآن نے حضرت ابن عباس کے قول کو راجع قرار دیا ہے: —
علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کی شرح میں لکھا ہے: —

"کوثر کے معنی "خیر کثیر" کہیں، یعنی بہت زیادہ بھلائی اور بہتری۔ یہاں اس سے کیا چیز مراد ہے؟ البحر المحیط میں اس کے متعلق چھپس اقوال ذکر کئے ہیں اور آخر میں اس کو ترجیح دی ہے کہ اس لفظ کے تحت میں جہنم کی دینی اور فیزیکی دولتیں اور سستی و منہوی نعمتیں داخل ہیں، جو آپ کو یا آپ کے طفیل میں امت مرحومہ کو ملنے والی تھیں ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت وہ "حوض کوثر" بھی ہے جو اسی نام سے مسلمانوں میں شہرہ ہے! اہل جنت کے پانی سے آپ اپنی امت کو خوشی میں سیراب فرمائیں گے۔"

اگر "الکوثر" سے امت کا کوئی شخص اور امتین فرد مراد ہوتا، تو امام زین العابدین، حسن بصری، فلس زکیہ، عمر ابن عبدالعزیز، امام ابوحنیفہ، امام بخاری، امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، سید احمد تہجد (رحمہم اللہ تعالیٰ) جیسی مقدس شخصیتوں میں سے کوئی ایک شخصیت ہو سکتی تھی، انگریزوں کا یا نازمند، کاسہ لیں، مراق، دق، سل اور نصف ماہ کا مریض اور نبی کا ذنب "مرزا غلام احمد" ہرگز مراد اور مصداق نہیں ہو سکتا!

اسی صالمہ (انصار الدار) — فردی (۱۹۶۷ء) میں ۱۔

تبزلت الذی جعل فی السماء، ورجع فیہا سوا جاً وقرأ صنیعاً کی تفسیر کرتے ہوئے جو نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ: —
" یعنی ماہہ محمد بن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی حدیث محمدین کے تحت امت کے اخی پر

غلام احمد کی مروجہ مسیحیت مروجہ امت میں افتراق و اختلاف پیدا کر دیا، اس کے سبب ایک ایسی جلا گزشتہ وجود میں آگئی جو اپنے سوا تمام دوسرے مسلمانوں کو کافر سمجھتی ہے اور تمام امت مسلمہ اس جماعت کو کافر جانتی ہے :

اب رہا مرزا کا "دعوائے نبوت" قرآن بارے میں مرزا کا کیا عقیدہ ہے اسے پہلے پڑھ لیا جائے ۔

"اب تمام احمد میں میرا وہی عقیدہ ہے جو دیگر اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے اب میں مفصلہ ذیل امر کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار کرتا ہوں، اس خاندان خدا (یعنی محمد علی) میں کس جہاں قائم الانبیاء علی اللہ علیہ وسلم کی نعم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص نعم نبوت کا منکر ہو، اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔" (مرزا غلام احمد کا تحریری بیان مسند جہ تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۸۷)

اور

"..... ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریلؑ دیں

اور سب ہو جاویں یہ امر بھی نعم نبوت کے معنی ہے "اناللہ و اللہ اعلم" مرزا غلام احمد قادیانی

اس عقیدہ کے بعد مرزا کے قول و فعل کا تضاد ملاحظہ ہو ۔

"میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں، پہلے بھی کوئی نبی گزرے ہیں، جنہیں تم لوگ سچا نبی مانتے ہو ۔"

(مرزا غلام احمد قادیانی مسند جہ اخبار بدیع مروجہ ۱۹ مارچ ۱۹۰۹ء)

اس وجہ سے کہ بعد اپنے ہی قول کے مطابق کیا مرزا غلام احمد نبوت کا دعویٰ کر کے، دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو گیا ۔

اور

"جو کسی پر تعلیم میں امر بھی ہے اور ہی بھی اور شریعت کے مروجہ احکام کی تجدید ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے

میری تعلیم کو اور اس وحی کو جو مجھ پر ہوتی ہے، نیک بھی کوئی کے نام سے مروجہ کیا ۔۔۔"

(حاشیہ اربعین ام ص ۱۷۱ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی)

"اناللہ اعلم" سے مرزا کی تحریر کا جو اقتباس چند سطر پہلے دیا گیا ہے اس کی بنا پر مرزا کا یہ دعویٰ کہ مجھ پر "وحی" آتی ہے، کیا "نعم نبوت" کے معنی نہیں

مرزا غلام احمد کی تحسیر میں جو شہادتیں کائنات میں اور کھلا ہوا تضاد پایا جاتا ہے وہ کسی مولیٰ شریف کی کہنے سے بھی بعثت نیک اور بھر

دار ہے، چہ جائیکہ اسے کاذب اور غلط مروجہ ولایت، مہدویت یا نعمت منسوب کی جائے (استغفر اللہ)

مرزا غلام احمد سے پہلے اپنی ولایت اور ذاتی الرسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، پھر مہدویت، مہدویت، اور مسیحیت مروجہ کا اس کے بعد

بردہ اور نقلی نبی ہونے کا، اور فضیلت کی یہ سطر آخری نبی ہر جاتی ہے کہ وہ دوسرے نبیوں کی طرح درجہ بردہ تھے اور نقلی (اپنے نبی ہونے کا

دعویٰ کرتا ہے ایسی نبوت کا اعلان جس میں امر وہی بھی پائے جاتے ہیں اور وہی بھی ! اس کے بذیانت کا یہ عالم ہے، کبھی کہتا ہے آسمان پر میرا نام

محمد احمد ہے اور محمد کی نبوت آخر نبوت ہی کوئی ۔۔۔ کبھی یہ کہیں اس امر کا یقین ہوں، ابراہیم ہوں اور کرشن بھی ہوں ایسا نیک کہ

اس کے وجود کی سہ "الہیت سے جا کر مل جاتی ہے" انشورہ ہے اس کے دوسرے کی بنیاد نبوت نفس اور فساد باطن پر ہے اس لئے اس کے جھوٹ،

ہذیان، آوارہ وافی کذب و افتراء و فضیلت میں درجہ بدرجہ ترقی اور پھیلاؤ پیدا ہوتا جاتا ہے اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ پہلے اس نے کیا کہا تھا

لے ایک دوسرے قادیانی لکھتے ہیں "میں یوسف" کا دعویٰ کیا تھا ! یہ وہ کفر و فضیلت ہے جو بردہ، نقل، مثیل اور اس قسم کی دھڑکی

اصطلاحات کا پہلا لے کر اپنی نورو جانتی ہے ۔

ادب کیا کہ رہا ہے !

”سیح موعود کا دعویٰ کئے کے ساتھ اسے خیال آئے کہ وہ تو ابن مریم ہوں گے، اس خوف و غم و حیرت کی اپنی ذات سے مغلوب کئے کے لئے مرزا یہ تاویل گھڑتا ہے !

”مریم کی طرح عیسیٰ کی مدح مجھ میں نفع کی جتنی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حالہ بخیر آیا گیا اللہ خود کی ہنسنے بعد جو دس ہینے سے نادم نہیں، ہندیلہ ابہام کے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا“

(رگشی (رح ص ۷۷)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت یح و یسح کے مینارہ سفید کے پاس نازل ہوئے گے، نزل یسح کی اس علامت کی مرزا نے تاویل کی ہے، وہ پڑھنے سے قطع رکھتی ہے۔

..... واضح ہو کہ دشمن کے لفظ کی تعبیر میں میرے پر من جانب اللہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایک

قصہ کا نام رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ ہتے ہوں جو نیکو الطبع اور نیکو قلب کے عادات اور عبادات کے پیرو

ہوں..... خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظاہر فرمایا کہ قصہ قادیان جو ہے اس کے اکثر نیکو الطبع لوگ اس میں

سکونت رکھتے ہیں، دشمن سے ایک مناسبت اللہ بہت رکھتا ہے (حاشیہ افلاک اہام ص ۶۳ تا ۶۴)

یہ ہے خود ساختہ جھوٹی نبوت کا وہ ”علم کلام“ جس نے قرآن اور احادیث کا ”شدہ“ کئے رکھ دیا ہے! جو لوگ ”بخطبہ الشیطان“ کا مصداق ہیں اور جن کا مت دیکھا گیا ہے وہی اس قسم کی فتوے دہرائیں گے۔ وہی دالہام ”مجھ کو قبول کر سکھ میں“ دینے جس کی کہ اس ذمہ برابر بھی عقل و فہم ہے اور جو کوئی حق و انصاف کی ذرا سی مقدار بھی رکھتا ہے وہ اس قسم کی تاویلوں اور نکتہ آفرینیوں کو ”فریب شیطان“ ہی کہے گا :

قادیان میں مسلمان رہتے تھے، جنہوں نے مرزا کی خود ساختہ نبوت کو تسلیم نہیں کیا، اس پر ہم میں مرزا نے ان کو ”نیکو الطبع“ اور ”نیکو قلب“ کا

پیر و کہا ہے بعض دوسری تحریروں میں بھی قادیانی مرزا نے مسلمانوں کو کتا، کجی کی اولاد اور اس قسم کی شدید گالیوں سے یاد کیا ہے، اس کی بعض

تفسیروں میں انبیاء کرام کی منقصد بھی کی گئی ہے، مرزا کی ان تحریروں سے ساتھ کہ مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔ ہر اگر اس مزاج و فکر

اور سیرت و کردار کے آدمی کہنے وہی الفاظ استعمال کرتے ہیں، جس کا وہ استحقاق ہے، تو قادیانی یکپہلے اضطراب پیدا ہو جاتا ہے! مگر قادیانیوں کو

اس کی سمجھت ملی ہوئی ہے کہ وہ ایسی کتاہوں اور تفسیروں کو دھڑلے کے ساتھ چھاپتے ہیں، جن میں قرآن و حدیث کی معنوی تفسیریں کی گئی ہیں۔ جن سے

انبیاء کرام کی منقصد ہوتی ہے، جن میں مسلمانوں کو گالی دی گئی ہیں! اور ہم جھوٹے کو جھوٹا کہہ دیں اور نبی کا زب نام کے ساتھ ”حضرت“ اور ”جنا“

کے الفاظ استعمال نہ کریں اور اس کے نام اور ذکر کے ساتھ تعظیم و احترام کے الفاظ و کلمات نہ لائیں تو ہماری تحریروں کو ”مخلطات“ اور ”دل

آزارانہ“ کہا جاتا ہے! ————— کیا سیدہ کذاب کا ذکر اس طرح کیا جاسکتا ہے :—

”جنا سیدہ نے جب نبوت کا دعویٰ فرمایا“

اور سرخشی کے باوجود اس میں اس انداز نگارش کو کوئی مسلمان اختیار کر سکتا ہے۔

”حضرت اسوٰیٰؑ ایک ایسے عرب قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے“

ہم ڈنکے کی پوٹ اعلان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی ”مدعی نبوت“ (خاص طور سے مرزا غلام احمد) کے لئے ہمارے

دل میں ذمہ برابر بھی عزت و احترام نہیں پایا جاتا بلکہ ان کی دشمنی اور نفرت سے ہمارا دل لبریز ہے، انسان کی عداوت و نفرت اور حقارت و بیزاری

ہم اپنے ایمان کا خاتمہ چاہتے ہیں! اور اپنے اس قول و عمل پر اللہ تعالیٰ سے اجر و جزا کی امید رکھتے ہیں!

مرنا فہم اصحابہ ہمارا لشکر الہی کی طرح نہ مذہب اور حدیث شریعت کا اعلان کر دیتا تو آج اس کے امتیروں کو قرآن و حدیث کے منہم میں تحریف کی مشقت گواہ نہ کرنی پڑتی، مگر مرنا فہم اصحابہ نے مسلمانوں کو گویا کہ اے اللہ جو کلمہ کہنے کے لئے قرآن و حدیث کے اتباع ہی کے نام پر قرآن و حدیث کے منہم و معنی کو بگاڑ کر رکھ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و منقبت کی آڑے کر حضور کی نبوت کے مقابلہ میں اپنی نبوت کا ڈھونڈ کھڑا کر دیا۔

بعض اصحاب کہہ کا خیال ہے کہ مرنا فہم اصحابہ کی شخصیت کے پس پردہ حکیم لہذا الدین کی ذہانت کام کرتی تھی، یہ شخص بعض مونیوں کی غیر متانت نہ آفرینیوں اور شیطیات کی بنیاد پر مرنا کو طرح طرح کے دعووں کے لئے ابھارتا رہتا تھا، اس نبوت کی بے باکی اور بے بضاعتی کو کیا کہتے ہیں انہوں نے نبوت کے لئے صرفہاء کے غلبہ حال اور شیطیات کے ہمارے کی محتاج ہو۔

قادیانی علم کلام میں ————— خاتم النبیین ————— کی یہ شرح و تفسیر کہ —————

..... نبیوں کی ہر میں دینی انہیں افاضہ فیضان کی ہر عطا کی گئی ہے، یہ ہر اپنے اور بھی نقوش اپنی طرح کے پیدا کرے گی، (انصار اللہ بدوہ فردی مسلمان)

کس قدر لغو و فریب آمیز ہے! مرنا فہم اصحابہ نے دعویٰ کیا تھا، —————

..... "وہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی"

..... "اگر کوئی شخص اسی خاتم النبیین میں ایسا گم ہو کہ باعث نہایت اتحاد اور لغو غیرت اُسی کا نام پالیا ہو۔

انصاف آئندہ کی طرح تجزیہ ہر کا اس میں اندک اس ہو گیا ہو تو وہ بغیر ہر توڑنے کے بچے کہلائے گا۔ کیونکہ وہ محمد ہے نقلی طرز پر

————— اللہ —————

..... "محمد کی نبوت آخر محمد ہی کو ملی گو پر وہی طرز پر"

مرنا کہ ان لغو دعووں کو سند روانہ عطا کر کے لئے قادیانی علماء "خاتم النبیین" کی اس تم کی شرح و تفسیر کیا کرتے ہیں جس کا نمبر اوپر دیا گیا

ہے حالانکہ اس لفظ کے سید سے ہے اور صاف واضح معنی یہ ہیں، —————

"خاتمہ ————— ہر ختم کرنے والا، "خاتمہ" اور "ختم" ————— سچ، چونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تھے

اور آپ پر نہایت ختم ہو گئی اور آپ کے بعد کوئی (دنیا) نہیں آئے والا، اس لئے قرآن مجید نے آپ کو خاتم النبیین

درہم سب نبیوں پر فرمایا یعنی تمام نبیوں کا ختم کرنے والا، کیونکہ رب کے اخیر میں ہر لگائی جاتی ہے۔

دلغات القرآن ————— جلد دوم ————— مولانا عبدالرشید نعمانی

کسی منہم اور شرا رج نے "خاتم النبیین" کے یہ معنی بیان نہیں کئے کہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے افاضہ فیضان کی ہر عطا فرمائی تھی، اور یہ ہر اپنے

اور بھی نقوش و نگار اپنی طرح کے پیدا کیا کرے گی، اس لئے کہ بات یہ ہے کہ ہدایت و ایمان ہو یا ولایت و مجددیت یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا

کی جاتی ہیں، قرآن پاک میں "اولیاء اللہ" آیا ہے "اولیاء الرسول" نہیں آیا، اور قرآن اس پر شاہد ہے کہ عطا نبوت کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی

طرف کی ہے، اگر کسی نے اپنا جیسا "نقلی" اور "مبتدعی" نبی مبعوث نہیں کیا ————— پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ناموں کی لکھی ہوئی فہرست کے کاغذ

پر یا کسی برتن پر سونے، چاندی یا کسی اور دھات کی بنی ہوئی "مہر" نہیں لگا دی تھی، بلکہ یہ قرآن کا اسلوب بیان ہے جو فطرت اور شہادہ کے عین مطابق

ہے، یہ کہ بادشاہوں کے فرمان کے آخر میں ہر لگائی جاتی ہے، جس کے بعد کسی لفظ کا اضافہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح "خاتم النبیین" سے یہ مراد ہے کہ حضور

فہرست انبیاء اور گوشوارہ رسول کی فہرست میں کہ آپ کے بعد اس فہرست میں کسی نئے نبی کے نام کا اضافہ نہیں ہو سکتا، نبوت آپ کی ذات گزرا ہی پر ختم کر دکھا گئی !

قادیانیر کی یہ لغو ضلک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اضافہ فیضان کی ہر عطا کی گئی ہے اور وہ ہر اور نبی فخریٰ فخریٰ اپنے طور کے پیدا کرے گی، اس سے کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی جیسے انبیاء اور مرس پیدا کرتے رہیں گے، اس عقیدہ کی حرب نبوت و رسالت کی اہمیت پر جا کر پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کی بعثت کی غرض و غایت اور عظمت و تقدس اس سے مجروح ہوتا ہے۔ اضافہ فیضان نبوت کی یہ فہرست کیا آپ ہی اپنے فخریٰ پیدا کر رہی ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و احکام سے ایسا ہوتا ہے؟ یہ فہرست خود بخود اپنے طور کے فخریٰ پیدا کر رہی ہے تو ایسی فہرست ہر کوئی (ملاحظہ فرمائیے) چاہے پانچ سو سال پہلے ہو یا آج، ہر ایک اور ملک دینے کے بعد اور کوئی ملک خود پر صلی ہو رہا ہے اور کاغذوں کو چھاپے جاتی ہے، مگر خاتم النبیین کے واسطے میں یہ عقیدہ، یہ تصور اس لفظ کی ایسی تشریح عقل و فطن دلوں کے خلاف ہے! اب دیکھو فیضان نبوت "تو وہ دنیا میں کتاب و سنت کے ذریعہ جاری ہے، حضرت نے دینی حیات میں صحابہ کرام کا تزکیہ نفس اپنی تعلیمات اور فیض صحبت فرمایا اور حضرت زید و ولید و گھر بنا دیا، دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب فیضان نبوت کتاب و سنت اور حضرت کے خلق عظیم کے چھوڑے ہوئے فخریٰ کے ذریعہ جاری ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا، ہر ایک مستقیم اور نجات آئی شاہراہ کا نام ہے جس میں حضرت کے نقش قدم نظر آتے ہیں۔

یہ مصطفیٰ برسان فخریٰ سا کہ دیں ہمہ اوست

اگر یہ اُردو رسیدی تمام بڑھ ہی است

یہ خیالی سو فیصدی غیر اسلامی ہے کہ عالم بروز میں روحانیت کا کوئی حکمہ قائم ہے جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولایت مجددیت، قطبیت یا اپنے بروز، عکس اور فعل کے مناصب اور عہدے عطا فرماتے رہتے ہیں! ولایت و مجددیت ہو یا مجددیت ان کی عطا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، ہاں یہ خود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر یہ "عطا" کسی کو نہیں مل سکتی! "اطاعت رسول" جو تمام مسکارد و فضائل کا ذریعہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا واسطہ ہے اسی کا نام "فیضان نبوت" ہے!

قادیانیر نے جو نبوت کو سندِ زمانہ دینے کے لئے دراصل یہ لغو نظریہ گھڑا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اضافہ فیضان کی فہرست کے ذریعہ بروز کا اندلی قسم کے انبیاء ظہور میں آتے رہیں گے! بعض لوگ اس سے دھوکے میں پڑ جاتے ہیں کہ اس عقیدہ سے تو ہمارے رسول کی شان اور دنیا و عظیم دربرگ نظر آتی ہے، حالانکہ یہ عقیدہ "شرک فی النبوت" کا مظہر و ترجمان ہے اور اس سے "ختم نبوت" کی کھلے طور پر نفی ہوتی ہے!

دین میں حجت کتاب و سنت ہیں اور اس کے بعد اجماع صحابہ دین میں مستند نظری کی حیثیت رکھتا ہے، ایسی نظیر جس کی پیروی میں امت کے لئے خیر و فلاح ہے! کتاب و سنت اور اجماع صحابہ کے بعد کسی نمونہ، شیخ، صوفی یا امام کا جو کوئی قول، عمل یا رسم و طریقہ ہمارے سامنے آئے گا، اسے کتاب و سنت کی گسوٹی پر جانچا جائے گا، اور اگر صحابہ سے اس کی مطابقت کی جائے گی!

اسلامی ادب لاکھوں بلکہ کروڑوں صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اس میں ہر طرح کی باتیں موجود ہیں، خاص طور سے صوفیاء کے دلکشاقت و ملفوظات کا معاملہ خاصہ غور و محمل ہے، نہ جانے انہوں نے کیا فرمایا اور سننے والوں نے کن لفظوں میں اسے مکتوب و محفوظ کیا۔ یہ زیورات یہ بزرگ کہنا چاہتے تھے، الفاظ اس کے پیسے طور پر چمکتے ہوئے بھی یا نہیں! اس کے ساتھ تفنن تصوف ہی میں سرگرم، خلیہ حال اور شیطانی اصطلاحیں بھی ملتی ہیں، اس لئے دینی مباحث میں صوفیاء کو کلام کے اقوال و مکاشفات اور احوال و مقامات سے مستند لینا اور انہیں دینی حجت سمجھنا خطرناک قسم کی غلطی ہے!

۱۔ نامان میں اس قسم کے مباحث آچکے ہیں مثلاً ایک بہت بڑے عالم اہل صاحب ارشاد و تعقوت شیخ کی اس تحسیر پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستقل بالذات نبی ہیں، دوسرے انبیاء کو آپ کے فیض نے نبوت ملی ہے (مفہوم کی ترجمانی) ہم نے سخت تنقید کی تھی کہ ہر نبی اپنی جگہ مستقل بالذات نبی تھا اہل اللہ تعالیٰ کا بھی ہوا تھا، کئی نبی کو نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے یا فیض سے نہیں ملی ۱۱ اہل قرآن شریف قرآن مجید بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کے حالات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتائے اہل ہمدانی اس تنقید کو ان بزرگ کے حلقہ کے علماء اہل ارباب نظر نے پسند کیا اہل ہمدانی تائید فرماتی ۱

ایک مجدد بزرگ کے حالات کا تذکرہ ۲۔ نامان میں تبصرہ کئے گئے آپ، قرآن میں اس قسم کی حیثیت نگاہ سے گزری کہ سپہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے ان بزرگ کی تربیت فرمائی تھی، یا روحانیت کا کوئی عہدہ دیا تھا اور الفاظ ذہن میں نہیں ہے، ہم نے اس حیثیت پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت فاطمہ زہرا یا حضرت عائشہ صدیقہ کو کوئی دوسرا صاحبی ان میں سے کوئی بھی قبر و مرنے یا ایسے سے نہ تو کسی کی تربیت فرما رہا ہے اللہ سے روحانیت کے عہدہ ۳۔ تنقید کرنا طبعی حیثیت کا نظام ہر مذہب یا مذہب کا رعاہیہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و شہیت سے چل رہا ہے اس کی وجہ سے نشوونما اور تربیت و ترقی کا کارنامہ انجام دے دیتی ہے۔

اسلامی ادب ہی کی کتابوں میں ۴۔ "انما الحق" ۵۔ "بحانی ما اعظم شافی" ۶۔ الفرقان اتم ہر الشان است اور من تو شدم تو من شدی جیسے بہت سی مثالیں اور تحریروں میں ملتی ہیں۔ کوئی الحق اپنے ۷۔ خلا ۸۔ ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے، ان مثالوں کو سمجھنا عجب کے طور پر یعنی کسے تو کیا یہ مثالیں کسی مقولہ آدمی کے نزدیک قابلِ توجہ ہو سکتی ہیں۔

اسی طرح نبوت کے فیضان اور حقیقت محمدی کے بیان میں بھی بعض ایسی نکتہ فرمایاں کتابوں میں ملتی ہیں، جو احمدیہ مہم اور غریب بے عین کا مزاج رکھتی ہیں، ان میں ولایت و محمدیت کے لئے نبوت کے نقل و عکس کی اصطلاحیں بھی استعمال کی گئی ہیں، مگر آج تک کسی ولی اللہ محمدیہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں "محمدی" اور "ظلی نبی" ہوں، اس دعوے کے ساتھ نبوت کا پورا انسی ٹوٹن اپنے لازم کے ساتھ وجود میں آگیا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سارے تیرہ سو سال کی طویل مدت میں صرف مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک مثال ایسی ملتی ہے کہ اس نے "محمد" و "ظلی" کی آڑے کر اپنی مستقل نبوت کا اعلان کر دیا، اور اس کی جدا گانہ امت میں گئی، جن محمدیہ احمدیہ نے اپنی محمدیت اور ولایت کو نبوت و رسالت کا عکس و نقل کہا یا سمجھا، کیا انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، اللہ کہہ کر ہم پر وحی آتی ہے اور ہم کو کہیں ماننا وہ مسلمان نہیں کا فر ہے ۱۱ ان بزرگوں میں بہت سوں کے نام "غلام احمد" نہیں، "محمد" اور "احمد" بھی تھے اور بعض تو خالوانہ اہلبیت سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ کوئی مسلمان ہی نہیں غیر مسلم مستشرق بھی علم و فضل اور تزکیہ و تقویٰ میں حسن بصری، امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، حماد اللہ ابن مبارک، امام بخاری، شیخ عبدالقادر جیلانی، امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابر کے مقابل میں مرزا غلام احمد قادیانی کو کوئی درجہ نہیں دے سکتا، بلکہ یہ شخص تو ان بزرگوں کی جوتوں میں بیٹھے کی بھی اہلبیت نہیں رکھتا، جب امت مسلمہ کے سامنے ہزاروں ایسے بزرگ ہوں جو مرزا غلام احمد قادیانی سے علم و فضل اور تقویٰ میں کروڑ گنا بڑھے ہوئے ہیں تو امت مسلمہ ان نفوس قدسیہ کے جوئے ہوئے مرزائے قادیان کو سب سے موعود یا نبی کی طرح مان سکتی ہے ۱

ہو سکتا ہے کہ کسی صوفی نے یہ کہہ دیا ہو کہ میری ولایت اور قطبیت نبوت کا نقل و عکس ہے اور میں الہام کے بغیر کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا اور جب چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ سے براہ راست کسی فرشتہ کے واسطے کے بغیر ہم کلام ہو جاتا ہوں اور میں قرب کے ان مقامات کی سیر کرتا ہوں، جہاں اولو العزم انبیاء بھی نہیں پہنچ سکے ا فیضان نبوت کی بدولت زمین و آسمان کی کوئی شے مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے، میں حرف کن بھی ہوں اور لغزہ است بھی ۱۔ ان میں بعض باتیں بہت زیادہ قابلِ گرفت شیطانیات ۱

۲۔ درمیان قصہ ہم ملک من قبل دریا نہ قصہ ہم عید ۳۔ ہم بات پر سبیل تشریل کہ ہے ہیں وہ نہ حقیقت یہ ہے کہ کفر نادر تباد کے بعد ۴۔ توئی ۵۔

میں اور بعض جہد تک پہنچے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، مگر اس صوفی کے مقابل میں دوسرا شخص اس قسم کی شعلیات کے ساتھ اپنے نبیؐ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے نام کے ساتھ علیہ السلام اور علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھا جاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، جو میری نبوت الہیہیت کو نہیں مانتا وہ کافر ہے، اس کے درست انداز میں صحابہ کہے جاتے ہیں اور اس کے نبوت کے دعوے کی بنیاد پر ایک جماعت وجود میں آ جاتی ہے، یہ مدعی نبوت اور اس کے اسی صوفی کے اقبال کو سند و جنت میں پیش کرتے ہیں کہ یہ بات فلا صوفی ہی تو فرما چکے ہیں ۱۰ لاکھ اولیٰ نوین و شریعت میں صوفی کا قول و عمل حجت نہیں، پھر اس صوفی کی شعلیات کا اہل نظر اور کتاب و سنت کے جاننے والوں نے اہمیت کب دی تھی، پھر اس صوفی نے کچھ عجیب غریب باتیں کہ دی تھیں، اس نے نبوت کا دعویٰ تو نہیں کیا تھا، اس کے ماننے والوں نے اس صوفی کو امیرین اللہ جان کر کوئی امت تو نہیں بنائی تھی۔

تصوف کی طرح شعر و ادب میں "خطائے سخن" اور "مغیر بن" کے القاب و خطابات ملتے ہیں، مولانا گرامی نے علامہ اقبال کو شاعرانہ زبان میں اس طرح خواجہ عقیدت پیش کیا۔

دودیدہ صاحب نظران حضرت اقبال
میں غیری گرد و پیسہ توراں گفت
پیشہ ہر مصرعہ ضرب المثل بن گیا ہے

شاعری جزویت از پیغمبری

ایک شاعر نے تو یہاں تک کہہ دیا۔

ایک ایک حرف مجھ پر اترا ہے عرش سے
میری بیاضی شعر خدا کی کتاب ہے

اور

مشنوی مولوی، معنوی
ہست قرآن و مذہبانی پہلوی

کیا شعر و تصوف کے یہ دھات "دین و شریعت کے معاملات و مسائل میں حجت و استدلال کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں! وہ نبوت کتنی ہلکی، بے وزن، کھوکھلی اور مفلس ہے جو شعر و تصوف کی ایسی شریعوں سے اپنے لئے ویلیں لاتی ہے۔

فقہ کے فرد کی مسکن کی طرح دین کے بنیادی ارکان و عقائد میں اختلاف نہیں پایا جاتا، "فخر نبوت" کا عقیدہ فرعی نہیں دین کا بنیادی عقیدہ ہے، منصوص عقیدہ، ایہ عقیدہ فقہ و حدیث کے ائمہ نے کتاب و سنت کے استخراج بھی نہیں کیا، یعنی یہ کہ کتاب و سنت میں درگوک واضح الفاظ تو نہ ملتے ہوں، بلکہ نص کے ایما، اشارے یا اقتضار کی بنیاد پر علماء امت نے اس عقیدہ کو تفسیر یا مسند کا استنباط اور استخراج کیا ہے، "فخر نبوت" کے لئے کتاب و سنت میں واضح اور محکم الفاظ ملتے ہیں، جن میں کسی قسم کا کوئی تشابہ نہیں پایا جاتا، قرآنی عقیدہ "خاتم النبیین" کی تشریح و تفسیر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لاحی بعدی" جیسے واضح الفاظ سے یہ تکرار فرمائی ہے! ہم جو کلمہ پڑھتے ہیں جس کا پہلے جو "لا انا، الا اللہ" ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے ہر کسی کے "اللہ" ہونے کی قطعی نفی ہوتی ہے؟ کوئی بدعت یہ دعویٰ کرے کہ "حنیفی اللہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، میں تو "بروزی اللہ" ہوں، اور اس اعلان کے بعد وہ اپنی طرف سے کسی شخص کے "نبی" ہونے کا اعلان بھی کر دے کہ یہ بھی مجھ "بروزی اللہ" کا "بروزی نبی" ہے، اور میں جو اپنے "بروزی نبی" ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں، یہ بھی "بروزی نبی" ہے! اس اپنے کفر و الحاد اور شرک و ضلالت کے لئے وہ دلیل یہ لائے کہ ہاں میں کو "صل اللہ" کہا ہی جاتا ہے اور اللہ صوفی نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا میں منظر لاں ہوں اور وحدت الوجود کے نظریہ کی بنا پر یوں کہ وہ وحدت الوجود کا ثبات میں پایا ہی نہیں جاتا، کائنات کی عینیت واجب الوجود کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

سے خود کو زہ و خود کو زہ و خود کو زہ

کیر و اس جن کی ذات مبدیہ و مقصود کا حکم بھی فرماتے ہیں۔

آپ ہی مسجد، آپ ہی مکتبہ، آپ ہی بانگ پیکار

کہیں کبیر، سنو یعنی سادو، ہر جیسے محو دیا

اسد ایک صوفی شاعر نے تو یہاں تک کہ دیا ہے کہ —

من خدام من خدام، من خدا

جس طرح "بروزی اور ظلی اللہ" کا یہ دعویٰ اودیہ و لیلین کے اسر کفر و مفلالت میں، اسی طرح "خاتم النبیین" کی نص قطعی اور "لا نبی بعدی" کی نبوی شرح و تفسیر کے بعد کسی کا یہ دعویٰ کرنا کہ میں "بروزی یا ظلی نبی" ہوں، سب سے ناگہانی اور کفر و مفلالت کا ہے! کتاب و سنت کے قطعی نعروں کے مقابلہ میں امام غزالی، شیخ محمد الدین عربی یا مولانا قاسم نانوتوی کی کسی بہیم تفسیر کا کوئی صوفیانہ اشارہ نہ ہوا۔ کوئی وزن نہیں رکھتا، نص کے مقابلہ میں نص ہی کو لایا جا سکتا ہے! پھر ان بزرگوں یا کسی دوسرے صوفی اور عالم کے یہاں اس قسم کی عبارتیں یا اشارے ملتے بھی ہیں کہ مجددیت اور ولایت نبوت کا نقل ہوتی ہیں اور مجددین اپنی شان کے لحاظ سے گویا "نبی وقت" ہوتے ہیں (دہم جزم) — تو یہ دماغ و ولایت و مجددیت کے منصب اور فضیلت و تکویم کے اعتراف و اظہار کا پیرایہ بیان نہ ہے۔ سنہ ان بزرگوں کے زمانہ میں کوئی شخص بروزی اور ظلی نبی ہونے کا دعویٰ کرتا، اودیہ کہتا کہ مجھ پر وحی آتی ہے اور اس دعویٰ کے بنیاد پر اُس کے "امتدین" کی جماعت اور نبوت کا پورا الٹی ٹیوٹن وجود میں آ جاتا، تو یہ بزرگ بلاشبہ اُس مدعی نبوت کو مرتد اور کافر قرار دیتے جس طرح مرزا غلام احمد کے زمانہ کے علماء نے بالاتفاق مرزا کی تکفیر کی! مرزا کے زمانہ میں متحدہ ہندوستان میں جہاں کوفہ دل اہل ایمان کی آبادی تھی، متحدہ ہے بہت اور اہل رائے تو ضرور ہوں گے، حیرت ہے کہ کسی ولی کو بھی اس کا کشف و الہام نہیں ہوا کہ مرزا غلام احمد جو اپنے دعوے میں صادق ہے، لوگ اس کی تکفیر و تفصیل کا وبال اپنے سر لے رہے۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و عہد کے بعد نبوت کے عہد سے ہی کہ اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا، اہل یز کا اسیار اور تجدید، محمد دین کے درپہ ہوگی اور یہ محمد دین مزاج شمس رسولی ہوں گے، مگر اپنے تمام فضائل و کمالات اور عظمت و تقدیر کے بار و بھان میں کسی کو یہ منصب حاصل نہ ہوگا کہ کوئی مسلمان کسی عہد کی مجددیت کو نہ مانے، تو اس انکار کے بعد وہ کا فر ہو جائے، انسانی شخصیتوں میں صرف "نبی" کا انکار کفر ہے! ان محمد دین کی غالب اکثریت نے کسی دعوے کے بغیر اپنا فرض انجام دیا۔ مرزا غلام احمد کو تو دعووں کا ہضم بلکہ مراق ہو گیا تھا، اُس کا مراق بڑھتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ اُس نے ایسی استغراق "نبوت" کا دعویٰ کر دیا، جس میں سچی بھی ہے، امر و نہی بھی ہے اور دین کے منصوص رکن اور فریضہ (جہاد) کی تیغ بھی شامل ہے، ساڑھے تیرہ سو سال کی مدت میں تنہا ہی ایسا نہ لایا "ولی" (؟) اور عجیب و غریب "مجدد" (؟) پیدا ہوا ہے، جس کی ولایت اور مجددیت بالآخر "نبوت" کا روپ دھار لیتی ہے۔

بالکل سامنے کی بات یہ ہے کہ "نبوت" میں منصب و عہدہ کی تدبیر نہیں ہے، کسی نبی اور رسول کے، حوال میں یہ نہیں ملتا کہ اُس نے پہلے ولایت کا دعویٰ کیا ہو، پھر مجددیت کا اُس کے بعد مجددیت کا، یہاں تک کہ آخر میں اُس نے کہا ہو کہ میں اب "نبی" ہو گیا و لوگوں کو یہ تدبیر سنت انبیاء کے منافی اور مخالف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، زندگی اور کردار، روز روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہے، حضور نے نبوت سے پہلے کسی دینی منصب کا دعویٰ نہیں فرمایا۔

صحابہ کرام کے زمانے میں جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، ان کے ساتھ جدال و قتال کا معاملہ کیا گیا، اور اس وعدے کو بدعجب بھی کسی مسلمان حکومت میں کوئی شخص نبوت کا دعویٰ نہ کر سکا ہے، لڑائی کو سخت سزا تھی بھی نہیں۔ اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا ہے کہ اس نبی کا نسب کی جبری نبوت کو ابھرنے کا موقع نہ مل سکا، ایرانیوں کا چارہ بھی وہیں بہا ہوا تھا۔ یہاں تو کچھ عرصہ ہوا کہ کوئی قصہ یا افسانہ نہیں تاریخ کا مستند واقعہ ہے۔ امرنا غلام احمد نے انگلیچہ عدلیہ حکومت میں اپنی خود ساختہ نبوت کا اعلان کیا وہ انگلیزوں کو اپنی نیا دیندگی اور وفاداری کا یقین دلانے کا ان کا PROTECTION حاصل کر چکا تھا، اس کی جبری نبوت کو گورنمنٹ برطانیہ کی سرپرستی اور حمایت حاصل رہی اور انسانی تخلیق نہادوں اور اسلام کے دشمنوں کے سایہ عاطفت میں قادیانیت کا شجرہ خبیث نشوونما پاتا رہا۔

پاکستان بن جانے کے بعد یہاں کے معاشرے میں انھوں نے یہ کہہ کر کوئی دینی انقلاب پیدا نہیں ہوا۔ انگلیز ہی کے بنائے ہوئے خطوط پر یہ قائل فعال و دل ہے، یہاں جہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی اس وقت قادیانوں کی حیثیت تینوں کی جاتی تھی کہ ان کا کفر و ارتداد کو اس سلوک کا مستحق ہے اور اسلامی حکومت میں ان کا فہری موقف کیا ہے؟

نبی کی ضرورت : اگر شیعہ امتوں کے وعدے میں ایسا ہر ایک کے طریق ہمت گنجانے کے بعد اللہ کی کتابوں اور آسمانی مصیغوں میں امتوں نے انحراف کی اللہ انبیاء کی تعلیمات، زندگی اور سنت کو امت نے محفوظ نہیں رکھا، اس طرح دنیا کے سامنے حق و باطل میں تمیز کرنے کی کسوٹی ہی باقی نہ رہی اور معیار حق بھی غائب ہو گیا، ان حالات میں انبیاء کرام بعثت ہوئے، مگر امت محمدیہ کے پاس اللہ کی کتاب اس طرح محفوظ ہے کہ اس کے ایک گوشہ میں بھی دنیا کا کوئی انقلاب اندمانہ کا طول اور مدت کی دمازی تبدیلی پیدا نہ کر سکے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری زندگی کتابوں میں موجود اور محفوظ ہے، یہاں تک کہ حضور کے صحابہ کے حالات اس تفصیل کے ساتھ بتاتے جلتے ہیں کہ نبیوں اور رسولوں کے مقدس حالات بھی ان کے امتیاز نے اس ذمہ داری اور خلوص و صداقت کے ساتھ ضبط و محفوظ نہیں کئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن کریم) کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اور امت نے سنت رسول اور کسیرت بویٰ حفاظت کا حق ادا کر دیا، ائمہ فخر نے دین جو دنیا کی حق کی خفیت سے خفیت جزئیہ کو تشکیل دے کر ہر طرح کی آسانیاں اور بہائیں پیدا کر دیں، اخلاق اور تزکیہ نفس پر مصلحت اور علماء امت کے ہزاروں لاکھوں صفحہ موجود ہیں، پھر نئے مقلد کے لئے اجتہاد کا دھواڑہ کھلا ہوا ہے، اس امت کا کوئی دھبہ بھی ایسا نہیں گزرا جو علماء حق صلا اللہ اباب اجتہاد سے خالی رہا ہو، جب یہ حالات ہوں تو امت محمدیہ کے لئے کسی جدید نبی یا کسی دوسرے قسم کے بروہی اور ظنی نبی کی ضرورت ہی کہاں باقی رہی؟ احمدیین و شریعت میں وہ کیا کوتاہی اللہ کی رہ گئی تھی، جس کے پورا کرنے کے لئے مرنے قادیان کی "بعثت" (۲) کی ضرورت پیش آئی، اس کی کتاب میں موجود ہیں، ان میں تزکیہ نفس اور اخلاق کا کون سا جدید فلسفہ بیان کیا گیا ہے، جو کے بغیر امت کی دینی زندگی ناقص رہتی ہے؟ عیسائیوں سے جو مناظرے مرنے لگے ہیں، اس دور کی کتابوں میں کام کی باتیں نظر آتی ہیں، مگر جیسے دعویٰ کا دودھ اس پر پڑنا شروع ہوا ہے، اس وقت سے اس کی تحریروں میں نہ آیا وہ قرآن اپنے دعویٰ کے جواز کے لئے دلیلیں تو یہ بات اور نا واپس ملتی ہیں۔

سادہ دینا جاتی ہے کہ گفار قریش سے عہد رسالت میں مسلمانوں کی پہلی جنگ ہند کے میدان میں ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس غزوہ میں اسلحہ اور رسد کی کمی اور مجاہدین کی قلت تعداد کے باوجود فتح و نصرت عطا فرمائی اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان لفظوں میں فرمایا۔

"لقد انصحنکم اللہ بہادر"

اس حکم آیت اور یہ جیسے پچھے واقعہ کی تفسیر مرزا غلام احمد نے یوں کی ہے۔

"اسلام ہلال کی طرح شروع ہوا اور متعدد تھا کہ انجام کار نہ ملنے میں بدد ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ اسلام اس صدی میں بدد کی شکل اختیار کرے، جو شمس کی رو سے بدد کے شبہ پر (یعنی جو بدد یا صدی)

پس ان ہی معنوں کی طرف اشارہ ہے: خدا تعالیٰ کے اس قول میں کہ نفعکم اللہ بیدار

صرف اپنی فضیلت بتانے کے لئے جو شخص قرآن کریم کی آیاتوں کے معنی و معنی میں اس بے باکی اور بے حیائی سے تحریف کرتا ہو، غضب خدا کا اُس کی ذات اور تعلیمات کی طرف اہل ایمان کو آنے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے اس ظلم، نا انصافی، غلط اندیشی اور مجرمانہ جرات کو دیکھتے کہ کفر و ارتداد، ایمان و یقین کو اپنی طرف مبدلتے ہیں اور غفلت اور کوتاہی کو اپنا جیسا بن جانے کی دعوت دیتی ہے اور جہالت ظلم و غر پر طعن کرتی ہے۔

مرزا غلام احمد دبیانی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا ہے، تو امت مسلمہ کا حال عیسائیوں اور یہودیوں جیسا نہیں تھا کہ ان امتوں نے

سوچئے اللہ کی کتابوں میں تحریف کر ڈالی تھی اور اپنے نبیوں کے اسوہ حسنہ کو گم کر دیا تھا اب اسے ساتھ ستر سال پہلے امت محمدیہ کے پاس کتاب اللہ اور احادیث رسولی پوری کی پوری موجود تھیں! اس بات کو عقل کس طرح باور کر سکتی ہے کہ وہ امت جو کتاب و سنت کے حکم کو حق مانتی ہے، اس نے اس بات پر ایمان کیا تھا کہ ہم اللہ اور رسول کے حکم کو حق مانتے ہیں، پس مرزا غلام احمد کی مسیحیت موجودہ احوال کی نبوت کا انکار کر کے اللہ اور محمد ﷺ کو کھانا بنائے ہوئے کو چھوڑ کر پوری کی پوری امت آج تک مرزا کی موثر و مسیحیت اور نبوت کا انکار کرتے جا رہی ہے، نہ صرف انکار بلکہ نہ رسولی صفحات کا لٹریچر سبھی نبوت کی تردید میں مرتب کر دیا ہے۔ یہ کروڑوں مسلمان جن کے پاس حق و باطل میں امتیاز کرنے کی کسوٹی اصل حالت اور حقیقی حقیقت میں موجود ہے، ان کو چند لاکھ تادیبوں کے مقابلے میں کافر و گمراہ آؤ گس و پس کی بنا پر ان میں سامت مسلمہ کے پاس کتاب اللہ اور سنت رسول ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نبیوں اور رسولوں کا کیا کردار اور کیسی سیرت ہونی چاہئے وہ کس مجسمہ میں خطاب فرماتے ہیں، نبوت کی کیا خصوصیات اور لوازم ہیں! امت مسلمہ کی جانب سے مرزا کی امامت، مسیحیت اور نبوت کا انکار مرزا کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔

آج تک کسی ایسے نبی کا وجود دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتا کہ اُس کی وفات کے بعد ہی اُس کے ماننے والوں میں دو گروہ ہو جائیں ایک گروہ کہے وہ مجدد تھا، نبی نہیں تھا، دوسرا گروہ اُس کی نبوت پر جما ہوا ہو، جھوٹے نبی کی گمراہ امت کا قد نبوت کے بارے میں اس قسم کا اختلاف اس نبوت کے جعل اور خود ساختہ ہونے کا سبب بڑا نبوت ہے۔

مسلمانوں میں خال خال ایسے حضرات بھی پائے جاتے ہیں جو تادیبوں کو گمراہ اور ادا و حق سے جدا کرتے ہوئے اپنے ماننے میں گمراہی سے کہ امت مسلمہ کی آبادی اور تعداد میں کمی واقع ہو جائے گی، تادیبوں کو کافر اور دین و ملت سے خارج نہیں سمجھتے ادا ان کا نشانہ اسلام کی گمراہ فرقوں میں کرتے ہیں! اللہ اس مسئلہ میں ہمیشہ رعا داری اور اسلامی اخوت کی تلقین فرماتے رہتے ہیں! ہم ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ کوئی شخص جو مسلمانوں کی نفس میں پیدا ہو گیا ہو، کیا دین کے کسی بھی منصوبہ رکن اور دنیاوی عقیدہ کا انکار کر دے اور کیسی غلیظ دھریہ کفر کا ارتکاب اُس سے ہو جائے وہ نہ تو دین و ملت سے خارج ہوتا ہے اللہ نہ اُسے کافر کہا جاسکتا ہے! یہ عقیدہ اور رعا داری اپنی جگہ ذہن و فکر کے شدید فساد بلکہ گمراہی کی علامت ہے جس سے سو خاتمہ کا خطرہ ہے، مرزا غلام احمد نہ تو کوئی صوفی تھا، جس پر غلبہ حال طاری ہو گیا تھا اور نہ وہ مجتہد تھا جس پر تفسیر یا شریعت کا جذبہ طاری ہوا، اس کی کتابیں اس کی کتابیں ہیں کہ اُس نے پوری ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ اپنے جھوٹے دعووں کی تادیبوں کی ہیں اور بہ صحت ہوش و دماغ ہوائے نفس کے ہمارے کفر و ارتداد کی اس لپٹی تک پہنچا ہے اُس کے ماننے والے بھی کسی فلسفیانہ مغالطہ میں مبتلا نہیں ہیں اور نہ کبھی تعبیر کی غلطی کا شکار ہیں! وہ تو پوری طرح جھوٹا ہے۔ "جھوٹی نبوت" پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے سوا ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں!

اس فضیلت اور کفر و ارتداد پر فرق دہانی جماعت کے دعوے اور خود ستائی ملاحظہ کیجئے!۔

فتنہ و انتشار

آج روئے زمین پر جماعت احمدیہ وہ واحد جماعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خلافت کی عظیم الشان نعمت سے منور و آفرمایا ہے جو امام وقت کی اطاعت کی اہمیت کو خوب سمجھتی ہے، اسی لئے اسے اول دن سے ہی صحیح منہاد میں اعمال صالحہ

بچا لانے کی توفیق ملتی تھی آپ ہی ہے، یہ الگ ایلا شرف امت امتیاء ہے، جو بجز جماعت احمدیہ کے اور کسی جماعت کو حاصل نہیں دیا ہوتا، انشاء اللہ، ربہ وہ جون ۱۹۶۲ء

۱۔ ناظرہ سرگرمیاں کر اسے کیا کچھ

۲۔ دوازہ دوستی، اس کو تہ استیاء میں

ہمارے پاس اطلاعیں پہنچتی ہیں کہ تقریباً دو سال سے قادیانی اپنے سن کی تبلیغ میں بڑی سرگرمی دکھا رہے ہیں مسلمانوں کے پاس ڈاک کے ذریعہ اپنا لٹریچر بھیجتے ہیں اور انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ بھی مسلک قادیانیت کی تبلیغ اور اپنی کتابوں کی اشاعت کرتے ہیں! مسلمانوں کو قادیانیوں کے دام تہذیب سے بچانے کے لئے ہم نے ہر اہمت کے ساتھ تین شماروں میں قادیانیت کو بے نقاب کیا ہے، قادیانیت کی جب بھی تردید ہوگی ان کے مسلک کو کفر و ارتداد سے نسبت دی جائے گی اور مرزا غلام احمد قادیانی کی ذات اور اس کے دھوسے کو بھٹکا ہو گا جائے گا اور مرزا نے غیر قادیانیوں یعنی تمام مسلمانوں کو مغلطہ گالیاں دی ہیں اللہ انہما و کرام ملک کی منفعت کی ہے! اگر خاندان راہ و دانش سنگ است!

۳۔ ختم نبوت کا مسئلہ نہ تو نزاعی مسئلہ ہے اور نہ کوئی تحقیق طلب نظریہ ہے یہ دین و شریعت کا متفقہ مسئلہ ہے اس باب میں دو مائن ہم ہی نہیں سکتیں، اس لئے قادیانیوں کا لٹریچر ڈاک کے ذریعہ کسی مسلمان کے یہاں آئے تو اسے بے دریغ چاک کر دیں، وہ جہاں سے آئے وہیں حدیثت الفاظ میں خط بھیج دیں کہ آئندہ ان خرافات کا بھیجنا بند کر دیا جائے، دست بردست کوئی قادیانی اپنا کتابچہ یا پمفلٹ دے یا اپنے مسلک کی تبلیغ کرے تو اسے بھیجے کے ساتھ دوازہ نگ دے دی جائے تاکہ وہ آئندہ ایسی عزائم نہ کر سکے!

۴۔ قادیانیت کا دھواں مسئلہ کے لئے سب سے بڑا انتشار ہے اس کی ہر کتاب ذلت و فساد کی جڑ ہے اور اس مسلک فساد کی تبلیغ و اشاعت ملک و ملت کو انتشار لگی دعوت دیتی ہے، کاش! حکومت تہذیب و حکمت کے ساتھ اس فتنہ کی روک تھام کر سکتی!

مکرم احمد دہلوی

۲۴ ستمبر ۱۹۶۲ء

فتنہ قادیانیت

ماہ جولائی کے "فاران" میں جواد ایدہ نقشب اول (فتنہ قادیانیت کی ترویج میں لکھا گیا ہے اسے عام طور پر پسند کیا گیا، اس قسم الحروف کے پاس متعدد خطوط آئے ہیں جن میں اس مضمون کو کتابی صورت میں چھاپنے کا مشورہ دیا گیا ہے، ایک خططاہ کینٹ سے آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ ایک صاحب جو قادیانیر کی لاہوری جماعت سے متاثر تھے، وہ رو قادیانیت کے سلسلہ میں "فاران" کے موقوف سے متفق اور مطمئن ہو گئے !

یہ شخص اللہ تعالیٰ کا احسان و کرم ہے کہ نجد پچھلان اور نہر نگار کے قلم سے اتنا مدلل قادیانیت شکن مضمون معروض تحریر میں آگیا۔ الحمد للہ علی احسانہ !

اس زمانے میں جب کہ قادیانیت کے مسلک کفر و ضلالت کی کھلے بندوں تبلیغ کی جا رہی ہے اس قسم کے مضامین کی عام اشاعت کی بیش از بیش ضرورت ہے، میں افادہ عام کی خاطر اپنے اس مقالہ کی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں۔ بس اتنی گزارش ہے کہ مقالہ کو جاذب نظر انداز میں شائع کیا جائے۔ کتابت کی غلطیاں کم سے کم رہیں بلکہ نہ رہیں، اور اس کتابچہ کا ایک نسخہ مجھے بھیج دیا جائے۔

محمد رفیع صدیقی "فاران"

ختم نبوت زندہ باد

جھوٹی نبوت مردہ باد



آزمودہ دواؤں کا مرکب
انالجین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقیناً زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Special

اس لئے مندرجہ ذیل چند بنیادی باتوں کا ذکر کر کے اپنے اس خط کو ختم کرتا ہوں۔

۱۔ جماعت اسلامی کی پالیسی اور طریق کار پر اعتراض کرنے والوں کی یہ مشترک غلطی ہے کہ وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ آیا مختلف حالات میں ان کے لئے طریق کار ایک ہی ہے یا حالات کی نہایت سے مختلف ہی ہو سکتا ہے۔ کیا سونیصدی غیر مسلم معاشرہ میں جہاں جمہوری حکومت ہر ممالک و اقوامت دین کا طریق کار یا حکومت و تبلیغ کا کام نہ عمل دہی ہوگا جیسا کہ مسیحیت و ہندو مت کی نسبتاً است میں ہوگا؟ کیا طرح جب کسی مسلمان ملک پر غیر اسلامی مطلق العنان طاقت مسلط ہو جائے تو کیا اس میں بھی طریقہ جدید و جدید ہوگا جو کسی ایسے ملک میں اختیار کیا جائے گا جس نے کسٹریکٹڈ میں اسلام کا اقتدار بھی کر لیا ہو جس کی حکومت کا ڈھانچہ بھی جمہوری ہو، لیکن اس کے انہماک اصل وعدہ محمدی دین سے انحراف کی فکر میں ہوں اور انہیں انحراف اور ارتداد کی راہ سے روکنے کے لئے بجز راستے حاکمہ کے اور کوئی طاقت نہ ہو۔۔۔۔۔ ان مختلف حالات میں اقوامت دین کے لئے طریقہ کار کا سادہ عملی تدبیر ایک ہی رہے گی یا حالات کے تغیر کے ساتھ ان میں بھی تبدیلی کا امکان موجود ہے؟ اس مسئلے میں انبیاء و علیہم السلام کا اجماع کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہدایات دی ہیں؟ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رحمہم اللہ نے کیا عملی نفاذ کرتے تھے؟ ان مختلف سوالات کے بارے میں مصنف موصوف کے ذہن میں ہرگز صحیح جواب موجود نہیں۔ ان کی کتاب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک اقوامت دین کا وہ طریق کار جو قبل از تعلیم تحریر کیا گیا تھا بس دی حریف آخر تھا۔ اس میں تبدیلی اور حالات کے مطابق اس میں تغیر ان کے نزدیک اصل تھا۔ انحراف کے مترادف ہے حالانکہ اگر وہ عزت کرتے تو یقیناً اس بات سے اتفاق کر لیتے کہ اقوامت دین کی عملی جدوجہد کے خطوط مستقیم کر رہیں۔ حالات کا نیکر بہت اہم ردول ادا کرتا ہے جس طرح ایک مکان کی تعمیر میں موٹی حالات اور آب و ہوا وغیرہ کا خیال رکھنا پڑتا ہے بعینہ اسی طرح اقوامت دین کی سعی و جہد کی عملی ماہرین کرنے کے لئے کسی بھی ملک کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تاریخی عوامل کا بہت حد تک غور کرنا پڑتا ہے بعض اوقات یہ عوامل اقوامت دین کی تحریک کو ایک ایسی ہمیز لگاتے ہیں کہ ایک داخلی حق کو اپنے کام کے آغا دی ہیں آخری اور انتہائی قدم اٹھانا پڑتا ہے بعض اوقات یہ عوامل ایسے سنگ بڑا ہوتا ہے کہ داخلی حق کو مدت العزیز تک ابتدائی منزل سے آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ اس بات کو انبیاء و علیہم السلام کا اجماع صریحاً ہے۔ حضرت لوط، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگیوں میں بآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ بآئینہ اقوامت دین کے عملی طریقوں میں حالات کی رہایت سے تفاوت رہا ہے اور یہی انبیاء و علیہم السلام کا اسرارہ ہے۔ لیکن چند اصولی اس بنیادی باتیں ایسی بھی ہیں جو کسی صورت میں تبدیل نہیں ہو سکتیں۔ خواہ حالات میں کتنا ہی بڑا انقلاب کیوں نہ آ جائے اور عملی تدابیر میں خواہ کتنی بڑی تبدیلی کیوں نہ واقع ہو، مندرجہ ذیل چند بنیادی باتوں کی ہر حال پابندی کرنی پڑے گی۔

۲۔ انبیاء و علیہم السلام جب اپنے ماحول کے منکر سے ٹکراتے ہیں تو منکرات کے قبیلے کے ہر چہرے بڑے فرد سے نہیں لگاتے، بلکہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے دور کا منکر مظہر کیا ہے؟ آیا وہ وقت کا سیاسی نظام ہے یا جگہ کا ہر اندیشہ طبقہ، قبیلہ اور برادریوں کی عصبیت ہے یا علوم و فنون وغیرہ۔ وقت کا جو بھی طاقتور شخص ہو جائے وہ مسب پہلے اسی سے نبرد آزما کیے ہیں۔ منکرات کے خاندان کے ہر فرد سے حق رض کرنا ہوتا ہے حکمت عملی کے خلاف ہوتا ہے اس لئے انبیاء و علیہم السلام اپنے دور کے سب سے بڑے منکر، منکر المنکرات۔ یعنی برائیوں کے مظہر سے سرچنے کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (پ ۱)۔ منکر اعظم کو منکر یا حلیب کر کے دین حق کو قائم کرنے کے لئے وہ ہرگز اس بات کا انکشاف نہیں کرتے کہ جب تک معاشرے کے اصلاح نہ ہو جاسکے اس وقت تک طاقتور کے خلاف کوئی عملی اقدام نہ کیا جائے۔ وہ تمنا ہیں تو یہی وہی کام کر رہے ہیں انکار ان کے ساتھ۔ صحابہ کرام کی چھوٹی یا بڑی جماعت ہر تو یہی وہی کام کر رہا تھا۔ دیکھ کر ان کے خلاف کئی ایک لمحہ بھی صاف نہ لگتے تھے کہ انہوں نے کام کئے چلے جاتے ہیں۔ کسی وقت وہ اپنے کام کا آغاز اصلاح معاشرہ کے ماہ کے لئے نہیں، کبھی سیاسی طاقت کو دین کی تعزیت اور معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنا نہیں، کبھی اصلاح معاشرہ انقلاب قائم کرنا اور اصلاح حکومت کے کام بہ یک وقت لیکن اس قانون کے ساتھ کرتے چلے جاتے ہیں اور قصور و حرف حق کا نظام ان کے اعظم کو ختم کرنا ہوتا ہے۔

(ج)۔ انبیاء علیہم السلام شریعت کو بند کرنے کی جب کسی کوشش کرتے ہیں تو وہ بڑی کامیاب رہتی ہے مگر انہیں دیکھنا کہ ان کے مقابلے کے لئے ہتھیارِ حسنات ہی کے واسطے خاندان سے حاصل کرتے ہیں اور وہ ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں جن سے خدا کی زمین میں امن کو قائم نہ ہو لیکن وہ خدا سے بھر جائے۔

(د)۔ وہ اپنے نصیبِ اعلیٰ کو کسی بڑی سے بڑی قیمت پر ہرگز قربان نہیں کرتے۔ جدوجہد کے ہر مرحلے میں آخری مقصود ان کی نگاہ میں کھانے رہتا ہے یہ اس طرح کی چند بنیادی باتوں کے علاوہ تمام دوسری تفصیلات میں اقامتِ دین کا طریقہ کار حالات کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے اور انداز بھی مختلف حالات کی رعایت سے بدلتا رہے گا اور یہی انبیاء کی سنت ہے۔ اسی لئے امت کے جلیں اللہ تعالیٰ بنصرہ کے تحت قادیانہ فارنا مروجہ بھی چند اصولی باتوں کے سامان عملی طریقوں اور تفصیلی تدابیر میں کافی تفاوت موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا، امام ابوحنیفہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام غزالی، امام ابن تیمیہ، محمد بن عبدالوہاب، محمد والد ثانی، شاہ ولی اللہ، سید احمد بریلوی، رحمہم اللہ تعالیٰ انجمن کے جدوجہد کے عملی طریقوں اور تدابیر میں نمایاں فرق کی بڑی وجہ بھی ان ہر گانِ دین و ملت کے اپنے اپنے وقتوں کے سیاسی، مذہبی اور معاشی حالات کا اختلاف ہے۔

جماعت اسلامی کی تدابیر ابوالیسیر میں بھی انبیاء کی یہی سنت ایک رہنما اصول کا دہرہ رکتی ہے اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ جماعت اسلامی نے انبیاء کے طریقے کو چھوڑ دیا ہے تو اس کے ساتھ اس شخص پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ یہ بھی بتائے کہ جماعت اسلامی نے انبیاء کے طریقوں میں سے کس طریقے کو چھوڑ رکھا ہے کیا اس نے اپنے وقت کے منکرِ اعظم سے مصالحت کر لی ہے اور اسے اس بات کا یقین دلایا ہے کہ وہ لبنی تان کر سکتا ہے یہ بات تو مختلف فیہ ہو سکتی ہے کہ جماعت اپنے ملک اور اپنے دھرم کے منکرِ اعظم کے پچھانے میں غلطی کر جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جس کو منکرِ اعظم قرار دے رہی ہے وہ فی الحقیقت ”منکرِ اصغر“ ہو۔ اس اختلاف کی گہرائی تو شہرِ قادیانہ پر وقت موجود ہے اگر اقامتِ دین کا کام کرنے والوں کے درمیان صرف ”منکرِ اعظم“ کے تعین کرنے میں اختلاف ہو رہی ہو تو کئی لحاظ سے یہ باعثِ رحمت و برکت ہے لیکن اس اختلاف کو نبی دینا کہ کسی شخص کو اس بات کے کہنے کا ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ جماعت انبیاء کی راہ سے ہٹ گئی ہے۔ اگر جماعت نے منکرات کے سرچشمہ کے خلاف کام کرنا بند کر دیا ہو، یا کام تو کر رہی ہو لیکن اس کشمکش میں وہ برے اور مخالفتِ شرعیہ و فلاحِ امت میں لڑنے والے فسادِ فتنہ کے جرم کی مرتکب ہو رہی ہو، یا اس سے ایسی بے گزرتی اور خلافات دین و مروت کا ظہور ہو رہا ہو۔ جس سے اس کی دنیاوی دولت اور دنیاوی کامیابی کے جھڑپ ہونے کا احتمال پیدا ہو گیا ہو تو واقعہ جماعت اسلامی کے معاملے میں یہ ایک نشترِ ک صدمتِ حال ہوگی۔ لیکن اس بات کے ثابت کرنے کے لئے نہایت قوی دلائل دیکھ رہے ہیں کہ ہرگز کافی نہیں کہ غیر منقسم ہندوستان میں جو طریقہ کار اختیار کیا اپنے طریقہ کار میں تبدیلی نہ کرتی تو نہ صرف اس کا یہ اقدام شریعت کی واضح نصوص کے خلاف ہوتا بلکہ حکمت و دانائی کے بھی خلاف ہوتا۔ آخر وہ پالیسی جو مسلمانوں کے اکثریت کے ملک میں ایک کافرانہ نظامِ حکومت کے ساتھ میں اور قوم پرستی کی لادینی تحریکوں کے مقابلے میں تقسیم سے قبل طے کی گئی تھی وہ تقسیم کے بعد موجود پالیسی یا جدوجہد کے عملی خطوط میں تبدیلی نہ کرنا بے دانشی کی دلیل ہوتا۔ جو لوگ جماعت سے ناراض ہیں انہیں اس بات کی شکایت ہے کہ جماعت نے قرآن و سنت ہی کی عطا کردہ بصیرت کی روشنی میں طریقہ کار کے لئے خطوطِ آخریوں متعین کئے ہیں اور اس نے ”ملکِ دیم دم نہ کریم“ والی پالیسی کو آخریوں میں نہیں کیا۔

؟

۲۔ کتابِ نبیہ ہمد کے مصنف کے ذہن میں دوسرا اثرِ مبالغہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے غیر خودی کی طور پر مولانا مودودی کو شخص ”ریسرچ اسکالر“ اور جماعت اسلامی کو صرف ”ریسرچ اکیڈمی“ فرض کر لیا ہے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مولانا محترم اور جماعت دونوں معاشرہ اور اس کے حالات سے اعلیٰ اور مبرا قرار یافتہ اور انقباضات کے اثرات سے بالکل بے نیاز ہو کر تحقیق اور ریسرچ کا کام کر رہے ہیں اور وہ وقتاً فوقتاً اپنا تحقیقی مواد ملک میں تنقید کیلئے لاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کا علم کلام سامنے رکھیں اور ذیل کے اشکالات کے بارے میں بری رہنمائی فرمائیں۔
 ۱۔ قرآن سے زیادہ اصرار، بین الاقوامی اور داخلی دعوت کا علمبردار اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس دعوت کا اصل منبع اسلاف ہی قرآن،
 گرامر اس میں ایک طرف یہ حکم مقرر ہے کہ لا اکرا کافی الدین یعنی دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں اور دوسری طرف اشارہ ہے کہ
 فاقولوا الحمد حق لا تمکون نقتلہ فیکون الدین للشیء

ان دونوں احکام میں بظاہر تضاد نہیں ہے۔؟ اسی طرح یہ حکم سامنے رکھیں کہ

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظۃ الحسنۃ وجاهدکم بالقیۃ حی احسن

یہ دوسری طرف قرآن ہے کہ جاهد الکفار والمنا فقیۃ واعظ علیہم۔

ڈاکٹر صاحب کے علم کلام سے ان دونوں احکام میں تطبیق پیدا کی جا سکتی ہے؟

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کون انسانی شرف اور محمد کا زمانہ ان ہو سکتا ہے اصل آپ سے بڑھ کر اور کون انسانی عظمت

علمبردار ہو سکتا ہے۔

نہ کیا ڈاکٹر صاحب اپنے علم کلام کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذیل مختلف اشادات میں موافقت پیدا کر سکتے ہیں مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 ایک طرف یہ فرما رہے کہ

۱۔ اے لوگو! تمہارا رب ایک ہی ہے..... اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت مند وہ ہے جو زیادہ تعوی رکھنے والا ہے
 عربی کو بھی کے مقابلے میں کوئی برتری حاصل نہیں اور نہ کسی بھی کے لئے عربی کے مقابلے میں برتری ہے۔ کوئی برتری ہے تو تعوی کی بنا پر
 یہ دوسری طرف حکم ہوتا ہے "الانتم من القریش" ایک طرف یہ تعلیم ہے کہ سارے ان بنی اسرائیل میں رنگ و نسل اور وطن وغیرہ کی بنا پر کسی کو کسی پر کوئی
 قیمت حاصل نہیں اور دوسری طرف یہ ہدایت ہے کہ

"..... عرب سے بعض رکھو گے تو مجھ سے بھی بعض رکھنے لگو گے" (ترجمان اللہ)

یا ڈاکٹر صاحب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اشادات گرامی کو جو عین حق ہیں اور جن میں ہم کو کوئی تضاد نہیں، عالمگیریت اور بین الاقوامیت
 منافی قرار دیں گے۔

۳۔ اہل کتاب کے کافرانہ اور مشرکانہ عقائد سے کس کو جمال انکار ہے قرآن میں واضح طور پر حکم موجود ہے کہ نہ تو مشرک سے نکاح کر دو اور
 نہ ہی مشرک کے ہاتھ کا کوئی ذبیحہ حلال ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابیہ سے نکاح بھی جائز قرار دیا ہے اور اہل کتاب کا ذبیحہ بھی حلال
 پایا ہے۔ کیا اس میں بھی معاذ اللہ تضاد ہے۔

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلیل القدر پیغمبر اور اصراری اور انسانی دعوت کے علمبردار ہونے میں کس کا ذکر انکار ہو سکتا ہے لیکن کیا ڈاکٹر
 صاحب بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے غزوات سے جو یہ مطالبہ کیا تھا کہ "ارسل معنا بنی اسرائیل" تو کیا وہ بھی معاذ اللہ فیصلہ شدہ تھے اسی طرح
 حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے وقت کے اقتدار سے بغیر معاشرہ کی اعتداج کا کام کئے جو یہ مطالبہ کیا تھا کہ

لہ اودان (کعبہ) سے قتالی کر دیں ہر ملک کہ نذر باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہر جائز۔

۵۔ اپنے رب کے بابت کی طرف محنت اور موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دیجیے اور منکرین سے بہتر طریقہ سے بھلا دیکھئے۔

لے کافر دل اور منافقین کے خلاف جہاد اور ان سے سختی سے پیش آؤ۔

قال اجماعی علیٰ خیراتن الامراض انی حقیقۃ علیہ۔ کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر ہندو کہہ دیجئے کیوں کہ میں

صافحت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے موقت ہوں۔

ایسا وہ بھی ملے، تو اسی اور قیاسات میں پڑ کر دفعہ ہالڈم منصب نبوت کو بھول گئے تھے۔

یہ اور اس طرح کے متعدد اشکالات ڈاکٹر صاحب کے سامنے رکھے جاسکتے ہیں انہوں نے جس نئے علم کلام کی مدد سے مولانا مودودی جیسے دہلی حق کو اعتبار سے گرانے کی ناسفا کوشش کی ہے کیا اسی علم کلام کی مدد سے کسی ملک اور وقت کے مذہبی، معاشی، معاشرتی حالات و کوائف کا علم حاصل کئے بغیر اور قرآن اور انبیاء و قرآن علیہم السلام کے آخری مقصود کو سمجھ لیجئے ان مختلف آیات اور احکام اور ان جلیل القدر انبیاء کے مختلف اقدامات اور رقیق جدوجہد میں ترقی اور ہم آہنگی پیدا کر دکھائیں گے؟

ان مسئلہ بنیادی باتوں کو نظر انداز کر کے کسی صاحب علم بزرگ کو اس طرح ہدف تنقید بنانا ذمہ داری، سنجیدگی اور سہرہ باری کی اصلی روایات کے یکسر منافی ہے۔

ان خامیوں کے علاوہ اس کتاب کے مصنف میں ایک اور کمزوری بھی ہے اور اس کمزوری میں مجھے ایسا ہر اردو خواں ان کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم لوگ دین کے علوم اور فنون اور ان کی مخصوص اصطلاحات سے کما حقہ واقفیت نہیں رکھتے۔ یہ علم مروجی بن میں اور ہمیں عربی زبان تک مکمل رسائی حاصل نہیں اور ہم دین و شریعت کی بعض مخصوص اصطلاحات کے سمجھنے اور ان کے استعمال کرنے میں سخت ٹھوکر کھا چکے ہیں اب اگر اس سپر سے کتاب زیر بحث کا جائزہ لیں گے تو اسے کئی لحاظ سے نہ صرف ناقص پائیں گے بلکہ بوجہ ذہنی محسوس کریں گے مثال کے طور پر اس کتاب کے صفحہ ۱۱۲ پر نسطی "اور اصلی آواز ظاہر" اور "حقیقی" اسلام کی تیز نرک کرنے کا بوطہ نہ دیا گیا ہے اور اس کا ایک جواب گئے "فارق" میں بھی دیا ہے۔ کیا اسی نقطہ پر سجدہ علمی تضامیں گفتگو کرنا سب ہو گا۔ بالخصوص اس صورت میں جبکہ یہ طبع دینے والا اپنے آپ کو علمیت کی ایک بلند "بالا گدتی" پر بٹھائے ہوئے ہو۔

اس کے علاوہ مصنف نے زور بیان میں جدید اصطلاحات کے فرق کو بھی ملحوظ نہیں رکھا۔ مثلاً اسی کتاب کے صفحہ ۱۶ پر تفسیر فلسطین سے متعلق مولانا مودودی کی تحریر سے ایک اقتباس ہے کہ یہ دینے کی کوشش کی ہے کہ جماعت نے دوسرے قومی مسئلے بھی "تعلق" صرف نظر کیا تھا۔ مگر پاکستان بن جانے کے بعد مسلم قوم پرستی کا لہرہ اٹھ گیا۔ اور صفحہ ۱۱۶ پر اس کے ثبوت میں مولانا کی تحریروں سے کئی اقتباسات ایسے دئے ہیں جن میں مسلمانوں کے لئے لفظ "قوم" استعمال کیا گیا ہے۔ اس ساری بحث میں "تفسیر فلسطین" سے متعلق مولانا کی عبارت میں سے ان فقرات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جو مصنف موصوفت کے موقف کے خلاف پڑتے تھے۔ اگر مولانا کی پوری تحریر سامنے آجاتی تو ڈاکٹر صاحب کو اس کتاب صفحہ ۶۳ سے ۶۷ کے صفحہ ۷۷ تک کی ساری بحث کو بالو حدت کرنا پڑتا اور پھر اس اقتباس کو سر سے "گوں" ہی کہنا پڑتا۔ مگر یہ معلوم موصوفت نے کن اعتماد کی بنا پر ایک طویل تحریر سے صرف اپنے مطلب کے چٹخے منتخب فرمائے اور بقیہ کو نظر انداز کر دیا۔

اس کے علاوہ انہوں نے قومیت (NATIONALITY) اور قوم پرستی (NATIONALISM) کے فرق کو بھی ملحوظ نہیں رکھا جہاں تک قوم پرستی کا تعلق ہے مولانا مودودی تعلیم سے پہلے ہی اس کے مخالف تھے، اور اب بھی اس کے اتنے ہی مخالف ہیں جیسے کل حرام تھی ویسے ہی اب بھی حرام ہے اگر ڈاکٹر صاحب کو یہ تحریر اس بات کے ثبوت میں پیش کر سکتے ہوں تو ضرور پیش فرمائیں کہ جن "قوم پرستی" کو مولانا نے امت، پارٹی، جماعت اور حزب اللہ اور خدا کی فہرہ پرستی اصطلاحات کی عین ضد قرار دیا تھا اب اسی کے حامی اور علمبردار ہیں۔ یہی "قومیت" یعنی (NATIONALITY) نہ تو

یہ حرام ہے اور نہ مذکورہ اصطلاحات کی ضد۔ اس معنی میں لفظ ”قوم“ کا استعمال بھی ہرگز ممنوع نہیں۔ ان معنوں میں اس لفظ کو مولانا نے تقسیم سے قبل بھی استعمال کیا ہے۔ آپ بھی استعمال کرتے ہیں اور ائمہ بھی ہوتا رہے گا اس کے استعمال میں ہرگز کوئی قیادت نہیں قرآن اور حدیث میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے

اگر اقتباسات کی بات چل نکل ہے تو اس سلسلے میں کچھ آخری گزارشات بھی سن لیجئے :-

● اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا مودودی کو ”قوم پرست“ ثابت کرنے کے لئے جہاں اور بہت سے اقتباسات دئے ہیں وہاں ”تفسیر فلسطین“ والا مذکورہ اقتباس بھی نقل کیا ہے لیکن اس طرح کہ مولانا محترم کا صحیح لفظ ”فلسطین“ نہ نہیں لے پائے اگر یہ صحیح نقل کیا جاتا تو ڈاکٹر صاحب کو اپنی کتاب کے کئی صفحے تبدیل کرنے پڑتے۔ اس کے تفصیلی ذکر کے لئے چونکہ مدین صفحہ مزید لکھنے پڑتے ہیں لہذا اتنا اشارہ کافی ہے جسے تحقیق کرنی ہر وہ اصل سے موازنہ کر کے خود دیکھ لے۔

● اس سلسلے کی دوسری بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا مودودی کی پیش کردہ دعوت کے تین نکات میں سے دو کا ذکر براہ راست اور اشارہً تو مقدمہ کیا ہے لیکن اس دعوت کے تیسرے نکتے کی کتاب کو کچھ مانگ لگنے نہیں دی حالانکہ یہ ”نکتہ“ بھی قبل از تقسیم دعوت ہی کا اہم ترین جز تھا۔ ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا محترم اور جماعت اسلامی کی پالیسی ”الغالب قیادت“ اور اصلاح ”محکمت“ کو زیر بحث لاکر جماعت کے اعلیٰ و حال میں ”تغاضی“ ثابت کرنے کے جوش میں تھے۔ اور یہ بحث اس کتاب کی ”جان“ ہے اگر دعوت کا یہ تیسرا نکتہ نشان کر لیا جاتا تو اس مسئلہ کتاب کی ساری ”جان“ ہی نکل جاتی۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب نے سرے سے اس کا ذکر نہ کیا ہرگز مناسب ہی نہیں سمجھا حالانکہ انصاف کی مدد سے انہیں اس نکتے پر بھی گفتگو کرنی چاہئے تھی۔

● اس سلسلے کی تیسری اہم ترین بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے مولانا موصوف کی ایک ہی عبارت کو اپنی کتاب کے تین مختلف مقامات پر نقل فرمایا ہے اور یہ کتاب کو معلوم ہے ہی کہ صاحب موصوف نے یہ کتاب ”دو قسطوں“ میں تصنیف فرمائی ہے یعنی اس کا ایک حصہ قرعہ ہے جو دس سال قبل لکھا گیا تھا اور دوسرا حصہ جو صفحہ ۲۰۰ سے شروع ہوتا ہے غالباً پہلے حصہ کے دس سال بعد تحریر کیا گیا ہے۔ جن اقتباسات کا میں ذکر کرنے والا ہوں ان میں سے دو ان پہلے حصہ میں درج فرمائے ہیں جو انتہائی ناقص، محدود و نامکمل اور بے اثر انگریزوں کی مخالط آمیز ہیں۔ مولانا موصوف کی اسی تحریر کا تیسرا اقتباس موصوف نے اپنی کتاب کے دس سال بعد والی تحریک کے صفحہ ۲۱۰ پر دیا ہے جو ناقص اور نامکمل تو نہیں البتہ اسے سچائی و سادگی سے الگ کر کے اس کے اندر معجزی تحریف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب اس کی تفصیل لاحقہ صفحہ ۱۔

● ڈاکٹر صاحب موصوف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳ پر مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے ”طریق کار“ میں تغاضی ثابت کرنے کیلئے فرماتے ہیں :-

”لیکن اب — اپنے آپ کو اصولاً تحریک پاکستان میں فٹ کر لیا گیا اور امید یہ باندھی گئی کہ تیسام پاکستان کے فوجیہ، راگے مولانا کا اقتباس نقل کرتے ہیں (

”اسلامی نظام کے نصیب العین ملک پر پونچنے کے لئے ایک پس ترین اور قریب ترین راستہ ہمارے ہاتھ میں لگا ہوا ہے“

دلائل و حجتیں نظام اسلامی کی صحیح ترتیب

اس اقتباس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا کی ذات سے جو فقرے منسوب کئے گئے ہیں وہ سیاق و سباق سے سب سے بڑی طرح الگ کر کے پیش کئے گئے ہیں اگر ان اقتباسات مطالعہ کریں تو پاکستان کی قیادت سے کئی قسم کی ”اسید باندھنے“ کا سہ سے کوئی نشان ہی نہیں ملتا۔ اس میں دوسری بات قابل غور یہ بھی ہے کہ موصوف نے اس اقتباس کا جو حالہ دیا ہے وہ سخت مضطرب آمیز ہے کیونکہ ”تمام نظام اسلامی کا صحیح ترتیب“ نام کی کوئی کتاب جماعت اسلامی کے کئی کئی برس سے موجود نہیں

اب اصل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا فرماتے ہیں:۔

”ہم اس وقت پہلے طریقہ کو ناسا رہے ہیں اگر اس میں ہم کامیاب ہو گئے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پاکستان کے قیام کے لئے ہماری قوم نے جو جدوجہد کی تھی وہ لا حاصل نہ تھی بلکہ اس کی بدولت اسلامی نظام کے نصب العین تک پہنچنے کے لئے ایک بہترین راستہ ہمارے ہاتھ آ گیا ہے لیکن خدا نخواستہ ہمیں اس میں ناکامی ہوئی اور اس میں غیر اسلامی سیاست قائم کر دی گئی تو یہ مسلمانوں کی ان تمام محنتوں اور قربانیوں کا ہرج خیر ہے۔ جو قیام پاکستان کی ماہ میں انہوں نے کیا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم پاکستان بننے کے بعد بھی اسلامی نقطہ نظر سے اسی مقام پر ہیں جہاں پہلے تھے اس صورت میں ہم پھر دوسرے طریقہ پر کام شروع کر دیں گے جس طرح پاکستان بننے سے پہلے کرتے تھے۔ اصل اقتباس دیکھئے اور ڈاکٹر صاحب والا اقتباس بھی پڑھئے اور اندازہ کیجئے کہ کس مہارت کے ساتھ آدھے جگہ کو الگ کر کے اس کے کتنا غلط نتیجہ نکال دیا گیا ہے۔

● اسی طرح کتاب کے کسی صفحہ پر مولانا موصوف کی دو مزید تحریروں کے اقتباسات درج کر کے ان میں باہم تضاد ظاہر کیا گیا ہے ایک اقتباس میں قریہ بات بیان کی گئی ہے کہ وہ قومی حکومت جس پر اسلام کا نمائندگی نہیں لگا ہوا پھر وہ اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے کے لئے بڑی جری اور بے باک ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس بات سے ”تضاد“ نمایاں کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے مولانا محترم کی یہ تحریر نقل کی ہے:۔

... لیکن اب امیدیں باندھیں گئیں کہ:

”جن لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت تمام کام ہے وہ اسلام کے معاملے میں اتنے غلط اور عدول کے بائیس ہیں جہاں انہوں نے اپنی قوم کے لئے تھے اتنے صداقت پر عمل کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کی خواہش ان کے اندر مفقود ہے اسے خود محسوس کر لیں اور ایمانداری کے ساتھ ان میں کہ پاکستان حاصل کرنے کے بعد ان کا کام ختم ہو گیا ہے اسباب یہاں اسلامی نظام تعمیر کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اس کے اہل ہوں“ (مردودی)

اس کے بعد اس پر ڈاکٹر اسرار صاحب بایں الفاظ تبصرہ فرماتے ہیں:

”اگر یہ تضاد نہیں تو فرمایا جائے کہ تضاد اور کس چیز کا نام ہے“ ص ۱۳۳

مولانا موصوف کی تفسیر کا یہ اقتباس حد درجہ ناقص اور اپنے سابق ملاحق سے بری طرح الگ کیا گیا ہے اور اگر اصل اقتباس سے موازنہ کیا جائے تو اس سے ”امیدیں باندھنے“ کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے اور نہ اس میں کہیں ”تضاد“ کا نشان ملتا ہے۔ پھر یہاں قابل غور بات یہ بھی ہے کہ مولانا کی تحریروں کا اقتباس تو دیا گیا ہے لیکن حوالہ ندارد کہ کہاں سے لیا گیا ہے اس سے پہلے حوالے میں بھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ وہ ان ایک مخالف آمر حوالہ درج کیا گیا تھا۔ ایک کیوں کیا گیا ہے؟ کیا اس میں ”سہو“ کو دخل ہے یا..... اس پر آپ خود ہی غور فرمائیں!

مولانا ایک سانس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:۔

”واقعہ طور پر سمجھ لیجئے کہ یہاں اسلامی نظام کا قیام صرف دو طریقوں سے ممکن ہے:۔

ایک یہ کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت تمام کام ہے وہ اسلام کے معاملے میں اتنے غلط اور اپنے وعدوں کے بائیس ہیں جہاں انہوں نے اپنی قوم کے لئے تھے اتنے صداقت ہوں کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کی خواہش ان کے اندر مفقود ہے۔ اسے خود محسوس کر لیں اور ایمانداری کے ساتھ یہ مان لیں کہ پاکستان حاصل کرنے کے بعد ان کا کام ختم ہو گیا ہے اور یہ کہ اب یہاں اسلام نظام تعمیر کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اس کے اہل ہوں اس صورت میں معقول طریق کا یہ ہے

PREREQUISITE کی تردید بھی موجود ہے، انہوں نے خود بھی اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر اس بات کی شکایت کی ہے کہ پیرسہ اقتدار طبقے پر جو تنقید جماعت کی طرف سے کی جاتی رہی ہے وہ سخت اور اعتدال سے متجاوز تھی۔ اور پیرسہ نتیجہ بھی مولانا کی ذیل کی اس خبر کے نذر کرنے کی غرض سے اخذ فرمایا جا رہا ہے جس میں مولانا فرماتے ہیں :-

”مسٹر۔ کامیابی انقلاب ہمارے نگاہ میں مصروف انقلاب تھا۔ اور پھر اختیارات و اقتدار میں لیتے ہی ہماری قوم کے قائدوں نے جواب قادیانی نہیں حاکم بھی تھے ملک کے اندر نظام کے متعلق جیسی الجھی الجھی باتیں کرنا شروع کر گئیں اور قوم جس طرح ابتدائی چند مہینوں میں ٹھنڈے دل سے متنبی رہی اسے دیکھ کر تو صاف معلوم ہو گیا کہ اس وقت ایک بے شعور قوم کی ہاگیاں ایک بے فکر گروہ کے اقتدار میں اور یہ وقت خاموشی و بیچارگی کی تیر کی کام میں لگے رہنے کا نہیں ہے اب اگر ایک لمحہ بھی خالی کیا گیا تو بھینس نہیں کہ جو لوگ منزل کا تین گئے بغیر بے سرجے سمجھے چل پڑے تھے، وہ کیا ایک کسی غلط نظریے کو اس ملک کی بنیاد قرار دے بیٹھیں اور پھر اس فیصلے کو بدلنا موجودہ حالت کی بہ نسبت ہزار گنا زیادہ قریب انہوں کے بغیر ممکن نہ رہے۔“

یہ تو تھی۔ امیدیں باندھنے اور لازمی PREREQUISITE کی حقیقت لیکن مولانا نے جوابات اس اقتباس میں کہی ہے اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب تحریر کرتے ہیں :-

”ایک غیر اسلامی دستور کے نفاذ کی صورت میں کچھ نہیں آتا کہ الیا کوں سا پہاڑ تھا فوراً ٹوٹ پڑے کو کیا کھڑا تھا۔ اس صورت میں ہماری پوزیشن انگریزی دور حکومت میں متحدہ جماعت اسلامی اور ہندوستان میں آج کی جماعت اسلامی کی پوزیشن سے آٹھ سو گز دور میں مختلف ہوتی۔ آپ اس کو اسلامی دستور کو کسی طرح قبول کرنے میں صریح انگریزی حکومت آپ کو تسلیم تھی اور ہندوستان کا سیکرٹری متحدہ جماعت اسلامی ہند نے قبول کیا ہے۔“

کتنا خوب صورت استدلال ہے ذرا غور سے اس قدر صبر نہ کیا کہ ہے ؟ مولانا موقوفی کے استدلال کا کیا اچھا جواب ہے ۔۔۔۔۔۔

اس کتاب کے صفحہ ۲۰۶ اور ۲۱۱ کی ساری بحث پڑھنے سے قلعن رکھتی ہے اگر کسی صاحب کو اس مسئلے سے دلچسپی ہو اور وہ حقیقت حال سے واقف ہونا چاہتے ہوں تو وہ ضرور ان مقامات کا مطالعہ کریں۔ اس میں انہیں بڑی دلچسپ باتیں پڑھنے کا اتفاق ہوگا، کہیں بنیادی دعوت اور نصیحتیں کو طریق کار کے مترادف سمجھا گیا ہے، کسی مقام پر تدبیراً اصلاحی اقدامات کو۔ اصولوں کے ہم معنی فرض کر لیا گیا ہے کسی جگہ ”ماہ“ کو ”ماہ پر چلنے“ کے مترادف خیال کیا گیا ہے، کہیں اس طرح کا انداز فکر طے لگا کر اصلاحی معاشرہ کے کام کے دوران اگر گھر کو آگ لگ جائے تو اس کے بجائے کی سعی کرنا اعتقاد اور اصول سے انحراف کے ہم معنی ہوگا، اور مسجد کو شراب گھر میں تبدیل کرنے والوں کی راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرنا تو قوم پرستی، عوام پرستی، اور محبت پسندی جیسی شیطانی تحریکوں کا نتیجہ ہوگا اور جہاں آپس میں استدلال کہے جا رہی محسوس ہوتی ہے تو دلائل یہ کہہ کر بات ٹال دی ہے کہ بقیہ تمام کی تمام رد لیں ! اس قدر بڑی ہیں کہ ان پر کلام کرنے کو کجا نہیں چاہتا ؟

ملک کو صاحب ملک کے ذہن ان میں۔ ان کی ذرات سے ان کے دلوں کو اچھی ترغیبات تھیں لیکن ان کے منفی انداز فکر نے انہیں ایک ایسی راہ پر ڈال دیا ہے اور دعوت کچھ بڑا بھنے کی خواہش نے انہیں ایک ایسے جاکری پھنسا دیا ہے کہ جس کی وجہ سے دس سال کا ایک طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی وہ دین و ملت کے لئے کوئی قابل ذکر کام نہیں کر سکے اور اب جماعت اسلامی کے غیر محصور رہنماؤں کے نذر و کار میں تضاد تلاش کرنے کا انہوں نے جو بیڑا اٹھایا ہے وہ انہیں کسی بھی کام کے قابل نہیں سمجھو گے گا۔ یہ مہر حقیقتہً انہی پر صادق آتا ہے :

خوش و غم شید دے شعلہ مستحق بود

کاش انہیں اس بات کے جائزہ لینے کی قوت نہ ہوتی کہ "جملت پسندی" کے جس عیب کی نشاندہی انہوں نے جماعت اسلامی میں کی ہے۔ کہیں اس کا ظہور ان سے تو نہیں ہوا، ان کی پختگی سے قبل وہ علم و مطالعہ کی کمی کے باوجود، اقامتِ دین کے طریق کا دلچسپ ذریعہ کا شعور حاصل کئے بغیر (و وقت سے پہلے) اپنے آپ کو مفکر اور مجتہد کے ایک مقام بلند پر بٹھا کر جماعت اسلامی پر تنقید کرنے لگے۔ پھر نے یہ ان سے کہیں "جملت" تو نہیں ہوتی۔

میری گزارشات اسادہ اور توقع سے زیادہ طریق ہو گئی ہیں اس لئے اب انہیں غم نہ رہا ہوگا۔ اگرچہ یہ آپ کے لئے ہیں لیکن قارئینِ فہلانِ کمان کے مطالعہ میں شریک نہ فرمائیں تو مرنے بھی رہیں گے۔ اور سمجھوں گا کہ میری محنت مانگاں نہیں گئی۔

(بقیہ روحِ انتخاب) ڈاکٹر میکاریوس کی سلسلہ بدعہدیاں اور اسلام اور مسلمانوں سے اس کی کھلی ہوئی دشمنی کے بعد کوئی چارہ باقی نہیں رہا، سوائے اس کے کہ قبرص کے مسلمان اپنی قسمت کے خدائے مالک بنیں۔ اور جہاں ان کی اکثریت ہے وہاں کا نظم و نسق ان کے اپنے ہاتھوں میں ہو۔

قبرصی مسلمان اس اقدام پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ حکومت ترکیہ بھی مبارکباد کی مستحق ہے کیونکہ اس نے برادارانِ دین کو اپنی عملی امداد کا حق دیا۔ سمجھا اور بعض تفسیروں اور بیانیوں ہی سے ان کا پیٹ بھرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ عملہ ان کی امداد کو پہنچا اور اس کے بعد قبرصی مسلمان اس قابل ہوئے کہ وہ میکاریوس کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہیں۔

کاش کہ مسلمان ہر جگہ اپنے مظلوم بھائیوں کی اسی طرح امداد و اعانت کریں۔ اسی صدمت میں فلسطین کو غیر عیسائی صلی صلی ہو سکے ہیں۔

(دیکھیں: ماہنامہ "ثقافت" لاہور)

اشرف الیبارٹریز

ڈاکٹر نوداٹر پینٹ ادویات -

ڈاکٹر خاص اجزاء سے تیار شدہ قرابادینی مرکبات -

ڈاکٹر ماہرانہ ٹینیس -

ڈاکٹر ہمدانہ علاج کا عظیم اور قابل اعتماد مرکز

خدا نخواستہ مریض ہوں

خواہ طیب ہوں یا ذاکٹر

آپ اپنی طبی ضروریات

اسے ادا کریں

آپ کسی مریض کے سر پرست

اسی طرح قابل اعتماد آپائیں گے جس طرح ڈاکٹر لافرا اس ادارہ کی خدمات سے مطمئن ہیں۔ بہانہ اور سالک ٹینیس تجویز مفت طلب فرمائیں

اشرف الیبارٹریز جناب کالونی - لال پور

ترجمہ و پیشکش
مرانا محمد تقی عثمانی
(مدنی دارالاحکام کراچی خلاء)

دُعایوں کی جائے؟ امام رازیؒ کی تفسیر کبیر سے ایک اقتباس

امام غفرلہ دین رازیؒ روحی تفسیر کبیر علوم و معارف کا ایک خزانہ ہے اس میں دین کے اسرار و حکم، قرآن حکیم کے معارف و لطائف، اور عقائد و کلام سے متعلق نہایت قیمتی مضامین ملتے ہیں، خاص طور سے عقل پرستوں کی تسکین و تشفی کا اس میں بڑا مواد ہے اس کے مطالعہ کے دوران مساوات الہی بخش نظر سے گذرتی ہیں جنہیں دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ امام رازیؒ بیسویں صدی کے تشکیک زدہ ذہن کو پیش نظر رکھ کر یہ سب کچھ لکھ رہے ہیں، ایسے مواقع پر ہمیشہ دل یہ چاہتا ہے کہ ان مضامین کا اردو میں ترجمہ کر دیا جائے، مگر پھر ہمیشہ ہی یہ خواہش مصروفیات کے انہار میں دفن ہو جاتی ہے، اتفاق سے حالی ہی میں جب محترم جناب مدینہ آستان نے فاران کے لئے کوئی مضمون بھیجنے کے لئے فرمایا تو میں دعا سے منتظر امام رازیؒ کی ایک بحث پڑھ کر غافل ہوا تھا، دل چاہا کہ آج اپنی دیرینہ خواہش کی ایک قسط پوری کر دی جائے، اس طرح یہ مضمون آپ کے سامنے ہے۔

اس مضمون کا پورا مفہوم امام رازیؒ ہی کا ہے، البتہ اچھے عام فہم بنانے کے لئے میں نے نہ صرف یہ کہ اس کے اسلوب بیان کو بدل دیا ہے، بلکہ اس کی ترتیب میں بھی بہت تبدیلیاں کی ہیں، اس لئے کہ اس کے بغیر اسے اس کے موجودہ مزاج میں ڈھالنا ممکن نہ تھا۔
تقی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے —

أَجِبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا (البقرہ) جب کوئی پکارنے والا تجھ سے دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول کرنا۔

دعا کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار سے عنایت اور مدد کا طلبگار ہو، بعض جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ دعا ایک بے فائدہ چیز ہے اس سلسلے میں ان کے دل میں جو شبہات پیدا ہوتے ہیں، ہم یہاں ان کا جواب ذکر کرتے ہیں۔

(۱) دعا کے بارے میں پہلا شبہ تو بعض عقل پرستوں کو یہ ہوتا ہے کہ جو بات دعائیں طلب کی جا رہی ہے یا تو نفی دین میں اس کا واقعہ ہونا لگتا جا چکا ہے، یا واقعہ نہ ہونا، اگر نفی دین میں یہ سمجھا ہے کہ وہ ضرور واقع ہوگی، تب تو دعا کالے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ اس کو تو واقعہ ہونا ہی ہے

اگر تقدیر میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ وہ واقع نہیں ہوگی، تو انسان خواہ کتنی دعا کرے وہ ہرگز واقع نہیں ہو سکتی، اس حدیث میں بھی دعا سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

جن عقل پرستوں کے دل میں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے، ان کا جواب دو طریقے سے دیا جاسکتا ہے، ایک طریقہ تو یہ ہے کہ خدائے عز و جل نے سوال کر لیا جائے کہ جن لوگوں کے بارے میں تقدیر میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ یہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے فرد دعا کریں گے اور تڑاؤ دعا کر کے رہیں گے، خواہ آپ ان کے سامنے دعا کے بیکار ہونے کی کتنی ہی دلیلیں پیش کرتے ہیں پھر آپ دعا کے خلاف یہ دلیلیں کیوں پیش کرتے ہیں؟ اور جن لوگوں کے بارے میں تقدیر میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ وہ اپنی مقصد پر آری کے لئے دعا نہیں کریں گے، وہ تو پہلے ہی دعا نہیں کر رہے ان کے سامنے بھی آپ کی یہ دلیلیں سے فائدہ ہوگی۔

یہ تو اڑائی جواب تھا، مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ قیامت تک پیش آنے والے ہر واقعہ سے واقف ہے اور ہر بات تقدیر الہی میں لکھی جا چکی ہے اس کے خلاف کوئی واقعہ پیش نہیں آسکتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی اس تقدیر کو علمِ دہم سے پوشیدہ رکھا ہے اس لئے کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ امید اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ زندگی گزارے، اگر تقدیر الہی کو ہر خاص و عام پر ظاہر کر دیا جائے تو ہر شخص اپنا انجام پہلے ہی معلوم ہو جائے گا اور اس کی وجہ سے جہد میں کی تمام مہمیں بند ہو جائیں گی، ہر شخص یہ سمجھے گا کہ جب مجھے جنت میں پہنچنا ہی ہے تو خواہ خواہ ان عبادتوں کی زحمت سے کیا فائدہ؟

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے بندوں کو امید اور خوف کے درمیان دائرہ کھینچنے کے لئے اپنی تقدیر کو ہر ماری نگاہوں سے پوشیدہ رکھا ہے اسی امید اور خوف کی کشاکش پر نظامِ عالم کا یہ لپٹا کارخانہ قائم ہے اور اس دنیا میں انسان کی ساری سرگرمیاں "امید" کو حاصل کرنے اور "خوف" سے بچنے کے لئے ہوتی ہیں، چونکہ انسان کو یہ امید ہوتی ہے کہ اس کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے وہ اسے حاصل کرنے کی جگہ بند کرتا ہے، اور چونکہ اسے یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس مقصد سے محروم نہ ہو جاؤں اس لئے وہ ان سلاؤں کو بند کرتا ہے جو مقصد کے راستے میں پیش آسکتی ہیں۔

لہذا جس طرح تقدیر کے معین ہونے کے باوجود ایک شخص کا اپنی زندگی کے حصول کی کوشش کرنا بے فائدہ نہیں ہے اسی طرح زندگی کے حصول کے لئے دعا کرنا بھی بے فائدہ نہیں۔

صحابہ کرامؓ نے بھی ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قسم کا ایک سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! ہم دنیا میں جو عمل کرتے ہیں کیا ان کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے؟ یا ہمارے عمل کرنے کے بعد ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمام اعمال کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ پھر ہمارے عمل سے کیا فائدہ؟ تو آپؐ نے فرمایا:-

اعملوا فانکم ميتون لما خلقکم
عمل کرتے رہو، اس لئے کہ ہر شخص کے لئے وہ کام آسان کر دیا جائے گا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔

اس حدیث کے لحاظ سے فرمادینے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ بھی بتا دیا کہ تمام اعمال کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ لیکن ساتھ ہی عمل کی تاکید بھی فرمائی اور واضح فرمادیا کہ انسان کے جہد و عمل کا فائدہ یہ ہے کہ وہ تقدیر الہی کے نئے ظاہری سبب بنتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام واقعات کے مقصد ہونے کے باوجود ہمیں عمل کرنے کی اس لئے تاکید کی گئی ہے کہ ہمیں تقدیر کے فیصلوں کا علم نہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ تقدیر کے تمام فیصلے ہمارے عمل کے ظاہری اسباب ہی کے واسطے سے رو بہ عمل ہوں گے، اس لئے ہر فرد کو چاہئے کہ وہ ایسے اعمال اختیار کرے جو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ بن سکے ہوں، ہو سکتا ہے کہ تقدیر میں اس کے انہی اعمال کی وجہ سے مقصد حاصل کرنا مقصد کیا

جا چکا ہے۔

اس دنیا میں مختلف مقاصد کے حصول کے لئے ہماری تمام وقت و صہپ اسی لئے ہے اور اسی وجہ سے ہم اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں۔

(۲) بعض لوگ دعا پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ہر انسان کی ہرڑھکی چھی چیز سے واقف ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ انسان کو کب حاجت پیش ہے؟ احساس کے دل میں کون سی خواہش پیدا ہو رہی ہے؟ پھر دعا کے ذریعے اسے اپنی حاجت یا خواہش ظاہر کرنے سے کیا فائدہ؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ دعا کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی حاجت اور خواہش سے واقف کرایا جاتے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ بندہ اپنی حاجت کو حاصل کرنے کے لئے اپنے ہر وہ دُعا کے سامنے عبودیت اور مسکنت کا اظہار کرے اور اپنے دل سے یہ واضح کر دے کہ وہ ہر معاملہ میں اپنے آپ کو خدا کا محتاج سمجھتا ہے اور اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تمام حاجتوں کو پورا کرنے پر توفیق دے ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اپنی ہر ضرورت کے لئے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

رسول بعض لوگ دعا کے اوپر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندے پر بہت مہربان ہے لہذا جس چیز کو بندہ طلب کر رہا ہے اگر اس میں بندے کی مصیبت ہے تب تو اللہ تعالیٰ دعا کے بغیر ہی اپنی ہر پائی سے اُسے عطا فرما دے گا۔ اور اگر وہ بندے کے لئے مفاد مصیبت ہے تو اُسے طلب کرنا فضول ہے۔

اس اعتراض کا جواب رما قبل کی تصریحات کے علاوہ یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کے ذریعے ایک خلاف مصیبت چیز کو بندے کے لئے مصیبت بنا دے اس لئے دعا مانگنے سے خالی نہیں۔

رام بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بندگی کا اعلیٰ مقام تو یہ ہے کہ انسان راضی برضا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ اس کے ہاں ہے فیصلہ فرما دے اسے ہنسی خوشی قبول کرے۔ اس کے برعکس دعا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بندہ خدا کے فیصلوں پر راضی ہونے کے بجائے اپنی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بندہ ابتداء دعا و مناجات اور الحاح و زاری کے ذریعے خدا کے سامنے اپنی احتیاج ظاہر کرے اپنے عمل سے اپنی بے چارگی کو تسلیم کرے، اندر دماغ کر دے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کی رحمت سے بے نیاز نہیں سمجھتا، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے لئے جو فیصلہ فرما دے اس پر راضی ہو جائے، تو یہ بندگی کا نیا وہ بلند مقام ہے، اس کے برخلاف اگر شروع سے دعا ہی نہ کرے تو اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے۔

نقلی دلائل مندرجہ بالا بحث کو خالص عقلی تھی، یوں دعا کے فائدہ مند ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں اس کی بڑی تفصیلات ملتی ہیں، قرآن و حدیث میں ارشاد ہے:-

ادعونی استجب لکم۔

اور میری طرف سے تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

اور میری طرف سے نہیں، بلکہ ایک دوسری جگہ یہ بھی واضح فرمادیا گیا کہ دعا سے اعراض اللہ بے ہدائی اللہ کے غضب کا موجب ہو سکتی ہے، جن قوموں پر عذاب نازل کیا گیا ان کے ہاں یہی ارشاد ہے:-

فلما رآ جءہم باسنا نقضوا وعداؤنا لیکن تست

فلو ہم ذرین لہم الشیطان ما کانوا یعلمون

میں ان کے اعمال کو مڑن بنا دیا۔

سک کی دعا قبول کرنے کے لئے مجھے کسی واسطے کی ضرورت نہیں، بالفاظِ دیگر بندہ مقامِ رحما کے علاوہ دوسرے مقامات پر پہنچتا تو اسے یہ کلام نے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کا تھا چاہے لیکن جب دعا کا مقام آتا ہے تو قرآن الہامی و مبینہ کے وسیعان کو فی واسطہ نہیں۔ نیز یہ براہِ راست خدا سے یہ کلام ہو سکتا ہے اور خدا براہِ راست اس کی دعا سنتا اور قبول کرتا ہے۔

اس سے دعا کی فصیلت اور اس کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ اسی آیت میں دعا کی عظمتوں کی طرف ایک اور اشارہ ملتا ہے۔ وہ یہ کہ ہر دعا کا تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ ”میں بندے سے قریب ہوں“ یہ نہیں فرمایا کہ ”مجھ سے قریب ہے“ وجہ ظاہر ہے کہ بندہ اپنی تمام موقی لانشر کے ساتھ اس لائق نہیں ہے کہ وہ پروردگار سے قریب کا مقام حاصل کر سکے۔ اس کے برعکس ہر دعا کا تعالیٰ کی فضل و رحمت کا بندے سے قریب ہونا بالکل ممکن ہے۔

ان آیات کے علاوہ احادیث میں بھی دعا کے احکام اور فضائل بکثرت وارد ہوئے ہیں، ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

— اشارہ ہے —

الدعاء فتح العبادۃ
محضرت نعمان بشیرؒ کی روایت میں یہ الفاظ رکابیں :
الدعاء هو العبادۃ
دعا ہی عبادت ہے۔
دعا عبادت کا مغز ہے۔

طلب یہ ہے کہ دعا، افضل ترین عبادتوں میں سے ہے۔

تبلیات دعا کے بارے میں ایک مشہور اشکال ! دعائیٰ نے فرمایا ہے کہ :
 ادعونی استجب لکم
 دعا کی قبولیت کے بارے میں ایک شیعہ عام غلط فہمی لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوا کرتا ہے اس سے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ :
 ادعونی استجب لکم
 تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کر دوں گا۔

یہ بحث آیت میں بھی ارشاد ہے کہ :

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

جب دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔

مؤمنانِ کریم کی اور بھی بعض آیاتوں میں یہ مصححون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے — مگر ہم بہ کثرت دیکھتے ہیں کہ ایک شخص بعض مرتبہ امت عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعائیں کرتا ہے، مگر دعا قبول نہیں ہوتی، اس کی کیا وجہ ہے؟

اس اعتراض کا اصرار جواب تو یہ ہے کہ یہاں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فقیریت دعا کا وعدہ علی الاطلاق ذکر فرمایا ہے، مگر دوسری جگہ اس وعدے کے ساتھ ایک قید لگی ہوئی ہے، اسناد ہے۔

ایاکا مدعون فیکشف ماتدعون الیہ ان شاء
تم اسی دعا کرتے ہو پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس چیز کو کھول
دیتا ہے جس کی تم دعا کرتے ہو۔

خداوند پرہیزگار کی یہی انعام مادی صرف اس صورت سے بحث کر رہے ہیں جس میں دعا کرنے والے نے دعا کے تمام آداب و شرائط کا خیال نہ کیا کہ دعا کی ہر ایک چیز قبل ازہی ہو، اس دعا کو کسی نے ان آداب کی رعایت نہیں کی تو جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقیم دی ہے تو دعا کے قبل نہیں ہے کی وجہ اس حدیث میں بالکل ظاہر ہے مگر دعا کے آداب و شرائط کیا ہیں؟ اگر اس سوال کا تفصیل جواب طلب ہو تو والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ صاحبہ رضی اللہ عنہا کا یہ حکام دعا حاضر فرمایا جائے۔ - تقی

ہذا اصول فقہ کے قاعدے کی روش سے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا

اصلی اعتبار سے اگرچہ یہ جواب کافی ہے لیکن اطمینان قلب کے لئے اتنی بات کافی نہیں، اس کے لئے سنی کی یہی حقیقت کو سمجھنا ہوگا، درحقیقت اس اعتراض کے جواب کے لئے کئی طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں :

(۱) واقعہ یہ ہے کہ دعا کرنے والے کو اپنی دعا کا عرض کسی نہ کسی صورت میں فرو مل جاتا ہے، بعض اوقات تو اس طرح کہ اس کی وہی فرود پڑی ہو جاتی ہے جس کی وہ دعا کر رہا تھا، لیکن اگر اس کی دعا کسی انفرادی یا اجتماعی مصیحت کے خلاف ہوتی ہے، تو اس کی درخواست جوں کی توں قبول نہیں ہوتی، جس سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری درخواست کدو کر دیا گیا لیکن درحقیقت اس کی دعا سے اُسے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اس کے دل میں الشراخ اور سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے، اور اگر اس کے مقصد میں کوئی تکلیف یا مصیبت ہے تو اس کی پر غرض دعاؤں کی بدولت تکلیفوں پر صبر کرنے کی توفیق ہوتی ہے اور وہ معتبر کن کاغذ پیشانی سے مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور دعا ہر ہے کہ یہ چیز بھی تہذیب ہی کی ایک شکل ہے۔

(۲) علامہ نقال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

انشاء فرمایا :

دعوتہ المسلم لا ترق الا لأحدی ثلاث عالم	مسلمان کی دعا کبھی مد نہیں ہوتی، بلکہ تین صورتوں میں
یدع با ضحاو قطیعة روحہ اما ان یجعل	سے کوئی صورت پیدا کرتی ہے، بشرطیکہ اس نے کسی گناہ یا قطع
لہ فی الدنیا واما ان یدخلہ فی الآخرة واما	رحم کی دعا نہ کی ہو یا تو دنیا ہی میں اس کی حاجت پوری ہو
ان یصرف عنہ من السوء لبقی ما د۔ ا۔	جاتی ہے یا اس کی وہ دعا اس کے لئے آخرت کا ذخیرہ بن جاتی
	ہے، یا جس قدر اس نے دعا کی ہے اسی قدر اس سے کسی تکلیف
	کو دور کر دیا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس سال کا پورا پورا جواب ہے اس لئے کہ الشقاق فی ہی تو فرمایا ہے کہ میں تمہاری دعا قبول کر دوں گا یہ تو نہیں فرمایا کہ دعا قبول کر دوں گا۔ لہذا اگر اس کی دعا کی بدولت دنیا کے بھلے سے آخرت میں فائدہ ہوئے تب بھی یہ وعدہ بالکل پورا ہے۔

(۳) تیسرے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم میں مسلمان کی دعا کے قبول ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے اور مسلمان اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں، وہ جانتا ہے کہ میرے سامنے صرف اپنی فرست اور مصلحت ہے اور ہدایتی تعالیٰ ہر پوری کائنات کا خالق و مالک ہے اس کے سامنے اس عالم کے ہر فرد سے کی مصلحتیں ہیں، عین ممکن ہے کہ جس چیز کو میں مفید اور بہتر سمجھتا ہوں وہ میرے لئے مفید ہی نہیں ہو سکتا ہے تو مفید ہو مگر پوری کائنات کی اجتماعی مصلحتوں کے خلاف ہو لہذا اگر دعا کرنا مسلمان ہے اور ان حقائق پر ایمان رکھتا ہے تو اس کی دعا اور درخواست کا مطلب یہ ہوگا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس درخواست کو ہر حال میں قبول کیا جائے خواہ وہ متحمل ہو یا نہ ہو اس لئے درحقیقت ہر مسلمان کی دعا کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اگر میری یہ درخواست آپ کی رضا و قضا و شکر کے مطابق ہے تو اسے قبول کر لیجئے اگر میرے شخص یہ الفاظ استعمال نہیں کرتا اگرچہ میں نے کہہ کر قبول کر لیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس کو کسی بھی بات پر ہرگز اوجھڑا نہیں ہوگا اور اس کی دعا کو اس کی مصلحت پر مبنی شرط کیا اتنے مشروط کر دیا تو اب اگر اس کی درخواست نامتقول و خلاف مصلحت ہو چکی بنا پسند کر دی جائے تو یہ

سے اہم لائق تر شاہی ہے، اس لئے ان کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول ہونا ہی چاہیے، حنفیہ کے نزدیک بھی جب واقعہ ایک ہی ہو تو مطلق مقید پر محمول ہونا ہے، اس لئے یہ جواب حنفی اصول فقہ کی روش سے بھی درست ہے۔

تقی

حضرت اورنگ زیب عالمگیر کی رواداری

شہنشاہ ابراہیم علی محمد اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں پچاس سال تک حکمرانی کی اور اسن ملتان اور عدلیہ انصاف کی مثال قائم کر دی۔ اس کے خلاف جتنی سازشیں اور بغاوتیں اٹھیں، اس نے اپنی جنگی قابلیت سے ختم کر دیں۔

اورنگ زیب کا دور حکومت آدمی اور غرض حالی کے اعتبار سے بھی اکبر اور شاہ جہان کے دور حکومت سے بہتر تھا۔ عالمگیر کے دور حکومت میں ساتھ کوٹھ روپے سالانہ مالیہ وصول ہوتا تھا اور صنعت اور تجارت نے بھی بڑی ترقی کی تھی۔ بقول الکفریہ "میں اس کے زمانہ میں ہندوستان کی تبادت کا مقابلہ یورپ کے چڑھے بڑے ممالک بھی نہیں کر سکتے تھے، یہاں کا ایک تاجروں کا لاکھ بیس بیس ہزار غیر ممالک کو بیچ دیتا تھا۔ ہر ہزار میں دس ہزار پونڈ سے لے کر پچیس ہزار پونڈ تک کی مالیت کا سامان ہوتا تھا۔ ہزاروں پونڈ سالانہ پھلیاں دلا باہر سے یورپ سلطان کی جاتی تھیں اور سینکڑوں ہزار ہندوستان کے مال کی برآمد کے لئے ہندوستان کی ہندو گاؤں میں مال سے لیسے ہوئے کھڑے رہتے تھے، دارالحکومت دہلی بقول ڈاکٹر ہنر اپنی عظمت و شان میں دوسرے زمین کے طلا خلافتوں کے عہد عالمگیری میں گرتے مسقت لے گیا تھا۔

ہندوستان کا مشہور مورخ سر جہد ناتھ سرکار اپنی کتاب "تاریخ اورنگ زیب" میں لکھتا ہے :-

"اورنگ زیب کی تاریخ محض ہندوستان کی ساٹھ سالہ تاریخ ہے۔ خواس کا دور حکومت (۱۶۵۷ء-۱۷۰۷ء) سترھویں صدی کے نصف آخری پر حاوی ہے اور ہمارے ملک کا اہم ترین تاریخی زمانہ ہے یہ اسی بادشاہ کا دور۔ مسعود تھا جب کہ حکومت مغلیہ اپنے انتہائی دور عروج کو پہنچی اور اسات اسے جدید تاریخ سے برطانیہ حکومت کے قیام تک کے زمانہ میں شاید واحد حکومت سمجھی۔ جس نے اپنی وسعت حاصل کی۔

"غزنی سے لے کر چانگام اور کشمیر سے لے کر کنہنگ تک تمام ملک ایک ہی فرماں روا کے زیر نگیں تھا اور لاؤک دلا باہر کے دور و دراز مقامات پر بھی اسی بادشاہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اسلام کی آخوری سب سے بڑی ترقی کا پہلی لہر تھا۔

"اسی طرح جو حکومت قائم ہوئی تھی، ایک سیاسی وحدت تھی۔ اس کے خلاف فطاعت پر سخت حکمرانوں کا تسلط نہ تھا، بلکہ بلا واسطہ بادشاہ کے ماتحت تھے اور اس حیثیت سے اورنگ زیب کی ہندوستانی حکومت اشوک چند گپت یا ہرشوردھن کی حکومت سے کہیں بڑھی۔ اس وقت تک کسی صوبہ کے گورنر نے سر نہ اٹھایا تھا۔ اگرچہ کہیں کہیں بغاوت بلند ہوتا تھا، لیکن اس صورت میں بھی کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جو شہنشاہ دہلی کے حکم سے سر نہ اٹھا کر دیکھتا۔"

مسلم شاہان ہند میں اورنگ زیب عالمگیر کو جیسی طرح بدنام کیا گیا ہے اس طرح طرح کے جھوٹے الزامات عائد کئے گئے ہیں۔ اورنگ زیب کو مسلمان بادشاہ تو ضرور تھا لیکن اس نے کبھی کسی ہندو کو باجبر مسلمان نہیں بنایا اور نہ اس کی حالت میں کسی ہندو کو اس کے خلاف اس قدر برسرِ شاہی کی گئی ہے کہ وہ ظلم و استبداد کا پتلا معلوم ہوتا ہے۔ اورنگ زیب کی جج پوزیشن مشہور ہندو مورخ ایشوری پرشاد کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ مودھ موصوف اپنی مشہور کتاب ”تاریخ ہند“ میں لکھتے ہیں،

”ہر تاریکی کی شان ہے کہ اورنگ زیب جتنا اپنی رعایا کا غیر خواہ تھا اتنا ہی قدرت نے اسے بدنام کیا، کوئی اسے ظالم کہتا ہے، کوئی اسے ظالم کہتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ ”عالمگیر“ کے لقب کا مستحق ہے۔

”اس کے محاصرہ ہندو علاقے لگادوں کا بیان ہے کہ اورنگ زیب ایک نیک انسان تھا اس کا یہ معمول تھا کہ جس عادی سے پہلے خواب شیریں سے بیدار ہوتا، غسل کرتا، پھر اپنے مالک کی عبادت کرتا۔ اس کے بعد ناشترے سے فارغ ہو کر حکمران کا گاہ میں ہانا، چہل قدمی اور خاص حاضری دے، دیوار کے قیام وادوں کو ایک ایک کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر کرتے ان میں سے زیادہ تعداد ان کی ہوتی جو دوسرے مقامات سے آئے ہوتے ہوتے وہ خود ان کی درخواستیں پڑھتا، انسانی حکم صادر کرتا۔ اس کے حضور میں کبھی سفارش کا بیاب نہیں ہوتی تھی۔ وہ غریبوں کی فریاد بھی اسی طرح سنتا تھا جس طرح امیروں کی درخواستیں۔ اکثر معاملات کی وہ خود تحقیقات کرتا تھا اور غریبوں کو سناٹیں دیتا تھا۔ اس کے دیوار میں کوئی لوگ ٹوک نہیں تھی، جو چاہتا حاضری ہو سکتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ عالمگیر ایک انصاف پسند لگادوں و عدل کے معاملہ میں رک سخت مزاج حکمران تھا اس کا طرز عمل سب کے ساتھ ایک طرح کا تھا، اس کے چلنا ایک ہندو مودھ لکھتا ہے۔

”اورنگ زیب ایک سخت مزاج آدمی تھا، لیکن اس کا تہذیبی و تمدنی حریف ہندوؤں کے لئے مخصوص نہیں تھا اس نے اگر ہندوؤں کے ساتھ کبھی بھی کڑی کرسیا کی وجہ کی بنا پر اس معاملہ میں وہ مسلم فوج پر بھی سختی کرتا تھا۔ سیاسی معاملات سے قطع نظر وہ ہندوؤں کے ساتھ انصاف کرتا تھا، اس کے بعد میں ہندوستانی طاقتوں میں شامل ہوئے۔ اس نے ہندوؤں کو فارسی زبان کی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی اور حکمرانوں میں ان کو داخل کیا۔ اسی کے زمانہ میں ہندوؤں کی کتابوں کے فارسی میں ترجمے ہوئے۔ علاوہ انہیں کاسی پریاگ اور دوسرے ہندوؤں کیلئے اس نے ہاگیا دی ہیں اور ہندو پیشرو اول کے ساتھ جو رعایتیں کی ہیں، ان سے اس کی انصاف پسندی ظاہر ہوتی ہے“ (تاریخ ہند ۳۵۵)

ہندو سرگھوسل کے قول کے مطابق عدل اورنگ زیب اپنے نزدیک سے بدقت لے گیا اور شہنشاہِ عالمگیر نے مودھ اسٹیلی لین پول دھن نے اورنگ زیب کی حمایت کے رنگ میں اسے بدنام کرنے کی کوشش کی ہے) کے بیان کے مطابق پچاس برس کی مدت و دوازیں ایک بھی ظلم اس کا ثابت نہیں ہوا، اورنگ کو تسلیم ہے کہ کوئی قس یا جبرستانی تکلیف رسائی پیش نہیں آئی۔

لیکن پول عالمگیر کے عدل و انصاف کے بارے میں لکھتا ہے،

”مسل اعظم کا عدل دینا بے اعظم ہے، چچے تلے انصاف سے وہ عوام تجریز کرتا ہے کیونکہ شہنشاہ کے حضور میں سفارت، امارت اور منصب کی کچھ نہیں ملتی، بلکہ اونٹنی سے اونٹنی آدمی کی اورنگ زیب اس مسئلہ سے بات سنتا ہے جس طرح بڑے بڑے امیر کی۔ سیاحوں کی خالفا نہ نکتہ چینی اورنگ زیب کی چال چلن پر اس کا نہانہ تنقید ہے جب تک کہ وہ شہزادہ تھا، لیکن وہ سیاح جس وقت اس کے نہانہ شہنشاہ ہی کا حال لکھتے ہیں تو سوائے کلمات تحقیر کا کچھ نہیں کہتے۔

ڈاکٹر جلی کریری جس نے ۶۸ برس کی عمر میں اندنگ زیب کو دیکھا تھا، بیان کرتا ہے:

”وہ صرف مسلسل کی پوشاک پہنے ہوئے تھے۔ پیری کے سہارے میروں کے بھرٹ میں کھڑا ہوا تھا وہ داد خواہوں کی عرضیاں لیتا جلتا تھا۔ ادبلا عینک پڑھ کر اپنے ہاتھ سے دستخط کر جاتا تھا اور اس کے ہر شاخص بٹش چہرے سے صاف مترشح تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شادمان و فرحان ہے؟“ (تاریخ افسانہ ص ۶۷)

اندنگ زیب کا بہنری کو تو ان تھا۔ اس کے بیٹے نے ایک ہندو دہن کا ڈھلا بابت جانے ہوئے اپنے آدمیوں سے اٹھرا منگایا۔ خنیر پور نرسوں نے بادشاہ کو اس کی اطلاع دی تو اس نے فوراً اپنے بیٹے کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا۔ اندنگ زیب کو جس بجائی کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو اس نے طے سے انکار کر دیا۔ بہن نے عرضی بھیجی کہ ”آپ میرے بھائی ہیں، آپ نے میرا کوئی خیال نہیں کیا، اور آپ نے اپنے بھانجے کو قید میں ڈال دیا میں اپنے لڑکے کی جہاڑی برداشت نہیں کر سکتی گی، اندنگ زیب نے اپنی بہن کی گریہ لڑائی اور منت والہا کو کوئی خیال نہیں کیا اور عرضی پر اپنے قسم سے لکھا۔

”اگر مجرم کی ماں اپنے بیٹے کی جہاڑی برداشت نہیں کر سکتی تو اسے بھی بیٹے کے پاس قید خانے میں بھیج دیا جائے؟“

۱۹۵۸ء میں شہنشاہ اندنگ زیب نے یہ فرمان جاری کیا کہ ہر ضلع میں سرکاری دیکھیں مقرر کیا جائے کہ جس کسی کو بادشاہ پر کوئی دعویٰ پیش کرنا ہو تو سرکاری دیکھیں اس کی جواب دہی کہے گا اور اس کا کافی ثبوت ہو تو سرکاری دیکھیں سے مطالبہ وصول کرے، چنانچہ دیکھیں شرع مقرر کئے گئے جو عوام کی طرف سے قانون کے مطابق بادشاہ کی نا انصافیوں کا تدارک کرتے تھے۔

ایک غیر مسلم تاق اسلام قبول کر کے موت سے بچنا چاہتا تھا، مگر اندنگ زیب نے اسلامی جہاد کی شدت کے باوجود قاضی کے فیصلہ کو نیا ہی مقبول دیا اندنگ زیب عالم گیر کے ایک دیندار مسلمان بادشاہ ہونے کے باوجود اس کے جہاد کی ایسی مثال پیش نہیں کی جاسکتی کہ اس نے کسی ہندو کو زبردستی مسلمان بنایا ہو، یا مذہبی معاملات میں کسی پرکھتی کی ہو۔

الگز نڈر واؤد اپنی کتاب ”تاریخ ہند میں لکھتا ہے۔

”اندنگ زیب نے ترقی دین کے جوش میں نرسوں کے ساتھ قاضی کی لیکن اس نے غیر مذہب کے لوگوں پر مذہبی معاشات میں سختیاں نہیں کیں۔“

سرخ افسانہ کا بیان ہے۔

”اندنگ زیب کے ہمدے دور حکومت پر نظر ڈالنے کے بعد یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس نے کبھی کسی ایک ہندو کو بھی محض اختلاف مذہب کی بنا پر قید کیا ہو یا اس کی جائداد پر ٹیکس لگایا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنی ساری زندگی میں کسی فرد سے بھی کبھی اس کے آباؤ اجداد کے بارے میں باز پرس نہیں کی، بلکہ ہر شخص اپنے مذہب کے معاملہ میں آزاد تھا۔

پروفیسر آرنلڈ اپنی کتاب ”پری پرگ آف اسلام“ میں اندنگ زیب کی محنت عملی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”اندنگ زیب کے جہاد کی کتب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس نے کبھی کسی غیر مسلم کو باوجود مسلمان نہیں کیا بلکہ اس نے غیر مسلموں کی ولادت کی انتہائی کوشش کی ہے تاکہ اس کے مذہبی جوش کی بنیاد کوئی غلط فہمی غیر مسلموں میں اس کے بارے میں نہ پیدا ہو سکے۔“

پسندت کب لاتے نامی ایک بہمن اورنگ زیب کا معتد خاص تھا۔

اورنگ زیب کو اپنے بندہ سپہ سالار اور جے سنگھ پر اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ اعزاز دیتا تھا۔ سواکی کے مقابلے کے لئے اورنگ زیب نے جو فوج بھیجی تھی اس کا سپہ سالار اسی کو بنایا تھا۔

راجہ جے سنگھ نے وفات پائی تو اورنگ زیب نے اس کے فرزند کنہی رام سنگھ کو جوان دہلی معزوب تھا، قصہ معاف فرما کر راجہ کا خطاب عطا فرمایا اور اس پر بے حد نرازش فرمائی۔

جے سنگھ کے بیٹے مان سنگھ، ہما سنگھ، الپ سنگھ اپنے باپ کی وفات کے بعد آستانہ شاہی پر حاضر ہوئے تو مرزا شاہ کو خلعت مرحمت ہوا۔

(ماثر عالمگیری)

کابل میں گجر مرہٹوں کی آبادی تھی، مگر اورنگ زیب نے وہاں ایک ہندو گورنر مقرر کیا اس کا نام جسونت سنگھ تھا۔ کوئی جسونت سنگھ؟ وہ جس نے دانا شکوہ کی حمایت میں اورنگ زیب کا مقابلہ کیا تھا جو وہ ہزارہا جسوت لے کر شجاع کے مقابلے کے لئے گیا لیکن عین لڑائی کی شب میں اپنی ساری فوج کے ساتھ شاہی خزانہ پر حملہ کرتے ہوئے شجاع سے جا ملا اور جس نے سیراجی کے مقابلے میں اورنگ زیب کے ساتھ فساد کی۔ راجہ جسونت سنگھ باریا د اورنگ زیب بدعہدی اور خداری کرتا لیکن اورنگ زیب ہارے معاف کر دیتا، اور اس کے بعد سے ہر وقت کہہ دیتا۔

اورنگ زیب کی اس فراخ دلی اور سخاوت پر کوئی انصاف پسند ہوگا جو مر جانے کہے؟

ہما راجہ اور دے پور نے دوسرے راجاؤں کے ساتھ مل کر اورنگ زیب کے خلاف بغاوت کی، لیکن شکست کھانے کے بعد اورنگ زیب نے معافی مانگی تو اورنگ زیب نے اُسے گلے لگا لیا۔ ۱۶۸۲ء میں ہما مانہ دیار شاہی میں حاضر ہوا تو اورنگ زیب نے اُسے بیش بہا خلعت، خطاب اور پنج ہزاری منی منصب عطا کیا۔

۱۶۸۳ء میں اودے پور کے ہزارہ اندر سنگھ کو دو ہزاری اور ہما سنگھ کو ایک ہزاری واپس دی کا منصب عطا کیا۔

سرتھان قلعہ ستارہ کا نگہبان تھا۔ قلعہ ستارہ کی فتح کے بعد ہزارہ محمد اعظم نے اس کے ماتہ اور گرن بانہہ کر اورنگ زیب کی خدمت میں پیش کیا تو حکم ہوا کہ اس کے بند کھول دئے جائیں۔ سرتھان کو منصب پنج ہزاری، دو ہزار سوار اور خلعت و کمر اسپ ذیل، علم و طرغ و نقارہ اور بیس ہزار نقد عطا فرمایا کہ سرتھان نے کمال حقیقت اپنی زبان سے عرض کی۔

بیاہن بخت بخندید ازیر ترا نہ شکر

(ماثر عالمگیری)

کر نقش سجدہ ام آفر کوئے شاہ نشست

ان آباد بادشاہوں کی حیرت انگیز اعتماد کا دینا ہمیشہ تعجب اور حیرت سے شاہد کرتی رہی، سخت سے سخت دشمن گرفتار کر کے لایا گیا، جس پر قابو پانے کے لئے کر دئے دیں روپے اور لاکھوں جانیں ضائع کی جا چکی تھیں، لیکن جب وہ مغلوب ہو کر سامنے آیا تو فوج کا ستانہ نصیب یہ ہوتا تھا۔

در غفلت سے ست کہ دستقام نیست

اگر وہ دوبارہ بغاوت کرتا اور پھر شاہی لشکر تباہ سے مغلوب ہو کر غلامت کا اظہار کرتا تو نطفہ میں نہایت کمالت سے کہہ دیا جاتا۔

اب سنگھ ماحدنگہ نامیدی نیست

جیسا کہ جب شیرا جی نے دوسری مرتبہ عالمگیر کے سامنے غلامت کا اظہار کیا تو عالمگیر نے ہی جواب دیا تھا۔

(علامہ ہند کا شاعر ماضی)

پہلے ہی تھانہ دار پہلے پانچ گاؤں سیراجی کا چاچا نارنجائی، دوہڑا سیدھی، دہا نند سوار کا امیر تھا، پانصدی اضافہ سے ہم چٹنوں میں سر بلند کیا۔ (دائرہ عالمگیری)

۱۷۷۷ء میں عالمگیر نے شاہ نادر معظم شاہ کو راجہ جرنل شاہ کے ہمراہ وکن کی صوبہ داری پر امرد کی توسیع اور آج نے جسوت سنگھ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں اپنے بیٹے سنبھا کو بھیجتا ہوں اس کو روج میں کوئی عہدہ عنایت کیا جائے۔

جرنل سنگھ نے یہ درخواست منظور کی۔ سیراجی نے سنبھا کو ایک ہزار روپے کے ساتھ شاہ نادر معظم کی خدمت میں بھیجا۔

بادشاہ نے سنبھا جی پہلے پنج ہزاری منصب پر دبار عالمگیری میں فائز تھا اور پھر باپ کے بعد خود بھی فرار ہو کر باپ کی شورش و کشتی میں شریک ہو گیا تھا مگر شاہان معظم و کرم کا نظریہ یہ تھا کہ

سے اس درگمہ مارگمہ تو میدی نیست

پنا پڑ سنبھا جی کو پنج ہزاری منصب دیا جاتی کا خطاب اس صوبہ بلند بلوچہ جاگیر عطا ہوا۔

سیراجی کے انتقال کے بعد سنبھا جی اس کا جانشین ہوا لیکن وہ اپنی آزمائی اور تباہ کاریوں کے باعث اپنی قوم کو خوش نہیں رکھ سکا علاوہ ازیں اس کے استقلال حاصل کرنے میں ہریان پور پر دغنا حملہ کر کے نہایت مفاہکی اور سیدھی سے لڑا اور آگ لگا دی عالمگیر نے مسئلہ میں مقرب خاں کو سنبھا کی سرکوبی پر مامور کیا، جس نے سنبھا جی کو پنج اہل دیال گرفتار کر لیا۔ جب وہ پایہ زنجیر عالمگیر کے دربار میں حاضر کیا گیا تو اس نے ملائمت کے بجائے عالمگیر کو رو دے دو گالیاں دیں۔ اس صورت میں عفو اور درگند سے کام لینا اور سلطنت کو بر باد کر دینا تھا۔ جبکہ عالمگیر کو وہ معاملہ کرنا پڑا تو اس نے اپنے پاس سالہ دہر حکومت میں کبھی بھی کسی کے ساتھ کیا تھا یعنی زبان اور انکھیں لٹکوا کر اس کو قتل کر دیا یا لیکن پھر فوراً لطف و کرم کے فطری جذبہ نے عالمگیر کو مغلوب کیا اور اس غلبہ میں اس نے وہ کیا جو حزم و احتیاط کے تھا مخالف تھا۔ دہا نند کا شاہ نادر اضی (یعنی سنبھا کی ماں) اورنگ زیب کے سب سے بڑے دشمن کی بیوی، اور دوسرے متعلقین کے متعلق حکم صادر ہوا کہ ان کے لئے ضرورت کے لحاظ سے جیسے لگا کر ان اسیروں کو عزت و احترام کے ساتھ اتار جائے۔ عمدۃ الملک کے ڈیرے کے قریب رانی کے بازار کا ڈیرا بھی نصب کیا گیا تاکہ اس مکان میں اس کے خاتم اور تباہی و ترقیم ہوں اور اس فائز کے بعد ہر ایک کے لئے حسب ضرورت سالانہ مقصد کیا گیا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ساموچی سنبھا کا نو سالہ فرزند اکبر، مفت ہزاری، مفت ہزار سوار کا منصب خطاب راجگی و خلعت و جواہر و صیغہ داری واسطے نہیں دیا اور وہ علم حاصل کر کے مستند جاگن کے زمرے میں داخل ہوا۔

مان سنگھ اور آدھ سنگھ ساموچی کے چھوٹے بھائی، حسب لیاقت منصب و عطیات سے بہرہ مند ہوئے اور ان کے لئے حکم ہوا کہ اپنی مال اور عادی کے پاس رہیں۔

ان میں سے ہر ایک کے علاقہ کے لئے ہوتا ہی عمال و کار پیمانہ قرار ہوئے تاکہ ان کے امیر خانگی انجام دیتے رہیں۔

(دہا نند کا شاہ نادر اضی اور دائرہ عالمگیری)

اورنگ زیب عالمگیر کا سرک ساموچی کے ساتھ ہمیشہ مرہبان رہا۔ اورنگ زیب نے اس کی شادی ۱۷۷۷ء میں ہوا اور جی مرہ کی لڑکی سے کر دی۔

سات سال کی عمر میں سیراجی کا پوتا اورنگ زیب عالمگیر کی زندگی میں رہتا تھا۔ اس کی شادی بھی لگاتار ہوئی، لیکن کبھی مسلمان ہونے کیلئے

نہیں کہتا ہے۔ یہ تھا ہندوؤں کے بہت بڑے دشمن کا بلند کردار! کیا تاریخ عالم ایسی عالی و صلی اور نیا ضی کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

ہمارا راجہ جسوت سنگھ نے دارا شکوہ کی حمایت میں اورنگ زیب کا سخت مقابلہ کرتا ہے۔ دارا کو شکست ہوتی ہے جسوت سنگھ نہایت کا اظہار

جگت سنگھ ہاڈا، راجہ کرن سنگھ، راجہ سرپ سنگھ، راجہ سجدہ کرن سنگھ، وغیرہ سیکڑوں کی تعداد میں تھے۔

(دعا خاندین دنیا جولا کی ۱۹۶۳ء)

”اوجھڑ سنگھ کے ایک عالمگیری فرمان میں پالٹیانہ (جس کو شترنجنی بھی کہتے ہیں) کے مندر گاؤں اور پہاڑی پراچھا پادکے شاخ و واس جوہری کے قبضے کی تصدیق کی گئی ہے۔ اور جوگاڑھ کے مندر گراس کی پہاڑیوں اور سروہی کے آج بھی اسی پر دہت کو عطا کر دئے گئے ہیں۔ گویا (آسام میں اوجھڑ کے مقام پر شیروہی کا مندر ہے جس کے دلائی (یعنی گدی نشین) کے نام عطاے اراضی کی ایک سند بھی اوجھڑ کی عطا کی ہوئی ہے۔ ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۰ء میں بھگرت اور دام جیون گاس کے مقبرہ ضیافت و دفن کی تصدیق کی گئی اور آپس پر قسم کی مداخلت سے محفوظ قرار دیا گیا ہے۔ یہ فرمان بھی عالمگیری کے ہیں۔“

(آرکائیو آف دی نیشنل ایسٹرن باب جہارم بحوالہ ثقافت اسلام ص ۲۸)

ڈاکٹر راجہ پند پشاؤ تحسیر فرماتے ہیں :-

”اوجھڑ نیب سے بہت سے قابل ہندوؤں کی سفارش شاہ جہاں اور اس کے وزراء سے ملازمت کیلئے کی مثال کے طور پر یہ واقعہ ملاحظہ ہو کہ جب ایک پیر میں دیوانی کی جگہ خالی ہوئی، اوجھڑ نیب نے ایک باجھرت افسرانے کرنل کی پروردہ سفارش کی، لیکن کسی دہم سے شاہ جہاں نے وہ سفارش قبول نہ کی۔ اوجھڑ نیب نے دوبارہ لکھا کہ اس سے بہتر آدمی نہیں مل سکتا ہے (واقعات عالمگیری جلد اول ص ۱۱۱) اسی قسم کی بہت سی مثالیں عالمگیری اسکا داب عالمگیری میں موجود ہیں (ہندوستان کا مستقبل)

(اٹھنا ڈیٹا بیڈڈ مطبوعہ ۱۹۵۹ء ص ۲۸)

بنگلہ کا ایک اہل قسم باب پشلا چند رائے لکھتا ہے کہ :-

”شہنشاہ اوجھڑ نیب کے عہد میں بھی سلطنت کے اندر بڑی بڑی ذمہ داری کے عہدے ہندوؤں کو ملے ہوئے تھے۔ بنگال میں مرشد قلی خان اوجھڑ نیب کا دائرے تھا۔ چانچہ مرشد قلی خان کے ماتحت مسک دیوانی کے تمام بڑے بڑے عہدے صرف ہندوؤں ہی کے ماتحتوں میں تھے۔ ہندوؤں کا ان پر کامل قبضہ تھا۔ بڑے بڑے فوجی عہدے بھی ہندوؤں کو ملے ہوئے تھے۔ اگر مغل شہنشاہ کے دل و دماغ میں ہندوؤں کے خلاف نفرت ہوتی تو وہ اپنے دائرے کو اس سے روک دیتا بلکہ ایسا کرنے پر اس سے جواب طلب کر لیتا لیکن کبھی ایسا نہیں کیا“

(دین دنیا دلی)

عالمگیری کے عہد کا ہندو مورخ منشی حسان رائے ”خلاصۃ التواریخ“ میں لکھتا ہے کہ :-

”دیسپال برکلاؤز کے پاس واقع ہے شاہ شمس دین دیوانی کا مزار ہے، ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو ان سے عقیدت تھی، لیکن ایک ہندو کی عقیدت ان سے اتنی تھی کہ ان کی وفات کے بعد ہی ہندو کو مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر ان کے مزار کا ستون بنایا۔ چند سال کے بعد کچھ مسلمانوں نے خورشید کے مذہبی بہانے سے ہندو کو تڑپتے ہوئے عروم کر دیا چاہا لیکن عالمگیری حکومت نے اس خورشید کو کامیاب نہ ہونے دیا اور جب یہ کتاب ”خلاصۃ التواریخ“ لکھی جا رہی ہے، عالمگیری حکومت کا تیسرا سال ہے لیکن اس مزار کی تڑپت بدست ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔“

اورنگ زیب کے عہد حکومت میں، چودھری پور، اودھ کے ایک کوچ بہار وغیرہ کی ہندوستانی تھیں۔ اورنگ زیب نے کبھی انہیں اپنی حکومت میں شامل کرنے کا خیال بھی نہیں کیا، حالانکہ بیجا کوہا اور گولکٹھ مسلمان حکومتیں تھیں، مگر انہیں جب تک اورنگ زیب اپنی حکومت میں شامل نہیں کر لیا، وہ نہیں لیا۔

دکن میں جہاں اورنگ زیب نے قبضہ کیا، ہزاروں مسلمان تھے، اور اسے ایک سینکڑوں بت تھے، اس نے کسی بت کو نہیں توڑا۔ یہ مسلمان اور بت آج تک موجود ہیں، خواہ اورنگ زیب کی قبر بھی اسی قرب و جوار میں ہے۔

اس کے علاوہ ہندوستان میں بے شمار بت تھے۔ اگر واقعی اورنگ زیب عالمگیر نے دکن کا دشمن ہوتا تو ان مسلمانوں کو ایک ایک کر کے مسمار کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ ہاں وہ مسلمانوں کو مسمار کئے گئے جہاں اس کے خلاف سازشیں کی جاتی تھیں۔

ڈاکٹر پریم ناتھ سرن نے ہسٹری کا نگلر کے اجلاس پٹنہ دربارہ منعقدہ دسمبر ۱۹۳۷ء میں جو خط لکھا تھا، اس میں کہا تھا:۔

”بعض اہل قسم کی طرف سے چند حقیقتیں ابھی روشنی میں لائی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ چنداہم اکر جیسے بنارس کے مندر تھے، ہندوؤں کی طرف سے مہماندہ سازشوں کے اڈوں کے طور پر استعمال کئے جاتے تھے، جن کے خلاف شہنشاہ نے اشتعال میں عملی اقدام کیا اور اس کو اب اس کے تعصب کی شہادت میں پیش کیا جاتا ہے۔“

ایسا شائیں موجود ہیں کہ ”بت شکن“ اورنگ زیب عالمگیر نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو جاگیریں عطا کیں اور ہندوؤں کے مال (الہا باد) کے بیان کے مطابق آج تک متعدد مسلمانوں کے چار دیواریں کے پاس اورنگ زیب کے دستخطی فرمان موجود ہیں جن میں خیرات اور جاگیروں کے عطا کئے جانے کا ذکر ہے۔

شری بالو نرائ، سابق منیجر ریاست رام نگر دھڑی، ضلع ہاوندلی (بھارت)، نے شہنشاہ اورنگ زیب کی بے تعصبی کے متعلق عرصہ ہوا ایک معنوں شائع کیا تھا۔ جس میں لکھتے ہیں کہ ”سلطان محمد الدین اورنگ زیب عالمگیر غازی بادشاہ کو عام طور پر مستعجب کا خطاب دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کے عبادت گاہوں کو تباہ نہیں کیا اور طرح طرح سے ہندوؤں کو لکھن پور پائی، مگر یہ امر غلط ہے کیونکہ انہیں کس حد تک سچ اور درست ہیں اور کس حد تک تاریخی آمیزش ہے، جس کا مجموعہ بعض قیاسات یا باتوں کی افواہوں پر پایا جاتا ہے۔ میری سمجھ میں ہندو مسلمان کی تباہی یا بربادی نہ کسی تعصب پر نہیں بلکہ اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا بھی تو وہ بالکل معاصر اور اس وقت کے واقعات سے تعلق ہیں۔ بادشاہ محمد روح الشانی کے غیر متعصب ہونے یا غور و خوض نہ ہونے کے جوہر حریف ہیں۔“

۱) ضلع سیتاپور مہر گڑھ ہندوؤں کا ایک شہر مسجد ہے۔ مہر گڑھ کے مہنت کے پاس بادشاہ عالمگیر کی عطا کی ہوئی شادی سند موجود ہے جس کے ذریعہ بہت سے مواضعات ہندو مسلمانوں کو مصارف خیرہ کی لئے عطا کئے گئے تھے، انہاں بعد مواضعات اب تک ہندو مسلمانوں کے قبضہ میں موجود ہیں۔

۲) مواضعات مسلمانوں کے حاکم پر ایک مقام بلا جہاد ہے یہاں بلدیہ کی کا مندر ہے اور اس مندر کے مصارف کے لئے بادشاہ اورنگ زیب نے بہت سے مواضعات عطا کئے، جو اب تک مندر کے قبضہ میں ہیں۔

۳) دیوانہ جونا آلا کا قلعہ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں تعمیر ہوا تھا۔ اس قلعہ کے اندر ہندوؤں کی ایک عبادت گاہ ایک کوچ تہ خانہ کے اندر اب تک موجود ہے، ایک بگڑ کا درخت ہے اور ہزاروں کی تعداد میں ہندوؤں کی مرقبات ہیں۔ ہندو پنڈت اور پجاری اس کے اندر اپنے عقائد اور پوجا کے مراسم ادا کرتے ہیں۔

چودھری چوگراں سابق وزیر حکومت متحدہ پنجاب تحسین فرماتے ہیں۔

”اندنگ زیب کا دخلی نسب مان جاگیر دار اور دھبیا کے متعلق ایک نہایت شہر مند کے پچا ریلوں کے پاس ایک نیک دیکھا جاسکتا ہے اندنگ زیب کا فرمان جس کی رو سے اس نے بنارس کے مندوں کے پچا ریلوں کے حقوق محفوظ کئے، ناری میں ایک نیک لندن میں مذہب میں موجود ہے۔“

جناب ڈاکٹر احمد پرنشا و تحریر فرماتے ہیں :-

”اندنگ زیب نے گروہ و لد جاگ جیون ساکن موضع لہتی ضلع بنارس اور جد و مدر کن مہیش پور پر گئے جو علی کو اندر پنڈت بالی بھند مھر کو جو تینوں مہنت تھے، جاگیریں دیں۔“

”اندنگ زیب نے بصورت نقد مھر کیلئے اس کو ملتان کے ستالی کے لئے سرسویہ کا عطیہ دیا تھا، جو اس وقت تک جاری ہے (حوالہ ضلع ملتان کے بندوبست کی رپورٹ تیار کردہ حکم چنہ، اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر) (بندوبست کا مستقبل)

ترجہ پالی میں کئی ہزار سال کا ایک مند ہے اس کو ۳۳ مراعات سلاطین اسلام نے دئے تھے ان میں سات اورنگ میر بک کے عطا کردہ تھے، یہ علاقہ سلطان فیرو کے زیر حکم رہا۔ مند کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔

۱۵ جہادی اشالی ۱۱۶۹ء کو اندنگ زیب عالمگیر نے بنارس کے ناظم الاموال حسن کے نام حربی بن فرمان جاری کیا تھا :-

”شریعت غرا کے مقدس قانون کے مطابق گئے مند نہیں بنائے جاسکتے، مگر پرانے مندوں کو تو دیا بھی نہیں جاسکتا ہمارے گوش گزار یہ خبر ہوئی ہے کہ بعض علی انداہ جبر و تعدی فقہ بنارس اور اس کے آس پاس کے دوسرے مقامات کے مندوں اور بہمنوں پر جو قدیم بت خاں کے بہدہت ہیں، تشدد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بہمنوں کو ان کی پرہیزگاری سے علیحدہ کر دیں، جس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بے چارے پر لین بڑھ کر مہبت میں مبتلا ہو جائیں۔ اس لئے تم (الوالحسن) کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس فرمان کے پورے پورے ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص ہمارے علاقے کے بہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کرے اور ان کی تشویش کا باعث نہ ہوتا کہ یہ جماعت بہ دستور بن اپنی اپنی جگہ اور اپنے منصوبوں پر قائم رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ ہماری ولایت خدا داد کے حق میں مصروف و عار ہے۔ اس باب میں تاکید مزید چالو۔“

یہ فرمان ہے ہندوؤں کے رب کے بڑے دشمن کا جس پر بہت سے الزامات متروپے جاتے ہیں۔

مہش بند و مصنف جناب پنڈت سند لال الہ آبادی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

”..... ہر بادشاہ کی طرف سے بے شمار ہندو مندوں کو جاگیریں اور عطا کیا دی گئیں۔ آج تک ہندوستان میں متعدد ہندو مندوں کے پچا ریلوں کے پاس اندنگ زیب کے دخلی فرمان موجود ہیں، جن میں خیرات الہ جاگیروں کے عطا کئے جانے کا تذکرہ ہے۔“

”اسی قسم کے دو فرمان اب تک الہ آباد میں موجود ہیں، جن میں سے ایک اربل میں مصر میں شہداء تھ کے شہر مند پچا ریلوں کے پاس ہے :-
دوا خفا ناخبار استقلال دیوبند مورخہ مارچ ۱۹۳۶ء

حال ہی میں ایک تازہ انگشت اس سلسلہ میں ہمارے یہ انگشت فقیر کے ایک کانگریسی لیڈر شری دیا شنکر مہرا ”سورابھ“ سابق صدر کانگریس کمیٹی کے ایڈمرالس سے ہمارے جو لکھنؤ کے ہندی روزنامہ ”سوتتر بھارت“ کی ایک شاعت میں شائع ہوا ہے، مہرا کی اس رسالہ کا پورا ترجمہ درج ذیل ہے :-

مغل شہنشاہ: اورنگ زیب کے پاس میں اس موقع پر ضروری تحقیق کے نتیجہ میں ایک نیا واقعہ مدعی میں آیا ہے۔
فتح پور ضلع کی تھیں فتح پور کے جو کواں کے قریب ایک گاؤں کے پنڈت کا شی پشاد کے برہمنوں کو مغل شہنشاہ
اورنگ زیب نے چاس بیگمہ زمین کھیتی کے لئے اپنے شاہی فرمان کے ذریعہ اس غرض سے دی تھی کہ وہ اس سے گز
بسر کریں اور خدا کی عبادت اور دیانت اپنے دھرم کے مطابق کریں۔ آج بھی شہری کا شی پشاد کے پاس
اورنگ زیب کا وہ شاہی فرمان موجود ہے جو فارسی زبان میں ان کے ہندوگوں کو ملا تھا اور جس کے ذریعہ چاس
بیگمہ رقبہ کی زمین مفت دی گئی تھی۔ اس فرمان کا عنوان ہے برائے ذکر دین خدا را۔ ”شریک دیا مہرا
نے یہاں تک واقعہ بیان کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ”یہ شاہی فرمان شہنشاہ اورنگ زیب کے
بارہویں اب تک کی تاریخ اور غلط فہمیوں کا سرخ موٹہ دیتا ہے، یہ ثابت نہیں تھا بلکہ وہ ہندو دیوی دیوتاؤں
اور ان کے دھرم کا احترام کرتا تھا۔ مورخوں نے اس کے متعلق حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔“
کہا جاتا ہے کہ جوتی (الہ آباد) کے ایک قدیم سند میں پوجا پاٹ کے کاروں کے لئے اورنگ زیب نے ایک جائداد
وقف کر دی تھی۔ اورنگ زیب اپنے مذہب اسلام کا سچا پیرو تھا۔ وہ ایسا مذہب نہیں مانتا، سادگی پسند اور بلند
اخلاق و سیرت رکھنے والا تھا۔ فضول خرچ اور عیاش نہیں تھا۔“

(دفتراں سابقہ پٹنہ (بہار) صفحہ ۲۲ مارچ ۱۹۶۴ء)

گروہ ہندو مت کے جی شہنشاہ اورنگ زیب کی رعنا داری کی بڑی تعریف کی ہے جس کا ذکر دم گرنٹھ صفحہ ۳۵۵ میں ملتا ہے۔
گروہ راتے صاحب سخت مخالف ہونے کے باوجود اورنگ زیب کی بڑی عزت کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے
بیٹے گرو رام رائے کو عالمگیر کے پاس بھیجا تھا جس کی شہنشاہ نے بڑی عزت کی تھی اور جاگیر دی تھی۔

(تاریخ خالصہ صفحہ ۶۲ ۶۵)

ڈاکٹر پرماتما سرن ہسٹری کالجس کے اجلاس پٹنہ (بہار) میں اپنے خطبہ میں کہا تھا۔

”ایسے فرامین کی ایک خاص تعداد منظر عام پر لائی گئی ہے جس میں عالمگیر نے برہمنوں کو علیحدہ دئے اور ہندوؤں
پر جاگیریں وقف کی ہیں۔“

ہسٹری کالجس کے پٹنہ (بہار) کے اس اجلاس میں اورنگ زیب عالمگیر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ سند بھی نمائش میں تھی جس کی مدد سے بودھ
گیا (بہار) کے سند کو لاہور کی مالیت کی جاگیر عطا کی تھی۔ یہ سند اس مسلمان بادشاہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی جو ہندوؤں اور ہندوؤں کا دشمن سمجھا جاتا
ہے۔ اس فرمان کی اصل بودھ گیا کے ہمت کے پاس محفوظ ہے۔ اورنگ زیب کی عطا کردہ جاگیر آج بھی اسی معاہدہ کے قبضہ میں ہے۔
اورنگ زیب کے عہد حکومت کا انگریز ستیاچ کپتان ہملٹن کا بیان ہے :-

”دیانت کا مسئلہ مذہب اسلام ہے لیکن خدا میں اگر وہ ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے، ہندوؤں کی تہ
مذہبی رعنا داری پورے طور پر برتی جاتی ہے وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور اسی طرح ہمارے سامنے میں بھی اگلے زمانہ میں
منانے تھے جب کہ حکومت ہندوؤں کی تھی۔“

سمت کے حالات کے سلسلہ میں ستیاچ معروف لکھتا ہے :-

”اس شہر میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں لیکن اتفاقات اور طریق عبادت کے باعث میں ان میں کسی کوئی جھگڑا

نہیں ہوتا، ہر ایک کو پوری آنا دیا ہے کہ جس طرح چاہے اپنے طریقہ سے اپنے معبود کی پرستش کرے۔ صرف اختلاف مذہب کی بنیاد پر کسی کو تکلیف دینا اور آنا نہ پہنچانا ان لوگوں میں بالکل مغفور ہے :-

پاکسروں اور عیسائیوں کے متعلق لکھتا ہے :-

”پارسی بھی ہیں، اور وہ اپنے رسوم مذہب اور دشت کے بموجب کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو پوری اجازت ہے کہ اپنے گرجے بنائیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں :-“

جملہ شہر مشن کے متعلق لکھتا ہے :-

”ہندوؤں کے ساتھ رواداری پر اسے طور سے برقی جاتی ہے۔ وہ اپنے منہ کہتے ہیں اور شہزادوں کو اسی طرح منائیں جیسے انگریزوں میں منایا کرتے تھے، جب کہ بادشاہت قد ہندوؤں کی تھی۔ وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں، لیکن ان کی بیویوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ شہر کے عروسے کے ساتھ جاتی ہوں :-“

عسیر تغیرین فرانسسیسی سیاح جس نے ۱۵۹۹ء، ۱۶۰۰ء تک ہندوستان کی سیاحت کی اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے :-
”اکثر شہریوں میں مندر بنے ہوئے تھے، ہندو گائیوں میں جاتے ہوئے چلتے تھے، جو ان مندروں میں پوجا کے واسطے آتے تھے :-“

ان اقتباسات سے نہایت آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اورنگ زیب کے دور حکومت میں غیر مسلم رعایا نہایت آنا دیا سے اپنی مذہبی رسم ادا کرتی تھی۔

ششمہ جلس مطابق ۱۰۸۹ھ (۱۶۷۸ء) میں عالمگیر دکن کو روانہ ہوا اور آخر عمر تک انہیں اطراف میں مرتبوں سے رہتا بھرتا رہا۔ انہیں انہوں میں اس کی فوج میں راجپوت اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح مسلمان قومیں۔ چنانچہ تاریخوں میں جہاں فوجوں کا ذکر آتا ہے، راجپوتوں نام بھی خاص طور پر آتا ہے۔ مانا جے سنگھ بلیا بھیج سنگھ صلح ہونے کے بعد، اپنے باپ کے مرنے کے بعد عالمگیر کے پاس چلا گیا۔ بادشاہ نے اس کو لاکھ سالانہ کی جاگیر دی جس میں سے ایک پرگنہ بہریل میراٹھے۔ تخت باقی رہ گیا۔ بھیج سنگھ دکن میں مراٹھوں کا منصب پر فہرشی تھا جو مانا کرلی گھس کے بھائی ٹوڈہ بھیج اور اس کے بیٹے ناہر جے سنگھ والیان سیارٹ ٹوڈہ کے سوا کسی کو نہیں ملا۔ (تاریخ شاہجہان ہند)
اسٹینلی لین پولی شہر مورخ کا بیان ہے کہ اس ملک کے بعض بعض راجہ میں ہیں ہزار کا لشکر لے کر اورنگ زیب کی رفاقت میں لڑنے کو آئے تھے، اور ایسے ہزاروں کا شمار سوسے متجاوز تھا۔

دکن میں عمر آٹھ میں پاس ہزاروں آتے تھے، علاوہ انہیں اتنی ہی تعداد تھی جو سرحدوں کی جاتی رہتی تھی۔ میں ہزار پیاوہ فوج جس میں ہزاروں فوج خانہ لاچار سنبھالے رہتے اور باقی شاہی فوج کی رکھوالی اور سنتری وغیرہ کے فرائض انجام دیتی تھی۔ (سنہری حصہ سوم صفحہ ۱۱)
مہاراجہ جرنل سنگھ راجپوت والی جو دھولپور ملاؤ سنگھ ڈاکیا بن گیا یہاں تھی جو سنہ ۱۷۸۷ء میں جب رنگ زیب بغاوت کرنا چاہی تو اس نے دلی کو بلا کر اس کے بھائی پر بہت دباؤ ڈالیا کہ وہ بھی بادشاہ کے خلاف بغاوت میں اس کا ساتھ دے لیکن سنگھ نے خانہ دلی تعلقات پر حق ملک کو مقدم سمجھا اور مصافحہ انکار کر کے کہہ دیا کہ میں بادشاہ کا نمک حلال جاں نثار ہوں نمک حلالی کا داغ لے کر دینے پر جانا چاہتا۔ (ادھر اے ہندو صلا)
ڈاکٹر ناگ چند صاحب نے تحریر فرماتے ہیں :-

”بعض لوگوں کے نزدیک اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی اس کی ناکامیابی کا سبب ہوئی۔ بالعموم یہ خیال غلط ہے۔

ہندوؤں کی بنا و تہیں ناکام رہیں اور ان کا کوئی مذہب یا سیاسی مقصد تھا اورنگ زیب نے انہیں ہندوؤں ہی کی مدد سے فرو کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرہٹوں کے خلاف جنگ منلیہ سلطنت کے لئے ایک بہتر پڑھنا تھا۔ لیکن ان کی بنا و تہ نہ ملتی تھی اور مذہب، بلکہ فقط ایک قبیلے کی بغاوت تھی۔ ناجائز ہندوؤں کے اپنے رشتہ دار اورنگ زیب کی خاطر سربا جی اور اس کے جانشینوں کے خلاف لڑے اور پھر مرہٹوں نے ہندوؤں کے خلاف بھی جھگڑے اور ان کے لشکر و سپاہیوں میں بھی موجود تھے۔

ڈاکٹر راجن پریٹ دیکھتے ہیں ۱۔

”یہ ایک شہرہاٹ ہے کہ اورنگ زیب نے دکن میں یہاں پیدا اور گورکھنڈہ کی مسلم سلطنتوں کے فتح کرنے میں کئی سال صرف کیے اور اس نے ہمیں وفات پائی۔ دکن کے بادشاہوں کی طرف سے ان میں اکثر سپاہیوں اور جنگوں کی سپلائی ہندو دیا کرتے تھے، جیسے کہ گجرات کے مان سنگھ اور بنگال کے واس اورنگ زیب کے عہد میں جو موت لگے۔“

(ہندوستان کا مستقبل)

غرض نے تمام راجپوتوں نے مرہٹوں نے مغلوب کرنے میں اورنگ زیب کا لگیا کا ساتھ دیا اور ناجائز دیکھا اپنی اہمیت کے باوجود نے عالمگیر کی حمایت میں اٹھ کر نہیں ہائی، مگر صرف یہ ہے۔ مگر ان کے صفات ایسے بے شمار ہیں کہ راجپوتوں کے ناموں اور حالات سے بھرے پڑے ہیں۔ بنگال کے شہر مدینہ اور اس کے مال سری۔ بنی راتے نے ۱۷۰۷ء میں بنگال کے مسلم نیکوئی کے جلسہ میں اپنی صدارتی تقریر میں کہا تھا ۱۔

”شہنشاہ اورنگ زیب نے آپ کی بڑی نکتہ چینی ہوئی ہیں بھائی مرہٹوں نے ان تاریخوں میں جو ہندوستان کے کاجول اور سکھوں میں پڑھائی جاتی ہیں متعصب اور ہندوؤں سے نفرت کرنے والا دیکھا ہے۔ یہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مصالحت آمیز سیاسیات کے باعث اسی جھوٹ اور افترا پر بازی کو بچ بچنے کے لئے مجبور کیا گیا۔“

”میں سر جادونا تھا، ڈاکٹر محمد ابراہیم ویدر تاریخ دیکھا کہ اورنگ زیب سے دیگر شامی جنہیں تاریخ نہیں دیکھا، ہمارا جانا ہے، پوچھتا ہوں کہ کیا ایک مثال بھی دیکھا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب نے بنگال کے ہندوؤں سے چینہ وصول کیا؟“

”شہنشاہ اورنگ زیب نے بنگال کی حکومت مرشد قلی خان کو جو ایک بہترین آدمی تھا اس شخص سے سپرو کی کہ وہ یہاں کی مالیات دھت کرے، چنانچہ یہاں کے ہندو اور مسلمان انہوں کے قانون کا بھی کاتب تھا کہ اس کے زیر نگیں بنگال کے ساتھ نہایت منصفانہ دیکھا گیا۔ اورنگ زیب کے عہد میں بنگال کے ہندوؤں کو منصب دیا گیا اور انہیں بڑی جاگیریں عطا کی گئیں اور وہ بڑے بڑے زمیندار بنائے گئے۔“

”اورنگ زیب نے ہندوؤں کو گورنر بنایا، وائسرائے بنایا، جرنل کمانڈر ان چیف بھی بنایا، یہاں تک کہ اس نے خالص سلاطین صوبہ انڈیا کے پورے جوائنٹ سلطنت مقرر کیا وہ ہندو راجپوت ہی تھا۔“

”سیراجی کو راج کل تاریخوں میں ہندو مذہب کا ایک زیر دست سرور بنا دیا گیا ہے، مگر ایسا کہنا قطعی سیاست ہے تاریخ نہیں۔ کوئی تاریخ دان اس من گھڑت انسان کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ سربا جی کے مقابلہ میں سربا جی کے مخالف تھے، جنہیں ایک ہندو صوفی کی بغاوت کا قلع قمع کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ہمارا بھرے سنگھ نے شہنشاہ اورنگ زیب

سے اس کی بابر شاہ کا تہ کی تھی کہ اس میں دکن کے مسلمان کمانڈر اور مسلمان سرداران (راجہ جے سنگھ) کی امداد نہیں کرتے :-

کیا کوئی سلیم العقل ایک لمحہ کھٹے بھی تسلیم کر سکتا ہے کہ سید اچے کے ساتھ لڑائیاں مذہبی یا فرقہ وارانہ محرکہ آرائی تھی ؟ یہ محض سیاسی جنگ تھی اور منجملہ بدلتا قول کے ایک بغاوت تھی :-

ڈاکٹر راجندر پرشاد تحریر فرماتے ہیں :-

”اگر اورنگ زیب نے اپنی فوج میں ہندو سپہ سالار رکھے تھے تو اُدھر سراجی نے بھی مسلمان سرداروں کے ذریعہ حکم اپنی فوج دے رکھی تھی۔ ان میں بعض بہت زبرداری کے چہروں پر ہمارے تھے۔ مثلاً سیدی بہال اور نونال سید جی کی بخشی فوج میں بھی کم سے کم تین مسلمان امیر ایسے موجود تھے، ریڈنبل، ریڈھری اور دھلت خاں :- (ہندوستان کا مستقبل)

۳۔ م مارچ ۱۶۹۵ء کو صوبہ بہار دہلیات کے دارالسلطنت پٹنہ میں بہار سٹیٹ اندو کنونشن منعقد ہوئی تھی، اس کی صدارت انراؤد کے مشیر مصنف پنڈت منگل دے نے کی تھی۔ اس خطبہ میں ایک جگہ پنڈت جی تحریر فرماتے ہیں :-

”اورنگ زیب کے زمانے میں آم کی بڑھیا قلیں لگا دی گئیں تو مرنے والے والی نے اورنگ زیب کی دعا کی کہ ان کو دلہن کے اہل کے اہل کے لئے نام تجویز کر دے اورنگ زیب نے فرمایا کہ تم کے نام کا نام ”دسنا داس“ اور دوسرے کا نام ”سدا سار“ تجویز کیا۔ اورنگ زیب نے اپنی کچھ توپوں کے نام لگے، ”گنجان“، ”گنجان مال“ اور ”گنجان“ لکھ گئے :-

اورنگ زیب عالمگیر کو ایک بار خبر ملی کہ کسی راجہ نے کوئی مسجد تہذیب کرادی۔ اورنگ زیب نے راجہ کو اپنے یہاں بلایا اور راجہ کے ہاں رہی تھا کہ شہنشاہ اپنی فوج کے ساتھ پہنچا اور راجہ کو اپنے ساتھ لگا کر کوٹھنے کے لئے کہا اورنگ زیب اور راجہ دونوں بہت دودھ لگ گئے اور شاہ کی فوج پیچھے رہ گئی، گڑھی کا زمانہ تھا، دھوپ تیز تھی۔ دونوں بہت تھک گئے اس لئے ایک دھت کے سایہ میں آرام کرنے کی غرض سے بٹھ گئے۔ اورنگ زیب نے اپنے اچان کی گھڑی کو قرب کر کے کہا ”یہ تھی۔ گھنڈھن کھلی نہیں تو اورنگ زیب نے راجہ کو اپنی تلوار دی کہ اس سے گھنڈھن کاٹ دے اور راجہ نے تلوار سے اپنے گھنڈھن کاٹنے کے لئے اٹھ بٹھایا اورنگ زیب کا رعب راجہ پر اس قدر طاری ہوا کہ اس کا فاقہ کاٹنے لگا۔ اورنگ زیب نے راجہ کے زور سے ایک ہلچل مچا دیا اور راجہ کو جب تم میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ میرے سامنے تلوار اٹھا سکے تو تو نے مسجد کو تہذیب کرنے کی کس طرح ہمت کی۔

اس درمیان میں چند دوا اور دوسرے لوگ پہنچ گئے اور جب دوا روکنا تھا تو انہوں نے راجہ پر طمانت کی۔

اورنگ زیب نے کہا میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میرا بخت یا راجہ کا بخت یا راجہ کوئی خطرہ نہیں تھا اور بخت آدمی نہیں ہے تو ایسی زندگی بے کار ہے۔

اورنگ زیب اگر واقعی ہندوؤں کا دشمن ہوتا تو راجہ کو نہایت آسانی سے قتل کر دیتا لیکن اس نے صرف تہذیب کے پھوڑے دیے۔

یہ تھا اورنگ زیب کا سلوک ایک ہندو راجہ کے ساتھ جس نے مسجد کو تہذیب کر ڈالی تھی۔

(تاریخ اشاعت اسلام)

نا انصاف و تعزین کا شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کس قدر بے جا الزام ہے کہ وہ ہندوؤں اور ان کے مذہب اور کلیہ کا دشمن تھا اور انہیں انتظام سلطنت میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کا دل اور عیاں پروردہ شاہ نے غیر مسلموں کے ساتھ ہمیشہ رعاداری برتی اور مسلمان اور ہندوؤں کے حقوق میں کسی طرح کا فرق رکھا نہیں رکھا۔ افسوس ایسا مصنف ادیبانہ سرشار شہنشاہ آج غلط فہمیں کا شکار ہو رہا ہے۔

اوس طرح طرح کے جموئے الزامات عائد کئے جا رہے ہیں۔

مندرجہ بالا واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ٹھنڈہ اورنگ زیب عالم گیر کا کردار کس قدر بلند تھا اور اس نے دوستوں ہی کے ساتھ نہیں بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی کیسا شریفانہ سلوک کیا۔ اس کے باوجود اگر اورنگ زیب کو سوا الزام قرار دیا جائے تو یہ کھلی ہوئی تاریخی بددیانتی نہیں لگتا کہ کیا ہے۔

مرہٹے مسندین ہمارا شتر سے فروج کے حرف و کن تک پہنچے ہیں اور سب کچھ کر دکھاتے ہیں جو دنیا میں ایک ظالم ترین قوم کر سکتی ہے لیکن اورنگ زیب عالمگیر جیسا انصاف پسند، رحم دل اور نیک بادشاہ آج متعصب اور تنگدلی مصنفین کی بدولت بنام ہے اور اس کی "ہندو دشمنی اور بدست شکنی" کے افسانے ہر جگہ کی زبان پر ہیں اور مسلمان عورتوں کی وہ آبروریزیوں جو مرہٹوں کے ہاتھوں سر زمرہ میں اور جن کی یاد و کن کی تقریباً ہر سب کی تاریخ کے ساتھ وابستہ ہے، کسی کو نہیں معلوم !

اورنگ زیب کوئی شک نہیں سنت دیندار مسلمان تھا مگر ساتھ ہی مدافار انسان دوست فرمانروا تھا، اس کی حکومت میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ اور عدل و انصاف کی نگاہ میں زمانہ و سبب میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔

اعلان

سیماب اور دبستان سیماب پر تحقیق

میں پُرندہ پورہ کی سی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے علامہ سیماب اکبر آبادی مرحوم پر سیماب اور دبستان سیماب کے عنوان سے کام کر رہا ہوں اساتذہ متاخرین میں علامہ مرحوم کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل طویل ہے جن میں میر جعفر صاحب کے بہت سے شاگرد ہیں میر جعفر صاحب نے بہت کچھ لکھا ہے، اس لئے بغیر اردو و سوتوں اور خود علامہ سیماب کے تلامذہ کی مدد کے کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا تاہم میں دبستان سیماب پاکستان کے تمام تلامذہ سیماب اور اردو و سوتوں سے تعاون کی درخواست ہے۔ (۱) دبستان سیماب پاکستان کے موجودہ تلامذہ سیماب اپنے مختصر حالات زندگی وسیع تاریخ نامہ غزلیں کے بنی بنی منتخب اشعار، دو بہترین نظمیں اپنی تصانیف و تالیفات کی فہرست اسلئے اپنی مقام سے متعلق محالوں اور دوسروں کی آراء سے مطلع فرمائیں۔

(۲) اپنی ایک غزل پر اساتذہ کی اصلاح کی نعت اور اپنی اصل غزل کے ہمراہ

(۳) مرحوم تلامذہ سیماب کے متعلق جن حضرات کو علم ہو وہ ان کا تذکرہ اس کلام عنایت فرمائیں۔

(۴) اپنی تازہ ترین تصویر بھی بھیجیں علاوہ انہی مولانا سے متعلق ہر قسم کا مواد اور معلومات میر سے لئے عمدہ مواد و ثبات ہو سکتی ہے۔ تاریخ اور ادب نماز حضرات سے استعانت کی پر زور ہے۔

پروفیسر افتخار احمد خضر دھولوی ایم اے

(شعبہ اردو فارسی ایم اے) جے پالہ جگہ گزشتہ مشرقی خاندانی

(بہار شتر)

Bharat

طنز و مزاح

ڈاکٹر انعام امین

تضمین ہر غزلِ مہرِ القادری

- (۱) ہاتے رہے ارتقا، کیا سے کیا بن گیا
ایک ٹھوکر بڑی، ٹھیکر بن گیا
پھر کسی کی حسم کا تو بن گیا
حسن اور عشق میں واسطابن گیا
لوٹ کر دل بڑے کام کا بن گیا
خود ستا، خود مگر، خود نما بن گیا
- (۲) ماہوش، مہجیں، مہ لقا بن گیا
دل نشیں، دل بستار، دلربا بن گیا
خوش نفس، خوش نظر، خوش ادان بن گیا
کیا خبر عشق میں کون کیا بن گیا
لیوں کی کھاتا ہوا آم گزرا تھا میں
جھوٹا صورت تمام گزرا تھا میں
چھوڑ کر شارب عام گزرا تھا میں
اُن کے گوجے سے اک شام گزرا تھا میں
پھر وہی روز کا مشغلا بن گیا
آگے بڑھتے ہوئے، سجدہ کرتے رہے
سجدہ کرتے ہوئے گھاس چرتے رہے
گھاس چرتے ہوئے گل کترتے رہے
لوگ چلتے رہے، نقش ابھرتے رہے
بس اسی طرح اک راست بن گیا
- (۳) یہ نیا سانحہ، تازہ افتاد ہے
وصل کی شب کا ہر لطف بر یاد ہے
دل پہ خوب سحر کی جو بیداد ہے
اے مرے مہرباں دوست فریاد ہے
قرب تو اند بھی نہ صلا بن گیا
میں نے دیکھی ہے دینائے مرید و حرم
اس طرف آنجہیں، اس طرف رخ و خم
پھر بھی اتنا تو ہر جی گیا کم سے کم
میں تو گمراہ تھا، میرا نقش قدم
دوسروں کے لئے رہنما بن گیا
نیچی نیچی، جھجکتی ہوئی مختصر
یعنی، عند لقا سے بوجھل نظر
تازیانہ سا ہے ترسین شوق پر
حسن والوں کے لطف و کرم دیکھ کر
سوچتا ہوں میں کیوں پارسا بن گیا
اس تعلق کے پروے میں اک اذہتے
جس پہ حیراں حریف نظر بانہ ہے
یہ تعلق محبت کا اعجاز ہے
اس تعلق پہ مآثر ہے
اُن کا انکار بھی آسرا بن گیا

روحِ انتخاب قبرص کے آشفۂ بختِ مسلمان

قبرص کی سرزمینِ قبرصی مسلمانوں کے واسطے اپنے اندر ہم آہنی نئی سے نئی محبت کا سامان لئے ہوئے ہے۔ صدر میکاریوس کی شکل میں ایک ظالم و سفاک دشمن ابھر رہا ہے جس سے نیست و نابود کرنے پر تیار بیٹھا ہے۔ ملک کے اندر لاقانونیت، تشدد اور خوفناکی رعب و کرب کی بات بن چکی ہے؛ یونان کی حکومت اس پادری صلیبی پشت پناہی کر رہی ہے اور اگرچہ یونان خود اس وقت خانہ جنگی کے زمانے پر کھڑا ہے (اور جرمیہ کی اقلیت پر مظالم کے بہانہ توڑے جا رہے ہیں۔ گذشتہ معاہدات کو کھینچ کر یہ طاق نسیم بنا کر دکھ دیا گیا ہے۔ آئین میں مافی تبدیلیاں کی جاتی ہیں خواہ مسلمان اقلیت کتنی ہی احتجاج کرے اس کی شنوائی نہیں ہوتی۔

حال ہی میں صلیبی ایک نئی طرزِ تم ایجاد کر کے اس نے ملک کے لئے کئے دئیے ان مسلمان طلباء کو جو غیر ممالک میں تعلیم پا رہے ہیں وہیں ممالک کی تعلیم کو ان سے قبول کرنا چاہئے۔ قبرص آکر اپنے والدین کے پاس چھپائی گزرنے پر پابندی لگا دی ہے۔ چنگیز خانی حکم، آئین، قانون، اخلاق، انسانیت غرضیکہ کسی بنیاد پر بھی پورا نہیں آتا۔ ملک کے آئین اپنے کسی باشندے پر پابندی عائد نہیں کرتا۔ اس سے نہ ہر ملک سے باہر نکال دیا جائے یا ہر سے اس کی آمد کو ہی جائے لیکن میکاریوس کو تو قبرصی ترکوں کے ساتھ ہر مزا آتا ہے اور وہ ہر ممکن طریقے سے انہیں تنگ کرنا چاہتا ہے۔

اس حکم کا نتیجہ یہی ہر ملک ہے کہ وہ طلباء جن میں تمام ملک میں تعلیم ہیں وہ انہیں لائش اور غفلت کا خاص انتظام کرنا پڑے گا تعلیمات میں یونیورسٹیوں اور کالجوں کے پرنسپل توبہ ہو جائے ہیں، جو طلباء گھروں کو واپس نہ جانا چاہیں انہیں کھانے اور رہنے کا پرائمریٹ بند کر دیا جائے گا جو عاصی ہو گا ہو گا۔ اور اگر ان کے والدین چاہتے ہیں کہ ان کی عورتیں دیکھنے کی توقع نہ لگائے بیٹھے تھے ان کی ملاقات سے محروم رہ جائیں گے۔

اس ظالمانہ حکم کی مدد میکاریوس نے یہ دیکھی ہے کہ ترک طلباء ترکہ میں فوجی تربیت حاصل کرتے ہیں وہ قبرص آکر بغاوت پھیلاتے ہیں حکومت ہے کہ یہ بات اس شخص کی زبان سے نکل رہی ہے جس سے کم قوم دشمنی پسند نہیں ہوا کہ ملک میں فساد ہے ان مسلح یونانیوں سے تو ملک کو کوئی خطرہ نہیں لیکن چند بے ہتھیار طلباء سے قطعاً یہ کہ وہ بغاوت پھیلاتے ہیں۔ درحقیقت میکاریوس کی خواہش ہے کہ یہ بے ہتھیار نہیں اویں۔

دنیا اس کی اس قسم کی کامیابی پر حیران رہتی ہے۔ یونان، اہلکے نمائندوں نے جب قبرص کے وزیر داخلہ کو توجہ دلائی کہ عالمی رائے عامر ان کی ایسی کامیابی کو پسند نہیں کرتی تو اس نے کہا کہ اہلکے حق سے جواب دیا کہ ہماری حکومت اس حکم پر عملدرآمد کرانے کے لئے کافی مضبوط ہے۔

میکاریوس حکومت کا ایک اندکاسا نہ یہ ہے کہ اس نے یونانی میملان آج کی اکثریت کے بل پر ایک فیصد کیا ہے جس کی رو سے صلیبی میکاریوس کا چھوٹا اہل یونانی نمائندگان میں یونانی مجبوروں کی رکنیت کی معاد ایک سال تک بڑھا دی گئی ہے۔

اسی کے اس اجلاس کا ترک حیران نہ کیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی علیحدہ اپنی باتیں اداں میں اہلکے ملک کے اندر ایک ہی صورت کی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا جو ان علاقوں کا نظم و نسق چلائے گی جہاں ترک آباد ہیں۔ ترکوں کی اس ایسی سبھی میکاریوس کی حکومت کے بعد ایک کاسٹ کے بڑا اقتدار علاحدہ ہوئی، مقرران جاری کئے ہیں ایک کے دئیے قبرص کے انتخابات کے قواعد بیان کئے گئے ہیں اور دوسرے کے دئیے یونانی نمائندگان میں ترکہ قبرصی ملک کی رکنیت لھنا تب حسبِ اکثریت خالص کو چمک کے چمکے کی معاد بڑھا دی گئی ہے۔

قبرصی ترکوں کی جانب سے یہ اعلان بڑا حیران کن ہے اور اس سے ان کی بہت سی مشکلات آسان ہو جائیں گی (بقیہ صفحہ ۳۴ پر)

ہماری نظر میں

مؤلفہ: شکیل احمد ضیاء -

صفحات ۶۳۸ صفحات، قیمت آٹھ روپے

سینے کا پتہ ۱۔ علی ایک ڈپو، اردو بانڈا، گڑھی

محبوب شکیل احمد ضیاء کو ہم اب تک ایک خوش گوشہ کی حیثیت سے جانتے تھے جن کی ایک غزل کے دو شعر کسی نہیں جھولتے۔

غم ہستی نہ ہو گا غم خیر کیا یہی حالت رہے گی عمر بھر کی

یہ مجھ کو دیکھ کر جس پر جس کیوں نظر کے بعد نہ دید نظر کیا

مگر

تاریخ پاکستان و ہند عہد عتیق سے لے کر نہ مانہ حال تک

آج کی یہ کتاب چھ کر معلوم ہو لگے خوشی ہوئی کہ صاحب و مصنف ایک ہی خطاط اور انشا پرداز ہیں! استاد کے علاوہ عربی، فارسی، جرمن، انگریزی، فرانسیسی، لاطینی، اطالوی، ہندی، کھنڈکرت کے آدھین ہیں، اتنی بہت سی زبانوں کو نہ صرف جانتا بلکہ ان کو پڑھانے کی قدرت رکھتا اس شخص میں ان کا کوئی دوسرا مقابل پاکستان اور ہندوستان میں مل ہی سکتا ہے۔ غیر ہند کے قدیم ترین باشندوں کے حالات اور آریوں کی بھارت ویش میں آمد سے لے کر ہندوستان کی پوری تاریخ اور پاکستان کی قیام اور اس کے بعد ۱۹۶۶ء تک جو حالات پاکستان پر پیش آئے ہیں ان کی مجلس تفضیل اس کتاب میں ملتی ہے؛ مینا صاحب نے بڑی محنت دینا قسمت اور دینوں کو قبول کے ساتھ کہ بعد تاریخ "تاریخ" کی ہے اور پچھلے عہدہ گوئے میں ہند کو پہلے لکھنے کا انداز بھی سارہ صاف اور سچا ہوا ہے۔

"سیدان سکندروں کی نہایت بااثر لکھی مسلمان تھاس نے مسلمانوں میں عزت پرستی، فہرہ کی پرستش، ختم کر دین، محمدیوں کا ذرا سلی پر جانا بند کیا

اداس تم کی تم غیر شری رموں کا قانونا خاگر کر دیا۔ (صفحہ ۱۸۴)

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حکم اور فساد سال رسوا کر اس عداوت کی توفیق عطا فرمائے (کامین)

فاضل مولانا بہروردی، الفہام فرشتہ کو دور سے عربیوں کے مقابلہ میں کم از کم پچھن میں مصروف کیا یہ کتاب اور قیدیان کی سہیت نکلا اور فن تاریخ میں بصیرت کی دلیل ہے۔

"تصرف غلطی اور نظری طور پر جو نہایت اور غلط الحالی کو بھی ایک مسلک یا مقام تسلیم کر لیا ہے، انداز دین و دنیا کی تمام قوموں کے خلاف جو بولنے والے لوگ بھی

نہرہ اور لینڈ پر شمار رکھتے ہیں لالہ شہناز نقشا اور دیگر (دنگویر) وغیرہ اس خط کے شہریت ہندو ہیں۔ صرف کچھ اور نظریے نے مسلم دنیا کو لالہ اور

پانچا انصاف پر جو پانچا ہے اس کا پیر پاگ، جنہا اور اس انصاف کے پیر نے جانے کوئی کچھ نہیں۔ (صفحہ ۱۴۹)

اس جہاد سے فاضل مولانا کی دینی فکر کا اندازہ نہ ہے کہ وہ دین کے مسائل میں عامیوں کو بھی نہیں بلکہ دینہ و دلی بھیجے خیالات اور عقائد رکھتے ہیں۔

ہندو شکیل احمد ضیاء نے پاکستان کے حالات کا تجزیہ ایک اسلامی نقطہ کی حیثیت سے کیا ہے جس کی وجہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب ان کے عقائد کا گواہ ہے کہ

پاکستان کے وجود کی گفرت نے اس اعلان کا خیر مقدم کیا، شاید اس کا مسلم لیگ کو اچھلنے نے عوام سمجھ رکھا ہے۔

مرتبہ جیل قادیان، خفت، مہمات، ایتھ پچھلے خطے لاہرہ۔ دلاس مسعود ایک کیشن اینڈ کپرس سماجی آف پاکستان۔ پی ۸۵، بلاک بی

مارتھہ ڈاک بنگلہ لاہرہ

اس کتاب میں بلاک بنگلہ لاہرہ مسعود رحم کے متعلق تحافت اور انھیں مدد کی گئی ہے۔ مضامین اور نظریوں کا سیرا خاصہ ہے۔ لکھنے والی میرا سیدان و

وائٹن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
منگھا پیر روڈ
کراچی

ہر قسم کا
سوتی اور
ادنی گپڑا
کورا اور دھلا لٹھا اور
ہر قسم کا
دھاگہ
تیار ہوتا ہے

باوانی وائٹن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا
ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے پاکستان کی صنعت کی قدر اور حوصلہ افزائی
اپنا کا قومی فریضہ ہے

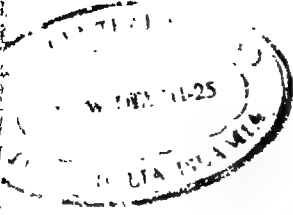
ادبی لے پار پیجا

دیروں سے تین



آدم جی کاٹن ملز لائنڈھی - کراچی

فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی



اور قبض سے
نجات کے لئے اب اسٹریپ پیکنگ میں

صافی قبض کشا قرص

”صافی قبض کشا قرص“ مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا

صافی سے تیار کئے جاتے ہیں۔

صافی کے یہ قرص نہایت احتیاط و نرمی سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچائے
قبض رفع کرتے ہیں۔ مزید یہاں ان میں تمام مصفی خون صفات بھی موجود ہیں۔

ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جنرل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

بہادر دوا خانہ (وقت) پاکستان

کراچی۔ لاہور۔ ڈھاکہ۔ پشاور



اکتوبر ۱۹۶۶ء

جلد ۱۸ -
شمارہ ۷

کراچی

ماہنامہ فاران

ایڈیٹر: مایہر القادری

ترتیب

۳	مایہر القادری	نقشب ازل
۱۵	مایہر القادری	جموئی نیرت کا مجموعہ علم کلام
۲۹	محمد اکرم طاہر	حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ
۳۳	محمد حفیظ انشد چلواری	مسلمانوں کا علمی شعفت
۳۸	ایک قادیانی کا قبول اسلام
۳۹	مایہر القادری	یاد رفتگان
۴۵	مفت شعراء	غزلیں
۴۷	ہماری نظریں

قیمت فی پرچہ ۶۲ پیسے

پبلشر: مسرور حسین

چند سالہ سات روپے

مقام اشاعت
دفتر مایہر القادری
اسٹریٹ گراچی

مسرد حسین پبلشرٹ انٹرنیشنل پریس کراچی میں چھپا کر دفتر مایہر القادری، مایہر القادری، مایہر القادری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول

نیرو، ہلاکو، ابن ہبیرہ، چنگیز اور ہولاکا ابن یوسف انسانی تاریخ کی انتہائی بدنام اور مشہور (NOTORIOUS) شخصیتیں ہیں، مگر جمال ناصر کے ظلم و ستم اور شقاوت و دہندگی کے مقابلہ میں ان ظالموں کے ظلم و ستم کے کارنامے گرد ہو کر رہ گئے ہیں! جتنا ہے عجب کی سب سے زیادہ مخلص اور منظم دینی تنظیم۔۔۔۔۔ اخوان المسلمون۔۔۔۔۔ کو تباہ کرنے اور دنیا کے پردے سے اُس کا نام نشان مٹانے کے لئے اس ظالم نے جو تیاہیں توڑی ہیں، جو ظلم ڈھائے ہیں اور۔۔۔ اخوان کی تعذیب کے جو طریقے اختیار کئے ہیں، اُن کے ہاتھ میں دنیا اسلام کی عظیم شخصیت۔۔۔۔۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔۔۔۔۔ کے تاثرات بلکہ مستند شہادت کی ایک جھلک طالع فرمائیے۔۔۔۔۔
 ”اوسیدہ تعذیب کے وہ طریقے ہیں، جن کو سنگدل سے سنگدل انسان بھی آسانی سے صفحہ کی تاب لا نہیں سکتا۔“

دعائے قتل، لکھنؤ ۲، رتبہ ۱۳۵۷ھ

مصر کے عیال خانوں میں بے گناہ، مظلوم اور سیدھے سچے۔۔۔ اخوان۔۔۔ کو اعترافِ جرم کرانے کے سلسلہ میں جوائنٹس دی گئی ہیں، اور یہی عجیب غریب تعذیبوں کا انہیں نشانہ بنایا گیا ہے، جب وہ پوری تفسیل کے ساتھ کہتے ہیں کہ آجائیں گی، تو آئندہ نسلیں حیرت کریں گی اور انہیں وہ مقام بھی۔۔۔۔۔ کہ اس متمدن اور جمہوریت پسند دنیا میں ایک ایسا فرمانہا بھی گناہ ہے جس کی دہندگی اور خودخواری کو دیکھ کر بھیڑیے بھی راستوں میں اٹکی جانے لگیں اور ظلم و شقاوت اور سہیبت و دہندگی کے تمام اگلے پچھلے ریکارڈ جس نے توڑ دئے ہوں اور جس کی شخصیت تمام ظالموں میں سب سے زیادہ ممتاز بلکہ منحصر ہو!

ہمیں ایک دن خدا کو منہ دکھانا ہے اور زبان و قلم سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کا جواب دینا ہے، ہم نے اوپر جو کچھ لکھا ہے اس میں نہ برابر مبالغہ نہیں کیا، جمال ناصر کے مظالم پر ملامت کرنے کے لئے افسوس ہے کہ لغت میں ایسے الفاظ نہیں ملتے، جن سے واقعی طور پر اس لیے کی شدت کا شکیک طور پر اظہار ہو سکے، ظالم، شقی، درندہ، شکر، بھاکار۔۔۔۔۔ اس قسم کے تمام الفاظ جمال ناصر کی ظالمانہ شخصیت کے مقابلہ میں نرم، ہلکے اور بے وزن سے نظر آتے ہیں، تھوڑی دیر کے لئے سینہ پر پتھر رکھ کر اس کا گر ممکن ہو سکے تو سنگدل بن کر اس۔۔۔ تعذیب کی جذبہ جھلکیا دیکھنے کی کوشش کیجئے!

سوفٹن، مراکش اور جہرہ کے اخبارات میں یہ تفصیلات شائع ہو چکی ہیں، یہ مٹی مٹی باتیں نہیں، آپ بیتی اور عین شہادتیں ہیں۔۔۔

۔۔۔۔۔ تیس، اخوان کا ایک گروپ لایا گیا، انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا گیا، ہر ایک کی ٹانگ دوسرے کے باندھ

سے باندھ دی گئی اور زمین پر پھرت لڑا دیا گیا، اس کے بعد دوس کرین (جو تفسیل) منگوائے گئے پہلے شخص کے

دونوں بازو نمبر اکریں کے ساتھ جکڑ دئے گئے تیسرے شخص کی دونوں ہڈیوں کو نمبر دو کرین کے ساتھ باندھ دیا

گیا، اس طرح دس کرینوں نے ۳۰ افراد کو فضا میں طاق کر دیا، یہ کرین پانچ ٹکڑوں میں تھیں، اس کے بعد دوسرے نظر بندوں کو لاکر کرینوں سے کچھ فاصلے پر رکھ کر دیا گیا اور ام کلثوم کے گانوں کے ریکارڈنگ کرنے گئے، جن میں یہ گانا خاص طور پر ڈبیرا گیا۔

”یا جمالی! یا مثال الوطنیہ“

اخوان کو حکم دیا گیا، وہ بھی اس گانے کو دہرائیں، ایک گھنٹہ تک یہ گانا دہرایا جاتا رہا۔ اس کے بعد اردو فتح جیل بسوئی اور اس کے اسٹنڈنٹ جین سوزہ اور دوسرے فوجی افسرانے ان کے آگے من البضی اور سید قطب کو اسٹریکس پر ڈال کر لایا گیا یہ دونوں نیم مردہ حالت میں تھے اور جمل نہیں کتے تھے، کرینوں پر بندھے لٹکے ہوئے انھوں سے پوچھا۔ ”کیا تجھے اپنا بیان یاد ہے؟“ اس نے جواب دیا ہاں، پھر پوچھا جو باتیں تجھے لکھ کر دی گئی ہیں وہ اچھی طرح یاد ہیں، ساتھی نے کہا۔ ہاں خوب یاد ہے، ہر شخص سے یہی سوال کئے گئے، پھر پوچھا گیا ”کیا تم عدالت میں ان بیانات کو بدل دو گے؟“ ساتھیوں نے جواب دیا نہیں، سوال ہوا ”جیل میں تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کیا گیا ہے؟“ جواب ملا ”بڑا شریفانہ اور شفقانہ برتاؤ ہوا ہے“ فوجی افسرانے من البضی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا، یہ کون ہے؟ ساتھی نے کہا، جناب مرشد ہیں (اخوان اپنی نظم کے صحنہ کھینچ کر دیکھتے ہیں) فوجی افسرانے کہا ”مرشد کافر“ کہو، ساتھی نے کہا ”مرشد کافر“ سید قطب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا ”یہ کون ہے؟“ رفیق نے جواب دیا ”سید قطب“ حکم دیا گیا، اسے مخاطب کر کے یوں کہو ”تو بڑا ظالم اور احمق ہے ساتھی نے ان الفاظ کو دہرایا، یہ سوال جواب کرینوں سے بندھے ہوئے، ہمارے ملحق برساتھی سے کئے گئے، ایسا بھی ہوا ایک ساتھی نے جواب نہ دیا اور خاموشی اختیار کر لی، مگر فوجی افسرانے جلتا سرگرت اس کے نازک اعضاء پر لگایا اور وہ بے اختیار پکارتا تھا۔ ”مرشد کافر ہے اور وہ ظالم و نادان ہے“

”اس کا سدھائی کے بعد واسطہ جیل حمزہ بسوئی نے تفسیر شریعت کی اور کہا ہم پہلے سن دیتے ہیں اور پھر شخص حق یا منکر کرے یا یاد کرے اس کو جھکا دے اس کو کرینوں سے چیر ڈالا جائے گا اور ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہوں گے، یہ کرین کھڑے ہیں، جو چوں دھرا کرے گا، اس کو دونوں کرینوں کے ساتھ باندھ دیں گے اور مخالف سمتوں میں حرکت دیں گے، اس طرح اس کی ٹانگیں الگ الگ کر دیں گے، ہم تمہیں مرنے نہیں دیں گے، ہم جانتے ہیں کہ تمہیں مرنے کی بڑی سزا ہے لیکن ہم اس آرزو کو پورا نہیں کریں گے۔ (۳۲ دسمبر ۱۹۳۱ء کے واقعات)“

اس جیل میں پانچ خواتین دفاعی حادثہ کا شکار ہو گئیں، تقریباً ایک ہفتہ سے وہ جاس باختہ ہیں، ایک فوجی انصر یا انسان خواتین سے کہنے لگا۔ ”کیا تمہاری دفاعی حالت خراب ہو گئی ہے؟ میں اسے ہار نہیں کرتا، ابھی تمہاری دفاعی خواہش دھکے دیتا ہوں، یہ کہہ کر وہ ان بے چاروں کو شدید اذیت دینے لگا اور انہیں اس تشدد کو بک کر دیا کہ آج تک جاس باختہ ہیں (واقعہ یکم رمضان مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۳۱ء)“

”ایک خاتون برٹش صاحب علم و فضل ہیں اور تبلیغ کے میدان میں بڑی سرگرم رہی ہیں، ان کے بھائی کو اس جیل میں لایا گیا ہے اور وہ مذکورہ مسلسل انہیں اذیت دے رہا ہے۔ انہیں سمجھ کیا گیا ہے کہ وہ یہ تحریک لکھ دیں کہ ان کی بہن جو اس وقت نظر بند ہے، بدکار و محنت ہے اور پیشہ کرتی ہے مگر وہ یہ تحریر لکھنے سے انکار کر کے ہم میں ان کی حالت ابتر ہو

ہی ہے، ان کی بہن رضاؑ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہتی ہیں کہ آپ یہ قرعہ لکھ دیں اور غائب سے اپنی جان بچھڑالیں، مگر وہ نہیں مانتے اور بہن سے کہتے ہیں کہ تم میرے لئے بہترین محمد بنی ہو، میں انٹالائڈ تمہارے لئے محمد بنوں گا؟

• "نوجوان خاندان میں نظر بند خواتین کی تعداد ۲۶۳۳ تک پہنچ گئی ہے، اساطیر میں مختلف اوقات میں ان کی جینیں سٹائی دیتی رہتی ہیں۔"

• "شرقی عہد العظیم کو سٹریٹ کی پھٹ میں یکم رمضان سے سر کے بل دفنانے لگا ہے جا بے میں بالکل بربت جسم ہیں، پھٹ پر ایک ٹوٹی لگی ہوئی ہے جس سے پٹرول کے قطرے ٹپکتے ہیں اور شوقی کے سر پر گتے ہیں اس سے ان کا سانس گھٹتا رہتا ہے، یہ غسل روزانہ ہونے چاہئے، اگر تو جھ سے ناراض نہیں تو پھر ان مصائب کی سمجھو انہیں۔ یہ سب کا وارڈ تک لپکے ہون پر، شوقی جواب میں کہتا ہے "باللہ، اگر تو جھ سے ناراض نہیں تو پھر ان مصائب کی سمجھو انہیں۔ یہ سب کا وارڈ جیل بھٹے میں آکر ان کے جسم میں سرگٹ بجاتا ہے، اور انہیں گتے سے مانتا ہے، ایک یقین نے شوقی پر کر شوقی سے کہا "کم از کم خاموش رہنا کریں، مگر شوقی نے جواب دیا "لا حول ولا قوۃ الا باللہ"

• "۲۵ دسمبر ۱۹۷۵ء کو سب معمولی تہذیب کے لئے پریڈ ہوئی، جسے جیل کی اصطلاح میں "BRAIN WASHING" کہتے ہیں، آج تین تعلیم یافتہ خواتین کو بھی لایا گیا، ہر خاتون ایک چوٹی ٹنگٹی سے کسی ہوئی تھی، تینوں خواتین غم مریاں حالت میں تھیں اور ابوادیپ کے جسم لٹ پٹ تھا، صف میں سے ایک جوان انوائی انجینئر محمود دعت نے اپنی بیوی سے اتار کر تیزی سے آگے بڑھے اور خاتون کی ستر پرشی کرنا چاہی، مگر ایک ایک نامہ بردار محمود دعت زین پر چڑھ گئے۔"

• "نظر بندوں کو گنگ کرنا، انہیں لوہے کی زنجیروں سے باندھ کر ان پر کھٹے چھڑانا، جلانی ہوئی آگ میں انہیں پھینکنا، بھائیوں کے سامنے بنیوں کو برہنہ کر دینا، مسلسل بھوکا رکھنا، جلی کے بجھکے دینا، نیند سے محروم رکھنا،

یہ اذیت کے عام طریقے ہیں، جو نظر بندوں پر استعمال کئے گئے ہیں۔" صوفی کے مختلف اخبارات سے اخذ ہے۔ نیلیں حادی

کہا آج ملک کی حکومت نے ان مجرموں اور سازشوں کے ساتھ جو واقعی قتل و خوات گری کے مجرم ہوں، اس قسم کا ہیسا نہ سلوک کیا ہے!

"تہذیب کے یہ لوگ طریقے دنیا کے کسی بڑے سے بڑے ظالم کو بھی نہیں سہجے! پھر عداوتوں میں جو کام دعائیاں ہوتی ہیں، وہ عدل و انصاف کے ساتھ کھلا ہوا مذاق ہے، ملک کی عام علاقوں کے جسٹریٹ اندر جہاں ہمارے ہائیسی اور مرضی کے مطابق جن جن کرکے گئے، مگر ان کے معاملہ میں بسا اوقات ان پر بھی اعتماد نہیں کیا جاتا، فوجی ارکان پر مشتمل ٹریبونل بنائے جاتے ہیں ان فوجی علاقوں میں نام نہاد طرین کو صفائی اور داد سی کی معروف ہوتی ہیں، ہندو کے یہ مقدمات کی سماعتیں ہوتی ہیں، جن میں نہ عوام جا سکتے ہیں اور نہ ان کے خاندان کے نمائندے! سوڈان کے دیکھانے ملزمین کی وکالت کرنے کی اجازت چاہی تو انہیں اس کی اجازت نہیں دی گئی! اس علاقے کے بعد پھر تختہ دار ہے، چالیاں ہیں، گتے، زنجیریں اور طرح طرح کی تہذیبیں ہیں۔"

"انہیں المسلمون عرب دنیا کی سب سے زیادہ نفی، دیندار اور فعال جماعت ہے، اس طرحی جب فوجی انقلاب آیا ہے اور

شاہ فاروق کو ملک سے چلا وطن ہونا چاہیے تو پھر جنگ متحرک تمام قیادت۔ انہیں المسلمون کے ہاتھوں میں تھی، خود بحال، امر مصر میں انہوں نے اثر و نفوذ کو محسوس کرتا تھا، اور ان کے صمد۔ مرثیہ عام۔ سے بنا دینا انہیں ملتا تھا، مگر وہ دیکھ "انہوں کو بے اثر کر دینے کا لکھ کر تھا۔ اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس کی عمریت کماہ میں سب بڑی رکاوٹ ہی جماعت ہے، چنانچہ ۱۹۵۷ء میں سازش قتل کی آڑ میں...

انہوں نے اس کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا، یہاں تک کہ اس تعلیم کے دفتر کی عمارت کو بیچوں سے تباہ کر دیا گیا، ہزاروں افغان گرفتار کر لئے گئے، اور انہوں نے چھاکا بھینسا پھانسی پر لٹکا دے گئے۔ ان میں علامہ عبدالقادر عہودہ بھی شامل تھے، علم و فضل اور ذاتی سیرت و کردار کے اعتبار سے عبدالقادر عہودہ کی شخصیت اس دہائی میں مثالی شخصیت تھی، یہ زعم کبریا کی ذات سے ہمارے لیے کمال سے فروغ دہا رہیں بلکہ ایک "امت" تھا۔ اتنے اونچے درجے کے مفکر اور صاحبِ عزیمت تقریباً شاخص، صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں، عبدالقادر عہودہ شہید کے مقرر کی عدالت کو کس عزیمت اور مردانہ فکر و فراست کے ساتھ خطاب کیا۔

”کیا۔۔۔ ایک بیچ کے لئے ممکن ہے کہ وہ ایسی دنیا میں بے تعلق ہو کر رہ سکے، جہاں قانون ختم کر دیا گیا ہو اور جس کی لاشی، اس کی بھینس کا اصول کا رفرما ہو، جہاں قانون لوٹ کھسوٹ اور مظالم کے جواز کا آلہ کار بن کر رہ گیا ہو، اور جہاں حکومت کے مناصب اور ہر طرح کے فائدے صرف وہ لوگ مستحق ہو سکتے ہوں جو حکمرانی کی ان میں مان مانے والے ہوں اور جہاں اتفاق کامیابی کا واحد ذریعہ خیال کیا جاتا ہو اور ابا جیت و بد اخلاقی کو جاہ و منزلت کی اولین شرط سمجھا جاتا ہو۔“

”کیا۔۔۔ ایک بیچ اس بات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر سکتا ہے کہ اس کے وطن میں عہد جاہلیت کے سے حالات کا دور دورہ ہو، زیر دست اپنا خون پسینہ لیک کر کے کمان میں اور بدعت اسے جین اور مرنے سے بچھڑ کر کھائیں گزروں کو اپنے جسم اور روح کا رابطہ قائم رکھنے کے لئے، سوکھا لالہ اور سیلا سیٹھرا، بھی میسر نہ ہو اور طاقت ور سونے اور چاندی سے کھیں رہا ہو۔ اور اگر گزروں کو شکایت کہے، تو قانون اس کے خلاف حرکت میں آجائے۔“

”پھر کیا ایک بیچ اس بات کو خنڈ سے پیٹوں برداشت کر سکتا ہے کہ ایک ملک کے دستور میں توبہ و فحش و مروج ہو، کہ سیاست کا دین اسلام ہے، لیکن اس کی حکومت اور حکمران اسلام کی حکمت کھلا خلاف و دنیال کریں اور خادمان اسلام کے خون کے پیاسے بن جائیں، قانون علی البسروالتقویٰ کی خواہش رکھنے والوں کو نشانہ بن جائیں اور قانون علی الاثم والعدوان کے سر تکبیر کی سرپرستی کریں۔“

”تب کیا ایک بیچ ایسے حالات میں ناظرِ عہدہ رہ سکتا ہے، جب کہ پہلا ملک اخلاقی فضائل و محاسن سے عاری رہتا جا رہا ہو، دیانت اور حسنِ اخلاق کا نام و نشان مٹ سا ہو اور لوگ موجودہ لیڈروں کو اپنے لئے اسوہ اور نمونہ قرار دینے لگے ہوں۔۔۔۔۔۔“

— اور پھر —

چشمِ فلک نے یہ منظر بھی دیکھ لیا کہ یہ مرد و کاہد و اہمانہ انداز میں رقص کرتا ہوا، تختہ دار کی طرف سعادہ ہوا اور اس طرح اس نے اللہ کی راہ میں شہادت پا کر، حضرت خلیب انصاری رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کی یاد تازہ کر دی۔

اس کے بعد سے اب تک۔۔۔ افغان، ظلم و ستم کے فتنوں میں کسے جا رہے ہیں۔ کونسا ظلم و ستم ہے جس سے ان کو دوبارہ سونا نہیں پڑا، مقرر کے بے آپ دیکھا و ریگستانوں کی ہولناکیوں میں کسے گزریا قید خانوں اور پھانسی کے تختوں تک، ہر دھوکا کر محلے سے انہیں گھنٹا پٹا ہے ہزاروں افغان، ان اذیتوں اور تلخ ذہنوں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو گئے، جو زندہ رہے، ان پر معاش اور زندگی کی راہ میں بندگی گتیں حکومت کے وفاترین ان کی محنت منوع، تجارت و مصلحت کے کادو بار میں ان کے لئے قدم قدم پر رکاوٹیں، مشکلیں اور پڑیاں، ذلیل منصوبہ یہ کہ پریٹ کی ماری جی بڑی ہے، نفروفاقیہ میں مبتلا ہو کر یہ لوگ اپنے ملک کو غیر ملکہ و کجاں بھر کر آفریت کا کلمہ پڑھنے لگیں گے، مگر

افغان کو ہزاروں آفریں، ان کے سر پر نیامیں ٹٹ گئیں، مگر ان کی استقامت میں فہم ہلکا فرق نہیں آیا، ان خدا شاہ رسول اور حق پرستوں کا یہی نصب العین رہا کہ —

اللہم غانمنا

والس رسول فی عیننا

اللہ ہمیں راہ مقصود ہے

رسول ہمارے قائد ہیں

اللہ

قرآن ہمارا دستور ہے

والفکران دستورنا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ آج تک اسی مسلک پر اور جادہ عزیمت و استقامت پر گامزن ہیں۔

صدیق مکی سنگدل اللہ ہے رچی کی کہ مقرر کے وہ لوگ جنہوں نے "افغان" کی تنگ حالی اور معاشی مشکلات سے متاثر ہر کس آن کی مدد کی وہ بے چارے کی حکومت کے احتساب سے نہ بچ سکے! "افغان" کے ہر مدد کو دھڑلے سے دھونڈ کر سٹایا اور پلٹ کر دیا گیا۔

دوسرے وقت تک جماعتوں کی ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہائیں بنیاد سے لے کر افغان "گفٹار" کئے گئے ہیں، جو طرح طرح کی حق پرستوں پر مبتلا ہیں ان میں مرد و عورتیں بھی ہیں، دنیا میں شاید ہی کسی تنظیم اور جماعت کی اتنی عورتیں گفٹار کی گئی ہوں، امتیہ ہندوستان میں انگریزی استبداد کی مثال ہمارے سامنے ہے، آزاد کی گئے تھے جد جہد کرنے والوں میں، بن کو تیرہ دینیں رکھا گیا، وہ سب سب مرد تھے، عورتوں سے کئی قسم کی پوچھ گچھ تک نہیں کی گئی، ہزاروں اور لاکھوں گفٹار ہونے والوں میں بس دو چار عورتیں نظر آئیں، بن کا تناسب میں بنیاد شاید ایک سو بیس تھا! مگر جہاں ناھر کے دوسرے آفریں میں عورتوں پر بھی مظالم ڈھائے گئے، سید قطب کی بن امین قطب کی شدت سے شہادت پا چکیں، سید قطب شہید کے بڑے بھائی محمد قطب بھی قید خانہ کی کھیتوں کی تاب نہ لا کر لڑنے کو پار سے ہو گئے!

حسن اسماعیل البختیاری بھائی بھائی افغان کے صدر و درشد عام ہیں، ان کو سیکڑے میں گفٹار کیا گیا اور انہیں موت کی سزا سنائی گئی پھر اس سزا کو عرصہ میں تبدیل کر دیا گیا، قید خانہ میں ان پر ایسی بے رحمانہ سختیاں کی گئیں کہ چوبیس گھنٹے اس پر اس کے ہاتھ سے دینی قادی کی صحت ہی بالکل برباد دے گئی، حکومت نے ان کو مرنا دیکھ کر، راکھ دیا وہ برسوں سے اپنے گھر میں نظر بندی کے دن گزار رہے تھے، اسباب انہیں دوبارہ پکڑ کر قید خانہ میں ڈال دیا گیا، اور تین سال قید با مشقت کی سزا دی گئی!

"افغان" کے بعض اکابر کی بری ہال اور بینیں قید خانوں میں مصائبِ آلام کا شکار ہیں ان کا جوہم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ یہ بیک بیسیاں اللہ تعالیٰ کے دین اور کام کا غلبہ چاہتی ہیں اور اس بے یاری کے دور میں ان کی زندگیوں کی مصیبت و سختی کا قابل قدر نمونہ ہیں (اللہ ہم کو نجات دے) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مظلوم جو علی زبان و ادب ہیں، صبر و اجتناب رکھتے ہیں اور عرب ممالک میں جن کی عربی انشا پنازی کی دھم بھی ہوتی ہے انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ —

ہر سید قطب نہ صرف مقرر کے، نہ صرف عالم عربی کے بلکہ دنیا کے اسلام کے ان پیہ و برگزیدہ، اہل فکر، اہل علم اور صاحب طرز افکار ہیں، ان میں ہیں جو طویل عرصہ کے لیے پیدا ہو کر تھیں، ان کا دین کے داخلہ اور اسلام کی وکالت و ترجمانی کرنے والوں کی صف میں شامل ہونا، اسلامی فتوحات کی ایک کڑی اور اسلام کے لئے ایک قابل قدر تحفہ اور مسلک و توحیح اضافہ تھا۔ وہ مقرر کے اس شہیدانہ و تہنیتی حلقہ کے ہم رنگ اور وکیل تھے، جو اس محمود العقائد کا حصہ یا دبستان کہلاتا ہے، ان کا سارا انداز و انداز اپنی اولیٰ اعتقاد، جدید اصول و فین تنقید کی لائنوں پر تھا، ان کی تنقیدی کتابیں — انتقد ممالک — وغیرہ تہنیتی و تہنیتی کی نظر سے لگتی جاتی

تھیں، وراثتِ تعلیم سے وابستہ رہ کر انہوں نے اپنی صلاحیتوں سے ملک کی خدمت کی اسی سلسلہ میں وہ حکومت کی طرف سے امریکہ بھیجے گئے وہاں انہوں نے مغربی تہذیب اور مغربی معاشروں کا اپنی سمیچ نمونہ اسباق نے نقطہ سر ورج پر دیکھا اسلئے ان کے اندر ایک مدح کی کیفیت پیدا ہوئی، وہ مصر آئے تو بدل چکے تھے، ان کی دو کتابیں، —

التصویر فنی فی القرآن

اور

مشاہدات القیامت فی القرآن

اس رجحان اسلئے دوسری نشاندہی کرتی ہیں،

”ان دو کتابوں نے خاص اولیٰ اور مشرکین حلقوں سے بھی، قرآن کریم کے اعجاز و بلاغت کا اعتراف کر دیا، بعد میں یہ رجحان ”العدالتہ الاجتماعیہ فی الاسلام“ اور ”الاسلام والاسلام العالمی“ کی شکل میں بالکل مکمل کر سامنے آگیا، اسباب وہ اپنی پوری زبانی، اولیٰ صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ اسلامی کیمپ میں شامل ہو گئے، ”العدالتہ الاجتماعیہ“ کو عالم عربی میں وہ مقبولیت حاصل ہوئی، جو عصر جدید کی کم تصنیفات کو حاصل ہوئی، اس کا متعدد زبانوں میں ترجمہ بھی ہوا اس کے متعدد انڈیشن شائع ہوئے، کسی تعلیم یافتہ اسلامی ذہن رکھنے والے کے لئے یہ نقش اور نامائیت کی بات سمجھی جاتی ہے کہ اس نے ”العدالتہ الاجتماعیہ“ نہ پڑھی ہو۔۔۔۔۔ سید قطب اپنی کتابوں میں اسلام کو ایک ایسی سندھ طاقت کے طور پر پیش کرتے ہیں جو زندگی اور معاشرہ کی تعمیر اور فن و دستور کی تشکیل میں حصہ لے سکتی ہے، وہ احساب کائنات کو بھی دین کا ایک تقاضہ اور فریضہ سمجھتے ہیں، یہ بات ان حکمرانوں کے لئے ناقابلِ مہلالت ہے جو ایک ماضی، ایک اطلالہ اور ایک شخصیت کے معاملہ میں نہ کسی کا وجود تسلیم کرتے ہیں اور نہ کسی کو نہ دہنے کا حق دیتے ہیں، یہ وہ بدترین عسکری انداموں حکومت ہے جس کے سامنے تھاج بن یوسف کے واقعات اور نیگلر دھلا کو کے مقام گروہیں۔۔۔۔۔ ان ملکوں اور حکومتوں نے خود اپنے قابلِ فخر فرزندوں کے ساتھ وہ سلوک کیا، جو کوئی دشمن کسی دشمن کے ساتھ نہیں کرتا انسان کو دنیا بھی وراثت اور سندہ ہمارے ہی دروہیں ابھی ملک مصر اس وقت اتحاد و اتحاد کو دتا ہے، لیکن اگر خدا غواستہ سید قطب کیہ سانچہ پیش آگیا، یہ اس سے بڑا المیہ اور سانحہ ہوگا۔

(نمائے ملت۔ لکھنؤ۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۶۶ء)

اور

یہ سانچہ پیش آکر امیہ المیہ واقع ہو کر دیا، دنیائے اسلام کے اس نامور فرزند کو پھانسی دے دی گئی۔

سبحان سماء طاق بود و گزول بار و دہ زمین

تمام عالم اسلام نے احتجاج کیا، جمال نامہ کو برقیہ بھیجی، مغربی سفارتوں کو یادداشتیں دیں، شرق اور وسط سے لیکر سرفاق اسباق کستا ملک اضطراب انگیز بن جائے، مگر جس طرح پتھر میں چٹک نہیں لگتی، اسی طرح جمال نامہ پر کسی احتجاج اور ادا و فریاد کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ اس طرح نے کہا تھا کہ ایک اس طرح ہے تو ہر اس مسئلہ پیدا کر سکتا ہے، مگر ایک ہر اس مسئلہ پیدا نہیں کر سکتا، سید قطب اس

جمال ناہر یہ مثل پر ہی اترتا ہے، ایک ہزار ہا جمال ناہر کی جانیں بھی سپہ قہلب کی عظیم شخصیت کی تلافی نہیں کر سکتیں! سپہ قہلب جیسے صاحبِ عہدیت دینی مفکر، اصحابِ کمال، سالن کے سامنے جمال ناہر جیسے حاکمِ اندرونِ خدا - حضراتِ الاصل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے! اس قسم کے دردناک واقعات میں ایک سلمان کے لئے سب سے زیادہ تسلی دینے والا خداوندِ حق ہے عقیدہ سے ہوتی ہے کہ اس دین ظالموں کو ان کے کڑواؤں کی پوری پوری سزا ملے گی اور جن کی غفلت و سہوت اور کبریاؤں کے جھنڈے آج دنیا میں اڑ رہے ہیں، قیامت کے دن وہ ذلیل و خوار ہوں گی طرح ساری دنیا کے روبرو کھینچے جائیں گے! جو دواستبداد اور طاقت کے ذریعہ جس نے اس دنیا میں جھوٹی عزت حاصل کی، قیامت کے دن اس کو ذلت کے سوا اور کچھ مانعہ نہ آئے گا!

آمریت نے کیا کیا؟ شاہ فاروق کو اگرچہ فوجی طاقت کے نذر سے ہٹایا گیا، مگر اہل مصر خوش تھے کہ انہیں ملوکیت سے نجات ملی! ملوکیت ہو یا آمریت، عوام ان دونوں میں سے کسی ایک قسم کی حکومت کو بھی پسند نہیں کرتے، کیونکہ یہ دونوں جمہوریت اور عوام کے حقوق کو پامال کر کے اپنے اقتدار و کبریاؤں کے تخت بچھاؤ ہیں۔ جنرل نجیب کو برطانیہ اور نظریہ کر دینے کے بعد مصر میں آئین کا بوڑھا دیکھ لیا گیا، اور جمہوریت کے نام پر جس طرز کی حکومت قائم کی گئی، اس نے مصری عوام کو بالکل بے دست و پا بنا کر رکھ دیا، اس قسم کے جاہلانہ قوانین وضع کئے گئے جو آمریت یعنی "ایک شخص کی مطلق العنان حکومت" کی بوڑیں مضبوط کرتے ہوئے مثلاً یہ کہ صدر مملکت کسی شخص کو بھی سیاسی وجوہ کی بنا پر مقدمہ چلائے بغیر گرفتار کر سکتا ہے اور کسی عدالت میں اس کی گرفتاری کے خلاف درخواستیں ہو سکتا! — یہ تو مرثیہ از خود ابے ہے، ان قوانین کی فہرست خمی طویل ہے!

جمال ناہر کی حکومت نے مصر کے پریس پر قبضہ کیا، جو اہل قلم اور صحافی حریت نسکرو رکھتے ہیں انہیں نظربند اور صحافتی دنیا میں گنہگار سمجھ کر ان کے رکھ دیا۔ مصر میں شاید ایک بھی ایسا اخبار باقی نہیں رہا بلکہ نہیں رہنے دیا گیا جو عوام کی صحیح طور پر ترجمانی کرتا ہو، آج کی مصر کی صحافت جمال ناہر کی نصیبہ خوافی کی مصروف ہے کسی فلم اندیشہ دہی کے خلاف کوئی احتجاج اور سخت تنقید نہیں، اخبارات کے کفیلوں کی قلم کی نفاذ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جمال ناہر مصر کا نجات دہندہ اور مصر کے دہو و بھگا کا امین ہے، اس کے ساتھ مضبوط کر لیں گے، مقرر قائم رہ سکتا ہے، تنہا کسی کی فالت اس سفید کی ناخدا ہے، جمال ناہر کی پالیسی اور طرز حکومت پر تنقید کرنے والا دھماکا مصر کا دشمن ہے اور مصر کی دشمنی کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

آج مصر کی صحافت پر کمپنیوں کا قبضہ اور تسلط ہے، انہی کے اخبارات اور رسالوں کو ملک کے طول و عرض میں پھیلنے کے مواقع دئے جاتے ہیں۔ اسلام کی جگہ سوشلزم کو نظریہ حیات کے طور پر پیش کیا جاسا ہے، قاہرہ کا ریڈیو سوشلزم کے پروپیگنڈے کے لئے وقف ہے، کوشش کی جا رہی ہے کہ مصری عوام کے ذہن و فکر پر "اسلام کی بجائے سوشلزم کا رنگ چڑھ جائے" اسلام کی طرف دعوت دینے والے مصری حکومت کے نزدیک بدعت پسند ہیں، اصنافِ بدعت پسندوں کو تباہ کرنے کے لئے صدر ناہر کی قتل کی سازش کے شکار بن گئے، دن مصری اخباراتیں چھوٹے چھوٹے ہیں وہ مصر کا اسلامی تمدن و تہذیب کا گوارہ رہ چکا ہے، آج وہاں غرضی تہذیب کو زندہ کرنے کی جگہ سے زندگی کے کوششیں جاری ہیں! "مخن ابناء الفضل عندہ" بدعت خروں کی اولاد ہیں، انہوں نے گریخ قابو میں نہ سنا دی ہے، رعیتیں اہل کا جسم بڑے فکر کے ساتھ نصیب کر دیا گیا ہے، مصر کے پرامیسی کوڑوں اور ڈاک کے ٹکڑوں پر خروں کی تعریف نظر آتی ہے! اسلام کے خلاف اتنی بڑی سازش شاید کسی بڑے بڑے شائق نے بھی نہیں کی! ایسکیم یہ ہے کہ مصر کی پوری نسل کو اسلامی تعلیمات اور دینی اقتدار سے بیگانہ بنا دیا جائے، تاکہ ان کی نگاہ میں "قیامت کے لئے تیار ہونے والے ہر ایک صلیبی، جعفر صادق، عثمان ذی النہین، علی مرتضیٰ، سعدان وقاص، خالد بن ولید اور عمران عبدالعزیز (رضی اللہ عنہم) جیسی شخصیتیں نہ رہیں کیونکہ جب تک یہ مقدس ہستیوں مسلمانوں کی نگاہ میں محترم اور نمونہ بنی ہوئی رہیں گی، ادب و احترام کی غلیظوں اور غیر اسلامی

زندگیوں پر احتساب کیا جائے گا، یا کم سے کم دونوں میں انہیں ناپسندیدہ سمجھا جائے گا، ان اعلیٰ نمروں پر فرعون کی شخصیتیں غالب آئیں تو پھر بیسویں صدی کے غمگینوں کو قوم، بطل جلیل اللہ ملک و ملت کے زعم و قائد کی حیثیت سے قبول کرے گی، ایشام تین سال تک مسندِ ناظر کی آمریت و تبادلت کے تلخ کراہتار، آخر کار جیسے ہیچ دال کے گھامنے اس بلا کو نالا ادا اس پھندے سے نجات حاصل کی، آج میں جمال ناظر نے خون کی چوہوں کی کھیل ہے اس پر طاقت کے لئے لخت میں الفاظ نہیں مل سکتے، "عرب اتحاد" کا نعرہ لگا کر بے شمار عربوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، آج کی تباہی پھر صریح حکومت نے جو عربوں کو پیہر ہونے کا ہے اور جتنے مصری سپاہیوں کی جانوں کی بھینٹ دی ہے اگر اس بلخار کا رخ اسرائیل کی طرف موڑ دیا جاتا، تو صیہونیت کی جان کے لئے بڑھ جاتا !

ایرٹیریا اور سومالیہ کے مسلمانوں پر جو مظالم کئے جا رہے ہیں وہ اب ڈھکے چھپے نہیں رہے مگر جمال ناظر نے ان مصیبت زدہ اہل ایمان سے بے پروائی کرنے کی بجائے دشمن اسلام میلانسی شاہ جہش سے دوڑی کی پیٹنگیں بڑھا دی ہیں! قبروں میں ترک مسلمانوں کے قاتل میکاریوں کو جمال ناظر کی حکومت نے مالی امداد دی ہے، ادا اس اذیت و غم کا تو لفظوں میں اظہار ہو رہا نہیں سکتا کہ اس شخص نے صوری حکومت کو مجاز میں میں مکہ اور مدینہ بھی شامل ہے، حملہ کرنے اور ہم پرسلنے کی دھمکی دی ! نہ جانے اس قسم کا پیلچ دیتے وقت جمال ناظر کا ایمان کس نقصان میں معلق تھا۔ کشمیر کے مظالم مسلمانوں کی ہمدردی میں ایک لفظ بھی نام نہاد جمہوریہ عرب کے اس صدی کی زبان سے نہیں نکلا۔

شاہ فیصل نے کس جوشی اخلاص کے ساتھ مسلم حکومتوں کو اتحاد کی دعوت دی ہے، مگر اس دعوت کا دیکھنے والے جمال ناظر نے جو معاندانہ روش اختیار کی ہے وہ تیس لاکھ فقیہین و علماء تباہی آئی کی مدد کو کتنا عظیم الشان مشرودہ اور کس قدر مست خیر نید و تہنیت ہے !

اسرائیلی حکومت میدان جنگ میں افواہن المسلمون کے جوش بھاد، ایمانی قوت اور عزیمت و استقامت کا تجزیہ کر چکی تھی، افواہن سے بہت خائف تھی، جمال ناظر نے "افواہن" کو تباہ کر کے، یہودیوں کو فک و غمت سے آزاد کر دیا، مصر میں افواہن کی تباہی و بربادی ٹھیک اسرائیلیوں کی مرضی، تمنا اور پلاننگ کے مطابق ہوئی ہے !

جمال ناظر کی نگاہ میں اسرائیلی حکومت کا مسئلہ کوئی ایسا شدید مسئلہ (GRAVE PROBLEM) نہیں ہے جس کے لئے کوئی ٹانگ رو دی جائے، عبدالکیم علوان نے جبہ فرانس کا وعدہ کیا تو اس نے واضح لفظوں میں کہہ دیا ۔
"جمہوریہ عرب اسرائیل سے نہ جنگ کی خواہش رکھتی ہے اور نہ امداد"

یہ اعلان دراصل جمال ناظر کی حکومت کی پالیسی کا اعلان ہے ۔۔۔۔ جب تک جمال ناظر کی آمریت باقی اور طاقت ہے یہودیوں کو اطمینان ہے کہ ان سے چھیز بھڑا نہیں ہو سکتی، عرب ممالک کے مسائل کے مصر میں پابخلیل حادی کے مضمون کا ایک اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے ۔
"مصری حکومت ان ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم کئے ہوئے ہے، جو نہ صرف اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ اسرائیل کے تمام مضبوط کرتے ہیں، دوسری طرف جو ملک اسرائیل کو کچلنے کے لئے مدد دے سکتے تھے، ان سے مصری حکام نے سر و ہری کا مدیہ اختیار کر رکھا ہے بلکہ کھلی کھلی حمایت تک فریاد پڑھا دی ہے، مسئلہ فلسطین کے بارے میں مصری سیاست کی نمایاں غلطیاں یہ ہیں کہ اس نے غزوہ پر بین الاقوامی ایمر جنسی فوس کا تسلط تسلیم کر کے اس علاقہ کو عملاً اسرائیل کی ملک و تازہ کئے گھر لے لیا ہے، یہی وہ علاقہ تھا، جہاں سے عرب رہنا اور اسرائیل میں ٹھس کر گوریلا جنگ جاری رکھ سکتے تھے، اب بین الاقوامی پولیس عرب رہنا کا ردوں کو اس علاقہ میں داخل نہیں ہونے دیتی اور اسرائیل فلسطین کے کساندھاس علاقہ میں اپنے اقتصادي منصوبے پر مبنی کا علاقہ ہے اس طرح پہلے حق پر بھی بین الاقوامی کنٹرول ہے پہلے یہودیوں کو اس خطے میں گھسنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی، مگر اب اس نے ولایت کے مقام پر عظیم الشان بندہ گاہ تعمیر کر لی ہے اور اس کے

جہاں بڑے طبقے کے ساتھ افریقی ممالک میں آج رہیں، اس طبقے کے کل جانے سے وہ ناکہ بندی ختم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اسرائیل سخت پریشانی میں مبتلا تھا، اور اس کی اقتصادی حالت شدید بحران کا شکار ہو رہی تھی، اب وہ بے کھنکھ افریقی ممالک میں اپنی تجارتی منڈیاں قائم کر رہا ہے اور افریقی ممالک کی کثیر تعداد بھی اس کے دام فریب میں مبتلا ہوتی جا رہی ہے۔

اس صورت حال سے افسانہ لگایا جاسکتا ہے کہ صدہا امریکی پالیسی سے اسرائیل کو کس قدر فائدہ پہنچ رہا ہے! اور اسرائیلی حکومت کی کیسی کیسی مشکلوں کے بندھن کھلتے جا رہے ہیں۔

شاہ فاروق بادشاہ تھا اور بڑا بادشاہ تھا، اس کی جلاوطنی پر مصری عوام نے خوشیاں منائیں کہ ملکیت کی دنیا دیوں اور بیانیوں سے انہیں نجات ملی، مگر صدہا امریکی جاہلانہ آمریت کا انہیں جو تجربہ رہا ہے، تو وہ شاہ فاروق کے دور ملکیت کو یاد کرتے ہیں! اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے بھی شاہ فاروق کا ساتھ نامرکی دوسرے بہتر تھا۔

مصر اور امریکی نظریہ اور عمل کے لحاظ سے ایک دوسرے کے کٹنے مخالف ہیں، اسلام کے دیمان کس قدر شدید دشمنی ہے، مگر جہاں کثرت الملکوں کی مخالفت انتہائی دیباہی کا تقاب ہے، روس، اور امریکہ ہی نہیں انگلستان، اسرائیل اور مصری مغربی طاقتیں بھی جہاں تاہر کی ہم نوا اور سرمد ہیں کہ اس طرح اسلامی اختلاف اندیشی تمدن اور نظریوں کو نقصان پہنچ رہا ہے! اسلام کے خلاف منافق مسلمانوں کے ساتھ تمام کافروں طاقتیں متحد ہو جاتی ہیں انسان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب وہ یہ دیکھتی ہیں کہ ہو کام نہیں کرنا تھا اسے تو انہیں مسلمان "تجدد و ترقی کے نام پر ہلاک کر دیتے ہیں۔

آمریت آزاد جمہوریت میں اصل طاقت عوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے، وہ چاہیں تو آئینی حدود و حدود کے اندر ملک میں انقلاب لایسکتے ہیں۔ جمہوری حکومتوں میں اسباب اقتدار کو اس کا خوف لگا رہتا ہے کہ عوام ان سے بدول ہو گئے تو ان کو کرسیوں سے بے دخل کیا جاسکتا ہے، اس لئے وہ عوام کے جذبات، احساسات اور مطالبات کا نیا دھسے نیا دھ خیال رکھتے ہیں، اور عوام کے احتجاج کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، جمہوری اندیشی انقلاب میں نون خیر کی قربت نہیں لگنے پاتی، وہاں تو ملامت و رافضی نہیں، الفاظ اور اصول اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ جمہوری حکومتوں میں وہی شخص اقتدار کی کرسی پر فائز ہو سکتا ہے جس سے عوام مطمئن ہوں، وہاں کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی قانون سے بلند و بالا مستثنیٰ نہیں ہوتا! جمہوری حکومت میں حکومت کی بڑی سے بڑی شخصیت کی ذاتی زندگی پر بھی عوام تنقید و احتساب کا حق رکھتے ہیں، وہاں فرد واحد کی مائے سے نہیں، بلکہ باہمی مشورہ سے امور مملکت طے ہوتے ہیں۔ جمہوری سیاست میں حاکموں کو عالی ظرف، صاحب صبر و تحمل اور بڑا کمبخت بن کے رہنا پڑتا ہے، یہاں تک کہ بعض نازک اور اہم معاملات میں سازش، خدای، اور بدعینتی جیسے الزامات بھی عوام کی زبان سے سننے پڑتے ہیں! اسلام جو شریعت کا قائل ہے، اس کے لئے جمہوریت کی فضائیاں وہ سازگار لگاتی ہے۔

بادشاہت میں حکومت کے امور اور معاملات فرد واحد کے اور گرد و گھومتے ہیں، وہاں بادشاہ کو بدینے کے لئے انقلاب لانے کی جدوجہد قانوناً جرم ہوتی ہے، حکومت کے خزانہ سے بادشاہ اور اس کے خاندان والے اور متعلقین جس طرح چاہتے ہیں فائدہ اٹھا لیتے ہیں، دبا بیل اور خوشامدیل کا ایک جرم بادشاہ کو گھیرے رہتا ہے اور جہاں پناہ کو یہ تک باور کرایا جاتا ہے کہ آپ "نفل اللہ" میں! ایک بادشاہ مر رہا ہے تو اس کی جگہ اسی خاندان کا کوئی فرد اس کی بجائے بادشاہ بنتا ہے، اس بادشاہ ایک ہی جیسے نہیں ہوتے، تاریخ شاہد ہے کہ بعض نیک نفس اور خدا ترس بادشاہوں کو عوام نے پسند کیا ہے! ان کی ذات کو برکت و رحمت سمجھا ہے، بڑے سے بڑے بادشاہ نے بھی جمہوریت اور عوامی حکومت کا نام لے کر لوگوں کو دھوکا نہیں دیا، بادشاہ جمہوریت اور شریعت کے دو پیادہ نہیں ہوتے، ان کی پالیسی واضح ہے، کہ جس قسمت کی طرف سے لوگوں پر بادشاہت کرنے کا حق ملے، مسجدوں میں ان کے نام کے خطبے پڑھے جاتے ہیں، جن میں بادشاہوں کو

”قد قدرت“ اور ”ملک و مقاب اُم“ تک کہا جاتا ہے۔

”آمریت“ اسی سیر میں صدی کی مشہور و معروف اصطلاح ہے، اس سے پہلے کی تاریخ میں قدیم زمانہ کو شان کرتے ہوئے (خلفاء مالی سلاطین، ملوک، راجے، مہاراجے اور شہنشاہ ہمارے کہتے تھے، تغیر چین، زاروں، فرعون مصر، کرائے ایمان، قیصر روم، ملوک سیر و دستان، چیخ مین، سلطان ترکی، اور بھارت کے مہاراج اور راج کے لقب بہت مشہور تھے !

جس طرح بادشاہ اپنے کو بادشاہ کہتا ہے اسی طرح دنیا کا کوئی ڈکٹیٹر و آمر اپنی ذات سے اس لقب کو منسوب کرنا پسند نہیں کرتا۔ جمال ناہر کی زندہ مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہ مہر کا مطلق العنان حاکم ہے، اُس کے حکم اور مرضی کے بغیر مہر کے حدود و مملکت میں کوئی دم نہیں مار سکتا اور چوں نہیں کر سکتا، مگر اُس نے اپنا لقب ”صدر جمہوریہ عرب“ تجویز کیا ہے، اُس نے انتخابات کا ڈھونگ رچایا اور پھر رفتہ رفتہ عوام کی آنادی اور حقوق کے دائرے کو تنگ کر گیا، اُس نے ملک میں ایسے قانون بنائے جو اُس کی اپنی مرضی اور پسند کے تھے۔ اور اپنی ذات کو وہ ممتاز حیثیت دے دی جو قانون کی گرفت سے بالاتر ہے، فوج سے لے کر عدلیہ اور انتظامیہ تک حکومت کے تمام شعبے جمال ناہر کے ہوا خواہ ہیں بلکہ اُس کے چشم دماغ کے اشارے پر گردش کرتے ہیں، اردو، پسیا اور سندھ سے لے کر حکومت کی طاقت کا دیا و غرض جو کوئی جس جہ سے بھی شکار کیا جاسکتا تھا، اُسے جمال ناہر کی ڈبل میس نے پھیرنا کر چھوڑا۔ وہاں کے پولیس پر حکومت کا پوری طرح قبضہ ہے، عوام کی آنادی کو اس طرح شکنجے میں کس گیا ہے، کہ حکومت کی کسی بڑی سی بڑی نیادتی کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں ہو سکتی، مہر کے پولیس، میڈیو اور دیگر نطفے سے اس کا پیدائش کیا جاتا ہے کہ جمال ناہر صاحب مہر کے نجات دہندہ اور بے قیود کے زعم کبیر میں۔

جامعہ اسلامیہ کی تقدیس کو ایک چراغ سال کے بعد دھوا کر میں اس حادثہ سے دوچار ہونا پڑا کہ وہاں کی تعلیم کو ”مخلوط“ کر دیا گیا، آج کا مصر اپنے دینی شاہیر اور علماء کی بجائے عوام و ناب و مسرت و شہرہ و غلیہ اُم کا ٹروم پر غور کرتا ہے، مہر کے بڑے بڑے شہر و دیں نسق و فوج کی گرم ہانڈی ہے، دینی اخلاق و انداز کے نشانات دھندلے پڑنے لگے، ملتے اور معدوم ہوتے چلے جا رہے ہیں، حکومت کو کبھی ایسے چاہ پرست اور نامانوس علماء میں ہاتھ لگ گئے ہیں، جو اسلام کی بجائے سوشلزم کی تلقین و تبلیغ کرتے ہیں، جمال ناہر نے اپنی تشہیر و دیں میں غرور کیا تھا۔

”اے قہر و اور رئیس کے فرزند!..... وہ ہمارے سال کے بعد آج مہر پر پسیا مہر خود

اہل مہر کو حکومت کرنے کا موقع ملا ہے“

ان دنوں دسک کے سایہ میں جو معاشرہ تشکیل پائے گا اور جونس اُبھرے گی اُس میں اسلام و اخلاق کی کوئی خصوصیت بھلا باقی و سکتی ہے! دنیا کے جس ملک میں بھی چھوٹے یا بڑے پیمانے پر ”ناہری آمریت“ کو فروغ دیا جاتا ہے، وہ اسلام اور جبریت کا دھماکنیز المیہ ہے! اللہ تعالیٰ ہم سب کو، چاہے وہ خاص ہوں یا عوام، دین پر چلنے، دین کو سر بلند کرنے اور دین کے لئے مرنے اور جینے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

جائزہ سید قطب اور ان کے ساتھیوں کے پھانسی پانے اور شہید ہونے پر ہم نے پاکستان اور ہندوستان کے دینی حلقوں کی دوش کا بھی تجویز کر کے دیا، لیکن ان کے فلم کے خلاف احتجاج، مظلوموں کے ساتھ ہمدردی اور اعلان حق کا فریضہ انجام دیا، لیکن خاموش رہا، اور ان حلقوں میں مسرت کے انداز میں سرگوشیاں ہوتی رہیں! مسرت اس بات کی کو ان۔ انھوں نے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا ہے۔ جن کی سرکشیہ نیاہ ہمدردانہ قدس مشائس جماعت اسلامی ہے انسان کی دینی فکر و دعوت کو حق سمجھتی ہے کسی کسی نے دینی زبان سے دینی اخلاق کے اس عام مسئلہ کو۔ مہر کے داخلی معاملات سے تعبیر کیا، سرگودھا کے زندان نامہ وفاق نے اس انتہائی حسد و کساندگی کے خبر واطلاع پر جو۔ ہیٹلین قائم کیا، اسے پڑھ کر دل پر ہر ہو کر رہ گیا، اس زندان نامہ کی وہ اشاعت سامنے نہیں ہے مگر جلا سترخی کا یہ مفہم تھا۔

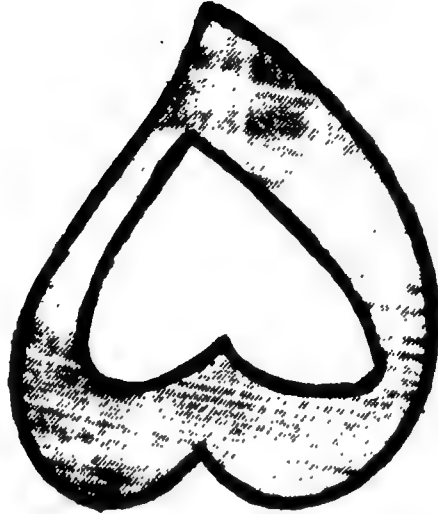
”مصر کی خلافت قانون جماعت کے لئے مدوں کو منترائے موت“

نکدہ بالا عنوان نے اس المیہ اور فتنہ کی اہمیت کو بڑی طرح مجسود کر دیا۔ مقصود یہ کہ پڑھنے والے یہ تاثر قبول کریں کہ یہ تنظیم
انوان المسلمون ————— اپنی غیر فتنی حرکتوں کے سبب مصر میں پہلے ہی سے، خلافت قانون قرار دی جا چکی تھی، ایسی سرکش جماعت کے
لیڈروں کو یوں ہی منترائے موت نہیں دے دی گئی، بلکہ !

مولانا عبدالماجد دہلوی مدظلہ صدق جدید جنہوں نے کئی سال پہلے اپنے اخبار میں ”انوان کی مظلومیت پر طنز فرمائی تھی، جس کے
بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے لکھا تھا کہ لاش (مولانا دہلوی کے لکھے ہوئے ان لفظوں کو میں اپنے خون دل سے مٹا
سکتا) انہی نے سید قطب کی شہادت پر ”وفات“ کا عنوان قائم کیا ہے! شاید مولانا موصوف کا یہ عقیدہ ہو کہ شہادت کا فرد کے ہاتھ سے ہونے
جانے ہی سے نصیب ہوتی ہے، مسلمان حکومتیں اور ان کے فرمانروا، کسی مسلمان کو ظالمانہ طور پر قتل کر دیں، تو وہ قتل ”وفات“ ہوتی ہے، شہادت
نہیں ہوتی، اس صورت میں حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن عمر کی ”شہادتیں“ محض خود ہوجاتی ہیں! حالانکہ یہ غویس فلسفہ ”شہید ہوجے
ہو، اور ان کے قتل کرنے والے اگرچہ مسلمان تھے مگر ظالم تھے! اپنے اس شندہ میں مولانا دہلوی نے سید قطب شہید کی، مدح و ستائش کی
ہے، مگر جمال ناھر کے بارے میں ایک حرف نہیں لکھا، مظلوم کی تعریف و ستائش اور ظالم کے خلاف احتجاج اور انہماک خیال سے گریز اور سکوت!
یہ ”تعزیت“ کی آخر کون سی قسم ہے؟ مولانا موصوف کے اس شندہ کو پڑھ کر قاری یہ تاثر قبول کرے گا کہ سید قطب طبعی مست ہرے ہیں، یا کسی
ناگہانی بلاتے آسمانی کا شکار ہوئے ہیں، اس صورت میں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تو خوف گیری نہیں کی جا سکتی کیونکہ ”وفات“ اور ”موت“ تو
ہر جان کے ساتھ ملتی ہوتی ہے، ایک نہ ایک دن ہر جاندار کو مرنا ہے!

اللہ تعالیٰ کے یہاں پھر شخص کا دیکھاؤ محفوظ ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کی نیلوی کا حال بھی جانتا ہے قیامت کے دن یہ دیکھاؤ ہر
شخص کے سامنے کھلی کتاب کی طرح آئے گا، اللہ تعالیٰ اُس دن کی رسائی سے ہمیں محفوظ رکھے، ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور حضور
شفیع المذنبین کی شفاعت کے آ رہے و منتہی ہیں (دآمین)

ماہر نقاد ری ۲۶ ستمبر ۱۹۶۶ء



آزمودہ دواؤں کا مرکب

انساجین



سر درد - مکر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقینی نفع داتا اور بے ضرر علاج ہے

ماہر القادی

جھوٹی نبوت کا جھوٹا علمِ کلام

فلسفہ قادیانیت کی تعریف و تہذیبِ اہل اُس کے بطلان کی ضرورت ہے اس لئے محسوس کی کہ لاکھوں آدمیوں سے اس مسلک کی مخالفت و کفر کی تبلیغ کے لئے ہمارے پاس لٹریچر، پمپا گیا، دوسرے فلسفے سے بھی ہمیں اطلاع ملی کہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے قادیانی بڑی سرگرمی کے ساتھ اپنے سو فی صدی غلط عقیدہ اور سہل کفر و باطل مسلک کی تبلیغ کر رہے ہیں! اس صدمت میں ہمارا کیا فریضہ تھا؟ یہ کہ ہر چہ سادہ لیتے اور خاموش بیٹھے رہتے، اگر ہم یہ عداوت رکھیں کہ وہ ہم میں جھگڑا کرتے، قریابت کے وہ ہم سے خشمیدہ باز نہ رہیں ہوتی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت اور اسلام کے دفاع اور جھوٹی نبوت کی تردید کی قوت و طاقت دی تھی تو ہم نے اس سے کام لیا نہیں لیا، اور عداوت کی وجہ ہم شیطان نے پیدا کیا تھا، اُس میں تم کیسے مبتلا ہو گئے؟

آخرت کی اس جواب دہی سے بچنے کے لئے، حق کی حمایت اور باطل کی تردید میں، ہم نے "فلسفہ" کے تین شمار میں "قادیانیت" کو مسلک کا پورٹ مارٹم کر کے دکھا دیا کہ یہ مسلک کفر و ضلالت کا مسلک ہے، اس مذہب کی بنیاد کذب و افتراء اور دجل و فریب پر ہے، اسلام کے خوف یہ سب بڑی سادہ سچ ہے، اس مسلک کو قبول کرنے کے بعد آدمی ایمان و اسلام سے عاری اور محروم ہو جاتا ہے، قادیانیت انگریزوں کا لگایا ہوا پودا ہے، اس کے پھولے — مرزا غلام احمد — کی زندگی کا بہت بڑا حصہ انگریز کی وفاداری، نیازمندی اور کاسہ لیس میں بسر ہوا ہے، جس شخص نے انگریزی حکومت کی وفاداری اور نیازمندی کی لوگوں کو تلقین کی ہو اور جس نے انگریزوں کی خوشنودی کے لئے فریضہ جہاد کی تبلیغ کا اسلام کیا ہوا اس کی ذات سے ولایت، مجددیت، مجددیت، مسیحیت اور کئی قسم کی بھی نبوت منسوب کی جا سکتی ہے؟ کیا کسی ولی اللہ کی دینی فرمائش ایسی ہو سکتی ہے کہ انگریزوں کی کافر حکومت کو قرآن کریم کے "اولی الامر" کا مصداق ٹھہرا دیا جائے؟ اللہ اور رسول کی اطاعت کے بعد جس "اولی الامر" کی اطاعت کا قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے، کیا وہ "اولی الامر" کافر بھی ہو سکتا ہے؟ صرف یہی ایک چیز بتانے کے لئے کافی ہے کہ مرزا غلام احمد کس غلط فکر و مزاج اور کس پسند سیرت و کردار کا انسان تھا!

"تفریق پیدا کرو اور حکومت کرو" (Divide and Rule) یہ انگریزی حکومت کی پالیسی تھی، مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت کے دعوے سے امت مسلمہ میں کھلی ہوئی تفریق پیدا کر دی اور یہ "تفریق" انگریز کو مطلوب اور محبوب تھی، اسی لئے انگریز کے خلقِ عاقلیت میں یہ خاندان ساز "خلقِ نبوت" پر جان پڑی! — "امت کے اندر ایک امت" یا "امت کے عقائد میں دوسری امت" اور "نبوت کے دو مقابل جہید نبوت" — اس افتراق کی خدمت کے لئے جتنے سخت سے سخت الفاظ بھی استعمال کئے جائیں، وہ حقیقت کی واقعی ترجمانی کے لئے کم ہی ٹھہریں گے، امت مسلمہ کا یہ "افتراق" انگریزوں کی پالیسی کے عین مطابق تھا، اسی لئے کہ مرزا غلام احمد نے کہا تھا —

"میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں، نہ مدینہ میں نہ روم"۔ "میں نہ شام میں، نہ ایران میں نہ کابل میں، مگر اس گرفت میں جس کے، اقبال کے لئے اللہ سے دعا کرتا ہوں....."

خدا کے لئے انصاف سے بتاؤ کہ امت مسلمہ مرزا غلام احمد کو کس دلیل کی بنا پر غلطی اور ہمدردی کا نشانہ بنی، جب کہ کتاب و سنت، آثار و احادیث

اودائے حدیث و فقہ کے اقوال میں نبوت کی کوئی ایسی قسم بھی سرے سے نہیں ملتی؛ نبوت کے اقرار و انکار کا مسئلہ کفر و ایمان کا مسئلہ ہے، کتاب سنت سے حکم اہل فاضل طوطہ پر یہ عقیدہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر نبوت کو ختم کر دیا گیا، اس منصوص عقیدہ کے جوہرے امت کسی ہمدردی، غلطی، طغیانی اور صاحب امر و نبی کی نبوت کو کس طرح تسلیم کر لیتی؟ امت محمدیہ نے مرزا غلام احمد کو نبی نہ مانا، کراؤ، آفسر، قصہ کیا ہے؟ اور یہ بات کس طرح محقق ہیں آسکتی ہے کہ وہ امت جس کے پاس اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سیرت پڑھی کی پوری محفوظ ہو، وہ مرزا غلام احمد کی نبوت اور مولود مسیحیت کے مسئلہ میں گمراہ ہو گئی ہے! اللہ جل شانہ، رسول اور قرآن پر ایمان لانے کے باوجود، وہ مومن نہیں ہے، امت مسلمہ ایمان اور اسلام اس وقت معتبر ہوگا، جب وہ مرزائے قادیان کی نبوت اور مولود مسیحیت پر ایمان لے آئے گی۔ یہ کیسی ناقابلِ امد جہالت ہے جو خبر کی باتیں ہیں، امت مسلمہ سے اس بات کی کیوں توقع کی جاتی ہے کہ وہ قادیانوں کے ہاتھ اپنے دین و ایمان کو بیچ دے گی۔

جس زمانہ میں مرزائے قادیان نے دعویٰ کا سلسلہ شروع کیا ہے، امت مسلمہ میں ہزاروں افراد ایسے موجود تھے، جن کے علم و تقویٰ کے مقابلے میں مرزا کی زندگی کو قابلِ التفات نہیں سمجھا گیا، خود پنجاب میں قوس شریف اور گولڑہ شریف کے شاخ و برگ تھے، امدیہ۔ پی کے حضرت مولانا فضل گچ مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے سامنے مرزا غلام احمد کی ذات و آفتاب اندہہ کی برابر بھی نسبت نہیں رکھتی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا ماسح نانوتوی علم و فضل کے سمندر تھے، تحریر و تحقیق اور شرفِ ادب کی خوبی و کمال میں علامہ شبلی نعمانی کے مقابلے میں مرزا غلام احمد طغی مکتب نظر آتا ہے، ان بلند ہوا اور ممتاز شخصیتوں کے جوتے ہوئے مرزائے قادیان کی طرف کسی مسلمان کی نگاہ کس طرح جاسکتی تھی! مرزا قادیان کے مقابلے میں سینکڑوں گنا زیادہ کشش و ترسید احمد خاں کی شخصیت میں تھی۔

ایک وہ شخص جو انگریزی حکومت کی نیاز مندی اور وفاداری کا دم بھرتا ہوا دینی دفا داری کا یقین دلانے کے لئے جس نے انگریز حاکموں کے حضور خود راستیں بھی دیں، اس کی ذات اور شخصیت سے مسلمانوں کو لگاؤ و کس طرح ہو سکتا تھا۔ انگریزوں سے وفاداری، بیانا مندی اور اطاعت فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہی مرزائے قادیان نے اپنی شخصیت کو مشتبہ بنا دیا، مرزا کی یہی مشتبہ شخصیت، فنا فی الرسول اور ولایت کا دعویٰ کرتی ہے، مراق، دق، سن اور ضعف، وہ کی جہاں کی کڑویوں کے ساتھ، یہ عجیب و غریب قسم کا۔ فنا فی الرسول امتی، امت کے سامنے آتا ہے، جو ذاتِ خاتم النبیین میں اس طرح گم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کہ ذات رسالت تاب اور اس۔ فنا فی الرسول امتی کے مابین نہایت اتار کے باوجود غیریت ہے، باقی نہیں رہتی ہے۔ یہاں تک کہ۔

”محمد کی نبوت آخر محمد ہی کو ملی، گو ہر دوزی طوطہ پر۔۔۔۔۔“

مرزا کا نام تو اس کے بل باپ نے غلام احمد رکھا تھا، پھر یہ محمد کی نسبت کیسے؟ اس کی تاویل اس نے یوں کی۔

”وہی ابلیس میرا نام محمد رکھا گیا، اور رسول بھی۔۔۔۔۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر نبوت اور وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا، اس عقیدہ اور واقعیت و حقیقت کی موجودگی میں امت مسلمہ مرزا غلام احمد کے اس دعوے کو کس طرح درست مان لیتی کہ اس پر ”وحی“ بھی آتی تھی؟

امت کے سامنے انبیاء کی سبائک زندگیاں اور خاص طور سے حضور نبی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس سیرت ہے، وہاں نبوت سے پہلے کسی قسم کا کوئی دعویٰ نہیں ہے، اس لئے کہ نبوت میں تہذیب نہیں ہوتی، مگر اس کے برخلاف مرزا کے دعوے کا سلسلہ ولایت سے جو چلتا ہے، تو تجدیدیت، مہدویت، موعود مسیحیت، بردنہ و فطی نبوت اور امر و نبی کی حامل نبوت پر جس میں وحی بھی شامل ہے، جا کر ختم ہوتا ہے، بلکہ جھوٹے دعووں کی یہ مشابہت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ جھوٹ کا یہ خاصہ ہے کہ اس پر اصرار کرنے کے لئے جھوٹا آدمی ذہانت و ذہالت کے پائالے تک پہنچ کر کہتا ہے کہ امت مسلمہ کے سامنے اس نئی کاذب کی پیش گوئیاں بھی تھیں۔

— ”مردی شہادت میری زندگی میں فوت نہ ہو، قرین و چل اعدا کاذب ہوں۔“

(اشہارِ عزنا ہار اپریل ۱۹۳۲ء)

— ”اکثر عہدائیکم میری آنکھوں کے روبرو اصحابِ نبیل کی طرح نیست و نابود ہو جائے گا۔“

(بصرہ صغہ ہار نومبر ۱۹۳۲ء)

— ”دو تین خاتون ہمارے تیرے نکاح میں آئیں گی، جن کو تو نصرتِ جہاں کے بعد پائے گا، اعلان ہے تیری

نسب بکثرت ہوگی۔“

(اشہارِ عزنا صغہ ۲۰ فروری ۱۹۳۲ء)

مگر

ان پیشین گوئیوں کے وقوع میں آنے سے قبل ۲۶ مئی ۱۹۳۲ء کو مرزا غلام احمد مرگے! — جسے نبی کی جھوٹی پیش گوئیوں کا یہی حشر ہونا تھا، لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں شیطان نے اس جھوٹی نبوت کی عقیدت کا بیج بڑھا دیا ہے، وہ کذب و افتراء کی ان کھلی ہوئی نشانیوں کو دیکھتے ہیں مگر ان کی عقیدت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے، آخر دوزخ کے لئے انسان کا ایندھن بھی تو پہلے ہے! اُمّتِ مسلمہ کے سامنے ”قصائدِ احمدیہ“ بھی تھے، جن میں — اہل سنت و الجماعت کے علمائے اوس قسم کی گالیوں دی ہیں۔

”نجیث، شیطان، مفسد، کذاب، زاری، غری، اہل، اسحق، شقی، ذیب، طاعین، اشرارِ اثم، قاتل،

رجالِ مغتری، ادا باغ، بے ایمان، بے حیا، کلب،“

یہ ہے تصانیفِ قصیدہ نگاری کا اسلوب، اس کی زبانِ ادب! جس کا ایمان بگڑتا ہے اس کی زبان بھی بگڑ جاتی ہے اور اس ”قلم بھی ہڈیاؤں کے انہار لگتا چلا جاتا ہے اور جھوٹی نبی کے اسی قسم کے ”ہڈیاؤں“ کو ”وہ“ سمجھتے ہیں! (استغفر اللہ)

ان لوگوں کو خبیث اعدا بے ایمان بھی کہا جاسکتا ہے، ان القاب کے لئے کوئی سبب ہونا چاہئے، مگر علماء ملتِ اسلامیہ آؤ کہس جرم میں ان القاب کے مترادف ٹھہرائے گئے! انہوں نے کسی مخصوص عقیدہ کو بدل دیا تھا، دین کے کسی رکن کو منسوخ کر دیا تھا، کتاب و سنت سے ثابت شدہ کسی مسئلہ کو نہیں مانا تھا، ان کے چاروں کا اس کے سوا ایک قصور تھا کہ نبی کاذب کے دعویٰ نبوت کی انہوں نے فوری جرات کے ساتھ تکذیب و تردید کی؟ اور اس طرح امت کو کفر و ضلالت سے بچالیا! علماء کا یہ کارنامہ قرآن کے احکامات و کلامِ ربیب کے ساتھ زیادہ روشن و تابناک و صاف ہے، اس پر وہ جتنا بھی ناز کریں کم ہے!

مرزا نے قادیان کی قسیر کا اقتباس ادھر دیا جہاں لکھا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مرزا اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ مسلمانوں کے کہیں ”نبوت کے دعوے کو انجیزا اور گوارا نہیں کیا جاسکتا، اس کے سامنے خلافتِ راشدہ کے ”مدعیانِ نبوت“ کا حشر تھا! اسی لئے اس نے انگریزی حکومت کو اپنے کام کے لئے منتخب کیا، ایسے ”دعویٰ“ اور اس قسم کا شش جس سے اُمّتِ اسلامیہ میں بھڑک پیدا ہوئی ہو، انگریز کی مرضی کے عین مطابق تھا، انگریز کو اندھا کیا چاہئے تھا، ایک ڈھنگ کا ”نیات مند“ و ”فادار“ نبی“ اس کو تائید آگیا، اور ایک ایسی امت مل گئی، جو انگریز کی کافرانہ حکومت کو ”اول الامر“ جانتی تھی، اور جس امت کے نبی کی فکر کا زیادہ حصہ انگریز کی خیر خواہی اور دعا گوئی میں بسر ہوا تھا۔

”جہاد کا مفہوم بیک وقت کچھ ہے، اور اس میں جہاد نفس سے لے کر جہاد باسیف تک شامل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دلوں کے غزوات انھیں اس جنگ سے تعلق رکھتے ہیں، جو جنگیں یہاں میں تلوار سے لڑی گئیں۔“ جہاد باسیف منسوخ نہیں ہو گیا، یہ حکم اور مندرجہ علیٰ حالہ باقی ہے، مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ کافروں سے ”وقتِ فتنہ“ جہاد باسیف ”ہوتا رہا ہے، صلیبی کلمات میں مسلمانوں کا کردار ”جہادین“ کا کردار رہا ہے اور صلاح الدین ایوبی کے کارنامے مقدس جہاد کے عملی نمونے ہیں، مگر کافرا کوٹ بھی، جہادِ علیٰ عملی تفسیر ہے اور اس طرح مسلمان

— "مروی شمس میری زندگی میں فوت نہ ہوا، قریم، وچال ادا کا ذب ہوں۔"

داشہار مرزا دار اپریل ۱۹۵۹ء

— "ذاکر محمد الحکم میری آنکھوں کے دوبرہ اصحاب فیل کی طرح نیت و نابود ہو جائے گا۔"

(تبصرہ صفحہ دار نومبر ۱۹۵۹ء)

— "دو تین خاتون مبارکہ تیرے نکاح میں آئیں گی، جن کو تو نصرت جہاں کے بعد پائے گا، اعلان ہے تیری

نس بکثرت ہوگی۔"

داشہار مرزا صفحہ ۲۰ فروری ۱۹۵۹ء

مگر

ان پیشین گوئیوں کے واقعہ میں آنے سے قبل ۲۶ مئی ۱۹۵۹ء کو مرزا غلام احمد مرگے! — جس نے ہی کی جھوٹی پیش گوئیوں کا یہی منہ ہوتا تھا لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں شیطان نے اس جھوٹی نبوت کی عقیدت کا بیج بویا ہے، وہ کذب و افتراء کی ان کھلی ہوئی نشانہوں کو دیکھتے ہو مگر ان کی عقیدت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے، آخر دوزخ کے لئے انسانوں کا ایندھن بھی تو چاہئے! اُمّتِ مسلمہ کے سامنے "قضاء احمدیہ" بھی تھے، جن میں — اہل سنت و الجماعت کے علماء کو اس قسم کی گالیاں دی ہیں۔ "نجیث، شیطان، مفسد، کذاب، ناری، غوی، اجہل، احمق، شقی، ذیب، طایین، اشرار، اثم، فتن،

وچال مفسر، ادبائل، بے ایمان، بے حیا، گلب،"

یہ ہے قادیانی تحیدہ نگاری کا اسلوب، اس کی زبان اور ادب! جس کا ایمان بڑھتا ہے اس کی زبان بھی بگڑ جاتی ہے اور اس "قلم بھی بنیاد کے انہار لگتا چلا جاتا ہے اور جرحہ کی کئی اس قسم کے "ہدیات" کو "دی" سمجھتے ہیں! (استغفر اللہ!)

انسانی کو نجیث اور بے ایمان بھی کہا جاسکتا ہے، ان القاب کے لئے کوئی سبب ہونا چاہئے، مگر علماء ملت اسلامیہ آخر کس جرم میں ان القاب کے سزاوار سمجھائے گئے! انہوں نے کسی مخصوص عقیدہ کو بدل دیا تھا، دین کے کئی رکن کو منسوخ کر دیا تھا، کتاب و سنت سے ثابت شدہ کسم "مسئلہ" کو نہیں مانا تھا، ان بے چاروں کا اس کے سوا اور کیا قصور تھا کہ نبی کا ذب کے دعویٰ نبوت کی انہوں نے پوری جرات کے ساتھ تلکذیب: تردید کی؟ اور اس طرح امت کو کفر و ضلالت سے بچالیا! علماء کا یہ کارنامہ قرآن کے احکامات کا سب سے زیادہ روشن و تابناک ردق ہے، اس پر جتنا بھی ناز کریں کم ہے!

مرزائے قادیان کی تحسیر کا اقتباس اور دیا جاسکتا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مرزا اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ مسلمانوں کے کسی ملک "نبوت کے دعوے کو انجیز اور گوارا نہیں کیا جاسکتا، اس کے سامنے خلافتِ راشدہ کے "مدعیانِ نبوت" کا حشر تھا! اسی لئے اس نے انگریز حکومت اپنے کام کے لئے منتخب کیا، ایں۔ "اور اس قسم کا مشن جس سے اُمّتِ اسلامیہ میں پھوٹ پیدا ہوتی ہو، انگریز کی مرضی کے عین مطابق تھا، انگریز اور کیا چاہتے تھے ایک ڈھاگو، تیان زندہ، وفادار، نہی" اس کو ماتہ آگیا، اور ایک ایسی امت مل گئی، جو انگریز کی کافرانہ حکومت کو "اور اللہ عز و جل" جانتی تھی، جس امت کے نبی کی عمر کا زیادہ حصہ انگریز کی خیر خواہی اور دعا گوئی میں بسر ہوا تھا۔

"جہاد کا مفہوم جنگ سمجھا جاتا ہے، اور اس میں جہاد نفس سے ہے کہ جہاد باسیف جنگِ شان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس و عزائمات انھیں کیا اس جنگ سے تعلق رکھتے ہیں، جو جنگیں میدانوں میں تلوار سے لڑی گئی ہیں، "جہاد باسیف" منسوخ نہیں ہو گیا، یہ حکم اور منسوخ علی حاد باقی ہے، مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ کافروں سے دقتِ وقت "جہاد باسیف" ہوتا رہا ہے، صلیبی حملات میں مسلمانوں کا راز "جہادین" گرد رہا ہے اور صلاح الدین ایوبی کے کارنامے مقدس جہاد کے عملی نمونے ہیں، "جہاد باسیف" کی عملی تفسیر ہے اہل حق کی جہاد۔

ام آئے ہیں وہ شہید ہیں !

بن کر دوزخ میں رہے یہ خاک و خون غلطیوں

خدا رحمت کند ایہ عاشقانِ پاک طینتِ ما

عیسائی دنیا - صلاح الدین ایوبی کی زیر قیادت مسلمانوں کے جوشِ جہاد کا تجربہ کر چکی تھی، مجاہدین نے نصرانی سوراؤں کو ہر محاذ پر رگید ڈالا تھا، جہاد کی اس اسپرٹ سے عیسائی دنیا خوف کھاتی تھی، مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریز کے اس خوف اور اندیشہ کو دودھ کرنے کے لئے فریضہ جہاد کی تیئیس کا اعلان کر دیا۔

"یہ وہ فرقہ ہے جو احمدیہ کے نام سے شہید ہے اور پنجاب اور ہندوستان اور دیگر متفرق مقامات پر پھیلا ہوا ہے، یہی وہ فرقہ ہے جو دن رات کوشش کر رہا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات سے جہاد کی یہودہ رسم کو اٹھا دے۔"

جہاد کے مقدس و مخصوص فریضہ کو جو شخص - یہودہ رسم - کہتا ہو، کیا وہ ولی، مجدد اور مسیح موعود ہو سکتا ہے؟ غلام احمد قادیانی نے انوکھ منصب کی بنا پر فریضہ جہاد کی تیئیس کا اعلان کیا، جو احکام و فرائض لغوی قطع سے ثابت ہیں ان کو لغوی قطع ہی منسوخ کر سکتی ہے،

اگر

اُس کے خط و دخل کے مطابق اُس پالیسی و ہی آتی تھی، جس میں "امرو نبی" بھی ہوتا تھا، تو اس صمدت میں وہ بروزی اور فطی ہی نہیں مستحق بالذات نبی قرار پاتا ہے، اسی قول و عمل اسی اعلان کے بعد اُس کا زبان سے یہ کہے جانا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں "خاتم النبیین" مانتا ہوں، دوا برابر حق نہیں رکھتا، یہ کھلا جہاد ہو اور واضح دلیل و فریب ہے!

مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام دعوے - ایک جگہ بھی کر دئے جائیں تو وہ اُس کو کاذب و خداح و مغتری ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، اُنہی کھلا ہوا تضاد و توہاری دلوں کے قول و عمل میں بھی نہیں پایا جاتا، ایک لپٹا لپٹا دوا دہ گورے، کہ جو جی میں آتا ہے، بکے چلا جاتا ہے، اُسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ اس سے پہلے کیا کہا تھا؟

مرزا نے دو لوگ لفظوں میں اعلان کیا -

آج سے انسانی جہاد، جو تلوار سے کیا جاتا تھا خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ جہاد باسیف کو بند کیا جائے، مرزا نے قادیان کو اس کا کس طرح علم ہو گیا، کیا اُس پر وحی آتی تھی؟ اور وہ بھی ایسی وحی نہیں جس طرح غیب کی کھجور کہ اللہ تعالیٰ ایک بات سمجھاتا ہے یا اُم موی کو وحی کی گئی تھی، یہ وحی تو نبوت کی وحی ہے، خدا کا حکم کہ نہ مخصوص فریضہ اور حکم کو منسوخ کرنے کا اعلان، یہ مستحق بالذات نبی کا منصب ہے، اس صمدت میں مرزا غلام احمد کے قول کے مطابق کہ -

"... ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں ..."

خود مرزا کی کیا پوزیشن ہو جاتی ہے، نبوت کے آثار اور کیا خصائص و وظائف ہیں، یہاں کہ ایک شخص اس کا اعلان کرتا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، پھر وہ کہتا ہے میں دوسرے نبیین اور رسولوں کی طرح نبی اور رسول ہوں، پھر وہ یہ حکم خداوندی مخصوص حکم (فریضہ جہاد) کی تیئیس کا اعلان کرتا ہے۔ اُس کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" لکھا جاتا ہے، اس کے سامنے صحابہ کہلاتے ہیں انسان کا نام "رضی اللہ عنہم" کے ساتھ لیا جاتا ہے، وہ مکی نبوت، اپنے ماننے والوں "میری امت" کہتا ہے، کیا ان مستحق بالذات اور نبی نبوت کے دعوے اسی اعلان کے بعد بھی ختم نبوت نہیں لائق اچھے حق ہوئی دھوپ سے زیادہ روشن حقائق و شہادت کے صدمہ سے، مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے اس غلط بات کی رٹ لگانا کہ مرزا غلام احمد نبوت کا قائل تھا، کتنا خوفناک کذب

ادھما بھوت ہے۔

کذب و افتراء کے سیاہ نامے

قادیانیوں کی دو کتابیں، ایک پمفلٹ "ادھما ہنامۃ الفرقان" کا جہاد نمبر۔ یہ لڑیچہ پیاسے ہنس بھوہا گیا ہے قادیانیوں کے ہر قول، ہر پمفلٹ اور ہر کتاب کی ہم تردید کریں تو اس کے لئے برسوں کی فراغت چاہئے، ہزاروں صفحات بس اس کی تردید کے لئے شہید کافی نہ ہوں گے، کیونکہ اس گمراہ جماعت کا صرف صرف تردید و تکذیب کا متعلق ہے :

ان کی کتابوں پر ہم عقیدہ کریں بھی تو کیا کریں جب کہ ہمارا ایمان ہے کہ قادیان میں بھوئی نبوت کا دعویٰ پیدا ہوا تھا، ادھما کستان میں دیکھ جھوٹے نبی کی بھوئی خلافت کا کام رہے بھوئی نبوت اور مفسرہ و مفسرہ اور خود ساختہ "مروجہ سچیت" کی تائید میں جو مضمون اور کتاب بھی لکھی جائے گی وہ کذب افتراء کا دفتر ہے معنی ہوگی، ایک بے دلائل، تو جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہیں وہ بھی اپنے مسلک دہریت کی تائید میں دوچار دیلیں ایسی لے آتے ہیں جو بظاہر قابل غور و توجہ معلوم ہوتی ہیں ؛ مگر کیا ان کی بنا پر انکار خدا اور انہی وجود باری تعالیٰ کے مسلک کو کوئی صاحب ایمان اور اہل عقل فہم برابر اہمیت دے سکتا ہے۔ کچھ ہوسے کفر و شرک کی جانب بھی دوگ ظاہری طور پر کچھ نہ کچھ مقبولیت دیکھ کر ہی رجوع ہوتے ہیں ؛ شیطان نے بھی آدم کو کچھ کرنے سے انکار، دیلیں ہی کی بنا پر کیا تھا اور فضیلت کے دعوات کو اپنی دلیل کی بنیاد بنایا تھا، کوئی شخص شیطان کے اس باطل مسلک کی تائید کرنے کا بیڑا اٹھائے تو وہ رعبیت و دعبیت اور عقل و نفس کے ہر پیر سے کچھ ایسی باتیں کہہ سکتا ہے جو بظاہر مقبول نظر آئیں گی ؛ اور اس موضوع پر پندرہ صفحات کی کتاب ہر مرتبہ کے کے دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ لفظ "حق" کی تاویلات میں بڑی پیچیدگیاں ؛ نزاکتیں اور نظائریاں پائی جاتی ہیں، زبان کی تیزی و طراری اور تسلیم کی شرعی کذب و افتراء و ضلالت کو کسی نہ کسی حد تک صحت بنا کر منظر عام پر لا سکتی ہے ؛ انہوں نے اپنی خدائی کے ثبوت کے لئے عقلی دیلیں ہی کو بنیاد بنایا تھا اور وہ دیلیں ظاہری طور پر فریب آمیز تھیں ؛ حضرت ابراہیمؑ نے اس کے جواب میں استدلال کا مدغہ ہی بدل دیا اور اللہ کے سچے رسول کی دیلیں من کر، کفر سے حیران رہ گیا !

۔ القول المبین "میں ابراہیمؑ اور جالندھری نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مشہور سالہ ضخیم نبوت کا جواب دیا ہے اور فرمایا ہے تاویلات کا انبار لگا دیا ہے ؛ مولانا مودودی نے اس مسئلہ میں اسی عقیدہ کو بیان کیا ہے جس عقیدہ پر امت مسلمہ کا اجماع رہا ہے۔ بھوئی نبوت کے خلاف مولانا مودودی کا یہ رسالہ "قول فیصل" کی حیثیت رکھتا ہے ؛ مولانا مودودی سرفیصد کی حق پر ہیں اس لئے ان کی حق بات کی تردید کے لئے مصنف کو "کذب و باطل" کی ترجمانی کا پورا حق ادا کرنا پڑا ہے ؛ روزنامہ الفضل کا ایڈیٹر اس دفتر خرافات اور نامر سیاہ کو "انسائیکلو پیڈیا اور حرف آخر" کہہ دے تو یہ دواصل اس کتاب کی ضلالت کا مستند سا ڈٹیکٹ ہے !

دوسری کتاب کا نام ہے "نبیوں کا چاند" مولفہ فضل الرحمن نعیم م اس میں مرزا غلام احمد کے بیٹے اور جانشین مرزا بشیر احمد کی زندگی کے حالات بیان کئے گئے ہیں، مرزا کے نام کے ساتھ "حضرت" اور "علیہ السلام" اور بشیر احمد کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" پڑھ کر جو ردی کو نعت اور روحانی اذیت ہوتی ہے اس کا اظہار و غفلوں میں نہیں ہو سکتا ؛ باپ بھی گمراہ اور بیٹا بھی گمراہ، ان گمراہوں کی زندگی کیا، اور سیرت کیا ؟ اہل ایمان کو ان کی زندگیاں برا نمونہ ہیں، جن کی پرچھا نہیں سے بھی مسلمانوں کو دھندلنا چاہئے ؛ مرزا غلام احمد ہو یا اس کے جانشین، یہ قادیانی اہل تقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ان کی ذات سے منسوب کر کے اہل ایمان کو دھوکا دیتے ہیں ؛ لعنتہ اللہ علیہم ؛ ان کا ذہن ؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے مقابلہ میں بھوئی نبوت کا ظلم قائم کرنے کے بعد حضور کی ذات گرامی سے شوق و محبت کا دعویٰ گنن بڑا "فراڈ" ہے !

چوتھا رسالہ محمد احمد شاہد ریم لے ؛ ا لکھا ہوا ہے جس کا عنوان اور سہ نامہ ہے ۔

جواب میں

"ماہر لاف مادی صاحب مدیر ماہنامہ " فاران " کراچی

سے پانچ سوالات

اس کتاب میں مسلمانوں کو عبادت اور عبادتِ ملک و دھرم کا دینے کی پوری بے پناہ کوشش کی گئی ہے کہ قادیانی جماعت "ختم نبوت" کا عقیدہ میں عام مسلمانوں جیسا عقیدہ رکھتی ہے۔ اگر قادیانیوں کا یہ "بحر" صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ پوری امت مسلمہ مسلمانوں میں باہل اور غلط نہ ہوئے۔ یہ کیسہ غریب ہوئی ہے کہ قادیانیوں پر نفی ختم نبوت کی تہمت لگائی ہے اس لئے ہم عقیدہ لوگوں سے غلط الزام منسوب کرتے ہیں: آخر اس کے موقوف اور دوش کو مجھ جائیں اور عدالت مانیں؟

حقیقت وہ نہیں ہے جسے قادیانی بیان کرتے ہیں، حقیقت دعاۃ ادا اصلیت یہ ہے کہ امت مسلمہ قادیانیوں کو اس بنیاد پر کافرو مرتد اور اسلام سے خارج سمجھتی ہے کہ مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس دعوے کی بنا پر وہ مرتد و کافر ہو گیا، اُس کی جمہوری نبوت "کو جو کوئی بھی درست ماننا ہے" یا نبی کا زب کو مصطلح، محمد، ہمدی یا مسیح موعود ماننا ہے وہ بھی کافر ہے، اند جمہوری نبوت اور خود ساختہ "سیحیت" موجود کی تائید میں جو کچھ اب تک لکھا گیا ہے، وہ کفر و ارتداد اور کذب و افتراء کا دفتر ہے معنی ہے: اس صورت میں قادیانیوں کی یہ رٹ لگانے کا نام "ختم نبوت" کا جو عقیدہ تمام مسلمانوں کا ہے، وہی ہمدی کا عقیدہ ہے۔ کتنی بے حیائی کی بات! اس کے تشریح و تفسیر کے لئے۔

قادیانی "خاتم النبیین" کے جو مفہوم و معنی اپنے ذہن و خیال میں رکھتے ہیں اور اس لفظ کی جس طرح کی تفسیر فریب تاویل کرتے ہیں، اُسے امت مسلمہ نے رد کر دیا، قبول نہیں کیا، اور اس باب میں امت مسلمہ کا فیصلہ ہی صحیح ہے۔ امت مسلمہ کی ایمانی فراموشی اس دھوکے کا شکار نہ ہو سکی اُس نے قادیانیوں کی جمہوری منطق کو اُسی طرح جانا اور سمجھا، جس طرح وہ واقعی ہوئی ہے۔

اس کتابچہ کا پہلا سوال یہ ہے۔

(۱) کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کو اُزدے قرآن و سنت ثابت کر سکتے ہیں، کیونکہ جب تک وہ حضرت مسیح کی حیات کو دلائل کے ساتھ ثابت نہ کر سکیں، تو یقیناً ان کا دعوے جسم کے ساتھ نزول محض اُمید و مہموم ہے، آج سے پندرہ سال قبل قادیانی صاحب کے پیر و مرشد مولوی مودودی صاحب کو تحریک طہارہ و صفات و حیات مسیح علیہ السلام پر تبادلہ افکار کی دعوت دی گئی تھی، مگر آج تک وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے، کیا قادیانی صاحب میں یہ ہمت ہے کہ اس علمی دعوت کو قبول فرمائیں؟

اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ "قرآن کہتا ہے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

وَالَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَقِيَ شُكُّهُمْ مِنْهُ وَمَا يَصُدُّهُمْ عَنْهُ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا انْتِاجَ الظُّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ

يَقِينًا، بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ مَعُزِزًا حَكِيمًا ۝ وَانْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ

بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ، وَبِهِمْ عِلْمٌ يُكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝ (آپ کے ششم۔ سورہ النساء، رکوع ۲۷)

(اور اُن کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو رسول تھا اللہ کا، اور انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ سولی

پر چڑھایا، لیکن وہی صورت بن گئی اُن کے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ اس شبہ میں

پڑے ہوئے ہیں، کچھ نہیں اُن کو اس کی خبر، صرف اُٹل پر چلے ہیں اور اس کو قتل نہیں کیا، بیشک بلکہ اُس کو اُٹھایا اللہ نے

اپنی طرف اور اللہ ہے نہ ہدایت و حکمت والا، اور جتنے فرشتے ہیں اہل کتاب کے سر عیسیٰ پر یقین لائیں گے، اس کی موت سے

پہلے اور قیامت کے دن ہو گا "اُن پر گواہ)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ نے ان آیتوں کی تفسیر یوں کی ہے:-

"اللہ تعالیٰ اُن کے قول کی تکذیب فرماتا ہے کہ یہودیوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا، نہ سولی پر چڑھایا، یہودیوں

مختلف باتیں اس بارے میں کہتے ہیں، اپنی اپنی شکل سے کہتے ہیں اللہ نے انہیں مشبہ میں ڈال دیا، خبر کسی کو بھی نہیں، ماقی بات یہ ہے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر قادر ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے، قصہ یہ ہمارا کہ جب یہودیوں نے حضرت مسیح کے قتل کا عزم کیا تو پہلے ایک آدمی اُن کے گھر میں داخل ہوا، حق تعالیٰ نے اُن کو تو آسمان پر اٹھایا اور اس شخص کی مصیبت حضرت مسیح علیہ السلام کی مصیبت کے مشابہ کر دی، جب باقی لوگ گھر میں گھسے، تو اس کو مسیح سمجھ کر قتل کر دیا، پھر خیال آیا تو کھنگلے کہ اس کا چہرہ تو مسیح کے چہرے کے مشابہ ہے اور باقی بدن ہمارے سامعی کا معلوم ہوتا ہے کسی نے کہا یہ مقتول مسیح ہے اور ہمارا آدمی کہاں گیا اور یہ ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں ہے؟ عرف اُنکل سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا، علم کسی کو بھی نہیں، حتیٰ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ ہرگز مقتول نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اُٹھ کر اُنٹھایا اور یہود کو مشبہ میں ڈال دیا۔

”حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ موجود ہیں، آسمان پر جب رجوع کیا ہوگا، تب اس جہان میں تشریف لاکر، اُسے قتل کریں گے اور یہود و نصاریٰ اُن پر ایمان لائیں گے، کہ بیشک عیسیٰ زندہ ہیں، مرے نہ تھے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے حالات اور اعمال کو ظاہر کریں گے کہ یہود نے مسیحا تکذیب کیا اور نصاریٰ نے مجھے خدا کا بیٹا کہا!“

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے ان آیات کی جو تفسیر چند سطروں میں کی ہے، تفسیر ابن کثیر میں وہ کئی صفحوں میں چھپی ہوئی ہے، علامہ عثمانی نے اس مسئلہ میں مستند تفسیر کا خلاصہ اور لب لباب پیش کر دیا ہے اور ان تفاسیر کی اساس و مباحث احادیث اور آثار صحابہ میں! میں نے اپنے کئی مضمون میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کی بحث ہی کو نہیں چھیڑا، اس لئے مجھے اس کے ثبوت کا مطالبہ کرنا ہی وجہت نہیں ہے۔

مگر

علماء کرام اور مفسرین عظام نے اس مسئلہ کو اپنی کتابوں میں تحقیق کے ساتھ لکھا ہے اُسے ہر کوئی دیکھ سکتا ہے، اب رہا قادیانیوں سے اس قسم کے مسائل پر مناظرہ تو اس کے لئے اہل ایمان ہر وقت تیار ہیں! مگر نہ جانے کتنے مقامات پر قادیانی مناظروں میں شکست کا کچھ ہیں، اس شکست کے بعد بھی وہ پرستندہ کفر و استداد پر دم نہ رہے! اُن کا حال عیسائیوں اور یاروں جیسا ہے، جنہوں نے مسلمانوں سے ہر مناظرے میں شکست کھا کر دوبارہ مناظرے کے لئے صلح کیا ہے! اور اپنی ہار کو جیت ہی بتاتے رہے ہیں! قادیانیوں میں اگر زندہ ہلا برحق پسندی کا مادہ ہوتا اور ان کے دلوں پر ہر نہنگی ہوئی انسان کی آنکھوں پر جہالت و بے خبری کے پردے نہ پڑے ہوتے تو پروفیسر محمد الیاس برنی مرحوم کی تالیف ”قادیانی مذہب کے مطالعہ سے اُن کو ہدایت مل سکتی تھی، اس کتاب میں خود مرزا غلام احمد اپنے ہی اقوال سے ایک عالمی آدمی اور پُرے درجہ کا مادہ گواہی پائیہ ثابت ہوتا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک روایت (سید بن مفسر) لایا ابن ابی حاتم اور ابن مرددہ کے حوالہ کے ساتھ (دیکھئے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔

”جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اُٹھانے کا ارادہ فرمایا تو ایک شخص کو حضرت عیسیٰ کے مشبہ بنا دیا، یہود نے اس کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا۔“ اور حق تعالیٰ نے۔

مرفع عیسیٰ من روفیۃ فی البیت الی السماء

(حضرت عیسیٰ کو مکان کی دیچی سے آسمان کی طرف اُٹھایا)

اس روایت کے سبب مادی علی شرط البخاری ہیں اعلیٰ روایت حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔

امم قرطبی نے بھی حضرت عبداللہ ابن عباس کے قول کے مطابق یہی کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو موت اور نیند کے بغیر زندہ آسمان پر اٹھایا۔ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مرسلایہ روایت آئی ہے، حضور نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ ابھی نہیں مرے اور قیامت کے قریب فرود لوٹ کر آئیں گے۔

ہی حضرت ابن عباس کی وہ روایت جس میں "توفی" کی تفسیر "موت" سے کی گئی ہے، نہایت ضعیف روایت ہے اگر اس روایت کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کی تفسیر یوں ہوگی۔

انی ممتک بعد النزول

یعنی اس وقت تو آسمان پر زندہ اٹھ لوں گا اور پھر قیامت کے قریب نازل کروں گا اور پھر تجھ کو وفات دلوں گا۔ چنانچہ معاملہ التنزیل میں یہی توجہ یہی گئی ہے۔

والاخر ما قال ضحاک ان فی الآیہ تقدیم ما و
تاخیرا والمعنی انی متوفیک بعد انزالک
من السماء

"رفع" اور "توفی" کی تفسیر میں راسخ فی العلم کی اکثریت کا یہی قول ہے کہ حضرت عیسیٰ جسم و روح کے ساتھ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور قیامت کے قریب وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے! "یوحنا موعود" کوئی دوسرا شخص نہیں ہوگا۔ یہی عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) ہوں گے! احادیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ "یوحنا موعود" کا دنیا میں ظہور ہوگا۔ مثیل کا اضافہ قادیانوں کی کارستانی ہے!

احادیث میں منزلہ سیح کی جو علامتیں اداس زمانہ کی، جو نزولی سیح کا زمانہ ہے، نشانیاں بیان کی گئی ہیں، مرزا غلام احمد کی خات اور اس کے ساتھ پران علامہ دائرہ اور نشانوں کی عجزان الطباق نہیں ہوتا اسی لئے امت مسلمہ نے مرزا کی "سیحیت" موعودہ کے دعوے کو رد کر دیا، ٹھکر دیا بلکہ اس کے منہ پر مار دیا۔

برسبب تنزیل ایک مفسر دفعہ کے طے پر بخوبی دیر کے لئے اس بات کو مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور اب جو سیح دنیا میں آئے گا وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بلکہ کوئی دوسرا شخص "آن ت ملنا جلتا" (مثیل سیح) ہوگا۔ اس مفسر دفعہ کے بعد بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی جو زندگی ہمارے سامنے آئی ہے، وہ سیح کے مثیل کی زندگی ہرگز ہرگز نہیں ہے! حضرت یوحنا موعودہ کے فضائل سے مرزا کو مدد کا بھی واسطہ نہیں!

سہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مرزا غلام احمد کی جہت سے بھی حضرت یوحنا موعودہ کوئی مناسبت، مشابہت اور مماثلت نہیں رکھتا۔

سوال ۷۔ کیا وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک مستحق نبی، جسے قرآن میں واضح طور پر رسولاً بنی اسرائیل کہا گیا ہے، اس کے راست میں آیت خاتم النبیین رکھ دی گئی، لیکن سیدنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم اور غلام آپ کے ہی نندہ روحانی فیضان سے ایک مقام حاصل کرے، تو یہ آیت اس کے راست میں رکھ دی گئی ہے۔

جواب ۱۔ بنی اسرائیل کا نبی دنیا میں آیا اور دنیا سے چلا گیا وہ دوبارہ دنیا میں "جدید نبی" کی حیثیت سے نہیں آئے گا اس لئے اس کا نزول آیت خاتم النبیین کی غایت اور مفہوم کو محسوس نہیں کرتا اور نہ یہ آیت اس کی راہ میں رکھ دی گئی ہے، پھر وہ نبی شریعت محمدی کے مطابق عمل کریگا۔

مذاہم احمد علیہ السلام نے۔ نبیؐ کی حیثیت سے دعویٰ کیا ہے، اس لئے اس کی نعت کا دعویٰ ختم نبوت کے عین منافی ہے، حضرت عیسیٰ بن مریمؑ صاحب ارونیؑ بن کر نہیں آئیں گے، لیکن مرزا کی نعت میں "اروہی" کی خصوصیت کا دعویٰ بھی پایا جاتا ہے۔ اس صحت میں اس کی جھوٹی نعت۔ خاتم النبیین کے مقابلہ میں حلیت نبوت کا اعلان ہے، چاہے وہ زبان سے یہی کہے جائے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ غلام امینانمند ہوں۔

سوال ۱۔ آپ نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس لئے امت محمدیہ میں آسکتے ہیں، وہ مننے نبی نہیں ہیں، یہ نئے نبی کی تخصیص قرآن پاک کی کس آیت کی روشنی میں کی گئی ہے؟ کیونکہ اگر خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ ہر قسم کے نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں، اس کا آپ آخری نبی ہیں تو لازمی طور پر ماننا چاہیے گا کہ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آسکتا ہے، اور نہ ہی پیمانہ نبی؟

جواب ۱۔ میں نہیں کہتا بلکہ آپ وسنت سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں دوبارہ نزول فرمائیں گے، اور علق مری کا یہ فیصلہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کیونکہ "مہدی نبی" نہیں ہیں، اس لئے آپ کے نزول سے "ختم نبوت" کی نفی نہیں ہوتی، مفسرین نے اسی انداز پر اس مسئلہ کی تشریح کی ہے۔ ایک مثال —

ایک بادشاہ کی سلطنت میں کوئی فرد دھار یا اس کا دعویٰ کرے کہ میں برہمنی بادشاہ اور فطری فرماں روا ہوں اور بادشاہت کے تمام لوازم وہ برہمنی بادشاہ اپنے سے منسوب کرے، مگر نہ زبان سے یہی کہے جائے کہ میں تو بادشاہ سلامت کا ادنیٰ غلام ہوں اور حضور جلال الملک کے فیض نبی سے مجھے یہ رتبہ ملا ہے۔ تو ایسے برہمنی بادشاہ کو ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا اور ایسے مدعی بادشاہت کے ساتھ اصلی اور حقیقی بادشاہ کے حلیت اور عید مقابل کی حیثیت سے سخت سے سخت سلوک کیا جائے گا۔ مگر فرض کیجئے اس ملک کا ایک بادشاہ جو فوت ہو چکا ہے، "نندہ ہو کر آجائے" اور وہ ایک فرد دھار یا کی حیثیت سے ملک کی اصلاح کا کام انجام دے اور ملک کے مفاد کو نندہ اور تقویت پہنچائے تو اس "قدیم بادشاہ" کے نظریہ سے وہ حاضر موجود بادشاہت ہرگز متاثر نہیں ہوگی۔ اور خود بادشاہ اس کی مدد سے اس کی "قدیم بادشاہ" کو موجود بادشاہ کا حلیت یا عید مقابل نہیں سمجھے گی۔

سوال ۲۔ آپ ان بزرگان امت محمدیہ کے متعلق کیا فتویٰ دیں گے، جنہوں نے خاتم النبیین اور لائبی بعدی سے مراد یہ لی ہے کہ "حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو نبی شریعت لائے اور امت محمدیہ سے نہ ہو، مثلاً دفع حنفیہ کے حسین القندہ بزرگ حضرت امام طاعی القادی نے اپنی کتاب "موضوعات کبیرہ" میں خاتم النبیین کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو اور اسی طرح آپ نے لائبی بعدی کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آپ کے بعد ایسا نبی کوئی نہیں آئے گا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے اور یہی معنی دیگر ائمہ نے بھی کئے ہیں جن میں شیخ ابوبکر حضرت محی الدین غزالیؒ اور حضرت امام عبدالوہاب شہرستانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی شہید ہیں۔

جواب ۱۔ ان بزرگوں کے اقوال اگر بلا تک و کاست درج کر دے جاتے تو اس پر گفتگو کی جاسکتی تھی، سچی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی "نیا نبی" نہیں آئے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں جب دوبارہ نزول ہوگا، تو وہ کوئی نئی شریعت نہیں لائیں گے، آپ شریعت محمدیہ کے مطابق عمل کریں گے، جس طرح امت محمدیہ کے دوسرے افراد شریعت محمدیہ پر عمل کرتے ہیں۔

"محمد دین نبیوں جیسے کام انجام دیں گے۔" "ولایت پرنبوت کا فیضان ہوتا ہے۔" "دین کی تجدید اب صلحاء اور محمد دین کے فیضان ہوگی، گویا کہ وہ اپنے وقت کے نبی ہوں گے۔" اس قسم کے الفاظ سے مراد صرف محمدیت اور ولایت کے ختم کا اظہار ہے، صرف یہ کہ ان اقوال کو مستند و محقق بنا کر کوئی شخص نبوت کے تمام لوازم کے ساتھ "برہمنی نبی" ہونے کا دعویٰ کر دے،

امام اس کے دعوے کی بنیاد پر ایک جہاد امت اور جدید نبوت کا باقاعدہ الٹی میٹیشن وجود میں آجائے تو یہ کفر و استغداد ہے، خدا و رسول سے بغاوت ہے، کھلی ہوئی ضلالت ہے! ان ہندو گاندھ دین کے زمانہ میں مرزا غلام احمد کی طرح کوئی مدعی نبوت پیدا ہوتا تو یہ ہندو گاندھی نبوت کی اسی طرح تکفیر کرتے، جس طرح غلام احمد کے زمانہ کے علماء و صلحا اور صحویہ نے اس کی تکفیر کی ہے اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔

سوال ۵:۔ ماہر القادی صاحب — حضرت بانی جماعت احمدیہ کے کتب و اشتہارات میں سے کوئی ایسا حوالہ پیش کریں، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے انکار کیا گیا ہو یا لکھا ہو کہ ہم آپ کو خاتم النبیین نہیں مانتے، مگر ماہر القادی ہرگز کوئی ایسا حوالہ پیش نہیں کریں گے، انسان کے غمزے سے ثابت ہو جائے گا کہ انہوں نے جماعت احمدیہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین کے منکر ہونے کا الزام محض اپنے پیروں و مرشدوں کی مودودی صاحب کے اس سلسلہ نظریہ کے ماتحت لگایا ہے کہ —

”جھوٹ کا استعمال بعض اوقات شرفاً واجب ہو جاتا ہے“

جواب ۱:۔ میں نے اپنے تمام مضامین میں جو قادیانیت کے رد میں لکھے ہیں، مولانا سید ابوالاعلیٰ کی کسی تحسیر کا کوئی حوالہ نہیں دیا اور نہ مودودی صاحب کا کہیں نام لگا آیا سچ اس بحث میں مولانا مودودی پطعن و طنز کی آخر کی تک سچی! قادیانیت کی تکفیر و ارتداد امت مسلمہ کا یہ متفقہ طور پر عقیدہ ہے وہی عقیدہ مولانا مودودی کا ہے! مولانا مودودی نے مرزا غلام احمد سے کوئی ایسی بات منسوب نہیں کی، جسے ”جھوٹ“ کہا جاسکے! مرزا غلام احمد کی گراہ امت مولانا مودودی سے اس لئے خفا ہے کہ اپنے رسالہ ”قادیانی مسند“ میں انہوں نے قادیانیت کو پوری طرح بے نقاب و عریاں کر دیا ہے، اس غضب و دفعہ کی آگ میں قادیانی دنیا میں بھی جلتے رہیں گے اور آخرت میں بھی جہنم کے شعلے ان کی پذیرائی اور تواضع کرتے رہیں گے! اب رہا جھوٹ کا بعض اوقات شرعاً واجب ہونا، تو وہ ایک فقہی مسئلہ ہے۔ مثلاً — ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ جاری ہے، پاکستانی فوج کا ایک دستہ بھاڑ کے کسی شیلہ کے نیچے چھپا ہوا ہے، پاکٹ ہند کی سرحد پر پاکستانی فوج کا کوئی سپاہی جیسے اپنے لشکر کی کمین گاہ کا علم ہے، ہندوستان کی فوج اس سے پاکستانی لشکر کے بارے میں پوچھ گچھ کرتی ہے، اس صورت میں اس پاکستانی سپاہی پر کیا واجب ہے، پوچھ لو، یا جھوٹ بولنا، اسی ایک مثال سے مولانا مودودی کے قول کی شرعی حیثیت سمجھیں آسکتی ہے! بہتان طرہ از تو یہ قادیانی ہیں کہ شریعت کے صحیح مسئلہ کو طنز و تعریض کے اس انداز میں پیش کیا ہے کہ لوگ اس دھوکے میں پڑ جائیں کہ مولانا مودودی جیسے ”جھوٹ بولنے“ کو سند بھانٹتے ہیں یا قلم اطراف نے اپنی کسی تحسیر میں مرزا غلام احمد یا کسی دوسرے قادیانی لیڈر کا کوئی ایسا قول پیش نہیں کیا جس میں یہ لکھا ہو کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہ تھے، یا ختم نبوت کا عقیدہ غلط ہے“ — اس قسم کے الفاظ بیشک قادیانی لٹریچر میں نہیں ملتے، اگرچہ جو بات بہت بڑی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قادیانی اور ان کا پیشوا، قلم و زبان سے تو یہی کہتے جاتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین تھے، مگر جو ان کا عمل ہے اس عمل سے ”ختم نبوت“ کی پوری طرح نفی ہوتی ہے، بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی ذات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اور ایمہ مقابل قرار پاتی ہے!

مرزا غلام احمد نے اتنا بجا رسول اور خاتم النبیین کے عقیدہ کو اڑا کر اپنی ”نبوت“ کا اعلان کیا ہے، اس سے بلاشبہ ”ختم نبوت“ کی نفی ہوتی ہے وہ کہتا ہے —

”میرا منکر کا قرعہ“ — (حقیقتہ الامی صفحہ ۱۶۳)

کچھ صحابی، محمد اور ولی کا انکار کفر نہیں ہے، ”مکفر“ ہی کا انکار ہے، اس صورت میں مرزا غلام احمد کیا ایسے ”نبی“ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا

پھر وہ اس قسم کے دعوے کر کے کہ۔

”میں کوئی نیانہی نہیں ہوں، پہلے بھی کوئی نہی گندہی نہیں تم لوگ سچائی مانتے ہو“

— اور —

”میرا منکر کافر ہے“

اپنے ہی قول و عقیدہ کے مطابق فائزۃ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

سہ ماہی وہ جو سہ ماہی پھر پھر کر پڑے

کا ذہن اس افراط پر ناز و دل کی مسوائی کے سبب اس دنیا میں بھی ہو جاتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے بد مذہبی افغانی کے بعد اپنی مستقل نبوت کا اعلان کیا انبیاء کرام کی نبوت کے مانند اپنی اسی نبوت میں امر و نہی بھی پایا جاتا ہے، مرزا نے (ہرم خود) اللہ کے حکم سے فریضہ بجا و کوسرام قرار دیا۔ قرآن کریم میں جو آیتیں حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں، ان کا مصداق مرزا غلام احمد نے اپنی ذات کو ٹھہرایا۔ اپنے ماننے والوں کو ”میری امت“ کہا۔ تمام انبیاء پر اپنی ذات کو ترجیح دی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنی فضیلت کا اظہار کیا۔ اور پھر یہ فضیلت اس پستی تک پہنچ گئی۔

”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ہر وہو اللہ ہو گیا ہوں، اور میں نے یقین کر لیا کہ میں اللہ ہی ہوں اور پھر میں نے

زمین و آسمان کو پیدا کیا“ (آئینہ کمالات اسلام)

مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا یا قعدہ الہی ٹریشن قائم ہے، مرزا کو نہی نہ ماننے کے سبب قادیانی تمام غیر قادیانی مسلمانوں کو کافر سمجھ کر اسی عقیدہ کی بنا پر سطرانہ خان نے قادیانہ کے جواز کے نماز نہیں پڑھی، ان واقعات و شراہ کی موجودگی میں مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرنا اور ”ختم نبوت“ اور ”خاتم النبیین“ کے لفظوں کو دہرائے جانا گناہ بڑا دھوکا ہے!

مرزا نے قادیان کی ”جھوٹی نبوت“ کا تانا بانا جھوٹی تاویلات ہیں، یہ پورا کارخانہ دجل و فریب کے سہارے قائم ہے! قرآن کریم کی آیتوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں مرزا نے کس بے حیائی کے ساتھ تحریف کی ہے! تضاد بیانی، جھوٹی تاویلات، آیات و احادیث کے منہدم و معنی میں تحریف، اسلئے سرور دعوے، یہ کردار کسی شریف آدمی کا نہیں ہو سکتا! مرزا غلام احمد کو محمد، مسیح و محمد ادنیٰ ماننا تو ایک طرف ناہو کوئی اس سیرت و کردار کے آدمی کو شریف آدمی تسلیم کرتا ہے وہ خود ذلیل الدین ہے۔ اللہ یہ بات ہم اس بنیاد پر کہہ رہے ہیں کہ مرزا غلام احمد نے انبیاء کرام کی متقیوں کی ہے، حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں وہ لکھتا ہے۔

”خدا نے اسی امت میں مسیح و محمد کو بھیجا، جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہے، مجھے قسم ہے اُس ذات کی

جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے سامنے میں ہوتا قعدہ کام ہو جس کی گت ہوں وہ ہرگز نہیں ہو سکتا

اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہوا ہے، ہرگز نہ دکھلا سکتا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۴)

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبی کے مقابلہ میں اپنی فضیلت کے اعلان کے بعد گستاخی اس حد تک پہنچ جاتی ہے۔

”آپ کا لہجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا (خاندان ہی نہایت پاک اور ظہر ہے، میں وادیوں اور انہاں آپ کی

زنا کار اور کسی عورت میں تھیں، جن کے لون سے آپ کا وجود ظہر سے زیادہ بہتر“ (حاشیہ فیہر انعام اقسام)

جس شخص نے غیر قادیانی مسلمانوں کو ”نیک پلید“ سے تشبیہ و کلام پر، علماء ملت کو کلاہین، اشترار، ادبائی اور نامی کہا ہے، حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کی وادیوں اور انہاں کو کسی اور انسان کا نسبت یا ہر دو خدا (اللہ) خود اس کی مسافرت اور رسالت میں کفن خشک کرتا ہے۔

جس شخص کی یادہ گئی کا یہ عالم ہو —

”خدا تعالیٰ اس عاجز سے بہت قریب ہو جاتا ہے اس کی قدیم یاد اپنے ہر وہ دشمن سے آتا دیتا ہے اور میں اپنے
تئیں ایسا پاتا ہوں، گویا مجھ سے کوئی منشا کرتا ہے۔“ (فرمودۃ الاسلام صفحہ ۲۲)

اُسے کس نام اور لقب سے یاد کیا جائے۔

قرآن، حدیث، سیرت، نبوت یہاں تک کہ احادیث و روایت مزائے قادیان کے غلط و صحیح، تحریف و تادیل، اسلاف و پیغمبروں
سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سب کے نزدیک محبوب ہیں لہذا ان کے مقابلہ میں بھی دغوی بہتری کرنے سے یہ شخص کس طرح باز
رہ سکتا تھا۔

گربانیت سیر ہر آنم صد عین است و گریبانم

”خلافت راشدہ“ پر اس طرح ہاتھ صاف کیا —

”یہاں خلافت کا جھگڑا چھوڑو اپنی خلافت کو، ایک زندہ علی تم میں موجود ہے، اس کو چھوڑو ہر اور مردہ علی کی قاتل
کے تہمید“ (اخبار الحکم جلد ۱۰، افروری ۱۹۶۶ء)
غرض کہ

سنا کہ کتنے قیرے عید نے چھوڑا زمانے میں

ایک غیر ذمہ دار اسب زندہ شخص ہے کہ کون میں آتا ہے، بکتا چلا جاتا ہے، نہ اُسے خدا کا خوف ہے اور نہ بندگی کی شرم ہے اُسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ میں
نئے پہچنے کیا کہا تھا اسباب کیا کہ رہا ہوں !

قادیانی لٹریچر کے ذلیلہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور اپنے دام ترویج میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس لئے ہمارا دینی فریضہ تھا کہ
اس فرقہ ضالہ کی اصلیت اہل ایمان پر ظاہر کر دیں ! اگر ہم ایسا نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنے اس سکوت اور غفلت پر سخت باز پرس بلکہ
عقوبت کے سختی ہوتے ! غیرت نبوت اور حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا یہی تقاضا ہے کہ جھوٹی نبوت کی سختی کے ساتھ تردید
کی جائے ! اس جھگڑے کا آغاز قادیانیوں کی طرف سے ہوا ہے کہ اپنے مسلک باطلہ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے انہوں نے اپنی کتابیں ہمارے پاس
بھیجی ہیں ! یہ کتابیں کذب و افتراء اور دجل و فریب کا دفتر بے معنی ہیں۔ ان کتابوں سے جو عقائد ثابت ہوتے ہیں ان کی کُلنی کھوئی ضروری
تھی اور قادیانیوں کے مسلک کفر و ارتداد کو خاص و عام پر واضح کرنا ہمارا فرض تھا ! اس فرض کو ادا کرتے ہوئے ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے
ہیں کہ اُس نے باطل کی تردید اور حق کی تائید کی توفیق بخشی۔

جامعہ اردو عا ترجمان

ادب کا عبادہ اجزاء

تنقیدی ادب کا معیاری و منصفانہ حریکہ

ابن خلدون کی نیر اداس — اپنی تمام سابقہ خصوصیات کے ساتھ پہلا شمارہ جنوری ۱۹۶۶ء میں شائع ہو گیا ہے۔

ایک خاص نمبر

ل

سارے چاند شمارے

تہت دور پے

اشاعت دوا میں ایک بار

فی قلم ایک پیچیدہ

خفایت ۸ صفحات

ماہنامہ ادب سیریدیک ڈپو علی گڑھ ۲

کیوی

دنیا کی مقبول ترین پالش

کیوی (KIWI) پالش
اس کی پالش سے ہر چیز پر
لگے ہوئے کسی بھی طرح کی پالش

کیوی شاپرنگ
ہر طرح کی چمکانے والی چیزوں پر
ساتھ ساتھ ان کی دھواں اور پتھر سے

کیوی کار پولش (KIWI Car Polish)
WITH SILICONE

کیوی میٹل پولش (KIWI Metal Polish)
کیوی میٹل پالش
آپ کی تمام دھواں اور پتھر سے
آپ کی تمام دھواں اور پتھر سے

کیوی کھانسی (KIWI CLEANSE)
FAST ACTING
CLEANSE

کیوی شاپرنگ (KIWI SHOE POLISH)
ہر طرح کی چمکانے والی چیزوں پر
ساتھ ساتھ ان کی دھواں اور پتھر سے

کیوی میٹل پولش (KIWI Metal Polish)
کیوی میٹل پالش
آپ کی تمام دھواں اور پتھر سے
آپ کی تمام دھواں اور پتھر سے

کیوی کھانسی (KIWI CLEANSE)
FAST ACTING
CLEANSE

کیوی شاپرنگ (KIWI SHOE POLISH)
ہر طرح کی چمکانے والی چیزوں پر
ساتھ ساتھ ان کی دھواں اور پتھر سے

چمکانے والی اور حفاظت کرتی ہے

محمد اکرم طاہر

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ

اسلامی تہذیب و ثقافت نے عالمی ثقافتی ورثہ میں جواہر اضافہ کیا ہے وہ کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں، اگر ہم تہذیبِ انسانی میں "دینِ مبین" کے دائمی کردار کو متشخص کرنا چاہیں تو بلاشبہ ان لغویں تدریس کو اسلام کے ثقافتی پیکر کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ جنہوں نے اپنی شخصیتوں میں اسلامی اصولوں کو متشکل کر کے دکھا دیا، گویا اسلامی تہذیب کے مظاہر خودِ خال کو ملاحظہ کر کے لئے ہمیں ان عظیم شخصیتوں کے سیرت و کردار کا مطالعہ کرنا ہو گا جو ہماری درخشندہ و تابان تاریخ کے امین ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ ہمارے ایک ایسے ہی معمارِ تہذیب ہیں بلکہ اسلام کے اجتماعی ذہن کی ایک ایسی تخلیقی پینٹنگس میں جن کے افعال و کردار اہل احوال و ارشادات سے اسلامی اصولِ اخلاق، اصولِ حکومت اور اصولِ معاشرت متعین کئے جاسکتے ہیں۔ چند جھلکیاں ۱۔

● ایک دفعہ مرکزی بیت المال میں مالِ غنیمت کے ساتھ کچھ مشک بھی آیا۔ آپ اس کے معائنہ کے لئے تشریف لے گئے اسناک پر رسال چڑھا لیا، خدام نے تعجب سے اس کی وجہ پوچھی۔ آپؓ نے فرمایا کہ مشک کا استغفار یہی تو ہے کہ انسانی ناک کو راحت پہنچتی ہے۔ اس لئے میں ایسے استحصال کو مسلمانوں کے اس مال میں نیا نہ سمجھتا ہوں جن کا مجھے محافظ بنایا گیا ہے۔ آپ کے اس طرزِ عمل میں اُس حدیثِ قدسی کے آثار نظر آتے ہیں۔ کہ "متمم میں سے کوئی شخص اس وقت تک متعین کے بلند مقام پر نہ پہنچتا ہے جب تک کہ وہ ناجائز میں مبتلا ہونے کے خوف سے بہت سی جائز باتوں کو بھی نہ چھوڑ دے" (ابن ماجہ)

● جب سلیمان بن عبد الملک کی وصیت پر خلافت کے لئے آپ کا نام لیا گیا تو بے اختیار آپ نے انا للہ و انا الیہ مرجعون پڑھا اور گریہ و زاری کرتے ہوئے تشریف لائے، اہلیہ نے اسے اضطراب کی وجہ پوچھی تو فرمایا "مشرق سے مغرب میں امت محمدیہ کا ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کا حق میرے ذمہ نہ ہو کہ بغیر اس کے مطالبہ کئے اس کا حق و لانا میرا فرض نہ ہو" ایک موقع پر بیان تک فرمایا کہ "اگر دینا سے قوت کے کنارے ایک کڑھکتا پیاس سے مرجائے تو عمر کو اس کا بھی صاحب دینا ہو گا۔ ان اقوال میں اُس حدیثِ پاک کی معنوی جھلک ملتی ہے۔ جس میں حکام کے احسانِ ذمہ دارانہ کو اجہاں لیا گیا ہے: "کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کو کوئی منصب نبھائے، پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے جان نہ لڑائے اور غلوں کے ساتھ کام نہ کرے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو گا۔" (مسلم۔ کتاب الامارہ)

● سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ خلیفہ وقت نماز پڑھانے کے لئے آئے، آپ کی قیاس میں جا بجا سجدے لگے ہوئے تھے یہ دیکھ کر ایک شخص نے کہا "اے امیر المؤمنین! اللہ نے آپ کو سب کچھ دیا ہے۔ آپ لباس تیار کرالیتے۔ یہ سن کر آپ

کافی دیر تک سر جھکیا رہا ہے اور پھر سر اٹھا کر فرمایا: "مالداروں کو تو بھڑکی کے وقت میانہ روی اور قنوت و قوت کے وقت سعادت کو دینا زیادہ افضل ہے؟" شانہ امامت کے اس عہد سے پرستار ہونے کے باوجود دینار و درہم سے آپ کا استغناء اس حدیث کے انتہائی تاثر کا نتیجہ تھا کہ:۔
- میں میں بات سے تم پر ہانپنے بعد فوت ہوا ہوں وہ دنیا کی سسک بڑی دشا دہائی اور آسائش کے دھوکوں کا تم پر کھل جانا ہے۔"

— خلیفہ ہونے پر آپ نے ان اموال کی بازیافت کی طرف توجہ کی جو خلفاء بنی امیہ نے ناجائز طور پر غصب کر رکھے تھے یا حقداروں کو نہیں پہنچے تھے، اس عہد گیر تطہیر کا آغاز آپ نے پہلے اپنے گھر سے کیا کہ کئی ہزار سالانہ کی جائیداد میں سے صرف چار سو دینار کی جائداد اپنے پاس رکھی جو جائز طور پر آپ کی ملکیت تھی آپ کی اطاعت شاعر ہیری نے آپ ہی کی ایماء پر اپنے قیمتی زیورات وغیرہ بیت المال میں داخل کرادئے۔ شام کے علاوہ دوسرے صوبوں کے گورنروں کے پاس آپ نے غصب شدہ مال کی واپسی کے لئے شاہی احکام جاری کئے، چنانچہ عراق میں اس کثرت سے مال واپس کیا گیا کہ صوبہ کی حکومت کا خزانہ خالی ہو گیا اور عمر بن عبدالعزیزؒ کو وہاں کے افواجات کے لئے دمشق سے بھیجا پڑا۔ رجب بڑی وقت بارخ فدا کے معاملے میں پیش آئی جو اہل بیت کی اقتصادی کفالت کے لئے مخصوص تھا مگر مروان بن الحکم (خلیفہ بنو امیہ) نے اسے اپنے حق میں ناجائز طور پر محفوظ کر رکھا تھا یہ اصلاحی اور تطہیری اقدامات کتاب اللہ کے اس حکم کی پیروی کا نتیجہ تھے کہ ان اللہ یا ہر کسہ ان قوی والامانت الی اہلہا و اذا حکمتہ بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ (سورۃ نساء ۵) اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امامتیں اہل امامت کے سپرد کرو جو آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔"

— تاج بن یوسف کے خلاف شریعت کا افعال میں اس کا یہ فعل بھی شامل تھا کہ وہ بیت المال کی آمدنی بڑھانے کے لئے نو مسلموں سے بھی جزیہ کا ٹیکس وصول کرتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کا جزیہ موقوف کر دیا جائے اس حکم پر آدی مسلمان ہوئے کہ خزانہ کی آمدنی میں معتد بہ کمی واقع ہوئی اور جب ایک عامل نے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، محصل خواجہ بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔" ایک اٹھ عہدہ دار کو لکھا کہ مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی کہ سب غیر مسلم مسلمان ہو جائیں اور جزیہ کی آمدنی بند ہو جائے کی وجہ سے ہم تم دونوں کھیتی کے لئے ادھل چلا کر اپنا پیٹ بھریں۔" اس اقدام کے پس منظر میں یہ حدیث "مسلمان پر جزیہ عائد نہیں کیا جاسکتا"

ان چند شرائط کی روشنی میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اسلامی احکام کی بجا آوری میں کتنے سرگرم واقع ہوئے تھے۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جب اموی اطوار نے آپ کے ماقول پے دپے اپنے طبقاتی مفادات فسادت ہوتے دیکھے اور آپ کی ان منصفانہ ادبہ پاک اقدامات کا خراج کھانے کے لئے آپ کے غلام کو رشوت دے کر کھانے میں نہر ملا دینے پر آمادہ کر لیا تو اسلامی اصولوں پر آپ کے رعایا تعامل ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ بوقت نزاع آپ کی زبان پر قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ جاری تھی: **تَلَکَ الدَّارُ الْاُخْرٰی نَجْعَلُهَا لَیِّنًا یَّسَّرٰی** علو فی الارض ولا فسادا۔ والعاقبۃ للممتنعین

حسد و مصلحت میں اجتماعی ڈھانچے کو صحیح بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے آپ نے جو عزائم منشاء اقدامات کئے اس سے ایک بار پھر علم ہو گیا کہ ایک اسلامی حکومت سماجی اور معاشی ناہمواریوں کو دھکے دینے کے لئے کیا کر سکتی ہے؟ ہر قسم کے ناہمی امتیازات ختم کر دئے گئے، ان سلطنت کو تجارت کرنے سے حکماً روک دیا گیا اور بیگار کو قانوناً ممنوع ٹھہرا دیا۔ آپ نے بیت المال سے نہ صرف مقروض کا قرض ادا کرنے کے لئے علیحدہ میں قائم فرمائیں بلکہ غیر شاہی شدہ غریب افراد کی شادی کے لئے مالی امداد کی فراہمی کا حکم بھی دیا۔ معتمد اسلام آباد کا قرض ادا کرنے پر جس وجہ سے گئے، جنہیں سرکاری خزانہ سے وظیفہ دیا جانا تھا۔ حکام کو قحطے کی حالت قبول کرنے کی سختی سے مخالفت کر دی اور اعلان کیا کہ ول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخالفت کی حیثیت دہیہ کی تھی لیکن اب ہمارے لئے یہ رحمت میں شمار ہوں گے۔

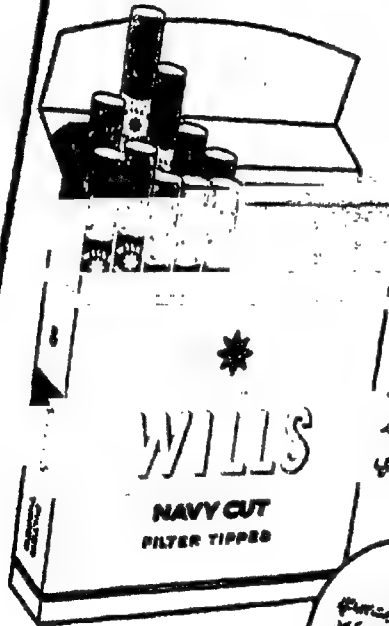
اپنی پہلی تقریر میں لوگوں کو مخاطب کیا کہ میں اپنی جانب سے کسی معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض احکام الہی کو نافذ کرنے والا ہوں، میں تو ایک پیروی کرنے والا ہوں جو خود کو کوئی نئی بات شروع کرنے کا داعیہ نہیں رکھتا اور اگر مجھ میں ایسے آثار پائے جائیں تو جان بیکہ کسی فرد کے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ خدائی نافذی میں اس کی اطاعت کی جائے، میں تم میں سے بہتر آدمی بھی نہیں ہوں البتہ خدا نے مجھے تم سب کے مالک میں نیا دہ گرامر کر دیا ہے۔

ایک عامل کو لکھا۔ سلام اللہ علیہ حقیقی برتری ان کا اخلاقی تقویٰ ہے، اگرچہ دشمن پر اپنی اخلاقی عظمت کی بنا پر غالب نہیں آسکتے، تو مادی برتری کوئی ایسی پائیدار بنیاد نہیں جو ہمارے لئے فخر و نصرت کی حمایت ہو۔ نیز — دشمن کو اس بنا پر کمزور سمجھنا کہ اگرچہ ہم گنہگار ہیں لیکن مارا دشمن گمراہ ہے، اس لئے ان پر ہمارا حتمی غلبہ ایک مسئلہ امر ہے، انتہائی خطرناک ہے کیونکہ بہت سی قومیں ایسی ہیں جن پر ان کے گنہگاروں کی پاداش میں اسے ہندوؤں کو مسلط کر دیا گیا۔

مرض الموت میں آپ کی توجہ اس بات کی طرف دلائی گئی کہ آپ نے اولاد کو ہمیشہ دنیاوی مال و دولت سے محروم رکھا ہے۔ اس لئے ان بہ متعلق کچھ وصیت کر دیجئے۔ تو فرمایا میرا وہی صرف خدا ہے، میرے لئے اگر خدا سے ڈیں گے تو خدا ان کے لئے کوئی صورت پیدا دے گا اور وہ گناہ میں مبتلا ہوں گے تو میں ان کو گناہ کرنے کے لئے قوی نہیں بناؤں گا۔

یہ ہیں اسلام کے مایہ ناز بطل جلیل — عمر بن عبدالعزیز — سلام اللہ علیہ و آلہ و سلم تقویٰ فرائض تھے۔ آپ کے فیصلہ ہونے کے بعد بکریوں کے گلہ بان کہا کرتے تھے، ہم پہلی شخص حکومت کرنا ہے کہ بھیڑیے بھی بکریوں کو نہ ڈھکے نہ پھونکا کر بھول گئے، انہ کوئی شاعرانہ لہجہ نہیں ہے۔ موسیٰ ابن اعلیٰ کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں جس مقام پر میں بکریاں چراتا تھا وہاں پر ری بکریاں اور بھیڑیاں ایک ساتھ ڈگرتے تھے، ایک مات بھیڑیا میری بکری کو اٹھانے لگیا تو میں نے سوچا، شاید علیحدہ وفات پا گئے ہیں، چنانچہ لہو دن دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس مات علیحدہ صالح — حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا انتقال ہو چکا تھا۔

ویلس فلیٹ ٹپڈ



آپ کے گھر کی آفت اور سب
 ویلس فلیٹ ٹپڈ
 کیا ہیلا شپ بگٹ
 پڑا کرتے ہیں۔ وار بگٹ اپنی
 صحت کو اپنی بہت سی قیمتوں کو اور دوسری
 تمام برقی فوجوں کے ساتھ آپ کے
 بگٹ (فلیٹ ٹپڈ) سے بچا لیتا اور
 مکی ان کی شہادت ہے

یہ ایک بہت ہی عمدہ اور
 سستا ہے۔

PARISIAN TOBACCO COMPANY LIMITED, SOLE AGENTS TO W.A. & W.D. WILLS, BRISTOL & LONDON

محمد حنیف اللہ پوری

مسلمانوں کا علمی شعف

ہمدرد گھوٹالی ایم اے سابق ناظم کتب خانہ سابق ریاست جوبال کے الفاظ میں "مسلمانانِ سلف میں عمرہ علمی ذوق کا افسانہ ان تاریخ و واقعات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ بڑے بڑے اساتذہ کی مجالسِ اعلیٰ چالیس بلکہ ستر ہزار آدمی سوا لاکھ طلباء کا جہم ہوتا تھا۔ تیسری صدی ہجری کے مسلمانوں کا قیام و احوال صحیح گوئی کے حقوق کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار واقعات رکھی جاتی تھیں۔ علی ابن عاصم واسطی کے حلقہ درس میں تیس تیس ہزار آدمی جمع ہوتے تھے۔ خلیفہ متوکل نے حدیث کے دس کھلے ابواب پر شبیہ گو جامع بغداد میں امدان کے بجائی عثمان کو جامع نصری بنیو کیا ان کے دریں دفنانہ تیس تیس ہزار آدمی جمع ہوتے تھے امام ابن تیم جندی کے درس میں ایک ایک فاکہ کا مجمع ہوتا تھا۔ ابو حامد الاسفرائینی سات سات سو طالب علموں کو ہزار واصلی فک کے کئی کئی مسئلہ پر دس دس ایک کرتے تھے۔ ایک ہزار اوسٹھ سو بغداد میں حدیث کا اعلیٰ۔ سات سو تین سو کھڑے ہو۔ ایک دوسرے کی سعادت پہنچاتے تھے، جو لوگ کھڑے کھڑے حدیث لکھنے میں مصروف تھے، انہیں شمار کیا گیا تو پتہ چلا کہ چالیس ہزار سے زیادہ دفاتر تھیں۔ قزوینی نے بغداد میں اعلیٰ حدیث کی توجاظرین کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی، نیز بن اسفلت نے جب بغداد میں درس حدیث کی مجلس منعقد کی تو حاضرین مجلس کا تخمینہ ستر ہزار لگا گیا، ایک مرتبہ سیان ابن حرب ابجر نے اعلیٰ حدیث کی قرآن کی مجلس میں خلیفہ باری الرشید اتمام امرائے خلافت حاضر تھے، جو لفظ امام محمد کی زبان سے نکلتا تھا اس کو خود خلیفہ اپنے قلم سے لکھتا جاتا تھا۔ جب تک حاضرین کی تعداد کا تخمینہ کیا گیا کہ تقریباً چالیس ہزار نفوس وانی موجود تھے، انہم عاصم بن علی اعلیٰ حدیث کے واسطے بغداد سے باہر رفتان میں ایک بلند چہرہ پر بیٹھتے تھے، معتمد باللہ نے ایک ہاربان ایک معتمد کے جلس کا افسانہ کرنے کے لئے بھیجا تو معتمد نے حاضرین کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار دانی۔ حضرت امام بخاری حدیث تفسیر کے لئے تورا سمعی۔

دس دس ہزار محدثین، نقباء، حفاظ ابدال و مناظرہ موجود تھے۔ بخلاف میں محدثین کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ مسلم بن ابی اسیم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ابو شہرہ سے سن کر حیرت حاصل کیا۔ حالانکہ میں جیل کے پل سے اتر کر نہیں گیا۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ فرمائی ہے کہ میرا دادا میری سوتیلی بیوی بخاری کی اجانت حاصل کی۔ حوام میں تعلیم کا یہ عالم تھا کہ شہرہ کی سیاحت و دیدار ابن حوقل جب خوزستان کے شہروں سے گزر رہا تھا تو دوسروں کے علمی بحث کہ تم جوئے شناسہ لکھا ہے کہ۔ میں نے ایک محفل و مزدحم کو گزرتے ہوئے دیکھا کہ اس کے سر پر بھاری بوجھ لادیا ہوا تھا اسلئے محفل بھی اس کے ساتھ ساتھ چلا جاتا تھا اسلئے الدواہیں و طبی قوافی آیات کی تفسیر و ادھم کلام کے متعلق و مسائل پر بحث کرتے جا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان دواہی پر جو لوگ جھلستے ہوئے تھے، اپنے خیالات کے مقابل میں ان کو کوئی پھانسی تھی۔

کتب غنی کا شوق۔

آئمہ دانیس عربوں کے ذوق و شوقِ علم اور علمی چوچوں کا نہایت درختوں پہ پہلو ہے کہ اس وقت تمام عربی ممالک میں کتابوں کا شوق پڑھنے پھیلنے

ایک اب زبردست محزون تھی کہ اس سے تمام دنیا سنبھل گئی اور ہمارے پاس اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ بہت سے مسلمان علماء نے علم کی تلاش میں ایک ایسے زمانہ کے اندر طویل سفر کی صورت میں جہاد کی بجائے جہاد کی بجائے مسلمانانہ تاریخ بھی سیدھی سمجھ کر لے لی۔ ان کے ذہن پر بھی بڑی حد تک اسلام کی اشاعت ہوئی۔ جوئی سنسٹری ڈاکٹر جوزفیل بل لکھتا ہے کہ "علمائے دینیات اصحاب رسول کی اطاعت سے حشریوں کو حاصل کرنے کے لئے سلطنت کا ایک ایک گوشہ بچان مارتے تھے۔ علمائے دینیات ہزار ہا خطرات کے درمیان وسطیوں کے بددلی سے قرآن اور دینیم شعرا کی زبان کا علم حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح جس شخص کو جس شعبہ سے دلچسپی تھی وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا تھا جب تک کہ وہ اس موضوع پر شہرہ و معرفت و فاضلین اور پیرین فن کے خطبات کو سن نہ لیتا اگرچہ وہ عالم اسلامی کے دوسرے گوشے ہی میں کیوں نہ رہتے ہوں؟

امام بانیؒ نے چودہ برس کی عمر میں سیر و سیاحت شروع کی احادیث کی ترتیب کے سلسلے میں اٹھارہ برس صرف کئے اور خواصان، حجاز، مصر و شام وغیرہ کا سفر کیا۔ دوسرے تبارشام، چار مرتبہ بصرہ، اور پھر مرتبہ حجاز گئے۔ امام مسلمؒ نے حجاز، شام، رے، یمن اور بغداد کا سفر کیا۔ امام ابی داؤدؒ خواصان، بصرہ، کوفہ، شام، مصر اور جزیرہ بلاد اسلامیہ کا زمانہ تک سفر کرتے رہے۔ امام دائیؒ نے طلب حدیث میں حرمین، خواصان، عراق، شام اور مصر کا طویل سفر کیا۔ امام ابو یوسفؒ نے تین ہزار افریقہ سے نیا دہ صاف پاپا دھڑے کی (ایک فرخ تین میں کا جوتا ہے) امام ترمذیؒ نے قبل بشارت کے اٹھائیس سال سفر میں گزاردے۔ شیخ الاسلام ابنی بن محمدؒ نے دوسو اسی شیخوں سے حدیث روایت کی۔ جس شیخ کے پاس گئے پاپا دھڑے۔ ابن حیرنؒ محدث اندلس، عراق اور حجاز کے شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابن المسفریؒ نے چار مرتبہ ممالک ایشیاء، افریقہ، اور اسپین کا سفر کیا۔ دس بار بیت المقدس گئے۔ صرف ایک نسخہ درین فضائل کے حاصل کرنے کے لئے ستر منزل کا سفر کیا، امام خضر بن شبلؒ نے چالیس برس مختلف قبائل کی زبانوں کی تحقیقات کے لئے پچھترے عرب میں بسر کئے۔ ابن مدینیہ (علیہ السلام) نے نباتات کے حالات دریافت کرنے کے لئے مصر، شام و عراق کا سفر کیا۔ ضیاء الدین ابن بیطار نے نباتات کی تحقیقات کے لئے یونان اور اسپین کے ملکوں کا سفر کیا۔ محمد اسماعیل تنوخیؒ نے حدیث و نجوم سمجھنے کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور رسولیہاں قیام پذیر رہے۔ ابو یوسفؒ نے بھی ہندوستان کا سفر کیا، یہاں وہ کرسنکبت زبان نیکی اور ہندوؤں کے علوم و فنون کا بہرہ حاصل کر کے "کتاب الہند" کے نام سے ایک بے نظیر تصنیف یا دیگر چھوٹی۔ المقدسیؒ نے تقسیم تمام ممالک اسلامیہ کا سفر کیا اور اپنی مشہور کتاب "معجم البلدان" میں ان تمام ممالک کا تفصیلی ذکر کیا۔ حافظ الحدیث ابو العباس بلاذریؒ نے جو اردن و شام و یمن، بلخ، بخارا، نیشاپور، اور بغداد کا سفر کیا امام ابو زکریاؒ نے حجاز سے سفر شروع کیا اور قیروان (افریقہ) میں انتقال کیا۔ حافظ ابن طاہر مقدسیؒ نے طلب حدیث کے لئے تین تین وغیرہ پینچ پلائے ہوئے پاپا دھڑے، دمشق، حلب، اصفہان، نیشاپور، بصرہ، وغیرہ کا سفر کیا۔ حافظ ابو عبد اللہ اصغریؒ نے حدیث حاصل کرنے کے لئے برات، بلخ، بخارا، ہمدان، کمان، نیشاپور وغیرہ ایک سو بیس مقامات کا سفر کیا۔ کوئی ایک مہری خدام نے تمام حجاز، عراق اور شام کا سفر دین اس لئے کیا کہ مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث معلوم کریں اور آٹھ کاز بادہ بن جاریہ انیمی سے انہیں ایک حدیث ایسی دستیاب ہوئی جو حبیب بن سلمہ لغہریؒ جی سے روایت کی گئی تھی۔ حافظ ابو الخطابؒ اندلس نے تفصیل علم کے سلسلے میں سارے اندلس کا سفر کیا، پھر قرطش، جبلی، مصر، شام، عراق، خواصان کی سیاحت کی۔ یحییٰ بن علی النیشی (متوفی ۲۳۳ھ) قرطبہ سے ہمدان، ہمدان، یمن، امام مالک، مکہ، سفیان بن عیینہ اور مصر میں لیث بن سعد، عبد اللہ بن عبد الرحمن بن قاسم سے تحقیق ہو کر قرطبہ واپس گئے، ہسین بن عبد اللہ التستریؒ تیرہ سال کی عمر میں بصرہ گئے پھر اباقان، جہاں حمزہ بن ابی عبد اللہ سے وعدہ دماز علم حاصل کرتے رہے۔ حسین بن ابی اسحاق نے طلب کی کتابیں پڑھ کر اپنے اہل علم طلب میں امانت کے خیال سے مختلف مقامات کے بارے میں سفر کیا یہاں تک کہ وہ سلطنت برطانیہ کے سرحدی شہروں تک جا پہنچے۔ پرنسپل نکلن کا بیان ہے کہ "علم کے سلسلے میں تین بلا غفلتوں میں گھر کر اپنے وطن کو اس طرح لوٹے جیسے شہر کی کھیاں شہر سے

خلیفہ مستنصر باللہ فاطمی کا وزیر اعظم بدیع زلی بڑا عالم و درست تھا۔ علماء وادہ اسباب غنی کی سرپرستی کرتا۔ شجر کا بھی ذوق تھا۔ اس کے دیباچہ سے بڑے بڑے شعراء وادب تھے۔ امراءے دیباچہ میں وزیر محمد بن عبد الملک الزبایات کا نام بھی بہت مشہور ہے، مترجموں اورادکاتوں پر جو وہ نوج کرتا تھا اس کا اندازہ دوسرا دانشور مایا نہ تھا۔ اس کے عنوان سے بہت سی کتابیں ترجمہ کی گئیں وہ ان لوگوں میں محسوب ہوتا جن کے واسطے یونانی زبان کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوتیں۔ اس کے نام سے اکابر اطباء کی ایک جماعت مثلاً ابو صائب ماسویہ اور جبریل بن بخت خرم نے کتابیں ترجمہ کیں۔ علامہ رشید الدین فضل اللہ بادشاہ غاناں تبریز کا وزیر تھا۔ علامہ نے علماء وفضلاء اور حکماء کی قسمہ دانی اور بہت افزائی کی۔ آپ کے حوالہ کرم نے وہ۔ دوسرے علماء و فضلاء اور شعراء کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ ہر فن کے استاد وکافی اس کے فضل ادب میں جمع ہو گئے تھے، اُس زمانہ کے اکثر اہل قلم اور مصنفین نے علامہ کے نام سے بڑی بڑی کتابیں لکھیں۔ سلطان قیث الدین بلبن کے دیباچہ کے ایک علم نواز امیر ملک ملا حراء فخر الدین کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے یہاں بادشاہ ہر روز غلیظہ خوار کام پاک پڑھنے کے لئے مقصد تھے، جو ہر روز ایک ہزار بار کلام پاک ختم کرتے تھے۔ سلطان بلبن کے بھتیجے کے علاوہ الدین گشتی خاں کے متعلق ضیا مالدین برنی کا بیان ہے کہ وہ سنائیت میں اپنے وقت کا ستم تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ مصر و شام، روم، بغداد، خراسان، ترکستان، ماوراءالنہر وغیرہ مشہور مقامات سے علماء اور شعراء اس کی بخشش کا حال سن کر اس کے یہاں آتے اور انعام واکرام سے مالا مال ہو کر اپنے وطن واپس جاتے۔ اپنی بخشش اور سخاوت کی وجہ سے وہ ہر خبر اور ہر ملک میں مشہور تھا۔ خواجہ شمس معین نے ایک ہاگشتی خاں کی شان میں مدح پڑھی تو اس نے خواجہ کو اپنے یہاں بلا کر مجلس لوند کا تمام قیمتی سامان اس کو دے دیا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ اکثر ایسا ہر اکشتی خاں اپنا کل سامان انعام واکرام میں لٹا دیتا تھا، یہاں تک کہ اس کے پاس ہدن کے کپڑے کے سوا کچھ نہ رہتا۔ سلطان سکندہ لودھی کے ہمدرد حکومت میں ایک امیر مسند علی خاں کی نیا ضی کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی صاحب علم وادب اس امیر کو دلیفہ یا بہتوانہ انتقال کر جاتا تو دلیفہ اس کے پس ماندگان کی طرف مستقل کر دیا جاتا اور اگر وہ صرف بیوی بچہ نہ جاتا تو اس خاتون سے کہا جاتا کہ کسی کو متبھی کرے پھر اس متبھی کو اپنے فرج سے تعلیم دلواتا۔ فراب مرشد علی خاں صرہ جادہ بنگال کے ہاں ڈھائی ہزار مقامی ملازم تھے۔

حافظ الملک کے چہرے میں دوسرے کھنڈیں پانچ ہزار علماء اور فضلاء مساجد اور سرکاری مدارس میں درس و تدریس میں مشغول تھے۔ ہر ایک عالم اور فاضل کی اس کے علم و فضل کے موافق تنخواہ مقصد تھی۔

سہ گاہے گاہے باز خواں اس قصہ پارینہ را

”فارن“ کا توحید نمبر

دور حاضر — کی۔ عظیمہ دینی اور علمی پیشکش

صفحہ کا پتہ ۱۔ مکتبہ فاران کیمیل اسٹریٹ کراچی

ایک قادیانی کا قبول اسلام انڈھیر سے روشنی کی طرف

سوفہ ۱۵ ستمبر ۱۹۷۶ء

(انجن خدام الاسلام ہیرا پور و حیدر آباد دکن مغربی پاکستان)

بخدمت جناب مگر می میر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!۔ بعد اسلام کیے واضح ہو کہ ایک اعلان اسال خدمت کرنا ہوں براہ کرم اس کو اپنے موقر مجریہ میں مناسب جگہ عنایت فرماویں، راقم اطراف نے آپ کا مقالہ قادیانیت کے متعلق ملاحظہ کیا اٹل ملالہ انجن کے تحت شائع کرنے کی کوشش کروں گا۔

آپ مخلص کو یہ پتہ کر مسرت حاصل ہوگی کہ حیدر آباد میں جناب مسعود احمد صاحب مولانا عبدالمبین صاحب اوکاڑوی کے ہاتھ پر بڑا درجعت اسلام قبول کیا۔ موصوف بڑی حقیقت و جہت کے بعد اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے ہیں موصوف کا یہ اعلان ہے کہ مجھے آئندہ سے احمد کا نہ کہا جائے بلکہ مجھے اہل حدیث کہا جائے اور میں آج سے اہل حدیث ہوں، موصوف کی تحسیر راقم اطراف کے پاس موجود ہے، اٹل ملالہ دوسرے خط میں مکمل تفصیل سے آگاہ کر دے گا۔ اس اعلان کتاب جلد از جلد شائع فرماویں۔ نقطہ اسلام

خیر شہداء احمد السلفی، ناظم اعلیٰ

”فاران“ کے مضامین جو قادیانیت کی تردید میں شائع ہوتے رہے ہیں غالباً انہوں نے قادیانیوں کی صفوں میں، پھل پیدا کر دیا ہے یہی سبب ہے کہ ماہنامہ الفرقان (زلچہ) کا پورا شمارہ ”فاران“ کے مضمون کی تردید کے لئے وقف ہے! اور اصل فرقہ لبریز ہے! قادیانیوں کو دلائل کے ساتھ سمجھایا جائے، تو ان میں نہ جانے کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو مسعود احمد صاحب کی طرح ہاتھ پر بند ہیں، مگر وہ حق سے بے خبر ہیں، حق واضح ہونے کے بعد وہ قادیانیت کے کیمپ میں نہیں رہ سکتے، ان کو توبہ کی توفیق اٹل ملالہ میسر آئے گی۔ اور ایمان و اسلام سے بہرہ ور ہو جائیں گے۔

ماہر زہرا

ماہنامہ ادبی

یادِ رفتگان

علامہ محمد خلیل عرب مرحوم۔

علامہ محمد خلیل عرب کا نام تو سنا تھا مگر انہیں دیکھنے کا اتفاق سیرت النبی کے ایک جلسہ میں ہوا، یہ اب سے کوئی تیرہ چودہ سال پہلے کی بات ہے، اس جلسہ میں علامہ کی تقریر بھی تھی، مگر گفتگو کا موقع نہ مل سکا، میں اپنی تہنیت نظم پڑھنے کے بعد چلا آیا۔ اس کے بعد دو تین بار اُن سے تعارف و ملاقات کا شرف حاصل ہوا، ایک ملاقات میں دس لفظی سے ہٹ کر نئے انداز پر عربی پڑھنے پڑھانے کا ذکر آیا، اُو اس کے بعد علامہ خود مغرب خانہ پر تشریف لے آئے، عربی نصاب کی کتاب بھی اُن کے ساتھ تھی، ہاتھ کے ہاتھ پڑھائی شروع ہو گئی، چند دن کے بعد جناب ظفر احمد انصاری صاحب کے مکان پر صاحب موصوف، سید حسن ریاض صاحب اور قائم اطراف کا جماعہ ہونے لگا، بلکہ یوں سمجھئے پھر ٹاسا۔ مکتب قائم ہو گیا، علامہ پُر شیفتگی کے ساتھ درس دیتے، اس میں اُن کی پوری عمر گزری تھی، طلباء میں عربی زبان و ادب کی استعداد پیدا کرنے کا انہیں بڑا محکمہ اندرجسہ تھا، طلباء کی کمزوریوں سے بھی وہ باخبر تھے، تقریباً ڈیڑھ سال یہ سلسلہ جاری رہا، جو آخر زمانے میں کلیدِ دمنہ، مقدمہ ابن خلدون اور ریاض الصالحین تک پہنچ گیا، پھر وہ اپنی پیرائے سال کے باعث آنے جانے میں بڑی رحمت محسوس کرنے لگے، بڑھاپا اُن کے ساتھ بہت سے امراض، اس حالت میں کراچی کی بسوں میں سفر، یہ مرحلہ بڑا سخت تھا، ہر مہینہ ناظر کی فوٹ آنے لگی، یہاں تک کہ یہ سلسلہ بند ہو گیا، ان کے سجادہ کو مولانا سعید اشرف صاحب ندوی نے سنبھالا، مگر علامہ مرحوم کا وہ عالم صحو اور مولانا کا یہ شکر اندیم جذبیت، تقویٰ ایک لائن سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ اور مقامِ ادب ازل ازل ہمدانی اور عربی کے قصائد طس ہیں۔

کراچی کی زندگی مشینی زندگی بنتی جا رہی ہے اور بقول علامہ اقبال —

سہ احس محوت کو کپکپ دیتے ہیں آلات

ہر شخص اپنے معاملات میں الجھا ہوا ہے، دودھ دلاؤ کے فاصلے کام زیادہ، فرصت کم، راقم اطراف ہی کی بدترکیبی ہے کہ علامہ کی خدمت میں بہت دنوں سے حاضر نہ ہو سکا، اُن کی حکایت کی خبریں ملتی رہیں، اور ساتھ ہی یہ مشرور بھی کہ وہ اب اچھے ہیں۔

ایک دن جمعہ کی نماز کے بعد گھر آیا، تو ٹیلی فون پر آیا ہوا یہ پیام ملا کہ علامہ خلیل عرب کا انتقال ہو گیا، پیر الٹی بخش لاٹنی کی فلاں مسجد میں ایک بچہ نماز جنازہ ہوئی، میں جب گھر پہنچا ہوں تو تین بج چکے تھے، اور اُس وقت علامہ آسودہ لحد ہو چکے تھے !

علامہ مرحوم جن کے علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، متحدہ ہندوستان میں ریاست بھوپال علامہ کے ہندوؤں کا داملا فادہ رہا ہے، علامہ خلیل عرب نے ندوہ و گنڈو کی شہرہ و سنگاہ میں بھی علمی کمرانض انجام دے دی، مولانا سید ابوالحسن ندوی مظلوم کا اسم گرامی بھی اُن کے شاگردوں کی فہرست میں آتا ہے ! لکھنؤ فزیویریٹی میں بھی علامہ شیعہ عربی کے مدرسہ ہیں۔

علامہ خلیل عرب عربی زبان و ادب کے مستند عالم تھے جن کی زبان و ادب پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، اُن کی بڑی صاحبزادی رفیقہ بیگم نے مرزا علی بن میں بلکہ نئی حدیث میں اختصاص کا درجہ رکھتی ہیں، چھوٹی لڑکی علیہ بیگم بھی عربی دان ہیں اور اُنہوں کی اچھی مصنون نگاہیں علامہ علمی المنہب تھے

توحید کے معاملہ میں بڑے غیر متحرک! انہیں یہ کہ پاکستان میں ان کی تہذیبیں ہوتی، سماجی حالات ایسے تھے کہ تنگی تریخی سے گزیر نہ سکتی تھی، مگر اس شکوک کے باوجود خلیفہ میں خوشنیت پیدا نہیں ہوئی، اُن کی زندگی وہی کہ وہ دیکھ کر اُقم اطراف - مزارع کی جگہات بھی کر بیٹھتا، اللہ وہ اس میں لطف لیتے ان کے ساتھ مشرقی وضع سازی، عربی شرافت اور علمی و دینی وجاہت کا ایک دور ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ عنقریب فرمائے (آمین)

نواب ناظر یار جنگ بہادر مرحوم

نواب ناظر یار جنگ بہادر، مولوی نظام الدین حسن کے فرزند تھے، مولوی صاحب مرحوم ریاست جوبال میں مشیر المہام احمد حیدر آباد دکن میں رکن عدالت عالیہ (رائی کورٹ کے جج) رہ چکے تھے، فنِ تعمیر میں یرطون حاصل تھا، اُن کی مرہب کی ہوتی سند سالہ تعمیر حیدر آباد دکن میں قائم الحرفہ کی نگاہ سے گزری ہے۔ مولوی نظام الدین حسن بڑے وضع ساز، اصول امدت کے انتہائی پابند تھے، اُن کی پابندی وقت، اصول پرستی اور وضع سازی کے بہت لطیف شہر میں، مثلاً یہ کہ جب وہ کھنڈ میں آنریری جسٹریٹ تھے، امدت مارگ میں بیٹھ کر کھڑے تھے، تو ناگزیر اسے کو گلاب کی منظر کی کھنے و نکالت دینی پڑتی تھی! اس جگہ میں تا نگہ مانے کا خاصہ وقت صرف ہو جاتا، اس لئے تا نگہ مانے انہیں پیدل آتے جلتے دیکھ کر کرتارے اور کئی کٹانے کی کوشش کرتے، ایک بار کھنڈ کی کسی انجن کے کارکن مولوی صاحب کے پاس اُس انجن کے اٹھارے کرتارے اور اٹھارہ دکن کی گڈیاں رکھ کر جانے لگے، کھنڈ میں ہزار اشتہارات ہیں، مولوی صاحب نے جو اُس انجن کے غالباً سکریٹری تھے فرمایا کہ یہ قوم کا معاملہ ہے، اشتہارات گئے بغیر آپ کو نہیں جانے دنگا، چنانچہ اُس غریب کو مولوی صاحب کے ساتھ دس ہزار اشتہارات گھنٹے پڑے:

یہ لطیفہ خاندان بھی ہو چکے ہیں ادب اللہ آمین بھی، مگر یہ بھی حلقہ ہے۔

سہ ماہہ باشد چیز کے، مردم نہ گویند چیزا

مولوی صاحب کی اصول پرستی اور پابندی وقت، فرصت سے نیا وہی محسوس کی جاتی تھی، انہی کے صاحبزادے نواب ناظر یار جنگ بہادر تھے!

نواب صاحب مرحوم نے جو اُن کے زمانہ میں قومی کاموں میں بھی حصہ لیا، چودھری خلیق المیزان کی طرح قومی تحریکوں میں بھی لگے رہتے، تو بآشہ اُن کا شمار بڑے لیڈروں میں ہوتا! متمتعہ ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملازمت گئے اندوآن سے قانون کی رتبہ پڑی ڈگری حاصل کی، ریاست حیدر آباد دکن کے محکمہ عدالت میں ملازمت کا آغاز ہوا، برسوں شش پنج رہے چھوڑائی کٹھ کے پچ ہو گئے، پچھن سالہ مدت ملازمت کے بعد کئی سالی توجیح بھی ہوئی۔

مرحوم کی چھٹی ملازمت کا زمانہ نیک نامی میں گزرا، کسی کی دور رعایت نہیں، کوئی دباؤ اور سفارش اُن کو متاثر نہیں کر سکتی تھی، اُن کے علم و فضل اور قانون عالی کی کوئی خاص شہرت نہ تھی مگر ان کی ریاستداری، فرض شناسی اور انصاف پسندی کا عام شہرہ تھا، انگلستان کے ایل۔ ایل۔ ڈی، لیکن پہلے پمڈا سی، صرم و صلوٰۃ کے انتہائی پابند! محتاطانہ پاکیزہ زندگی کے سبب بڑھاپے میں بھی کمزیری طرح سیدھی رہتی، بلکہ حیدر آباد میں وفات دہریوں کے پہلے کی بڑی شہرت تھی، ایک سراج المظن تہذیب و کمال اور دھرم کے نواب ناظر یار جنگ مرحوم! ایسی ہی مصروفیت کیوں نہ ہو، گرمی ہو، جالدار، آندھی چل رہی ہو، ہونڈا باندی ہوتی ہو، دونوں صاحبان مغلانہ پابندی کے ساتھ پانچ پھیر میں نسل کر دم لیتے!

عدالت عالیہ میں مولانا عبد القادر بدایونی مرحوم کا مفتی کے عہدہ پر شہرہ فرماؤں کے ذریعہ تقسیم ہوا، تو دفتر افتاء کا اہل کار کہہ لیجئے، یاصیفہ دار اور پیشکار، دائم الحرفہ ہی تھا، نواب ناظر یار جنگ بہادر مرحوم کے حکم امداد سے عدالت عالیہ کے کتب خانہ کی تنظیم و تہذیب کا فریضہ بھی، صاحب الباسط صاحب مدوگار صحت عدالت عالیہ (اسسٹنٹ جسٹس رائی کورٹ) کی نگرانی اور صحتی میں انجام دیا تھا۔ ملا علی بابا صاحب

حیدر آباد دکن کے مشہور حیات پسند مفکر، ملاح عبدالقیوم صاحب کے فرزند تھے، بطل حیات علامہ جمال الدین اعظمی نے حیدر آباد میں انہی کے ہاں قیام فرمایا تھا، سرسوجی ناٹک کے والد پرودیسرا گھنٹہ خالی مشکلات میں مبتلا ہوئے تو ملاح عبدالقیوم صاحب نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ ان کی مالی امداد کی !

غیب ناظر یار جنگ سے ان کی گھٹ میں درگزر اور جلسوں میں علاقائی ہمہتی رہتی، کہاں ذاتی گھٹ کا برج ادھکاں دفتر کا ایک اہل کار، مگر ملاقات، گفتگو اس لئے چلتی تھی، اتنی ساعات اس لئے تلف تھی کہ حیدر آباد کے ایک شخص کا احساس ہی پیدا نہیں ہوا ! میرے ایک عزیز میرٹھ میں کالت کرتے تھے، اسی زمانہ میں غیب صاحب مرحوم کے بہنوئی خان بہادر گلبر حسین دہان کے کسٹن بیج تھے، خان بہادر صاحب کی انصاف پسندی اور اصول و فطرت ضرب المثل تھی، میرے اُن عزیز نے مجھے لکھا کہ عدالتوں میں صداقت ناموں کی تصدیق وغیرہ کا کام، سیخن بیج صاحب کے حکم سے سن سکتا ہے آپ ان کے ہاں کسی غیب ناظر یار جنگ سے سفارشی خط بھجوا دیں !

میں نے بعض اصحاب سے ذکر کیا تو وہ کانوں پر ہاتھ دھر کر بولے کہ ہم میں سے تو کوئی ایسی جرأت کر ہی نہیں سکتا، غیب صاحب بڑے با اصول آدمی ہیں اور ان کے بہنوئی ان سے بھی زیادہ سخت ہیں ! ایک دن میں بحث کے لئے غیب ناظر یار جنگ مرحوم کے چیمبر میں پہنچا، حسب عادت بڑے تہاک سے ملے، کچھ دیر ہمارا دھڑکا رہا، باتیں ہوتی رہیں، پھر میں نے اس تہیکہ کے ساتھ کہ کسی کا حق متاثر نہ ہوتا ہو، تو جازہ سفارشی کا یہ غیب صاحب اپنی خوش کا اظہار کیا، غیب صاحب نے کچھ دیر سوچا اور اُس کے بعد سفارشی خط لکھ کر میرے حوالے کر دیا، اسباب کو معلوم ہوا تو انہوں نے بڑی حیرت کا اظہار کیا، کچھ لکھے غیب ناظر یار جنگ سے سفارشی خط حاصل کر لینا بس تمہارا ہی کام تھا۔

غیب صاحب مرحوم کے بات کرنے کا خاص انداز تھا، رگ رگ کب تک چبا چکا کر الفاظ ادا کرتے اور ادا تھکی حرکت سے طلاقت لسانی کی کئی کئی بار کرنے کی کوشش فرماتے، ہم اپنی بے تکلف محبتوں میں کبھی کبھار ان کی گفتگو کی نقس کر کے لطف لیا کرتے تھے۔

زوال حیدر آباد کے بعد وہاں کے مسلمانوں کو بڑے سخت درد سے گزرنا پڑا۔ کتنے بہت سے کرسی نشین، خاک نشین ہو گئے، مسلمانوں کی اقبال مندی کی بساط ہی الٹ گئی، ————— حیدر آباد، آہ ! مرحوم حیدر آباد، —

ہمیں است رہے سرانے فریب

گئے ہر نراز و گئے ہر نشیب

کی جو بہت تصویر !

حیدر آباد آنے جانے والوں کی زبان سننے میں آیا کہ اس غریب و دوناگ انقلاب کے بعد بھی غیب ناظر یار جنگ مرحوم کی روش میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور اُن کی دینداری اور اسلام دوستی نے کسی دباؤ اور اثر کو قبول نہیں کیا، نئے حاکموں نے بھی اُن کے ساتھ احترام کا سلوک کیا ! مولانا عبدالمجید دہلوی مدیت صدق حیدر - جو غیب صاحب کے ہم زلف ہیں اُن کے حیدر میں غیب صاحب کے انتقال کی خبر پر بلند حیدر آباد کے اخبارات میں ضرور تعزیتی ادارے لکھے گئے ہوں گے، لڑائی کے صوفائی، ہندوستان کا پاکستان کی بھی بعض تابن و کرخصیترن کے بارے میں بے خبر اور انجان نکلے مارنے والے کو اللہ تعالیٰ کی محضرت نصیب ہو (آمین)

خال بہادر بدیع الدین مرحوم -

شاہد حیدر سال ہوئے ہوں گے، انجن ترقی امور کے ایک جلسہ میں ایک نہایت ہی دلچسپ شخص نے منے میں خود ہی پہل کی اور اپنے تعارف لکھا، کہ میرا نام بدیع الدین ہے ! آپ کے مفاد ان کو بڑے غور و کوشش سے پڑھا ہوں، پھر انہوں نے لڑائی سے دس میل دُور مار کا پلہ کے فوجی علاقے میں جانے پر مجبور کیا، مجھے کوئی ضرورت کام نکل آیا، اُن کی دعوت میں نہ جاسکا، دوبارہ ملاقات ہوئی تو اس انداز میں لے کہ مجھے خدمت

کا موقعہ ہی نہیں دیا، اُن کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو شکوہ و شکایت کا دفتر کھول دیتا اس کے بعد پھر دولت کا دن مقدس ہوا، اُن کے صاحبزادے یا داماد پاکستان فہمائے میں اُن دنوں فلائٹ لفٹ تھے، اُن کے فلیٹ میں شام کو چائے نوشی ہوئی اور ٹی بچہ دو گھنٹے خان بہادری صاحب سے ملنے سے تیار و نہ نیال کا موقعہ ملا۔

دعا گزیر رہتے تھے، اپنی فائز اہمیت سے خاندان کے دفتر میں بھی دو تین بار تشریف لائے، اندر سے منزلہ مملکت پہنچنے کی زحمت بہا کی سات آٹھ برس سے وہ اپنے فاقی مکان ماقہ فاطمہ آباد میں منتقل ہو گئے تھے، مکان کا نام "الصفا" رکھا تھا، وہاں ہی کئی بار گیا، ایک بابیہ کی خبر پر کمرزاج برسی کے لئے پہنچا، تو اس حالت میں دیکھا کہ سہری پر نیم سہری کی حالت میں لیٹے تھے اور ڈاکٹر انجیلن لگانے کے لئے رگ تھاق کر رہا تھا پھر وہ اچھے ہو گئے !

اوردن بان کے شہیدائی تھے، دینداروں میں اپنی آپ مثال؛ تو حید کے معاملہ میں بڑے سراس اور بغیرت مند افرماتے تھے، کہ علماء و علما بندہ شریک بدعت کے مٹانے والے ہیں، اُن کے یہاں بھی غلبہ تصوف کے سبب تو عید بے غبار نہیں رہی ! "تصوف" کے بہت مخالف تھے، انہوں نے ساتھ ساتھ شہزادہ قادی اللہ سہروردی کی نسبتیں بھی انہیں پسند نہ تھیں، میں تصوف کی کسی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے نرمی سے کام لیتا، تو سخت احتساب کرتے اور کوئی صفحہ کے خط لکھتے، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مولانا سہروردی کی تحسیروں میں بے غبار تو عید ملتی ہے، مگر ان کے نام پر اعتراض تھا، میں نے صفائی پہنچا کہتے ہوئے عرض کیا کہ جس طرح مولانا آزاد کا نام تو جی الدین تھا۔ اہل الکلام اپنی کفایت انہوں نے خود کسی ہے، یہ معاملہ "اہل الاعلیٰ" کا نہیں ہے یہ ان کے والد کا رکھا ہوا نام ہے مولانا سہروردی کے دو صاحبزادوں کے نام ابو محمد و ابو الخیر ہیں۔

"خانان" کے بڑے تعداد تھے، اپنے کئی عزیز کو جو ڈھاکہ ہائی کورٹ کے جج تھے "خانان" کا خریدار بنوایا، اور اپنے داماد حبیب احمد علی صاحب کو بورلی میں کسٹرن تھے، "خانان" کے پرچے بھرا تے !

خان بہادری سدا الدین صاحب انگریز دور کے بنگال میں فکر تقسیم کے انسپکٹر تھے، پھر وہ ڈھاکہ ہائی کورٹ کے رجسٹرار ہو گئے، ان کی کارکردگی، قابلیت، ایمان داری اور فرض شناسی کے انگریز حکام تک معترف تھے، آئندہ اس انگریز دفینا نپالوں کے اچھے اٹا پیمانہ تھے، ان کے پاس ایک کتاب "فتح مسطظیفہ" لکھی، میں پریشاں ہوتے ہوئے اچھے تبصرے کئے، اور اکبر آبادی، علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی جولانی تفسیر صفائی اور مولانا شبلی جسی نامہ شخصیتوں نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور تحریک و تحسین کی !

مجھے یاد پڑتا ہے کہ مرحوم سید شیل فون پانچویں بابا تہجیت اب سے سال سراسال پہلے ہوئی تھی، اُس کے بعد ان کی کوئی غیر ضرر نہیں ملی، قومی زبان کے "ہائے آندو نمبر" (۱۹۶۶ء) میں اُن پر ایک مضمون پڑھ کر، اُن کے انتقال کا علم ہوا، یہاں کے اخبارات میں ایک سطر بھی اُن کے بارے میں بیک نظر سے نہیں گزری، حالانکہ وہ اس کے مستحق تھے کہ اُن پر چند سطر کی سب سے نہیں مضمون اور مقالے لکھے جاتے ! ہماری صحافت بھی زیادہ تر "نظم زندہ" ہو کر رہ گئی ہے !

خان بہادری سدا الدین جیسے لوگوں کو دیکھنے کے لئے، آئندہ نسلوں کی آنکھیں ترسا کریں گی ! اللہ تعالیٰ اُن کی قبر کو سراسال آخرت کو فروز و قلاخ سے ہمکنار رہنا دے (آمین)

دردِ سعیدی مرحوم۔

صاحبزادہ ہری مرحوم سے راقم اطراف کی انتہائی بے تکلفی کی وجہ سے، یہ شخص بڑا باغ و بہار تھا، صابر کے ساتھ زیادہ وقت نہیں ہنسانے اور طبعوں اور مشکوں ہی میں گزرتا، میں جن دنوں وکی میں رہتا تھا، اسی زمانے میں رعایا مشکلا تھا، صاحبزادے مجھ سے کہا کہ آقا صاحبزادہ کے فرزند آقا مرفوع کی کن بڑی کی دکان (دنگارستان) پر ٹونک کا ایک نوجوان نیا نیا ظلم ہوا ہے، یہ اس کا حلیہ ہے، خیر میں کہیں انداز میں وہ داد دیتا

ہے، بس وہ دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتی ہے، انہیں لطف آجائے گا، اچانک ہم دھول - نگارستان - پہنچے، نائل شعر خوان ہوئی، قد صاحب کی مالانہ انسانی نادر سے خوب لطف لیا۔ اُن سے میرا پہلا تعارف تھا، دکان میں وہ جب تک ہے اُن کی زبان سے اُن کا کوئی شعر نہیں سنا، غالباً قد صاحب اپنی سیکٹی اور انگار کے سبب شعر سنانے سے بچتے رہے۔

لاٹری میں ٹونک کے مشہور شاعر جناب بسمل سعیدی کے نیا ہتمام چاہے بڑے پیمانے پر مشعر ہوا، جناب شعری سہیلی کی وہ جو شہر منزل ہے۔ کہ وہ ساحل پہ ہونے اور کشتی ڈوبتی اپنی

پہلی مصرعہ طرح تسار پایا، بڑی سخت سرودی پڑی تھی، مگر مشعرہ گاہ میں حاضرین کی کثرت نے سرودی کے علی الرغم خاصی گڑی پیدا کر دی، رات کو نو بجے جو مشعرہ شروع ہوا ہے تو دن میں دس بجے تک یہ سلسلہ چلتا رہا، صبح کے بعد میں ہزاری نس کیاب سعادت علی خاں مرحوم مالچی ٹونک بھی شریف لائے، اس مشعرے میں اس نفسیاتی حقیقت کا احساس ہوا کہ شاعر اپنی مشہور اور منتخب غزل پر دوسری غزل کہے گا تو وہ اُس کے بڑی نہیں ہوگی، شعری صاحب کو اپنی وہی مشہور غزل شروع میں پڑھنی تھی، مگر انہوں نے دوسری ہی غزل کہی، جو اُن کی مشہور و مقبول پرانی غزل کے مقابلہ میں بہت پھیل رہی !

بسمل سعیدی صاحب سے میرے بڑے مفصلہ تعلقات تھے، انہیں اب بھی ہیں۔ اگرچہ تقسیم ہند نے سب ٹکڑوں میں لگا کر بددکانی پیدا کر دی ہے : مشعرے کے بعد دعو توں اور شعری نشستوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، بسمل صاحب مجھے سے فرمایا کہ سیاست کے مفتی صاحب نے میری ایک نظم پر کفر کا فتویٰ دیا ہے وہ تمہیں اپنے کہاں دعوت میں بلائیں، تو وہاں نہ جانا، چنانچہ ایک صاحب ٹونک کے مفتی اعظم کی دعوت کا پیغام لے کر آئے، مگر میں مال گیا انہوں نے بہت اصرار کیا، لیکن میں نے مفتی صاحب کے کہاں جانے کا ہائی نہیں بھری، جب وہ یلوس ہو گئے تو فرمانے لگے رات کے مشاعرے میں آپ کی غزل کا مطلع،

یہی ہے زندگی اپنی یہی ہے زندگی اپنی

کہ تیرا نام آیا اور گردن جھک گئی اپنی

مجھے بتائیں، مگر مشعرے کے لئے ہم کا گورنر ثابت ہوا، میں اُن صاحب کی اس طنز پر شک کر رہ گیا۔ جو ادبی سٹی انجیلو بھی : ناں : تو اسی مشعرے میں قد سعیدی صاحب کی غزل پہلی بار اُن کی زبان سے سنی، ان کی غزل کے تین چار مشعرے میں چاہے پسند لئے گئے، اور بسمل صاحب کے اشارہ کرنے پر قد صاحب جلدی سے مطلع پڑھ کر اسٹیج سے اتر آئے : پھر — کراچی میں پاکستان بننے کے بعد ان سے ملاقات ہوئی !

قد سعیدی نے پاکستان آنے کے بعد سندھ کے ایک معروف قصبہ شند آدم کو اپنا مستقر بنایا، اس نام کو سن کر پہچان بٹھا آیا کہ اتنی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ انا ہو گیا، تجید لاہوری مرحوم نے کیا خواب کہا۔

سہ جانے والے : شند آدم بھی اسی منزل میں ہے

مگر جب تک ایک دیوے اسٹیشن پر - الشد و ن ساند - کا محدود نظر سے گزرا تو شند آدم بہت حقیقت معلوم ہونے لگا۔

شند آدم خاصہ شاعر تھا، اُس نواح میں تجارتی مرکز ہے، آبادی چالیس ہزار ہے کچھ نانہ پڑی ہوگی، قد سعیدی مرحوم کی بدلت و دان خروادب کا ذوق پیدا ہوا، چاہے بڑے پیمانے پر پندار شروع ہوتے رہے ہیں، جن کے کما و دھرتا قد مرحوم ہی ہوتے تھے، ایک مشعرے میں حضرت خیرا داد خان، ممتاز لاہوری، صدیقی، صدیقی، شکر قوی، قد صاحب خاکسار کو بڑے اہم اور کما و دھرتا کے ساتھ مشاعروں میں بلائے، دعوت نامہ میں اکثر لکھتے کہ بے زیاد نظم آپ ہی کو دیا جا رہی ہے، امان کے حالات کے لحاظ سے رہ رہ کر ہر ہفتہ شند آدم کو آؤ گے،

خدا آدم میں سے بنا آخری مشعر وہ اب سے چند سال پہلے قدس صاحب کی کے لیے اہتمام منعقد ہوا، قابلِ اجیری مرحوم اس وقت زندہ تھے، وہ بھی شریک ہوئے، اس مشاعرے میں ایک صاحب کی غزل کا یہ مطلع۔

مٹھری بھی جاویر ساقی پہ دو گھڑی کے لئے
تسام مگر ٹپڑی ہے روتا روی کے لئے

حاصل مشعر رہا۔

قدس سیدی کے بارے میں دو سال پہلے سننے میں آیا کہ وہ بیمار ہیں اس کی اطلاع کہ وہ کینسر جیسے مرض میں مبتلا ہیں ڈاکٹر اختر صاحب کے خط سے ملی، انہوں نے لکھا کہ قدس صاحب کی حالت اچھی نہیں ہے کراچی میں آکر علاج کرانا چاہتے ہیں مگر علاج کئے آتے سونہرہ یہ وہ کار ہو گا میں نے اختر صاحب کو بھی لکھا اور قدس سیدی کو بھی کہ آپ اللہ کا نام لے کر کراچی آ جائیے یہاں انشا مالک صاحب کچھ ہندوستان ہو جائے گا۔

گرمشترہ رمضان میں وہ کراچی آئے، دو دن ایک ہوٹل میں ٹھہرے، پھر دفتر "فانان" میں آ گئے، اللہ ہی چاہے دن قیام کیا میں انہیں لے کر بنارس سنٹرل ہسپتال کے ناظم اعلیٰ لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب کے پاس گیا انہوں نے فرمایا کہ کینسر کے شعبہ کے ڈاکٹر صاحب انچا سچ ہیں، وہ ولایت گئے ہرے اس آٹھ دس دن میں آ جائیں گے ان سے جملہ کٹا ضروری ہے پھر وہ ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے، قدس سیدی کو انہوں نے دیکھا، اور بھل گئے کا مشہور دیا، مگر قدس صاحب نے فرمایا کہ بھلی لگائیں بڑی تکلیف ہوگی، میری صحت اس تکلیف کو برداشت نہ کر سکے گی، اس موقع میں انہوں نے ہوسپتیک علاج بھی شروع کر دیا تھا، ابھی تھے کہ میں فائدہ محسوس کر رہا ہوں، اس کے بعد وہ اپنے محلے سے دوپہر کی دھلائے کو شہر آدم چلے گئے، فرماتے تھے کراچی کو اپنی جگہ موافق نہیں آتا، یہاں کی آب و ہوا میں سانس کی تکلیف پیدا ہو گئی۔

خدا آدم سے ان کے خط آتے تھے، کئی خطوں لکھے کہ پیسے کے مقابل میں فائدہ ہے، کسی میں یہ کہ تکلیف بڑھتی جا رہی ہے، اسی دوران میں ساکھڑ، ۲ ضلع کی شہر ہے۔ میرا جانا نکل گیا وہاں مشعر تھا۔ روزنامہ جنگ کے نمائندہ نے مجھ سے کہا کہ ڈیپٹی کمشنر صاحب آپ قدس صاحب کی مالی اعانت کے لئے کہیں مشعر بھی شروع نہیں ہوا تھا میں نے ڈیپٹی کمشنر صاحب سے کہا کہ قدس سیدی صاحب کے ضلع کے نامور شخص ہیں، کینسر میں مبتلا ہیں، مشعر ختم ہے ان کی اعلا فرما صاحب ہر طرف سے مدد فرمایا، مشعر ختم ہو جانے کے بعد میں نے پھر کہا، معاملات میں تکرار اور ادھر ادھر کی عادت ہے، ڈیپٹی کمشنر صاحب مجھے علم دوست، بان کے کچے اور قول کے کچے ٹکڑے ڈنڈے کے بعد انہوں نے خود خدا آدم جا کر قدس سیدی کی خراب ٹپڑی کی اور اس پر یہ دعوت فرماتے۔

قدس سیدی کے مرض میں کبھی شیعہ شاعر پیدا ہو جاتا، کبھی افغانہ اور کبھی نیادنی، کبھی ہندوستان کی آواز چلا دے، وہ دوبارہ کراچی تشریف لائے اور تقریباً ایک مہینہ اپنے ہم وطن مشعر جوہر سیدی کے کہا کوئی کے کوئی میں قیام فرمایا اور پھر خدا آدم واپس چلے گئے وہاں پہونچ کر مرض کے ساتھ کوئی بھی بڑھتی ہے، لکھنے پڑھنا تک متوقف ہو گیا، وہ سرور سے خط لکھتے یہاں تک کہ ایک دن صبح سویرے اخبار جنگ میں ان کے انتقال کی خبر پڑی۔

قدس سیدی ضرور عمر میں جس سیدی کے شاگرد تھے دشمنی میں بتدیج ترقی کی، خوش گوار صاحب، فقیر شاہ، مطالعہ بھی خاصہ کچھ تھا، دفتر "فانان" میں جب ان کا قیام تھا زمین نے فلسفہ کی کتابیں انہیں پڑھنے دیکھا، بال بچوں کے کھیلے سے آواز تھے، فیضانِ ہلال کی بہت خدمت کی پر دیم میں وہ بھی دنیا سے جدا ہو گئے، شروع شروع میں خدا آدم کے کئی پرائمری اسکول میں مدد کی، پھر وہاں ایچ بی سی میں منتظم ہو گئے، ان کی ترقی و ترقی اور خدمت نے اس لائبریری کو چار چاند لگا دئے، قصبہ کے خاص وہام میں ان کی بڑی عزت تھی، جو موت اسلامی کے بعد اور مولانا ابوالحسن علی مدظلہ کی تحفہ تھے، شاہ کابین، یک دلیان یادگار ہو گا! اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ (آمین)

غزلیں

شفا گوالیاری :

صبح کا نشا نہیں رات بھی گزند گئی
ظلم دل لئے ہوئے، آنکھ ترسکے ہوئے
ذکرِ نہ پھر ٹپے، سادِ ظلم نہ پھر ٹپے
کچھ نہ نہ مل سکا، ناز کچھ نہ کھل سکا
ماہِ جلوہ گاہ میں بات معنی نگاہ کی
آج پھر تھا امتحانِ شعلہ زارِ عشق میں
دار کی حدوں پہ بھی چنپل نہ ٹک سکا

غلمتوں کی آڑ سے روشنی گزند گئی
بے کھلے بہاد سے ہر کلی گزند گئی
جو گھڑی گزند گئی، وہ گھڑی گزند گئی
زندگی کی کھوج میں زندگی گزند گئی
جور کی، رکی رہی جو بڑھی گزند گئی
پھر خدی جھک گئی بے خودی گزند گئی
موت دیکھتی رہی، زندگی گزند گئی

کیا تاشِ آستان، کیا غم جبین شفا
رسمِ بندگی سے اب بندگی گزند گئی

خان زادہ مسیح الوری :

صحنِ جن میں آج نہ جانے کوی ہیں یہ دیا نے سے
موسم گل ہیں بھی یہ گلشن لگتے ہیں دیرانے سے
کس کس کے غم قد کریں ہم کس کس کے علمِ خارِ بنیر
سب کے جہرے ہیں بے رونق رکے دلِ غم خانے سے
کون ہے اپنا کون پرایا یہ کہنا آسان نہیں
یوں تو ہیں سب لوگ ہمارے جانے اور پہچانے سے
ہوش و خود کی بات نہ کرنا واعظِ یہ میخانہ ہے
اور جگڑ جاتے ہیں اکثر لوگ یہاں سمجھانے سے
بیگانوں کی اس تسبی میں کس کو ہم اپنا کہیں
کل جن کو اپنا سمجھا تھا آج ہیں وہ بیگانے سے

ماہر القادری :

حسن کے حمدِ تینا فل کا گلہ ہوتا ہے
اُن کے اب لطفِ تبسم سے بھی کیا ہوتا ہے
ہر نفسِ معرکہ کرب و بلا ہوتا ہے
آپِ مظلوم سے ذرِ ظلم پہ مغرور نہ ہوتا ہے
ایک انسان کو دہرائے چلے جاتے ہیں
بزمِ ساقی میں گزری ہیں بہت سی راتیں
نہ کوئی جلوہ نہ پردہ نہ حقیقت نہ حجاب نہ

کیا یہی شیوۂ اربابِ وفا ہوتا ہے
ایسی باتوں سے تو ظلم اور سوا ہوتا ہے
عشقِ سر حال ہیں راضی بہ رضا ہوتا ہے
یہ وہ ناک ہے جو شاید ہی خطا ہوتا ہے
صرف ہر وفد میں عنوانِ نیا ہوتا ہے
اسی امیدِ مینا اب جامِ عطا ہوتا ہے
آدھی اپنے قصیدہ میں گھرا ہوتا ہے

اپنے گلشن میں کہاں فصلِ بہار اے ماہر
چند کلیوں کے چنگ جانے سے کیا ہوتا ہے



ابے! تیز ترین پرواز! سٹرائیڈنٹس اے-۱۰۱ کے ذریعے

۹۵ منٹ میں
کراچی - لاہور
روزانہ ۳ پروازیں

۱۰۵ منٹ میں
کراچی - راولپنڈی
روزانہ ۲ پروازیں

ملک کے اندر چاروں میں تیز رفتاری اور آگرمکانیا معیار



پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز

بالافتاق مومن ہے،

”دیئے ہیں اور جمل مقطم“ (صفحہ ۲۶۸) یہ کتابت کی غلطی ہے۔ جمل مقطم (کے بغیر) صحیح الہامی، اسی طرح صفحہ ۲۴ پر ”سندہ“ کی جگہ ”زیدہ“ چھپ گیا۔ تشریح پڑھ کر بھی دل میں کھٹک پیدا ہوئی کہ یہ غالباً ”تشریح“ ہوگا؛ تاریخ ابن خلدون کے اس ترجمہ نے کوئی شک نہیں اُردو ادیبوں قابل قیما اضافہ کیا ہے۔

علم جدید کا پینچ از جناب ویدالدین خاں درکن مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ، ضخامت ۳۰ صفحات، کتابت و طباعت عیدہ زیدہ۔ نئے کا پتہ۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

اس کتاب کے ابواب کی فہرست حسبِ ذیل ہے۔

تفہیم مذہب کا مقدمہ — تبصرہ — استدلال کا طریقہ — کائنات خدا کی گواہی دیتی ہے — دلیلِ آخوت — اثباتِ رسالت — قرآن، خدا کی آواز — مذاہبِ اہلِ تقدس کی مسائل — جس زندگی کی ہمیں تلاش ہے — آخری بات —

محترم ویدالدین خاں صاحب بلند پایہ دینی مفکر ہیں، ان کا مطالعہ بھی بہت وسیع ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے علم و مطالعہ کے ساتھ ان کی زندگی بھی دینی ہے جو حقیقت و ثابت سے لبریز ہے، ایک بکری تھپس میں ابھولنے لگا ہے۔

”یہ عجیب ترین اتفاق ہے کہ اس کتاب کے ساتھ دو عالمی شخصیتوں کے نام وابستہ ہیں جو پچھلی چوتھائی صدی سے ہندو پاکسٹین دین کا نمایاں ترین نشان سمجھے جاتے ہیں، میری مراد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے ہے؛ یہ بالواسطہ طور پر مولانا مودودی ہی کا فیض ہے کہ پندرہ سال پہلے، اپنی زندگی کے ایک نامکرتین مرحلے میں، میرے دل میں اس احساس نے غلبہ پایا کہ میں اپنی زندگی کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دوں، جس کا باقاعدہ مظہر یہ کتاب ہے۔“ — اور محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اس آغاز کا حسن انجام ہیں، کیونکہ یہ انہی کی ذات والا صفات کا فیض ہے جس کی وجہ سے یہ کام اپنی موجودہ شکل میں تکمیل کو پہنچا۔“

اس تندِ شرعِ صمد کے ساتھ واضح طور پر اعتراف، یہ دلیل ہے لکھنے والے کی شرافت نفس اور خلوص و حق پسندی کی! ورنہ آج کی دنیا میں تو شاگرد اپنے اساتذہ سے سنا خوات کرتے ہیں اساتذہ محض اور تہذیبیت کرنے والوں کو کوئی کیڑ ٹ دینا نہیں چاہتے۔

مقامیہ کتاب میں فاضلِ مصنف لکھتے ہیں،

”موجودہ دور میں فکرِ استلال کا انداز بالکل بدل گیا ہے اس لئے موجودہ دور کا علم کلام بھی پہلے کے مقابل میں بہت کچھ مختلف ہوگا، اگر یہ بات زمین میں ہو تو کتاب کے مباحث کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔“

اس کتاب کا آغاز مذہب کے خلاف تفہیم مذہب کے مقدمہ سے ہوتا ہے، یعنی وہ مذہب کے بارے میں کیا بدگمانیاں، اداام، فلوک اور اعتراضات رکھتے ہیں، اس کے بعد لائقِ مصنف نے تفہیم مذہب کے اس ”مقدمہ پر تبصرہ فرمایا ہے اور ان کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

فاضلِ مصنف نے دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ سائنس دانوں اور فلسفیوں کے استدلال کے قطرِ قدس کی ناقص پایا جاتا ہے اور یہ لوگ بے شعوری طور پر غلط اور دین سے قریب قریب ہوتے، مرنے کے طور پر بلک جاتے ہیں! اس کتاب میں عقلی و فطری دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ کائنات خدا کی گواہی دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ میں، اتفاقی طور پر موجود ہیں نہیں! گئی میرا کوئی خالق اور بنانے والا ہے جو مجھے بنا کر مجھ سے بغیر متعلق نہیں ہو گیا بلکہ اس کی ربوبیت نظام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے!

”آخرت“ کا موضوع خاص مابعد الطبیعیاتی ہے، اور اس پر بہت ذہن اس موضوع کو کثرت خیالان میں مبتلا ہو جاتا ہے مگر اس کتاب میں ”آخرت“ پر ایسی دینی و عقلی اندویشیں دی گئی ہیں کہ طبیعت میں خدا کا بھیجی ہوئی لہری کا جو سر مور، تو اسے قائل اللہ مطمئن ہو جانا ہی چاہئے۔ اس کے بعد عقلی دلائل سے اثبات رسالت کیا ہے، آخر میں باب میں بتایا ہے کہ قرآن کریم خدا کی آواز ہے، مذہب اور تمدنی مسائل کی تفصیل پیش کرتے ہوئے اس حقیقت کو ثابت کیا گیا ہے کہ خدا کا قانون ہی ان مسائل کا صحیح اندویشی حل ہے۔

”آخری بات“ کتنی حقیقت آفرین اور بارگاہِ آفرین ہے۔

”لاکھوں ایسے لوگ ہوں گے جو خدا کو نہیں مانتے اور پرستش کو بے معنی چیز سمجھتے ہیں وہ اپنے خورساختہ تئوں کے آگے جھک کر اپنے اندویشی جذبہ عبوریت کو تسکین دیتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ ”اللہ“ ان کی ایک فطری ضرورت ہے، اللہ ہی اس کا ثبوت ہے کہ وہ حقیقی ہے، ان ان خدا کے سامنے نہ جھکے تو اس کو دوسرے اہلوں کے سامنے جھکنا پڑے گا، کیونکہ ”اللہ“ کے بغیر اس کی فطرت اپنے خدا کو نہیں کر سکتی؟ (ص ۲۷۸)

اللہ

”مگر بات صرف اتنی نہیں ہے، اس سے آگے بڑھ کر میں کہتا ہوں کہ جو لوگ خدا کے سوا کسی اور کو اپنا معبود بناتے ہیں، وہ شکیک اسی طرح حقیقی سکون سے محروم رہتے ہیں جیسے کوئی بے چمک کی مال پلاسٹک کی گڑیاں خرید کر بغل میں دبا لے، اور اس سے تسکین حاصل کرنا چاہے، ایک ملحد انسان خواہ وہ کتنا ہی کامیاب کیوں نہ ہو اس کی زندگی میں ایسے کمالات آتے ہیں، جب وہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ حقیقت اس کے سوا کچھ اور ہے جو حقیقی ہوتی ہو۔“

نکیر حقیقت کے اس قسم کے من و مکر اور اجلاس سے یہ فریاد دین و دلائل روشن و تابناک ہے، کتاب ان جملوں پر ختم ہوتی ہے۔

”ان ان آج ہی سُن لے، کیونکہ کل تو سُنے گا، مگر اس وقت تیرا سنا بے کام ہوگا، آج ہی سوچ لے کیوں کہ موت کے بعد تو نہ چاہے گا مگر اس وقت کا سوچنا تجھے کام نہ لے گا، خدا کا راستہ تیرے سامنے کھلا ہوا ہے، خدا کی کتاب کو اپنی زندگی کا دستار بنا، آخرت کے دن کے لئے تیاری کر، یہی تیری کامیابی کا راستہ ہے ایسی ہی زندگی بچی ہوئی ہے جس کی تجھے تلاش ہے۔“

ڈاکٹر انجم ہریا، مارکسزم، باسائنس، دائروں اور فلسفیوں کے دوسرے مکاتیب پر مبنی، اس کتاب میں ان غلط اندیشیوں و انشروں کے انکار کی بنیادی فلسفیانہ تجزیہ کر کے بتایا گیا ہے کہ ان کی گمراہی کا اصل سبب کیا ہے؟ یہ عظیم کتاب مثبت انداز میں خدا، رسالت اور آخرت کی تائید اور انکسار اٹھاد، مادہ پرستی اور بے خدا فکر کی تردید کرتی ہے، مسائل کی تجزیہ و تحلیل کا انداز کس قدر عالمانہ ہے، کتنے بڑے بڑے ملحد اور خدا شناس اہل فکر اس کتاب کے دلائل کی روشنی میں غلط اندیشیوں نظر آتے ہیں!

فاضل مصنف نے جو بات کہی ہے، عقل و استدلال کی پوری قوت کے ساتھ کہی ہے، خدا شناس مغربین کے نظریوں اور دلیلیوں کو کس قدر مطمئن کرنے والے انداز میں لکھا ہے، اس میں ذہن پر کیا غواہی ہے اس کا حال مصنف کی زبان سے سنئے۔

”اگر یہ استدلال نظر سے اندھا اور حقیقت قرار دینے کے لئے کافی ہے تو یہی استدلال بددھماکیا دہ شکت کے ساتھ مذہب کے حق میں ہو جاتا ہے ایسی حالت میں نظریہ ارتقاء کو سائنسی حقیقت قرار دینا اور مذہب کو سائنسی نہیں کے لئے ناقابلِ تہریل خیال صرف اس بات کا مظاہرہ ہے کہ آپ کا مقدمہ اصلاً ”طریق استدلال“ کا مقدمہ نہیں ہے بلکہ وہ نتیجہ سے متعلق ہے، ایک ہی طریق استدلال سے اگر کوئی خاص طبیعتی نوعیت کا مادہ ثابت ہو تو آپ خدا کے

بول کر اس کے اہلکاروں کی اہلیان کی نوعیت کی چیز ثابت ہو تو آپ اسے رد کر دیں گے، کیونکہ یہ نتیجہ آپ کو پسند نہیں آئے گا۔

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذہب ایمان بالغیب کا نام ہے اور اس میں ایمان بالغیب کا حقیقی معنی ہے کہ مذہب ایمان بالغیب پر عمل کرتے ہیں، مذہب دراصل ایمان کی اصلی اور حقیقی حقیقت متعین کرنے کا دائرہ ہے۔ اس میں کسی وقت تک شہادت کی عدم موجودگی، جب تک وہ ابتدائی اور خارجی مظاہر پر کلام کر رہی ہو جہاں وہ اشیاء کی آخری اور حقیقی حیثیت متعین کرنے کے میدان میں آتی ہے، جو مذہب کا اصلی میدان ہے تو وہ کسی طریقہ کی طرح ایمان بالغیب کا طریقہ اختیار کرتی ہے جس کا مذہب کو الزام دیا جاتا ہے۔

یہ کتاب بتاتی ہے بلکہ اس کی شہادت دیتی ہے کہ فاضل مصنف کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور انہوں نے سائنس دانوں اور طبیعیوں کی اصل کتابوں کو پڑھا ہے۔ کتاب کی زبان سنجی ہوئی اور اسلوب نگارش سادہ و سہل ہے، نازک سے نازک بات سمجھا کر کہی ہے ایک دو جگہ زبان کی خلش محسوس ہوتی ہے مثلاً صفحہ ۳۱۰ پر "سینک" کو "سینک" لکھا ہے اور صفحہ ۸۹ پر "کے اس جملہ میں"۔ اس وقت کا سوچنا تجھے کچھ کام نہ آئے گا۔

تجھے کی جگہ "تیرے" لکھنا چاہیے تھا۔ علم جدید کا صحیح بلندی پر کتاب اور اس کا ادب کا قابل قدر سرمایہ ہے اس کے مطالعہ سے ایک طرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور دوسری طرف مفکرین کا فکری اور عقلی مقابلہ کرنے کے لئے اس کے مطالعہ سے دلیلیں بنتی ہیں کہ یہ کتاب زیادہ سے زیادہ اشاعت کی مستحق ہے دوسری زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہونا چاہیے۔

مقام غالب محمد موسیٰ خاں کلیم، پرنسپل گورنمنٹ کالج نوشہرہ، صفحات ۲۵۶ (نوشہرہ جلد) قیمت چھ روپے چار پیسے، نئے کاپڑ، مسلمانہ، نئی تحریریں بیرون مشنت ٹریڈنگ پشاور۔

غالب پر سب سے پہلی کتاب (یا دگار غالب) مولانا الطاف حسین حالی نے لکھی اور اس کے بعد سے غالب پر جو کتابوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے تو یہ اچھا ٹک چاری ہے اور مولانا غالب کی فلت اور اس کے فن سے محبت کرتی ہے اس محبت اور تعلق خاطر کی بدولت غالب پر کتاب شوق و دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ مولانا حسین آغا نے اب حیات میں غالب کو وہ مقام نہیں دیا جس کا وہ مستحق تھا یا دگار غالب کے بعد غالب کی شاعری پر سب سے بلند کتاب ڈاکٹر عبد الرحمن بخاری کا مقدمہ ہے، جس کا یہ پہلا جلد ہی ضرب المثل بن کر رہ گیا کہ۔

ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں، وید مقدس اور دیوان غالب۔

گزشتہ ربع صدی میں دو شخصیات غالب پر مستند لکھی گئی ہیں، جنہوں نے غالب کے متعلق بلند پایہ کتابیں لکھی ہیں اور ایڈیٹ کی ہیں، یہ دو شخصیات راجا رام ایم۔ اے اور مولانا امتیاز علی خاں عسکری رام پوری۔ غالبیات پر "گاندھ" کا دوسرا کتبھی ہیں!

اب غالب کی شخصیت کی تمجید اور اس کے فن کو فن پر جناب محمد موسیٰ خاں کلیم کی یہ کتاب منظر عام پر آئی ہے جو اپنی جگہ اس موضوع پر کوئی ٹک نہیں ایک منفرد کتاب ہے۔ فاضل ناقد نے انتہائی دلی شین انداز میں غالب کے آئٹ کی تشریح کی ہے اور ایسے لیے شاعرانہ نکتے بیان کئے ہیں جو وجدان کو چرنا کے ساتھ، ذوق و طبیعت کو فروغ دینا اور اس کا انتہائی دلچسپ ہے جسے پڑھ کر۔

سے محسوس یہ ہوا کہ گلستان میں آگئے

صرف ایک اقتباس: —

”اگر خود سے دیکھا جائے تو غالب کا نظریہ محض ایک مجرور افسانہ ہے، اس میں خود سپردگی اور خود داری کا دعویٰ کی آمیزش ہے، وہ خصائص انہی کو اپنے اندہ جذبہ ترکنا چاہتا ہے، مگر اپنے بشری خصائص کو کھودینا گوارا نہیں کرتا اُسے قوت حاصل کرنے کا جہیز ہے اس کا دوسرے کا عشق؛ وہ جانتا ہے کہ خصائص انہی قوت کا خزانہ ہیں، انہیں اپنا کر وہ قوت کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے اور پہنچنا چاہتا ہے، لیکن وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کی قوت کے حصول میں کہیں اپنے وجود سے دست بردار نہ ہونا پڑے، چنانچہ دیکھو، دائرہ ہوا، تو وہ اٹھا پھرتا ہے کوئی دوسرا“

ان چند جملوں سے فاضل ناقد کی رفعت و فکر اور دیدہ و دی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

کتاب کی زبان خوب نہیں، بہت خوب ہے، اور نظر نہ لگا کر خوب تر، یہ ایک جملہ، —

”ایسے جواہر پادوں سے اُسے چمکتے ہیں“ (صفحہ ۲۶)

کھٹکا، ”پتے پتے ہیں، لکھنا تھا،“ انا ”گرو وغیرہ کے لئے بولا جاتا ہے، اسی طرح، —

”میرا اندر کس پال گرو سے اٹ گئیں“

صفحہ ۵۲ پر غالب کے جن ہم عصر شاعر کا ذکر کیا ہے ان میں مولانا صدیق الدین آندہ کا نام آنے سے رو گیا۔

”اگرچہ مولانا فضل حق خیر آبادی کے اصرار پر غالب نے اس تحریک کے خلاف ایک مثنوی بھی لکھ ڈالی تھی، لیکن واقعات اس امر کے شہید ہیں کہ خود غالب کا مسلک وہی تھا جس کی اس تحریک میں متبعین کی گئی تھی۔ یعنی تقلید کے خلاف جہاد“

شاہ اسماعیل شہید عمر الدہلوی کی تحریک دھماکے، شرک و بدعت کے خلاف جہاد تھا، اس تحریک سے غالب کے افکار و عقائد نے کوئی اثر قبول کیا ہو اُس کی زندگی اور تحریکوں سے اس کا کوئی شمت نہیں ملتا، جو شخص یہ کہتا ہو۔

مشغولی حق ہوں بندگی بڑا تراب میں

اُس کے پاس میں یہ بات کیسے مانی جاسکتی ہے کہ وہ شاہ اسماعیل شہید کی غیر تعلیمیت اور ترمیمی افکار سے متاثر تھا؟

مرزا غالب پر تعلیمیت بلکہ ایک حرکت شیعیت کا آخر تک غلبہ رہا، شیعیت کا مسلک بہر حال تعلیمی مسلک ہے اور جب مرزا غالب یہ کہتے ہیں، —

سہ شیعہ کیونکر ہو ماوراء النہری

تو وہ تقلید جاد کا اعلان کرتے ہیں، کیونکہ علماء ماوراء النہر جو حنفی مذہب کی تقلید میں بہت متشدد تھے۔

مولانا فضل حق کا اس کتاب میں کوئی جگہ دیکھا جاوے، حیرت ہے کہ لائق مصنف نے ان کی اصل شخصیت ایمان کے فلسفی ہونے کا ذکر نہیں کیا؛

”معاہرین غالب میں سے بڑی شخصیت سر سید احمد خاں کی ہے اگرچہ وہ بھی اس ماحولی کی پیداوار ہے

جس نے غالب اور اُس کے وفادار کی تربیت کی“ (ص ۶۸)

سر سید احمد خاں مرزا غالب سے کم از کم بیس بائیس سال چھوٹے تھے۔ ان کا شمار غالب کے گہن ہم عصروں اور خود میں کیا جاسکتا ہے۔

”غالب یہ عمر کا پہلا موقع تھا، جب کہ غالب کو ادبی غماصت کے باعث اس تندہ تیج کام میں پڑا، اس تلخی

کو اثرات، اند، ہوا، ماحول، اس کی فطرت، رنگ، دھواں، اند، جو، کر سکی، خواہ مخواہ، ماد، تھا، —

کلکتہ کا بوز کر گیا تو نے ہم نشین اکثر میرے سینہ میں مارا کہ اے اے! (صفحہ ۱۰۲)
یہ وہ قطعہ ہے جو غالب نے کلکتہ کی سیر و قریح اور وہاں کی رنگین محبتوں کی یادیں کہا ہے اس میں کئی تلمیح کاہر ذکر نہیں ہے، فاضل ناقد اس قطعہ کے پہلے شعر کو دوسرے انتشار سے جو منسل ہیں، علیحدہ کر کے چڑھا اسلاس کے بارے میں غلط طے قائم کی۔

”غالب نہ یحس کی فکر کارہوں میں کھو جاتا ہے اسنے عقل کی رعنائیوں پر مست ہے“ (دس ۲۵۶)
یہ عبارت لفظی طور پر تو دلکش ہے مگر معنوی لحاظ سے الجھی ہوئی سی ہے، پھر ”عقل کی رعنائی“ خاص طور سے محض غم ہے کہ ”رعنائی“ عقل کی صفت نہیں ہے۔ ”رطب کی بجائے“ رتب دیا بس (دس ۶۷)۔ ”فصوص الحکم کی جگہ“ ”فصوص الحکم“ بڑھ کر طبیعت نے وحشت محوس کی یہ کائنات کی فطیلاں معلوم ہوتی ہیں۔ کوئی شک نہیں مقام غالب اونچے درجہ کی تنقید کی کتاب ہے!

حضرت اکبر کے شب روز مرتبہ ۱۔ محمد رحیم دہلوی، صفحات ۲۷۶ صفحات (مجدد، رنگین، گرڈ پوش) قیمت پانچ روپے
لے کا پتہ: اسکریپٹ ریفر، جناح ہاؤس لائسنس، لاہور ۷۲

جانب محمد رحیم دہلوی، انشاء کا تالیف کے مصنف ہیں، سال دسالیں اُن کی ایک نہ ایک کتاب آتی رہتی ہے، اس کتاب میں انہوں نے حضرت اکبر اللہ آبادی کی تفسیروں کے اقتباسات سے اُن کے کتب و دستخطوں کی کہنے اُن کی سیرت کو مرتب فرمایا ہے۔
اس کتاب سے حضرت اکبر کی بنیادی معلوم ہوا کہ ”ان العصر“ کا خطاب میر ظلم بھیک نیز گنگ نے اکبر کے لئے تجویز کیا، جسے عوام و خواص کی تائید اور قبولیت حاصل ہوئی، سر سید احمد خاں کے بارے میں اکبر لکھتے ہیں:۔

”معلوم ہیں برائی نظموں کو تہذیب اسواں صاحب کیوں لے بیٹھے، اب کو معلوم ہے کہ سر سید احمد خاں صاحب مرحوم نہ صرف ہندو کے حامی تھے، بلکہ دلاویروں کو سرکاری اسکول میں جانے اور جدید کلاس پڑھنے کے خلاف تھے، وہ اپنے انتظام سے مذہبی تعلیم ہی کو مناسب سمجھتے تھے۔“

لاش ایسا ہے جدید تعلیم یافتہ نوجوان اس خاص طور سے ان کے سیرت اور ادراہادوں و عقائد حقیقت پر غور کرنے کہ اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم و تربیت نے مسلمانوں کی سیرت و کردار پر کتنا غلط اثر ڈالا ہے! اور یہ ”مطلوبہ تعلیم“ تو اخلاق و شرافت اور عصمت و پاکیزگی کے لئے شدید خطرہ ہے! سر سید احمد خاں اب بھی سزا تھی (۱۰۰-۱۰۱) سال پہلے ان فصول کو محسوس فرما چکے تھے۔

اُن کے معا جزا سے عشرت عین مرحوم کی زبان سے اکبر اللہ آبادی کے آئینہ کلمات میں جو معروف کے ذہنی ضعف کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے۔
”خواجہ صاحب کے پونچھنے سے دو دن پہلے غشی طاری ہوئی تھی، لیکن جھوٹا اور جھگڑا کی دھیمائی ملت میں یکایک پیش آگیا، بیٹھ گئے اور کہا قرآن شریف اور عینک لاؤ، بتایا گیا مات ہے، نگاہ پر نہ صحت ڈالئے، بولے تلاوت اور تہجد ناظم کروں، یہ جملہ فہم کرنے ہی بے ہوش ہو گئے۔“

اس ندامتیں تو ایسی باتیں کلامت معلوم ہوتی ہیں! یہ بہار سے وہ اسلاف اور شاہسیر ہیں، جن کی زندگیوں میں ہمارے لئے اچھا نمونہ ہے۔
طبیعت اس قصیدے بہت دلیلیں ہوتی ہے کہ ہے: اور غلام بھی نہ ندن محسوس ہوتی ہے
پچ کہا اکبر اللہ آبادی نے، جس زندگی میں ”یا خدا“ نہ ہو وہ موت سے ہڈتہ ہے۔

ملہ کی باتیں: کلکتہ، لکھا ہے، اہم ترین ہے کہ ”مذہب“، ”کلمہ“، ”کلکتہ“، ”ناشہو“، ”دآبہ“ یعنی PROPER NOUNS (اسما و معرفہ)
میں اصنام کے ادا میں چاہئے، وہ کسی حالت میں واقع ہو، تبدیل نہ کی جائے مگر تلفظ ”ے“ کے صرفی اخلاک کیا تھا کہا جائے!

”حضرت اکبر معمولی حیثیت سے کشن بھی بلکہ کہنا چاہتے، ہائی کمرٹ کی بھی ٹکس ہو چکے تھے۔“ (صفحہ ۱۲)
یہ بات غلط ہے، اکبر ہائی کمرٹ کے بیج نہیں ہے!ایشن بھی ہی سے اُن کی پیش ہوئی اور اُس زمانہ میں ایک ہندوستانی کے لئے یہ بہت بڑا عہدہ تھا۔
”ہزاروں کو سلام کے لئے اگر کیا تو بڑی خوش ہو گی۔“
نٹ ٹوٹ میں ناضل مرتب نے ”ہزاروں“ کو ————— انریل سٹراڈ برن، سی، ایس آئی، چیف سکرٹری صوبہ متحدہ — بتایا ہے! حالانکہ اس زمانہ میں
”ہزاروں“ کا لقب لفٹنٹ گورنر کے نام اور عہدے کے ساتھ استعمال ہوتا تھا۔
اس کتاب کے چند منتخب اشعار: —

خدا کا نام لئے جاؤ، کام آئے گا	ہر اک کو موت کا اک دن پیام آئے گا
مگر محض نہیں ساقی سے بدگمانی کا	اگرچہ تلخ ملا جام، بحرِ وفا کی کا
ہوش آئے گا، انہیں موت کی بے ہوشی میں	آج جو کفر سے معروف ہیں سرگوشی میں
شبِ بیاس سے میں آپ بھی اپنا نہ رہا	جب یہ دیکھا کہ جہاں میں کوئی میرا نہ رہا
کس چمن میں تھا شمعین یہ نہیں یاد مجھے	گھر کو چھوڑے ہوئے مدت ہوئی حصار مجھے
انہی کی مطلب کی کہ رہا ہوں زبانِ یسوی ہے بات اُن کی	انہی کی محفلِ سنوارا ہوں چراغِ میرا ہے رات اُن کی

خدا کی پاک پکار رہا ہوں ہر اک سے ہر اک کو
پہل بے اسبابِ غفلت، چشمِ عبرت رو چکی
اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر اللہ آبادی سے اس وقت کی کن شخصیتوں سے کیسے تعلقات تھے، اُن کی خانگی زندگی کے بعض معمولات کیا تھے؟
حضرت اکبر کے ساتھ حیاتِ پریم بالکل نئے انداز کی کتاب منظرِ عام پر آئی ہے۔
پروفیسر منظور حسین شہید، ضخامت ۶۷، اصغرات (جلد ۱، رنگین سرورق) قیمت ۵ روپے پلاس پیسے۔
ملنے کا پتہ: — مکتبہ علم، بھوانہ بانڈرا، لائل پور۔

پروفیسر منظور حسین شہید، تعلیمِ جند سے قبل بھی معروف اور مقبول تھے، اصحابِ توان کی شہرتِ اُسودینا میں سورج دینا کی طرح رواں دواں ہے
شروع شروع میں شہید صاحب کا تعارف ناگہم، جہل پور، امراتوی، رائے پور... یعنی یوں کہتے کہ سی۔ پی ٹک محدود تھا، مگر وہ پھر چند برس میں
ہندوستان کے ہر گوشہ میں متعارف ہو گئے، ان کی شہرت میں کسی پروفیسر کے لئے کا نا تھا نہیں ہے، اپنے فن کی قوت کے ہمارے وہ شہید ہوئے ہیں!
اپنے اس مجموعہ کلام کا نام انہوں نے خود مقدمہ لکھا ہے جس میں بتایا ہے کہ آرٹ کیا ہے! اس کے کیا لوازم اور حرکات ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں۔
یہ ایک فکر انگیز مقالہ ہے!

پروفیسر شہید کے کلام میں بڑا تنوع پایا جاتا ہے، منزل کے علاوہ انہوں نے مختلف موضوعات پر بڑی معرکہ کی نظمیں کہی ہیں! انہیں ان خیال کیلئے
وہ اسلوبِ جن ترکیبوں سے کام لیتے ہیں، اس بلاغ کے لئے جو اسلوب اختیار کرتے ہیں اُس نے اُن کی شاعری میں انفرادی آہنگ پیدا کر دیا ہے۔ اُن
کی شاعری میں وقری کی چمک دیکھی ہے اور تکرار کی جھنجھکار بھی ہے۔
منتخب اشعار: —

کتنے بیگانے نغمہ میں جذب ہو کر رہ گئے
کتنے دنیا اپنے طرف لوں میں سو کر رہ گئے

دقت کا طوفان اسی صدمت سے بڑھتا جائے گا
غبار وقت سے میلہ تماشا بے ہوا
ہونٹوں کے اک تبسم لعلیں کی موج سے
بے لفظ و صورت نغمے سناتی چلی گئی
موجوں کے پیر و تاب کو میں سوچتا رہا
وہ ساحلوں کے خواب دکھاتی چلی گئی
اک جہ سے بے کنار تماشیاں ڈوب کر
میرا نامہ بھی تیری رسوائی
کارواں ہنستے چلیں، یا قافلے ہوں اشکبار
فرزموں سے جو سوچ جلی نہ سکے
افتقار کا منہ اجلا دھوا تھا
سیاہی فلک پر بستی ہوئی جلال
جھلکتے چمن پھولوں کی لہر سے
فلک پر میکہ سے پر تو لے رہیں
تیری لگی سے ہم جو نکلے پھر نہ پلٹ کر آئے
ڈگر ڈگر سب ساتھی چھوٹے کوئی سنگ نہ آئے
برکھارت پھر چھپر رہی ہے بھولے بستر راگ
رواں رواں تھی زمیں پر مسرتوں کی برسات
منقضا آدمؑ ایک نظم کا عنوان ہے اس کے چند بیت لکھتے ہیں —

کھاتا ہے ہر جوس میں ملک و وطن کا خضم
چلتا ہے لے کے دین و مساوات کا علم
لیکن جملہ کے دین و مساوات کا پورٹ

گھر تو وہی آدمی کا جملنا ہے آدمی
گرداب سے بھی ربط ہوا ہے بھی ہے تیز
کشتی سے بھی رگ ڈبے، ساحل سے بھی گریز
کشتی کا ناخدا ہے مگر اس کے باوجود

طوفان بھی ساحلوں سے اٹھاتا ہلکا آدمی
مریخ زہیر دام، قمر پر بھی ہے کسند
نعت میں کہکشاں کی بلندی سے بھی بلند
لیکن جہاں دکھاتا ہے پستی ضمیر کی

تحت الثریٰ میں ڈوب بھی جاتا ہے آدمی

نظم - ہمدان کے مدح و تحسین -

یا ہر سحر و سحر میں شاعر کے خیالات
جیسے کسی چمن سے نکلتا ہو کوئی بات

کھڑے ہوتے شہر میں سیر پرش گشت میں
ہر اسی طرح شب تار میں جیسی

خنگ ہوا ہے بھی ہیں دل نگارے ساتی
گنہ چکا ہوں میں بیگادہ دارے ساتی
آخرت میری تبا دنیا مرے دامن کا چاک
میں سچائی شریعت میں ہوں گوتم کا دھرم
بہر دوستار کے آئو، تقدس کے سجد
میری اک کروٹ بڑھا میری اک کروٹ شب
زیگیوں کے ہاتھ میں آئندہ دیدتا ہوں میں
تو بات زد کو سیم کے بالوں کو بدل دیں
یا دشت تمدن کے عقابوں کو بدل دیں
ہم اس گلشن کے سرخچے کو خندان کر کے چھوڑ دینگے
خون دیندوں کو بھی بھل بیٹھان کے چھوڑ دینگے

(خوبی بہاگ) یہ کون دشت ہے جس کے سیاہ است غزال
خیر بھی ہے کہ ترے بیکدے سے کتنی بار
(وقت بنام اشیا) حال میرا نقش پا، ماضی مرے محرا کی خاک
میں کلیسا کی نوا میں لغزہ دیر و حرم
قدسیوں کی بندگی عزت نشینوں کا حدود
میرا اک پر تو اندھیرا، ایک پر تو آفتاب
انتقام حسن چہرہ دل سے بھال لیتا ہوں میں
(صبح بہار) پردے رُخ جاگیر و عداوت سے اٹھا کر
یا بچہ کنفک و کوثر بھی ہو اُناؤ
(یقین محکم) اگر دو چار غنچوں کو ہنسی آئی تو کیا آئی
گہر کا ذکر کیا، اس بحر پایاں کے سینے میں
ایک دوسرا فادہ دوست کے نام م

دامن ہو چاک چاک تو پھر دھجیاں نہ دیکھ
رستے میں چل تو سایہ ابر دواں نہ دیکھ
ساحل پہ فوجی ہیں کہاں کشتیاں نہ دیکھ
اُڑتے ہوئے ہر ایں فقط بادباں نہ دیکھ
تاریک ہوز میں تو سوئے آسمان نہ دیکھ
گلبرگ کا سوگ، شہر کی دیر پانیاں نہ دیکھ
یہ آسمان یہ دنیا تے نیل کے دھامے
دلوں میں برق و شمشاد کی چمک چھپا ہوئے
کہ ملتوں میں مقام غلام کچھ بھی نہیں

پوشش جنوں میں عالم سود و زیاں نہ دیکھ
منزل ہوسا نے تو کڑی دھوپ سے نہ ڈنڈ
عروان جسے ہو تو کسی مروج کو پکار
طوفان سے کہ کلام، ہوا کا مزاج پوچھ
جسٹس میں آفتاب سے کچھ تو بھی کم نہیں
رُک جا کسی حبیب کی دیوار کے قریب
یہ جلیوں کے نشیمن، ہوا کے گہرا سے
سروں پہ بار مہر و کھٹاں اٹھائے ہوئے
یہ کہ ہے ہی ترے صبح و شام کچھ بھی نہیں

اسیر ہوں تو امیر و امام کچھ بھی نہیں
جہاں میں حلقہ برگزین کا نام کچھ بھی نہیں

دردِ بھان (محرم میں جس کے سناہوں نے غسل نہ کیا
یہ بے چراغ تری قبر، یہ نفا سسنان
دیں کو جس کی جیس نے سوا و طود کیا
یہ تیرے سینہ نازک پٹھنوں کی چٹان
کسی کینز کو بستر سے اٹھ کے دے آواز
کہ اک چراغ تو ہر تیری مات کا دم ساز

ابھی تو خود ہی اندھیرا ہے بگڑا ہوا پر

ابھی تو "نور" کا دھوکا ہے چاندی پر

دائیم نفیس سے (اگر خیال ہو آواز تو نفس بھی جن
حلیہ برق بھی ہیں خالق بہار بھی ہیں
چن سے تا بہ نفس ایک ہی خیال کی جہت
کہ میں اسیرِ شمع، نہ میں ہمسایہ پرست
یہ درد میں کو سمجھتا ہے ظلمتوں کا خباہ
اُسی غبار میں سود بھی چراغ بدست
ملکہِ زیماں (زلف کا سایہ جس کی صبح پر تلتا ہوا
وہ بھرے ہاتھ وہ سلی تباہ زندگار
مروں سینہ شفق کی موج میں دھلتا ہوا
جیسے اٹھتا دود، جیسے بند کیوں کا فشاہ
آہ! وہ آہ جو کھا جائے حرم میں آکے تیر
نوں سے دھلتا ہے اکثر پرچم مصر و عجم
خاموشی محرم (آنسوؤں سے دیدہ جھوٹا ہے ہوتا ہے غم
زندہ باد! اے ابرنیاں! اے بہادوں کے رسول
اد کچھ غور ہی سی شبنم اد کچھ غور سے بھول

دقت کی آواز (سرنگوں ہو کے نہ کر عظمت آدم کو ذلیں
ظلمتوں کے جگر چاک ہونے لگے
جس کو سجدہ ہو سناوار وہ سر پدا کر
بحرِ درد نہ آجائے سے دھونے لگے
دشتِ بڑے ہیں دادی طود میں
وقتِ کھٹ پکھٹ بدلتا رہا
دنگا و باسیاب (شبنم بھی ہے آوازِ فکر و بھی صدا ہے
ہر شام سیرِ پوش ہے پیچیدہ اوار
بے ساز بھی بیدار ہے لغزِ مرے آگے
ہر شب ہے تجلی کا محیفِ مرے آگے
نہر ہے نہ پرویں نہ خدیا مرے آگے
توہینِ عبادت ہے وہ سجدہ مرے آگے
منہ کوئی پیشانی نہیں ہے
ہے آئینہ کہ آئینے کا نہ نگار
نظر تری ہی ظلمتِ آفریں ہے
جہاں تو گئے کلیمِ احسن ہوں
جہاں بچتے ہوں آئینوں پہ زنجی
جہاں نکلے شرمندہ ہوں ہمار
لغزِ بارِ پد تیشہ کو بہن

رخشاں (کسی عارض پہ تابانی نہیں ہے
تجلی ہے کہ طغیانِ شب تار
خطا میری تجلی کی نہیں ہے
جہاں لغزوں پہ ہرے خندہ زلف ہوں
جہاں سینوں میں ہو قبروں کی تسلی
جہاں شبنم کو دیا کا ہو پسندار
میرا افسردہ سخن میرا اندازِ فن
(عرفانِ ذات)

پیری آواز، آواز کون و مکان
تیرا نفس، فقط غصہ انجمن
تجہ کو نالے کا دکھ مجھ کا غصہ کا غم
تو ہلاک نفس میں ہلاک چمن

پہرہ چمکائے نرم زرخِ معنی ادا کا
نغمہ چمکائے ہم جو لیسانِ گراں گوش
باتیرہ ہنسواں چہ کم غالب گفتار
نورِ مددِ نغمہ شید بکمال چہ فروشم
باریک سماں گوشِ فلک چہ فروشم

ہر نفس چمک داتا کا عالم
ہر نظر اک سرود ہے آواز

ہر تجسبی کے لئے طریقِ نظر ہے دکھار
آنکھ ایسے میں چمک جائے تو بھر کیا ہوگا
قافلے ہیں کہ گزرتے ہی چلے جاتے ہیں
گل کا کیا ذکر کرے دوستِ مرگ و امن پر
جلوہ اندازِ گل اس قندازان بھی نہیں
اُس کا دامن بھی نہیں اپنا گریباں بھی نہیں
منزل ہیں کہ کسی سمت نمایاں بھی نہیں
ایک مدت کے کسی خار کا اسیاں بھی نہیں

تو نے مرے درد کا دماں کیا
دل کو اپنی تباہی کا کچھ قسم نہ تھا
اس سے پہلے بھی سرِ بادِ دھڑکا تھا دل
غنجہ اپنے جسم پہ مجھ سے تھا
فون ٹپکا تھا ناہد مری آنکھ سے
موج کوثر نہ تھی آبِ نغمہ نہ تھا
ادب بھی کچھ درد سما ہو گیا
اُس کی آنکھوں کا ارشادِ مبہم نہ تھا
دل دھڑکنے کا لیکن یہ عالم نہ تھا
غنجہ کب محرمِ مایہِ شبنم نہ تھا
سرج کوثر نہ تھی آبِ نغمہ نہ تھا
چلتے چلتے جہاں شہرِ ہم رک گئے
اپنا رخِ مسادوں کو بدلنا پڑا

دوسرا رخ —

نفس کی کیا وادیِ ایام میں روپوش ہیں
کتنے جلوسے گزرجہِ شام میں روپوش ہیں (ص ۱۵)
نفس ساز میں پرشیدہ یا خوابیدہ ہیں، اس طرح تو بولتے، کہتے اور شعر میں بھی نظم کرتے ہیں، مگر وادیِ ایام میں نغموں کا روپوش ہونا اس
میں بڑا کلفت پایا جاتا ہے!

یہ دلوں کا نفس یہ سرودِ سرود ہوا
یہ سنتا ہی ہوا میں یہ بولتے ہوئے ساز (ص ۱۷)
”یہ دلوں کا نفس“ نئی ترکیب بلکہ یوں کہتے ”نئی دریافت“ ہے، مگر کب کو نہیں لگتی! بھر بادل نہ ہوں تو بھی سرود ہوا جلتی ہے گراں شعر میں سرود ہوا
کو بادلوں کا نفس کہا گیا ہے، اگر بادلوں کے نفس سے بادلوں کی گرجہ مراد ہے تو بھی بات کچھ بتی نہیں — پھر ایک ہی میں مصرع ہیں ”ہوا“ اور
دوسرے مصرع ہیں ”ہواؤں کی تکرار“۔۔۔ ۱۱

شعر میں کوئی خاص لطف نہیں !
کے خبر تھی کہ تھک کو پکار تے اور دست
انہی نفاؤں میں کھو جائے گی مری آواز

تھک کے جن کوسلائے گی مات بھر شبنم
وہ غنچے صبح کی لوسے بھی لپکا پائیں گے
تھپکنے کے نعل کی ہواؤں سے تو مناسب درست ہے مگر "شبنم" سے یہ نسبت کہ وہ غنچوں کو مات بھر تھک تھک کوسلائے گی، مشاہدہ اور
قرینہ کے خلاف ہے! "صبح کو" بھی محل غلط ہے۔

تجھے بھی یاد ہے ان بدلیوں کے سلائے میں
جڑی نگاہ نے توڑے ہیں کتنے پیمانے (ص ۱۸)
"پیمانے سے غالباً" دل کے پیمانے، مراد ہیں، ایسے تو توں پر محذوفات رحب طرح اس شعر میں "دل کے" محذوف ہے موجدان کو کھٹکتے ہیں!
اگر شراب کے پیمانے مراد ہوں تو ان کو وہ نگاہ توڑ سکتی ہے، جس نے سمر زم کی مشق کی ہو کہ کسی کا پنج یا شیشہ کی بنی ہوئی چیر پڑے ڈالی اور اُسے
چس سے توڑ دیا۔

مری نگاہ میں رنجان ہیں سینکڑوں طوفان
مگر ضلالت کرے کوئی سرج تھک کو جگائے (ص ۱۹)
کس چیز کے طوفان؟ انسانوں کے، امید و شوق کے، اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری تھا، پھر ان طوفانوں کی سرج محبوب کو جگا کس طرح سکتی ہے!
غمازی نگاہ سے دل کو اچھال کر
طوفان ساحلوں سے اٹھاتی چلی گئی (ص ۲۲)
"غمازی نگاہ سے اس شعر میں شاعر نے کس مفہوم کی ترجمانی کی ہے؟ پھر غمازی نگاہ سے دل کا اچھالنا اس پرسترازا "ساحلوں" سے شاید
دل مراد ہیں جو پہلے خاموش تھے، محبوب کی "غمازی نگاہ" سے وہ حرکت و جوش میں آ گئے!

دھماکے ہر نفس میں غم آرزو کی آگ
پھولوں سے گلگدے کو جلاتی چلی گئی
"پھولوں" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟ یہ پھول، جن کی انگریزی میں "FLOWER" اور فارسی میں "گل" کہتے ہیں، اگر یہ معنی لئے جائیں، تو پھر "پھولوں" میں
شدید ابہام پایا جاتا ہے، شاید "پھولوں" سے شاعر اسے اندیشے مراد ہوں! اس صورت میں "پھول کی جمع" "پھولوں" نا، نویں سی لگتی ہے۔ اس کے
ماہرہ، گلگدے سے آؤں کس طرح اشارہ ہے؟

ناگدہ کاری، نگہ التفات سے
پروہ حک جڑوں کا اٹھاتی چنی گئی
نگہ التفات کی "ناگدہ کاری" کیا بات ہوتی؟ "ناگدہ کاری" سے شاید "ناخبرہ کاری" مراد ہو! پھر "جڑوں کا پروہ اٹھانا" اور نہ یا
ہمیں بات ہے۔

جن کی شراب تند میں گھلتا سا سرود
آن نغموں سے مجھ کو رلاتی چلی گئی
شعر میں کس قدر آواز اور تکلف پایا جاتا ہے!

دوش نظرت پہ ہے جسیرہ ماہ
یا سگتا ہے خمیہ شب باز (ص ۲۵)
"خمیہ شب باز" ممکن ہے فارسی کی کوئی خاص ترکیب ہو، مگر نظرت کے دوش پر "جسیرہ ماہ" ہے، تو "خمیہ شب باز" کے ٹکٹنے کی کیا تک ہے!
نیت مر مر سے تھراتی رہے تیغ حیات
شب کی دادی سے تو گز گئی آجائے برات (صفحہ ۲۹)
نیت مر مر کی ترکیب اکھڑی اکھڑی لگتی ہے، یہ صوب "تیغ حیات" کہا تھا، تو اُس کے ساتھ "مر مر فنا" یا "مر مر حیات" لانا ضروری تھا،
"کفریہ" بڑی اچھی نظم ہیں کا پہلا شعر ہے۔

ہمت کہدے ساکت و بہوت و خوابات خاموش
نہجوم سر باندا نہ کوہوں کا خود نش

— مگر —

انہوں نے کہ نظم میں شعر ختم ہوتی ہے وہ دوسرے شعروں کے مقابلہ میں کمزور ہے، حالانکہ اس شعر کو سب سے زیادہ بلند انداز میں لکھا جاتا ہے۔
شہر کی رات پہ الزام نہ آنے پائے
کوئی رستوں میں سرِ پام نہ آنے پائے
”بچتے بجزیرے“ میں خاص تاثر پایا جاتا ہے، مگر یہ شعر —

(ص ۳۴)

جنوں کو آئینہ دکھلائے ہیں مری آنکھوں میں آنسو آئے ہیں
کھٹکا، آنکھوں میں آنسو آنے اور جنوں کو آئینہ دکھلانے کے مابین آخر کیا ربط اور مناسبت ہے۔
پھر اندھیروں کے ڈٹے ہوئے شہر میں ابر بجلی کے دیک بھلانے لگے
”ابر“ اسد میں عام طور پر بھی نہیں ہوتا جاتا، ”ابر بارہ“ کی جمیع البتہ آتی ہے۔
”کینہ ساز“ کی جگہ کوئی اسلفظ لانا چاہئے تھا
”کینہ ساز“ کی جگہ کوئی اسلفظ لانا چاہئے تھا

(ص ۴۲)

کالے کالے بادل میں بامیون کا بیراگ
”بیراگ“ خلوت نشینی، ترک لذت، نفس کشی اور جوگ اور فقیری لینے کو کہتے ہیں؛ یہاں اس شعر میں اس لفظ سے انوکھا کام لیا گیا ہے۔
شاعر شاید یہ کہنا چاہتا ہو کہ کالے بادل کی طرح اس نے فقیری کا بھی پس بدلیا ہے۔
نہرہ کا تو نیم انسان تھا سو بدھ کا تو نیم ست تھا
”جب رستہ اپنا رستہ تھا“ اس ٹکڑے نے شعر کا سادہ لطف غارت کر دیا۔
طوفان میں غنیمت آئی گئی غفلت کا اجالا کوئی نہیں
”غفلت کا اجالا“ سمجھ میں نہیں آیا !
کس ماہ میں شکر کھاتا ہوں یہ پوچھنے والا کوئی نہیں (ص ۵۱)

(ص ۶۱)

وقت کے ماتھے پر صدیوں کی دھول
”بھول“ کس زبان کا لفظ ہے جو بھول یا بھورت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔
دل رہا ہے چاند چہرے پر بھول
اول نگتے سائے، پھر سوتے ہوئے
دوسرا مصرعہ لیں ہوتا، —

”تقریباً ہاں ہام و دوسوئے ہوئے

تو سوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !

صبح کی کرنوں سے بھر کر اپنا عجیب
”اندھیرے“ کا گویا تو نہیں ہو سکتا، ہاں صبح کے ساتھ گریبان کو مناسبت ہے، اس شعر میں ”عجیب“ گویا نہیں بلکہ ”پاکت“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور ہونا چاہئے، اس صفت میں ”عجیب“ کو مرث نظم کا تھا اور غنائی میں خاصہ تکلف پایا جاتا ہے۔
بڑوں ٹوٹ کے گرتی ہے کسی پیڑ پہ بجبلی
جیسے کسی بھوکے کی نرا مرگ مغفحات
بھوکے کی نرا ”مرگ“ مغفحات ”بے بوڑھی بات ہے، ہاں اخلاقی اس کے ذہنی کی نرا مرگ مغفحات ہوتی ہے“

(ص ۶۲)

بیم وند کے دلہنا ہوں یا تقدیر کے امیں پتے ہیں میرے خاںجوں میں خدایا تو زمین (ص ۸۱)
 "شکلیں میں کوئی چیز کسی جاتی ہے۔" پیسی نہیں جاتی !
 جہاں ہر شے کی آنکھ سے شکاپے فوں برسوں دناں پر بند کوستی میں مصالک کے کچھوٹیں گے (ص ۸۹)
 جس جگہ بھجوں کی آنکھوں سے ہر سون خون چکا ہو، وہ مقام، فضا اور حال چڑا ہی مدعا انگیز ادبہر مددی اور محبت کے قابل ہونا چاہئے۔
 نہ کہ وہاں زندگی کوستی میں مصالک کر کے، قسوت قلبی کا ثبوت دیا جائے۔
 یہ موتیوں کے جڑیے یہ لہر کے مدفن یہ آفتاب کی تربت یہ چاندنی کے کفن (ص ۹۲)
 "بادل" کی یہ تعریف کہ آفتاب کی تربت پر چاندنی کا کفن ہے، ہمارے تو لپے چڑی نہیں !
 یہ کھیتوں کا باہل یہ مسکدوں کی شراب گرجنے والے جنم، برسنے والے عذاب
 "باہل" تو کھیتوں کے لئے "امرت" ہوتا ہے اسراظم میں "ایری اور غری" کے فرق کو دکھانا مقصود ہے تو پھر "بادل" کی اس تعریف کو کیا کہئے گا۔

یہ آسمان یہ دیکھائے نیل کے دھارے
 نظم کے "عین درموضع" اور پھر نظم کے "Process" میں ہم آہنگی اور معنوی رابطہ قائم ہونا چاہیے۔
 "حوادث" — حادثہ کی "صحیح الجہ" ہے !
 بدل چکا ہے زمانہ رنج و عجز بدل حالات کی ہفتوں کو دیکھتا ہوا چل (ص ۹۶)
 بن آنکھوں کے ہمتے میدان آہوان تیار فضا کو پھونک گیا، جس کا شعلہ و زوار (ص ۹۷)
 "لہجہاں" کے شعلہ و زوار نہ کسی "فضا" کو تو پھونک کر دکھایا تھا، یہ بے جا مبالغہ بھی ہے اور خلاف واقعہ بھی ہے۔
 بجھا ہے جس کی ہما سے چراغ دیر و حرم وہی تبسم تھا، وہی غم آدم
 کس کی ہما سے "چراغ دیر و حرم" بجھ گیا تھا — "غم آدم" سے کیا مراد ہے؟ "لہجہاں" کی شخصیت سے اس کیفیت اور خیال کا آخر
 کیا تعلق ہے !

سیاہ پڑی ہوں جس سے عبادتیں وہ شباب فرشتے سمجھ کر جس کو دیکھ کر وہ شراب (ص ۹۸)
 "شراب اور فرشتوں کے سمجھ کر نہ کے مابین آؤ کیا معنوی رابطہ ہے؟ شراب کو کون سمجھ کیا کتا ہے؟
 ٹوٹا کھا کے طہ نجہ کوئی معصوم دہن کشتی نلوں پر کسی بنت حرم کی گردن (ص ۱۰۰)
 دونوں معرووں کا انداز بیان، ہر صاحب ذوق کو کھٹکے گا۔
 ہمیں خاندان کی تقدیریں ہمیں پھر لوگ آئے ہیں، خود لے اُٹھے ہیں، گلگدوں سے اپنے کاشانے (ص ۱۰۳)
 معروہائی کے مدغم ہیں، خود ہم لوگ ہی گلگدوں سے اپنے کاشانوں کو لے کر آگئے ہیں — یا — ہمارے اپنے کاشانے، ہم لوگ کو گلگدوں
 سے لے کر ہمارے گئے ہیں — مگر دونوں صورتوں میں بات یہی رہ جاتی ہے، یوں دیکھنے میں شعری لفظوں کی بڑی مینا کاری بلکہ شاعری
 باقی جاتی ہے۔

بہرہ کی مہارت میں بھی اجہاز کے تیرہ اندھوں کے شانہ میں کرامات کا عالم (ص ۱۰۳)
 "اجہاز کے تیرہ اندھ" انشا دہیں کرامات کا عالم یہ دونوں ٹکڑے عجیب لگتے ہیں! اشعار کا مفہوم ان ٹکڑوں سے ایسی طرح واضح نہیں ہوتا۔

لاٹ دنیا کی سنتا رہا آفتاب جال کر دے بنتا رہا آفتاب (ص ۱۳۶)
آخوندیہ آفتاب کے سامنے کیا کتنی بھارتی ہے، جس کا انبیا صحر اولیٰ میں کیا گیا ہے پھر لاف سکتا کیا۔ لات کرنا یا کتب آسمانیں عام طور پر
پرستیں نہیں ہے۔

اک کپ پلس ہے غم عشق کی فطرت ہے خاک بسوا بہی زلیخا مرے آگے (ص ۱۳۷)
غم عشق کی فطرت کو زلیخا کے خاک بسوہنے سے آؤ کیا ربط ہے؟

تو بھڑکتے چراغوں میں سہما ہوا میں سنکتی ہواؤں میں بھی خندہ زن (ص ۱۳۸)
سنکتی ہوئی چھاؤں میں خندہ زن ہونا، تو نوکری کی بات ہے! سنکتی ہوا کی جھلکوں میں باد و باران اور شدید جھکڑ لگاتے، تو اس صورت میں
خندہ زن ہونا اسان کا کوئی اثر قبول نہ کرنا حوصلہ مرا کجی اور اعلیٰ طرف کی بات تھی۔

تہیجے ہم سے بد گمان بھی دود کا اعتبار میں ہم لوگ (ص ۱۳۹)
مصرعہ ثانی الجھا ہوا سا ہے!

خفاش پر داند تب دانا باقی خود سفید کالے بن رہا بہ صوداں چہ فروشم (ص ۱۴۰)
صوداں کی جگہ سیفیان ہوتا تو منہری اعتبار سے شہزادہ پرت ہوجاتا۔

کو فرم رازی کہ بداند تپش جاں دے کوئے لیمان تپش جاں چو فرم (ص ۱۴۱)
یہ شعر بھرتی کا ہے جسے انتخاب میں چھانٹ دینا چاہئے تھا۔

محبت کے کٹی سرسری رہ گئی وہ جو دینا بھری تھی بھری رہ گئی (ص ۱۴۲)
محبت سرسری رہ گئی۔۔۔ اس طرح کون بولتا ہے۔

آوی کا خدا بن گیا آدمی داد و شہر کی دادی رہ گئی (ص ۱۴۳)
داد و شہر کی دادی رہ گئی۔

داد و شہر کی دادی رہ گئی داد و شہر کی دادی رہ گئی (ص ۱۴۴)
داد و شہر کی دادی رہ گئی۔

آخر یہ بات کیا ہوتی؟ غزل کا یہ مطلع دلچسپ ہے! (ص ۱۴۵)
غزل کا یہ مطلع دلچسپ ہے!

مال شب بخوان سحر کنایہ پڑتا دلی رستہ ہو اس کی رہ گندہ کنایہ پڑتا ہے (ص ۱۴۶)
دلی رستہ ہو اس کی رہ گندہ کنایہ پڑتا ہے۔

شاید اس لئے کہ جھاکول نہیں ہے اس کو اس خیال میں کوئی لطف (ص ۱۴۷)
شاید اس لئے کہ جھاکول نہیں ہے اس کو اس خیال میں کوئی لطف۔

جنت شہدہ، اظہار بیان اور خیال غرض ہر حیثیت سے (ص ۱۴۸)
جنت شہدہ، اظہار بیان اور خیال غرض ہر حیثیت سے۔

جنت شہدہ نے غائبانہ نظر ثانی میں نیا وہ وقت نظری حکام نہیں لیا، مدد بھرتی کے اشتعال ان کے مجموعہ میں شامل نہ رہتے اور (ص ۱۴۹)
جنت شہدہ نے غائبانہ نظر ثانی میں نیا وہ وقت نظری حکام نہیں لیا، مدد بھرتی کے اشتعال ان کے مجموعہ میں شامل نہ رہتے اور۔

سنت شعروں کو چھت کر دیا جاتا! مجری طوط پر - ویلوار ابد - لائق مطالعہ ہے، قابل ذکر ہے اور مادہ سائنس کی مستحق ہے!

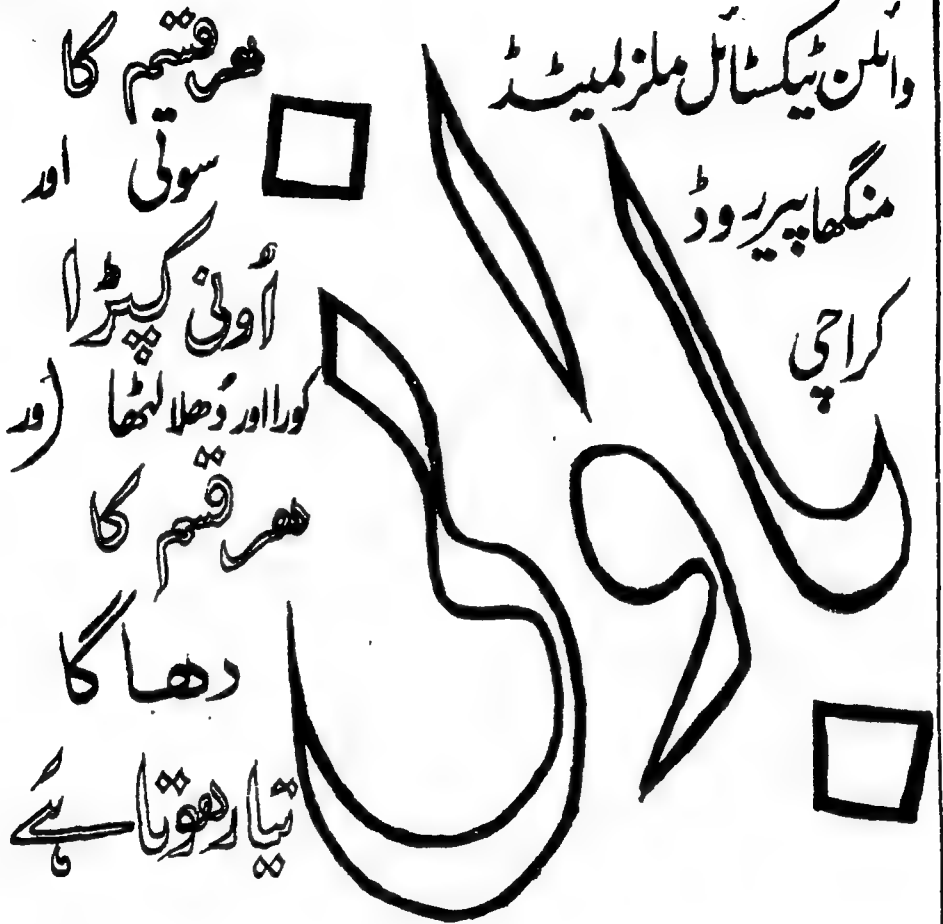
پندرہ روزہ "سافر" کا مجری - ف، م، ساقی - شمشیر ایڈیشن کی قیمت تیس پیسے، اور "آزادی ایڈیشن" کی قیمت بھی تیس پیسے، شمشیر ایڈیشن "اور" "آزادی ایڈیشن" ملنے کا پتہ - "سافر" پوسٹ بکس نمبر ۳۳۷، لاہور -

پندرہ روزہ "سافر" برسوں سے ہندی کے ساتھ شائع ہوتا ہے اس کے مضامین عام طبع پر دین و اخلاق کے ترجمان اور ملک و ملت کے لئے مفید ہوتے ہیں! اس کی یہ دونوں خاص اشاعتیں "آزادی ایڈیشن" اور "شمشیر ایڈیشن" مضامین کی تنوع اور ترتیب کے اعتبار سے خوب ہیں، جن کے مطالعہ سے طبیعت کو روش اور دلورہ ملتا ہے اور ساتھ ہی دولتِ محمدیہ کی بھی ترقی ہے کہ "سافر" کے خصوصی شمارے قبول عام حاصل کریں گے، جناب ساقی کی کوششیں حسین و بہتائش کے لائق ہیں -

اشرف لیبارٹریز

ملکِ ہندوستان میں ایڈویٹ اوریات ملکِ خالص اجزاء سے تیار شدہ قرابادینی مرکبات -
 ملکِ ماہرانہ تشنیص ملکِ ہمدردانہ علاج کا عظیم اور قابلِ اعتماد مرکز
 آپ خواہ طبیب ہوں یا ڈاکٹر خدا نخواستہ مریض ہوں
 یا کسی مریض کے سر پرست آپ اپنی طبی ضروریات کے لئے
 اس ادارہ کو -
 اس طرح قابلِ اعتماد پائیں گے جس طرح لاکھوں افراد اس ادارہ کی خدمات سے مطمئن ہیں
 بہنائے شفا - اور - سالانہ تشنیص و تجویز مفت طلب فرمائیں

اشرف لیبارٹریز جناح کالونی - لائل پور



باوانی وائٹن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کیڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے پاکستان کی صنعت کی قدآور حوصلہ افزائی

اپ کا قومی فریضہ ہے

آدم جی کے پارچہ جاتا سروہو تیر



آدم جی کاٹن ملز لائڈس - کراچی

فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی

اور قبض سے
نجات کے لئے اب اسٹریپ پکینگ میں

صافی قبض کشا قرص

صافی قبض کشا قرص - مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا

صافی سے تیار کئے جاتے ہیں۔

صافی کے قرص نہایت احتیاط و نرمی سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچائے
قبض رفع کرتے ہیں۔ مزید یہاں ان میں تمام معنی خون صفات بھی موجود ہیں۔

ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جیل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

بہار دوا خانہ (دو قعت) پاکستان
کراچی - لاہور - ڈھاکہ - پشاور

نومبر ۱۹۶۶ء

جلد ۱-۱۸

شمارہ ۸

ماہنامہ فاران کراچی

ایڈیٹر ————— ماہر القادری

ترتیب

۳	ماہر القادری	نقشِ اول
۱۰	مولانا محمد مصطفیٰ رحمانی گڑھ ۲	تفسیر
۱۴	سید عرف شاہ داہم - اے ۲	قرآن مجید کی خصوصیات
۲۰	ماہر القادری	صحابہ کرام اور مولانا موعود
۲۴	مولانا شمس تبریز خاں آروی	عالمگیر اور انگریز مورخین
۲۸	سید احتشام ندوی	روحِ انتخاب
۳۲	مختلف شعراء	سوز و ساز
۳۸	ہماری نظریات

قیمت فی پرچہ ۶۲ پیسے

پبلشر - مسرور حسین

چند سالانہ - سات روپے

مقام اشاعت
دفتر مہارت احمد فاران گیمیل اسٹریٹ کراچی

مسرحین پبلشر نے انٹرنیشنل پریس کراچی میں چھپا کر دفتر ماہنامہ "فاران" یکم ستمبر کراچی سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشب اول

• پاکستان ایک آنا و مملکت اور خود مختار حکومت ہے، وہ اپنے داخلی معاملات ہی میں نہیں خارجی پالیسی میں بھی آزاد ہے یہ اس کی اپنی صوابدید پر منحصر ہے کہ پاکستان دوسری حکومتوں سے کس طرح کے روابط اور تعلقات رکھتا ہے، خارجی مسائل میں غیر حکومتوں سے دس و فس کا انحصار پاکستان کی اپنی مرضی اور حالات پر ہے، اس پر کسی دوسری حکومت کا راجا نہیں اور کوئی ایسا "حق" اور "فریضہ" نہیں جس کا ادراک پاکستان پر واجب ہو! پاکستان ایک نظم ریاست ہے، جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی ہے، اس لئے اس کی داخلی اور خارجی پالیسی کو اسلام اور دین و اخلاق کا مظہر اور عکاس ہونا ضروری ہے، اسلامی قدردن کو نظر انداز کر کے اگر پاکستان کو کوئی مادی نفع حاصل ہوتا ہے، تو یہ ہے۔

یہ ایسی تجارتیں مسلمان کا خسارہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے کا فرق قبول سے بھی معاہدے کیے ہیں اور ان کو حلیف بنایا ہے، ایسی صورتیں پالیسی کے تحت پاکستان بھی غیر اسلامی حکومتوں اور لادینی ریاستوں سے روابط قائم رکھ سکتا ہے؛ لیکن بھی آپ کی دنیا میں کوئی حکومت بالکل الگ تھک اور داپوں کی طرح دنیا سے کٹ کر ادا ہے تعلق ہو کر نہیں رہ سکتی۔

حکومتیں ضرورت کے وقت ایک دوسرے سے قرض اور مالی اعاد بھی لیا کرتی ہیں، مگر قرض و امداد کا مسئلہ بڑا نازک اور دوسرا سنا بچ کا صواب ہے؛ اذلی تو کسی سے قرض وام لینا کوئی تعریف کی بات نہیں ہے، کوشش اس بات کی کرنی چاہئے کہ کسی کے سامنے دست سوان دانا کرنے کی ذمت پی نہ آئے کیوں کہ تمام نرفقداری و تمکین کے باوجود دست سوان ہر حال دست عطا سے نیچا ہوتا ہے اس پستی سے جہاں تک ممکن ہو سکے، بچنے کی کوشش کرنی چاہئے؛ اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ ذمہ داران افراد میں اپنی ذات اور خاندان کی منفعت کے لئے کوئی لاپرواہ نہ ہو، اندہ مالی استغناء اور رکت بہ دولت کے باپ میں ان کا مصلحت بالکل صاف ہو، اس پر غرضی اور بے غرضی کی صورت میں حکومت کی اقتصاد کی پالیسی تمام تر اخلاص بلکہ اختیار پر مبنی ہوگی، حکومت کے ہر مشیر پر کوئی شہادتی اور جہد سے کام لے کر رکھا جائے گا، تجارت اور صنعت و حرفت کی ہر پالیسی کسی غرض یا باقی ادا کے نفع و نقصان کے تسلسل سے بنیاد پر مرکب ہوگی اور اس طرح مالی معاملات میں توازن قائم ہو جائے گا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین اپنی ذات پر کم سے کم فوج کرتے تھے، حکومت کی ظاہری شان بہرہ (Pomp and Show) یا سرفراز و تہذیب کی کوئی مدد سے سرچہ نہ تھی، پھر سب پر یہ بات یہ تھی کہ حکومت کی اہلی کے ذرائع حلال تھے، جس کی بدولت رہا یا کے غرض و تمیزی نہیں گوشت پرست میں پاکیزگی پر چمکتی تھی، اسی لئے دلال کے غریب، مالداروں کے ذوال نعمت کی آمد و رفتیں رکھتے تھے اور مالداروں میں

القانون فی سبیل اللہ کی اسپرٹ پائی جاتی تھی، اسلامی معاشرہ طبقائی تقسیم سے نا آشنا تھا، دکان غریب و امیر اور حاکم و موزوں سب کا ایک ہی مقصد تھا، ان کے درمیان نظریاتی کشمکش نہیں تھی، سب لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار تھے اور دنیا سے دنیا دہ آخرت کی سرفروشی کے لئے جدوجہد کرتے تھے !

ڈال تو بات یہاں سے چلی تھی کہ دوسری حکومتوں سے قرض اور مالی امداد لینے کی ضرورت بھی پیش آ جاتی ہے اس معاملہ میں بڑے رکھ رکھاؤ فراست اور تدبیر و خود داری کی ضرورت ہے، ایسی صورت ہرگز پیدا ہونی نہیں چاہئے کہ جس حکومت سے قرض اور مالی امداد لی جاتی ہے وہ قرض حکومت کے سیاسی اور انتظامی معاملات میں نہیں ہر جائے اس قسم کا قرض اور مالی امداد دینے والا بدلتا بدلتا ملک و ملت کے وقار اور نظم و نسق کے لئے غرض کش بن جاتی ہے۔

ہم اس حقیقت اور نظری صورت حال سے بے خبر نہیں ہیں کہ سائل اور مقروض کو بہر حال قرض فراہم اور امداد دینے والے سے کچھ نہ کچھ بنا ضرور پٹتا ہے، مگر یہ دباؤ اس حد تک پہنچ جائے کہ قرض و امداد دینے والی حکومت مقروض ملک کی سیاست پر اثر انداز ہونے لگے تو اس قسم کا قرض اور امداد بہت بڑی مہیبت اور آدنت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

دوسری حکومتیں کسی حکومت سے معاہدے کرتی ہیں، تو وہ یہ بھی دیکھتی ہیں کہ فرد اس ملک کے کیا حالات ہیں؟ کیا رعایا اور پرسوں اور طلبہ کے درمیان نظریاتی کشمکش تو نہیں پائی جاتی، ملک کے عوام تقابلی انداز پر نہیں رکھتے، ماحول عام کے انتہائی انداز میں ہیں، اور خاص د سرکاری کے ہی خواہ ہیں اور اپنے دلدلی میں ان کے خلاف کوئی جذبہ اور داعیہ نہیں رکھتے، ماحول عام کے انتہائی انداز میں ہیں، اور خاص د عوام کے سودو دیاں کے پیمانے ایک جیسے ہیں، اتھارٹی بہت اختلاف تو اب بیٹے اور بھائی بھائی کے درمیان بھی ہوتا ہے، کہنا یہ ہے کہ ملک میں مجموعی طور پر اتحاد و اتفاق کی فضا پائی جاتی ہے، عوام ہر ایک یا خواص ان میں سے کسی کو خرید نہیں چا سکتا، جس ملک میں اتحاد و خلوص کی یہ کیفیت ہو، اس کا بین الاقوامی دنیا میں وزن محسوس کیا جاتا ہے چاہے اس کے مادی اور مالی وسائل کتنے ہی محدود کیوں نہ ہوں !

مقصود گزارش یہ ہے کہ ہر ملک کو پیچھے اپنے داخلی حالات کو دھت اور مضبوط کرنا چاہئے، محدود مملکت میں وحدت، اخوت، امن و اطمینان اور ایسا ہی اعتماد کی فضا، حاکم اور محکمہ اور امداد اور غریب کا ایک ہی رنگ، پس منظر قوم و دیار کی مانند استقامت و حکم، جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو تھامے رہتی ہے اور ایسا ہی صورت میں ممکن ہے جب کہ اوپر کے طبقہ کے افراد ملک کے نظم و نسق کی قدر و ادائی کو خدمت اور غرض سمجھ کر سمجھا لے رہے ہوں، ان کے سامنے اپنی کرسیاں نہیں جھکے ملک و قوم کی صلاح و بہر و بہر، ان کا دامن - مابہ الا حفاظت سے آلودہ نہ ہو اور ملک کے معاشرے میں اخلاق و پاکیزگی کی سطح رواں دواں ہو، ایسے ملک کی روح اور جذبہ غیرت کو دنیا کی تمام طاقتیں مل کر بھی مغلوب اور خرب نہیں کر سکتیں !

جس ملک کے بھی بڑے لوگوں کو تمام تر دلچسپی اپنی کرسیوں اور پھروں سے ہٹا کر ان کے اندر سال و دولت کا لا پٹ پٹ پایا جائے گا اور وہ ان کے عوام اور دلوں کی دیکھا دیکھی جائز اور ناجائز ہر طرح سے مال و دولت کا نالے کی ہر س میں مبتلا ہوں گے، وہاں سرفروشی کا شہرہ گزرنے کے ساتھ آسانی کے ساتھ مل سکتے ہیں، وہ خواص سے ان کی کرسیوں کی حفاظت کے نام پر سدا کر سکتے ہیں اور عوام کے جاہل و سدا اور لالچی لیڈروں کو انقلاب تبادلت کی شہوے کو خرید کر لے لیا برونی طاقتیں اپنے جاہل و سدا اور غفیل لیڈروں کے ذریعہ تصر و ایران سے لے کر جوہر لائونگ تک کے حالات سے واقف ہوتی ہیں وہ ابھی طرح جانتی ہیں کہ کسی فرد میں کیا کمزوری پائی جاتی ہے اور اس کمزوری سے کیا، کس طرح اور کب فائدہ اٹھانا چاہئے !

ملک کی امن و طاقت عوام میں ان کو زیادہ سے زیادہ طاقت و راسخ و متحد، فیصلہ پذیر اور صاحب عزیمت بننا چاہئے، وہ ملک کو زندہ اور غیر متحرک ہے جہاں کے عوام بے طاقت ہوں اور اپنے جائز و غیر جائز حقوق سے محروم ہوں !

تجزیہ اوپر پر کچھ بکارت ہے کہ ایک عام اصول گفتگو تھی، اب ہم پاکستان اور بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں مقصد و افہامات

اور صحت حال کا صحیح تجزیہ ہے :

ہندوستان کی تقسیم بڑی ناسازگار نقصانیں ہوئی، کانگریسی قیادتوں نے باہل ناخاست اس تقسیم کو ایک حادثہ کے طور پر نگاہ کیا۔ ہندو اہلکار ہندو جماعتیں اس خوف نہیں پر مستعد ہیں کہ پاکستان کی تقسیم خارجی ہے یہ نئی حکومت چل نہیں سکتی، بھارت کو بہر حال ایک نہ ایک دن - اکھنڈ بن کر رہنا ہے ! انگلیز چلتے چلتے کشمیر کا تفسیر کھڑا کر گیا، جس نے دونوں ملکوں کے درمیان مستقل وطن کی طرح ڈال دی ! جب تک مسئلہ کشمیر کا منصفانہ فیصلہ نہیں ہو جاتا پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات خوش گوار نہیں ہو سکتے !

اگر کہ ہندو اس چاہتے تو کشمیر کا مسئلہ ہو سکتا تھا مگر ان کے اپنے معیار کا یہی تقاضا ہے کہ مسئلہ کشمیر کھڑا ہی نہ پڑا ہے اس کا پاکستان اور ہندوستان میں تنازعہ ہے بلکہ ہمیشہ معنی ہے۔ روس کا یہ موقف رہا ہے کہ اس نے کئی بار سیکریٹری کو نسل میں - وچر - کا حق استعمال کے مسئلہ کشمیر پر مذاکرہ ہی نہیں ہونے دیا، روس کی اس روش کے نتیجہ میں ہندوستان استغما ب رائے عامہ کے دھسے سے پھر گئی، اسے یہ کہنے کا حوصلہ پیدا ہوا کہ کشمیر کا مسئلہ تو بھارت کا داخلی مسئلہ ہے - اور پھر یہ لے "اٹل الگ" تک جا پہنچی، یعنی یہ کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں اور صوبوں کی طرح کشمیر بھی بھارت کا ایک حصہ ہے، جسے بھارت سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا !

روس کی اس روش کے بعد اس سے کیا توقع ہو سکتی تھی کہ معاہدہ تاشقند کی جدوجہد کے مسئلہ میں اس کی ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ ہونگی۔

من جرب الحب - حلت به الذام

کی غریب المشرق لہدی ہو کر دی - آئینی اور دستوری جدوجہد کو پاکستان نے اختیار ہو چکا تھا، اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اس مسئلہ کے تصفیہ کی آخری صورت ہو گئی ہی ہو سکتی تھی، جنگ کے بھی دیکھی، جس - فوج میں - کے شہر سے دو دیوار گرنے سے بچے، اس کا یہاں معاہدہ تاشقند کی صورت میں ملا۔

سختن ہمد وادنا داغ شد چہ کجا کجا نیم

تاویروں اور تعمیروں سے ہوئی بات ان ہوتی نہیں ہو سکتی، اس معاہدہ کے بعد ہندوستان اس مسئلہ پر بات چیت کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہے ! بھارت کے وزیر پٹرندہ نے دو لوگوں لفظوں میں کہہ دیا کہ معاہدہ تاشقند کے بعد کشمیر کا مسئلہ دوسرے سے باقی نہیں رہا۔

پاکستان اور ہندوستان کی جنگ میں روس کی ہمدردیاں لہری طرح ہندوستان کے ساتھ رہیں، وہ جنگ کے زمانہ سے اب تک ہندوستان کو اسلحہ دے رہا ہے !

اگر کہیے پاکستان کو غازیہ پاکستان کے بعد جس سے مالی امداد بھی دی ہے اور سو فی قرضہ بھی ! مگر اس کی سیاست اور چشم توہر کا زیادہ جھکاؤ ہندوستان کی طرف ہے جنگ کے زمانہ میں اس کا دست امداد و عطا بھارت کے لئے کھلا ہوا رہا، بین الاقوامی دنیا میں امریکہ کا سب سے زیادہ قریبی دوست اور حلیف بھارت ہے۔

چین کے ہم مشرک گزرا ہیں کہ اس کی دوستی عزائم اور سیاسی موقف کا اندازہ کرنے کے بعد بھارت مشرقی پاکستان میں محاذ جنگ کھلنے کی بہت مذکر سکا، چین کی تمام تر ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ تھیں۔

ہم اور تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ امریکہ کی پوریا روس چین کی دوستی کوئی دوسری ممکنات ان سے تعلقات و روابط قائم کئے جا سکتے ہیں، ان سے سیاسی اور تجارتی معاہدے بھی ہو سکتے ہیں، مگر ان روابط و تعلقات اور معاہدوں میں ملک کی سالمیت، وقار اور سب سے بڑھ کر اس نظریہ کی حفاظت فردی ہے جس کی بنا پر پاکستان وجود میں آیا ہے - خاص طور سے چین اور روس سے تعلقات کا معاملہ بڑا ہی نازک بلکہ لوں کہنے والے سے زیادہ باریک اور تیار سے نیا دہ تیز ہے اور اس سلسلہ میں کمال و دجہ کی فراست اور احتیاط کی ضرورت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ یہ دونوں حکومتیں عقیدہ و عمل کے اعتبار سے کمیونسٹ ہیں اور کمیونسٹوں کی اولین شرط خدا کا انکار ہے ! اور پاکستان کے وجود و بقا کا سارا دار و مدار خدا کے اقرار پر ہے، کمیونسٹوں کا یہی وقت ہے کہ

تحت سے ادا کرنا خدا کو عرض سنا تا دینا چاہتا ہے۔ دین و اخلاق اور خطا اور صواب کی سبیل داری اور دشمنی کییزم کے غیر میں ملنے سے سبب شخص دنیا کو ادا کرنا اپنی ذات کو فریب دینا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ میں کیونسٹ بھی ہوں اور دیندار بھی ہوں !

میں ان کو اپنی دنیا میں کیونسٹوں کا اصل مقابلہ عیسائیت، ہندومت اور دوسرے روایتی مذاہب نہیں، بلکہ اسلام سے ہے کیونسٹوں کا سبب بڑا صوفی اسلام ہے ! اس کا سبب یہ ہے کہ دوسرے مذاہب پوجا پاٹ کی چند کسروں اور عقائد سے اپنے مذہب کے بعض گوشوں سے متعلق رکھتے ہیں ! اسلام مکمل ترین مضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر گوشہ کو بخشتی دیتا ہے، اسلام ہی تنہا وہ دین اور ستر حیات ہے جو ہر کاہنہ کییزم کا مقابلہ کر سکتا ہے، اسلام دین نفرت ہے اس کے ہر نظریہ قانون، مضابطہ اور عمل میں توازن پایا جاتا ہے، وہ توازن جو لہرت کے عین مطابق ہے کیونسٹوں کا حال اس کے برعکس ہے وہاں انتہا پسندی اور عدم توازن کے سبب قدم قدم پر نفرت سے جنگ کرنی پڑتی ہے کیونسٹوں کی جہالت اور بے خبری کا یہ عالم ہے کہ روس کا ہما باز جب چاند کے قریب پہنچ کر زمین پر واپس آتا ہے تو طنز یہ انداز میں کہتا ہے کہ مجھے تو چاند کی فضا میں کہیں خدا نظر نہیں آتا، اس سفر سے کوئی پوچھے کہ مذہب کی طرف سے کیا اس کا دعویٰ کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ چاند یا سورج میں بیٹھا ہوا ہے اور جو کوئی چاند اور سورج میں پہنچ جائے گا وہ خدا کو دیکھ لے گا !

کسی ملک میں کیسا ہی اچھا نظام حکومت کیوں نہ پایا جاتا ہو، یہاں تک کہ وہاں مزدوروں کی حکومت قائم ہو، کیونسٹ وہاں بھی چین سے نہیں بیٹھ سکتے ان کا مطمحہ نظریہ کیونسٹ حکومت قائم کرنا ہے، اور اس کے لئے وہ ہر حربہ سے کام لے سکتے ہیں، مثلاً کسی ملک میں انتشار پھیلانے کے لئے سافروں سے بھری ہوتی ریل گاڑی کو وہ پٹری سے اتار سکتے ہیں اور ہم سے آڑا سکتے ہیں، زبان، رنگ، نسل اور قومیت غرض جن ذیلیہ سے بھی کسی ملک کی وحدت اور سالمیت کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور طبقاتی تعصبات کو شعلہ مل سکتی ہے اسے بھارت اور بھارت کے کارگریزوں کو آتا ہے۔

پاکستان میں حکومتوں اور عوام کے درمیان خاصی کشمکش رہی ہے، بعض برا بھلا پروا کے احتجاج نے بڑی شدت اختیار کر لی تھی اور اس نے اتنی بڑی حکومت کو حکم سے گولی بھی چلی، عوام نے بھی جی نہیں اٹھا، مگر پاکستان کی انیس سالہ تاریخ میں یہ امتیاز صرف کیونسٹوں کو حاصل رہا ہے کہ شہید ملت لیگنٹ علی خاں عوام کے دور حکومت میں کیونسٹوں نے مسلح طاقت کے ذریعہ حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اس سازش کا بڑھنٹا حلیم یوگی اندھیرے سازش میں کامیاب ہوئی تو نہ جانے پاکستان کا کیا شہر ہوتا !

کیونسٹ جس مقام پر بھی جوتا ہے، اپنے دشمن کے لئے کام کرتا رہتا ہے وہ کسی حال میں بھی اپنے متعدد دشمن سے غافل نہیں رہتا، اسے اپنے مقصد سے بڑی لگن ہوتی ہے !

واقعات و حقائق برسوں سے ہم نے "میں کیونسٹوں کی فتنہ و حرکت اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی تہیہ نہیں کی، ہاں، مشرقی پاکستان کے ساتھ کابجہ تجربہ کیا گیا ہے تو کسی گھمبیر سرسری طعینہ ان کا ذکر کیا ہے، ہم خیالی اندیشوں اور وہم و اشتباہ کی بنیاد پر کی وضوح پر گفت و گو کرنا پسند نہیں کرتے، اور کوئی فرد یا گروہ چاہے وہ ہمارا مخالف ہی کیوں نہ ہو، اس سے بلاوجہ کی پھیر چھاڑ، ہم شرافت و انسانیت کی توہین نہیں سمجھتے ! آج جس موضوع پر ہم گفت و گو کر رہے ہیں اس میں بحث پریم نے تسلیم اٹھایا ہے وہ کوئی خیالی مفروضہ اور وہم و اندیشہ کی بات نہیں ہے بلکہ کچھ واقعات ہمارے علم میں آئے ہیں جو اس تحسیر و دلگوشی کا سبب بنتے ہیں۔

پاکستان کے بعض اداروں میں ایسا بھی ہوا ہے کہ نو برسوں پہلے کا رکن مزدوروں میں کام کر رہے تھے ان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، یہ صورت حال خاصی تشویش کی ہے ایک طرف اشتراکیوں کے مخالفین و حسین اور مخالف و چشم پوشی بلکہ کہیں کہیں عرصہ افزائی بھی، دوسری طرف ان کی دے اور شہر سے کا اثر و نفوذ ! یہ اکاؤنٹ واقعات ریاضی سے قاعدے کے مطابق مفروضہ ہوتے چلے گئے، تو اس کے نتائج کتنے قدر دس اور خطرناک ہوں گے !

پاکستان میں کیونسٹ کیا کر رہے ہیں ! اس کی مذمت مال، پلے، آئی، اے اور دیگر میڈیا پر یونین کا آگسٹ، منسٹر ہے جس کے گھر نامہ پر۔

حیات و کائنات کا تمہی ن -

مردم ہے۔

”منشورہ کی پختہ اشاعتیں ہمارے سامنے ہیں، نومبر ۱۹۶۶ء کے مشترکہ شمارے میں انڈونیشیا پر جو مضمون ہے اس کا عنوان ہے۔“

”امریکی محکمہ سازش کا نیا شمارہ ————— انڈونیشیا“

قائم کیا گیا ہے، یہ پوسٹ کا پورا مضمون کیونٹ افکار کا ترجمان ہے، ایک دو اقسامات،

● بڑی فوج کی کمان سامراج دوست ناکوشن کے سپرد کی گئی اور پھر آہستہ آہستہ انہیں ویتنام

بھی بنادیا گیا۔ سامراج دوست ناکوشن اور سامراج دشمن ایٹم کی سوئیاکاری کی مجلس مشاورت

میں شمولیت

● یہ بات بالکل طے شدہ ہے کہ اول اول بری فوج کے سامراج نواز انگریزوں نے کیونٹ

پاسٹی کی صف بندی کی تھی جو کیونٹ کے پیش نظر، فوجی بغاوت کرنے اور صدر سوئیاکاری کی حکومت

کا تختہ الٹنے کی ناپاک سازش کی تھی۔

کیونٹ خون مندی کے فیصلہ انقلاب پانے کی کوشش کریں تو وہ پاک انداز انقلاب ہوتا ہے، مگر کیونٹوں کے خلاف جو تحریک چلائی جاتی ہے وہ ناپاک سازش ہوتی ہے، دنیا میں کیونٹوں کے علاوہ ہر حکومت کا تختہ الٹا جاسکتا ہے اور اسے الٹا جانا بھی چاہئے، جو کیونٹوں کا تختہ الٹنا چاہتا ہے وہ سامراج دوست ہے، اور گولڈن لونڈی ہے۔

● ”لائبیا کے مختلف قائم شدہ محاذوں کو گولڈن لونڈی کے طاقت کو کمزور کرنے والا سامراج دشمن محاذ کی متحدہ طاقت کو کمزور کرنے والا

سامراج دوست ————— انڈونیشیائی زیر دفاع، ناکوشن زلفہ نازچ جاتا ————— یہ امریکی پٹھانوں کا انداز ہے

صورت حال بدل ڈالی

مئی ۱۹۶۶ء کے ”منشورہ“ میں دنیا کے عربوں کی سب سے زیادہ فعال دینی تنظیم ”افغان المسلمون“ کو ”رجعت پسند“ کا خطاب دیا گیا ہے۔

● ”مقبولہ رجعت پسند عناصر کی جماعت افغان المسلمون کی نظریں گھر مشرک انگریزوں کے دلالت یافتہ ہے

کیونٹوں کی نظریں وہ قبضہ انقلابی ہے۔“ اس کے لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کا تختہ الٹ دیں۔

دو مصلیٰ رجعت پسند عناصر ہر اپنے گھناؤنے مقاصد کو لہرا گئے کے لئے غیب کا مقدس نام استعمال کرنے سے بھی نہیں

شرماتے، حالانکہ وہ ”اسلام“ کے نام پر وہی کھچا نظام واپس لانا چاہتے ہیں، جس میں زمینداروں کو کسانوں پر ظلم کی

آزادی ہو

● اول قریہ بات سرفیصدی غلط ہے کہ جمال ناہر کو افغان ”مشرک“ سمجھتے ہیں، جمال ناہر اپنے تمام مظالم کے باوجود مشرک اور کافر نہیں ہے، پھر مظلوم

”افغان“ پر گھناؤنے مقاصد پھرا گئے، جماعتوں کو لایا گیا ہے وہ ثروت کا محتاج ہے، کیا ”افغان“ مصر میں خواب، فداکاری، سہم خداری، رشوت اور کاسم کی

دوسری بلاتریوں کو رواج دینا چاہتے ہیں؟ حالانکہ وہ تو ان بلاتریوں کے مٹانے کے واسطے ہیں؟ ”افغان“ جیسے مظلوم و سنجیدہ انسان دوست مظلوم جماعت پر

کیونٹوں کی طنز و طعنت دیا، اصل ان ”مشرکوں“ کے سنگسار کرنے اور اسلام کا خلاف سے کھلی ہوئی دشمنی کی دلیل ہے، اور یہی ہے کہ امریکہ کے مشہور جریدہ

”ٹائم“ اور نیوزویک نے بھی کیونٹوں کی بے لے ملائی ہے، ان افغانوں کو رجعت پسند قرار دیا ہے، جہاں تک اسلام دشمنی کا تعلق ہے روس اور امریکہ ایک

جسٹس پر توجہ دیتے ہیں، جیسے اسلام ان طاقتوں کا ”مشرک دشمن“ ہے۔

● ”جب تک مزدوروں اور کسانوں کی حکومت قائم نہیں ہوگی اس وقت تک معاشرتی استحصال، صوبائی تھپیہ قومی امتیاز

سے بے پروا رہے، انگریزوں اور تہذیبی بن کے پھر اطمینان بخش اور منطقی جس ناممکن ہے، دشمنہ باوجود سلفہ صفحہ“

کیونٹ جب مزدوروں اور کسانوں کی حکومت بنے تو اس سے ان کی اور کیونٹ حکومت ہوتی ہے! انہوں نے کھوکھلا پن کا مظاہرہ کیا ہے وہ پاکستان کے جس شعبہ، حکمرانوں اور اسے سے بھی تعلق رکھتے ہیں، کمال وہ لا محالہ کیونٹ نظام حکومت کا قیام کرنے کے لئے زمین ہموار کریں گے!

● ہمارے روحانی فرمانروا جو ہمارے قیاس کے مطابق، چین کے بے دین لوگوں کو کٹر پڑھانے لگے تھے، خود بھی بے دین لوگوں کا کٹر پڑھتے ہوئے واپس لوٹے۔

● چین کے خلافت امریکہ میں ہوتا اور عیسائی سمجھتا ہے، حکمرانوں کی جانب سے منکر، اگر فری بانا جائے، نماز پڑھنے والوں کو پھانسی دیا جائے، پاکستانی عوام کے ایمان کو تازہ رکھنے کے لئے، سال میں کم از کم دو بار پاسبان عربین کو بلوایا جائے، اسلامی ملک بنانے کی عملی تیاریاں شروع کر دی جائیں، عالم اسلام کی مشترکہ فوج بنائی جائے، خلافت کو دوبارہ واپس لایا جائے، پاکستان کی جو صوبہ صالین کے تبلیغی مشن چین بھیجے جائیں اور چین اور اسلام کے خلافت پر ایمان لگنے والے دوست ممالک کو پنجہ برار شش پڑوی منصبیں عطا کی جائیں، اعلیٰ زبان عربی تدریس جائے۔ (منظر - ۱۹، ص ۱۹)

جلاۃ الملک شاہ فیصل نے اسلامی اتحاد کا بوجھ بند کیا ہے، یہ اس طرح کے خلافت دل کی بیڑاں لگا رہی ہے، اسلامی اتحاد کی تحریک کیونٹ کی طرح شش کر سکتے ہیں، وہ تو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور پانگ لگاتے چاہتے ہیں، مسلمانوں کے طبقہ میں ان کا نام نہ شمال، مگر ہے جس نے اسلامی اتحاد کے لئے کوشاں رہا، شش قرار دیا ہے۔

سہ نظریہ کی ناسلمانی سے فساد

کیونٹوں کی جڑیں رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئی ہیں کہ وہ پاکستان میں وہ گنہگار خالق آڑا رہے ہیں، اسی کا نام "منظر" کی منی منظر کی شش میں صفحہ ۲ پر یہ عبارت نظر آتی ہے۔

• قیدی (چلتا ہے) عوام تقدیر میں، عوام بے خطا ہیں۔

پہرہ دار — آدمی بے خطا ہے

قیدی — خدا مجرم ہے

صلوات باؤگشت (بہت دیر سے) مجرم، مجرم، مجرم

پہرہ دار — خدا تم میں ہے

قیدی — اس خدا پر ہم قدرت حاصل کریں گے

پہرہ دار — کیڑے آدمی خدا کے خلاف کھڑے کھڑے ہو

قیدی — کیا خدا کے خلاف میں کھڑک رہا ہوں، یا خدا انسان کے خلاف کھڑک رہا ہے

یہ قانون، یہ بھیانک تہ، یہ ناگزیر جہنم، آدمی کو آدمی سے لڑانے والا، خدا کا انصاف

کی عدالت میں پیش کر دو، میں اسے ملزم قرار دیتا ہوں۔۔۔۔۔

پی آئی اے کے انصران اعلیٰ اس کے کہ دھڑا اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمان ہیں، اللہ کوئی مسلمان کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی توہین نہیں نہیں کر سکتا، کیا یہ مضمون پی آئی اے کے اباباب من و عناد کی نگاہ سے نہیں گزرا، اگر نہیں گزرا تو اس سے خبری کو آخر کیا نام دیا جائے، اگر گنہگار ہے تو پھر اس مضمون پر شدید ترین ایکشن لینا چاہئے، خدا کوئی شریف آدمی اپنے دل باپ کے بارے میں کوئی بدگمان لفظ بھی سن گوارا نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ کی شش میں

گستاخی ہے اور یہی حالت آمیز طنز و کس طرح گمانا اور داشت کی ہر گز ہے۔

حکومت پاکستان کا خفیہ نمبر جو خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف قسریاتی کی بوسہ نکالتا ہے اس کی نگاہ سے یہ انتہائی دل آلودہ غلطی
 کیسے سمجھا رہا ہے؟ اگر وہ کہہ سکتا ہے کہ جو کیونکر کا ترجمان ہے، اس کا چنہ پانی، آئی، اے کے طریق کی ترقی سے مدد مل گیا ہوتا ہے اور اس
 طرح اس طرح کیونکر کر سکتا ہے؟ یہی نہیں اور ماہر پیدا ہو رہی ہیں، شعر و ادب میں بڑی قوت ہے اس کے اندر فلسفہ و نظر کو پہلا جا سکتا ہے، یا کہ سک
 دل و دماغ اس کا ہوش بول کر سکتا ہے، اگر وہی ہے کہ اس کے دماغ کو پانی، آئی، اے کے سوال کے حقوق کی حفاظت کرنی چاہئے تھی وہ کیونکر اور بے دینی کی انتہا تک پہنچا ہے
 اور اس کے کھٹے دھڑلے کو کھلی پھانسی دی ہوئی ہے!

جو پاکستان کا آئینہ ساری کے نام پر رہا ہے، وہاں خدا کا نشان اٹھایا جائے، اس سے بڑی ٹریڈی اور کیا ہو سکتی ہے ہم اپنا دودھ ہمیں تو کس سے کہیں؟
 ہاں اللہ تعالیٰ کے حضور ہم اپنا دودھ پیش کر رہے ہیں اور اسی کی ناث سے صلی ما مقام کی امید رکھتے ہیں، دنیا میں ہی آخرت میں ہی؟

کامرانہ دریا
 ۲۶ ستمبر ۱۹۶۶ء

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَزْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا

اس پیاری آیت میں ہمارے پیارے رسول کے پیارے اوصاف نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں، سنی بھائی، تعالیٰ انشاء فرماتا ہے۔ ۱۔ اے نبی گرامی! ہم نے آپ کو بھیجا اس حال میں کہ آپ میں گواہ انخوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے اور اللہ کی طرف اس کے حکم و قدرت سے بلانے والے اور ایک چراغ اچھا لاکرنے والے،

ایمان کی تویہ ہے کہ یہ آیت حضورؐ کے لئے خداوند عالم کی جانب سے ایک منشر انجام ہے جس میں آپ کے فضائل و حمایہ، ذاتی اوصاف و اوصاف پر بارگاہ تصادق سے ہر صداقت ثبت فرمادی گئی ہے تاکہ جہاں آنحضرت علیہ السلام اس ثمت خاص کے شکر یہ پرفرغہ تبلیغ و امتداد کی ادائیگی میں اندھا بادہ سرگرم ہیں وہاں اہل عالم کو بھی بتا دیا جائے کہ آپ ایک رسول برحق اور نبی صادق ہیں، اب آپ ہی سے اسلام کا بول بالا ہے گا اور آپ ہی سے حق دینا تک تمام میں اچھا رہے گا۔

پس جن ہو یا انسان، عرب ہو یا عجم، جو بھی آپ کی دعوت و حیدر پلٹیک نہ کہے گا اور آپ کے ارشادات کو سوچ قبول سے نہ سنے گا، وہ یقیناً تجویجی میں رہے گا اور اللہ عالم اس کے حصہ میں حیرانی و سرگمانی ہے نہایت و خوار اور سوائی ہے۔

حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! آپ کو بھیجا، ہمارے سوا دوسرا کون ہے جو کسی کو رسول دینی بنا سکے، پس آپ نبی صادق ہیں، نبی مصدق ہیں، آپ کی میرت حمیدہ، آپ کے اخلاق محمودہ اور انبی و تہم ہوتے ہوئے آپ کا یہ علم کو چھ آپ کی صلفقت نہایت پرشاد عادل ہیں، پھر قرآن مجید آپ کو عطا فرمایا گیا ہے وہ آپ کے دھوئے نبوت کی محبت پر ایک برہان قاطع ہے، ان دن وہ ایک دائمی معجزہ ہے اس لحاظ سے بھی کہ اس کے پہلے (اور بعد) نے شرعاً عرب اور دیگر کائنات میں ملان خاصات و ملائحت کو ہمیشہ کے لئے ساکت و بہرہت کر دیا اور اس بہت سے بھی کہ علوم حقانی، معارف ربانی، اور تہذیب روحانی کے معادلات و اہمات معانی پہل متمتع طور پر ایسی دھانوت، اس قدیم جامعیت اور ایچھے السجام کے ساتھ اس میں بیان ہوئے ہیں کہ بادیوشیاد اس حیثیت سے بھی کہ اس کی پیش گوئیاں اور پس گوئیاں ہمیشہ اخبار متواترہ، تجربات صادقہ اور حاس سلیمہ کی شہادت سے صحیح ثابت ہوتی رہی ہیں۔

ما تحرمیت قط إلا عاد من حسب
اعدای الہامی ملق الشک

لہا معان کمرج البصر فی صدق
دفع جوہر فی الحسن والقیہ و قدیم جہدہ

یعنی قرآن پاک کے مقابلے میں آکر بے سے بڑا دشمن بھی صلح کا طالب ہو گیا، مضامین قرآنی میں ایسا انصاف اور انتباہ ہے جیسا سمندر کی موجوں میں بہتا ہے، اور اس کے معانی من قیمت میں جہاں ہر قیمت رکھتے ہیں۔

خبر بیان علیات و غلیات اور عالم جمادات و نباتات و حیوانات میں بھی بہت سے مخلوق و حشرات آپ کو عطا فرمائے گئے ہیں۔

اول یہ کہ آپ کی ذات ہمارے آپ کا وجود باوجود ایک جڑ ہے، ایک لہجہ، اس لئے فرمایا۔
سراپا حضور ایک روشن کھنڈہ جلا۔

الفاظ۔ اسیہ ظاہر ہے کہ جب چورنگ ستیڑی نہیں بکھیر رہا ہوتا ہے، مگر روشن کر دے گا، اس کا ظل و سایہ بھی نہ ہوگا، رعایات میں بھی ہے کہ کان لا ظلم لشخصه فی الشمس ولا قمر، انہ کان ذمرا (الشفاعتین حقوق المصطفیٰ للعیاض)
یعنی حضور کا سایہ نہ تھا نہ آفتاب میں نہ مانتاب میں، آپ کو نہ تھے، اس سے ذوقی طور پر مستنبط ہوا کہ نبوت میں بھی آپ کا کوئی ظل نہیں ہو سکتا اور تو لطیف سے لطیف تر ہے۔

دوئم، شب و راجح میں خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ اور ممال سے مزارات اور فوق مزارات تک ملت قلیل میں آپ کے گلگشت علی ارض، مراح جسمانی اور ہر اندر معانی کی بین دین نہیں ہو سکتا۔

سوم، آپ کے ایک اشارے سے قریش ہو گیا اور چونکہ قریش کا مزاج بار و مطلب یعنی سرد تر ہے اس لئے اس احتمال کی بھی گنجائش کسی مخالف کو نہ رہی کہ وہ خود جو دشمن ہو گیا ہوگا کیونکہ سرد تر چیز لیز تر قسم کا مسکے شبنم نہیں ہو سکتی، آفتاب پر جو گرم و خشک ہے اگر یہ مجزہ واقع ہوتا تو خشک دماغی ایسا دھمپ سیکر سکتی تھی بخاری میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ کئی کیم خطر پڑھتے وقت مدینہ فرما کے ایک تنے سے نکیہ لگا پٹتے تھے جو مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون تھا۔ جب حضور کے لئے منبر تیار ہو گیا تو اس پر جلد افروز رہنے کی کیا تھا، لگا وہ کھوکھلا ستون فرما دینا کہ اسے اقرب تھا کہ شوق ہو جائے کہ حضور منبر سے اتر آئے اور اس کو چٹایا، پس وہ اس بچے کی طرح جس کو روکنے سے عاجز ہو کر شوق کیا چاہتا ہے سسکیاں بھر کر لگا بہاں تک کہ اس کو گھبرا دیا گیا، مرابہاں لہجہ میں اس حدیث کو سنو اور اور فتح الباری میں اسے مفید یقین کہا ہے اور صاحب شارق نے اس کے تواتر کا اقرار کیا ہے۔

لہذا وحسن لہ الجزم القدیم مختصرا فان فراق الحب اوجع المصاب

(تقصیدہ بانیہ انشاہ علی اللہ و ہوئی)

۱۔ ہاں تو آپ شاہد ہیں خدائے قدس کی وحدانیت کی، اس کی عظمت و جبروت کی، اس کی صفات کاملہ کی، اس کی قدرت و کرم و عظمیٰ کی شہادت دیتے ہیں اور اپنی عہدیت و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا عبدا و رسولہ
اور یہی نہیں کہ بعض شاہد ہوں، آپ شہید شہر بھی ہیں یعنی خدائے عظیم و کریم کی نعمتوں کی بشارت دیتے ہیں کہ جس کی اطاعت کرے گا اس کو یہاں بھی حیات طیبہ، برکت و نصرت، فوز و فتح، سکون و طمانینت اور دُعاں بھی جنت اور جنت میں دائمی عزت کے ساتھ رفیع اعلیٰ کی قربت۔
۲۔ اور اندین بر بھی ہیں یعنی خدائے ذوالجلال کے قہر و غضب اور اس کے عذاب و ذمیر و ماعوی سے ڈرانے والے کہ جو اس کی خیریت کے احکام کو خاطر میں نہ لائے گا اور اس کی محبت کو دل میں جگہ نہ دے گا وہ یہاں بھی ذلیل اور دُعاں بھی خوار و خسر دنیا و آخرت۔

خلاصہ یہ کہ آپ خالق کائنات کے دھڑے اور عید اس کے بندوں کو سمجھا دیتے ہیں تاکہ غلبہ نصرت اور دفع مغرت کا مستحکم وسیع لوگوں کو برائی سے ڈکے اللہ نیکی پر کادہ کرے اور اسے آہستہ آہستہ منہ پرستی کی رضا اور عید اس کے طالب ہو جائیں۔

بظاہر نزدیک و مبشر پر قدم ہونا چاہئے کیونکہ دفع مغرت اہم ہے جب نصرت سے لیکن چونکہ رحمت الہی غضب الہی پر سبقت لے گئی ہے اس لئے مبشر کو قدم کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اہمیت کا انحصار اعلیٰ نعمت و رحمت ہے۔ اور یہی محبوب حق کی جانب سے محبت ہے۔ یہی مزا و عذاب، وہ بہت فاضل و حکمت ہے ہر بہت انتقامت ناسا نہ انعام ماست
وہ نہ تشریف تو پر بلائے کس کو تاہ نیست

لہذا اصابہ کی وجہ سے ستون کبریت نہ دیا، بات یہ ہے کہ محبوب کا فوق سب سے بڑی محبت ہے۔ (مصحف)

پھر اس کا بھی لحاظ ہے کہ یہاں بشر نہیں کہا، بشر فرمایا، جس سے بہ نسبت بشر کے رحمت و کثرت نعمت و حریم کی طرف اشارہ ہے کہ یہ کتاب نہیں
میں بہ نسبت ثنائی مجرور کے کثیر ہوتی ہے، قرآن کا جیسے اس دلچسپی کے، اشارہ ہوا جیسے اس مطلق کلمہ پر۔

پس تبشیر کے ذیل میں تمام اہم و معروفات شامل، اودۃ اللہ کے تحت میں تمام لہجی و شکلات داخل، حاصل یہ کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہادی
تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال پر شہادت دیتے ہیں اور اس کے احکام و احادیث، اودۃ اللہ و عقاب بیان فرماتے ہیں۔
مقصود اس تبشیر و تفسیر سے یہ ہے کہ داعی الی اللہ آپ دولت الی اللہ دیتے ہیں؛ ولساۃ و گان با و ہدایت اہل گمان با و ہدایت اہل کفر و
محض اندر میں پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ شکل مرعکہ بنکر طے ہوئے ہیں با و ذیل یعنی نہ محض اپنی انسانی طاقت و وقت سے بلکہ اللہ کے حکم ادا کی کوشش سے،
پس کیا کہنا اس شیخ نبوت کا جس کی ضیاء پاشی سے تاریک دل روشن ہو جائیں اور کیا کہنا اس سراج منیر کا جس کے نور سے ظلمات کفر و جہالت میں گمراہ
ہو جائے۔

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجی بجمالہ
(فائدہ) تبشیر و اندر میں یہ تلو علیہم آیاتہ اد داعی الی اللہ میں یہ علمہم الکتاب و الحکمۃ اور سراج منیر میں ویز کی سہو
طرف بہت لطیف اشارے ہیں۔

اسے کہتے ہیں پادشاہی راستہ پر بالائے تو
انصاف شرع و حکمت ہا ہر ماں اختلاف
آپ عرواۃ زعفران بلاغت می جسد
نہایت تاج زنجیں از گوہر والائے تو
نکتہ ہرگز نہ شفت اندل دانائے تو
طوطی خوش لہجہ یعنی کلام شکر گائے تو

(حافظ)

وانت لما ولدت اشارت الی مرض و صاوت نورک الانوار
منحن فی فالت الضیاء و فی النذر سبیل المضاء نہ ترق
جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے نور سے زمین روشن ہوئی اور انوار کی جگہ آٹھاپہر ہم آبی روشنی میں ہدایت کی منزل میں طے کرتے ہیں۔
فاصلی سراج منیر اودھادی
یوح کمالاح الصقیل المسمد
آپ ایک روشن چراغ ہیں جو نہ ماہ السیف ہندی کی طرح چمکتا ہے
راستیہ) حضرت عباس کے تعریف و شریف حضرت کے آفتاب سے استفادہ بالکنا یہ کیا ہے اور جس بات کو حضرت حسان نے فاضلی سراج منیر اور
عادی میں ادا فرمایا ہے قرآن کی بلاغت نے اسے سراج منیر کے دو مختصر لفظوں میں بیان کر دیا۔
سراج منیر

حضرت کو سراج منیر سے استفادہ بالقرع کیا ہے تبشیر میں ہے کہ تبشیر میں شہد بہ و ہر شب میں افضل یا اتوی یا انور و اشہر ہوتا
ہے اور سراج منیر میں تنیک تعنی ہے جس کے معنی ہے کہ ایک غیر معمولی سراج منیر سبحان اللہ کی شان ہے اس سراج منیر کی، پھر بھی ظاہر ہے کہ وہ جامع
ضیاء پاشی اور انوار طاقت ہے اور حضرت جے شک جس و ظلم، شرک و کفر، عقائد فاسدہ اور رسوم باطلہ کی تاریکی کو دھکے دے گا جس واسطے مستیز نہیں فرمایا

لہ داعی الی اللہ با ذمہ و سراج منیر میں چونکہ آقا کا ظنہ ہے اسلئے تعریف و طاقت کہتے ہوئے خواہ وہ اعتبار ہی کیوں نہ ہو اس لئے جانتے ہیں کہ داعی الی اللہ میں رحمت
نبائی قابلِ عبادہ و سراج منیر میں نبیانِ حال، اہل زبان و حال، زبانِ تہل سے نیادہ نصیح ہوتی ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن احمد کی آپ رحمت دیتے ہیں، ان پر نہایت
انح و یس پیش کرتے ہیں اور دین کا روشنی سے استفادہ بلاغت میں داخل ہے۔ (پر مصطفیٰ)

بلکہ مینر کہا ہے، کیونکہ مستنیر نبات خود روشن ہوتا ہے اور دوسرے کو بھی روشن کرتا ہے۔

یہاں ایک اشکال ہے کہ عالم اجسام میں جو چیزیں زیادہ روشن ہیں ان میں آفتاب اصدات میں ماہتاب ہے پھر کیسب ہے کہ حضور پورے کرشمے پانچ فرما، چھنیر یا شمس العظمیٰ یا ہمدانی سے تعبیر نہیں فرمایا، مذکورہ باتیں تو غلطی جانے البتہ ایسی سبب دلائل کے فیضان و علم و لافان عالم اہل علم سے ہر کچھ ذہن میں آسکتی ہیں۔

اس سراج کا اطلاق شمس پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ قاری میں ہے سراج معروف والشمس انوار کائنات پاک میں بھی تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً ستہ میں سراج کا اطلاق شمس پر بھی ہے اس طرح سراج جو ماہتاب ہے اس کی بیانی میں مراد میں تو کوئی خدشہ ہی نہیں رہا، اور اگر سراج بھی حضور نبی چلار ہے تو اس کا جواب یہ ہے۔

۱۔ نظام شمسی میں ماہتاب آفتاب کا دست نگہ ہے اس لئے ماہتاب سے استفادہ تو مناسب ہی نہ تھا اور ضرور اس لئے کہ یہ استفادہ حسن و جمال کی بنا پر ہوتا ہے اور یہاں یہ مقصود ہے نہیں بلکہ دیات و لہ نمائی ہے پھر اُسے حضرت بھی ہوتا ہے، حق بھی ہوتا ہے و عروج کے بعد نزول بھی ہوتا ہے، نہ فلاں اس کے حضور کا علم نہ لطف عند صحت ہے اور آپ کا کمال کس سے جس کو زائل نہیں۔

(ب) اب آفتاب اس سے استفادہ جلیل یا حسن پر مشتمل کی بنا پر ہو سکتا ہے اور یہ دونوں بھی بہاؤ شافی ہیں، مزید بیان
۱۔ آفتاب کو صرف بھی ہوتا ہے کمال کے بعد جمال اور طور کے بعد اول بھی ہوتا ہے، حالانکہ حضور بظاہر اولیٰ اور ذی زون علمائے متقیین ہیں، یہاں تو عروج ہی عروج ہے، نزال کا احتمال بھی نہیں، اسی واسطے تو بہت میں مذکور ہونا ضروری تھا، اولیوم الکملت لکھ دینکھ و انتہت علیکھ نعمتی نے کمال سے نزال پر ہر دو عام لگا دی۔

۲۔ آفتاب کے ستر اتر مشاہد سے نگاہ سوخت ہو جاتی ہے اور چاروں کی روشنی سے اگر اس میں مناسب روشن ہو تو اکثر نگاہ قوت حاصل کرتا ہے۔

۳۔ آفتاب کی عالمگیر روشنی باوجود اس قدر وسعت کے دن کو اتنی خوشی نہیں محسوس ہوتی جتنی کہ تاریک رات میں روشنی پیدا کرنے والے چلار کے مقابل میں ایک خاص فاصلے کے بعد تاریکی کا بھی مشاہدہ ہوتا ہے اسیہ ظاہر ہے کہ اشیا اپنے اصداد سے زیادہ روشن اور زیادہ جاذب نظر ہو جاتی ہیں۔

۴۔ حضور کفر و رجسالت کی ظلمت شب کو دھڑکتے ہیں جس طرح چلار ظلمت شب کو دھڑکتا ہے، آفتاب تو رات کو آتا ہی نہیں وہ بچا ہے ظلمت شب کو کیا دھڑکے گا۔

۵۔ آفتاب کی روشنی سے شمس شمع ہوتا ہے، طالب ہوا فی طالب لیکن چلار سے طالب روشنی ہی فائدہ اٹھاتا ہے، حضور سے بھی وہی لوگ متغیر ہوتے ہیں جو طالب ہدایت ہیں۔

۶۔ آفتاب سے آفتاب روشن نہیں ہوتا لیکن چلار سے چلار جلتا ہے اسی طرح یہاں شمس کہ بہت سے اولیٰ اصحاب کے قلب روشن ہوئے پھر تالین۔ پھر تاج تالین کے، اسی طرح قیامت تک علمائے ربانی اصالہا صحابی کا سلسلہ جاری رہے گا جو حضور کے اقوال و افعال اور سیرت و احوال سے استفادہ حاصل فرمائے گئے ہیں۔

قرآن مجید کی خصوصیات

اسلام مختلف ہر کائنات ہے تو قرآن اس کا منشر ہے اور یہ وہ منشر جس نے امت مسلمہ کے دل پر انسانیت کو خداوند تعالیٰ کا آخری پیغام ادا فرمایا پس یہ نظام حیات عطا کیا، امت مسلمہ کو اسی پیغام کا حامل بنا کر ابدی زندگی اور سفرِ رازی عطا کیا وہ یہ کہتا ہے جس نے تاریخ کے دھاروں کو مٹا دیا تو اقام دہش کی قوت پر یہ بدل ڈالیں۔

۱۔ قرآن کی تعلیمات آفاقی ہیں۔ قرآن کریم کی سب سے اولین خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تعلیمات آفاقی ہیں ان میں کسی ایک رنگ، کسی پتھر، کسی نسل کی تین گزہ اس کی ایک گزہ یا کسی خاص قومیت کو مد نظر نہیں رکھا گیا بلکہ تمام انسانیت انسان کے فساد و

بہبود کے لئے ہدایات دی گئی ہیں قرآن مجید میں بار بار یا ایہا الناس، مملک الناس، ایہ الناس، کافۃ الناس وغیرہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ مثلاً کافۃ الناس بشارت و نذیر (تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والی اور ڈرانا والی) ہدی للناس (تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے) ایسی ہی الفاظ اور خطابات سے تمام انسانیت کو یہ کتاب ہدایت دیتی ہے اور کسی آیت کا شانِ نزول کی خصوصیت واقعہ سے متعلق ہے تو اس میں بھی عمومیت کا رنگ جھلکتا ہے! قرآن کریم کی تمام تعلیمات خواہ وہ اصل میں ہوں یا فروعی، کلیات ہوں یا جزئیات، اعمال ہوں یا عقائد، ایسی ہیں کہ وہ تمام انسانوں کے لئے ایک وقت تمام انسانوں کے لئے یکساں اور ہر ملک و قوم کے لئے ایک ہی طرح مناسب مفید اور قابل عمل ہیں، انسانی علم کے سرور میں اللہ کی طرح ہوتے جائیں گے اور انسانی معاشروں میں اللہ تبارکی کا جائے گا اور انسانی زندگی کے دائرے جس قدر وسیع ہوتے جائیں گے قرآنی تعلیمات کی افادیت اور حقیقت اور اصلاح ہوتی جائے گی۔ قرآن کریم ہر دھار اور زمانہ کی طلب و ترقی کے لئے مشعل راہ اور چراغ ہدایت ہے۔

بعض نااہل، معاندین اور مستشرقین قرآن مجید کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ محض عربوں کے لئے، نہ صرف ہدایت تو ہر گز ہے لیکن ابدی کائنات کے لئے اس کو کوئی ہدایت قرار دینا محض تکلف ہے یہ اعتراض اس لئے اٹھایا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں عقائد ایسے سائنس، عقائد اور اعمالی زیر بحث نہیں ہیں جو کائنات و دنیا و مافیہا کے متعلق اندازہ ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید کے متعلق اندازہ اس لئے اٹھایا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے اندر جو روحانی طرزِ استدلال ہے وہ بھی خوب ذوق کی نمائندگی کرتا ہے۔ جنت اور جہنم کا تصور بھی عربی خیالات اور عربی فکر سے کے مطابق ہے خصوصاً جنت کے لطائف اور جہنم کا عذاب عموماً تو ذوق کی عکاسی ہے۔

یہ اعتراض اس لئے اٹھتا ہے کہ قرآن کریم نے جو تعلیمات دی ہیں جن میں سائنس پر بحث کی ہے وہ یا ان کے مادی سائنس اور کائنات آج بھی موجود ہیں اس نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے لئے جو دلائل دیے، آج بھی ہر معاشرے اور شرک کے خلاف دلی دلائل دیئے جا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود قرآن مجید نے جو اسلوب بیان اور طرزِ انشاء اختیار کیا ہے۔ اس کے اندازِ عبارت لطیف و لطیف ہے تو وہ اس لئے ہے کہ وہ قرآن کے اولین مخاطب تھے مسلمانوں ہیں کہ قرآن مجید نے انھیں ان کا جو اسلوب اختیار کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ انھیں بیانِ عرب کی سہولت کے لئے کس طرح سہولت دی ہو سکتا تھا۔ حکمتِ خداوندی کا تقاضا یہ تھا کہ اسلوبِ تحریر کا ہر جزویت ہو۔ وہ ان کو کامیابی اور فلاح دے اس کے لئے اس نے پہلے چھوٹے الفاظ پر چھوٹے الفاظ کا تقاضا یہ بھی تھا کہ قرآن مجید جو خدا نے دیں اور مجھنے والے

آفتاب آمد دلیل آفتاب - کہ جسوقت قرآن کریم کے الفاظہ مضامین اور معانی میں اجتہاد سے خاص کر ان کی زندگی بچاوات، اور بڑی ذوق اور
عربی زبان کا لحاظ رکھا جاتا تو قرآن کے اردین مخاطب قرآن کا علمی تمدن کہ دنیا کے سائنس طوطے آتے :

اس کا ہر جہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ قرآن کے اندر کو ایسی چیزیں ہیں جو بالکل عربی ذوق سے مخصوص ہیں اور یہی انسانی انسانیت کے احساسات و جذبات وہی
ہیں جو عربوں کے ہیں اور انسان کے فطر و جیس کے لئے ہر چیز میں ہمیشہ ثابت ہوتی ہیں وہ بھی آفاقی ہیں ؛ زمین و آسمان پر فخر و ستاروں کا تذکرہ ؛ پہاڑوں
اور پہلوں کا ذکر ؛ دنیاؤں اور انسان کے سینہ پر چلتی ہوئی کشتیوں کے مناظر ؛ صحرائوں اور جنگل کی فوں کے واقعات ؛ باغوں اور انسان کے پیچھے پیچھے والی نہروں کا ذکر اور
زندگی کی دوسری خوش گوار پہلوں کا تذکرہ ؛ انہوں میں وہ کیا چیز ہے جو عرب ذوق سے مخصوص ہے یا ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ حجابیاتی ذوق اور تمدن دھلائی صرف
عربوں کے حصہ میں آیا اور دوسری اقسام شخص و مشی اقوام میں انہیں ان چیزوں اور رنگش مناظر سے کوئی سروکار نہیں ۔

ہے شک قرآن نے انہیں مطالبہ اس وقت کے انسان کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھا ہے اگر کسی انسان نے اس سال کیا جو عمر کا انداز تھا اور جس میں انسانی
ذہن کے لئے بڑا الجھنیں پائی جاتی تھیں تصورات صاف کہ دیا گیا ۔ ما اوتیتہم من العلم لا تفتیلہم بہت ہی ستمنا علم دیا گیا ہے ۔ " لیکن لاشک
نہیں تم نہیں سمجھ سکتے " یہ اس لئے فرمادی تھا کہ قرآن کریم کو محض اہمیت کا مظاہرہ نہ کرنا مقصود نہ تھا ؛ کسی سائنس ، جغرافیائی یا فلکیاتی سائنس کا بھی مقصود
نہ تھا ؛ مقصود یہ تھا کہ اس کتاب سے لوگ ہدایت اور ہرجائی اور فسادات حاصل کریں ؛ آپ خود ہی سرچیں گے کہ قرآن مجید کے اس فقرے کے لئے " اور سچ
اپنے قدموں سے پہنچا ہے " کی جگہ یہ کہا جاتا " انہیں اپنے ہر پر سسل حرکت کہی ہے " تو اس وقت کے ان پڑھ علماء اور ماہرین فلکیات بھی اس فقرے کی
معنویت کو قبول کر لیتے ؛ حالانکہ آج کی دنیا میں ایک ناقابل انکار حقیقت ہے غرض یہ کہ مخصوص ذوق اور ایک مخصوص ذہن کو سامنے رکھ کر بات کہنے سے تسائی
تعلیمات کو محدود نہیں کہا جاسکتا جبکہ وہ اپنی نظریات اور قرآن کے احکام کے لحاظ سے ہمہ گیر اور آفاقی ہیں ؛ انسانوں کے لئے ہے ؛ لیکن تمدن میں کان سما " تاکہ
یہ ذی حیات انسان کو انجام دے " لیکن اللعالمین نذیر " تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لئے نذیر ہوں ۔

۲۔ جامع اور مکمل تعلیمات قرآن مجید کی پہلی خصوصیت تو یہ ہوتی کہ وہ تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے ؛ اس کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس
کی تعلیمات انسان کی ہر ممکن زندگی پر محیط ہیں ۔ انسان کی زندگی کے مختلف پہلو ہیں ؛ انفرادی اور اجتماعی ؛ انفرادی پہلوؤں
میں عقائد و عبادات ؛ نیکی اور بھلائی اور عبادات اور معاشرتی تعلقات اور اس طرح کی دوسری چیزیں شامل ہیں ؛ اجتماعی زندگی میں بڑبڑیوں کے
تعلقات ؛ معاشیات ؛ اور مملکت ؛ بیرون ملک سے تعلقات ؛ نظام حکومت کی تشکیل اور اس کے خطوط اس کے حکمے ؛ مختلف ملکوں کے فوائد اور انسان جیسی
دوسری چیزیں شامل ہیں ؛ قرآن نے انسان کی ہر ممکن زندگی اور اس کے ایک ایک پہلو کے لئے اصولی ہدایات دی ہیں اور بعض اہم انسانوں کے شعبوں میں کافی حد
تک تفصیلات کی بھی نشاندہی کر دی ہے ۔ اور باقی ماندہ تفصیلات کو مفسر اور مفسرین کے لئے ہے ؛ قرآن کی ہدایات کے مطابق ؛ اپنے عمل اور مشاہدات سے
اچا اگر فرمایا یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کے نازل ہونے کے بعد قرآن ہی کے مطابق نصف صدی کے اندر اندر ہی علم و دین ہوتے ہیں کا منبع اور خزانہ صرف قرآن
ہے ۔ اس کی تفصیل اس سلسلہ مضامین کی ایک دوسری بحث میں بالتفصیل آئے گی ۔

اس پہلو سے جب ہم دوسری آسانی کی باتوں کا جائزہ لیتے ہیں تو اپنی " سرحد شکی " میں ہمارے سامنے یہ توہمیں ہے صدیوں سے رہی ہے اور ہمیں یہ سامنے
قرآن کریم کی اہمیت و اہمیت خداوندی ہے " وما قد مرنا اللہ " حق قد مر " اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہیں کی جس کا وہ مستحق تھا ۔ دوسری باتوں نے نہ تو ان تعلیمات
کو ملحوظ رکھا اور نہ ان تعلیمات کو اپنی پوری زندگی پر حاکم کر کے اپنے تمام علم و دین و گمان کی کوئی مٹائی میں مرتب کیا ؛ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کتابیں اب بھی جلدی تعلیمات
دیہات پر مشتمل ہیں ۔ مثلاً تعلیمت میں بعض اخبار و احکام ہیں ؛ انہیں میں مناجات اور تعلیمات حضرت عیسیٰ کے مراعات واث لہ ہیں ۔

اس کے برعکس قرآن کریم ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ تمام انسانوں کے لئے اور ہر مملکت اور ہر دیکھو اور محنت علیہ نہ ختمی و روضیت
کے واسطے سلام دینا ۔ " آج میں تمہارے دین ... نظام حیات ... کو مکمل کر دیا ہے اور تمہاری انسانی تعلیمات کی تکمیل کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو

مستحق جن مقصد رکھتا ہے، تیار کرنا، لیکن شیخی۔ یہ روزِ مذکر کی ہر فریضہ میں کہیں (یعنی صبح، پیش کرتا ہے) مقصد ہے کہ وہ اسلام کی ایک مکمل نظم نہ کر دے جس کے طور پر یہ بھی لگا ہوا ہے اس کی تعلیمات کے بعد وہ ان کی دوسری تعلیم کا عزم نہیں کرتا ہے، اس لیے کہ قرآن کو کہنے کے لیے اس میں صرف اولین کی وہ بنیادی تعلیمات بھی محفوظ کر لی ہیں جن کی افہامیت کو ہمیشہ فریضہ سے ملے گی۔ اس نکتہ کی تفصیل میں مناسب مقام پر آئے گی۔

۴۔ اس کی تعلیمات ٹھوس حقائق ہیں
قرآنی تعلیمات نہایت ٹھوس اور پائیدار ہیں، وہاں پیدائش و حیات کی ہر بات صریح ہے، جن کو وہ مدللہ میں کوئی فلسفہ نہیں کر سکا، اس کا اندازہ اس کی گورنر کے ساتھ کی نظر و نگاہ سے کر سکتے ہیں کہ ان کے اس انداز میں ثابت کر سکا

ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ان هذا القرآن یسرہ لی للذی یشئ اقوم"۔ یہ کتاب ایسی ہادوں کی طرف ماہمائی کرتی ہے جنہاں ہر مضبوط اور ٹھوس چیز ہے ایسے حقائق پر مشتمل ہے کہ نواز کر کر کے، علم و طبیعت کے کثافات، ذہنی اتقا و امتداد، تہذیب و تمدن کی ہر ضرورت کی ہر چیز کو کہیں پہنچا کر نہیں ثابت کر سکتا بلکہ ہمارے علم میں جس قدر امتداد ہو گا، اور دنیا میں جس قدر وسعت پیدا ہو گی اس قدر قرآن مجید کی تعلیمات کی حقانیت اور پائیداری ہم پر واضح ہوتی چلی جائے گی لا ایتہ انہا مل من بین یدینہ ومن خلفہ۔ ہا مل ذوق اس کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے آگے۔ یعنی قرآن کے اندر کچھ ہے وہ حق چاہے اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل ہے لہذا وہ اس پر حملہ نہ نہیں ہو سکتا۔ اگر بن یدینہ سے نہ مستقبل لیا جائے اور من خلفہ سے نہ نواز دیا جائے تو یہ نکتہ اندازہ واضح ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی غور رہنی چاہئے کہ قرآنی تعلیمات کو اقوم ثابت کرنے کے معنی یہ نہیں کہ ان کو کچھ چیزیں ان کے سنی کثافات کے مطابق ثابت کیا جائے، وہ یہ ہے کہ طبیعتی کثافات یا ان کثافات کے خلاف، انسانی خواص اور مشاہدہ، یہ سب چیزیں، ادبیت اور اخلاق کی حالت میں ہیں، جو سکتا ہے کہ جس کثافات کو واقعی حقیقت سمجھ کر قرآن سے اس کی مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو، وہ اپنے اند کو حقیقت پر نہ دیکھتا ہو، کثافات کی حقیقت اس کو باطل قرار دے دیں گزشتہ ایک صدی میں سائنس، سیاسیات اور دوسرے علوم کے بعض ایسے نظریوں کو قرآن کے مطابق قرار دینے کی کوشش کی گئی، جن کو مستقبل عام ہر نظر پر، اگر کچھ مدت کے بعد ہی نظر پڑے گھڑے گئے ثابت ہوئے، اس قدر ان حقائق کی وضاحت کی اور بھٹکائی، اس لئے فروغ ہے حق و باطل کا صحیح قرآن کو قرار دیا جائے، اور جو نظریہ اس صحابہ پہنچا دے، اُسے اُسے کسی بھی جگہ بغیر رد کر دیا جائے۔

اس کا ایک پہلو یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ اگر ہم قرآن کی صداقت کو ثابت کرتے وقت اس کو جدید نظریات کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کریں گے تو ہر قرآن تو صحابہ صداقت نہ رہے گا، معیار صداقت وہ نظریات ہوں گے انہی کو "قوم" ماننا پڑے گا۔ حالانکہ بات درست نہیں ہے۔

۵۔ آخری ہدایت
قرآن مجید ان کی آخری کتاب ہے، نازل شدہ کتاب کا آخری ہی ماننے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس نیت کو پوری طرح جرح حاصل ہو گیا ہے کتاب اور حضور سرور کائنات کا اندازہ آخری ہی ماننے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس نیت کو پوری طرح جرح حاصل ہو گیا ہے

اصحاب اس کے کسی بھی ہدایت کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین"۔ لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتمہ کو ختم کرنے والے ہیں۔ "ختم نبوت" کا مسلمات کا منصوص اور اجتماعی اور متفقہ مسئلہ ہے قرآن و سنت کی ہے شمار فرمیں اس کی نفاذ کرتے ہیں، دین اسلام کی تعلیمات کا مزہر بھی دوسرے نئے نبی یا کسی دوسری کتاب کے آگے کے امکان کا وہ قطعاً قطعی طور پر نہ ہو سکتا ہے۔ اس بات میں کہیں کوئی اندیشہ نہیں ملتا بلکہ ہر مشاعرہ حجابات نفی میں ملتی ہیں۔ تفسیر شریف کی حدیث ہے: "ان المرسلات والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعد ولا نبي"۔ رسالت اور نبوت کا وہ زمانہ بند ہو چکا ہے لہذا ہرے بعد کوئی نبی ہو گا اور کوئی رسول ہو گا۔

۵۔ قرآن کی نسخ کتب و شرائع
قرآن مجید دوسری آسمانی کتابیں اور کتبوں کا نسخہ ہے، جو کہ اس کی تعلیمات تمام ان لوگوں کے لیے ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے کلمہ میں اہل مذہب کے لیے ہیں، اس لئے اس کی موجودگی میں کسی ایسی آسمانی تعلیم پر عمل کرنا محض نہ ہو گا جو کسی گزشتہ زمانے کے لئے مخصوص طور پر یا کسی خاص علاقے کے لئے محدود ہوتا رہی ہو، قرآن مجید اس کے لیے آسمانی کتبوں کی اس حیثیت سے

تصدیق کرتا ہے کہ وہ ایک خاص وقت کے لئے نازل کی گئی تھیں اور ان کی اس حیثیت پر ایمان لانا تو اسلام کی شرط ہے لیکن ان کے نہ جاننے کے بغیر احکام ہمارے لئے واجب العمل نہیں ہیں۔ مسلمانوں کا یہ اجتہاد حتمی ہے کہ قرآن کریم اور نبی ﷺ کی شریعت کے احکام و احادیث سابقہ کی شریعت پر عمل کرنا واجب نجات نہیں ہے۔ قرآن وحدیث کے کھریعہ نصوں کے خلاف ہرگز اگر کسی معاملہ میں دہانت کر کے نام نہاد کو سچے المشرقی کا ثبوت دیں۔ مسلمان کریم انسانیت کا آخری نمونہ ہے، یہ تمام محبوب الہی کی مرکزی اور بنیادی تعلیمات کا جامع ہے، قرآن کے ہر حصہ کو الے الے سمجھ کر قبولیت نہیں دینی !

۴۔ تحریف سے محفوظ رہا
 سابق کتب سہادی میں مسلسل تحریف ہوتی رہی اور ان کی تعلیمات کو بدل کر لکھ دیا گیا تاہم صرف مغربی تحریف پرکتفا نہ کیا گیا بلکہ
 نقلی تحریف بھی کی گئی۔ سابقہ امتوں نے تعلیمات اپنی کے اس تمام حصے کو بھٹکا دیا جو انہیں بار بار یاد دلایا گیا تھا۔ ان سوا
 حفاظ رہا ڈکٹر واپہ اور انہوں نے ان تمام تعلیمات کو بھٹکا دیا جس کی انہیں یاد دہانی کی گئی تھی۔ امد جو باقی رہ گیا تھا اس میں انہوں نے نقلی اور مغربی تحریف
 کی۔ یحییٰ بن مضر ضبیہ، روہ بات کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں، خود بخوبی امتوں کے علماء اور فضلاء کو اس سے انکار نہیں ہے کہ ان کے پاس
 آسانی کتاب میں اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہیں ان میں بہت کچھ کٹر مرتب کی گئی ہے۔

لیکن اس سکہ و عکس ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن جو انسانیّت کا آخرین مندر ہے اس کی حفاظت کا ذمہ خدا اللہ تعالیٰ نے لیا۔ اس کا ایک ایک حصہ، اس کے پیچھے والے کے حکم و وعدہ کے مطابق محفوظ ہے، صحت و آیات اور سوره و کلمات، اس کی اتوار و مضبوط ہے آج تک قرآن کو ہم نے ہزار ارب دین میں بچے ہوئے ہے۔ اس پر ہر سال کے طویل و مختصر ہاں کھوں اتھرتی ہے اس کی کاپیاں تیار کی گئی ہیں لیکن اس کے ایک نسخہ یا نسخہ میں بھی فرق نہیں آئے یا نہ۔ کاغذی پیگہ کے علاوہ قرآن کو کریم ایک دلشن خزینہ کی طرح ہر وہ میں ان گنت حفاظت کے سینوں میں محفوظ رہا، اور اب ہر دفعہ کہ وہ اس کی تلاوت کی سعادت حاصل کرے۔

۴۔ قرآن الفرقان ہے۔ قرآن کریم حق و صفات کا معیار ہے، گیمے تک وہ حق تعالیٰ کا کلام ہے اس کے مقابل میں آئے والی اس سے نگوئے والی تمام چیزیں باطل ہیں، اگرچہ وہ انسانوں کو فلاح و حقیقت پسندانہ علوم ہیں، اس لئے ہم اپنے افکار و نظریات کو طبیعی علوم و مشاہدات کو اور قرآن سے پہلے نازل ہونے والی باتوں کو کسی قرآن کی عسک کو سٹی پر رکھیں گے، ہم اپنے افکار کی قرآن کے مطابق تشکیل کریں گے، قرآن تعلیمات کو طبیعی افکار کے مطابق ثابت کرنے کے بجائے طبیعی علوم کی ایسی توجیہ کریں گے جو قرآن کے خراج اور مفہم کے مطابق ہو، جس میں اس کا بھی جائزہ لینا ہو گا کہ طبیعی علوم کے ماخذ کیا ہیں، کس حد تک وہ قابل اعتماد ہیں اور کس حد تک غلطی کا امکان ہے۔ تاریخ سے قرآن کو مطابق کرنے کے بجائے ہماری دینی ہونا چاہئے کہ تاریخ الہی کا جائزہ لے کر اسے قرآن کی روشنی میں مرتب کریں قرآن کو کتب سماوی کے مطابق ثابت کرنے کے بجائے کتب سماوی کو قرآن کی روشنی میں باجیں۔ کیونکہ ہماری عسک و عقل اور ناقص حواس کو فی حقیقی معیار نہیں ہیں، تاریخ الہی قرآن کی طرح مستند نہیں ہے، ہمارے افکار و خیالات قرآن کی طرح ازلی وابدی اور ناقابل تغیر نہیں ہیں اور کتب سماوی اور قرآن کا فرق کا مقابلہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ”قرآن فصیح“ کہا۔ اِنَّهُ لَعَلَّوْا فِصْلًا مَّا حُوِيَ مِنَ الْغَزَالِ۔ بیشک یہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دینے والا کلام ہے کوئی انگریز نہیں ہے۔ ۱۸۹۶ء (۱۳۱۵ھ) اسی کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کو سابقہ کتب کا نگہبان کہا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ اس نعتان کی تعلیمات کے جوہر کو محفوظ کر لیا ہے جسے اہم سابقہ نے تم گم کر دیا تھا، وَاَفَرَأَيْتُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ الْكِتَابِ وَهُدًى مُّحْدِثَةً لِّمَا كَانَ مِنَ الْكِتَابِ۔ اور ہم نے قرآن کو جانب حق پر ششوں تک کتاب بنادیا، جو سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر نگہبان ہے (۱۸: ۲۷)۔

۸۔ قرآن مجید ایک معجزہ
قرآن مجید کی ایک نہایت امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خدا ہی دہلیز میں آپ ہے۔ یہ قرآن کریم کا بہت بڑا معجزہ ہے۔
مصدق مقامات پر قرآن مجید نے اسے حقیقت کا دروازہ کیا ہے، اولہ یکنعیم انا انزلنا علیک الکتب تنزیلاً
غلیظہم وکیان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو ان پر پڑھی جاتی ہے (عزیزت) اور
ناغین کو صیغہ دیا گیا ہے کہ اگر وہ اسے کلام الہی اور کتاب حق نہیں تسلیم کرتے تو وہ اس صیغہ کو ہی کتاب بنائے آئیں۔ قصہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے اس پہلو
اس طرح واضح کیا ہے :

ما بین الانبیاء نبی الا اعطی من الایات
ما مثله اور من اوت من علیہ البشر
ہو انما کان الذی اوتیت وحیاً و صاہ اللہ
الی ما جرات فی اکثرہم تابعاً و العیامۃ
در صحیح بخاری باب الاختصاص

دنیا میں ہر نبی کو کچھ نہ کچھ معجزات دئے گئے جن کی وجہ سے لوگ ان پر ایمان لائے لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے جو معجزہ دیا وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمد پر اتاری۔ لہذا مجھے ہی سیدہ کو تمام انبیاء سے قیامت کے دن میرے متبعین زیادہ ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید نے یہ تحدی کی کہ کوئی اس جیسی کتاب لائے فاقوا بسورۃ من مثله۔ اس جیسی کوئی سورت لاؤ۔ سو سوہرا، ناء، کو بسورۃ مثله واذعن من استطعتن من دون اللہ۔ تو اس جیسی کوئی سورت لاؤ اللہ کے سوا اس کام کے لئے تم میں کو بھی بلا سکتے ہو بلاؤ۔ ۱۱۰۳ آج تک کوئی اس چیلنج کا جواب نہ دے سکا اللہ نہ دے سکے گا۔ اسلام اللہ کا آخری اور مکمل ترین پسندیدہ نظام ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کاس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے انوی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کی اس حیثیت کا تقاضا یہی تھا کہ آپ کے ہم ترین معجزے اہل صال کی گرفتوں اور نمانہ کے فیضات سے بلند ہر تر اور محفوظ رہیں اسلئے معجزے میں قرآن حکیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ !

۹۔ قرآن راز فطرت ہے۔ اس سے پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم نے دین کامل پیش کیا ہے جو تمام زمانوں کے لئے اقدام اقام کے لئے پسندیدہ دین ہے اس کے اصول ناقابل تغیر ہیں وہ اقوام ہے اور معجزہ ہے، وہ ایسے معانی اور ایسی عبارات پر مشتمل ہے کہ اس جیسی کوئی کتاب پیش نہیں کی جاسکتی۔۔۔۔۔ لیکن قرآنی تعلیمات کا ایک دستاویز پہلو یہ بھی ہے کہ وہ فطرت انسانی کے جن مطابق ہیں۔ کوئی اصول ایسا نہیں ہے جو ناقابل عمل ہو، قرآن کا دعوئی ہے کہ اس نے فطری تعلیمات چلی کی ہیں۔ اس نے ہر امکانات دیئے ہیں وہ نہایت متوازن، قابل عمل اور عام انسانوں کی صلاحیتوں کے مطابق ہیں لا یكلف اللہ نفساً الا و شعراً۔ اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کی استطاعت اور ہدایت کے مطابق ہی تکلیف دیتا ہے۔ بڑے بڑے نانا غلوں کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن مجید کا کوئی حکم ایسا نہیں جو مستعمل نہ ہو یا حکمت سے خالی ہو۔ انسانی علم و تجربہ کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ، قرآنی احکام کی حکمت، گہرائی اور انسانی معاشرے کے لئے ان کی افادیت واضح تر ہوتی جاتی ہے۔



آزمودہ دواؤں کا مرکب انسالجین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Spartan

۵۱/۵۵

صحابہ کرام للہ مولانا مودودی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مقالہ :-

”خلافت راشدہ سے ملکیت تک“

محض مولانا طیف احمد عثمانی نے ”براء عثمانی“ کے عنوان سے تنقید فرمائی تھی، یہ کتاب جب ”فانان“ میں تبصرے کے لئے آئی تو اس پر تمام اطراف نے تبصرہ کیا، جسے ”فانان“ کے دینی ادارے ”فرینڈز پبلیکیشنز“ نے کتابی صورت میں چھاپا۔ اللہ ایک دو جہیلوں میں بھی اس کو نقل کیا گیا، اس طرح اس تبصرے کی خاصی اہمیت برقی اللہ تعالیٰ علی دینی حلقوں میں اسے ڈپٹی کے ساتھ پڑھا گیا۔

”فانان“ کے ہمارے صفحات اس کے گماہ میں کہ ہم نے نقد تبصرہ میں اپنی دانست اور ذوق و معلومات کی حد تک کسی کے ساتھ کیا دینی نہیں کی، کتاب کی کما حقہ اور ان کی کمر دیاں یہ دونوں نسخہ ہم پیش کر دیتے ہیں، وہ جسکی شاعر نے کہا ہے :-

”آئینہ اپنی لطافت کی سزا پاتا ہے“

تو اپنے ذوق تنقید کی بدولت ہمیں بھی بعض اہل قسم اشعاروں کے عتاب و غضب کا نشانہ بننا پڑا ہے، مگر ہمیں اپنے کسی ناتر سے شکایت نہیں ہے، جب ہم دوسروں پر تنقید کرتے ہیں، تو خود ہماری تنقید و احتساب سے کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔

”براء عثمانی“ پر ”فانان“ میں جو خاصہ طبعی تبصرہ ہوا تھا اس پر اس کتاب کے فاضل صفت (مولانا طیف احمد عثمانی) کے صاحبزادے جناب قمر احمد عثمانی نے تنقید فرمائی جو بہت رذیلہ، شہابی کی تین اشعاروں (اردو، انگلیش، اردو) پر مبنی، اللہ اکبر! (میں چھپ کر منظر عام پر آئی ہے۔

قمر احمد عثمانی صاحب کی شخصیت کا اس اعتبار سے تعارف ضروری ہے کہ صاحب کا وصف نے عائلی قوانین کی تائید میں سرکاری نقطہ نگاہ کی تمجید اور تفریق کرتے ہوئے، ایک کتاب لکھی جسے ان کی ایک خاتون عزیزہ کھانا میں چھپوایا گیا، تمہو صاحب کے بڑے بھائی عمر احمد صاحب عثمانی برسر سے فتنہ، اکابر، سنت کے دست و پاؤں سے ہوتے ہیں، اہل بیباکیتیں سال ہوتے حضرت مولانا طیف احمد عثمانی نے خاک رو کو لکھا تھا کہ... بریلوی عمر احمد عثمانی کا غلام احمد پور سے اختلاف ہو گیا ہے، اب ان کے دو خیالات نہیں رہے، آپ اپنے رسالہ میں اس واقعہ کا ذکر فرمادیں۔ میں نے مولانا مودودی کی خدمت میں عرض کیا کہ اس اختلاف کی مجھے بھی اطلاع ملی ہے، مگر سنا گیا ہے کہ یہ اختلاف انتظامی اور مالی معاملات سے متعلق رکھتا ہے اگر عمر احمد صاحب کے عقائد و خیالات میں تبدیلی آگئی ہے تو ان کی تحسیر بھیجیائے، ”فانان“ میں اسے شائع کر دیا جائے گا اس کے جواب میں مولانا محترم نے سکرت اختیار فرمایا۔

قمر احمد عثمانی صاحب کی تنقید کا تیسرا پرکاش مندرجہ ذیل ہے :-

”کچھ دن ہوتے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے مصلحہ ”تبیان القرآن“ میں ایک طویل مقالہ منقولہ سے ملکیت تک لکھا تھا، جس میں دینی حلقوں میں کافی رعب مچا رہا، اس مضمون کے اندر تقریر اعلیٰ سربراہی سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مودودی بھی دوسرے غیر ذمہ دار اہل مسلم کی طرح ”مشت جلات“ صحابہ کے موصوف کی طہارت کو پسند نہیں رکھ سکے، لہذا ان کے رشتہات قسم سے ان لوگوں کی تصدیق و انون پر تنقید و طاعت کا ایسے چھینٹے پڑ گئے ہیں، جنہیں دکھانے کے لیے سیاہ داغ بنا کر بھی دکھائے گئے ہیں۔

مولانا مودودی نے اس موصوف پر جو مضامین لکھے ہیں، آج کے دیانت دار دانش ور اور اہل قسم مفلحت کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے، غالباً ان میں کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے گا کہ مولانا مودودی اس موصوف کی طہارت کو پسند نہیں رکھ سکے، یا انہوں نے صحابہ کو ائمہ پر (معاذ اللہ) طاعت کہے، اب یہ ہے باطن لوگ جو ہمیں سے بہتر چھینٹ کر سیاہ داغ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں، سوائے لوگوں کی ہذا طعن اور حق پسندی کے خوف سے مخالف کو قریب چھپایا جاسکتا، اس مزاج و ذہنیت کے افراد نے کتاب اللہ اور احادیث نبویؐ تک سے اپنے ناپاک مقاصد کی اشاعت کا کام لیا ہے۔

مولانا مودودی نے حضرت سیدنا عثمان غفرلہ عنہ کے دور خلافت کے بعض اہم خطبات کو تکیہ موصوف پر گفتگو کیا ہے، مگر ان کے جہنمہ احترام کا یہ حال ہے کہ لکھتے ہیں:-

”سیدنا عثمان غفرلہ عنہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اقربا کے معاملے میں جو طرز عمل اختیار فرمایا، اس کے متعلق میرے دہم گمان میں بھی یہ شبہ نہیں آیا کہ معاذ اللہ وہ کسی بدینی پرستی سے ایمان لانے سے ان کی شہادت تک ان کی ہلاکت زندگی اس کی گواہی دیتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس ترین صحابوں میں سے تھے، دین حق کے لئے ان کی قربانیاں، ان کی نہایت پاکیزہ اخلاق اور ان کے تقویٰ و طہارت کو دیکھ کر آخر کو ان صاحبِ عاقل و گمان کر سکتا ہے کہ اس سیرت و کردار کا انسان بدینی کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کر سکتا ہے جسے ہر جگہ کی سیاسی اصطلاح میں ”نپوش لڑائی“ (NEPOTISM) کہا جاتا ہے۔ دراصل ان کے طرز عمل کی بنیاد دینی تھی جو انہوں نے خوب بیان فرمائی ہے، وہ یہ کہ انہیں صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے، اس کا تقاضا اسی طرح پورا ہو سکتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کرنا، یہی آدمی کے اختیار میں ہوا، وہ اس سے دریغ نہ کرے، یہ نیت کی نہیں رائے کی غلطی ہے، یا بالفاظ دیگر اجتناب دینی غلطی تھی۔“

مولانا مودودی کی تحسید کا یہ انتہا پس پڑھ کر جو کوئی ان پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امانت یا ان کو مجروح کرنے کا الزام لگاتا ہے، وہ یا تو پورے درجہ کا کورن ہے یا مولانا مودودی کی ذات سے تشبیہ کر رکھتا ہے اور انہیں بدنام کرنے کے لئے اس قسم کی غلط نہیاں لوگوں میں پھیلاتا ہے۔

کسی صحابی بلکہ خلیفہ راشد تک کی رائے اللہ شہ کی غلطی کا اظہار اور اس کی نشان دہی، دینی نقطہ نگاہ سے بے دینی یا گناہ کی بات نہیں ہے، کوئی اہل قسم حضرت سیدنا علیؑ رحمہ اللہ جہ تک کے بارے میں اس انداز میں اظہار رائے کر سکتا ہے کہ کبھی کبھار حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کی پسندیدگی و مصلحت اور تدبیر رائے کے کارنامہ پر غلبہ آجاتی تھی اس قسم کی جنسا طوائف نے جو کچھ اپنی تائید میں ناہنجی حقائق و شواہد رکھتے ہیں، امانت کا لازم نہیں لگایا جاسکتا۔

یہ تو نا جمیوں کا جہنم اور منافقوں کا عقیدہ اور مسلک ہے کہ یہ لوگ صحابہ کرام کی لغزشوں اور غلطیوں سے کفر و ضلالت منسوب کرتے ہیں مولانا مودودی ان میں سے کسی گروہ سے دور کا بھی کوئی تعلق اور مماثلت نہیں رکھتے، انہوں نے اپنی کتابوں میں متعدد صحابہ کرام کے مسلک اور اقوال سے استناد کیا ہے اور ان کی تصنیفات اور تحسیر میں پڑھ کر کوئی شخص صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بدگمان نہیں ہو سکتا، بلکہ ان کی کتاب میں صحابہ کرام کے بارے میں عقیدت و محبت اور حسن ظن کا جملہ پیداکرتی ہیں۔

فاسقانہ دے مولانا مودودی کی تحسیر کا اقتباس درج کر کے لکھا ہے ۔

”نہ معلوم آپ جس سال کے بعد کیا انقلاب رونما ہوا کہ خود مولانا مودودی کا قلم تاریخ کی اسی سیاحت سے حضرت عثمانؓ کی جیسے اصحاب کبار کی سیرت کو داغدار بنانے کے لئے بے باک ہو گیا ہے، اسی وقت فاسقانہ بھی اسی مسلک کی تائید ہمنوائی میں ایک مدت سے درخوشم صوفیہ کہہ رہے ہیں.....“

مولانا مودودی پر یہ جہمت ہے کہ حضرت عثمانؓ کی سیرت کو داغدار بنانے کے لئے ان کا قلم بے باک ہو گیا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دوستوں کے چند اضطرابات کے ذکر کر دینے کے پیش پرگز نہیں ہیں کہ ان کی سیرت ہی سرے سے داغدار ہو گئی، مولانا مودودی نے جس سال پہلے تاریخی روایتوں کے ضمن میں صحابہ کرام کے بارے میں جو اصولی بات بیان کی ہے، وہ اس پر آپ بھی عمل پیرا ہیں یعنی روایت عثمانی کے بعض اضطرابات کی واقعیت تسلیم کر لینے کے بعد بھی انہوں نے محض مودودیہ انداز نگاہ کی حیثیت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نیت پر کسی شبہ تک کا اظہار نہیں کیا، بلکہ آپ کی سیرت اصفندی میں نفوذی و دھارت کا اعتراف کیا ہے !

مولانا مودودی نے ہجر عثمانی کی بعض تاریخی روایات کو نقل کر دینے کے بعد بھی بے باک مودودیہ کی طرح حضرت عثمان کی نیت اوصیت و مکتبہ پر صریح تنقید نہیں کی، بلکہ ان سے لطافت و نفوذی کو منسوب کیا ہے، یہ دلیل ہے اس احترام و عقیدت کی جو مولانا مودودی تمام صحابہ کرام سے اور خاص طور سے کبار صحابہ سے رکھتے ہیں، تاہم ان کا برا اقتباس تمام صاحب منہ اپنے مقالہ میں درج فرمایا ہے اس کی یہ حیثیت ہے، جیسے کوئی کہے کہ تفسیر و حدیث بعض انبیاء کرام کے بارے میں جو غلط سلسلہ ذمیرہ روایات ملتا ہے، صرف اس کو ماننے رکھ کر انبیاء کرام کی مقدس سیرتوں کے باب میں کوئی رائے قائم نہیں کرنی چاہئے ۔

”صحابہ سے اظہار اختلاف اہل ان پر عرف گیری کا حق صرف حضرات صحابہ کو حاصل ہے، کسی غیر صحابی کو یہ جہالت نہیں کرنی چاہئے“
مولانا عثمانی صاحب نے یہ بات ٹھیک کہی ہے، ہم کہہ رہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی سیرت پر عرف گیری اہل ان کی رائے سے خواہ خواہ اختلاف، یہ مزاج ہی کسی مسلمان کا نہیں ہونا چاہئے، اگرچہ مسلمانوں میں خود صحابہ کرام کے صحابان اختلاف ہو، اس صورت میں غیر صحابی جس حکام کو اہل ان ماننے لگے، کسی ایک یا چند صحابی کے اقرب الی الحق قول کو لے سکتا ہے اور دوسرے یا چند صحابہ کے قول کو ٹھک کر یا سکتا ہے، اہم صحابیت کے موضوع پر آگے میں کو گفتگو کریں گے۔

”صحابی نہیں ہے ۔“

اگر سادی عدالت اور حفظ و ضبط میں شہرہ ہو، لیکن فقہ میں نہ ہو، جیسے ابویہ، انس بن مالک، قراباگ

ان کی حدیث تیس کے مطابق ہو تو اب اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر مخالفت ہو تو صرف دنا (حدیث) چھوڑ دی جائے گی ۔

اب اگر کوئی اس پر اعتراض وارد کرے کہ غیر صحابی کو صحابی کے بارے میں یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ ان صحابی ”فقہ“ ہیں ثبوت یا دوسرے کبار صحابہ کی طرح تفقہ نہیں رکھتا ۔ تو یہ اعتراض بدلتے اعتراض ہے، صحابہ کرام کے کیا وجوہات ہیں، اس کا تعین کتاب و سنت اور خود اقوال صحابہ کی روشنی میں غیر صحابی اپنے کہ اور ابابہ رائے نہ لے کر ہے، اہل ان کا کہنا صحابہ کے مقابل میں ناقص جہالت نہیں ہے ۔

اہل غنیمت کی تقسیم کے ذمت بعض انصار نے کہا ۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محمدؐ مہکھا، حالانکہ ہماری قوم ان سے اب تک درختیں کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں، بعض بڑے مشکلات میں ہماری یا دہرتی ہے اور غنیمت (اللہ کو ملتی ہے)“ (سیرت النبی جلد اول)
انصار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، ان کے میں غل پر غیر صحابی بھی اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے اور کہنا چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں ان کا یہ اعتراض کہ طرح و دست نہ تھا اور اس میں ہوائے نفس شامل نہ تھی، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظمیٰ، کہ ان کو معاف کر دیا گیا، ورنہ یہ الفاظ غضب الہی کا سبب بن سکتے تھے ؟

واقعہ انکس میں حضرت سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو تہمت لگا دی تھی، امداد میں بعض صحابی تک مبتلا ہو گئے تھے، ان کے اس خاص فعل کو بغیر صحابی نام لپیٹ دیا ہی سمجھ لیا کہ یہ تو اہل بیت کا - علم کلام ہے کہ مثلاً قرآن پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کے سہر و انحرش کا جو ذکر آیا ہے اس کے باسیں اہل بیت نے "صحت و عظمت انبیاء" کا یہ عقیدہ تراثاً ہے کہ اللہ تعالیٰ تو کہہ سکتا ہے کہ حضرت آدم سے انحرش ہوئی، مگر ہم ایسا نہیں کہہ سکتے، یا اللہ تعالیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتا سکتا ہے کہ اسے نبی! در تمام منافقین کا لہجہ علم ہم رکھتے ہیں، تم نہیں رکھتے، مگر یہ بات اسی نہیں کہ کہنے کو منافقین کا دلچسپ لہجہ علم اللہ تعالیٰ کو تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھا۔

باقسم اطراف نے اپنے مضمون میں لکھا تھا :-

"حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے نزدیک محترم و مکرم ہیں، ان کے تدمول کی دھول بھی ہم جیسوں پر پڑ جاتے تو ہم پاک ہو جاتیں، لیکن جب ان کی سیرت کا ذکر ہوگا تو مال و اسباب اللہ تعالیٰ و مال کے باسیں جو وہ نفسیہ رکھتے تھے، اس پر ضرور تنقید کی جائے گی کہ اس سلسلے میں وہ بہت زیادہ تشدد و انتہا نہیں لے سکتے، امداد کے اس نظریہ کے ساتھ دنیا کا کاروبار چلنا مشکل ہے"

اس پر محمد امجد عثمانی صاحب نقد و جرح فرماتے ہوئے، لکھتے ہیں :-

"مدال ابوذر غفاری چاہتے تھے کہ عام مسلمان بالخصوص حضرات صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اختیار کریں کہ کوئی ذریعہ ہونے کی کویت ہوئے آئے اندر دست سے زیادہ جو بھی ہو اللہ کی راہ میں خرچ کویں، ان کے برخلاف دوسرے صحابہ کا خیال تھا کہ کوئی ادا کرتے ہوئے مال جو کہنے میں کوئی قیامت نہیں، جو ہر دستانے اس فقری کو اختیار کیا مگر ہر دستانے حضرت ابوذر غفاری کے مسک کر اپنا مال ادا کرنا صحابہ کے مسک کر اپنا اختیار نہیں کیا وہ مسلمان کی عظمت کے قائل تھے۔"

حالانکہ صہبائے کرام میں خاصی تعداد ایسے حضرات کی گندی ہے جو تفرہ کی زندگی بسر کرتے تھے مثلاً پیروں کے پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے، تیمتی لباس زیب تن فرماتے تھے!

اس سلسلے میں تہذیب انشا عشریہ (صفحہ ۵۵) کا اقتباس زیر میں دیکھ کر دیکھتے ہیں :-

"اسی اثنا میں عبدالرحمن بن عوف نے دعوت فرمائی، جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے، اہمیت سال مال ترک کر دیں، یہاں تک کہ قرض دینیوں و عقیب جاری کرنے کے بعد جب ان کا ترکہ تقسیم ہوا تو ان کے مال کا اٹھواں حصہ ان چار عورتوں کو پہنچا تو ان میں ایک عورت کے حصہ میں ۱۰۰ نیرا دیکھ آئے... ٹھٹھے باز لوگوں نے اللہ سے ان عبدالرحمن کا حال بیان کیا، ان کے مزاج میں اس معاملہ میں چونکہ سخت گھر کر چکی تھی، اس لئے پیغمبر علیہ السلام کی بنا مت سے بغضت برتنے ہوئے ان کے دوزخی ہونے کا حکم لگا بیٹھے، جو نص کے صاف مخالفت تھا، کعب اسرار... . . ان سے کہنے لگے کہ اے ابوذر! بالاجماع ثابت ہے کہ ملت خبیثہ آسان ترین مذہب ہے اللہ صرب مال نوچ کر گناہ پیچھا کر دیتا ہے، یہ بھی واجب نہیں ہے، جو رب کے زیادہ تنگ و سخت مذہب ہے۔ تو ملت خبیثہ میں کس طرح واجب ہوگا مذہبات سمجھ کر، ابوذر اپنی حدت مزاج کے باعث غصہ سے لال پیلے ہو گئے، اور لڑنے اسے بہرہ کی آواز دے کر ان سے کہنے لگا کہ ابوذر! اسٹی انٹائی انڈا کعب اچھا رکھنا چاہا، کعب یہاں سے بھاگ نکلے یہاں تک کہ عثمان کی مشیت تک پہنچے اند کعب اسرار نے حضرت عثمان کی پیٹھ کے پیچھے پناہ لی۔ ابوذر نے کوئی پہلا نہ کی اور ابوذر انداز لگائی

چونکہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے ہاؤں پر بھی لاشوں کی چھٹ آئی، جب حضرت عثمانؓ نے یہ حالت دیکھی تو اپنے
فلانوں کو حکم دیا کہ کتبہ کو الوند سے لگائی، کیونکہ وہ پھلاں اور بے قدر ہو گئے ہیں، مبادا بے جگہ ضرب لگائیں
اور وہ ان کی موت کا سبب بن جائے۔ (اصول فقہ جلد ۵)

دو جہات میں اہل حرف نے عرض کیا تھا کہ اس مسئلہ میں حضرت ابوذر غفاریؓ — رضی اللہ عنہ بہت زیادہ شدیداً اللہ تعالیٰ سے لڑتے ہیں۔
لہذا یہودی تائب منہ بعد بالآفتاب سے ہو کر ہے، ہماری بالکل بے ضرر دلائل سے اس پر بھی، قرآن مجید سے تنبیہ کی گئی ہے۔
نکھناتاً عشرہ میں حضرت ابوذر غفاریؓ رضی اللہ عنہ علیہ کی اس خاص مسئلہ میں شدت خارج پر تنبیہ بھی کی گئی ہے اور حضرت ابوذرؓ نے جو اٹھا
کتاب آج ابادہ حضرت عبدالرحمنؓ ابن عوفؓ کے ہاں سے استعمال کئے ہیں اس کا سبب وہ بشری ذہول ہے، جس میں یہ بھی لکھا کہ کوئی صحابی رسولؐ بھی بدت
ہو جاتا تھا لیکن اس کے باوجود صحابہ کرامؓ قابل احترام ہیں اور ہمارے عقیدہ میں۔

دائم اہل حرف نے حضرت مولانا غلام احمد عثمانیؒ منظرہ کی کتاب "برکۃ عثمانؓ" پر جو تبصرہ کیا تھا اس میں لکھا تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ
نے حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی..... !
اس پر قرآن عثمانی صاحب نے جن کے نام کے ساتھ "شہاب" میں مولانا لکھا گیا ہے، گفت فرمائی ہے، لکھتے ہیں:۔

"میرے زمان کی حملات کے لئے عرض ہے کہ یہاں حضرت عمرؓ سے بیعت نہ کرنے کا ذکر اس خط ہے، کیونکہ حضرت سعد
نے حضرت عمرؓ کا عہد خلافت پایا ہی نہیں، وہ قادیان کی خلافت ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ (مگر جو معلومات
اردو ترجموں کے ذریعہ حاصل کئے جاتے ہیں، ان کے ساتھ یہ بھی ہمارے ہیں)....."

حیرت ہے کہ قلم صاحب نے عربی دلی کے ترجمہ کے باوجود ایسی غلط بات کس طرح کہہ دی انہیں اس کا خیال بھی نہیں آیا کہ ان کی تنبیہ کے بعد اہل عربی
کی اصل تاریخ میں اس واقعہ کو دیکھیں گے تو ان کی تنقید کی قسطیں کھل جائیں گی، پھر اصل بحث یہ تھی کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے تنہا حضرت صدیق اکبرؓ کی
بیعت نہیں کی یا حضرت صدیقؓ نے حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے اعراض کیا یا نہ، ہر حال ان کا یہ فیصلہ ناپسندیدہ سمجھا گیا۔

سبکچاپ: الاستیعاب فی معرفۃ الصحابہ کا آفتاب ناظر فرمائیے۔

"وتختلف بعد ابن عباس عن بیعة ابي بكر المصدي رضي الله عنه وخرج من المدينة ولم
ينصت اليها الى ان مات بجر دان من رض الشام سنتين ونصف مضى من خلافة عمر
وذلك منه خمس عشق وقيل منه اسبوع عشق ا قيل بل مات سعد ابن عبادہ في خلافة
ابي بكر رضي الله عنه سنة احدى عشق (ص ۵۵۵، جلد دوم)

ترجمہ: اور سعد بن عباسؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بیعت نہیں کی اور وہ مدینہ سے چلے گئے اور پھر مدینہ واپس آئے یہاں تک کہ حملات میں ہواض شام
میں واقعہ ہے رفات پائے، یعنی حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دھاتی سال گزرنے کے بعد اور یہ خطبہ کا واقعہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ سترہ جوی کا واقعہ
ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں مدینہ میں وفات پائی اس کے بعد اسد اللہ ہے۔ کا آفتاب سے پڑھئے۔

"فلم يبايع سعد ابى بكر ولا عمر وسار الى الشام فاما بجر دان الى ان مات سنة خمس

عشق وقيل منه اسبوع عشق وقيل مات سنة احدى عشق (ص ۵۵۵، جلد دوم)

ترجمہ: اور سعد بن عبادہؓ نے ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی اور نہ عمرؓ کی وصیت کی اور وہ شام کی طرف چلے گئے اور حملات میں قیام کیا یہاں تک کہ سترہ جوی
وفات پائی اور کہا جاتا ہے سترہ جوی میں اور کہا جاتا ہے کہ سترہ جوی میں۔

تاریخ کی دونوں کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بیعت نہیں کی، اسناد العبادہ کے مصنف نے تاریخی رفاہوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "قلہ یبایع سعدا ہا یکس ولا عس" یعنی سعد نے نہ ابوبکرؓ کی بیعت کی اور نہ عمرؓ کی، ۱۲ دونوں نے حضرت مسیح کی وفات کا سنہ ۱۰ ہجری لکھا ہے، اہل قیل کے ساتھ ساتھ ۱۰ ہجری جو لکھا گیا ہے وہ بھی حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کا چھ مہینہ قبل ہے، ان افسوس "قیل" کے ساتھ البتہ ۱۰ لکھا ہوا ملتا ہے، قمر احمد عثمانی صاحب کی دیانت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے "قیل" کے جہول اور کردار انداز بیان کا اپنی تنقید پر ہمانہ لیا ہے۔ ہر مضمون نگار کو تحقیق کے ساتھ ہی بات لکھنی چاہئے، کسی مضمون نگار کے کسی ناقص حال یا سوء حافظہ کے سبب لکھنے میں کوتاہی بھی ہو سکتی ہے مگر جب اس پر کئی شخص نقد و احتساب کرے گا ادیب کہے گا، فلاں واقعہ مضمون نگار نے غلط لکھا ہے تو اس تنقید کو مبرا اختیار کرے مستند اور ذہنی ہونا چاہئے افسوس ہے کہ قمر احمد عثمانی صاحب نے غیر مستند اور بے وزن بات کہی ان کو چاہئے کہ سنہ ۱۰ ہجری ذی قعدہ وادی اور تحقیق کے ساتھ ثبات کہا کریں ورنہ اہل علم ان کی تفسیروں کو ہلکا اور بے وزن سمجھیں گے۔

خاک رنے تبصرے میں لکھا تھا۔

"حکیم کے سلسلہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ حضرت عمرو بن العاصؓ نے جو معاملہ کیا، اس کی جو کوئی تدبیر کرے گا مریخی غلطی کا اندکاب کرے گا۔"

قمر احمد عثمانی صاحب اس پر تنقید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"... اس تمام واقعہ میں قابل غم بات یہ ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے وعدہ نہیں کیا تھا اگر وہ حضرت علیؓ کو معزول کر دیں گے تو جواب میں وہ بھی امیر معاویہؓ کو بطرف کرنے پر آمادہ ہیں اس کے علاوہ دونوں کی معزولی کا مشورہ بھی انہوں نے پیش نہیں کیا تھا، یہ تجویز ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف سے پیش کی گئی تھی اور انہوں نے عمرو بن العاصؓ کے عرض یہ کہ "وینے سے تو پھر آپ اس کا اعلان کر دیں" اور خود یہ یاد کر لیا کہ عمرو بن العاصؓ بھی حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے پر آمادہ ہیں، ان کی اس غلط فہمی یا سوء دلی کا الزام عمرو بن العاصؓ پر عائد نہیں کیا جاسکتا۔"

فاضل ناننگی اس تحریر میں سب سے زیادہ قابل غم بات یہ ہے کہ انہوں نے صحابی رسولؐ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ رضی اللہ عنہ سے "سادہ لوحی اور غلط فہمی منسوب کی ہے حالانکہ وہ خود بھی یہ اصول اور عقیدہ بیان کر چکے ہیں کہ غیر صحابی، صحابی رسولؐ پر تنقید کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

واقعہ حکیم کے سلسلہ میں "الکامل ابن اثیر (جلد دوم ص ۱۱۱) کے متن کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"پھر عمرو بن العاصؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھا بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے، انہوں نے جواب دیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم ان دونوں کو معزول کر دیں اور پھر اس بات کو شمشہر پہنچیں کہ مسلمان جس کو چاہیں گے خود اپنا خلیفہ منتخب کر لیں گے، تو عمرو بن العاصؓ نے کہا جو تمہاری رائے ہے وہی میری رائے ہے، تم ان دونوں کو لوگوں کے سامنے پیش کرو جو اس وقت جمع ہیں، پھر عمرو بن العاصؓ نے کہا اسے ابو موسیٰ ان لوگوں کو بتاؤ کہ ہمارا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے تو ابو موسیٰ نے لوگوں کو بتایا کہ ہماری رائے اس پر متفق ہے اور ہم خط سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اس میں اُمت کے لئے بہتری کی صورت نکالے، اس کی خبر نے بھی تصدیق کر دی اور پھر کہا ابو موسیٰ اپنی بات شروع کرو، ابو موسیٰ آگے بڑھے تو عبداللہ بن عباسؓ نے ان سے کہا: ارے! مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تمہیں دھوکہ دیا گیا ہے، کیونکہ اگر تم دونوں کا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے تو پھر عمرو کو تم مقدم کرنا کہ تم سے پہلے معزول کرنے کے سلسلہ میں اعلان کریں، ان کے بعد پھر تم اعلان کرو، کیونکہ وہ دھوکہ باز آدمی ہے لہذا مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ رضامند ہو جائے کیونکہ جب تم کھڑے

ہو گئے زاد اعلان کر دئے تو وہ تمہاری مخالفت کرے گا، انداز ہوئی سادہ لوح (مغفل) تھے۔ اس پر ابو موسیٰ نے کہا کہ ہم نے اس پر اتفاق داتے کر لیا ہے۔ اللہ پھر لوگوں کے سامنے اعلان کر دیا، کہ لوگو! ہم نے امت کے اس مسند میں بہت نفوذ رکھا، اس امت کے لئے سب سے نیا وہ بہتر و مفید اور اس امت کی بہت فی کاسب سے عمدہ حل بھی ہے جس پر میری اور عمرو کی رائے متفق ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم علی اور معاویہ دونوں کو معزول کر دیں اور پھر حوام بن کو چاہیں اپنی پسند سے خلیفہ منتخب کر لیں۔ چنانچہ میں علی اور معاویہ دونوں کو معزول کر دیا، اب تم اپنے اس مسند کو خود سنبھالو اور میں کو بھی اپنی بھرو ا سے اپنا خلیفہ بنا لو۔ اس کے بعد ابو موسیٰ پیچھے ہٹ گئے، اور عمرو رائے اللہ کھڑے ہو کر فرمایا، انہوں نے جو کچھ کہا آپ لوگوں نے سنا انہوں نے اپنے آدمی (یعنی علی) کو معزول کر دیا ہے اور میں بھی ان کے آدمی کو معزول کرنا ہوں جیسا کہ انہوں نے معزول کیا ہے اور اب میں اپنے آدمی معاویہ کو کھڑا کر دیتا ہوں، اس لئے کہ ابن عفان نے ان کو دالی پناہ دیا تھا اور وہ ان کے خون کے قطرہ بدایں اللہ ان کے سب سے زیادہ حقدار قائم مقام ہیں۔ اس پر سعد نے کہا اے ابو موسیٰ! تم عمرو کے فریب میں کیسے گئے، اور اُس کے مقابلہ میں کمزور کیسے ہو گئے، ابو موسیٰ نے جواب میں کہا میں کیا کرنا انہوں نے ایک بات پر مجھ سے اتفاق کر لیا اور پھر اُس سے پھر گئے۔۔۔۔۔

تو احوال صاحب نے واقعہ تکبیر کے سلسلہ میں حضرت عمرو بن العاص کی تعزیر و عافیت کی جو کوشش کی تھی وہ کہتی ہے اصل ثابت ہوتا اسلام اطوار نے اس سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا تھا اس کی تصدیق ہو گئی۔

میں نے اپنے قصے میں لکھا تھا۔

حضرت عثمان کے وقت کی تعزیر کرتے کرتے خود فاضل مصنف (مولانا طغلا احمد عثمانی) ان روایتوں کو درج کر گئے ہیں جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ حضرت علی کریم اللہ وہ کائنات کا مرفوعہ جڑا ہے۔

اس کے جواب میں عثمانی صاحب نے "رأۃ عثمان" کی عبارت نقل کی ہے۔

"اگر حضرت علی ان ہدایتوں کی پذیرش کو مضبوط نہ کرتے ہوتے قتل عثمان کے ہائی تھے، بلکہ خلافت کا منصب سنبھالتے ہی مسلمانوں سے پس کرتے کہ ان ہدایتوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہئے تو حضرت طلحہ و زبیر اور حضرت معاویہ کو مطالبہ دم عثمان کے لئے راست اقدام کی تربت نہ آتی۔"

بہارات کو درج کرنے کے بعد، صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ۔

"مہدی مسجد میں نہیں آتا کہ اس ہدی عبارت میں کون سی بات غلط ہے اور کس جملہ سے حضرت علی کی تعزیر کا پہلو نکلتا ہے۔"

مولانا طغلا احمد عثمانی کے اس جملہ سے۔

"اگر حضرت علی ان ہدایتوں کی پذیرش مضبوط نہ کرتے، ہوتے قتل عثمان کے ہائی تھے۔۔۔۔۔"

رہت علی کے "موقف" پر کوئی حرف نہیں آتا!

میرزا محمد رضی اللہ عنہ کے بارے میں مولانا طغلا احمد صاحب عثمانی نے اپنی کتاب (رأۃ عثمان) میں یہ لکھا تھا۔

ابن عباس کہ: "وہ نے حضرت شہید (عمرہ) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حضرت عمر کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوئی

جب تک قریش اُن سے اُگتا نہ گئے، انہوں نے قریش کے (مہاجرین) کو مدینہ میں محصور کر دیا تھا۔ اس کی تعدیل و ممانعت یا تاویل کی جوت قراسم صاحب ہیں کہنے! ہم نے اپنے بصرے میں یہ لکھا تھا کہ :-

”حضرت عثمان غنیؓ کے دلِ خلافت کے سلسلہ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی رعایتوں کو نقل کیا ہے، اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے بارے میں مولانا غلام احمد عثمانی نے بھی رعایتوں کو دوسرا لکھا ہے اس صورت میں رعایات کے نقل و اعادہ سے ”نقد و جرح“ کی ہر صورت پیش آتی ہے اس میں دلفن بزرگوں کا ایک ہی موقف ہے“

۱۱۔ بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ مولانا غلام احمد عثمانی نے بھی ایسی رعایتوں کو اپنی کتاب میں دہرایا ہے جو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے موقف کے بارے میں ”نقد و جرح“ کی کیفیت پیش کرتی ہیں اگر کیا کرنا گاہ ہے، تو۔

۱۲۔ اس گناہیت کہ دہر شمشاد نیرکنند۔ اگر یہ جرم ہے۔

تو اس طرح حضرت مولانا غلام احمد عثمانی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ایک ہی جیسے جرم کے مجرم ثابت ہوتے ہیں!

قراسم عثمانی صاحب کی تنقید ان حملوں پر ختم ہوتی ہے :-

حق و باطل

”مضرت صاحبہ طویل ہو گیا ہے، اب ہم اس کو کس دھار پر تم کہیں کہ کاش! مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ہر ناباب باہر اقلادری انسان کے ہم غیریل حضرات اس خون کے مٹانہ سے اس حقیقت کو سمجھ سکیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان پیش آنے والے واقعات و اختلافات میں نسبت حق و باطل کی نہیں درج و درج جرح کی ہے اور یہ کہ مشاجرات و محابہ کا موضوع جرح کے بجائے تعدیل کا مستحق ہے“

یہ تو عجیب و غریب انکشاف ہے کہ جس وقت عین کی بگلیں ”درج و جرح“ مرقفہ ہوئی ہیں! ان بگلوں میں صواب و مہار و باطل غلط اور صحیح اور حق و باطل کی سرے سے کوئی نسبت ہی نہ تھی! حالانکہ اہل سنہ و الجماعت کے ہر دکان مسک یہ ہے کہ حمل و معینہ اور علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے درمیان آپدیش ”حق“ علی و کریم اللہ دھم کے ساتھ تھا۔ اسی اپنے مضامین میں ہی موقف مولانا مودودی نے اختیار کیا ہے۔

نقد حنفی کی معروف ترین کتاب ”ہدایہ“ میں واضح طور پر لکھا ہے :-

در مجوز استقلال من السلطان ایما تو، کما یجوز من العادل، لان الصحابة تقلد دامن معاویہ الحق کان پیدا علی فی فوبتہ“

دیگر جائز ہے، قاضی بنانا سلطان چاہر کی طرف سے، جس طرح جائز ہے، عادل کی طرف سے، کیونکہ معاویہ، معاویہ کی طرف سے قاضی مقصد ہوتے اور حق حضرت علیؓ کے ساتھ میں تھا

علامہ مرفیانی صاحب ہدایہ نے اس عبارت میں حضرت امیر معاویہؓ کو ”سلطان جائز“ کہا ہے اور حضرت علیؓ کو ”حق پرمانا“ ہے ظاہر ہے کہ علیؓ حق پر تھے تو ان کا مخالف ”نافق“ پر تھا۔ ہمارے نظر سے آج تک کوئی ایسی تحقیر نظر نہیں گزری جس میں صاحب ہدایہ پر توہین صاحبہ کا الزام لگایا گیا ہو، یہ کتاب (ہدایہ) اس عبارت کے ساتھ صدیوں سے عربی و فارسی کے درس میں پڑھائی جا رہی ہے، اگر صاحبی رسولؐ کے کسی شخص پر تنقید گناہ ہوتی، تو فقہ حنفی کے اتنے بڑے امام اس میں طوط نہ ہر جانتے اسرار ان سے یہ فعل سستہ ہو گیا تھا تو دوسرے علماء ممان پر نقد و احتساب ضرور کرتے۔

قراسم عثمانی صاحب نے اپنی تنقید میں صاحب ہدایہ کے قول سے اختلاف کرتے ہوئے ہمیں بات کہی ہے کہ امیر معاویہؓ کے بارے میں امام اعظم کا یہ مسلک نہ تھا انہیں امام موصوف کا قول نقل کرنا تھا، پھر انہوں نے اس سے زیادہ ہم بحث ”ارجاء“ کی پھیل دیا ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہما عمل صالحہ کو اسلام کی روح سمجھتے ہیں مگر عمل کو ایمان کی لازمی شرط قرار نہیں دیتے، اس سے حنفی اکابر کو دھوکا ہوا کہ ”موجزہ“ مسلک کہتے تھے، حالانکہ نقد حنفی

اور میں اس مسلک کی تردید کرتی تھی ہے اور صحابہ کرام کے توفیق و توفیق ہوا دئی کو دلیر بنا دیا ہے حضرت علی اور امیر معاویہ کے باہم جدال و نزاع کے سلسلہ
 ارجاء کی بحث کا ذکر سمجھیں نہیں آیا۔ کاش، فاضل تفتیش کا ملاحظہ فرمائیے اور انہیں فرماتے۔
 صاحب ہدیہ کے قول کے بعد المسامرہ شرح المسامرہ (صفحہ ۱۰۱) کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

”واعلم انما قد رافق اهل الحق و دھما اهل السنة والجماعة رضي الله عنهم على ان معاوية
 (امام) خلافة (علی) رضي الله عنه ومن الملوك لام من الخلفاء واختلاف مثاكتنا في اسامة
 اى اسامة معاوية (بعد وفاة علی) رضي الله عنه (فقتل صامرا صامرا) (انقدت له البسمة
 وقيل الام) اى له يصامرا (بقوله عليه الصلاة والسلام) اخذتة بعدى ثلاثون
 شهرا يصير ملكا عضرضا“

اور جان لیں اہل حق بھی اہل سنت والجماعت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ معاویہ حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں بادشاہوں میں سے تھے، خلفاء
 میں سے نہیں تھے، اور ہمارے مشائخ نے ان کی امامت کے بارے میں اختلاف کیا ہے (حضرت علی کی وفات کے بعد بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ امام بن
 گئے تھے انسان سے بہت لی گئی تھی اور بعض کہتے ہیں نہیں وہ امام نہیں تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے بعد نہیں
 سالی خلافت رہے گی، پھر اگر بعض عرض آجائیں گے)

اس پوری عبارت میں حضرت امیر معاویہ پر نفرت و دھم کی کاپیوں لکھتا ہے اور اس عبارت کی بنیاد صاحب المسامرہ پر صحابہ کرام کی اذیت یا
 کا التزام نہیں لگایا گیا!

حاشیٰ فی صاحب نے اپنی تفسیر میں کسی حد تک بغیر تہمت عمار کے بارے میں ایک عبارت لکھ دی ہے حالانکہ جامع ترمذی کے صحیح الفاظ یہ ہیں۔
 ”من ابی حریص قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ابش يا حمار تعلقك الفنة الباغية
 ومن السطور میں لکھا ہے۔ مثلاً (صحابہ معاویہ)“

ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے مقالہ میں یہ بات حق لکھی ہے کہ قتل عمار کے بات حق پوری طرح واضح ہو گیا تھا، یعنی یہ کہ حضرت علی سے بڑگ کرنے والے باغی تھے
 اور اسامہ مولانا احمد علی محدث ہمارے پوری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ”الفنۃ الباغیہ“ سے مراد معاویہ اور ان کی جماعت ہے۔

فیض الباری میں حضرت مولانا الدشاہ صاحب اس حدیث پر طویل تبصروں فرماتے ہوئے آخیر میں لکھتے ہیں کہ۔

”علمائے ہمارے کہ یہ حدیث بالکل کھلم کھلا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ علی حق و صواب پر تھے، اور دوسرا گندہ
 باخبر کا تھا، لیکن وہ مجتہد تھے اس لئے ان پر کوئی گناہ نہیں۔“

حیرت ہے کہ خلیفہ راشد کے مقابلہ میں بغاوت کو اور حق و باطل کے موقف و موقف عوامی فی صاحب فقہی بنیاد کی طرح راجع و مرجع جیسی بالکی
 سمجھتے ہیں! اور ان کی رائے کو اگر درست مان لیا جائے تو صحابہ کرام پر کتنا خوفناک ہے کہ وہ راجع و مرجع صواب میں ایک دوسرے سے فونیہ جنگیں کیا کرتے تھے۔
 شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبدالرحمن بن غنم، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوہریرہ کے باہم ایک مکالمہ کو نقل فرمایا ہے جس کے آخری الفاظ

ہے۔

”معاویہ کا شرعی میں کیا وزن، میں وہ تو ظلماء میں سے ہیں، جن کے لئے خلافت ہو ہی نہیں سکتی، وہ اور ان کے عادل

سرور امامی الخراب میں سے تھے۔“ (مقتصد دوم صفحہ ۲۴۹-۲۵۰)

جمع الخوامین جامع الاصول و مجمع الزوائد امام محدثین محمد سلیمان (صفحہ ۳۵) میں ہے کہ جوگ صفین میں حضرت عمار نے خدا پانی نبال سے یہ حدیث

حضرت عمر بن العاص سے بیان کی، تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، جب حضرت عمارؓ شہید ہو گئے تو ۔۔

”عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا آپ نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنا رہے تھے، تو عمارؓ اسٹاپ نہ فرمایا تھا، تم مجھ پر جو عرصہ ہو، تم جتنی ہو تمہیں باقی گدہ قتل کسے گا، معاویہ نے کہا ہاں! ہمیں لکھنا چاہئے تو عمر بن العاص نے کہا آپ لوگوں نے انہیں قتل کیوں کر ڈالا اس کے جواب میں معاویہ نے کہا ”ہم نے کہاں قتل کیا ہے، انہیں تو اس نے قتل کیا ہے جو انہیں میدان جنگ میں لے آیا“

حضرت معاویہ کے اس عجیب غریب جواب پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر معاویہ کی یہ دلیل درست مان لی جائے تو پھر اس کے یہ سنی ہوں گے کہ غزوہ احدیں امیر عمرہ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا تھا ۔

اس سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کیا فرماتے ہیں ؟ ۔۔

بالجملہ اصحاب میں امت کو دے (یعنی معاویہ) را مرتکب
بکبر و باید دانست و زبان اذ لعن و وطن بندا باید نمود ،
والا ما یقال فی من زنی و من زنی و من شرب من العصاب
رضی اللہ عنہم اجمعین و دہر جائے خطائے اجہاد سی را
وخل داون خالی از مساحت نیست ۔
الغرض درست یہی ہے کہ انہیں رضی اللہ عنہ کو کبیرہ کا مرتکب
جاننا چاہئے اور بد بطن و لعن وطن بند رکھنا چاہئے وگرنہ ان
صحابہ کے پاس سے یہ کی کہا جائے گا جن سے نسا اور شراب نوشی
سند دہلی اندر جگہ خطائے اجہاد سی کو دخل دینا کوئی تعریف
کی بات نہیں ہے ۔

و خداوی عزیزی ص ۱۲۴

اس کتاب پر رفا وئی عزیزی ص ۱۱۰ : یہ تک ملتا ہے ۔

”ابن عساکر نے اور خالی از ذنائب لغائی نہ لہو“

انانہ الخاف میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے المستدک کی بعض روایتیں نقل کی ہیں، جن میں بنو امیہ کی مذمت و اذہ ہوئی ہے مگر ہم ان حدیثوں اور روایتوں کی یہاں جان کر نقل نہیں کرتے کہ صاحب المستدک (حاکم) پر تشیع کی جانب سے خاف میں ان الزام لگایا گیا ہے ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی جتہا اللہ علیہ جو خدا انہما مستر فیض و خروج کی طرف مائل نہیں ہیں ، وہ مابعد النبوت میں لکھتے ہیں ۔۔
”گفتہ اند محمدان کہ ثابت شدہ امت و فضل معاویہ بیچ حدیث (ص ۵۵)

”محمد بن نے کہا ہے کہ فضل معاویہ میں ایک حدیث بھی ثابت نہیں ہوئی“

علامہ ابن عساکر نے ”الاستیعاب“ میں یہ حدیث کو نقل کیا ہے اس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے ۔

”ابو ذرؓ طلیحی ہشام سے اور ابوہریرہؓ حمزہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا ۔۔ کہ وہ کچھ لکھیں اس لئے کہ اگر کہا کہ وہ کھا نا کھا رہے ہیں، تو میری رضرت معاویہ کی طرف سے یہی جواب آیا کہ وہ کھا نا کھا سبے ہیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لا اشیع اللہ بطنہ“ اس اس کا پٹ کبھی نہ بھرے“

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب ”اشتہ اللغات“ میں امام نسائی کے واقعہ گروہ بیان کرتے ہیں ۔۔
انصرفت من آمد۔ وابل ناحیہ لوبی مسجد باو گفتند چه کی کوئی در حق معاویہ وچہ چیزہ فعل اول و دوشہ اندر
جواب سائل گفت ۔۔

اما رضی معاویہ ان یخسج را سا بر اس حق یغفل

معاذ اللہ! کہ گفت نمی شناسم هیچ فضیلتی الا لا اشیع اللہ بطنہ میں مردم بغا ستند و دوسے پیچیدند،
و بے حرکت ہوا کہند وہ چنداں زدن نشی گزانا از مسجد بیرون آو دزد و اورا بہ درگاہ بردند و انداختہ بہت بیمار
شد و دواں بیمار کی برقت از دنیا (صفحہ ۱۸)

”معر سے دشن آئے امد و شش والہ نے ایک ہاتھ میں امام شافعی سے دینا فت کیا کہ آپ معاویہ کے ہاتھ میں کیا
کہتے ہیں اعدان کی فضیلت میں کون سی بات آئی ہے انہوں نے سائل کے جواب میں کہا کہ معاویہ اس ہمدانی نہیں کہ ہمیں
مرا بہی چھوٹ جاتیں پھر جانتیکہ ان کی فضیلت میں کوئی چیز وارد ہوئی ہو اور ایک روایت میں ہے کہ میں ان کی فضیلت
میں اس حدیث کے سوا اور کوئی حدیث نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”الانسان کا پیٹ کبھی نہ
بھریے“ پس اس پر لوگ بھڑک اٹے اور ان سے لپٹ گئے انسان کی بڑی بے رحمی کی اعدان کو مارنا شروع کر دیا،
پھر انہیں مسجد سے باہر کر دیا گیا اور مکہ پہنچا دیا گیا وہ اسی رخصت سے بیمار ہوئے اور اسی بیماری میں دینا سے
کوچ کر گئے۔“

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد، ہم نے احادیث کے بعض مجموعوں کو دیکھا، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
نہاں مبارک سے چند دعائیں امیر معاویہؓ کے حق میں ملیں — یہ کہ اسے اللہ انہیں حساب و کتاب لیا (الکتاب اندساب) سکھا — اور عذاب سے
بچا، حیرت ہے کہ کتنا اعمال میں وہ روایت نہیں ملی، جس میں امیر معاویہؓ کے ”دادی و بہندی بنائے جانے“ کی دعا کی گئی ہے، انہاں رسالت کسی کے لئے
دعا یہ بھی فضیلت و شرف کا باعث ہے، مگر وہاں یہ روایتوں کے علاوہ دوسرے صحابہ کے فضائل والی احادیث کی طرح کوئی حدیث، امیر معاویہؓ کی
شان میں نہیں ملی — جس طرح حضرت زبیرؓ ابن العوام کو حضورؐ نے اپنا ”جوانی“ کہا ہے یا خلفائے راشدین کی فضیلت میں صرف دعائیں نہیں
احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، البتہ حضرت عمرؓ فرما دیا ”میں نے امیر معاویہؓ کے عجائبات دیکھ کر انہیں — کرائے عجب“ کہا تھا۔

دینی خدمات میں زہد و ورع میں، علم و فضل میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف و قربت و محبت میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا کیا
مقابلہ! دینی جذبہ کے تحت ہی جمہور علماء نے حضرت علیؓ رحمہ اللہ کو ہر کی تعذیل اور مدافعت کی ہے!
کوئی شک نہیں حضرت سیدتنا عائشہؓ ہدیۃ ربی اللہ عنہا کی ”ندامت“ نے انہیں رجوع کا موقع دیا اور ان کا معاملہ صاف ہو گیا مگر امیر
معاویہؓ رضی اللہ عنہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے، خلیفہ راشد علیؓ رحمہ اللہ دجہ نے انہیں گد زنی سے درخواست کیا، امیر معاویہؓ نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی
اور خلافت راشدہ کے معاملہ میں اپنی امانت کو برقرار رکھا، خلیفہ راشد سے جنگوں میں امیر معاویہؓ کی حیثیت ”باغی“ کی تھی! انہوں نے اپنے بیٹے
یزیدؓ کی ولیعہدی کے لئے بیعت کے کرا سلام میں ”نوکریت“ کی بنا ڈال دی! ان کھلے ہوئے واقعات کی مدافعت میں نرم نرم الفاظ میں بجا طور پر کہا جاسکتا
ہے کہ امیر معاویہؓ کو حکومت اور اس کی لذتوں سے ذاتی طور پر دلچسپی تھی ان غصیوں کے باوجود حضرت امیر معاویہؓ کا شرف صحابیت اپنی جگہ ثابت ہے بلکہ
ہم ان کے نام کے ساتھ ”رضی اللہ عنہ“ لکھتے ہیں! (دیکھئے صفحہ ۱۰۷)

لہ ہم نے اپنے اس مضمون میں جناب محمد رفوانؓ (دعیم لے) کے مسودے سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس مسودے کی بعض روایتوں کا اصل کتابوں سے
ہم نے مقابلہ بھی کر کے دیکھا ہے، کتنی ہی روایتیں اصل کتابوں میں مل گئیں۔ مگر بعض کتابیں دستیاب نہ ہونے کے سبب، بعض روایتوں
مقابلہ نہ ہو سکا۔ لیکن صاحب موصوف پر بھی اعتماد ہے کہ خدا انہوں نے اور ان کے رفیق و معاون اہل علم نے اصل کتاب یا اس کا
لہ و انتہاس دیکھ بغیر کوئی روایت نقل نہیں کی ہوگی۔ لہ یہ کہ کسی کتاب ہی میں کسی شہیرے نے خرابی کر دی ہو۔

امیر معاویہؓ کے چھپتے بیٹے زید کے ہاں سے ہم خود کیا کہیں، اُس کی ناپسندیدگی ہمدستی امت کا اجماع ہے اُس کے منہ میں، مگر وہ اور۔۔۔ ناپسندیدہ ہونے کا معاملہ اس حد تک پہنچا ہے کہ امام احمد رضاؒ نے تو اُسے کافر تک کہہ دیا ہے۔ (المعارف ص ۳۱) اور خراج عقائد نفسی میں بھی اسی خیال کی تعریف کی گئی ہے!

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

۱۔ علامہ نوویؒ کی اس عبارت کے مطالعہ کے بعد مقتدا گزشتہ کی تصدیق ہو جاتی ہے، پس اہل سنت کے

اصول پر زیدؓ کی سابق حالت بدل گئی، بعض کے نزدیک کافر ہو گیا اور بعض لوگوں کے نزدیک اس کا کفر

ثابت نہیں ہوا، بلکہ سابق اسلام، فسق سے خلط ہو گیا، اگر امام موصوف نے زیدؓ کو کافر سمجھا تو اس پر خود ہر

کرا نہیں کیا غلطی فرمائی، امام احمد کو بھی بات پسند آئی (بحوالہ مکتوبات مولانا حسین احمد مدنی فرحہ ۱)

مگر سچی بات یہ ہے کہ زیدؓ کی تکفیر کا فتویٰ عقیدہ اہلسنہ کے درست نہیں ہے، ان! وہ امت کے لئے بدنامی ہے، ان علماء کو کیا کہنے جو دیوبند سے شرفِ نسبت رکھتے ہوئے، زیدؓ کو حضرت ادریسؒ کا پوتہ کہتے ہیں، اور اس طرح ظالم حاکموں کی بہت افزائی کا سبب بنتے ہیں!

امیر معاویہؓ کو حضرت معمر بن شیبہؓ کے لئے ہنگامی ہنگامی کا جو مشورہ دیا تھا اعلیٰ بات انہیں سمجھائی تھی، اس کو بھی پسندیدہ نہیں سمجھا گیا، اور امیر معاویہؓ کے دستِ راست حضرت عمرو بن العاصؓ کی سیاسی حکمت عملی پر امیر معاویہؓ کی حمایت میں تھی، گزشتہ ہی کی جہانے گی۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا ان واقعات و معاللات میں وہی موقف سنا ہے جو جھجکا کا پلٹ کا موقف ہے اس لئے ان پر توہینِ مصابہ اور رفق و خابریت کی طعنہ زنی عدل و انصاف کے خلاف ہے!

خلافتِ عثمانؓ حضرت مسلمان عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نیک نیتی، زہد و دودھ، بے نفسی و پاکیزگی اور بارگاہِ رسالت میں آپ کو جو محبوبیت اور تقرب حاصل تھا اس کا اعتراف مولانا مودودیؒ نے اپنے مضمون میں کسی تشابہ و ایہام کے بغیر واضح لفظوں میں کیا ہے۔۔۔ اس کے ساتھ وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں بعض ایسے اضطرابات نمایاں ہوئے، جن کا خلافتِ عثمانیہ میں وجود نہیں ملتا اور حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت کا طرزِ عمل پوری شانِ نبی کے ساتھ خلافتِ عثمانیہ میں اس طرزِ منطوق نہ ہو سکا کہ کوئی انگلی اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے۔ مثلاً تاریخ الخلفاء ص ۳۱ میں لکھا ہے:۔

وكان كثير ما يولي بني اميه لمن لم يكن له مع رسول الله صلى الله عليه وسلم مكان يجبي من امرائه

ما ينكحها صحاب محمد وكان عثمان يستعقب فيهم فلا يغير لهم ولا يغير لهم في سنة خمس وثلاثين سنة

كان في السنة السادسة استأجر بني عمة فولاهم وما اشرك محرم وما من يتقوى الله

اور حضرت عثمانؓ ان بنی امیہ میں سے والی بنایا کرتے تھے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ اٹھائی تھی، وہ امراء ایسے کام

کرتے تھے جو امیرِ محمدؐ کے پسند نہ تھے، اور عثمانؓ نے اُن کے ہاں سے میاں خاندہ ہوتا تھا اور بھی آپ اُن کو معزول نہ فرماتے تھے

پیر شہرہ جو جی کا واقعہ ہے لیکن انہی جو حمل لیں عثمانؓ نے اپنے بی بی عم کو ترجیح دینا شروع کر دی اور اپنے بی بی عم کو والی بنایا

انسان کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کیا، اور اُن کو تقویٰ کا حکم دیا (....)

مولانا غلام حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:۔

”مگر اس کے ساتھ یہ کہنا بڑا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ عثمانؓ کی کسی نہ مخرابی اور خرابی طبیعت نے لوگوں کی ہمتیں بلند

کر دی تھیں اور اپنی حد تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کے متعلق جو کچھ وہ کر سکتے تھے، کرتے رہے، لیکن

عزیز علیہ السلام پر ہو گا کہ - حدیث "میں نقد کی ابتدا جن لوگوں کی راہ سے ہوئی، یہ وہی تھے جن کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم حکومت نے بد بختانہ جہازوں کے ارتکاب کے مواقع فراہم کر دیے (تین حدیثیں)

دیوبند سے جملہ دارالعلوم حضرت مولانا قادی محمد طیب صاحب کی نگرانی اور سرپرستی میں شائع ہوتا ہے حضرت مولانا الانشاہ صاحب کے صاحبزادے اس کے ایڈیٹر ہیں، دسمبر ۱۹۹۹ء میں ایک مضمون مولانا محمد میاں - عرف مولانا منصور انصاری صاحب پر جو کم کا شائع ہوا تھا اس میں وہ لکھے ہیں -

"یہ سنا بھی ہم کو تاریخ صحیح کے صفحات پر چھپا ہوا ملتا ہے کہ حضرات عین رضی اللہ عنہما کی مضبوط قیادت کے بعد عالم اسلام کے شہر عرفہ مروان اموی نے حضرت ذی النہدین رضی اللہ عنہ کے ضعف پیری اور عیا سے استفادہ کر کے بہت دلتی بردست تعریف پا کر اپنی قوم بنی امیہ کے احساس کوئی کہہ گا یا بلکہ اس کو بنی ہاشم سے دست دگیاں کرنے کے لئے میدان میں بھی آئے"۔

اسی مضمون میں چند سطروں کے بعد مولانا محمد میاں نے جو دیوبند کے اکابر میں شمار کیے جاتے ہیں اور حضرت شیخ الہند کے تبت یافتہ تھے وہی خلافت عثمانی کو "مہرہ ضیف عثمانی"۔

لکھا ہے، کیا خلافت عثمانی پر تنقید کے اس جرم میں مولانا مردودی کی طرح ان بندگان کو بھی مردودین وطن قرار دیا جائے گا !

یہی وہ مروان ہے جس کی تصدیق خوافی، مولانا طیف احمد عثمانی نے اپنی کتاب دربار عثمانیہ میں کی ہے۔ مگر مولانا محمد میاں انصاری اسے "مشرعہ" کا لقب دیتے ہیں، لیکن مولانا طیف احمد عثمانی کے صحیفہ حقیقت میں وہ حضرت ادریضی اللہ عنہ ہے -

روان کی صحابیت کا معاملہ تو اس کے بارے میں حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں مروان کے صحابی ہونے سے انکار کیا ہے اور علامہ ابن خلدون تک مروان کو صحابی نہیں تاہم ابن کثیر نے - کیرنگہ - توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو ابن ثمان سنین اور نحوھا وسلم یوم لڑنے خراجی الطائف طفلاً لا یعقل و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رحلت فرمائی تھے تو وہ مروان آٹھ سال یا اس کے قریب تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بس دیکھا - کیرنگہ - جب وہ لا یعقل بچہ تھا تو طائف کو چلا گیا تھا

مروان کے بارے میں شاہ عبدالعزیزؒ کیا فرماتے ہیں -

مروان علیہ اللعنة یا بدگفتن و ہل از وزیرہ بودن
 خضر صا و سرکہ کہ با حضرت عین و اہل بیت می نمود
 و عداوت مستقرہ انہد گداں و دل داشت انہام
 سنت و محبت اہل بیت است ...

و فتاویٰ عزیزی ص ۶۷

حاکم اس کے بارے میں "المستدرک" میں ایک روایت درج کرتے ہیں -

"عن عبد اللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ ان
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن الحکمہ
 و اولادہ

حضرت محمد اللہ ابن زبیر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم اللہ اس کے بیٹے پر لعنت کی ہے۔

یہ حدیث "المستدرک" جلد دوم ص ۱۸۱ صحیح الاسناد ہے اور علامہ زبیری نے اس کو صحیح قرار دیا ہے !

مروان کو نہ بنیہ - ابن الطریق یعنی محمد کا رسم ہونے شخص کا بیٹا بھی کہتے تھے، کیونکہ اس کے باپ حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے نکل

دیانت، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے مدد و خلافت میں اس شخص کو مدینہ میں آنے کی اجازت نہ مل سکی یا اس نے جرأت نہ کی مگر حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں وہ مدینہ میں آ گیا۔

اب سامان قرآن سے احادیث کی روایت کا مسئلہ، تو اس کی یہ کیفیت ہے کہ —

۱۴۔ مرقی، ۲، ناصبی، ۵، پیشی، ۲۷، قدی، ۱، جہی، ۲، مودعی اور خارجی — ان سے روایات بنائی

اور سلم نے قبول کی ہیں (تدیب الراۃ)

اسی مردان پر جو حضرت عثمان کا پرانیوٹ سکیڑی دکاتب السرم تھا، مولانا ابوالاعلیٰ مودعی نے جرح کی ہے اور لیا کہ نہ انہوں نے کوئی گناہ کیا ہے اور نہ انصافی کی ہے!

لیکن شرب لڑائی کا اپنے معمر میں مولانا مودعی نے ہونڈ لکھا ہے وہ بھی تاریخ و سیر کی کتابوں سے ثابت ہے، مولانا مودعی نے —

”خلافت سے ملکیت تک“

میں کوئی ایسی بات نہیں کہی جس کی اصل کسی کتاب میں نہ ملتی ہو، جو خیالات کا اپنے اس معمر میں انہوں نے اظہار کیا ہے، اسی قسم کے خیالات دوسرے اکابر علماء اہل تشیعہ پر اسباب بننے کے بھی ظاہر کئے ہیں انسان پر کسی نے ”امانت صحابہ“ تنقیص عثمان کا دفع اور غایت کا الزام نہیں لگایا۔

مولانا مودعی نے قاضی مقالہ میں حضرت عثمان کے احترام و عقیدت کو ستم و مکد کرنے کی خدمت انجام دی ہے کہ دوسرے عثمانی کے اضطرابات کو نقل کر کے پڑھنے والوں پر بیانات نہیں چھوڑ دی کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کے بارے میں خود فیصلہ صادر کریں یا تاریخ کی کتابوں میں ان واقعات کو پڑھ کر لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد کو مطعون کرنے لگیں، مولانا مودعی نے ان اضطرابات کے باوجود حضرت عثمان کی سیرت اور زندگی سے بخیرہ حادث زہد و روح اور بصالتی منسوب کی ہے! اور وہ بن و فکر کو ان کی طرف بارگاہی اور سرور حق سے پکایا ہے۔

کوئی شک نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت کا اثر نہایت کے بعد سب زیادہ متاثر ہے کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی ہوتی ہے صحابیت کے صحابی کی برابری نہیں کر سکتا۔ راضی اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے راضی تھا اللہ ربہ اللہ تعالیٰ سے راضی تھے۔ رضی اللہ عنہم دھرا احمد اور بنی بدلی سے اللہ تعالیٰ کے دین اور دیکر کو غلبہ اور فروغ حاصل ہوا ہے۔

آخر تحفہ کے ایما سے میں کتبہ جو صحابہ کرام پر زبان حق دراز کرنے کا احیاء اور جذبہ اپنے اندر کھلتے، راضی، خاندانی اور ناصبی یہ گواہ فرمے ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کو خاک و پین گسترخ کا فرق اور گراہ ٹھیرا ہے (معاذ اللہ) ہم ان عقائد اور تعمرات سے برائی کا اعلان کرتے ہیں اللہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔

کوئی شک نہیں صحابہ کرام کی غالب ترین اکثریت بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہر کسی پر کا ہر اعدا، شر و اولئك هم المفلحون کا مصداق تھا، اس تفسیر دینی وحدت پھر دیکھیں میں نہیں آتی۔ دنیا میں کسی نبی اور رسول کو اتنے اچھے ساتھی (صحابہ) میسر نہیں آتے

تمام کے تمام صحابہ کرام عدل تھے، گمان تمام اصحاب حمید کے باوجود وہ معصوم نہ تھے، مولانا علیہ السلام مودعی اسے صحابہ میں لکھتے ہیں۔

”لیکن یہ کسی صحت کا دعویٰ نہیں ہے کہ صحابہ کوئی کام انصاف کے خلاف نہیں کر سکتے۔ ان سے کوئی نفس نفوذی و طغرات

کے خلاف صادر نہیں ہو سکتا، وہ انبیاء و کطرح معصوم ہیں، یادہ تمام گناہوں سے محفوظ ہیں لیکن ان کا مقصد صرف

یہ ہے کہ کوئی صحابی رد امت کرے جس میں مدفع باقی سے کام نہیں لے۔ گناہ چھانپنا، انبالاتی و ناولی ہلکا ہے۔

”صحابہ کی عدالت سے یہ مراد نہیں کہ صحابہ بالکل معصوم ہیں انسان سے گناہوں کا سرزد ہونا محال ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ

اسی مضمون میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے بڑے صحابہ کے صحابی کے متعلق ایک روایت مذکور کی جاتی ہے، جس میں حضرت ابوذر نے حضرت عبدالرحمن ابن عوف اور حضرت کعب احبار کے بارے میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ پسندیدہ نہیں ہیں، اسی طرح حضرت عباس نے ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق جو الفاظ کہے، ان پر "نا پسندیدہ" کی تنقید کر دی گئی۔ امانت صحابہ سے تعبیر کرتا ہے وہ دینی فراموش نہیں رکھتا، اس قسم کا بشری قبول کبھی کبھار ان لوگوں قدس سرہ پر بھی طاری ہو جاتا تھا، جس کی نشاندہی اس پر لفظ "قبر" کرنے پر حضرت صحابہ کو بوجھ کر کرنے کی طنز اپنی جگہ ہے جاہلہ غیر عادلانہ طنز ہے۔

حالات میں صحابہ کرام ایک دوسرے کے فریق بھی ہوتے تھے، امدان میں طرہ میں ایک حق پر ہوتا تھا، اس قسم کے بعض واقعات کی بیان و تصریح سے امانت صحابہ منسوب نہیں کی جاسکتی، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عقیق کی بیعت سے جو لڑیاں لیں اس پر بعض ارباب نے سخت تنقید کی ہے، مال غنیمت کے سلسلہ میں انصار نے جو اعتراض وارد کیا تھا، جس کی زد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر پڑتی تھی، اس فعل کی مذمت ہی کی جائے گی۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے دو خلاف میں آپ کی پوری نیک نیتی اور بے نفسی کے باوجود جو بعض اضطرابات ملتے ہیں، ان کا اظہار یا یہ کہنا کہ حضرت عثمان کے دو میں خلافت کی مشنری میں کچھ ڈھیل پیدا ہو گئی تھی یا بنی امیہ کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ اس قسم کی تنقید کو "مقیص" سمجھنا، نہم و فراست کی کوتاہی ہے، اس سلسلہ میں ولید مرثبان اور حکم کی شخصیتوں کا ذکر آئے گا تو مورد رخ مدح و منیبت کا رنگ قائم نہیں رکھ سکتا! حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین نزاع میں امیر معاویہ پر تنقید دینی، اخلاقی اور علمی و تاریخی اعتبار سے ناجائز اور ناساغات نہیں ہے، دونوں میں سے ایک کو حق پر ماننا چاہیے گا، جو حضرات امیر معاویہ کی ملائت کرتے ہیں ان کے قسم سے حضرت علی کی شخصیت تنقید سے محفوظ نہیں رہتی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اس سلسلہ میں جو باتیں کہی ہیں دوسرے اکابر امت کی یہاں بھی اسی انداز کے اقوال اور لفظ و احتساب ملتا ہے۔ اگر ایسا کرنا جو ہم ہے تو مودودی صاحب ہی کو نہیں، تمام ارباب بے کو کجیم ٹھہرائیے، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ دوسرے لوگ دینی بات کہتے ہیں تو ان پر کوئی گرفت نہیں ہوتی، مولانا مودودی کو اس صنف ملامت بنایا جاتا ہے اور ہزارہ کے ایک مولوی صاحب نے تو مولانا مودودی پر کفر کا فتویٰ تک صادر کیا، اس ظلم پر جو حضرات خوش ہوئے ہیں وہ بھی اس ظلم میں شریک ہیں۔

بعض حضرات کو یہ کہنے بھی شہنائی ہے کہ ساتھ سے تیرہ سو سال بعد ان مباحث کو اس زمانہ میں پھیرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ان حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ انہیں اس قسم کی بات حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے پاس سے بھی کہنی چاہئے کہ انہوں نے بارہ سو سال کے بعد اپنی کتابوں میں ان مباحث کا ذکر نہ کیا، اگر ان سے اس قسم کے سوالات کئے گئے تھے، تو وہ یہ فرما سکتے تھے کہ اسے سوال کرنے والا ان بحثوں سے تمہاری کون سی دینی اور دنیوی ضرورت وابستہ ہے! پھر اسی بارہ سو برس میں مولانا مودودی نے کیا غلطی کی، مولانا محمد یونس انصاری اور دوسرے اکابر نے اپنے مضامین میں ان مباحث کو پھیرا ہے۔

پھر یہ موضوعات و مباحث ایسے نہیں ہیں جو تاریخی طبیب دہے پڑے ہوں اور لوگوں کے کانوں میں بھنک تک نہ پڑی ہو، اسلامی تاریخ کی کوئی کتاب بھی جس میں خلافت راشدہ کا ذکر ہے ان بخیر دوسے خالی ہیں بے اسی حدیث کے مورد مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ہوں یا دارالمصنفین کے اہل قسم با دھرمے تاریخ والوں کو تاریخ و قسم حضرات ان سب سے ان مباحث میں حصہ لیا ہے، پھر اسلامی تاریخ کے طالب علموں کے ذہنوں میں یہ سوال ابھر رہا ہے کہ خلافت راشدہ ملکیت میں اس طرح تبدیل ہو گئی یہ سنا کھ کیوں اور کس طرح پیش آیا، مولانا مودودی نے اپنے مقالہ میں اس کی نشاندہی کی ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ان مباحث میں وہی مسلک ہے، جو اہل سنت کے کامبر کا ہے، قابل اعتبار قوانین لوگوں کی روشنی ہے جو بنیادیہ کے وکیل، تعقیبہ خزان اور نقیب بنے ہوئے ہیں۔ اسی سے حضرات مرثبان ہی نہیں نیک ملک کی تعذیل و توصیف کرتے ہیں۔ امانت کے

ضمیمہ دفع مزاج نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ اس حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مدد حکومت کے واپس آنے کی تمنا کرتی ہے
مگر ملکیت معاویہ کی واپسی کے لئے نہ تیار رکھتی ہے اور نہ دعا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پسندی، حق شناسی اور حق گوئی کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو اس کام میں لگا دے جو اللہ تعالیٰ کی رضا ہوگی
کاسب بن سکے۔ ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم۔

سرماسی



ایک رسالہ۔ ایک تحریر یکسر بار بار پانے اور نئے ناموں کے ساتھ معیاری اور اچھی تحریریں پیش کرتا ہے
آٹھواں شمارہ شائع ہو گیا ہے۔ قیمت ۳ روپے

سرماسی سیپ ۳۹ گارڈن آفیسینر کراچی ۳

موسم سرما
قدارت کاملہ نے موسم سرما کو ۱۔
انسانی جسم کی حفاظت — زائل شدہ قوت کی بحالی — دماغی، قلبی اور جسمی طاقت
کی استواری کے لئے مخصوص کیا ہے۔

اگر آپ کسی قسم کی کمزوری محسوس کرتے ہیں تو، اس موسم میں مقویات، مغذات، اور اکیسری دواؤں سے
فائدہ اٹھائیں

طب اشرف کی
اگر آپ باقاعدہ علاج کرانا چاہیں تو

جانب رجوع فرمائیں۔ جس کی نگرانی براہ راست پاکستان کے نامور طبیب مولانا محکم عبدالرحیم اشرف خود کرتے ہیں۔
بیرونجات کے مریضین مفصل حال لکھ کر مفت مشورہ چاہیں یا سوالنامہ طلب فرمائیں۔

مطب اشرف، اشرف منزل نزد جامع مسجد جناح کالونی لائل پور

مولانا شمس تبریز خاں اٹروی

عالمگیر اور انگریز مورخین

تمہیں نے دس کے ساری داستانیں یاد ہے انا کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، استعمر تھا (شہلی) عالمگیر کی عظمت کی گماہ خود اس کی شان زندگی اور ۵۰ سالہ دور حکمرانی ہے۔ انگریز سازگار حالات اور خوشگوار ماحول میں اگر ۵ سال حکومت کی تو کوئی تعجب کی بات نہیں، عالمگیر کا وہ حیرتناک ہم عص نے مخالفین کے طوفان میں نزل کی طرف مسلسل پیش رفت کی، اسکا نہ جبر میں اپنا چراغ جلاتا رہا۔

شہر و صنعت چمک کھڑے خزاں غم بہت سردم کہ اس قدم دارد
عزت کے حیا مختلف ہو سکتے ہیں میرے حیدر عظمت پہ وہ اس طرح پورا تھا کہ اس کے قتل و قتل میں تضاد نہ تھا، اس نے اسلام کی عظمت پہ پانی اور میں پڑا
پڑا کا یہ ندامت تھا اسے حکومت کے بھیلیوں اور فرمانروائی کے مشغول میں بھی فراخ نظر نہیں کیا۔ اس نے حکومت کو امانت اور اس کی خلافت
میں اس نے اپنے آپ کو اللہ کی زمین پر خلیفہ، اسماعیل اور مطلق (DICTATOR) یا سلطان جاسر نہیں تھا ایک ذمہ دار اور اچھا بد
حاکم وہی تھا، وہ احتساب نفس، جدیدیت، امانت، نشیست، خلیفہ خدا، فکرا آفت، رہنما پروردی، امن و امان کا راستہ اختیار کر کے عربین
عبدالعزیز، نواسہ الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، کی صف میں جا کھڑا ہوا اپنے عہد میں شوکت اسلامی کا نشان اور شریعت اسلام کا پاسبان
نہ گیا۔ اس کا یہ امتیاز تھا جس نے فلسفہ نسخ اسلامی شاعر اقبالؒ اسے خراج عقیدت وصول کیا۔

شاہ عالمگیرؒ گروہ آستان	اعتبار و دومان گورگال
پایہ اسلامیاں برقرار	اضرام شمع پیغمبرانہ
دہلیان کا رنایا کفر و دی	مورکش ماسا خد گلب آخرب
ختم الحاد سے کہا کبر پرورد	باندا نہ فطرت دانا دید
خبر دل دیکھینہ مارکشن بڑ	لمت ما از نساد امین بود
حق گنبد اندہ ہند عالمگیر را	آن فقیر صاحب غفر را
انچہ اچھے دیں مامور گد	بہر تجدید یقیں ماسد گد
برق تیش نوین افکار و ت	شیخ دیں مدد محض ماز و فو
گد ذوقاں دستہ ہمال فند	دست اور لک اونت خند

جامعہ اذملوٹی اوسی تیبہ
شعلہ توحید بلا پردانہ بود
اشک نول انجیہ دلی چکید
چول برہیم اندیس تمانہ بود
وصف شامشہاں کیساتے
نقراو از ترتش پیدا تے

(دعوت بخود)

انگریز مومنین نے کچھ تو سہ اسی کے اندر سے محبت مندوں کی غلط بیانیوں پر اعتماد کر کے اندیشہ و ترانے فطری تعصب اسلام دشمنی کی وجہ سے عالمگیر اللہ دوسرے مسلم بادشاہوں کو بدنام کرنے کی تاریخی ہم سفر، جی، اندیشہ آج کے "مومنین" ہندوستانی خوشی قبول کر لیتے ہیں ہم سرسری طور پر انگریز مومنین کی تاریخی غلط بیانیوں کی وجہ بتاتے ہیں، ۱۲ صلیبی جہاد کی اس ابدی شکست کا انتقامی جذبہ جالب تک پہنچا ہے موجود ہے، فرخ بھڑل کاسر و سنگہ میں دشمن کے اقتدار کے مقدمہ پر کہتا ہے۔

"ہم صلیبی جہاد پرین کے پوتے ہیں جسے ہماری حکومت نے پانچ سو دو ہزار سال قبل چائے" (اسلام کا نظام عدل، سید قطب شہید ص ۲۴۷) اسی طرح گذشتہ جنگ عظیم میں ایک انگریز کمانڈر "۱۷۷۸۷۸۷۸" نے بیت المقدس میں داخل ہوتے ہوئے کہا :-

"صلیبی جنگیں وحشیانہ آج ختم ہوئی ہیں" (ص ۲۴۷) محرکہ صلیب و ہلال کی بازگشت، صدیاں گزرا جاتے پر بھی یہیپ میں سائی دیتی رہتی ہے پھر عثمانی ترکوں کے باغیوں کی مسلسل سپاہی اور سلطان محمد فاتح مسلمانوں کی کالیائی بھی ان کے دل میں برپا رکھتی رہی۔ (۲۲) مضامین بادشاہوں میں عالمگیری پہلا بادشاہ ہے جس نے ایٹ انڈیا کپنی کے ناجائز امتیازات طریقوں پر سختی سے ٹوکا۔ حتیٰ کہ اس کا دندہ مشکیں باندھ کر اور غیبہ پشت اس کے دھاریں حاکم کیا گوس نے اپنی عالی و صلیبی امتیازات دنیاوی سے انہیں معاف کر کے غلط و لم کا بڑے علاقہ بخش دیا۔ پرتگیزیوں اور دوسرے مغربی غاصبوں نے جس پر ہندو کو اپنی جھانگاہ بنا لیا۔ عالمگیری کا کسی بیڑہ اس پر بھی گاہ گاہ حملہ آور ہوتا جو انہیں سخت ناگوار تھا (۲۳) پھٹ ڈھار اور حکومت کر کے پالیسی جس نے ہندو مسلم منافرت پھیلانے میں نہایت حصہ لیا اور بارہ کام لکھی ہوئی تاریخی کر رہی ہیں۔

(۲۴) ایک بنیادیں ان کی پس انداز کی اور دوا اعتمادی ہے، انگریزوں نے قائم کئے اور تبصرہ کنیں بہت جلد باز ہوتے ہیں اور چند انوفوق میں منسلک ہو کر بہت سی افواہوں اور ہوائی باتوں پر معتبر خبروں کی طرح یقین کر لیتے ہیں اور پھر انہیں تاریخ کا ماخذ بناتے ہیں، ان کی تاریخ دانی کا یہ عالم ہے کہ انھیں کے اگم گائی کا صحیح اطلاع آج تک وہ انہیں لکھ کے انھیں کے مافوق العادت اور صیرت انگریزوں کا رازناموں کو فرماں روائی اور کشمکش کی جگہ رہے۔ اور مسلمانوں کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ محمد کے بت کو مسجدوں میں پوجتے ہیں! (لوحہ بالند) یہ چند سرسری وجہ ہیں جن سے خودی اور غیر خودی طور پر انگریز مومنین نے عالمگیری پر تاریخی ظلم کیا۔ وسیع علم الدین ظلم اور ای منتقلب میں غلبوں! اب ہم چند انگریز مومنین کے وہ اعتراضات لکھے ہیں جو "افضل شاہدیت بہ الاعداۃ" کا نمبر ہیں۔

انگریز مومنین نے ہندوستان کی سیاست کے لئے کیا اور ۲۵ سال رہ کر واپس گیا ایک بار سے دہلی عالمگیری میں بھی باسیالی نصیب ہوئی تھی، ایٹ انڈیا کپنی سے وہ متعلق نہ تھا اس لئے اس "حیادوں پر گفت بھی کی ہے، اس کے فرمانے کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۱ء چھپا تھا جس کا انتخاب ہر زامیج الشیخ چوینج حیدر باد نے ۱۹۲۱ء میں کیا تھا ہم اس سے جس جہتہ انتخاب پیش کرتے ہیں :-

"ٹھٹھہ رسندھم علوم فقہ و فلسفہ و سیاسیات کے لئے ہندوستان علوم میں لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے تقریباً ۱۰۰۰ سال کا بڑے ہیں" (سفر نامہ ملکن ۱۷۶۴ء)

کے متعلق لکھتا ہے "دیانت کا مسلمہ مذہب اسلام ہے لیکن قرون ۱۰ ہندو میں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی مذہبی رواداری دھاندلی پس منظر سے برتی جاتی ہے وہ اپنے بہت رکھتے ہیں اور تہو اعلیٰ کو ای طرح سے مندر میں جیسے لگنے دمانے میں وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں لیکن عورتوں کو کستی ہونے کی اجازت نہیں" (۱/۸-۱۷۶)

• صرف بیسویں میں ۵۵ فرقہ جی اندنگ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے لیکن آپس میں مل کر رہتے ہیں، بہرین طیناؤں کے لئے بڑی بانا دلی کو وقت کرتے ہیں۔

• پارسی اپنے رسوم مذہب کے مطابق ادا کرتے ہیں، عیسائیوں کو پوری اجازت ہے کہ اپنے گرجے بنائیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں اور بعض رتبہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں لیکن جو لوگ عیسائی ہو جاتے ہیں ان کے اخلاقی شہر کے تمام لوگوں کے اخلاقی سے عموماً بدتر ہوتے ہیں۔

• اس شہر (فرٹ) میں تین سو مذہب کے لوگ رہتے ہیں لیکن ان میں کسی کوئی سخت بھگوان کے اعتقادات و عادات کے متعلق نہیں ہوتا، اختلاف مذہب پر تکلیف دینا اور ناپروچایا ان لوگوں میں مفقود ہے۔ (۱۶/۱۲)

• عہد انگریزی کی ایک سوداگر سوسائٹی رہنما ہے جس کا تجارتی سربراہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کل سربراہ کے برابر ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک سال میں مال کے قریباً ۲۰۰ ہزار روپے بھرا جاتا ہے ہر ایک جہاز ۳۰۰ سے ۸۰۰ ٹن کا تھا اور ایک میں صرف

تجارت اور خوشحال

۱۵۰۰ مال، ہزار ہندو اہل حق میں پچیس ہزار کا ہوتا اور جب یہ مال باہر روانہ ہو کرتا ہے تب بھی اس سے زیادہ مال اس کے پاس رہتا۔ (۱۶/۱۲)

• ہندوستان کے پاس جسے بڑے عمدہ جہاز ہیں یہ ہندوستانی انگریزوں کو بڑھتی تھی جس سے کہہ کر عیشیت کپتان اور ایٹ ظلم رکھتے ہیں۔ (۱۶/۱۲)

• ملازم کے لوگ ایک کچھ نہیں سمجھتے، لہذا چنا اور بیچ جہازات بھی باہر جاتے، ہندوستان کا کچھ ایسا عمدہ تھا کہ اس کی ملک ولایت پیگور سبناٹا وغیرہ میں بھی تھی۔ (۱۶/۱۲)

• گائے کا گوشت ۳۰ فارنگ یعنی کچھ کوڑیوں میں نصف سیر ملتا تھا۔ (۱۶/۱۲)

• ایک ٹن مک ایک کواؤں میں فروخت ہوتا تھا جو ۲،۲۰ روپیہ کے برابر تھا۔ (۱۶/۱۲)

• شہر ایک میں مکھن ایک آٹن میں ایک پونڈ (نصف سیر) ملتا تھا۔ (۱۶/۱۲)

• ڈھاکہ میں ۵۰۰ پونڈ چاول ایک روپیہ میں ملتا ہے۔ (۱۶/۱۲)

• عالمگیر کے زمانہ میں ڈاک کا انتظام اس حد تک کیا گیا تھا کہ ہندوستان کے دور دور مقام سے دہلی تک خط پہنچنے میں صرف ۸ دن صرف ہوتے تھے اور وہیں پر کارڈ بیل دئے جاتے تھے۔ (۱۶/۱۲)

• سیاہ فام ہندوستانیوں میں دشمنی اتنی نہیں جتنی گندل میں ہے۔ (۱۶/۱۲)

• اس ملک کی رعایا فرانس کی اس قدر پابندی کرتی ہے کہ ڈاکہ، استقل کی خبریں بہت کم تھی جاتی ہیں ایک غیر ملکی باشندہ اس ملک میں چاہے جہاں چلا جائے کوئی یہ بھی پوچھتا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کیوں جاتا ہے؟ (۱۶/۱۲)

• ہندوستان میں عرصہ سے عمدہ کوئلہ کثرت میں ملتا تھا جس کی مثال یہاں میں ملتی و شراستی، یہاں موٹی کا کپڑا بہت باریک و ظالم ہوتا ہے، احساس قندپا تیار کیا گیا ہے جس کی زندگی میں نہیں پایا (۱۶/۱۲)

• مرزا صاحب لکھتے ہیں "غالباً یہ ڈھاکہ کی مشہور محل ہوگی، اس کے علاوہ کجواب، پھینٹ، اندامدے کہے جانے والے اس کثرت سے تھے کہ صرف ایک کچھ ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ پاس بڑا کپڑا بنانے والے جولاہے لازم رکھے تھے لوگ پوچھیں گے کہ پھر یہ صنعت کہاں غالب ہوگئی؟

• جن لوگوں کو اس کی سب سے پہلے چند دت آئی تھی، ایس۔ سی۔ آئی کی کتاب "INDIAN ECONOMIC HISTORY"

لاحظہ فرمائیں (جس میں تصریح ہے کہ یہ نخواستہ انگلیزوں کی تھی)

لین پول

مولانا شبلیؒ لکھتے ہیں: "عالمگیر کے دستوں میں ایک صاحب زمین پول ہیں۔ انہوں نے عالمگیر کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اور اپنی داستان میں عالمگیر کے تمام الزامات کا جواب دینا اور عالمگیر کو ثابت کرنا چاہا ہے لیکن اس کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ عالمگیر کی ہر قسم کی برائیاں یعنی دارا شکوہ وغیرہ کا نشانہ بن کر دنیا کی سلطنت کا متزلزل کر دینا، بہت خانوں کا قتل کرنا، ہندوؤں کو عداوت سے موقوف کرنا، دکن کی اسلامی سلطنت کا برباد کرنا، مرہٹوں کے پیچھے فوج، ملک اور سلطنت کو غارت کرنا وغیرہ وغیرہ ثابت کی ہیں اور لکھا ہے کہ عالمگیر چونکہ ایک نہایت دیندار، پکا راسخ العقیدہ مسلمان تھا، اس لئے فرائض مذہب کے لحاظ سے ایسا کرنا فرض مذہبی تھا۔ چنانچہ محمد اور بہت سے مقامات کے ایک جگہ آپ خسر فرماتے ہیں۔"

"منوں کی تاریخ میں یہ سب پہلا بادشاہ ہے جو پکا مسلمان تھا۔ جو ممنوعات سے خود پرہیز کرتا تھا۔ اور دوسروں کو ہراس کے گردنے باندھتا تھا۔ وہ ایسا بادشاہ ہے جس نے محض مذہبی بدعت اپنے تخت کو معرض خطر میں ڈال دیا، وہ اچھو طرح جانتا تھا کہ اس جوں سب سے زیادہ محفوظ طریقہ تھا جو محنت تو ملے اور متاع فیض مذاہب کی ہی ہوئی سلطنت کے تو کم رکھنے میں اختیار کیا جاسکتا تھا وہ ضرور اس پر بظہر راستہ سے واقف ہو گا جس پر وہ کام فرمایا کرتا تھا۔"

اور "ا" جانتا ہو گا ہندوؤں کے ہر اک خیال سے علیحدگی اور ایرانی ترسوں کو اس کی فوج اور اس کے دیوار میں بڑے بڑے سردار تھے علانیہ مخالفت کر کے دشمن بنا کر لیا اور عقاب کو خود بٹا دیا تھا، تاہم اس نے اپنی داستان اختیار کیا اور بڑے استقلال سے اپنی پیاس بجھانے کا عظیم الشان فرمانروائی میں اس پر چڑھایا۔ یہ جہد کا اور مسلمانوں اور انگریزوں کے کسی گہری حکمت علمی کی وجہ سے نہ کی تھی بلکہ ان کو قطعی حق سمجھا جاتا تھا: (ص ۶۲۴)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:—

"اننگ ریگ جو ہر حکمران میں ناکامی ہوتی تو، لیکن یہ ناکامی بڑی رنج الشان ناکامی تھی، دنیا کا لاستراس نے اپنی قوت ایمان پر بند کر رکھا تھا۔ اس نے اپنے اندر سے خوں کا راستہ منتخب کر لیا تھا۔ اور باوجودیکہ وہ قطعی ناممکن العمل تھا پھر بھی وہ بڑے استقلال سے اسی پر چلے گیا۔ اگر اننگ زیب ایک دنیا دانشمندانہ ہوتا تو اس کو راستہ فرار مل سکتا لیکن اس کی شان کاہراتی تو اسی میں ہے کہ اس نے اپنی مدد کو جوہر نہیں کیا اور علم عقائد کو پیچھے رکھنا نہ کی جرات نہیں کی۔ ہندوستان کا یہ دیندار اعظم ایسے مادہ کا شخص تھا کہ رنے تاج شہد بر جیت لیا (صفحہ ۱۰۱)

مولانا شبلیؒ لکھتے ہیں: "لین پول صاحب کی یہ پہرہائی چنداں قابل تعجب نہیں وہ ایدھین میں تھے اور ان کو بھی کرنا چاہئے تھا لیکن ہجرت کا یہ مقام ہے کہ جدید تعلیم یافتہ گروہ لین پول صاحب کی کتاب کو عالمگیر کی حمایت نہ کرنا ہے سے زمانہ ماضی کو روک دے ہم کرامن ضائع نہ بلج تہا نہ کہ برمن منبت بسیار ہم داند دماغین عالمگیر ص ۱۱۹"

اس تہمید کے بعد ہم لین پول کی تاریخ سے جستہ جستہ اقتباسات پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ اس کے بدترین دشمن بھی اس کے فیض و کمال کا اعتراف کئے بغیر نہیں رو سکے گا!

"اعجب انہوں نے یہ بات مذہبی کہ انہوں کی سخت جنگ میں نماز کا وقت آجائے سے عالمگیر یا استقلال گھوڑے سے نیچے اترا اور دیر گولی کی پوجا میں نماز ادا کی تو انہوں نے اس کی ہمت کو چھوڑا، اس وقت سے ہندوستان کے مسیحی بچے اور عورتیں کو معلوم ہوا کہ سلطنت کے آئندہ حالات میں کیا ہی وقت کیوں نہ آئے انگریزوں کو جبر و غلبہ نہیں جس کا شمار نہ ہو" (ص ۶۲)

شیخاوت

"و اما نے دکن کے سداویں پر اپنی ترکش خراب کر کے قبضہ شیشہ پر تھ ڈالا اور دست بہت لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ انگریزوں کی صفیں ٹوٹنا اور بھاگ شروع ہو گئیں بنسنگی حالت نازک ہو گئی تھی اور قریب تھا کہ انگریزوں کو ہزیمت ہو، وہ نہا کھڑا تھا اور شکل سے

ایک ہزار آدمی اس کے گرد ہونگے.... اس سے نیا دم مستقر رہتا نہ شجاعت کی کبھی پہنچ نہ ہوتی ہوگی لیکن عالمگیر کے بدن میں بجائے پتھروں کے زلاد کے نہ تھے اس نے آواز بلند کہا - دلے یا مانہ (اے یار و ہمت باندھو) خدا ہمارے ساتھ ہے، پہلے میں کیا دھڑلے کیا ہم کو نہیں معلوم کہ سارا دکن کتنی قریب ہے؟ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ اس کے ماتھے کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی جائیں کہ بھاگتا غیر ممکن ہو جائے اور لنگ زیب کا اتنا بکنا نوحہ کی گئی ہو تو بہت مالپس لائے کہ لٹکے گا فی ہما (دھڑک)

شہنشاہان کے ساتھ اس کے حسن سلوک کی داد دیتا ہوا لکھتا ہے -

فرماں برداری

پرنس جوا عالمگیر کو ناپسند کرتا تھا لکھتا ہے - وہ رعایت جوا عالمگیر شہنشاہ کے ساتھ لحاظ رکھتا تھا تاہم نشان ہے وہ شہنشاہ کے مشورہ کو کامیاب نہیں سمجھتا تھا اور اس نے آواز دی کہ اندیشہ کی کوئی ایسی شے نہیں جو شہنشاہ کو اس نے نہ ہی ہوتی ہو تو اس میں کچھ نہیں سمجھتا گیا تھا اندیشہ شہنشاہ نے عالمگیر کو دھادی اور خطا معاف کر دی لیکن باہم ملاقات کبھی نہیں ہوئی (دھڑک)

وہ معمولی سپاہیوں کی کسی زندگی بسر کرتا تھا صرف سادہ کھانا کھاتا تھا، خواب پانی پیتا اندیشہ کی زمین پر لپٹتا تھا، اس کی بھانپتی سے اس کے ہر ای گھٹنے - (دھڑک)

زمین داری اور عدل گستری

سیاح جس وقت اس کے زمانہ شہنشاہی کا حال لکھتے ہیں تو سوائے کلمات تحسین کے کچھ اور نہیں لکھتے اس کی ہاں دے دیتے ہیں کہ اس کا دور فاروقی سمجھا جاتا ہے کہ لکھنے والے عالمگیر پر عام ظلم کے الزام لگاتے ہیں لیکن ان دلوں کی کوئی مثال نہیں دی ہے۔

سنی کو بہت عدل کے ساتھ نہیں جی جی اس کی زمین داری کا ایک بڑا خاصا سب کو تسلیم ہے کہ کوئی قتل یا جسمانی تکلیف رسائی نہیں پیش آئی، بارود بھی اس کو کیا کاہتا ہے اس کا ہم کوئی فعل خطا شروع اس مذہب کے جس کا وہ سپرو تھا پتہ نہیں کہ تہیں اندیشہ کہیں اس کا قیوم ہے کہ اس نے اپنے ایمان پر حرف آنے دیا - اس نے اپنے گناہ و خدا میں لگا دیا تھا کہ خلق خدا کی نفع رسانی کا ایک ادنیٰ فعل ہے۔

وہ سرے سے آخر تک پکا دیندار شخص رہا ہے اصول اسلام کے مقابل میں اس نے کسی چیز کی بھی ایک لمحہ کے لئے نہ تنہا ایسی نہ تخت مشاہی کی نہ عشق و محبت کی نہ آرام و آسائش کی امید حال تمام ہمارا

مذہب نے ہی اس کو تعزیر دی تھی کہ قلات دنیا و خواہشات نفس سے کناہہ کفی کرے اور غیر از زندگی بسر کرے۔

تیرہ دیکھتا ہے - وہ خفیہ و نہاد ہر گیارہ گیارہ اور اس لاغری میں اس کی مدد واری نے اساطیر ذکر کیا تھا... اور لنگ زیب قلعہ ساپا پیتا اور جہان کی ایک ٹکیہ کھاتا تھا اس سے اس کی صحت پر ایسا اثر پڑا کہ دھڑلے کے قریب ہو گیا تھا... وہ ننگی زمین پر لیٹا اور فقط شیر کی کھال اس کے جسم پر پڑی رہتی اس کے بعد تمام مملکت اس کو کبھی میسر نہیں ہوئی (سفر نامہ شیر نیر تیرہ دی - جلد - ۱۳۴)

ادب و حق

ایک بھروسہ مند لکھتا ہے - اپنے نظریہ بیان میں سے یہ بادشاہ جو حق کی عبادت میں مصروف رہتا ہے اور اپنی تخت پر بائندی شروع کرتے مشورہ ہے وہ خفیہ مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ کی ملت کا مقلد ہے اور لنگ زیب کے خیر بادی عقائد مذہب پر قائم ہے۔ یاد دہانہ اپنے اوقات کے بڑے بڑے حکمرانوں کی عبادت الہی میں شرف کرتا ہے اور معمولی نماز میں بڑے حضور و شہنشاہ سے پہلے تو مسجد میں عبادت سے اور پھر مکان پر پہنچا ہی نہیں آتا ہے۔ وہ بھروسہ کو اور دوسرے بارک دلوں میں دوسرے لکھتا ہے اور اندازہ مجھے مسلمانوں کے ساتھ جامع مسجد میں پڑھتا ہے اور شہنشاہ کے مقدس میں شب بیداری کرتا ہے اور تہذیب الہی سے چلنے غریب کا مرانی کو روشن کرتا ہے اپنے بڑے زہد و تقویٰ سے مسلمانوں کو دھڑلے میں جاس کے محل کے اندر ہے جاگتا رہتا ہے اور آدھی رات کی محبت میں بیٹھتا ہے۔ یہاں کی مرہ کبھی تخت پر نہیں بیٹھتا اپنی تخت نشینی سے پہلے وہ اپنی مقربہ جائز خوراک و لباس میں سے خیرات کو کیا کرتا تھا۔ اور رمضان میں وہ سب سے

لکھتا ہے استراویخ پڑھتا ہے اللہ لہا کی جماعت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے جن کے ساتھ کبھی تو وہ چھ گھنٹے اور کبھی نو گھنٹے شرب میں بیٹھتا ہے اور صیام کتا عرضوں وہ مسجد میں متکف ہوتا ہے اور اگرچہ بوجہ چند در چند وہ بچ کو نہیں جاسکتا ہے لیکن حاجوں کی آسائش کے لئے وہ جس قدر ہام کام کرتا ہے ثواب بچ کے برابر ہے، وہ بھی خلاف خیر خیر لباس نہیں پہنتا اور کبھی سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا ہے علیہ السلام کے دیار میں کئی قسم کی گفتگوئے ناشائستہ غیبت اور کذب کی اجازت نہیں وہ ہر منفہ و دیانت مرتبہ خندہ پیشانی اور سلیمانہ وضع سے فریادوں کا انصاف کرنے کو دیامیں آتا ہے یہ فریادی بلا روک ٹوک بکثرت جہ ہوتے ہیں اور چونکہ وہ بڑی قور سے ان کی باتیں سنتا ہے وہ بے خوف و ہراس اپنا حال عرض کرتے ہیں اور بادشاہ کی مدد و حمایت داؤ گستری سے بہرہ مند ہوتے ہیں اگر کوئی شخص اتنی زیادہ باتیں کرتا ہے جتنی نہ کرتی چاہئے تو وہ کبھی ناخوش نہیں ہوتا اور کبھی بہ جبین ہوتا ہے۔

وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا نفوس ہے اور اچھی بہارت کا ناظم ہے لیکن حکم خدا عز و جل کی تعمیل میں کہ — (تزل علی کل افاک اشیم لا یلقون السبح واکثر ھم کل دن و انشاء یتبع ھم الخادون) کبھی شاعری کرتی ہیں کہ وہ ایسے اشعار سننے سے بھی جوتا ہے جن میں کوئی نتیجہ اخلاق نہ ہو۔ رضامندی ہمدردی کی تجویزیں سنائے کبھی خفا شدی کی باتوں پر کان لگا ہوا ورنہ عر کے مغرب پر نورجہ کی (صفحہ ۶۳-۶۴)

بے لاگ انصاف بمبئی اور سندھ کے تاجروں نے اوڈیگن سے کہا تھا کہ مغز اعظم صل کا بحر اعظم ہے بچے تنگ انصاف سے کام لیتا ہے اس کے حضور سفاکش، منصب امارت کی کچھ پیش نہیں جاتی بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی بات اس سے تندی سے سنتا

جس طرح بڑے سے بڑے ایری، امرار اپنی حرکات کے بارہ میں جوگن بہتے ہیں اور وقت مقررہ پر بدعا بھی ادا کرتے ہیں (صفحہ ۶۵) **الغشٹن** جس کے بارہ میں مولانا شبلی کچھ یہ کہ اس سے بڑھ کر عالمگیر کا کوئی دشمن نہیں گنا وہ بھی یہ کہ بغیر نہ سے کے کہ وہ خود تنہا اپنی حکومت کی ہر شے کی کارکناسی کرتا رہا۔ لشکر کشیوں کے نقشے سوچتا اور نہایت چارہ کرتا اس کے کتوں میں چٹانوں کے نامہار ملکر دیں سیکڑ کے جاری کرتا اور انہ ملان آگے کے فدا دلو کوڑھانے بلکہ فدا کر دیا بارہ حاصل کرنے کی تدبیریں مندرجہ پائی جاتی ہیں۔ سالہ کارندگی کی نگرانی جاسوسوں اور سفروں سے کرتا تھا اس سے طبیعت کی آوازی اور نہایت گرم جوشی ایسی معلوم ہوتی ہے جو ہر زمانہ میں بڑی عجیب و غریب سمجھی جاتی ہے (تاریخ ہندو الغشٹن صفحہ ۱۱۳ بحوالہ مضامین عالمگیر صفحہ ۳۲)

ڈاکٹر جی کپری نے ۸ سال کی عمر کے عالمگیر کو دیکھا تھا وہ بیان کرتا ہے کہ :
"وہ صاف منہ میں کی لپٹا کچھ عصمت پیری کے برابر سے امیوں کے بھرت میں کھڑا تھا اور اس کی پگڑی میں بٹا لکڑیا زرد کاٹکا ہوا تھا وادھاہوں کی عرضیاں لیتا جاتا تھا اور بلا نیلک پڑھ کر غصا اپنے ماتھ سے دھکتا کرتا جاتا تھا اور اس کے ہاتھ میں لٹاش ہر سے صاف مترشح تھا کہ وہ اپنی معرفت سے نہایت شادان و فرحان ہے" (الغشٹن ۱۱۳ بحوالہ مضامین عالمگیر صفحہ ۳۲)
علامہ شبلی قاسم صاحب کی :

۱۔ الغشٹن صاحب کی زبان سے عالمگیر کی تعریفیں ایک لفظ عالمگیر کی قسمت کی یاد بھی ہے تاہم صاحب صرف نے عالمگیر کے استقلال کا ایک نمائندہ نام کیا ہے جن میں تعریفیں سے واقعات لکھے ہیں اور ان پر سخت جھڑک رہی ہے (مضامین صفحہ ۱۱)
دیکھو جو تم طریق انگریزی اور ہندی مرضی کے مان یہ دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ عالمگیر کے بعض ایسے خطوط کو جن میں کہ نفسی اور تلافی سے کام لیا گیا ہے جن میں عہدیت انابت اور صرحت و مذمت کا اظہار کیا گیا ہے اُسے حقیقت پر عمل کر لیا جاتا ہے اور اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ دیکھو عالمگیر خود اپنے فہم و حکم کا اتنا ادا کا کا اعتراف کرتا ہے اپنا پولین پولی نے بھی شہزادہ اعظم کے نام کا یہ خط نقل کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ :—

عالمگیر نے لکھا تھا۔ میں بہت لڑھا اور ناقابل ہو گیا ہوں، جب میں پیدا ہوا تو میرے گرد بہت سے لوگ جمع تھے، لیکن اب میں تنہا جا رہا ہوں میں نہیں جانتا کہ میں کیوں زندہ ہوں اور دنیا میں کس غرض سے آیا تھا مجھے ان غموں کا دھنسا ہے جو میں نے یاد و خدایں نہیں گزارے میں نے ملک اور دھارما کے ساتھ کوئی بھلائی نہیں کی میری زندگی بکا بھلائی ہوئی..... آخرت میں مجھے کوئی ایسا نہیں..... جب میں دنیا میں آیا تھا تو خدایا ہاتھ تھا لیکن اب جاتا ہوں تو گناہوں کا بوجھ لے جاتا ہوں میں نہیں جانتا کہ کس عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا، لیکن خدا کے فضل پر مجھے پھر دوسرے ہے اگرچہ اپنے گناہوں پر سخت پشیمانی ہے جب مجھے خدا اپنے سے ایسا ہوئی تو بھروسہ دل سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔
 عہد ہر بادا دما کشی باب انداختیم : الوداع ، الوداع ، الوداع : ۱۱۱ (صفحہ ۱۹۹)

کا بخش کو لکھتا ہے :

روح و روانم اب میں تنہا رحلت کرتا ہوں..... ہر درگاہ اٹھا کر دیکھتا ہوں خدا ہی خدا نظر آتا ہے، میں نے بڑے بڑے گنہ گارے ہیں اور نہ معلوم کیسے عذاب میں مبتلا ہوں گا اب نہ ہو کہ سماراں کا خون : اور اس کا عذاب میری گردن پر ہو..... (صفحہ ۲۰۰)

ای، مارسلن کوئی بڑا صوفی نہیں مگر اس کی کتاب و کتابت بند سا لہا اس کو میں داخل بھی ہے، اور نگریٹ پاس نے تمام الزامات دہرائے ہیں جو اس کے ہم وطن لکھتے ہیں، مگر وہ بھی اتنا لکھتا ہے :

- اور تو ہر طرح سے عالمگیر ایک عادل فرماں سدا تھا، وہ شراب یا ہر دلب کے شرف کا ہرگز شرفین نہ تھا، اس نے جو کچھ صحت بھادی کہنا اور لوگوں پر عداوت سے حکومت کرنے کی کوشش کی، اس نے اپنی ذات کے لئے کوئی دھوپہ بہا نہیں کیا، وہ اپنی دوزخی فی الحقیقت فریاد بنا کر اور قرآن شریف کی کتابت کر کے کہا تھا..... وہ عالم فاضل آدمی تھا۔ اگر دوسرے عذاب کے ساتھ بھی نہ رہتا تو لوگ اسے اکبری کی طرح عزیز سمجھتے * (صفحہ ۳۳۳)

ناظرین سے معذرت خواہ ہوں کہ مضمون خاطر خواہ نہ ہو سکا کیونکہ مشہور انگریز مؤرخین ہند۔ ڈو، اسکاٹ، الیٹ اور سٹ، کین، ویلر..... اسمتھ، ولیم اسٹون، اوسکین وغیرہ کی تواریخ پیش نظر نہ تھیں، اس کی کافی کسی دوسری صحبت میں ہو سکتی گی۔ عہد میں رشتہ بانگشت نہ چچی کہ دوازست : منہ رب معبود ہوتا ہے کہ مضمون کا خاتمہ علامہ شبلی کے الفاظ پر کروں آپ رقمطراز ہیں :

عام اسمعی دنیا میں اس کے بعد آج تک کوئی اس کے برابر کا شخص بھی نہیں پیدا ہوا * (مضامین عالمگیر ص ۱۱۱)

مولانا مرحوم کے اس خیال پر کئی چاہرے تو گفتگو بھی کر سکتے ہیں میری تعیب میں شاہان مغض کا دھیرا اس طرح ہو گا۔

۱) سلطان محمد الدین اولنگ زیب علیہ الرحمۃ (۲) شاہجہان (۳) بہادر (۴) جمالیوں (۵) جہانگیر اور (۶) اکبر

روح انتخاب

متنبی کی خوبیوں کی مدافعت کرتے ہوئے جو حجازی رقمطراز ہیں کہ شامی علوم عرب میں ایک ایسا علم ہے جس میں انسانی فطرت، رعایت اور ذوق
 اگر کیاں میں حقیقت حاصل ہے مشق و ممارست اس کا ایک خاص عنصر و مادہ ہے جس سے قوت پیدا ہوتی ہے، جس میں عین نکلنے والا صفات و جود ہوں،
 وہ یقیناً ایک عظیم اور متنازعہ موضوع ہے ان ہی صفات کے لحاظ سے شامی کی عظمت کا تین ہی ہوتا ہے، میں جابلی، حمیری، جیبی و قدیم، اسوا لی اور مولد
 کے ساتھ سے قلعہ نظر کے کہتا ہوں کہ محدث کو رعایت کی ضرورت نسبت زیادہ شدید ہے اسی طرح اس کو حفظ کرنے کی بھی زیادہ احتیاج ہے جب
 اس معاملہ میں ہم تحقیق کریں گے تو معلوم ہوگا کہ فطری اندوزین شام کے لئے بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ بغیر رعایت کے عربی کے الفاظ پر قادر ہو سکے، عرب
 نثران قدیم سے رعایت اور حفظ کے قائل رہے ہیں۔ اور ایک شاعر دوسرے کا مادہ ہوتا آیا ہے، عربی کی زبان تو مشترک تھی مگر تہائی میں فصاحت کی
 بڑی اہمیت تھی عرب میں ایک شاعر کو دوسرے شاعر اور ایک خطیب کو دوسرے خطیب فصاحت کی وجہ سے فضیلت دی جاتی تھی۔

زبان اور شعراوند ذوق کی تبدیلی بھی حجازی بڑی گہرائی سے بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عرب زمانہ قدیم سے الفاظ کی شوکت کے قائل تھے، اور
 عربی کلام کے ایسے شائق تھے، کہ دوسروں کے یہاں شاید اس کی مثال نہ مل سکے وہ اپنے اشعار پر خاص توجہ اور اس کی پوری کوشش کرتے کہ زبان میں
 حسن پیدا ہو یہاں تک کہ صحت ترکیبیں اور پرشکوہ الفاظ ان کی زبان کے خاص امتیازات ہو گئے، فطری رجحان اور شعوری کوشش نے زبان کے مسند
 میں ان کو دوسروں پر بڑی عطا کی بدعت کی وجہ سے شکل الفاظ و تراکیب ظہور پذیر ہوئیں، جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس
 نے ہدایت کا اظہار کیا اس نے زیادتی کی، عدی کے اشعار جو جابلی صاف ذوق سے زیادہ سلیس ہیں وقت ہمیشہ ایسے شعراء کے اشعار میں پائی جاتی ہے جو
 عاشق اور صاحب دل ہوتے یا ان کی طبیعت میں شاعرانہ جذبہ بھر پور ہو تو وقت انکے شش غیر شعری طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔

جب اسلام کا ظہور ہوا اور دیہاتوں کے لوگ شہروں کی جانب آنے لگے تو لوگوں نے عام اور آسان زبان کو زیادہ پسند کیا جن اشیاء کے بہت
 سے اسماء تھے، ان میں آسان اور خوب صورت ناموں کو چن لیا، شفا - طویل - ایک لفظ ہے اس کے لئے ۶۰ الفاظ اور بھی عربیوں کی زبان میں تھے، مگر
 انہوں نے اس لفظ کے اچھے ہونے کی وجہ سے باقی الفاظ کو متروک قرار دیا اور ایسے معانی و الفاظ اختیار کئے جو حسین اور آسان ہوں، جن شعراء نے بعد میں
 قنداء کے مشکل اسباب الفاظ کی پیروی کرتے چاہی وہ بہت جگہ پھسل گئے اور جادہ صحاب سے ہٹ گئے جیسے کہ ابو تمام۔

یہ تجزیہ جو حجازی نے اچھا کیا ہے، ابو تمام کے بعض عرب کا ذکر بھی انہوں نے اس انداز سے کیا ہے کہ ابو تمام نے بھی غلیظان کی تھیں اور متنبی
 نے بھی ان کا ارتکاب کیا، اس نے متنبی ہی پر گہری الزام رکھا ہے۔

خاصی جو حجازی کہتے ہیں کہ اگر تم کو لفظ کا صحیح استعمال معلوم کرنا ہو اور عمدہ شامی کا نمزد ویکھنا ہو تو قنداء میں تحریر اور ذوق الہی کا کلام دیکھو
 اصمت خوین میں بحر کی کا، تغزل میں اہل حجاز کا کلام قابل مطالعہ ہے، شفا کثیر، جمل شینہ اور نصیب کا، فیصد کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شعر بہتر ہے جس میں
 فطری شعراوند کیفیت نمایاں ہو اور تکلف و سختی کا نام بھی نہ ہو انہوں نے یہاں تک الفاظ کا حسن پھیلنا شروع کیا ہے اور معانی بدیں، فطری شامی کی زیادہ
 شائیں ہم کو بختری کے یہاں ملتی ہیں۔

عربوں کے نزدیک شہر اور میں مخالفت کے اصولی جھڑپ تھے کہ معافی عذر اور کچھ شش ہونی اور صحت پر دلالت کریں، اس طرح الفا
اچھے ہوں، صبح ہوں، وصف عذر اور موثر ہو، تشبیہ معنی کو خارج کرتی ہو، جس کو شواہد مقبولیت عطا ہوتی اور جس کے اشتباہات سے غریب الامت
ہیں گئے، وہ مخاطبت، تجنیس، استعارہ اور بدلیے کے چکر میں نہیں پڑا، محفلین نے دیکھا کہ تشبیہ، استعارہ اور مخاطبت وغیرہ سے حسن پیدا ہوتا ہے
قرآنہوں نے تکلف سے شعری طرز پر اشار میں ان اشیاء کو جو نا شروع کر دیا، اس صفت کا نام "الہدلیج" رکھا، بعض تو قافیہ اس کوشش میں کامیاب
اور بعض بالکل ناکام رہے یا ایک ہی شو کو کئی کامیاب اور کئی ناکام دیا۔

اگر تمام کی طرح متبہی پر پہنچنے کا الزام تھا۔ جو حائی جھڑپیں کر دینا ایک ہے اور شعری لہجہ، دونوں میں کوئی تعلق نہیں اور نہ کوئی تضاد ہے
حضر نے خود بھی شعر کرتے نظر دیا ہے۔

سہرات کے سلسلہ پر جہانی نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ مشترک معانی میں سرور کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور جو لوگ مشترک معانی میں کچھ شعر کر
سارے کچھ ہیں وہ نا فہم ہیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ متبہی کی شعری میں بہت سے عیر ہیں، جن کی موافقت جہانی نے کی ہے، مگر تنقید کے نقطہ نظر سے ان کی تمام بھڑوں سے
مولیٰ تنقید کو بہت فائدہ پہنچا اور عمل تنقید میں آمد کی کے بعد ایک دوسری مثال قائم ہو گئی، ان کی ناقض بحثیں فکر و نظر کا سرمایہ فراہم کرتی ہیں احساس
فطرت۔ اوسانہ مولیٰ تنقید کی ایک اہم کتاب ہے۔

(سید احتشام ندوی)

ہممہ کی سنیری کا سامان

جی آئی پائپ - سی آئی پائپ - آر سی سی پائپ - بلیسن
ڈبلیو سی - ملکی (غیر ملکی) کی خریداری کیلئے
پتہ ذیل پر تشریف لائیں

سلمان برادر سنیری اسٹوریا اکبر روڈ (ریڈیو یگل سینما) صدکراچی

سوز و ساز

نئی ناکافی منہ

دل سولا باغم الفت کے سوا کچھ بھی نہیں
نام تیرا ہی مرے در و زباں بہتا ہے
فیض ساقی سے کبھی شکر سراپا سنی زباں
حسن کو رہتی ہے غم و دیدہ دنیا کی تلاش
میں سمجھتا ہوں کہ محض کا یہ اندازِ نشاط
دل میں ایک آگ سی ہر لحظہ لگی رہتی ہے
حسن ہی حسن جو ہر چیز میں آتا ہے نظر
چھٹ گیا دل سے عیشِ فراوانِ لطیف
میرے اشعار میں بے سود ہے لذت کی تلاش
سخن حق میں صداقت کے سوا کچھ بھی نہیں

ناتواں پر تاب گزشتہ

یہ ظلمتیں کہاں ، وہ لگا و سحر کہاں
کیا جانے کچھ ہمارے مذاقِ نظر کہاں
پہلی کرن کے ساتھ انھو ادب سے چلو
شعلہ کے واسطے ہے غم و بال و پر کہاں
وہ تو میری طرف سے تھا زمانہ بہار
صحنِ چمن میں میں نے بنایا تھا گھر کہاں
ہر عیب بھی ہنسر ہے سیتے سے ہو اگر
رہا ہمارے پھول کا چاک جگر کہاں
اس قس کا عشق میں بستی جو زندگی
پھیلاتے اٹھ آتی ہے اے موت ادھر کہاں

دقائقِ نیری

جب چلتے ہیں عظامِ دلِ انسان کے قریب
اب فضاں آہیں سکتی گلِ خنداں کے قریب
بجلیاں لوٹ پڑیں صحنِ گلستاں کے قریب
تیرے دیوانے ہیں اب منزلِ عرفاں کے قریب
اس تند آؤ نہ تم دیدہ حیراں کے قریب
رک گئے خود ہی قدم منزلِ جاناں کے قریب
غصہ جاناں بھی ہے اے دلِ تم دعا کے قریب

اے وفا رحمتِ نیرداں پہ بھروسہ ہے جنہیں
حشر میں ہوں گے وہی رحمتِ نیرداں کے قریب

خود بخود اٹھتے ہیں اسرار کے پردے جیسے
اب ہمارا پی حقیقت سے ہوئی ہے واقف
جب بھی رکھی ہے بنائیں نے شمعین کی کبھی
اٹھ گئے وحدت و کثرت کے مجاہدِ لطیف
نورِ ظلمت میں کوئی فسق ہی باقی نہ رہے
جنہے عشق نے خود ڈھونڈ لی اپنی منزل
ان حوادث میں بھی کر حسن و محبت کی تلاش

ماہِ رات ادبی

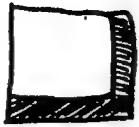
چلتے چلتے بھی وہ دیتے گئے الفت کا قریب
جاتے جاتے بھی مجھے ایک نظر دیکھ لیا

وائٹن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ

کراچی

ہر قسم کا
سوتی ادھ



اونی کپڑا

کورا اور دھلا لٹھا اور

ہر قسم کا
دھاگہ

پیار ہوتا ہے



باوانی وائٹن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

برا اعتبار سے قابل اعتماد ہے پاکستان کی صنعت کی قدر اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

ہماری نظریں

QADIANISM از دہلیہ ابوالحسن علی ندوی، صفحات ۱۰۰ صفحات، (مجلد ۱ گریڈ ۱۲ کی کتاب) اردو سے ترجمہ، نظر اسحق
CRITICAL STUDY النماز کا نام - اے تقویت پانچ روپیے ۵۰ پیسے ملنے کا پتہ - اکیڈمی آف اسلامک سٹڈیز ندوۃ العلماء (کنگڈم انڈیا)
جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا نام اسلامی دنیا کی تعارف کا صحاح نہیں ہے بلکہ لکری کہنا چاہئے کہ صاحب موصوف بن الاقرامی لکھتے ہیں
اُن کے صاحب ارد محمد ہے -

۱۔ سر ریخت و اما العلوم ندوة العلماء گشتہ (۲) رکن مجلس انتظامیہ و اما العلوم دہلی ہند (۳) صدر اقامہ اسلامی تحقیقات و نشریات کستو —
 دام رکن مجلس انتظامیہ دار المعشنین و کشل ایکڈمی (۴) اعظم گشتہ (۵) رکن مجلس قائمہ رابطہ عالم اسلامی ، مکہ مکرمہ (۶) رکن مجلس مث لدینہ پرنسپل
 (دعویٰ عربیہ) (۷) رکن اقامہ علم وفق و خوشن (۸) شام

مولانا علی ہادیان دشت اندامین کی فریاد کشیدہ لکے دے *VISITING* (مہر دینے والے) ہے میری عربی اہل اساتذہ کی ایک وجہ سے دنیا کا
کتابوں کے مصنف ہیں عرب دنیا میں ان کی عربی انش پڑھائی کا دھوم ہے دایم اطراف سے سحر کے بعض اہل تلم اندر لکھ لکھا دے شرفیابا کہ مولانا علی ہادیان ہمارے
طرح مرقی لکھتے ہیں صاحب معروف حضرت بیاض شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خالدار کے چشم دہلائے ہیں، ان کے کمال مولانا علی ہادیان مرحوم عربی اساتذہ دول
ذیابوں کے مایہ ناز انشا پڑھتے تھے؛ پس خاندان مفضل اساتذہ شرافت میں آپ انی مثل ہے (اللهم شرافت الہم)

حضرت مولانا عبدالقادر دہلوی کے لیے رشتہ المائے حبیب سے مولانا علی ہیاب کو نسبت اعلیٰ و جلیلیہ ہے حضرت مولانا علی ہیاب نے مولانا کو حکم دیا کہ وہ قلمی قیامت کی تمہید میں عربی زبان میں کتاب لکھیں۔ چنانچہ مولانا علی ہیاب نے پہلے قادیانی لڑکی کے کاغذ لکھ لیا اس کے بعد عربی زبان میں بیس ہجے مکتوب کی کتاب مرتب فرمائی، جسے عرب دنیا میں خاصی مقبولیت حاصل ہوئی، پھر اس کا اردو ترجمہ ہوا، اور اس کے بعد انگریزی ترجمہ ہوا اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔

اس کتاب کا اجمالی خلاصہ اور باب باب ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:-

مرزا غلام احمد نے اپنے حالات میں خود لکھا ہے کہ میں ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جو ہمیشہ دلائل و براہین کا دوا داتا ہے فقہائے اہل سنت کے عقیدے میرے والد نے اپنی طاقت اور دولت سے بڑھ چڑھ کر برطانوی حکومت کی املا دی!

نے اپنی طاقت اور دست سے بڑھ چڑھ کر بطوری حکومت کی انعامی!

مذاہم احمد کو حق تعالیٰ نے اپنی کشت نرسیا کو کٹ بھیجیاں ملازمت مل گئی، ملازمت کے دوران میں اس نے ایک یا دو انگریزی کتابیں پڑھ لیں اور کئی

ہاستان بھی دیا، مگر.....!

مرد کی جیسا خود بخود کا یہ عالم تھا کہ وہ اس کی تمیز نہیں کر سکتا تھا یہ جو اٹھے پیر کا یہ باید ہے کا اس کے لئے کہ مرزا بشیر احمد کا بیان ہے کہ کئی شخص نے مرزا غلام احمد کو گرا کر (جوتا) کہہ دیا، مرزا بشیر کی ماں نے بتائی کہ یہ مرزا اٹھے پیر کا تھا یہ بھی مرزا اٹھے پیر سے مرزا اٹھے میں ہیں کیا مرزا تھا جب تکلیف برقی اس درختی کا اس سے ہوتا اچھی پہلوت کہنے آئے ہوئے پرید ہے۔ اے اٹھے کہ نہ نہ کہنے کے لئے کہ مرزا اٹھے پیر سے مرزا اٹھے۔

— ۲۰ — میں صرف "ZERO" کا فرق ہے۔

اس کتاب میں لیاہ ترقی آتی نفس کی گئی ہیں، اس کے علاوہ کچھ عجیب پس بھی بندھ سانی ہوئی کے بھی ہیں، اس میں تو بے پناہ کی آید۔
اس کتاب کی چوتھی جلد میں ایک ایام کو پیش کیا گیا ہے..... اس میں زبان اللہ لکھ کر کی فاضل غلطیاں ہیں !

پانچویں جلد (شش شدہ — ۱۸۸۰-۱۸۸۲) میں صرف اس نقطہ نگاہ کو پیش کیا ہے کہ وہی عالم نام نہ تو ختم ہوتے ہیں اور نہ ختم ہوا..... اس کتاب میں اس نے بار بار اس کا اعلان کیا ہے کہ مجھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے دنیا کی اصلاح اور اسات صحت اسلام کے لئے، اور یہی خدا کا بھیجی ہوئی اور میں صرف میں ہی علیہ السلام سے ثابت لکھتا ہوں۔ یہ آئین میں مرنے والے حیدر کی کے زول کا سختی کے ساتھ انکا کیا ہے اور نہ ہی کلمہ کا بھی ! اس عقیدہ کی وہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قرآن کریم اللہ اس کی تعلیمات کو قرآن کا کوئی خطو لافق نہیں ہے اور نہ اس کا انانیتہ اللہ تعالیٰ ہے کہ مسلمان اسلام سے حق کی تعلیمات کی جانب لٹ جائیں گے !

منا غلام احمد کی ان دو کتابوں نے اسے نور سانی میں مبتلا کر لیا اور اس میں ایک نئی جہاز اور اس کی حیثیت سے سانی قابلیت کا اس میں ہوگی اور اس سے اس کا یقین ہو گیا کہ وہ کسی نئی تحریک کو جاری کرنے اور اس کی پائیدار بنانے کی استعداد رکھتا ہے، اس نقطہ سے اس کی زندگی ایک نئے مہم پر مبنی ہے اور اس کے چوبیس برس میں اللہ ایک ایسا مساجد میں سے مٹ دینا خواہ کر کے کی بجائے مسلمانوں کی کریمین دینا شروع کر دیا !

۱۹۰۱ء تک مرزا نے صرف "محمد" ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ کہ وہ ماسدین اللہ ہے؛ لہذا مرزا کی زندگی اللہ کی پابندیت کی تاریخ میں بڑا فیصد کن سال ہے، اسی سال کے شروع میں حکیم محمد الدین نے اپنے ایک خط میں مرزا کو "سیح موعود" کا دعویٰ کرنے کا مشورہ دیا !

حکیم محمد الدین حدیث کا وسیع علم رکھتا تھا اس نے مرزا غلام احمد کی توہ اس کے دعویٰ کی شکلات کو حق کی جانب ثابت کرنے اور اس شکلات کو کس کرنے میں مدد دینے کی جانب مصلحت کی، حکیم محمد الدین نے اپنے یہ بھیجا کہ رعایت میں ہوئے ملتا ہے کہ حضرت مسیح وشن میں نازل ہوں گے اور مرزا غلام احمد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوں تاکہ وشن کے مسدوس اللہ تعالیٰ کوئی توہم اتفاقا قریب سے..... پناہ مرزا غلام احمد سے۔

"و شن کو صرف استعداد کے انما پر استعجال کیا گیا ہے..... ہلکنے مجھے بتایا کہ یہاں کے لوگ بچہ کی مصلحت کے ہیں اور یہی حق تعالیٰ (و شن سے ملتی جلتی ہے، بس اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو اس وشن میں ایک بڑے مقصد کے لئے بھیج دیا....."

احادیث میں یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت مسیح جب نازل ہوں گے، تو وہ دوزخ و دنگ کی چاروں طرف میں پھوس ہوں گے، اس کا جواب یہ ہے ہونے مرزا غلام احمد نے کہا :-

"میں متعلق مریض ہوں اور دوزخ و دنگ کی چاروں طرف میں سے کے پھوس ہونے کا فکر کرتا ہے... یہ چاروں طرف میرے پاس بھی ہیں اور یہ تغیر دینا کے فلسفہ کے مطابق، وہ یہ کیا ہیں، بس ان میں سے ایک چاروں طرف سے ہم کے بالائی حصہ ہے، یہ کہ دوسرے، بے نواہی اللہ کی دھڑکن کے جھ پر دوسرے ہتھ میں اور دوسری چاروں طرف سے ہون کے حصہ میں ہیں پر ہے، جو دنیا میں ہے، جس میں ایک مدت میں سے میں مبتلا ہوں اور مجھے مات دن میں سو سو مرتبہ پیشاب کی حاجت ہوتی ہے....." (دارالین)

احادیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وشن کے مشرقی مینار سے پرنزل مسیح ہوگا اس کی کوئی تحبیبی تاویل کرنے کی بجائے اس نے اس معاملہ میں یہ کہا کہ تادیب کے شرعی حصہ میں تادیب ہو جانا چاہئے۔ ۱۹۰۱ء میں اس نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی رعایت کے مطابق اس نے لوگوں کو چنہ دینے کی حکمت دی، ۱۹۰۱ء میں مرزا غلام احمد نے اس مینار سے کاسک بنایا وہی لکھنؤ، گلاس کی زندگی میں اس کی تکمیل نہ ہو سکی اس کے بیٹے

مرزا بشیر الدین محمود نے اسے تکمیل کو پہنچایا۔

جن تین کتابوں کا ایسا حال دیا گیا ہے وہ مرزا غلام احمد کی بد مزاجی کی خمازی کرتی ہیں، ان کتابوں میں مرزا نے اپنے مخالفین پر جو طعن و طنز کیا ہے اور گالیاں سنائی ہیں وہ کسی سنجیدہ مشن کی کتابوں میں عطا ہونے کے قابل نہیں ہیں! ان کتابوں میں جو اذیتناک زبان اور اسلوب انہماک اختیار کیا گیا ہے وہ کسی باوقار اہل قلم کے بھی شایان شان نہیں ہے، چہ جائیکہ اُسے شیروں اور عینی مصیبتیں سے منسوب کیا جائے! حدیث خریف میں جو زیادہ کہ حضرت سید خنزیر کو قتل کر دیں گے، اس کا مرزا غلام احمد ان نظموں میں اذیت اُڑاتا ہے۔

”سچہ ماذل کے بعد جو سچے بنا کا نام نہ تمام دیں گے وہ صرف یہ ہے کہ کتوں کا غریل ساتھ ہے کہ سودا کا شکار کرنے کے لئے وعدہ کریں گے، اگر وہ بات صحیح ہے تو کسکوں، چھاروں، سانسوں.... کے لئے غزوہ صحرے کا مقام ہے، جو مسند کے شکا کو پسند کرتے ہیں....“

اس زمانہ میں مرزا غلام احمد نے جو کتابیں لکھی ہیں، اُن سے واضح ہوتا ہے کہ سائنس کی ترقیوں سے وہ بہت زیادہ نا آشنا تھا، اگرچہ مرزا کا علم سائنس کے بارے میں بہت نیا دہ سلی اور سیکنڈ ہینڈ تھا، یہی وجہ ہے کہ محبت مسیح کا عقیدہ چونکہ اس سائنس سے ٹکراتا ہے اُس سے مرزا نے اُسے رو کر دیا، اُس کا خیال تھا کہ اس قسم کا عقیدہ تعلیم یافتہ لوگوں کی نگاہ میں دین کو مضحکہ بنائے گا، چنانچہ ان ادا ادا میں مرزا نے لکھا ہے کہ اس قسم کی تعلیمات کی ہم اشد نفرت نہیں کر سکتے، بودیل، عقل، تجربہ اور سچائی سائنس اور فلسفہ کے بالکل برخلاف ہیں....

اس قسم کی عبارت پڑھ کر کوئی شخص مشکل ہی سے یقین کر سکتا ہے کہ یہ عبارت حق کی آگاہی مصنف کی لکھی ہوئی ہیں جس نے ”مزمعہ ادبیہ“ جیسی کتاب تصنیف کی ہے، جس میں مصنف نے پڑھی قوت کیا تصدیقات کے ذریعہ کے امکانات پر دلیل دی ہیں اور اس بات کی تردید کی ہے کہ اچھا طبیعتی نظریات اور نظریوں کو انسانی ہیئت و جسم اور عقل دلیل کی بنا پر رو کر دیا جائے۔

اس زمانہ میں مرزا داغ طوطی کو نبوت کا دعویٰ نہیں کرتا، بلکہ اپنی تحسیر میں نبوت کے لوازم و خواص سے بحث کرتا ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے کہ نبی کی کسی کو اُمتی کا ہونا چاہیے کہ طبع میں نبوت کے یہ خواص عطا کئے جاسکتے ہیں، اس نمانے میں وہ دعویٰ نبوت کے لئے زمین ہموار کرتا رہتا ہے اور اس بات کا پتہ لگانا ہے کہ اُس کے متبعین کی عظمت اس درجہ تک پہنچ چکی ہے کہ اُس نے ایسا دعویٰ کر دیا، نوعہ کسی جہاں جنس کے بغیر اُسے مان لیں گے، جس طرح کہ اب تک کے تمام دعویوں پر وہ اُمان و صداقت کہتے چلے آئے ہیں۔

آخر کار یہ سانحہ وقوع پذیر ہو چکا گیا، سن ۱۹۰۱ء میں مولوی عبدالحکیم جو محمد کر خطبہ دیا کرتا تھا اُس نے خطبہ دیا جس میں مرزا کے لئے نبی اور رسول کے افعال استعمال کئے، اس چیز نے مولوی سید محمد حسن احمد مولوی کے جذبات میں بڑا اشتعال پیدا کیا اور مولوی عبدالحکیم کو جب اس کا علم ہوا تو اُس نے دوسرے جگہ کہ خطبہ میں مرزا غلام احمد کو مخاطب کر کے اس سے درخواست کی کہ مجھ سے آپ کے نبی اور مرزا منزل ملانے والے کا عقیدہ بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے تو اب اُس غلطی کو درست کر دیں! محمد کی نمائندگی کے بعد مولوی عبدالحکیم نے مرزا کے کہنے کا سامنہ کر لیا کہ اگر میرے عقائد غلط ہیں تو اُن کی اصلاح فرمادی جائے، اس پر مرزا نے پلٹ کر کہا کہ ابھی یہی عقیدہ ہے، مرزا کی زبان سے یہ بات سُن کر مولوی عبدالحسن احمد مولوی خطبہ کے بارے میں سوچا کر گیا اور غصہ کی حالت میں مسجد میں ٹھپٹھ لگا اور مولوی عبدالحکیم کے آگے پر اُس سے لڑنے لگا جب دونوں کی آوازیں بہت بلند ہو گئیں اور شد و شر ہونے لگا تو مرزا اپنے مکان سے نکل کر آیا اور قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

”لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی....“

سن ۱۹۰۱ء میں مرزا غلام احمد نے کھن کھن کر اپنے اس دعوے کا اعلان کیا، تحفۃ السعدہ میں وہ لکھتا ہے۔

”میں نے یہ بات بار بار کہی ہے کہ جو چیز میں تمہارے سامنے طاقت کتابوں و قطعی طور پر لکھا کا کلام ہے اسی طرح

۔ سورج مرفان اور وحدیت اللہ تعالیٰ کے کلمات میں میں خدا کا ظلی اور بروزی نمبی ہوں اور مسلمان کے لئے لازم ہے کہ دینی معاملات میں میرا اتباع کرے ! اور جس کسی تک بھی میرے بار سےیں اطلاع و خبر سے، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ مجھے اپنے معاملات میں حکم نہیں مانتا نہ مجھے صبح و صبح تسلیم کرتا ہے اور نہ میرے اہامات کو من جانب اللہ سمجھتا ہے، اُس کو آنورت میں اس انگار کی سزا ملے گی۔۔۔۔۔ میں صوفیہ بھی نہیں کہتا کہ اگر میں جوٹا ہوں تو مجھے صمت آجائے بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ موسیٰ، عیسیٰ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح صادق تھے، اُنہی کی طرح میں بھی صادق ہوں ! اور اللہ تعالیٰ نے دس ہزار سے زیادہ نشانیاں میری تصدیق کے لئے ظاہر کی ہیں ! انبیاء و مہسبتے میرے ظہر کے زمانہ کو بتا یا ہے، اور وہ ہی زمانہ ہے، قرآن نے بھی میرے ظہر کے زمانہ کی نشان دہی کی ہے، اور وہی زمانہ ہے، آسمان و زمین نے میرے ظہر کی تصدیق کی ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس نے میرے ظہر کی تصدیق نہ کی ہو۔

مرزا غلام احمد کی تحریروں سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ وہ خود مستقل بالذات نبی اور صاحب شریعت سمجھتا تھا، اپنی تصنیف اربعین میں اُس نے خود کو ایسا نبی کہا ہے جو شریعت کے کرایا ہے۔۔۔۔۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ مجھے پوری آئی جہ کہ جو تیرا اتباع نہیں کرے گا اور تیرے حلقہ اہلاد میں داخل نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ تو اللہ اور رسول کا یہ نافرمان و فاجر میں رہے گا۔

مرزا کی تحریروں کا ایک اور اقتباس، —

” اللہ تعالیٰ نے مجھے انکشاف کی ہے کہ جس کوئی تک میرا پناہ، ہم پہنچا اور اُس نے اس کو قبول نہیں کیا تو وہ مسلمان نہیں ہے۔“

غلام احمد دہلوی کے دیکھ کر مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی ایک تقریر میں کہا۔۔۔۔۔ کہ کوئی احمدی اپنی بڑی غیر احمدی کے نکاح میں نہ دے۔

” انصارِ خلافت “ میں ہے کہ ایک شخص نے مرزا غلام احمد دہلوی سے دوبارہ دریافت کیا ” دیکھ لڑکی کے نکاح کے سلسلہ میں بہت ہی دشواریوں کا ذکر کیا اس پر مرزا نے اُس کو ہدایت کی، کہ چاہے کچھ ہو جائے، اُس و احمدی کو اپنی بڑی خواہ ساری عمر گھر ہی میں رکھنی پڑے مگر غیر احمدی کے نکاح میں ہرگز نہ دی جائے۔۔۔۔۔ جب مرزا کے منہ کے بعد،۔۔۔۔۔ شخص نے اپنی بڑی کا نکاح غیر احمدی سے کر دیا تو مرزا کے خلیفہ اعلیٰ حکیم نور الدین نے احمدیوں کی امامت کے عہدے سے اُس کو ہٹا دیا اور احمدیوں کی جماعت تک سے خارج کر دیا۔۔۔۔۔ !

قادیانیوں کے آرگن اور ترجمان الفضل کے بیان کے مطابق مرزا غلام احمد نے، اپنے بیٹے فضل احمد کے بناناڑے کی نماز نہیں پڑھی کیونکہ وہ احمدی نہیں تھا۔۔۔۔۔

ہم مرزا غلام احمد دہلوی کے حالات زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے۔۔۔۔۔ کہ اُس کی زندگی کے دور رخ میں پہلا رخ اُس کی ابتدائی زندگی کا افسانہ اور شریعت کا مدد ہے اور بعد کا رخ اور دور یہ ہے کہ اُس کے ماننے والوں کی عقیدت اُسے حاصل ہوگئی، اور انہوں نے اُسے ملامت کر دیا۔ مرزا کی زندگی میں صوفیوں، خدا پرستوں اور وہیہ اردوں کی زندگیوں سے مشابہت کی بجائے دنیا پرست سیاسی لیڈروں اور غیر مذہبی تحریکوں کے بانیوں کی زندگیوں سے مشابہت نظر آتی ہے، اس سلسلہ میں اس تمام مشابہت اختیار، کہی کہ خود مرزا کے خلیفہ عقیدت مندوں میں بڑی حسنی پیدا ہوگئی۔

مرزا غلام احمد کے گھر والے جس طرح کی عیش و تفریح کی زندگی گزارتے تھے، اُس کے بارے میں مرزا کے ماننے والوں میں خاص طور سے خواجہ کمال الدین سے زیادہ غیر مطمئن اور متشکک تھا، خواجہ نے اپنے اصحاب سے اس کا اظہار بھی کر دیا کہ اُس کے خاندان کی عورتیں یہ دیکھ کر کہ مرزا کے گھر ان کی عورتوں کا معیار زندگی بہت اونچی ہے اس لیے وہ خود پر زندگی بسر کرنے اور تحریک کے لئے یورپ و پس انداز کرنے کے لئے رخصت و نظم نہیں آتیں۔

خواجہ کمال الدین نے ایک بار مولوی محمد علی الابراہیم جماعت احمدیہ لاہور، اور مولوی سرور شاہ قادیانی سے جو قادیانیوں کا قابل ذکر عالم تھا، کہا کہ جی ولاء،

مرزا نے اس بات کا اعلان کیا — کہ میرزا غلام حسین کی میں بارہا ہفتہ صبح کرچکا ہوں یہ ہے کہ اسلام کے دواخواہوں میں ایک یہ کہ اشد تعاقب کی طاقت اور دوسرا اس حکومت کی طاقت میں نہ تو ایک ہی اور دوسرا وہ علم سے بچانے کے لئے برفل عاطفت ہے۔ اسی حکومت — برطانوی حکومت — ہے۔ مرزا نے دوسری بات پر بھی وہ یہ قسم کھیں کہ اپنی زندگی کے آغاز ہی سے ایک جگہ میں میں ساڑھے سال کا ہوں، اپنے زبان و قلم کو ایک عظیم مقصد میں صرف کرنا ہوں اور وہ مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے غلبہ کو دیکھنا اور حکومت کی اہمیت، غیر خدائی اور پسند کی طرف پھیر دوں، اور ان کے دلوں سے جہاد کے تصور کو مٹا دوں۔ اس میں یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میری قوم پرست مسلمانوں کے دلوں پر بہت بڑا اثر ڈالے اسلئے انہوں کو آدمی تبدیل ہو گئے ہیں، مرزا نے اعلان کیا کہ اس کی ذات برطانوی حکومت کی حفاظت کے لئے تلہ اور تھین کی حیثیت رکھتی ہے۔

مرزا علی اللہیت نام کے ایک پیر پرورش قادیانی مسیح زنا فانی نے ان میں جا کر غصہ جہاد کے خلاف تلقین و تعلیم کا آغاز کیا، غیر قادیان ہندو جہاد میں کی قوت سے اپنی آندھی کو سنبھالنے کا حکم دے کر تھے اور برطانوی حکومت کے لئے دوسرے ہوئے تھے، عبداللطیف قادیانی کی اس تعلیم نے ان کے اندر اس شخص کے خلاف اس قدر نفرت اور بے بسی پیدا کر دی، حکومت افغانستان نے اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔

عبداللطیف نے انہوں کو قادیانی کے ساتھ بھی افغانستان میں بھی حکومت پیش آئی، ان کے خلاف اس بات کا ثبوت مل گیا کہ وہ حکومت افغانستان کے دوا خواہ ہیں، اور برطانوی حکومت کے ایکٹ اور جاسوس میں ایسا قادیانی عقائد پھیلا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

مرزا بشیر الدین محمد نے پرنس آف ویلنگ ڈسٹرکٹ میں ۱۹ جنوری ۱۸۸۷ء کو پوسٹاں میں غیر مقدم پیش کیا تھا، ان میں ان حادثات کا بڑے فخر کے ساتھ ذکر کیا گیا اس بات کو تسلیم کر لیا گیا کہ یہ قربانیاں اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ وہ یعنی قادیانی اور برطانوی حکومت کے دوا خواہ ہیں۔

مرزا کے مزاج و سیرت کا اس سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنی تحریروں میں گایاں، کلیں میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعریف کے لئے بار بار اور "مکرمہ لغت" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

محمد بن یحییٰ سے شادی کا سند اس کے سلسلہ میں مرزا غلام احمد کا پیش گوئی نے اس کی بہت کی پرستہ طور پر نقلی محول دی، مرزا نے کہا کہ ہماری پیش گوئیوں کی صداقت و کذب کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار اس کی شادی کا سند ہے اور مرزا کی یہ حالت تھی کہ وہ بڑی آناؤں کے ساتھ پیش گوئیاں کیا کرتا تھا، محمد بن یحییٰ سے اپنے نکاح کو اس نے آسمانی شرف میں قبول کیا تھا اور اس نے اس پیش گوئی کو صرف اپنی صداقت ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ یہاں تک کہ دیا کہ یہ دراصل اسلام کی شگفت اور فتح کا معاملہ ہے۔ مرزا نے کہا کہ محمد بن یحییٰ کے ساتھ اس کی شادی طے شدہ سند ہے اس لئے کہ آسمان ہمیں بات طے کر ہی گئی ہے اسلئے اس پیش گوئی میں تبدیلی کا کوئی سبب ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مرزا غلام احمد نے ایک طرف تو اس جہنم و لعین کے ساتھ پیمبرانہ انداز میں شادی کی پیش گوئی کی، دوسری طرف اس نے لوگوں کے ہاں مرزا احمد بزرگ کو

طاہر لکھا۔

”جو کچھ میں بت ہوں، اگر آپ نے مستعمل فرمایا تو میرے حق میں یہ مہربانی اور کریم النفسی کا سلوک ہوگا اور میں خدائے کریم و رحیم کی بارگاہ میں آپ کی دوازی عمر کے لئے دعا کروں گا اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی جائیداد و مملکت کا تہائی حصہ آپ کو پیش کر دوں گا، میں ایمانداروں کے ساتھ اس کا اعلان کرتا ہوں کہ جو چیز بھی آپ طلب فرمائیں گے، اسے میں آپ کو دے دوں گا۔“

لیکن ہمیں پسینہ لگتی ہے کہ یہ انجام ہوا کہ محمد بن یحییٰ کی شادی مرزا سلطان محمد کے ساتھ، مارچ ۱۸۸۷ء کو ہو گئی اس پر بھی مرزا غلام احمد نے آمین نہیں کہا اس پر یہ کہنا شروع کیا کہ بالآخر میری اس کے جہان و عقیدے آکر رہے گی۔ اس نے حلف شرعی کے ساتھ اس کا اعلان کیا — کہ —

”یہ بات سچ ہے کہ اس خالوں کی میرے ساتھ شادی نہیں ہوئی لیکن میں اس طرح پیش گوئی میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اس کی

۱۔ رہنمائی اسلام - احمدیت کے بغیر یعنی وہ اسلام جو حضرت مرزا صاحب کے بغیر ہے، روکھا
 پھیکا (Dry) اسلام ہے، پس اسی طرح مکہ کا حج بھی اس حج یعنی زیارتِ قدیان کے بغیر روکھا پھیکا
 حج ہے کیونکہ حج کے جو اغراض و مقاصد ہیں وہ اس زمانے میں یہاں قدیان میں، پورے ہو جاتے ہیں۔
 "تقادیانیت سے مذہب کا جو تاریخ متعین کیا ہے، اس کا ہندوستان کے قوم پرستوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ بغیر مقدم کیا، ایک ہندو
 اہلِ قسم ڈاکٹر ششکر پرشا دہرانے بڑی قابلیت کے ساتھ اس نقطہ نگاہ کی ترجمانی کی ہے، ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

"ملک کے سامنے سب سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کس طرح قومی جذبات پیدا کئے جائیں، مسلمانوں
 کے ساتھ حکومت بعض اوقات معاملہ کر تی ہے کبھی ہم ان کے ساتھ مدد سے بازی کرتے ہیں اور کبھی ان کو اتحاد کی دعوت
 دی جاتی ہے مگر یہ تمام مجھے بے نتیجہ ثابت ہوئے، مسلمان اب بھی اپنے کو جلا گاندھ قوم سمجھتے ہیں اور دین ملتِ عرب کے
 گیت گاتے ہیں اگر ان کا بس چلے تو وہ ہندوستان کو "مغرب" بنا دیں، اس اندھیرے اندھا امیدی کی فضا میں۔
 ہندوستان کے قوم پرستوں اور وطن دوستوں کو آمید کی صرف ایک ہی شعاع نظر آتی ہے امیدِ امید کی شعاع
 "احمدیوں کی تحریک ہے، مسلمان جس قدر اقدام دیں بھی احمدیت کی طرف مائل اور مایوس ہوں گے وہ دینِ دیان کو
 اپنا مکہ سمجھیں گے ادا تمام کار وہ ہندستان سے محبت کرنے والے اور سچے نیشنلسٹ بن جائیں گے۔"
 "مسلمانوں میں احمدیت کی اشاعت و ترقی ہی پان اسلامزم اور عربی ثقافت پر موت کی ضرب لگا سکتی ہے جس
 قومی نقطہ نگاہ سے احمدیت کا مطالعہ کرنا چاہئے۔"

ڈاکٹر ششکر پرشا دہرانے یہ بھی لکھا۔

"یہی وجہ ہے کہ مسلمان احمدی تحریک کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، (اس لئے کہ) وہ جانتے ہیں کہ احمدیت
 عربی تمدن و ثقافت اور اسلام کی مخالفت ہے؛ تحریکِ خلافت میں احمدیوں نے مسلمانوں کے ساتھ اتفاق و انہیں
 کیا، ترکی اور عرب کی بجائے وہ یعنی احمدی، قدیان میں خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں یہ چیز عوامِ مسلمانوں کے لئے
 جو ہمیشہ پان اسلامزم اور عربی وحدت کے خواب دیکھتے رہتے ہیں خواہ کبھی مایوس کرنے والی کیوں نہ ہو، مگر
 نیشنلسٹوں کے لئے تو فوری دست ہے۔"

جس زمانہ مرزا غلام احمد کے "ظہور" کا ہے، اُس زمانہ میں مسلمانوں کے اندہ جوشِ بھاری تھا جس کی خاص طور سے ضرورت تھی، کیونکہ مغربی حکومتیں
 جنگی طاقت کے زور سے مسلمانوں کی حکومتوں کو دینی اور ان پر غالب برقی چلی جاتی تھیں۔۔۔۔۔ دوسری چیز مسلمانوں میں قابلِ اصلاح یہ تھی کہ
 غلط فہم کے توہمات اور تبرہ پستی کہ میں وہ مبتلا ہو گئے تھے، اور کثرتِ اللہ اور شہر کا نہ بدعت و رسوم کا فلسفہ ان پلاشنا نماز پر مہم تھا؛ یہ وقت
 ایک بہرہ اور مصلح کے لئے "توحید و سنت" کی اشاعت کے لئے ضروری تھا۔

ان مسائل کے علاوہ بیرونی اقوام اور مادہ پرستانہ تمدن سے جو مسلمانوں کا واسطہ پڑا، تو ان میں معاشرتی اور اخلاقی طور پر بڑی بستی پیدا ہو گئی
 امیہ اخلاقی بستی اس حلقہ پر پورے گئی کہ گناہوں پر مذمت کا احساس دلوں سے نکل گیا، عیش و عشرت کی زندگی سے تھک جی، ذہنی طور پر بیرونی
 حکمرانوں کی غلامی نے خود داری کے جذبہ کو فنا کر دیا، اور مغربی تمدن کی نفی اور بھٹائی آقاؤں کے طرزِ زندگی کی تقلید کو جو اسلامی تعلیمات
 کی مخالفت تھی وہ غصہ اور نفرت کی نشانی سمجھا گیا۔۔۔ یہ موقف واضح طور پر اس کا مطالعہ کرتا تھا کہ مسلمانوں میں ایک ایسا "مجاہد" پیدا ہو،
 جو اس سیلاب کا مقابلہ کر سکے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں میں دین کے بارے میں بے خبری پائی جاتی تھی، جس کا سبب یہ تھا کہ انگریزی و قدس میں عوام کی جدید طلبہ پر تعلیم و تربیت چوری تھی، مسلمان اسلام کی روایات و تاریخ اور عقیدہ سے بیگانہ نہ ہوتے جا رہے تھے، یہ مصروف حال اس کی مقتضی تھی کہ مسلم سرسائیں میں دینی تعلیمات کی بہت طاقتور تنظیم کی جائے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں اسلام سے گہری عقیدت اور ایمان بکھیرا جائے۔

ایک اسلوبِ حُرمت اس زمانہ کی مسلم دنیا کی منتی کہ ابیہد کلام کے طرز اور وضع پر مسلمانوں کو ایسی زندگی بسر کرنے کی دعوت دی جاتے
جہاں نیت پر ایمان و یقین اور اعمالی تعمیر کی قوت رکھتی ہو یا یہ واقعہ کہ کمالِ مسلمانی کو نہ اس زمانے میں اندک کسی اور زمانے میں کسی نے مضربِ اندیشے
نہی کی حُرمت نہیں دی، بلکہ حُرمت اس کی منتی اس لیے کہ یقین و ایمان کو تازہ رکھی جائے، اس لیے صدائِ حق کے لئے تازہ جوش پیدا
اور حضورِ خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ نے جس ہدایت اور تعلیمات کو نازل فرمایا تھا، ان کو تازہ کیا جائے !

مسلم دنیا کی جن ضرورتوں کا ادھر پر کر گیا ہے، اُن کو پورا کرنے کے لئے ایسے متعدد مردانِ خدا پرست اور صالح کار پیدا ہوئے جنہوں نے بڑے بڑے دھوکے کے ساتھ نہ تو کوئی نئی امت بنائی، نہ انہوں نے کسی نئے نبی کی طرف مسلمانوں کو دعوت دی اور نہ مسلمانوں کی صفوں میں اختصار پیدا کیا؟ ایسی شخصیتیں امدان کی جدوجہدِ مسلم دنیا کے لئے صحت و بہکت ثابت ہوئیں، اُن کا شن اور کامِ پر قسم کے شبہ سے بالا تھا اس کا کوئی ادراک اندیشہ ہی نہیں کہ اُن کے کمال سے امتِ اسلام کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے کسی چیز کو خالصتہً اپنے پیغمبروں نے اُن سے خاندہ اٹھایا مسلمان ن کے امدان مندا اور شکرگزار ہیں!

ایسے نازک زمانہ میں جو مسلم دنیا کے لئے بڑا ہی اہم زمانہ تھا، ہندوستان جو دینی اور سیاسی کشمکش کا آماجگاہ بنا رہا تھا، وہاں ازراہِ اقلیت احمدیہ نے ایک نئی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے سامنے کیسے کیسے اہم اور دلچسپ مسائل تھے، ان سب کو غفلت انداز کر کے مرزا قلام احمد نے زنا ب میسج کے مسئلہ کو اٹھایا اور اس کا دعویٰ کیا کہ میں مسیح جو محمد ہیں۔ جو کچھ قرآن و حدیث میں آیا، وہ قرآن و حدیث اس دعوے کی تائید و تائید و تائید ہے باقی یہ اس امر کی نشاندہی نہیں صرف کیا گیا کہ عبادِ مسیح جو ہے اور ہمارے دینی حکمران کی اطاعت دینی فریضہ ہے، تقریباً نصف صدی تک انہی سب پر نگہ رکھ کر بحث ہوتی رہی۔

مرزا غلام احمد نے مسیحؑ کے موضوع پر جو کچھ لکھا ہے، اُلگے سے اُس کی کتابوں سے خارج کر دیا جائے تو یہ ان کتابوں میں مشعل ہی سے کوئی تاب بن نہ کر
 قیوہ گئی !

[illegible]

مرزا غلام احمد نے مسلمانوں کے مذہبی ترکہ میں کسی ایسے مفید چیز کا اضافہ نہیں کیا، جس کی بنا پر اُس کی شخصیت کا اعتراف کیا جائے۔ اُن کے بعد کسی کی سرپرستی نسل اُس کا احسان مانے، مرزا نے تقاضا کیا کہ تو کوئی ایسی تحریک شروع کی جس سے اسلام کا احیاء ہو سکے۔ اُن کے مسلمانوں نے فائدہ پہنچا سکتا تھا؛ اُس نے مسلمانوں کے عقلمند اہل علم میں کسی سند کے حل کر دینے کوئی مدد کی، اور نہ اُس کی تحریک پہ ہم عمر تمدن کیسے تھی ہے۔ عورت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اُن کو گنہگارستان یا یورپ میں اسلام کی اشاعت کے لئے ڈیڑھ سالی کرپٹ دیا جاسکتا ہے۔

موتنا غلام احمد قادیانی کو معروف اس بنا پر کیا گیا کہ اس نے اپنے خاں کے لئے روحانی قیادت و پیشروائی اور دینی امور و خوشحالی ترک میں پھر ڈی، اس کا مقابلہ آفاقی خاں اہل اسلاف سے کیا جا سکتا ہے۔

ان لوگوں کی نگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی سرسری چھلکیں تھیں، یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ انہوں نے محض وہ ہے جو حضور کو نصرت الہی حاصل تھی جو حضور کی اصل طاقت تھی، اور نہ شہیت الہی تھی، جس کا حضور کی غایت واسطہ امر آئے تھو۔

مگر اس کے برخلاف حقیقی اسلام جس کو نبیؐ آخر نے پیش فرمایا تھا۔ آج بھی اسی طرح قائم و باقی اور زندہ و پائندہ ہے جس طرح کہ خدا اور پید
عظیم روحانی طاقت ہے اور امت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے روشن ستارہ اور روحانی نین و تاثیر کا محرک بنا ہوا ہے۔ . . . اور اب ایک تہ
سلطنتوں اور کروٹوں کا دن ہے۔ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا آفتاب آج بھی روشنی میں ابدائتا تاریخ اس کی نشاندہی نہیں کر سکتی کہ
اس جہر میں تاب کو کبھی غن نگاہیں اور انشاء اللہ کبھی ہوگا۔

انھوں نے مسیحیوں کو بھی دعوت دے کر علیہ مرتبہ ۱۔ سواری فلاح محلہ صاحب تذکرہ سیالان، قضاوت لاہور، قیمت تین روپے
میرزا سلیمان نے کاغذ ۱۔ مرتبہ ۱۰۹ علیگیر روڈ، شرف آباد، گواچی۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل اور اعلیٰ درجہ کی دینی و فنی تعلیم کے ساتھ شرفِ

تہاں کے دوسرے کمالات کے سامنے دبی دبی سی، تاریخ میں ان کا ذکر ایک مورخ، معلم اخلاق اور محقق کی حیثیت سے آئے گا مگر شاعر کی حیثیت سے نہیں آئے گا! اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت موصوف کے دوسرے کمالات جو مرد و نجوم کی طرح مختلف ہیں ان کے مقابلہ میں ان کی شاعری جگنوؤں جیسی ایک ہے۔

جناب مولوی غلام محمد (سید آبادی) حضرت موصوف سے شرف بیت و ارادت رکھتے ہیں بلکہ ان کے تربیت یافتہ ہیں، ہر شیخ کو ایسے نفس عقیدہ مند مل سکتے ہیں، مولوی صاحب موصوف نے اپنے پیرو مشرک کے کلام کو بڑی عقیدت و خلوص کے ساتھ سچ کیا ہے اور اس پر ایک شاقیہ ادیب نے نقد کے اعجاز کا دلچسپ مقدمہ لکھا ہے!

آصفان سلیمان کا آغاز، علامہ مرحوم کے دعوے کے کلام یعنی غزلوں سے متا ہے، جس کا عنوان "غزل الغزلات" ہے، یہ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۹ء کا کلام ہے، اس کلام کا سرنامہ، علامہ کا یہ شعر ہے۔

سمجھیں مرے کلام کو جو ہوشمند ہیں
ستی مری یہ بادۂ انجور کی نہیں

دل کے منتخب اشعار۔

چنگ و نئے و بربط کی صدا بھول گیا ہوں	بچاؤ محروگیں وہ ذوق لب و گوشت
امیر جزا، خوب سزا بھول گیا ہوں	منظور تری چشم رضا جیسے ہوتی ہے
ایک میں ہوں اور خدا کا نام ہے	نہم میں تنہا نظر آتا ہوں میں
بھٹ میں الجھا مسافر تو سفر ناکام ہے	چل کھڑا ہوا رہتا ہے پوچھ کر، ماہ سفر
جو نہ بخیر ہو وہ میخوار کہاں لاؤں	دل بولین گنگہ یار کہاں سے لاؤں
وہ سفینہ جو گرے پار کہاں سے لاؤں	اُف دی! دیدائے معاصی کی تلاطم فیزی
شریح غم فسادِ قسم کہاں گرا ہوں میں	دامن کو آنسوؤں سے جو غم کر رہا ہوں میں
دم اپنا چراغ سیر راہ ہے	بھروسہ نہیں اب بھجا تب تجھ
یہاں بزمِ مصیبت ہے ناگاہ ہے	یہاں پیش بندی کوئی کیا کرے
اتر کے واسطے کچھ اور انتظار کرے	ابھی بقیہ فغان کچھ میں ہزار کرے
ہونا بچاؤ سے اک دن غدے و میخانہ	دستارِ فضیلت ہو، یادتی مرقع ہو
سینہ آغشتہ بخونم آرزو دست	شیرۂ صید زبونم آرزو دست
بٹرنے کی منسزل ابھی دود ہے	چلا چل تو منزل بہ منزل یونہی
دانا دیکھنا ہے کہ کیسے رہے	ہم ایسے رہے، یاں کہ دلچسپ رہے
دانہ انفاق و دودھ لٹا کر داسیر	خواجہ بخشید مرا سجدہ صد دانہ بہ لطف

غزل الغزلات میں جوش ملیح آبادی کی علامہ نظم کے جواب میں علامہ محمد اللہ علیہ نے جو نظم کہی ہے وہ خوب ہے! شاعرانہ لہری "تجربوں کی نظم" اور "چراغِ مصطفویٰ" کے تحت اس کے سامنے علامہ کی نظم درج ہے، اس نظم کا لغت کرتے ہوئے فاضل مرتب

یہ فقہ فہم نظم اور جزوی ۱۹۶۹ء کے اخبار "ندیم" میں چھپ کر عام ہوئی، اس کو پڑھ کر حضرت علامہ عجل ثلے
اور انہوں اس کا حقائق نہ فی البدیہہ جواب نظم فرما دیا، انداسی دن اسی اخبار کو بھیج دیا۔
یہ دلیل ہے علامہ سید سلیمان ندوی کی برگزینی، طریت ایمانی نے اس میں استنادہ توانائی اند تقدس بیجا لکھا۔
علامہ مرحوم کی شان و شانہ طبیعت کے جوہر غزل کے مقابلہ میں نظم میں تیار دہ کھلتے ہیں، علامہ شبلی نعمانی ہفتا میں یوں نظم کی ہے اس کے چند
پڑھتے اور محظوظ ہو جاتے۔

بیائے قدر خوان جاو افریدی دیکھند
نہ المان نہ دبائے نہ دیکھ نہ اورنگے
دشائش سجدہ گاو تھروالان تھنٹ ہی
ان شعور کے شبلی نعمانی کی شاعری کا آہنگ سنائی دیتا ہے
نارسی تعہد کے اس شعر میں۔

کرن دستار او بالاتر از اکیلی سلطانی
ادنگ سلیمانی مکھشکا، غالب ندرت شاعر تھا اس نے قوبے پرفانی کے ساتھ کہہ دیا۔
اک کہیں ہے ادنگ سلیمان مرے نزدیک
اک بات ہے اجمار مسیحا مرے آگے

مگر ادنگ سلیمانی کو چونکہ اللہ کے مقدس نبی حضرت سلیمان علیہ السلام سے نسبت ہے اس لئے مولانا سید سلیمان ندوی کو عام شعرا کی تقلید میں
یہ تشبیہ نہیں دین چاہئے تھی۔

کتاب کے دوسرے حصہ کے منتخب اشعار۔

طوبی غنم کے لئے منظور مجھے عسکرواز
بات ہے بہل اندر مشکل بھی
یار کی زلف کا قطر ہے یہ کوتاہ نہ ہو
صاف گھل کر کب نہیں جانا
بت پستی بھی کروں ادب شکن بھی میں نول
آنکھ میں قید کے آنسو دل میں اس بت کی ہوس
شکست رونق بت خفا نہ ہو نہیں سکتی
مولا نے اپنی پہلی البیہ کی دنات پر فریاد کہا ہے جس کا یہ شعر کس قدر انگیزہ ہے۔

تیرے جانے پہ گسار تھا کہ ہو محشر ہر پا
نظروں میں۔ متاوج حق گوئی۔۔۔ "اللہ" دس مسافات" بلند پا بہ نظریں ہیں۔
دوسرے آدھ۔

آتا ہے خدا بھی ترے صدمے میں مجھے یاد
مگر کہ لانا ضروری تھا، خدا کو بھول گیا ہوں (ص ۱۵)
ہر عبادت نظرت خفا نہ ہوئی
دل میں گریٹھا بت خود کام ہے (ص ۱۸)

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں وہ ایک قطرہ خون جو رگِ گلوں میں ہے

ڈاکٹر اقبال نے ان نظموں میں داد دی —

”آپ کی یہ غزل لا جواب ہے بالخصوص یہ شعر مجھے بڑا پسند آیا“

علامہ سید سلیمان ندوی کے لئے شعر گوئی نا نوی چیز تھی، اگر ان کو علمی کاموں سے ذہنت ملتی اور وہ شاعری پر پوری توجہ دیتے، تو ان کا شمار نابل ذکر شاعروں میں ہوتا، شعر گوئی کا جو ہر بالقہ ان میں موجود تھا اگر اس پتہ بالفعل کی پوری طرح حقیقت نہ ہو سکی! مرید نے بہر حال اپنے لائقِ احترام شیخ کی حقیقت کا اس طرح حق ادا کر دیا۔

ذکر الشہد

انصاف مولانا مفتی محمد شفیع مدظلہ

ضخامت ام و صفات (مروغی خوشنما قیمت ۵ روپے)

دود و سلام کے فضائل و مسائل ملنے کا پتہ — دارالعلوم کراچی

اس کتاب میں حضرت مولانا محمد شفیع نے ذکر الہی کے طریقے، مسائل، فضائل اور سنون دعائیں بڑے سلیقہ سے سلیس اور سوجھ بوجھ کے ساتھ ترتیب کی ہیں، اور دوسرے باب میں دود و شریف کے فضائل و مسائل درج فرمائے ہیں! دود و شریف کے ضمن میں یہ بھی لکھنا چاہئے تھا کہ مسلمانوں نے سمجھوں اور سیرت النبی کی تحفوں میں کھڑے ہو کر صلوة و سلام پڑھنے کا جو طریقہ ایجاد کیا ہے اس کے لئے کوئی سند کتاب و سنت، آثار و صحابہ و افعال ائمہ تک میں نہیں ملتی، لہذا یہ ”بدعت“ ہے! شرک و بدعت کی تردید میں سلام اللہ علیہ و آلہ و سلم کی نامائلی کا حق نہیں کتنا چاہئے!

”عالم بیداری میں زیارت“ — اس عنوان کے لئے صحابہ کرام کے حالات یا تابعین کے واقعات سے سند کافی ضروری تھی، شیخ عبدالوہاب نحرانی اور علامہ سید علی کی اسناد اس باب میں حجت نہیں ہیں! اس قسم کی روایتوں سے ذہنوں میں خلجان پیدا ہو سکتا ہے! اہل اہل حق فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔

اپنے موضوع پر یہ کتاب خوب نہیں، بہت خوب ہے، ذکر الشہادہ دود و شریف سے زبان کا ترجمہ، بہت بڑی سعادت اور شرف و کرامت ہے!

فاران کیمبل لوحیہ

شائقین کے لیے حد اصرار پر تیسری بار شائع ہوا ہے جو اب ختم ہونے والا ہے قیمت فی کاپی، چھپے ہوئے
(معارف مصروف)

میلے کا پتہ

مکتبہ فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی ۱

طاقت و توانائی کا مکمل کورس

مستقل فائدہ قابل اہمیت و توانائی - فرحت بخش تندرستی
دل، دماغ، معدہ اور جگر کے لئے اکیسویں منشی اشیا کے میلا، مادہ حیات کا محفوظ اور طبعی رکاوٹ پیدا کرنے والا
اسم باسٹی - ایک ماہ - دس روپے
طلائے شباب خاص بیرونی کمزوریوں کے لئے بے ضرر مرکب
ایک ماہ دس روپے

اعضائے ریسرچ ایسوسی ایشن کو بل کرنے والا کستوری اجنبی مرکب - ضرور - طاقت و تندرستی
لبوب کبیر خاص الخاص کشتہ چاندی کشتہ دھاتہ وغیرہ کا مرکب
ایک ماہ دس روپے
(نوٹ) ہر سہ ادویات کا مکمل کورس - ۳۶ روپے
نصف کورس - ۱۹/۵۰ روپے - مکمل کورس منجانبہ پمپسولٹاک معاف -

میلے کا پتہ - اشرف لیبارٹریز، لائل پور، فون نمبر ۳۰۶۱

آدم جی کاٹن ملز
لاڈھی کراچی



آدم جی کاٹن ملز۔ لاڈھی کراچی

آپ وقت سے پہلے کیوں مڑ جائیں!

دوسروں سے فائدہ میں قبل از وقت چھلنے کے آثار نظر آتے
 تھے ہیں اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان کا فیضان ہوتی ہے۔
 اس غیر فنی حالت سے بچنے کے لئے ہر روز کا نام اہم وقت
 استعمال کیجئے۔ یہ صحت و شباب کا نمبر ہے کاہنہ تر روز ہر
 ہر روز ہی حقیقی کدو سے نام اہم کے خواص اور خوبی کو کمال تک
 پہنچا کر آگیا ہے اور اب یہ ہر ایک سے ایک ہی شکل میں ملے گا

تاکہ ہر ایک کو جو فائدہ ہوئے اس کا سبب کو قوت بخشا ہے اور
 ہر روز سے نظام جسمانی کو چاق و چمرہ بن کر کے سال بھر کے لئے
 خردی کی نئی نئی ہوا کرتا ہے۔ بیشمار لوگ اس کی تاثیر کو آنا چکے ہیں

حائے الحیدر

جاڑوں میں قوت اور صحت حاصل کرنے کے لئے ایک مکمل اور موثر تاک

ہر روز دو ٹاڈ (دو قعد) پاکستان
 کراچی - لاہور - آٹھ - پشاور



شماره ۹

جلد ۱۸

ماہنامہ فاران کراچی

ماہ دسمبر ۱۹۶۶ء

ایڈیٹر ————— ماہر القادری

ترتیب

۳	ماہر القادری	نقشِ اول
۱۵	انوار عالم	زمینِ الجہاد اسلامی تفکر
۲۱	محمد اقبال حسین دہلوی	عالمِ اسلام میں علماء و شایخ کی حالتِ نادر
۲۶	پروفیسر افتخار احمد مخدوم مولوی دایم اے	جگر مراد آبادی، فن و شخصیت اور شاعری
۳۳	مولانا عبداللہ عباس ندوی	جہاں نادر کی حکومت سے بیزار کی گئیں
۴۰	وحید الدین خاں	روحِ انتخاب
۴۱	ہماری نظر میں

قیمت فی پرچہ	پبلشر : ————— مسرود حسین	چند سالانہ
۶۲ پیسے	مقام اشاعت	سات روپے
	دفتر ماہنامہ فاران کیمبیل اسٹریٹ کراچی	

مسرود حسین پبلشر نے انٹرنیشنل پریس کراچی میں طبع کیا کہ دفتر ماہنامہ فاران کیمبیل اسٹریٹ کراچی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ اول

حکاماتِ آئینہ جیسے سے یہ اطلاعاتیں ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچ رہی ہیں کہ قادیانی اپنے لٹریچر اور شخصی ملاقاتوں کے ذریعہ ملکِ قادیان کی دعوت دے رہے ہیں، ان کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں، اسی عرصہ میں خود ہمارے پاس قادیانیوں کی دھمکی جہالت کے دفتر سے اور پھر قادیانیوں کے مرکزِ مرقہ سے ان کی کتابیں آئیں۔ اس طرح ان اطلاعات کی پوری طرح..... تصدیق ہو گئی، حیرت ہے انگریز کے دور میں قادیانی اپنے کفر بہ من کی تبلیغ کرتے ہوئے جھجک محسوس کرتے تھے، مگر پاکستان میں ان کی جراتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ وہ اس ایمانِ مگرہ کرنے اور ایمان بنانے کے لئے کھلے بندوں قادیانیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور اس فتنہ کے عواقب سے بالکل بے پروا ہیں۔

قادیانیوں کی تردید میں بیسیوں کتابیں متعدد دہائیوں میں لکھی گئی ہیں، لیکن وہ ہر کسی کو آسانی سے نہیں مل سکتیں، پروفیسر محمد الیاء برنی مرحوم کی تالیف ”قادیانی مذہب“ تک پانچ ادوار میں ناپید ہے، اس صورتِ حال کا اندازہ کرنے کے بعد ہم نے اس کی شدید ضرورت محسوس کی عوامِ مسلموں کو اس فتنہ سے بچانے کے لئے قادیانیت کی تردید میں ایسے دلائل و ثبوت پیدا کرنا۔ ساتھ ہی غور انہی کی کتابوں کے منقولات جمع کر دینا کے مطالعہ کے بعد چھوٹی نبوت سے مسلموں کی نفرت و بیزاری اور یہاں وہ شدید ہو جائے، اور وہ اس مسلکِ فتنہ کی بے باک اور دعوتِ دہائیوں کو سختی بلکہ دشمنی کے ساتھ دھتکا کر دیں، تاکہ وہ پھر ایسا کرنے کی ہمت نہ کر سکیں اور انہیں اچھی طرح اس بات کا احساس ہو جائے کہ کسی جدید نبوت یا دھمکے ہوئے مسیحیت کے بارے میں ایک حرف بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہیں اور قادیانیت سے نفرت و بیزاری کو سب سے اسلام و ایمان کا تقاضا اور دلیل سمجھتے ہیں

جب پاکستان میں فتنہ قادیانیت کی تبلیغ پر کوئی موک ٹوک نہیں ہے۔ تو مسلموں کو اس مگرہ مسلک کی تردید کا بھی حق حاصل۔ فتنہ قادیانیت کی تردید کو جو کوئی ”فرقہ واریت“ سمجھتا ہے وہ رواداری کے آس و ہم میں مبتلا ہے، جس کا نام دینی بے غیورگی اور بے جمہوریت ہے۔ شخص دین کے معاملہ میں بالکل گدا اور اسلام و ایمان سے قطعاً بے خبر ہے، جو قادیانی مذہب کو مسلموں کا ایک فرقہ سمجھتا ہے، قادیانیوں اسلام اور مسلموں سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ گروہ امتِ محمدیہ کی مخالف جدید امت (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی امت) میں شامل ہے قادیانی امتِ محمدیہ سے بالکل جدا گانہ، جدید اور مختلف امت ہیں، اور یہ گروہ مسلمان فرقوں میں شامل نہیں ہے، مسلمانوں کا کسی قسم کا کوئی دینی رشتہ نہیں ہے، اپنے اس موقف کا خود قادیانیوں کو بھی احساس ہے، اس کے لئے بالکل سامنے کا ثبوت یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندوستان گیر پیمانے پر، مسلموں کی جو تحریکیں اٹھی ہیں چاہے وہ خدامِ کعبہ کی تنظیم ہو، تحریکِ خلافت ہو یا قیامِ پاکستان کے لئے جدوجہد۔

قادیانیوں کا ان سے کوئی واسطہ اندر کسی قسم کا ربط و تعلق نہیں رہا، مسلمانوں کی ان تحریکوں اور تنظیموں میں نہ تو خود قادیانیوں نے شامل ہونے کی ہمت اور خواہش کی اسلئے مسلمانوں نے ان کو دعوتِ شریعت دی؛ دنیا کے دوسرے مسلم ممالک پر کیسے کیسے نازک اور سخت وقت آئے ہیں قادیانیوں نے ان کیسے مل اور مشکلات و مصائب سے کسی قسم کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں رکھا!

مرزا غلام احمد قادیانی کو خود بھی اس کا احساس تھا کہ وہ ممالک جن مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہاں اُس کے پیش کئے ہوئے مذہب کا کاروبار نہیں چل سکتا، اُس نے خود اس کا اعتراف کیا۔

”کیونکہ میرے اعلیٰ معاصر جو بنائے ہوئے ہند کی حکومت کے ساتھ کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں، ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اور گروہنٹ کے زیر سایہ انجام پذیر ہو سکتے، اگرچہ وہ کوئی اسلامی گروہنٹ ہی ہوتی“

(تختہ قصر یہ - معتمد مرزا غلام احمد ۱۸۹۶ء)

دلی کا چھ اندھ ہی اندھ کہ رہا تھا کہ مسلمان حکومتیں نئے نبی اور جدید نبوت کی تبلیغ کی اجازت کس طرح دے سکتی ہیں اور وہ کسی سیاسی مصلحت کی بنا پر چشم پوشی بھی کر جاتیں تو ان ملکوں کے مسلمان عوام اس بے حسیتی اور بے غمقینی کو کس طرح گوارا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ افغانستان میں قادیانی مبلغین کا جو حشر ہمارے سب کو معلوم ہے؛ ارض مقدسہ تہذیب قادیانیوں کا داخلہ آج تک ممنوع ہے، اگر کبھی کسی قادیانی کے تہذیب میں موجود ہونے کی اطلاع مل گئی ہے تو اُسے گرفتار کر کے بیک بینی و دو گوش ملک بدر کر دیا گیا ہے؛ اسلئے سب کچھ اس عقیدہ کی بنا پر ہوا ہے اور ہونا چاہئے کہ قادیانی امت مجریہ میں شامل نہیں ہیں، نہ یہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ہے اور نہ ایمان و اسلام سے اس گروہ کا کوئی تعلق ہے!

مسلمانوں کے تمام فرقے اللہ عزوجل، کتاب و آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اس لئے وہ مومن اور مسلم ہیں، نبوت کا وہ دائرہ بند کر دیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب نہ کسی شخصیت پر قیامت تک کوئی آسمانی حجت نازل ہوگا اور نہ کتاب آترے گی، وحی نبوت کا بھی کوئی امکان باقی نہیں رہا، اس صحت میں مسلمان کسی ایسی شخصیت کو سچا اور صادق القول کس طرح سمجھ سکتے ہیں جو اپنے منکر کو کافر کہتا ہو اور خود اسی کے قول کے مطابق دوسرے مومنوں کی طرح اُس کا ماننا ایمان کی لازمی شرط اور جس کے انکار کو کفر سمجھا جائے!

اللہ تعالیٰ کی کتاب بہ حرف بہ حرف موجود اور محفوظ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اذکار و احکامات کے ایک ایک لفظ و کلامت نے حیران بنا کر رکھا ہے، صحابہ کرام کے آثار بھی کتابوں میں لکھ لئے گئے ہیں، اُس کے بعد صلوات اُمت اور اسخون فی العلم کے لاکھوں صفحہ اُمت کو بدستور دے رہے ہیں، حکمت و موعظت، طہارت و تقویٰ اور ہدایت و نجات کا کوئی گوشہ الیا نہیں ہے؛ جوتشہ اندازہ دھرا رہا گیا ہو، اُمت نے کسی دوسری بھی بعثت خاتم النبیین کے بعد وحی نبوت اور عامل وحی نبوت کی ضرورت محسوس نہیں کی، اللہ تعالیٰ کی کتاب اساسہ رسولی کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے لئے ہر اعتبار اور ہر جہت سے کافی و کافی سمجھا گیا، اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے ساتھ دین کا اتمام بھی فرمادیا، اس میں اب کوئی اضافہ نہیں کر سکتا، پھر اُمت کا کوئی عدد صلحاء و اصحاب علم و تقویٰ سے خالی نہیں رہا، دین کی تجدید و احیاء کے لئے عظیم شخصیتیں پیدا ہوتی رہی ہیں، مگر ان میں سے کسی شخصیت کو بھی دینی عظمت اور شرف و کرامت کے باوجود نبی کے معاش و جسم یا اُس کا ایک نفل و بدن نہیں مانا گیا، جس کا ماننا ایمان کی لازمی شرط ہو، اور جس کے انکار سے مسلمان کافر ہو جائیں! ان میں سے کسی عظیم و مقدس شخصیت نے بھی امت مسلمہ سے کٹ کر نہ تو کوئی جماعت بنائی نہ کوئی منفرد ”سلسلہ قائم کیا، ایسا ”سلسلہ“ کہ جس میں داخل نہیں ہے وہ کافر ہے؛ اور نہ کسی مجدد نے صرف اپنی طرف دعوت دی اور نہ کسی شخص نے کسی مجدد کو معیار حق اور ایسے منصب پر فائز سمجھا، جس کا انکار کفر کے مترادف ہو!

دنیا میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ساتھ گروہ مسلمان موجود ہیں، وہ بیکے سب اللہ عزوجل، کتاب و آخرت پر یقین رکھتے ہیں، اس قبول و اعتقاد کے بعد ان کا ایمان و اسلام غیر آنوکیا کی مرہ جاتی ہے اور وہ آخر کس دلیل کی بنا پر اس بات کو درست و صحیح مان سکتے ہیں کہ خدا، رسول، کتاب و

قومِ رَاغلامِ احمد جس کی جوانی کا آغاز مسلم دشمن حکومتِ برطانیہ کی وفاداری اور نیا زہندی سے ہوا ہے، اُس کے بارے میں شروع ہی سے کلامت پیدا ہو جاتی ہے، اور سُنتے ہیں۔

”اے قیصر و ملکہ معظمہ! ہمارے دل تیرے لئے دھاک دے رہے ہیں، جنابِ انبی میں جھکتے ہیں اور ہماری رُوحیں تیرے اقبال و سلامتی کے لئے حقارتِ احیاء میں سمجھ کر تکی ہیں (تختِ قیصر، ۱۸۹۶ء)“

جیسا کہ پہلے ہی عرض کیا، اور سب ملکہ و کٹریہ کی اقبال و سلامتی کے لئے ہمارا گواہ و خداوندی ہیں، روح و دل کے ساتھ سجدہ ریز ہے :

— اور —

”... دیکھیں ایک حکم نے کُراپ لوگوں کے پاس آ کر، وہ یہ ہے اب سے تمہارے جہاد کا خاتمہ ہے گراہنے

نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے۔“ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد از مرزا غلام احمد، ۱۸۹۶ء)

مرزا غلام احمد نے حضرت انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ”جہادِ بالیغ“ کے خاتمہ کا اعلان کر کے، قرآنی حکم اور دینی فریضہ پر خطِ تنبیہ لکھ کر پیا ادا اپنے اس کارنامے کی انگریزی حکومت سے وا دیا ہے۔

”اب میں مناسب نہیں دیکھتا کہ اس فریضہ نیا و کوٹولِ دول گوئیں جانتا ہوں کہ جس میرے دل میں یہ جوش تھا

کہ میں اپنے غلام و اطاعت اور خوش گزاری کو حضورِ قیصر و ہند دامِ ملک میں عرض کروں، پورے طور پر میں اس

جوش کو ادا نہیں کر سکا، ناچار دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا مالک اور نیک کاموں کی جزا دینا

چاہے وہ آسمان پر سے اس لئے قیصر و ہند دامِ ملک کو ہماری طرف سے نیک جزا دے اور وہ فضل اس کے شائقِ حال

کرے، جو نہ صرف دنیا تک محدود ہو، بلکہ سچی اور دائمی خوش حالی جو آخرت کو بھی دے وہ بھی عطا فرمائے۔

(رسالہ قیصر و اندر از غلام احمد، ۱۸۹۶ء)

کوئی مسلمان جو دین و شریعت کا ذرا سا بھی علم رکھتا ہے، کیا کسی عیسائی کے لئے آخرت میں ابدی مسرت اور دائمی خوشی دے جانے کی اللہ تعالیٰ کی

بارگاہ میں دعا کر سکتا ہے !

”امیر مولف — تاجِ عزت جنابِ ملکہ معظمہ قیصر و ہند دامِ اقبال کا واسطہ ڈال کر بندت گورنمنٹ عالیہ

انگلشیہ کے اعلیٰ افسروں اور مرزا غلام احمد کے باادب گزارش کرتا ہے کہ براہِ غریب پردی اور گرم گسٹری اس سالہ

کو ازل سے آئینہ پر چھا جائے یا سن لیا جائے (گفتِ الفاظ — اندر از غلام احمد، ۱۸۹۶ء)“

”براہِ غریب پردی“ یہ بیادوں اور چہرہ سیر کی زبان اور لب و لہجہ ہے، کیا اس مزاج و ذہنیت رکھنے والے کو کوئی صاحبِ عقل، مجدد، مسیح موعود یا نبی

مان سکتا ہے، یہ تمنا، درخواست اور عرض و معروض تو دیکھیے کہ کسی طرح مرزا غلام احمد کی تحریریں انگریزی محاکم کی نگاہ سے گزر جائیں، صاحبِ بہادری

کو بڑھک چھٹک فرصت نہ ہو تو ان تحسینوں کا خلاصہ ہی ان کے گوش گزار کر دیا جائے اور کاروبار سے خوشنودی کا پروانہ مرزا کو مل جائے !

مرزا غلام احمد کا دیا یا یا بظاہر حکومت کی نیا زہندی، خیر خواہی اور وفاداری پر سن انہماک میں فکر کرتا ہے اور بار بار جاتا ہے کہیں تو انگریزی

گورنمنٹ کا پیشینیانہ منہ افسرانہ وار اور دعا گو ہوں، اور میری توماری جوانی انگریز کی نیا زہندی اور خیر خواہی میں بسر ہوتی ہے۔ اگر اس کی زندگی

سالہ انگریزی حکومت کی نیا زہندی اور وفاداری کا یہ دشتہ اور تکرار مرزا کے بیٹے بشیر الدین محمد کو ملتا ہے ۱۹۰۲ء میں پرنس آف ویلز کے حضور بشیر الدین محمد سپاہ

خیر مقدم پیش کر کے — قادیانیوں کی وفاداری کا یقین دلاتا ہے۔

اور سیرتِ حکماء میں کوئی دوسری تحریک نہ ہوئی، تو تنہا ہی عیوب (انگریز کی دعا گوئی اور دنیا زدگی) اس کے بدلے ہونے کی دلیل ہے۔

مرزا نے قادیان کا پہلا تقاریر ہی جرائد کی کیا زندگی سے وابستہ ہے، مگر قدم کوہِ اور سوہن میں مبتلا کرنے والا ہے، اس کے بعد دوسرا تقاریر مرزا کی محبتِ مسمانی کا مسند ہے کہ وہ برسوں مراقبہ، مصنفہ باء اندک شریعت بول جیسے امراض میں مبتلا رہا ہے، جس کا اظہار اس نے اپنی تحریروں میں باہمی کیا ہے، ان امراض کی شدت انسان کا طول ایک آدمی کو اس تاہن کہاں رکھتا ہے کہ وہ کوئی کارِ نمایاں انجام دے سکے، اے! دوسروں کا اس پر غلبہ ہو سکتا ہے اور ان مساوی کو اگر اپنے ضعیف و مافی کے سبب وہ شخص، من جانب اللہ اور وحی و الہام سمجھے، تو پھر اس سے اسی قسم کے مشکلہ غیر دعوے اور نصایب و نیایں سرزد ہوں گی۔ جس قسم کی تقاریر دینی اور دوسرے مرزا کے یہاں ملتے ہیں۔

وحی کے بارے میں مرزا غلام احمد کا پہلے یہ عقیدہ تھا۔

”ظاہر ہے کہ اگر یہ ایک ہی دفعہ نزولِ فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ جبریل لادیں اور چپ ہو جاویں، یہ امر بھی

ختمِ نبوت کے معنی ہے۔ (انالہ اولیام ص ۵۵) مرزا غلام احمد

مگر پھر وہ یہ کہتا ہے۔

”چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نبی بھی ہے اور شریعت کے فوری احکام کی تجدید ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے میری

تعلیم کو اس وحی کو جو مجھ پر ہوئی ہے، نکلے یعنی کشتی کے نام سے مرموم کیا ہے“ (حاشیہ اربعین)

ختمِ نبوت کے بارے میں مرزا کا پہلے یہ عقیدہ تھا۔

”ان تمام احمدیوں میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ اب میں مفصل ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف اقرار کرتا ہوں، اس خانہ خدا درجائی مسجد دہلی میں کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختمِ نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“

درمزا غلام احمد کا تحریری بیان — سند تبلیغ رسالت جلد دوم — ص ۲۵

”ختمِ نبوت کے معنی اس کے سوا دوسرے کوئی نہیں سکتے کہ نبوت کا عہدہ توڑ دیا گیا، اور انبیاء و کرام کے مندرجہ بالا ہی ہوں گے کہ اب

قیامت تک کسی نئے نبی کا ظہور اور نزول نہیں ہوگا مگر اس اپنے پہلے عقیدہ کے علی الرغم مرزا غلام احمد نے اعلان کیا۔

”میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں، پہلے بھی کوئی نبی گزرے ہیں، جنہیں تم سچا مانتے ہو۔“

نودا ہے ہی قول اور سابقہ عقیدہ کی سوسے، اسی نبوت کا دعویٰ کر کے، کیا مرزا غلام احمد دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا، اس دعوے کے بعد کبھی اعلان ہوتا ہے کہ وہی اہلِ نبی میرا نام محمد اور احمد رکھا گیا ہے، کبھی یہ دعویٰ کہ میں ابراہیم اور یوسف بھی ہوں اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ میں کرشن بھی ہوں!

قرآن کریم میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اہم و فضیلت میں نازل ہوئی ہیں اور جن کے بارے میں دوا میں نہیں ہو سکتیں، ان کا مصداق مرزا نے قادیان نے اپنی ذات کو ٹھہرایا ہے، اور اس انطباق کے لئے مرزا کا قلم قرآنی آیات کی کھلی ہوئی معترضی تحریف کا کارنامہ انجام دیتا ہے۔

قادیانی اہل علم، مسلمان علماء کو تو کسی معاملہ میں حکم ماننے سے پہلے مستشرقین و مغربی زبان و ادب میں جہالت تامہ اور برہنہ نہیں، ان سے یہ دریافت کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کی کس کس آیت میں کیا مرزا غلام احمد قادیانی نام کی شخص کی مدح و فضیلت کا کوئی پہلو لکھتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی ابتدائی زندگی انفلاس و غربت کی زندگی تھی مگر جب اسے مذہبی پیشوائی حاصل ہوئی تو مرزا کی زندگی میں ایرانہ

ترفع پیدا ہو گیا۔ اس کے کھڑکے لوگوں کو پرہیز کا عیش ادا سونے کی میسر تھی، مرزا کے معتقد خاص خواجہ کمال الدین ملک نے صاف کہہ دیا کہ ہماری عورتیں، مرزا کے گھر کی عورتوں کے شحات باٹ دیکھ کر جگمان ہو گئی ہیں، اور وہ قادیان بھیجے جانے کے لئے ایک جہد بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ خاص طور سے مرزا کے باوجودی خانہ کے مصارف کا صحیح میرانہ تھے۔

مولانا شمس الدین امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی موت اور محمدی بیگم کی شادی کے بارے میں مرزا غلام احمد نے جو پیش گوئیاں کی تھیں وہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ ثابت ہوئیں۔ ان غلط پیش گوئیوں کی مرزا اس کے معتقدین نے جو تاویلیں کی ہیں ان کی رسالت کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیش کئے ہوئے مذہب نے کیا کام نہ انجام دیا، اگر کابل ایک ہندو اہل مسلم ڈاکٹر شکر پرشا دہرا کی خریدیں لگے۔ ہندوستان کے قوم پرستوں اور وطن دوستوں کو آمید کی صرف ایک ہی شمع نظر آتی ہے، اور یہ آمید کی شمع احمدیوں کی تحریک ہے، مسلمان جس قدر غلط دین احمدیت کی طرف مائل اور مائل ہوں گے، وہ قادیان کو اپنا مکہ سمجھیں گے اس انجام کا وہ ہندوستان سے محبت کرنے والے اور بچے شمس بن جائیں گے۔ مسلمان ہیں احمدیت کی اشاعت و ترقی ہی پان اسلام مزمل اور عربی ثقافت پر موت کی ضرب لگا سکتی ہے، ہمیں تو یہ نقطہ لگا ہے احمدیت کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان احمدی تحریک کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ احمدیت عربی تمدن و ثقافت اور اسلام کی مخالف ہے، تحریک خلافت میں احمدیوں نے مسلمانوں کے ساتھ تعاون نہیں کیا، ترک اور عرب کی جگہ، قادیان میں خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں یہ چیز عوام مسلمانوں کیسے پرہیز پان اسلام مزمل اور عربی وحدت کا خواب دیکھتے رہتے ہیں، خواہ کتنی ہی مایوس کرنے والی کیوں نہ ہو گمراہی سلسلوں کے لئے زبردست ہے۔ (قادیانیت)۔ ایک مطالعہ۔ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ڈاکٹر شکر پرشا دہرا نے قادیانیت کا صحیح تجزیہ کیا ہے یہ تحریک اسلامی اتحاد اور ملت اسلامیہ کی وحدت و سالمیت کو بارہ بارہ کرنے

والی ہے !

مرزا غلام احمد قادیانی نے انبیاء کرام پانچ فئات کو فضیلت دیا۔

آنچه داداوست ہر نبی را جسم داداں جام را مرا بہ تمام

اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ بذریعہ و شرف عطا فرمایا تھا اس کو اس طرح ہتھیلیا لینے کی بخشش کی۔

”اللہ نے مجھے رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۴)

”اللہ نے مجھے کوثر عطا کیا“ (ضمیمہ انجام آتم ص ۳۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پسری کے بعد بہتر کا دعویٰ بھی کر دیا۔

● ”اس کے دینی نبی کریم کے لئے دھرم، چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج

دونوں گرہن کا اب کیا توازن کار کرے گا۔“ (الکلیلا حادی ص ۱۱)

● ”ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا

اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقیات کی انتہا کا زمانہ تھا کہ اس کے کمالات کے معراج۔۔۔ کے لئے پہلا قدم تھا

پھر اس روحانیت نے چلنے پھرانے کے آخر میں، یعنی اس وقت درنا غلام احمد کے منہ میں، ایک عجیب و غریب کلمہ نکلا۔
حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو مرنا علی ادا ہے کہ مرنا ہے خدا کی طرف سے، حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ پر اس طرح طعن کرنا۔
صحابین است صگریہ انہم

اور

میں خدا کا کشتہ ہوں، لیکن تمہارا حسین و قمریوں کا کشتہ ہے بس فرق کھلا کھلا ادا ہے (ابو جاحض ص ۳۱۱)
اس شاعرانہ خیال کو مرنا نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی سبائی کے ایک شعر سے اخذ کیا ہے۔

سہ اول کشتہ دشمن است و اس کشتہ دوست

یہ ”سے“ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی کہ مرزا غلام احمد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاندان کی تمقیص کی ادھ خاک بہن گستاخ آپ کی وادیاں اور
ناہیوں کو نسا کا راندہ کی کہا دھاشیہ تمہیرا انجام اتھم م

یہ چھ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی، سیرت و کردار اور اس کی تعلیمات اور عقائد کا اجمالی خلاصہ! اس غلط اندیشی کی وجہ کوئی انتہا
کہ ایسی ناپسندیدہ شخصیت ہر ایمان لانے کی مسلمانوں کو دھت دی جاتی ہے، اور جو کوئی مرزا غلام احمد کے سچے پیرو اور پیرو نہیں مانتا اس کو گمراہ
ادھافر بھیجا جاتا ہے، جس شخص کی مت ماری گئی ہوگی، وہی اس جھوٹی نبوت کو مان کر اپنے دین دایمان اور اسلام کی تباہی کو گوارا کر سکتا ہے، کوئی
ہوشمند مسلمان تو دین دایمان کی اس خود کشی کے لئے کسی قیمت پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔

دجل و فریب

”فانان“ میں جو مضامین رد قادیانیت کے سلسلہ میں شائع ہوئے ہیں ان کے بارے میں قادیانیوں کے رسالوں نے یہ تاثر پیدا
کرنے کی کوشش کی ہے، جیسے ہم نے مرزا غلام احمد سے بے سرو پا قیاس منسوب کر دی ہیں اور مسلک قادیانیت پر غلط قسم
کے الزام لگائے ہیں حالانکہ ہم نے ہر بات ثبوت، دلائل اور کتابوں کے حوالوں کے ساتھ کہی ہے، اور کوئی بے اصل بات قادیانیت اور اس کے مؤجد سے منسوب
نہیں کی!

مرزا غلام احمد اور قادیانیت کے بارے میں ہم نے بنی خیالات کا اظہار کیا ہے، مگر وہ علم کے تمام مسائل کی یہی خیالات ہیں، مرزا کے دعویٰ
نبوت کے ”کذب پر تمام عالم اسلام متفق ہے! مستعد زبانوں میں رد جنزلی کتابیں رد قادیانیت کے موضوع پر لکھی گئی ہیں، اور اس تعداد میں ہمیشہ
اضافہ ہوتا رہتا ہے، مسلمانوں کے ان خیالات اور مسائل میں ایسے مضامین جن میں قادیانیت کی تردید کی جاتی ہے، آئے رہتے ہیں! اگر رد قادیانیت
جوہم ہے تو پھر ملت اسلامیہ اس جوہم میں شریک ہے!

مسلمانوں کے کسی عالم، اہل فہم، مفکر، اندماقدار اور فلسفہ مند اور ائمہ اطراف نے بھی قادیانیوں کے ساتھ ذہ ہارنا انصافی نہیں کی، انہوں نے
قادیانیت کے بارے میں دہی باتیں کہی ہیں، جو قادیانیوں کی کتابوں میں لکھی ہوئی ملتی ہیں، مگر قادیانیوں کے رسالے حقائق کو کس طرح اور اوقات کو کس طرح پیش
کرتے ہیں، مثلاً ہم نے ”فانان“ میں یہ لکھا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ تو نہیں کہا کہ میں ختم نبوت کے عقیدہ کا منکر ہوں، مگر اس کی دوسری تقریروں اور
اقوال کا محال سے ختم نبوت کی پوری طرح نفی ہوتی ہے۔ قادیانیوں کے آرگن ماہنامہ ”الفرقان“ (دوبارہ) نے ہمارے قول کا ایک جزو تو نفی کر دیا
مگر دوسرے حصہ کو جو اس بحث کا مرکزی نقطہ ہے، مانستہ نقل نہیں کیا؟

مسلمانوں کو یہی دھوکا دیا جاتا ہے کہ مرزا غلام احمد ”ختم نبوت“ کا قائل تھا اور حضرت کو ”خاتم النبیین“ مانتا تھا، بیشک اُس نے یہ الفاظ کہے
ہیں، اور یہ نہیں کہا کہ ”نبوت ختم نہیں ہوتی“۔ مگر اُس کا قول رد عمل کیلئے یہ کہ ”میرا منکر کا فر ہے“۔ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور
نہی بھی ہے اور شریعت کے فروعی احکام کی تجدید ہے، اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس دلی کو جو میرے اوپر ہوئی، ملک ایمن کشتی کے نام سے

موسوم کیا۔

انبیاء و رجبہ بودہ اند بے
آچہ وادست ہر بنی ماجام
من بعرفان نہ کترم زکے
داداں جامد امرابہ تمام
ہر کہ گوید دروغ ہست بعین
کم نیم نال ہمد بردے یقین

اور

”میری امت کے دوحہ ہوں گے، ایک وہ جو سچیت کا رنگ اختیار کریں گے اور دوسرا وہ جو جانیں گے اور دوسرے جو ہمدویت کا رنگ اختیار کریں گے، میں کوئی نیا بنی نہیں ہوں، پہلے بھی کوئی بنی گزرا ہے میں جنہیں تم لوگ سچا بنی مانتے ہو۔“

مرزا کے ان دعووں کے ساتھ ایک ہذا گزشتہ امت اور نبوت کے تمام لوازم لئے ہوئے پورا انسی پوریشن وجود میں آتا ہے جس میں مرزا غلام احمد کے نام کے ساتھ ”علیہ السلام“ لکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ قبول کو ”رضی اللہ عنہم“ کہا جاتا ہے، وغیرہ دینی مسلمانوں سے بیاہٹا دی کر کے اور ان کے بنائے کی نماز تک پڑھنے کی ممانعت کی جاتی ہے، مرزا غلام احمد اپنے منکر کے کافر قرار دیتا ہے، خدا کے لئے انصاف سے بتائیے کہ یہ مصدقہ حال اور امر واقعہ کیا ”مختار نبوت“ کی مکمل طور پر نفی نہیں کہنے؟

”انالہ اولام“ میں ”مختار نبوت“ کی خود مرزا غلام احمد تادیابی نے یہ تعریف کی تھی۔

”ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وہی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریلؑ لائیں اور پچھلے ہو چلوں، یہ امر بھی مختار نبوت کے منافی ہے۔“

لیکن ”حاشیہ اربعین“ میں مرزا نے اعلان کیا،

”جو کچھ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہ ہی بھی اور شریعت کے مفروضی احکام کی تجدید ہے، اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو احساس دہی کو جو مجھ پر ہوتی ہے، ظلم بھی کشتی کے نام سے موسوم کیا۔“

مرزا نے تادیاب کا یہ اعلان کیا عقیدہ ”مختار نبوت“ کے منافی نہیں ہے، مرزا غلام احمد کا خود وجود اس دعوے کے ساتھ کہ میں بنی ہوں بیلا منکر کافر ہے، میری ایک امت ہے، مجھ پر وحی آتی ہے، اپنی جگہ ”خاتم النبیین“ کے عقیدے کی تردید، نفی اور تکذیب ہے۔

دہرہ کے ”الفرقان“ نے ظالم الحروف کو ”صحت“ پر مناظرہ کی دعوت دیکھ کر پہلے پہلے دبا تھا، میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ میں نے خود تادیابیت کے سلسلہ میں اس بحث ہی کو نہیں چھیڑا، لہذا مجھ سے اس مسئلہ پر بحث دنا ظورہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جاتا ہے! اس میری تحریر کو ”الفرقان“ میں اس انداز سے پیش کیا گیا کہ جیسے میں نے اس مسئلہ میں شکست مان لی ہے۔ حالانکہ میں نے اس عبارت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھانے جانے، متعلق قرآنی آیات اور نفسی حیرت انگیز بات بھی درج کر رکھے تھے۔

حیات مسیح اور مذہبی مسیح کے مسئلہ میں میرے یا کسی دوسرے نادرہ کے بحث دنا ظورہ نہ کرنے سے یہ مطلب تو اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ نفس مسلمان کا عدم ہو گیا، مسلم اسما بیسکہ، اہل علم اور دانشوروں نے اس مسئلہ پر ہزاروں صفحات لکھے ہیں اور حیات مسیح کے منکرین کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ کلام انصیح فی تحقیق المسیح — کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ — القول الحکم فی نزول عیسیٰ ابن مریم — نزول عیسیٰ — التبصرہ براتہ نزول المسیح — یہ چند معرکہ آرا کتابیں ہیں جو حضرت مسیح کی حیات اور نزول پر سکوت و تلبیس پیش کرتی ہیں۔

ایک مفروضہ کے طور پر پبلسیشنز تنزل یہ مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ مسیح صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی "موجودیت" کو کسی عزائم بھی ثابت نہیں ہوئی، نازل مسیح کی جو واضح علامتیں احادیث میں ملتی ہیں، ان میں سے ایک علامت بھی مرزا میں نہیں پائی گئی؛ اور امت مسلمہ نے متفقہ طور پر مرزا کے اس دعوے کو رد کر دیا۔

جس طرح دوسرے مسلمانوں کی طرح مرزا غلام احمد کا یہی عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنویٰ ہی ہیں، اب نہ کسی پر وہی آئے گی اور نہ کوئی نیا ہی مبعوث ہوگا مگر پھر اس نے اس عقیدہ کے برخلاف اپنی نبوت کا دعویٰ بھی کیا، اور یہ بھی کہا کہ مجھ پر وہی آتی ہے، اسی طرح "مسیح موعود" کے سلسلے میں بھی وہ امت مسلمہ کا ہم عقیدہ تھا، مگر پھر اپنے اس عقیدہ کی خود ہی نفی اور تردید کر ڈالی، مرزا نے قادیان لکھتا ہے —
 "میں تقسیماً بارہ برس تک جو ایک زمانہ دراز ہے، بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شدت سے برائے میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور میں حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے یہی عقیدہ پر جمنا، جب بارہ برس گزرنے نہ وقت آگیا کہ میرے پر اصل حقیقت کھل دی جائے، تب تاثر سے اس بارے میں الہامات شروع ہونے لگیں مسیح موعود ہوں" (راجمحمد)
 مرزا غلام احمد کے قول و فعل میں اس قسم کے تضاد کے متعدد نمونے ملتے ہیں، —

سچوں نہ دیدند حقیقت رو افشاں زدند

اس سلسلے میں انہیں کے دو اقتباسات ملاحظہ فرمائیے —

● "اور جب وہ زہترین کے پہاڑ پر بیٹھا تھا، اُس کے شاگردوں نے اس کی خدمت میں آکر کہا کہ یہ کب ہوگا، اور تیرے آنے کا اند زمانہ کے آخروں کے کیا لگان ہے، تب یسوع نے جواب میں ان سے کہا خبردار کوئی تمہیں گمراہ نہ کرے کیونکہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے، اور کہیں گے میں مسیح ہوں اور کتنوں کو گمراہ لیں گے" (انجیل متی باب ۲۴ آیت ۳)

اور

● "اس وقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح بہاؤ ہے یا دیاں ہے، تو یقین نہ کرنا کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی آئے کھڑے ہوں گے، اور عجیب کام دکھائیں گے، اگر ممکن ہو تو بزرگ ریدوں کو بھی گمراہ کر لیں" (انجیل متی باب ۲۴-۲۳) —
 انجیل مقدس کی یہ پیش گوئی وہ جاہل مروجہ ہے، جو مرزا غلام احمد کی شخصیت پر ٹھیک آتا ہے۔

— ابن علیہ لکھتے ہیں کہ تمام امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت آسمان پر زندہ موجود ہیں اور اور آپ محمد مصطفیٰ پھر تشریف لائے والے ہیں، جیسا کہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے۔ (بحر محیط)

احادیث میں "عیسیٰ ابن مریم" اور "یسوع ابن مریم" کے نزول کا ذکر آیا ہے، مرزا غلام احمد کے نزل کا ذکر نہیں آیا اور ابن مریم کی تصریح اور شخص کے بعد تو کسی اشتباہ و تذبذب کی گنتی کسٹ ہی باقی نہیں رہتی؛ دنیا میں عیسیٰ ابن مریم ایک ہی شخصیت کا نام ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی رسولی قبل پیدا ہو چکی، اور اسی کے پھر نزل کی احادیث میں خبر دی گئی ہے اور پیش گوئی فرمائی گئی ہے۔

پھر احادیث کے الفاظ واضح طور پر بتاتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم عالم بالا سے نازل ہوں گے، زمین کے کسی خط میں پیدا نہیں ہوں گے، امت مسلمہ اس عیسیٰ ابن مریم کے گماناتی ہے جو معجزہ کے طور پر بغیر باب کے پیدا ہوا تھا (علیہ السلام) کسی ایسے عیسیٰ ابن مریم کو نہیں جانتی، جس کے مل باپ دونوں ہوں اور مروجہ نازل کا اصل و قریب جس کی پیدائش کا سبب بنا ہو — اس لئے امت مسلمہ نے مرزا غلام احمد کا دیا ہونے کے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ کو ٹھکرا دیا اسلئے یہ کہہ کر برابر بھی وقعت اور اہمیت نہیں دی۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت یحییٰ مدنی کے مینارہ سفید کے پاس نازل ہوں گے، نازل مسیح کے اس مقام اور علامت کی تاویل مرزا نے قادیان

لی زبان سے سنئے :-

”خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظاہر فرمایا کہ قصبہ قادیان پر اس کے اکثر زیدیہ الطبع لوگ اس میں سکونت رکھتے ہیں، ذشتی سے ایک مناسبت اور مشابہت دکھانے (حاشیہ ازالہ ادا م)

اور

”میر کی طرح حسینی کی روح مجھ میں نفخ کی گئی، استعارہ کے رنگ میں مجھے حادہ ٹھیرا دیا گیا اور ان کی ہمدینہ کے بعد وہ ہمدینہ سے بنیاد نہیں، ہندو لوہا ہام مجھے مریم سے ملیں بنا دیا گیا، اس طرح سے میں ابن مریم ٹھیرا“ (کشتی نوح ص ۱۱)
مرزا غلام احمد نے ”تادیلی“ کے نام کو جس انداز میں ”تحریف“ سے بدلا ہے، اس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی، امت مسلمہ ایسے شخص کو کس طرح موجود، ہمدیانی کی طرح تسلیم کر سکتی ہے جسے استعارہ کے رنگ میں حادہ ٹھیرا دیا گیا اور مجھے ہندو لوہا ہام مریم سے ملے بنا دیا گیا۔
”ناطقہ سرگرمی بال کہ اسے کیا کہئے“

نمبر کے ”الفرقان“ درلودہ میں ”دیر نادان“ جواب ہو گئے ”کے عنوان کے تحت یہ نوٹ درج کیا گیا ہے :-

”ماہنامہ الفرقان“ دسمبر ۱۹۷۷ء کا خاص نمبر رسالہ ”نادان“ کو لکھی کے اعتراضات کا ایسا سکت جواب ہے کہ دیر نادان ”کماں کے جواب میں اب تک ایک بات لکھنے کی سہی جرات نہیں ہوئی، جا رائج و ذہن اب اہل ان الہا طل کان زہر قاسم سے خاص نمبر کو پھر کر گزرتا مصلح بدایوں و جہالت“ سے دیر نادان ”آہل اعلیٰ درجی صاحب کے ایک گہرے دوست نے پینچلہ“ کو ذیل کا خط لکھا ہے جسے ہم قارئین کے از دیا دھلم کے لئے درج کرتے ہیں“

حافظہ ”نادان“ میں ”دیو قادیانیت“ کے موضوع پر مسلسل لکھا جاتا رہا ہے اب رہا آخر گزری کا خط، تو یہ صاحب اسلام ترک کر کے ”بہائی“ ہو چکے ہیں اس صورت میں یہاں تک دینی مباحث و تحقیقات کا تعلق ہے ان کی دانتے کیا وزن رکھتی ہے! بہائیت قادیانیت سے نکلے دھڑاچ میں بہر حال کسی نہ کسی حد تک مماثلت اور مشابہت رکھتی ہے۔

آخری بات ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے مجدد، مسیح موعود اور نبی ہونے کے دعووں کو نہ مان کر اور انہیں ٹھکر کر، زندہ دلا کر کیشم کی غلطی نہیں کی، اور مرزا کے ان دعووں کی تردید و تکذیب نے مسلم لوگوں کے اسلام اور ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا، انچاس سو وقت کو وہ سو فی صدی حق سمجھ میں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔

گزارش انہیں ہمیں حکومت کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ مجاز اور افغانستان اور بعض دوسرے اسلامی ملکوں میں قادیانیت کی تبلیغ کی اجازت نہیں ہے، پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا ہے اس ملک میں فقہ قادیانیت کی نشر و اشاعت کی اجازت کے حدود قابلِ غور اور عمل نظر ہی! خاص طور سے قادیانی رسالوں میں قرآن کریم کی چوری بے باکی کے ساتھ جو معنوی تحریف کی جا رہی ہے اس پر احتساب ضروری ہے۔

رو قادیانیت کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے جسے راقم الحروف نے پہلی بار بھیڑا ہے، کم و بیش ۶۵ سال سے جب سے مرزا غلام احمد قادیانی نے حج موعود اور اس کے بعد اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے مسلم اہل قلم، ادباء، نثر اور انشید زبان و قلم کے ذریعہ مرزا مذکورہ کے دھوکے اور اس جھوٹے بہانے، تردید کرتے رہے ہیں!

”نادان“ میں اس موضوع پر لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ قادیانیوں کا تبلیغی لٹریچر دفتر ”نادان“ میں برصغیر ہوا، اس کے علاوہ بھی بعض حضرات کی زبانی یہ اطلاع میں ملیں کہ قادیانی اپنے مشن کی تبلیغ بڑی سرگرمی کے ساتھ کر رہے ہیں، اس صورت میں مسلم لوگ اگر اچھے سے بچانے کے لئے اس سے احتیاط کی جارہی نہیں ہے کہ زبان و قلم سے مسلک قادیانیت کی تردید کی جائے اور مسلم لوگ بتا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ختم کیا اور نبی کریم

اور آخری سہلی آپکا، اب کسی ایسی شخصیت کی ضرورت باقی نہیں رہی جس کا ماننا ایمان کی لازمی شرط ہو۔

مسکب قادیانیت کی تردید جب یہی کی جائے گی، مرزا غلام احمد کو بھڑائی اہلس کے دھوکے کو کذب و افتراء ہی کہا جائے گا اور سہلیوں کے سامنے مرزا کی زندگی پیش کر کے انہیں بتایا جائے گا کہ کسی نبی یا مجدد کا کیا ایسا کردار ہو سکتا ہے !

قادیانیوں کو جب ان کے مسکب کی تبلیغ و اشاعت کی آزادی حاصل ہے تو ہم مسلمان بھی مسکب قادیانیت کی تردید کا حق رکھتے ہیں ! کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو اس کی نبوت کی تصدیق کی جائے اور سچائی مانا جائے یا پھر اس کی نبوت کی تکذیب کی جائے اور اسے کاذب کہا جائے ! مسلمان مرزا غلام احمد کو ”سچائی“ نہیں مانتے :- ”دارالمن“ میں مسلمانوں کے اسی عقیدہ کی ترجمانی کرتے ہوئے - کذب و افتراء - جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کا استعمال ریا قادیانیت کے سلسلہ میں ناگزیر ہے۔

احتساب کے قابل تو قادیانی رسالے اور اخبار ہیں جو اس فتنہ کو ہمیشہ ہوا دیتے رہتے ہیں اور اس بحث کو چھیڑتے ہیں جو واقعی ”غیر ضروری“ ہے اور جس سے کروڑوں مسلمانوں کو اذیت ہوتی ہے۔

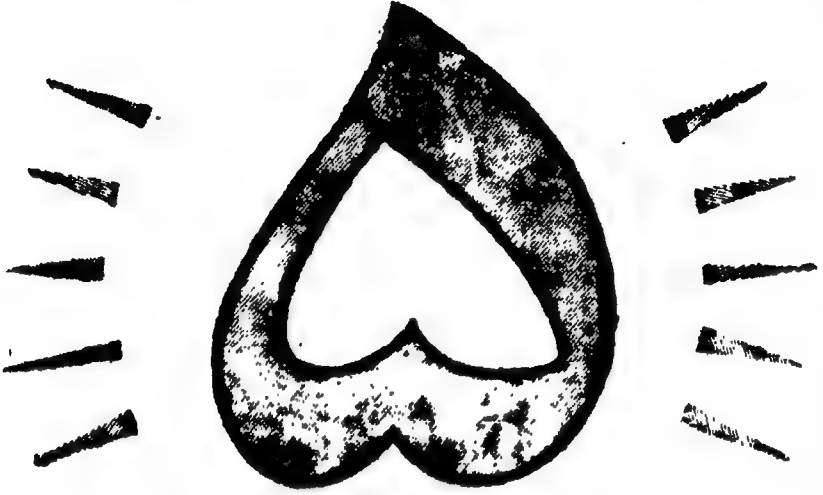
”ضمیمہ نبوت“ کا سلسلہ اسلام و ایمان کا بنیادی مسئلہ ہے، اس کا مجروح ہونا کوئی مسلمان گوارا دے بدداشت کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ

پھٹ جائے اگر دامن کو نین تو کیا غم
لیکن نہ بچھے ہاتھ سے دامانِ محمد

ماہِ انتہا دریا
۳۱ نومبر ۱۹۴۶ء

مہم اپنے مضامین میں مسکب قادیانیت کے قریب قریب تمام گوشوں کو بے نقاب کر چکے ہیں اور ان کے تمام بنیادی ادھارم و دھوکوں اور دلیلوں کی تردید کر چکے ہیں، ان مضامین کو جو کوئی مسلمان پڑھ لے گا، پھر وہ فتنہ قادیانیت سے نفرت اور گریز میں ہیں، اپنے ایمان کی غیر کھجے گا ! اس لئے اب اس سلسلہ کو مزید جاری رکھنے کی ضرورت نہیں ہے !

جہاں تک قادیانیوں کے مسائل اور اخبارات کا تعلق ہے ان میں جو غوغا مچ رہی ہے ان کی کہاں تک تردید کی جائے، یہ ننگ تو میروں اور مجسٹریٹ کیباں، نظر نہیں آیا۔ قادیانیت کی تردید میں دوسری کتابیں تصنیف ہوں گی جو موجود ہیں جو حضرات مزید تحقیق و رسومات کے خواہشمند ہیں وہ ان کا مطالعہ فرما سکتے ہیں یہ بھی اکیلا نہ ہو کہ قادیانی مذہب ہی کا تمام مطالعہ قادیانیت کے گہرے منظر اہلس کے دھوکات و حیلات اور تعلیمات کو بے نقاب کر کے کھٹکے لگنے کا کافی ہے۔



آزمودہ دواؤں کا مرکب

انساجین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Spaetic

51/55

انوار عالم

ذہنی الجھاؤ اور سلبی فکر

محمود احمد عباسی صاحب کی کئی کتابیں منطق عام پر آچکی ہیں جن کے مطالعہ کے بعد اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی کہ ان کا مفصل جائزہ لیا جائے لیکن کسی موضوع پر تنقیدی بحث کے لئے چند امور کا تعصیفہ ناگزیر ہوتا ہے خصوصاً موضوع کا احاطہ بحث و نقد، صحیح مآخذ کا تعین اور سب سے دشیدہ اسلوب تحقیق۔ اسی نظر سے یہ کہ پیش نظر عباسی صاحب کو میں نے چند سوالات پر مشتمل ایک خط بھیج دیا تھا مگر خدا جانے کن۔ مصلحتوں کے پیش نظر عباسی صاحب نے ان کا جواب دینا گوارا نہ کیا کم از کم جواب سے عباسی صاحب کی نگارشات کا جائزہ لینے کے لئے مناسبہ ذیل بنیادی نکات کا تعین ہو سکتا تھا۔

(۱) عباسی صاحب کے نزدیک تاریخ کا موضوع بحث (SUBJECT MATTER) کیا ہے؟

(۲) عباسی صاحب کے نزدیک تاریخ کے مستند مآخذ کون کون سے ہیں اور کیا ہیں؟

(۳) عباسی صاحب کے نزدیک کسی تاریخ کے وقوعہ کی صحت و عدم صحت معلوم کرنے کے لئے کونسا اسلوب تحقیق (METHOD OF

RESEARCH) متبع رہے۔

اس تعصیفہ سے ہٹ کر جس بات نے مجھے یہ طرہ لکھنے پر مجبور کیا۔۔۔ عباسی صاحب کے وہ غیر واضح اور مبہم تصورات تھے جو صاحب کو کثیر اسلامی ریاست و ممالک کے متعلق رکھتے ہیں۔ عباسی صاحب نے بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ اسلام کے متعدد واضح تصورات کو ابہام اور پیچیدگی کا شکار بنانے کی کوشش کی ہے حالانکہ ان تصورات کی قرآن اور سنت میں نمایاں اور واضح بنیادیں موجود ہیں بلکہ ان کے متعلق اس صدی میں اسلامی مفکرین نے اس قدر تحقیقی و باطنی کوششیں کر دی ہیں کہ کون کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

عباسی صاحب کا اجماع اسلوب تحقیق ہے کہ وہ اسلام کے سیاسی تصورات پر نقد و بحث فرماتے ہوئے سلبی انداز (NEGATIVE) اختیار فرماتے ہیں چنانچہ صریح ذیل عبارات ملاحظہ ہو جو کتاب ”تصور و تصور دیہہ نمودی سے اخذ ہے۔“

”اللہ نے مسلمانوں سے جس خلقت کا وعدہ کیا تھا اس میں یہ نہیں کہا کہ اس کا دستور سیاسی ہوگا۔ وہاں الفاظ یہ ہیں

استخلف الذین من قبلہ۔۔۔ دنیا میں حکومت کی جتنی اور جتنی صورتیں رائج چلی آرہی تھیں ویسی ہی مسلمانوں

کی بھی حکومت ہوگی۔“ (صفحہ ۱۰)

متذکرہ بالا عبارات کو بالکل غیر جانبدار انداز میں بار بار پڑھئے۔ ایک اسلامی مورخ صاحب اپنی وسیع رائے کا کیا اظہار کرتے ہیں۔

(۱) اسلامی حکومت کا قرآن اور سنت کی بنیاد پر کوئی دستور سیاسی نہیں ہے۔

(۲) استخلف الذین سے مراد عہد ماضی کی تمام حکومتیں تھیں بلا تخصیص۔

گویا سرخ صاحب کے نزدیک ہرگز منستہ حکومت آیت محمد کی ظہر حق خواہ وہ فرمان کی ہو یا نمودار شدادگی۔ حلالیت است استخلاف کے جس نگرے سے صاحب استلال فرما رہے ہیں اگر اس کو سیاق و سباق کے ساتھ پڑھا جائے تو اس آیت میں یہ وحید حق ہے کہ خدا اچھے عمل کرنے والے اصحاب ایمان کو بطور صلہ یا عطیہ خلافت سے سرفراز کرے گا جس طرح محمد گزشتہ میں نیک عمل کرنے والے اصحاب ایمان کو سرفراز کیا تھا آیت مبارکہ یہ ہے۔

وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات
ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين
من قبلهم۔ (المائدہ)

اللہ کا وعدہ ہے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور نیک عمل
کئے کہ وہ ان کو زمین پر خلافت دے گا جس طرح اُس نے
پہلے والوں کو دی تھی۔

تین اہم احمد آیت بالا سے واضح ہوتے ہیں۔

(۱) ایمان اور نیک عمل کی شرط

(۲) شرط متذکرہ اول کا صلہ خلافت

(۳) اصحاب ایمان کی پچھلی خلافتوں کی مثال نہ کر ہر حکومت کی۔

آیت کے مطالعہ کے بعد جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ کہ خدا خلافت دینے کا وعدہ کرتا ہے نہ کہ حکومت کا برزوی علم یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ خلافت اور حکومت میں کوئی اور معنوی براعتا سے فرق ہے اس کو آپ اس طرح سمجھیں۔

حکومت

(۱) حکومت کا معنوی مفہم یہ ہے کسی کی کوئی پابندی
موجود نہیں ہوتی۔

(۲) حکومت میں اقتدار مطلق (SOVERIGNITY) کا
موجود نہیں ہوتا۔

(۳) حکومت میں غیر سرپروردہ مطلق اختیارات (ABSOLUTE
POWER) ہوتے ہیں۔

خلافت

(۱) خلافت کا معنوی مفہم نیابت یا نمائندگی ہوتا ہے۔
جو پابند ہے اصل حاکم کی۔

(۲) خلافت میں اقتدار مطلق (SOVERIGNITY) صرف
خدا کے لئے ہوتا ہے۔

(۳) خلافت میں سرپروردہ اختیارات (DELEGATED
POWER) ہوتے ہیں۔

خلافت اور حکومت کے اس جوہری فرق (SUBSTANTIAL DIFFERENCE) کو نظر انداز کر کے یہ کہہ دینا کہ حکومت کی جتنی
ادبیات ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں ہے جو اسلام کے مورخ اعظم صاحب نے تو دنیا کی سیاسی تاریخ کے مختلف
حوالہ (FACTORS) و عوامل کو سمجھا ہے اور یہ کہ ہر حکومت کی تشکیل و قیام میں بڑا نقشہ مقاصد و نصب العین کا ہوتا ہے اور اسی اقتدار سے طرز
حکومت یا سیاسی و اجتماعی ہیئت صرف ایک تحفظ نہ بندوبست ہوتا ہے بلکہ مقاصد و مقاصد کے قیام و استحقاق کا جس پر ہم آئندہ سطریں مختلف
سیاسی و اجتماعی نظاموں کے متکررہ و تکرار میں بحث کریں گے اور متہم کو جہاں صاحب کے اس جملہ کا بھی جائزہ لینا ہے کہ۔

کتاب اور سنت نے امت کو کوئی دستور ساسی نہیں دیا اور نہ ایک تجربے والی ترقی پذیر بین الاقوامی امت کو کسی دستور کا پابند کیا جاسکتا ہے۔
حاجات بالآخر بحث سے بغیر یہ سمجھ لیا جائے کہ دستور ساسی ہے کیا چرک دستور نگیزی لفظ کا نسخہ تیریشن (CONSTITUTION) کے
معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔

آکسفورڈ و گیشنری میں اس کی یوں تشریح ہے۔

وہ خاکہ جس کے تحت یا مطابق حکومت چلائی جاتی ہے۔

FORM IN WHICH A GOVERNMENT
IS GOVERNED

پروٹیسٹانٹش وکٹورینری

وہ قوانین یا اصول جس پر کسی سیاست کی حکومت چلائی جائے

LAWS AND PRINCIPLES IN
WHICH A STATE IS GOVERNED

یہاں یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ دستور اساسی سے مراد کسی حکومت کی پالیسی کی وہ بنیادی باتیں ہوتی ہیں جن کی ہر حکومت اپنے سیاسی انتظامی معاملات میں پابندی کرتی ہے چنانچہ ذیل کے نکات ہر دستور کو ملنے کہنے ہوتے ہیں اور کسی پر حکومت کی تمام پالیسیوں کا انحصار ہوتا ہے۔

۱. ملک کا اقتدار اساسی یا حاکمیت (SOVERIGNITY)

۲. سیاست کا مقصد و ہود۔

۳. حکومت کے لئے قانون سازی کا دائرہ عمل۔

۴. انتظامیہ و عدلیہ کے حدود و سطح پر عمل کا (LIMITS AND PROCEDURE)

۵. حکومت کی ذمہ داریاں۔

۶. شہریت کے حقوق

۷. حق شہریت

۸. سربراہ مملکت کا انتخاب اور اس کی شرائط و (CONDITIONS)

دستور اساسی کے ان ہی بنیادی نکات پر سیاسی و اجتماعی نظام بنتا ہے اگر ایک اسلامی حکومت کے پاس کوئی دستور اساسی موجود نہیں ہے تو وہ ان معاملات کو کون کن حل کرے گی، کیا عوامی صاحب اس ضمن میں ہماری راہ نمائی فرمائیں گے، ممکن ہے جواب دیا جائے کہ ہم قرآن و سنت کی بنیاد پر ان نکات کو حل کریں گے تو یہ بھی خوب ہی ایک طرف تو محققانہ ادعا یہ کہ قرآن اور سنت نے امت کو کوئی دستور اساسی دیا ہی نہیں اور پھر بھی دستور کیلئے قرآن و سنت ہی بنیاد !

یہاں یہ بھی خود مطلب ہے کہ قرآن اور سنت کی دستور ہی حیثیت سے انکاس کے بعد ایک مسلم سیاست کو خدا کے اقتدار اعلیٰ و حاکمیت تسلیم کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ تو یہ جواب دے گی کہ چونکہ قرآن و سنت ہم کو کوئی دستور اساسی نہیں دیا ہے اس لئے کیوں نہ اقتدار اعلیٰ کا رخصتہ لوام ہی کو قرار دیا جائے جیسا کہ آج کل کے حالات ہیں تمام حکومتوں میں متداول ہے آپس بنیاد پر ایک مسلم سیاست سے یہ کہہ سکیں گے کہ اس کا سربراہ مسلمان ہی ہونا چاہیے وہاں تو جواب ہوگا کہ جب قرآن اور سنت میں ہمارے لئے کسی دستور اساسی کا وجہ ہی نہیں تو آخر ہم دوش عام سے بٹ کر سربراہی کیلئے مسلمان لی تیار کیوں رکھیں اسی طرح قانون سازی (LEGISLATION) میں قرآن اور سنت کے بیان کردہ حلال و حرام کی تعمیل پابندی کریں جبکہ وہ دستور اساسی کے لحاظ سے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔

قرآن اور سنت کی دستور ہی اہمیت و حیثیت کو ختم کر کے آپ آخر کن اصول اور بنیادوں پر اسلامی و غیر اسلامی کا تفاوت و فرق قائم رکھ سکیں گے غالباً اس سنی انداز فکر پر علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

حیثیت انکار کی نعمت ہے خدا داد
چاہے تو کہے اس میں فرنگی صنم آباد
چاہے تو خود ایک تازہ شریعت کرے عباد

ہے کسی کی یہ عبادت کہ مسلمان کو ٹوکے
چاہے تو کہے کعبہ کو آتش کہہ پا دس
قرآن کو باز پیچہ تاویل بنا کر

ممکن ہے اس مرحلہ پر بھی اسی صاحب یہ ارفاق فرمائیں کہ میں نے اپنی حیات میں یہ سب کر لیا تھا کہ -
 " فرق صرف اتنا ہو گا کہ اس حکومت کا مقصدین ہی ہو گا جو گلا ادا اس کے قوانین ایسے چکا رہوں گے کہ دنیا کی ہر قوم ان کے تحت
 زندگی بسر کر سکے۔"

بحال خدا دیکھ کر حکوت انچھامد و معاملات میں عرض کی خدا ساسی کی ہی پابند ہوا کرتا ہے آپ کو سترہ کی دائرہ اختیار سبھٹ کر
 آپ پر کوئی دوسری پابندی نہیں ٹھوس سکتے ہیں چنانچہ ہر حکومت میں آپ بھی مطالبات کی جتنی تحریکیں چلتی ہیں یا حکومتوں کے کسی اقدام کو عدالت میں چیلنج
 کیا جاتا ہے تو وہ صرف و خدا ساسی کی بنیاد پر ہی ہو سکتا ہے کیونکہ دستور مجھ حضوں میں حکومت اور حوام کے درمیان ایک کھجورہ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں
 فرقین کے حقوق اور ذمہ داریوں کی بنیاد ہی دستور کا تعین کر لیا جاتا ہے اس لحاظ سے آپ بتائیں کہ وہ حکومت جس کا دستور ساسی قرآن اور سنت کے
 علاوہ فرما کے آخریہ دھڑی تھوڑی ہو گا وہ کیوں اور کس بنیاد پر دین کی ذمہ داریوں کی تکلف ہوگی۔

اس شد سبھٹ کے بعد آپ ہم قرآن اور سنت کا ایسا بی مطالبہ کرتے ہیں تاکہ ہم یہ قیس کر سکیں کہ قاضی قرآن اور سنت امت مسلمہ کے کوئی دستور
 اس کی بنا ہے یا نہیں۔ قرآن اس معاملہ میں بہت صاف کہتا ہے۔

لقد ارسنا رسلنا بالبینات و انزلنا معہ
 الکتاب والذین یقوم المیزان بالقسط (الباقیہ)
 قرآن کا یہ دعویٰ ہے۔

(۱) رسولی کھلی ہوتی ہدایات کے ساتھ آئے۔

(۲) وہ سادہ نمائی کے لئے کتاب و میزان بھی لائے۔

(۳) ہر جگہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

اس آیت میں لوگ زمانہ اور معاملات کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی کیونکہ یہ دائمی ہدایت ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

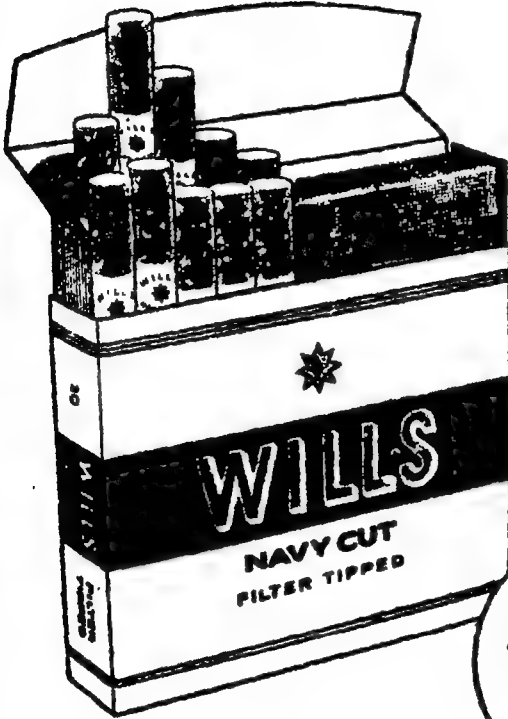
ومن لم یحکموا فی فیصلہ اللہ فیما و بینہم
 انکافوا عن (المائدہ)
 جو خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ
 کریں وہی کافر ہیں۔

آیت ہمارے واضح طریقہ یہ بتا رہی ہے کہ احکام خداوندی (INSTRUCTIONS) زندگی کے ہر معاملہ کے لئے نازل ہوئے
 ہیں ان کے اندر سیاسی، معاشی، اخلاقی، تمدنی اور ثقافتی معاملات کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے اللہ دے گا امتیاز رکھا گیا ہے۔
 اس صورت میں جب قرآن زندگی کے ہر معاملہ میں فیصلوں کو احکام الہیہ کے مطابق انجام دینے کا قطعی حکم دے گا جو ان وقت
 حادث کے ساتھ یہ کہ دینا کہ قرآن اور سنت نے امت مسلمہ کو سیاسی معاملات میں کوئی دستور ساسی نہیں دیا ہے یا تو فہم کا قصور ہے یا
 سیاسی اُحد میں قرآن کی برتری (SUPREMACY) کا انکار ہے۔

قرآن نے اس بات کی اپنی مقدس آیات میں سخت ترین غصہ کی ہے کہ لوگ اس پر بھی ایمان لا کر پھر زندگی کے معاملات میں فیصلوں
 کے لئے دوسری طرف رجوع ہوں اور قرآن کے علاوہ کسی اور کو اتنی سند (FINAL AUTHORITY) نہ دے کر لیں۔

الذین یزعمون انہم امنو بحکم
 انزل الیہ و ما انزل من قبلہ یزعمون
 ان یحکموا الی الطائفت وقد اصر و ان
 کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جو دعویٰ ایمان ہیں اس پر جو تیری
 طرف نازل کی گئی ہے اور تجھے پہلے۔ وہ اللہ رکھتے
 ہیں کہ اپنے پیچھے طاقت سے کرائی حالانکہ ان کو حکم

ویلا ولسن فیلٹر ٹپڈ



آج کے ترقی یافتہ دور میں
ولسن آپ کے لئے ایک
نیا فیلٹر ٹپڈ ریگریٹ
پیش کرتے ہیں۔ ولزس ریگریٹ
عمدہ کو ملتی بہترین تھپاکو اور دوسری
تمام دہائی غوبرل کے ساتھ آپ کے
ریگریٹ خوشی کے صبح لطف اور
شکرت کیں کی ضمانت ہیں

ہر گول کے پیکٹ کی قیمت ۱۰۰۰ روپے
ایک سو روپے کے لئے ۱۰۰ گول کے پیکٹ
جی ۱۰۰ پیکٹ دستیاب ہے

PAKISTAN TOBACCO COMPANY LIMITED, SUCCESSORS TO W & A WILLS BRISTOL & LONDON

محمد اقبال سہیل (جude)

عالم اسلام میں علماء و مشائخ کی حالت زار ایک عبرت ناک مظلالت و مشاہدہ

(۱) نادان کے شادے وقتا فوقتاً ملتے رہے ہیں۔ آپ جس درد مندی اور قلب و روح کی گہرائیوں سے
"نفسِ اول" تحریر فرماتے ہیں، بے اختیار بیت اللہ میں آپ کے لئے ہاتھ اٹھتے ہیں اور دل سے اس فتنہ عمل
سے آپ کے لئے دعا ہوتی ہے، اللہ بزرگ و بڑا آپ کو جہل کے عظیم سے فائدہ کو آپ۔ نادان کے فدیے
حق و صداقت اور خلاص دہے لوقی کی تمہیں روشن کئے ہوئے ہیں، مہر میں افغان المسلمین پر ظلم و
تصذیب اور وحشت و ہیریت کا جو تیرا دور چل رہا ہے اس سے عالم اسلام سخت مضطرب ہے، فروغیت
اور عورت اس واقعہ اپنی پوری سیماہ کاروں کے ساتھ ابھری ہے۔ مہر میں ان خراشوں سے تیرا دل بھریا ہے
کو عورت بھرا سلام جنہوں نے عزیمت و استقامت اور صبر و عزم کی آہنی راہوں کو اپنا کر اسات کی حکمت کی
تاہانیوں کو اس سیاہ دور میں از سر نو چنی کی۔ دل اٹکیا رہا ہے، روح سخت بے چین ہے۔ اسی ضمن میں مہر
کے فروغ حید کے مظلوم بیان کرنے کی بجائے ایک نہایت الم ناک اور عبرت خیز سہیل کی طرف توجہ دلانے
کے لئے چند نونے چھوٹے سطور نادان کے لئے لکھ رہا ہوں۔ کاش، رنگ اس سے عبرت حاصل کریں !

محمد اقبال حسین - مکہ المکرمہ

واقعہ یہ ہے کہ اس قوم پر اس سے زیادہ دردناک غلاب نہیں ہو سکتا، جس قوم کے علماء اور دانشورا اپنے عقیدہ و ایمان کی بنیادیں
اور دین و تاریخ کے حرکت آفریں تسلسل سے اپنے آپ کو کاٹ بیٹے اور مذہبی و اخلاقی اعتبار سے ان کھائیوں میں جا گریں، جس سے کسی قوم پر اس سے زیادہ
الم انگینا درد مندناک صورت نہیں ہو سکتی، جس قوم کے علماء و دانشورا، علم و اخلاقی بنیادوں سے گر کر اناہیت، فخر و کبریت، گودی و حبصیت
اور اجتماعی افراط و اشتقاق کی پستیوں میں جا گریں۔ قوموں کی زندگی میں یہ بڑے سخت دہے ہوتے ہیں اور ایسے ہی قوموں پر آفات و آلام کا نزول ہوتا ہے
ہماری اپنی تاریخ شاہد ہے کہ تاریخ کے جس مرحلے اور جس موڑ پر بھی ہمارے علماء نے اپنی ذمہ داریوں کی بنیادوں کو چھوڑ کر فخر و کبریت، گودی و عداوت
ناشاک اور بے نظری کا ثبوت دیا۔ ہمیں وہ پاناہیں جاگ رہے اور ملت پدہی کے دھکوں سے چمک رہی رہی۔

اجتماعیات کے نقطہ نظر سے سماجی سوسائٹی میں تمام سماجی و اجتماعی مسروق اور امیروں، آسودہ حالی اور غصہ حالی کے ذمہ دار علماء و دانشورا
ہیں اور فلسفہ تاریخ کے اعتبار سے قوموں کے عروج و زوال میں، عجز و دانشوروں کا غالب حصہ ہے اس طبقے کی ناکبری بلندی و رست نظری اور اخلاقی

منانگی ہی سے قوموں کو عروج حاصل ہوتا ہے اور قومیں اجتماعی زندگی میں رعاں و عاں ہوتی ہیں۔ لیکن اسی طبقے کی ذہنی انداس، بنے بظرفی، تنگ نظری اخلاقی لپستی و انحطاط سے قومیں پرہیز بادی و معاشیہ کے بادل چھا جاتے ہیں اور ان خطاط و زعالم کے تاریک سائے قوموں کے وجود و بقا تک کا قیام کرنے لگتے ہیں۔ علماء و دانشور ہی بہتیت اجتماعیہ انسانہ کا جوہر ہیں، انہی سے ہی امتثال انسان زندگی کے آداب سیکھے جاتے ہیں۔ ان فی سماج کی جوہریت *Psychnics* کا رور و پور و کھر جاتا ہے جب اس کے علماء و دانشور زندگی کے محرک سے نکل کر تشکست زلفی کی دیوانیوں میں بھٹک جاتیں اور بہ ذہن و فکرا اور اخلاقی و سلوک کو مثبتیت و تعمیری راستوں سے ہٹا کر سلبی اور منفی آدابہ رویوں میں گم کر دیں۔

یہ بات اور بھی دردناک اور الم انگیز اس وقت ہو جاتی ہے جب اس بات کا متادہ ہو سنا ہو کہ مسلم معاشرے میں دین حق کے نہ جانے کتنے ت سے علم بردار علماء پوری انسانیت کے سامنے آکر ذہنی افلاک تنگ نظری کا مظاہرہ کر رہے ہیں جس سے کہ دنیا کی دوسری قوموں کے علماء گندہ چکے ہیں ابھی پختہ ہدایاں پہلے لپٹ کے علماء اس آفت کا شکار تھے جس کے نتیجہ میں آج کی عالمگیر اہمیت، جدید لادینیت اور اخلاقی نزاع نے مسلم ریخ میں بے بسا اور غراٹھ، دہلی اور استنبول کی تباہیوں اور خانہ دیوانیوں کے حقیقی مضمرات کا اگر جائزہ لیا جائے تو علماء، سرور اور بینکاران کم دانش و کم لہجہ شجاعت ہی ذمہ دار نظر آئے گی۔

ملت اسلامیہ کو ہمارے علمی و ثقافتی یلغار نے اتنا تاراج نہیں کیا جتنا کہ نوراس کے علماء اور دانشور طبقے کے اس حصے نے خواب کیا جو انسانیت، خود یزیت، گروہی عداوت، ذہنی انداس، تنگ نظری، حسد و رقابت، آپس کی متغیر اور اجتماعی افتراق کے آتش نشان پہاڑ بن کر، ملت کے اجتماعی وجود کو خاکستر تہ سے اور جنہوں نے اس کھلے آسمان کے تھے دیدہ و لیرے کے ساتھ انبیاس کے مقام رشد و ہدایت اور مرتبہ علم و شرف کو پا مال کیا اور دین کے نام پر، دین کے اقدار و دناک مذاق کئے رکھا۔ ہلاک جادوئے سامری اور قیقل شیرہ آفندی اور کسے کہتے ہیں۔

اس کا عبرت فیز پسو یہ ہے کہ جب یہ حضرات علماء و دانشور، وقت کی اسلامی تحریکات اور تجدید داعیاء دین کی کوششوں کو منفی، سلبی اور زندگی یز خانی فلسفوں کے ساتھ ہدف نقیص و تحقیر بناتے ہیں۔ بالواسطہ اور بلاواسطہ اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریکات کے مقابلے میں لادینی اور دین دشمنی توں کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور تاریخ سے پسہ و ہمو کر اپنا مذہبی کاروبار جاری رکھنے کو دین کی خدمت بتاتے ہیں۔ عبرت کی صلاحیت جب ختم ہو جائے تو ناک بجاں مارنے کے سوا کچھ نہیں ہو جاتا۔ تاریخ سے عبرت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ اسلام کے کسی کو بھی فاساد لگا دھواؤ گئے نامدار، رحمت عالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت و سلیقہ برائے کی محبت پذیر کیا اور انسانیت دوستی کی صلاحیت اس قدر تزلزل نہیں ہو سکتی کہ وہ دین پسندوں پر ظلم ہوتا دیکھے اور اس پر لفظین کا اظہار۔ لڑنے لکھنا اس ظلم کا بالواسطہ یا بلاواسطہ ساتھ دے۔ جس کے ان یہ صورت ہے وہاں دین و دوسروں کی محبت سے زیادہ اپنی شخصیت اور اپنے خود ساختہ مروضات سے لگاؤ زیادہ ہے یہ بالخصوص کی وہ حالت ہے جسے ہم نفاق سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اپنے لوگ اسلام کا تو کچھ نہیں بگاڑتے البتہ انسانی معاشرہ کے لئے آذنت با شبن جاتے ہیں۔

آج کے جدیدین ان دینیان اخلاقی و ثقافتی نے عالم اسلام میں اس طرح سے اسلامی تحریکات کے خلاف حدود اس سبر کتری کی آگ جلائی۔ دینی محمد اکو دن کو گزندہ کیا۔ لادینی قوتوں اور اسلام دشمن حکومتوں کو کسر خیزی سے مدد دی۔ اپنے حق و ضمیر اور عقیدہ دین کو کیسے تہذیب و انحطاط کے اداوں کے ہاں رہن لھا اور کن پوسیدہ فلسفہ طرازیوں سے بغراطیت کے شیشیں محل تیار کئے۔ یہ سب ایک دلخراش اور دل سوز داستان ہے۔ کوئی کیا کہے اور کیا لکھے۔ لیکن ماچاہت ہوں کہ ان چند ضروری واقعات و حالات کا تذکرہ ضرور کروں جن کا علم و دانش پرہیز، عالم اسلام کے مسلسل اسراف میں راقم کو ہوتا رہا ہے۔ جس کا قصد سامنے اس کے اندر کچھ نہیں ہے کہ تہذیب و پاک کے مذہبی و دینی حلقوں کے علم میں یہ بات آئے کہ آپس کے بعض دغا و دیکھیر اور بغاوت اسلامی بلا وجہ مخالفت میں آگ سے بہر حضور کھیل رہے ہیں وہ ہر آن بدلتے ہوئے احوال میں خدا کی طرح پہنچے گی۔ تحریک اسلامی کے بارے میں مجاہد، منفی اور انانیت پسندانہ رویہ اختیار کرنے سے اس کے نتائج خدا اسلام کے حق میں کن قدر خونخوار ہیں۔ یہ ہم ہی مستند آج کے دور میں آنکھوں کے سامنے ہی کیا کچھ نہیں کر چکا ہے!

تقریباً جہاں عبدالناہر کی قیادت میں اہمیت، الحاد، آوارہ و مافی، شہیدہ فکری، اشتراکیت و قیامت اور دجل و فریب کے مرکب نام نہاد سازش یافتہ القاب کا حقیقی پس منظر اس کے تئیں یہ مراحل اور اس کے پیچھے بنی الاقوامی حواظ و شعرات کے تجزیہ و تفسیر اور تفصیلی بیان کا یہ موقع نہیں ہے اور نہ اس سب کے نتیجہ میں تھر کی حیات انگیز تحریک، انخوان المسلمون پر تعذیب و ظلم اور جہادیت کے نہایت اہم ناک و نشانہ کا بیان کرنا مقصود ہے، لیکن جہاں یہ حقیقت ہے کہ انخوان المسلمون پر ظالم و بربریت کے سلسلے میں بنی الاقوامی قوتوں کی عالمی اسلام دشمن سازش اور مصری آمریت کا اپنا اشتراک رہا ہے، وہاں یہ بھی نہایت ہی تکلیف دہ امر واقعہ ہے کہ اس استبداد و وحشت اور ظلم کو مذہبی، علمی اور عوامی نہ گولہ باز دھوکا دینے میں مصر کے بعض شاخ و علماء پر ان طریقہ اور دانشمندان کا ایک خاصہ طبقہ بھی پیش پیش رہا۔ ان حضرات نے نہ صرف فتوے کے ذریعہ ناصریہ کے مستبد اور فرعونیت کو "جہاد" قرار دینا بلکہ اس انتہائی غلط و بدترین حکومت کو خلافت راشدہ کے مماثل قرار دے ڈالا۔ اور بعض تو یہاں تک پہنچے کہ اس فرعون جدید کو خلفائے راشدین کے بعد خلافت علمی منہاج النہجہ کا "حسن" ہیرو قرار دیا۔

ان ہند کا بنی شکم — علماء — نے تھر کی فرعونیت کو اپنی روش سے جو غنا پر پونجائی ہے وہ بڑی ہی تلخ حقیقت ہے، منتخب خدا کا جن کا کام ظلم کی مخالفت تھا وہ ظلم کے دست و بازو بن گئے !

تقریباً انخوان المسلمون کی تحریک کو ان مولویوں اور پیروں کے ذریعے کچلنے کے بعد، تھر اور اس کی حکومت نے آوارہ راہ فکروں، مفصلیہ پل انشدولیسہ قلم کھنڈے والوں کے ذریعہ اسلام کی کٹر بیروت فروغ کر دی۔ بنی مافی تعاصیر اور غایتات کے مطابق اسلام کے ہر اصول کا حلیہ لگا ڈالیا، گور سے ہوتے اور پیروں کے ذریعہ اسلامی تاریخ کی بزرگ ترین اور محترم شخصیات کا صفا ناک و نشانہ کیا گیا، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، اور سیدنا علیؓ پر اشتراکیت اور قیامت کے نقطہ نظر سے دل خواش کھلے کئے گئے۔ شعا و دینی کا خالق ایک جم کے طور پر فروغ کیا گیا۔ جہاد نفا پیدا ہوتی تو انخوان المسلمون کے خلافت تیزی دینے والوں کی آنکھیں کھلیں۔ چونکہ کنگے تو ظلم و دانشمندی کی گدی سر کی نظر آتی۔ حوام میں شہید و عمل ہوا، مراد میں اللہ صلا میں گہری نفرت کا اظہار کرنے لگے، مظاہر سے ہمتے۔ ان علامت شاخ کی غیرت کو پکا را گیا۔ جہاد حضرات کچھ بولے، بعض نے احتجاج کیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے شک و شبہ کا آغواں ڈال دیا، تو فوراً ہی انہماکات و مصائب میں ان شاخ و علماء کے خلافت پر پوچھنے لگا گیا۔ انہیں بطور نوسی امر ارجح ایجنٹ قرار دیا گیا، شیعہ و علماء کا خوب مذاق اڑایا گیا۔ یہ مرحلہ طے کرنے کے بعد مصری حکومت نے ان ہی میں عناصر کو پکڑ کر جیل میں بند کر دیا۔ بعضوں کو گھروں میں پابند کر دیا۔ بعضوں کو وظائف و سرکاری پلچ کے طور پر باہر بھیج دیا۔ ان میں سے کچھ ذرا زیادہ سرکاری فتنہ مصری اور بیرون کے خلاف برے فوٹوں میں سے ایک صاحب کو قائم الطوف کے قاتلوں میں تمام کے دستان ہی قاتلوں سے کچھ فاضلہ ترین جن۔ طرہ میں طرح طرح کے فتاب دے کر ختم کیا گیا۔ ان صاحب کے متعلقین نے جب ناصریہ کے پاس فریاد کیا تو انہیں بھی خوفناک و صمکیاں دے کر خاموش کر دیا گیا، یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سا پورہ گلام بڑی تدبیر اور تنظیم طریقہ کے ساتھ انجام پاتا رہا۔ ایک طرف مصری عوام غرض و شہت طامی، با شمشید سید رابطہ پس زندہ ان اور تیری طرف ملک کی بڑی بڑی تحریک انخوان المسلمون سرمدار، ایسی ہی، ان علامت کلام اور سفیان کلام کو ختم کرنا بے حد آسان تھا۔ ان لوگوں کو اپنے حدود و رقابت و امانت اور گروہ بازی کا خاطر خواہ چل مل گیا۔ اس کے بعد جامعۃ الانصرہ پر حملہ کرنے کا راستہ ہموار ہو گیا۔ اس کی تظہیر کے نام پر غیب مرت کی گئی۔ اس کی تاریخی اور بنی الاقوامی حیثیت کا خاتمہ ہوا۔ اس کے تمام تعلیمی پروگراموں کو ناصریہ اشتراکیت کا لبادہ اوڑھ لیا گیا۔ اس کے علماء کا بار بار مذاکرہ اڑایا گیا۔

اور جہادیت و اشتراکیت و قیامت کے نام پر اسلام کے خلافت، اسلامی تاریخ کے خلافت، اسلامی شخصیات کے خلافت ڈرا کے کئے گئے۔ کہاں کہاں گئیں، نادل کھٹے گئے، نصیری کا رٹوں شاخ ہر تہہ ہے۔ ٹیلی ویژن پر مذاق اڑایا گیا، مختلف ادارے اور انجمن بنا کر مصری اور غیر مصری نوجوان طلبہ کو رخصت پر لے جا کر لڑکیوں اور ناصیہ حور قوں سے ملایا گیا، ان حور قوں سے اخلاقی خرابی اور اسلامی روایات کے خلاف مذاق اڑانے کا کام لیا گیا۔

مجھے یاد آیا، ایک عالم دین جنہوں نے انخوان المسلمون کے خلافت تیزی دیا تھا، خلافتی مزاج رکھتے تھے، اور جو بطور ہے صلیک بزرگ تھے

انسانہی نیکی کی زیادتی کی بنا پر ہی اخوان کی ولایت اسلامی کے خلاف ہو گئے تھے۔ انہوں نے جب اخوان المسلمون کے فتح کئے جانے کے بعد مصری حکومت اور
فرعون جدید کے نہر دست کار نہایت دیکھے تو انہوں نے اپنی رائے بدل دی کہ انہوں نے اپنی فوجی مجلسوں میں حکومت کی پاسٹی .. الا تھی دلا شتر کی العری کے سطلے
میں شکایت کے طور پر کچھ باتیں کیں۔ اس کے بعد سرے بعد انہیں آن کے کان سے گفتگو کیا گیا اس کے بعد ایک دور دلائل مقام پر پوچھ نیک دیا گیا جہاں ان
سے ایک پروجیکٹ میں بریگار کا کام لیا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ متعلقہ جیل خانہ کے ہاؤسنگ کو صاف کرنے کا کام بھی ان سے لیا جاتا تھا۔ ان صاحب کے عزیز رشتہ دار
قاہرہ میں موجود ہیں اس پر بھی کڑی نگرانی ہے۔ اخوان المسلمون کے خاتمہ پر مصر کے علماء و دانش ور کیا جتنی اندکیا بیت ہی ہے۔ کاش! ہمارے ان کے لوگ
اس سے سبق لے سکیں۔ کاش! یہ لوگ یہ حقیقت جان سکیں کہ اباحت اور دین دشمنی کے اس نہایت ہی الجھے ہوئے مدعی خود علماء و دانش ور اخوان کے اداوں
کے لئے تحریک اسلامی دفاع کا کام دیتی ہے۔

اب شام میں سینے۔ شام میں حزب البعث کا نفع دلا دیا کوئی بھی بات نہیں ہے۔ حزب البعث کی اسلام دشمنی کی اس سے زیادہ دلیل ہو سکتی
ہے کہ حزب البعث کے تحت حال ہی میں "ابواب الکبیریہ" قائم کی گئی ہے جس کا کام قومیت عربیہ کے نقطہ نظر سے عربی تاریخ کی نئے سرے سے تدوین ہے اور
جس میں البعث کو قومیت عربیہ کا بطل قرار دیا گیا ہے۔ حزب البعث دہری حزب فاسد ہے جس میں شہرہ مستشرقین بھی ہیں اور کوچر گدا اور آشفہ سر
قوی و اشتراکی ایسب بھی۔ یہ لوگ بریت کے تمام سوشل پلیٹ فارمز کا اسلام کے خلاف ہودی قوت سے استعمال کرتے ہیں ان کی نہر پکا نیوں کا مرکز
بریت کا معروف اسلام دشمن ادارہ (INSTITUTE OF SOCIO POLITICAL STUDIES ON MIDDLE EAST) والہیت
الدراسات الاجتماعیة والسیاسیة عن الشرق الاوسط ہے اس ادارے کا کام نہ صرف اسلامی تاریخ کو بکس کے پیش کرنے بلکہ اسلامی
تعلیمات کا کھلم کھانا کرنا ہے عربی زبان کو اسلام کے اثر سے نکال کر بریت کے آن ادوار کے ذریعہ WHITE WASH کیا جاتا ہے جو نہایت آواز
نکال دینے والا ہے!

شام کی حزب البعث دراصل کارل مارکس کی روح خبیث اور مال سٹریٹ امریکہ کے ناجائز غلب کی پیداوار ہے اس بات کی ہیئت ترکیبی اخلاقی مزاج
آواز دہنی، تشدد و سازش اور BACK DOOR گھنواؤنی سیاست سے ہے۔ حزب البعث کا اعلیٰ طبقہ ... بہترین لوگوں پر مشتمل ہے یہ لوگ اتحاد کمیززم
ادامہ دہی پسند قومیت اور گھنواؤنی سیاست کے حامل ہیں اور اسلام کے سخت ترین دشمن۔ فرانسیسی استعمار نے شام میں مسلمانوں کے جن مرتدا و مکرہ ترین فرقوں کی
سرپرستی کی تھی۔ ان میں لبنان و شام کے دروزی اور فرقہ نصیریہ کے لوگ ہیں یہ دونوں فرقے حسن بن صباح کی یاہ کا ریوں کے وارث ہیں اب انہی فرقوں
میں صحابیہ عناصر بھی ملا رہے ہیں۔ جو ایک وقت میں محمد بھی ہیں، کمپوزٹ بھی ہیں اور مکی بین الاقوامی ہجو و فساد نیز زمین سیاست کے محنت بھی!
مصر کے نامری طرح ان کے ان بھی نعروں کا ڈھول اور الفاظ اور CATCH WORDS کا سرب ملتا ہے۔ یہ لوگ شغلات، خطابات اور
نعروں پر جلیجے ہیں اس تحریک کا ہدف شام میں حقیقت یہ رہا ہے، کہ شامی مسلمانوں کی دینی درجہ و مزاج کو کچل دیا جائے اکثر غفل ساز شمول کا ایک
غورنگ چکر چلا کر شام کو مستقل اضطراب سے دوچار رکھا جائے۔ تاکہ وہاں کے عوام کی طاقت و دینی درجہ کا کسی طرح خاتمہ ہو۔ اور لبنان میں
عیسائیوں کے جو اثرات ہیں اسے بڑھ کر شام کو بھی بین الاقوامی طاقتوں کی مدد سے نیم استعماری سیاست بنا دیا جائے اور اس طرح شام مسلمانوں کے کھار
میں نہ رہے۔

دوسری طرف شام کی دوا اسلامی تحریکات "اخوان المسلمین" اور "مشاب محمد" کو دراصل میلان سے مٹانے کا راستہ ہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ
دونوں بلاکوں کے تناسب و مشترکہ عزائم سے فائدہ اٹھا کر حزب البعث کو تسلط و غلبہ حاصل ہوا اور اخوان و شباب محمد کی تحریکات کو خلاف وقت دن
قرار دے کر ان پر ظلم و تعذیب کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ دہری و راہہ جن کے مناظر پر مصر میں دیکھ چکے ہیں اسدیکہ یہ بھی، فساد کے گدا دہریہ ہر وہ
میں جلد ہی گہرے سب کو جن میں میں ڈالنے کے بعد، سب پہلے شام کے سابق مفتی اعظم کو نکالا گیا اس کے بعد وفات الاوقاف سے تمام اسلام پسند عناصر کو خارج

کہا گیا، جنہوں نے کہا احتجاج کیا ان کو جیل قاسمیر کے خانہ جیل میں بند کر دیا گیا۔ اس کے خلاف جب شام میں شدید دھماکا ہوا اور محض دو گھنٹے میں مظاہرین کے اندر دھماکے نے شدید فطرت کا مہلکا اظہار کیا اور جمعہ کی نمازوں میں احتجاجی تقاریر پڑھنے لگیں تو عرب البعث کی "ترقی پسند قیامت" نے محض دو گھنٹے کی مساجد پر بمباری کی۔ بے شمار لوگوں کو بے دریاغ شہید کیا گیا۔ اس سارے دردناک واقعات کے دوران شام کے حامی علماء و پیرانہ طریقت نہ صرف خاموش رہے بلکہ ایک بہت بڑے طبقے نے ان کے طبقہ کے حزب البعث کا ساتھ دیا۔ اور اس طائفہ کے بعض شیخ کفر تو نے "انخوان المسلمون" اور "شباب متحدہ" جیسی دینی تحریکوں کے خلاف ان انقلابات کو عین اسلامی قرار دیا اور انخوان المسلمون کا نوان الشیاطین لکھا۔ یہ ایک حالات نے پاشا کھایا اور صفحہ حزب البعث کے اتنا پسند طبقہ نے بغاوت کی۔ یہ یاد ہے کہ ادھر کی ساری تعزیرات و بربریت حزب البعث کے تحت پسند طبقہ کی سیاہ کاریاں تھیں۔ انہما بہت طبقہ کے انقلاب کے بعد ہی کچھ علماء و دانشور کے ساتھ شروع ہوا جو مصر کے ان علماء و دانشور کے خلاف ہوا اور اسلامی حکومت و تحریک کی مخالفت کر رہے تھے، شیخ کفر اس وقت بے حال ہیں۔ ان کے مخلص کارروائی کی آنکھیں کھلیں تو انہوں نے دہے الفاظ میں احتجاج کیا اور ان سب کو کپڑے کر بند کر دیا گیا۔ شام اب کھلم کھلا اتحاد و اشتراکیت کا پرچار کر رہا ہے تحریک اسلامی کے مخالف دانشور و علماء کے دل نہایت سختی کے ساتھ گندے ہیں۔ کتنے عورت خزانہ کسین احمدیہ یہ واقعات اُکاشا علماء کو رام سوچ سکتے۔ وہ گروہی تعصب اور انفاق و منفعت اور لالچ کی بنا پر کس طرح آسانی کے ساتھ حکومتوں کے آلہ کار بن کر دینی تنظیموں اور اسلامی تحریکوں کو کس قدر شدید نقصان پہنچاتے ہیں اور جب یہ تنظیمیں ناپاک حکمتی میں تو بھروسہ یہ علماء بھی صاحبانِ حق و تاج کی فاروگیر سے نہیں بچتے اور ان کو بھی معاف نہیں کیا جاتا !

موسم سرما
قدرت کا مددگار نے موسم سرما کو۔
انسانی جسم کی حفاظت، زائش و قوت کی بحالی، دماغی، قلبی اور عینی طاقت کی استوری کے لئے فکرمیں ہے۔

اگر آپ کسی قسم کی کمزوری محسوس کرتے ہیں تو اسے موسم میں توجہات، مفرحات اور اکیسے دواؤں سے —
فائدہ اٹھائیے

طیب الشرف
اگر آپ باقاعدگی علاج کو اپنا چاہیں تو

جانب رجوع فرمائیں جس کی نگاہی براہ راست پاکستان کے نامور طبیب مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف خود کرتے ہیں۔
بیرونجات کے مریض مفصل حال لکھ کر مفت مشورہ حاصل کریں یا سالانہ طلب فرمائیں۔

طیب الشرف، الشرف ہسپتال، راجا مہدی جناح کالونی لائل پور

نیدرلینڈز اور احمد نواز دھولوی (ایم۔ اے)

جگر مراد آبادی فن، شخصیت اور شاعری

جگر مراد آبادی میں متوسط طبقہ کے ایک شاعر خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم بھی پرانی طریقہ پر ہوتی اگرچہ انہوں نے لائی اسٹری
انگریزی بھی سیکھی۔ نازی پوسٹ زلیخا اور سکندر نامہ تک پڑھی، عربی سے واقف تھے۔ ایسے اعلیٰ کارہورد و ابتدائی شاعری جیسی کہنا تھے ویسی
منے کی، سیدھی سادی سن و عشق کی باتیں، جن میں نے منے نے منے، نہ ذہن یا نفسیاتی الجھنوں کا گندہ نہیں ذہن کے صرف دو اشعار سیسویں صدی کے
میں سوچنے کا جو انداز تھا اس کا پتہ چلانے کے لئے کافی ہیں۔

کیا چیز تھی، کیا چیز تھی، کیا چیز تھی، کیا چیز تھی
جا، بھی اے نا صفا داواں! نہ کہ ان کو بدنام
اُن کر کے وہی بیٹھ گیا درد جگر بھی
ان جھانڈوں سے تو خوشبو نہ دے آتی ہے

بے کچھ غزلیں داغ دہلوی مرحوم کو اصلاح کے لئے بھیجیں جن کا طوطی ہندوستان بھڑیں بول رہا تھا۔ پھر زیادہ تر داغ مرحوم نے ناگینہ ورتا
دی کو اپنا کلام دکھایا۔ حسرت موہانی کے استاد امیر اللہ تقییم سے بھی استفادہ کیا اسان سب کا اثر بھی انہوں نے قبول کیا۔ تاہم آہستہ آہستہ
ن کا اپنا دالہا نہ انسان اور رنگ ابھرنے لگتا ہے، اظہار میں بھی سلیف آجاتا ہے اگر سلیف باقی رہتی ہے تو لگنے، لگانے، دامن پکڑنے۔
س ساقی کی ہر نگاہ پہل کھا کے پی گیا سے اُن کو پیار آئے نہ آئے جھوٹا پیار ہی گیا۔

ن ظاہر ہے کہ جذبہ کی شدت نے یہاں آغ کے رنگ میں نیا نیا کھا پیار کر دیا ہے۔ رشتہ رشتہ ان کے ہاں بر شادی، زندگی اور دہلوی کی وجہ
انفرادیت جھلکتی ہے ادب ان کی آواز ہر کوئی پہچان سکتا ہے۔

شیشہ سے نہ رکھو مطلب اے ساتھی سینہ! ان مست نگاہوں سے بھر دے مرا سینہ
چمک گیا ایک ایک سیکش اس نگاہ مست سے تم ادھر دیکھا کچھ اور لٹ گیا سینہ آج

شیشہ مست و بادہ مست و جن مست و عشق مست

آج پیئے کاغزو پی کر بیک جانے میں ہے

چ تو یہ ہے نرم ناتے و لڑن جگو کی کے دم سے قائم نظر آتی ہے

دلتوں سے بے جگر سونا پٹا تنگ مسیکہ پھر وہ دیا نوش ز نوش کام آہی گیا

اھ اس انداز سے کہ

اے محنتب! نہ پھینک، مرے محنتب نہ پھینک

ظالم! شراب ہے، ارے ظالم، شراب ہے

دراصل ان کی شاعری میں سوز و گداز، دلکشی و پراثر آفرینی ان کی زندگی و گرد و قریب ہی سے آئی اور یہی کیفیت ان کی شاعری پر چھائی رہتی ہے۔
تین تین برس کی عمر ہی سے اصغر گوشت دی مرواحم کے کارخانہ میں ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنے لگے تھے ان کی شادی بھی اصغر گوشت دی مرواحم سے ہو گئی تھی اور عینکوں کی تجارت کے سلسلہ میں انہیں اکثر سفر کرنے پڑتے تھے تاہم مستقل قیام گوندہ ہی میں ہو گیا تھا پھر بھی ازدواجی زندگی میں ان کے فانی بن اور زندگی وضع کو نہ روک سکے، ایک اہم انقلاب ابدت ضرور سامنا ہونا ہے جو اصغر گوشت دی مرواحم کے ساتھ ہی جگر کو، عبدالغنی کے ساتھ تک لے جاتا ہے، جگر کو بھی آسانہ شاہ عبدالغنی سے بے حد عقیدت ہو جاتی ہے اور اسی وجہ سے اصغر کا بھی بڑا احترام ہے اور یہیں سے ان کی شاعری میں تبدیلی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں چنانچہ وہ دایعہ اندلسیم کے بعد ایک سو فی شاعر اور اصغر گوشت دی مرواحم سے یہ اور بات ہے کہ سنہ سے لگی ہوئی "کافر" ایک عرصہ تک ان سے نہ چھوٹی لکیر ضرور ہے، بارہوی اس کے اصغر کا ذکر جہاں کہیں لے کیا ہے بڑی عقیدت اور احترام سے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو

جریم حسن معنی ہے جگر کا شانہ اصغر
کیوں کہ بے شرع سے چپکے نہ اے سنگو

جو بیٹھو باادب ہو کر تو اٹھو باخبر ہو کر
دنگ بکام حضرت اصغر نظم میں ہے

یا یہ کہ

زنگاہ حضرت اصغر کی ہر دو اجست خاص
الغرض جگر کے کلام میں صوفیانہ اثر یا اصغر کی گہری چھاپ، حضرت اصغر کے قرب کا آئینہ دیتی ہے۔

وہ غالب، تین اور حسرت کے بڑے قائل تھے، معاصرین میں اصغر کے بعد فانی کا نام بھی رجحان اور احترام سے لیتے تھے، حسرت و بے باکی اور فانی کی الم پستی سے بھی وہ متاثر تھے مگر ایک حد تک، اس الم پستی سے انہیں فانی کی طرح باسیست زدہ یا تنویر نہیں بنا دیا بلکہ انہیں جانائیے، غم و رمان، کو لکھ دیا مگر اجتماعی احساس دیا یا پھر انہوں نے اصغر مرواحم کی طرح "جو غم ہوا اسے غم جاناں" نہیں بنا دیا بلکہ جب حصہ کے وقت تک پر قیامت ٹوٹ پڑی اور انسانیت برباد ہو گئی تو وہ ٹوٹ پڑ گئے انسان میں بھی سرے کھن باندھ کر لکھنے، اندھرتی داس کے عرصہ پیدائش اس کی شاہین نے جگر کے ذکر کے وقت ملیں گی۔

جگمگاتی آواز گونج گئی اور فانی کی طرح وہ اقبال کو بھی "ناظم" کہا کرتے تھے، مگر جب ضرورت محسوس ہوئی تو انہیں بھی "طرح" "نگار" "خزل" کا احساس ہوا نظروں میں وسعت پیدا ہوئی اور دعائی و آناؤ کی طرح اقلعات وقت کے مد نظر وہ نظم کی ضرورت کے ساتھ اس کے حسن کے قائل بھی ہو جاتے ہیں نہ صرف اتنا ہی کہ وہ نظم کی ضرورت انہوں سے متاثر ہوتے ہیں بلکہ اقبال کی عظمت کو قبول کرتے ہیں انسان کے فکر و نظر ان سے استفادہ کرنے میں بھی پس و پیش نہیں کرتے، فرماتے ہیں۔

غنی و نسیر و غنی، انجم و خورشید و ماہ
یہ بھی میری رہ گند، وہ بھی میری گد راہ

آسمان مرکز تخیل و تصور کب تک؟
آسمان میں سے چل ہو وہ زمین پیدا کر

مگر وہ اقبال کے مقلد نہیں بن سکے وہ غزل ہی کے دائرہ میں زندگی کے ہر مسدک کی عکاسی کے قائل تھے اور غزل ہی کو دنیا کا اظہار بنا دیا اور زندگی کا کردار فانی سے بھی متاثر تھے، فانی بھی جگر کو مانتے جانتے اور پسند بھی کرتے تھے، یہ بات دلچسپی سے غالی نہ ہو گی کہ جگر کے مندرجہ ذیل شعر کو

فانی بہت پسند کرتے تھے

یوں بسر کی زندگی ہم نے اسیری میں جگر
ہر طریقہ داخل آداب۔ زنا میں ہو گیا
فانی کے کلام سے جگر کے متاثر ہونے اسد ان کے رنگ میں شعر کہنے کی مثال ہم کے درج ذیل شعر سے بخوبی نمایاں ہو سکتی ہے

دن کا کیا ذکر تیرہ بختیوں میں
ایک سات آئی ایک سات گئی

اور یہی اشعار کلام جگر سے فانی کے رنگ کے پیش کیے جاسکتے ہیں مگر یہ ایک شعری کا حصہ تین ثبوت ہے۔

مروم اصغر گزندی نے یوں تو داغ کے بعد کو ختم ہوتے دیکھا تھا۔ نسیم، ہندک، جروج، حسرت، یحییٰ، محزون، ریاض، فانی، یگانہ
اقبال اور جوش کو بھی مگر جگر نے ان کے علاوہ اختر شیدائی، فراق، فیض احمد فیض، کو بھی اپنے سامنے بھرتے دیکھا۔ چنانچہ نے نسل نے ان
کی شاعری کو نیا انداز ادب نئے عنوان میں عطا کئے۔ ترقی پسند تحریک بھی ان کے سامنے ہی بھرتی اور پیچھے بھی گئی۔ اس سے قطع نظر غالب کی
طرح جگر نے ایک خوفناک انقلاب اور غوثی سیاست کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مشہور نے جس طرح غالب کے کلام میں گہرے تاثرات
نمایاں کر دیے تھے، ۱۹۷۱ء کے انقلاب نوین نے بھی جگر کی غزل کو رنگین تر بنا دیا۔ انہوں نے غزل ہی کے ذریعہ اپنے دودھ کی ترجمانی کی اور
عوام کے دلوں پر گہرے نقش فرم کئے جبکہ دوسرے شعراء کو اس کے لئے ٹری ٹری اور طویل تر نظموں لکھنی پڑیں۔ اگرچہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے
چند نظموں جگر نے بھی نظم کے صحن اور ضرورت کے پیش نظر کہیں مگر یہ ایک نندہ حقیقت ہے کہ غزل میں غالب کے بعد کوئی شاعر اس گہرائی تک
نہ پہنچ سکا جہاں تک جگر کی دہریں نظریں پہنچیں، صرف اتنا ہی نہیں ان کی غزل کو تیر کی سادگی و پُرکاری، درد کا تصوف، موت کی نقاب پوش
خیال آسانی، داغ کی شوخی اور گداز قلب، اقبال کا تفکر بھی انہیں متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکا۔

جگر کے دل، سادہ سن کے علاوہ شاعر کی جھلکیاں بھی نمایاں ہیں، ذرا ب سے توبہ کرنے کے بعد موت و داغ کا رنگ غزل کو کم رہ
گیا مگر صد کی صدا آفرینی اسد اقبال کے مدح میں نے اس کی جگہ لے لی۔ کلام جگر میں شوخی اور تغزل کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں

حصہ دوست ہی جرم زندگی بھر
جناب شیخ کو تھا دہم پاکئی دامن

بیاض اور داغ کی شوخی بھی ہے اور اپنا رنگ بھی

رندوں نے جو چھڑا زہاد کو ساقی لے کہا کس طنز سے آج

اوروں کی وہ عظمت کیا جانیں؟ کم نظرت جوائیں ہوتے ہیں

اور وہ تغزل جس نے انہیں رئیس المتغزلین بنایا ملاحظہ فرمائیے کہ واقعہ وہ رئیس المتغزلین کہلاتے جانے کے حقدار بھی تھے

تو مرے حلی پریشاں پہ بہت طنز نہ کر
اپنے گیسوی خدا دیکھ کہاں تک پہنچے!

لے کے خطا ان کا، کیا ضبط بہت کچھ لیکن
تھر تھرتے ہوئے باغوں نے بھرم کھول دیا

جہم نے سینہ سے لٹکایا دل نہ اپنا ہو سکا
سکڑا کر تم نے دیکھا، دل تنہا ہو گیا

کی خبر سچی وہ بھی نکلیں گے برابر کے شریک
دل کی دھڑکن ہی کو پناہ راز داں سمجھا تھا میں

نارک کو توجہ میں اشعار کا دفعہ
ہلکے سے قسم میں کنایات کا عالم

ہمیشہ اراے نگہ قسم آشنائے دوست
دل بھی ہے اک لطیف سا شاعر نے ہوئے

کیا لطف کہ میں اپنا پتہ، آپ بستاؤں؟
کیجئے کوئی بھول ہوئی خاص اپنی ادا، یاد

شاعر نے صرف اپنے ماحول پر محدود ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے ماحول کا مناسبتہ بھی اپنے ماحول سے آنکلیں بند کئے ہوئے گند بھی نہیں سکتا۔

کلام بکریر۔ ان کے ارتقائی سفر کا اندازہ ان کے متغیروں مجرورہ کلام سے بخوبی سمجھنا ہے۔

ان کے تیسرے مجرورہ کلام "آتش گل" میں ماحول کے اثرات بدلتے ہوئے حالات کے گہرے نقوش ہیں نظر آتے ہیں۔ جس طرح "بانگ درا" کا شاعر حسین حالی جبریل "میں بلند، اور غریب کلیم" میں بلند تر نقطہ تاہم اسی طرح "گل گداز" میں وہ سوز و گداز اور اپنے نظر میں آتی ہوئی شاعرانہ طرز ہے، یہی جگہ ری شاعر بننے کے بعد بزرگ بھر کر "آتش گل" بن کر سامنے آتی ہے یہی بھر کر ہوئی "آتش سوزاں" ہے۔ "چمن" کی حفاظت کرنے کے لئے، مستند بھی نظر آتی ہے اور اس چمن کے دلوں میں آگ بن کر گر رہی ہے۔ اگر تو ہے یہاں یہ ڈکھو پھی ہے خالی نہ ہوگا کہ ان کے مجرورہ کلام "دارغ جگر" کے بعد دوبارہ مجرورہ "جوش شاعر" کے نام سے منظر عام پر آیا اس کا انتخاب اثر جگر کے استعاروں کو دیواروں میں کیا تھا جن کے جگر ہے وہ مستند بھی۔ اور احترام میں کرتے تھے، جگر کو بلند کرنا۔ ہمدردی اور احمد سرورانہ تغیرات سے لگتے ہیں کہ یہ مجرورہ چھپنے کے بعد چھاپا اور ایک دوسرا مجرورہ جس میں اشار کی تصاویر بھی زیادہ تھیں اسی نام سے وہ منظر عام پر آیا اور پھر "شاعر طرز" کے شاعرانہ لٹین سامنے آتے مگر اس کی مقبولیت میں کمی نہ تھی۔

جہاں تک غزل کا تعلق ہے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دسویں صدی عجمی نے قلی قطب شاہ، گیارہویں صدی نے دلی، بارہویں صدی میں میر اور میر میر نے ان تینوں صدیوں پر غالب اور غالب کو پیدا کیا۔ امد چودھری نے جگر کو یہ روشنی کا شاعر شعر و غزل کا پائے کے لئے سحر و دماغ کا نمونہ کر دیا۔ یہ تمام شعراء صرف شاعر ہی نہیں بلکہ عباد تھے، اب اس دوسرے نظم ہونے تک شاید کوئی ایسا مترادف اور محبت مست غزل گو پیدا نہ ہو سکے البتہ چند مجرورہ صنف سے بھی ناامید نہ ہونا چاہئے۔

جگہ نے پیر کے ۱۹۶۵ء میں شریک برکات کو عام کیا اور اس کی پرتاثر کشش اور اس نے دشمنوں سے بھی خواجہ حسین و مول کی اور اس کی چار دوسری جگہ کر لیتے تھے۔ جگر کی شخصیت نے نہ صرف ان سب اداکاروں سے خواجہ حسین و مول کی بلکہ اپنا لڑکا بھی مننا لیا ہے حقیقت۔ "مازلں جاتی ہے سزاوائی نہیں جاتی"

۱۹۶۶ء کے نئے نمونے جگہ کے کلام میں بہ انتہائی دلچسپی و سرسختی ادب کے قاضی عشق کے بدلے، سنبھلا برائیاں و عشق اور پھر سونا انداز عرف کیا۔ ان کی ناک کے گرد جگر کو دیکھ، اور دل نہ چھوڑا کیا وہی انہوں نے جگہ کا انداز میں واضح طور پر پیش کیا احساس طرز قافی شاہد، تجربہ و احساس پرانہوں نے اپنی شاعری کی بن و پر۔ کھوپ تیریں سے شاعر جگر کی جگہ سامنے آتی ہے، وفات سے دلی شاعر شپ اٹھا ہے اور حدود جدت شریوتا ہے اس کا قافی نظم اپنی سرشت میں اب کائناتی نظم بن چکا ہے اور وہ فن کے اسود دعا ہے۔ ملاحظہ ہو

دو: دوہ و دون، نو اکھائی و بسیار
انکھیں اکھا کچھ اور بھی میں منتظر جگہ
انساں ہے اور ماحم انساں ہے آج کی
چھپرا کی تیل گاہ کا منظر لئے ہوئے

ادبیت کے دانات نے ان سے شکر کہا یا اس

کہتے ہیں بدلتی بدلتی ہیں، اہل وطن تمام
بھرتے ہیں آستینوں میں منجھ لئے ہوئے
اور اس شخص میں دو حکمت پر بھی، نڈر کرنے سے نہیں، جو کہتے ادب کا کر کے تیر۔

نکمت کے منتظر الم جب سے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں
جگہ ہم بہتی کو کو صیبت قاتق — کہتے ہیں

وہ ان لوگوں میں بچیدہ بن گئے تو نہ تھے اور ان دلوں کو اپنا شاعر جانتے تھے و جہت پہلے ہی انہوں نے کہا تھا
گنن پوت ہوں مجھ کو ی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی بناہ گئے جانا ہوں میں
اقلیتی فرقہ کو جب تنہا کی لگے سے دیکھا جانے لگے تو گھبرنے پر آمادہ بلند کی ہے

پہلوں کو نازِ حسن اگر ہے تو ہوجو جگر
کانٹے بھی ہیں غورِ گستاخ لے سوتے
آتا ہی کہ جب کائنات پر فحشِ کاذب چلا جاتا ہے اس ملک کی انسانیت کھاتی نہیں دیتا تو دورِ حاضر پاسِ طرہ تبصرہ کرتے ہیں
انسانیت کو جس سے عبادت ہے زندگی
انسان کے سایہ سے بھی گریزاں ہے اب کل
ہر چند کائنات دو عالم میں اسے جگر
انسان ہی ایک چیز ہے انسان مگر کہاں؟
تیز ہر وہاں مبارک تجھے مرگ
دل میں اگر نہیں تو کہیں روشنی نہیں
نہ مگر کس پاسِ طرہ نہ لے نہ لے نہیں سے

کیا تپا مست سے کہ اس دور ترقی میں جگر
آدی سے آدی کا حق ادا ہوتا نہیں
اور گٹ گٹ گٹے انسان، بیچہ گٹے سائے

کی نظریں نہ صرف ہر کائنات کا احاطہ کر چکی ہیں بلکہ وہ کائناتِ دل پر بھی اپنی کمسن گفت رکھتی ہیں۔
انہوں نے اپنے مسلکِ شاعری اور فحشِ کاذب، فحشِ بھی اپنے کلام پر با اثر رکھے ہیں اور جگر کہ ان کے کلام کے آئینہ میں دیکھ جاسکتا ہے اپنی
پہچان ان کی نگاہ میں!

تکلف سے، تصنع سے، ہر کسبتِ عمری اپنی
حقیقتِ شعر میں جیسے وہی ہے زندگی اپنی
نہ میں ناپائیدار شرم نہ، نہ صوفی سے جگر
مسلکِ عشقِ مرادِ مسلکِ زندانہ سہی
مرے شعر میں ہیں لطافتیں، عمری نظم میں ہیں نزاکتیں

مری فکر میں کہیں اے جگر! ادبِ کثیف کی جانبیں

ہے کہ وہ بات جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ "درگفتن نمی آید" اسے اس انداز سے بیان کرتے ہیں

اے کالی سخن کے دلوانے
ماہوائے سخن بھی ہے پاک بات

سب دین ہے ایک "دردِ دل" کی خوشنوی آگ میں تپ کر کندن ہو چکا ہو، اودھ دل نشہ، دلِ دردناک، کسی کی نگاہِ ناز کی توجہ کے بغیر
حاصل ہوتا ہے؟ اس احساس کو اس حقیقت کو جان کی لہری شاعری پر عادی ہے، احساس میں سالیں گئی ہے اس کا اظہار اس طرح ایک
بالا اعلان کر دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ

میرا کالی شعر، بس اتنا ہے اے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے میں نہانے پہ چھا گیا

حالی کی طرح وہ حالی سے باخبر ہونے کے ساتھ ہی "تنب" سے بھی آس لگائے بیٹھے تھے۔ حالی کی نظریں جس طرح مستقبل کو دیکھ سکتی تھیں اور
اندازہ کر سکتی تھیں مگر دور تک احاطہ نہ کر سکتی تھیں جگر کی نظریں بھی صرف حال تک محدود تھیں، پیش گوئی اور پیغمبری اقبال کی طرح شاعری
لیجے ان کے بس کی بات نہ تھی۔

جگر آنادی کی تحریک کے بعد آنادی کے حصول اور اس کے نتائج کو بھی چونکہ اپنی نظروں سے دیکھ چکے تھے اس لیے کلام میں جا بجا ارشادات و اشارات
نہ چکے تھے مگر دل کا درد، خون بن کر اس وقت ان کی آنکھوں سے جاری ہوتا ہے جب وہ حصولِ آنادی کے بعد کی افراط و تفریط رکھ کر کچھ کہتے ہیں
نہادی، نام نہاد آنادی پر ان کی شہرِ نظم سے قارئین تجزی و تفسیر میں ہم خوفِ طرالت صرف اس کا پہلا باب پیش کرتے ہیں جس میں شاعر نے اپنا
چیرہ دکھ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بھاگ مسافر میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ
ادیر ادیر جھول کھلے میں بھیرتے بھیرتے آگ

دیس کے اپنے کرنا دھرتا اکثر میں وہ لوگ
دلہا بہن کے کھلے چہرے، نظرت جن کی ٹھاک
گاندھی جی کا نام ندیاں پر سن کے اندر دوگ
کام نہیں ہے جھانپتی، بات نہیں ہے لوگ
ہستنا جہل و نشی بھوکی، اندر ہاں یہ لوگ
اپنے اپنے رنگ محل میں بیٹھ اٹھیں لاگ

بھاگ سا فرمیرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ

ی طرح وطن دوستی پر ان کی نظم گاندھی جی، پریش کی جاسکتی ہے، جہاں کے خیالات وطن دوستی کے سلسلے میں واضح و پریش کر قہب انسان کی
ایٹ روٹی کی مین نشی بھی ہے۔

اسی انداز کی پران کا یہ قطع تو آپ نے نہ بھی ہوگا ؟

کام اور احمد اور آناؤں
نام ہے اور قریب سے روشن
نہیں ہے لیکن دھندلی دھندلی
سایہ ہے لیکن روشن روشن

اس دھندلی دھندلی شمع آناؤں کو وہ اندر ہی روشن تر اور روشن ہوتا دیکھنا چاہتے تھے اور نا اسی نہ تھے فرماتے ہیں

نمود صبح کا ذبی، دلیل صبح صادق ہے
افق سے زندگی کی دیکھو وہ نکلی کرن، ساقی !

باسک غالب کے انداز فکر میں کہ

”لطافت ہے کثافت جملہ، پیدا کر نہیں سکتی“

آرنا اور میرا گھر و لطافت پرستم

شالنامہ ”اوراق“

مترجمہ ڈاکٹر فیر آغا۔ عارف عبد المتین

ریاست میں منقہ مشہور پر آئے گا اور ایک اہم ادبی دستاویز کی حیثیت اختیار کرے گا۔

سینٹر ”اوراق“، چوک اردو بازار، لاہور

ہر قسم کے سوتی دھاگے کیلئے ہمیشہ
”اٹونیا“ برانڈ یاد رکھئے



فیروز سلطان انڈسٹریز لمیٹڈ سرائے روڈ کراچی

مولانا عبد اللہ عباس ندوی

جمال ناصر کی حکومت بیزاری کیوں؟

- ۱۔ ایک سوال ہے جو ہم سے بار بار کیا جاتا ہے اور اس ضمن میں یہ باتیں بھی کہی جاتی ہیں۔
- ۱۔ کیا صرف اس لئے کہ معری حکمران نے الاخوان المسلمون کی تحریک کو کچل دیا اور ہندوستانی لبرلینڈ کی کچالی دے دی — آپ معری حکومت کے عظیم کاموں کو فراموش کر دیتے ہیں۔
- ۲۔ آپ یہ نہیں دیکھتے کہ سرینے کے قومیانے اور سطر فی طاقت کے حملوں کا کس طرح پامردی سے معرے مقابلہ کیا اور یہ ایک وقت اگر بڑا فرخ اور اسلامی طاقتوں کو شکست دی؟
- ۳۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ معرے اشتراکی نظام رائج کئے کہ کس طرح غریبی کو دھکیلا، لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوا، عوامی سپرد کام کس دھندہ دھند سے رواں چاری ہے؟
- ۴۔ کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ معری حکومت نے اسلام کی کتنی خدمت کی ہے، الانہر کا معیار بلند کیا۔ قرآن مجید کی تلاوت کئے سید کو ایک شعبہ کوئی دیا جو ملت دن ملازمین نشر کرتا ہے، قرآن پاک کے بلاشبہ سیکڑا تیار کر کے دنیا بھر میں تقسیم کئے، الانہر اور وزارتہ الامانات کی متحدہ کوششوں اور سرمایہ سے تمام دنیا کی مختلف علماء و علما کو ملے جاتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے مسائل پر محضر و فکر کریں۔
- ۵۔ آپ معری حکمران کو برا کہتے ہیں حالانکہ وہ اپنی ذاتی حیثیت سے ایک معیاری حکمران ہے جواب تک اس جنگ میں بہت ہے جس میں لغت و کربل کی حیثیت سے رانا کرتا تھا، اس کے بڑے ساتھیوں پر اس کو مل جاتے ہیں اس نے جو کچھ کیا ہے وہ ملک و ملت کے لئے کیا ہے اس کا اپنا نہ کوئی سرمایہ ہے، نہ وہ اپنا جنگ بلیس رکھتا ہے۔
- ۶۔ مذکورہ بالا باتیں بڑے شیعہ کے ساتھ اور مختلف انداز سے بار بار دہرائی گئی ہیں جو لوگ جن نیت سے ان باتوں پر توجہ رکھتے ہیں ان کی ہمتیں قدسے تفسیر سے ان باتوں کا جواب پیش کرنا چاہتا ہیں۔
- گفتگو شروع کرنے سے پہلے اس حقیقت کو ذہن میں تازہ کر لینا ضروری ہے کہ معری حکومت یا حکمران سے جس یا آپ کا اگر محبت ہو سکتی ہے تو رفت اس لئے کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں وہ پیش پیش ہیں یا کم از کم اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کا ان سے نقصان نہیں پہنچتا ہے اور اگر نفرت ہے تو اس کا سبب بھی یہی ہوتا کہ ہمارے علم و اندازہ کے مطابق وہ اسلام دشمنی اور مسلم بیزاری کی راہ پر گامزن ہیں۔ اور اگر یہ نہ ہو یعنی اسلامی اخلاقت کا رشتہ تو ہمارے لئے مسخر و مستقام ہو یا دالینڈ اور پولینڈ سب جہاں ہیں، جہاں

معری بلا ہے یوم پسے یا ہمارا ہے

اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے کہ ہم دین کو انسان کا پائوٹ معاملہ نہیں سمجھتے، ہمارے دین کا مطالبہ ہے کہ اپنے مفاد

دوسروں کے دین کی بھی فکر کریں اگر اس راہ میں رکاوٹیں ہوں تو اس کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے تمام ہاتھ دوائیں اور صرف طریقے اختیار کرتے رہیں یہ اگر اس کے لئے ضرورت پڑتی ہے تو ہم سیاست میں بھی مصروف لیتے ہیں، سیاست ناپستیدہ ہے اگر اس کے لئے عوامی سطح پر آواز اٹھے اور حرام ہے اگر دنیا طلبی اور شخصی اقتدار کے لئے ہو، لیکن اگر دین کی راہ میں رکاوٹیں دور کرنے کے لئے ہو تو بقرآن معنی محمد صہ "مشر لاہن منہ" ایک ایسی بات ہے جس سے حارہ کار نہیں ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد سے مغربی سیاست دانوں نے مذہب اور سیاست کے درمیان تفریق کا نعروں لگایا، کلیسا کا حق کلیسا کو دیا اور حکومت کا حکومت کو، یہ بنیاد تھی مغربی طرز فکر کی، یہی اصول مسلمانوں میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی اور آل عثمان کے زمانہ دولت کے بعد یہ ہم کافی تیز ہو گئی، عروم اور شکیب اور اسان نے حاضر العالم اسلامی کے حوائج میں فضل الدین عن سیاست کے عنوان سے اس نظریہ کی تاریخ بیان کی ہے۔

تیسری بات جو سمجھ لینا چاہئے وہ یہ ہے کہ آج دہائے زمین پر کوئی حکومت ایسی نہیں ہے جو کسی کو پوجا پاٹ کرنے سے یا اپنے طریقہ پر اپنے معبود کا عبادت سے روکتی ہو یہاں تک کہ اگر آپ چیکو سلاویہ، یوگوسلاویہ، چین کے کٹر جیپ، انتخابات اور دستور پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا وہاں اگرچہ مسیحی ہیں اور لوگوں کو اپنی عبادت میں اپنے طریقوں پر ادا کرنے کا حق ہے، اختلاف یہاں بھی ہے اس امر میں ہے کہ مسلمان صرف اپنی عبادت پر اکتفا نہیں کرنا چاہتے دوسروں کو بھی عبادت پر مائل کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی آئندہ نسل کے لئے بھی یہی نو ہنس رکھتے ہیں کہ وہ عبادت کرنے والی رہے، اس کی خاطر ان کو تبلیغ و تعلیم کا کام بھی کرنا پڑتا ہے، مدد سے کھولنا پڑتے ہیں، دعوت کا کام منظم کرنا پڑتا ہے پھر وہ (یعنی مسلمان) اپنی زندگی کا ہر کام عبادت سمجھتے ہیں، دوسروں کی مدد کرنا، مسلمانوں کی پیروی کی فکر رکھنا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں، ان کے سامنے ان کے رسول کی حدیث ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے ایک جسم کی مانند ہے جس کا کوئی عضو بھی درد و الم کا شکار ہے تو جیسے کہ تمام اعضاء بے چین رہتے ہیں، لہذا جو حکومتیں اسلام کی کھل کر مخالفت کرتی ہیں یا دہرہ ان پر زندگی دشوار کرتی ہیں اس کا سبب صرف یہی ہے کہ مسلمان مذہب کو "پرائیویٹ معاملہ" کی سطح پر رکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

ان بنیادوں کو اس انداز میں سمجھنے کے بعد آئیے ہماری حکومت اور ان کے اصول کے سلسلہ میں جو باتیں کہی جاتی ہیں ان کا جائزہ لیں۔

مسلمات کو بھروسہ دہرا لیجئے تاکہ جہاد سمجھنے میں آسانی ہو۔

کیا صرف اس لئے کہ ہماری حکومت کے مخالفانہ اسلام کی تحریک کو کچل دیا اور چند اخلاقی لیڈروں کو پھانسی دے دی۔ آپ ہماری حکومت کے عظیم کارناموں کو فراموش کر دیتے ہیں۔

ہم ہماری حکومت کے عظیم کارناموں کو ہرگز فراموش نہیں کرتے "عظیم کارناموں کی حقیقت تو ابھی آپ کے سامنے آئے گی، سروریت یہ عرض ہے کہ آپ یہ کہنا کہ کیا صرف اس لئے کہ..... یہ بڑا ظالمانہ "صرف یہ بات بالکل اس طرح کی ہے جیسے آپ نے ہندوستان کے مسلم دشمن عناصر کے ہاتھ میں کہا جاتے کہ کیا آپ کو ان سے "صرف اس لئے شکایت ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی بستیاں جلا کر خاک کر دیں، محمد علی کا انوکھا کیا مردوں کو قتل کیا، ماؤں کی گود سے ان کے بچے چین کران کے سامنے دوڑ کر کھڑے کر دیئے..... !

"ملاخون المسلمون" کی تحریک پر سے شرع اسلام کے لئے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے آخری سراہی تھی، مہر کو اسلامی ثقافت، حشرات اسلام لانہ کی وجہ سے جو مرکزی حیثیت حاصل ہے وہاں یہ ایک ایسی تحریک تھی جس نے گنتی کے چند برسوں میں مذہبی اختلاف برپا کیا، جہاں کبھی لوگ مسجد میں جانے سے شرماتے لگے تھے، وہاں اخوان کے اثر اور ان کی تبلیغ کی بدولت کھیل کے میدانوں میں مقامات پر نماز، باجماعت ہونے لگی، جہاں کی عوامیت مغرب کی عوامیت سے باہر لگے گئی وہاں عوام اور عطا کا چلن شروع ہو گیا ہو، جہاں مسجد و خانقاہ کے داعین بھی آئندہ محترموں کا ذکر کرتے شرماتے ہوں اور جنت و دوزخ کے ذکر میں ان کو غیر منطقی بات نظر آتی ہو، اس کی تائیدیں کہ ان کی قابلیت اور دشمن خیالی کا کہہ سکتا ہے جانتے ہیں وہاں کالج کے طلبہ کو پایا جاتا ہو شرع جہاد سے بے تاب ہیں اور فلسطین کی جنگ میں جاتے ہوئے یہ کہہ رہے ہوں کہ یہیں کی جنگی جھڑک اس لئے ہمارا ہوں کہ وہاں میری منظر میں یہ معجزہ کی

حالت خود اپنی کی نہ ہائی صحافتہ الا فحاذی و لا یستود و محرمات کے مجرم ہیں گردش کرنے والی صحافت و لفظی ترجیح چونکہ شرمناک اور خلاف تہذیب احساس تہذیب دیا گیا (ہر دو انہی اور عربیوں کی طرف سے) ہو چکے اندر ہی رہ سکتے ہیں۔ یہاں جنسی ناول لکھنے والے مجرم ہیں کہ وہ خلاف راستہ بناؤ۔ اہلین اسلام کی سریش لکھیں، کہیں کہ انارک کی ہانگ سی ہو گئی تھی، جس طرح کہ پادین محمد بٹالوی اندام کی حکومت نے ناسیق بن احمد فواد (سابق والی ہرم) و ذلیلہ کشا ہر، کیونکہ ان کی پانچ سو سالہ کاوشوں پر پائی پھر سنا تھا، جس جماعت نے ٹھنڈا سمیت کے خلاف جمہادی کی تیاری کی ہو، اس جماعت کو کچل دینا۔ "عرف" بہ سمری بات ہے؟ وہ بھی ایک مسلمان کے نزدیک؟ یہ پورے شرق وسطیٰ اور تمام عرب ممالک کی دینی نشاۃ ثانیہ کو بچانسی دینے کے مراد ہے۔

انوائی شہداء — جن کی صحیح تعداد صرف اللہ کو معلوم ہے مگر جن کو علانیہ اند ایک عدالتی ڈرامہ کے تحت تیج کیا گیا، وہ صرف سحر کے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کی امانت تھے، شیخ عبدالقادر عودہ جیسا فاضل قانون دان و مدد مذہبیں پیدا ہوتا، شیخ فرحانی وہ تھے جن کو بٹالوی سفارتخانہ زندہ مردہ لانے والے کے لئے پچاس ہزار پونڈ مہری کا انعام دے سنا تھا، سید قطب، محمد قطب انسان کی دو بہنیں، چھٹا خاندان کیوں بید دی عقل کی یا، سید قطب جن کی تحریروں نے لجنہ دہی جوش اور ایمانی زندگی لوگوں کے اندر پیدا کی تھی جو کبھی مولانا آزاد نے اہمال اللہ البقا کے زمانہ میں پیدا کی تھے، یہ سکرہ یہ تھا کہ دس سال کی مسلسل قید با مشقت کے باوجود ان کے نقطہ نظر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، تین سال کے لئے ان کو قید با مشقت سے قید میں رکھ کر تصنیف و تالیف کا بھی موقعہ دیا گیا مگر وہ ان ملازم خسرانہ کے باوجود وہ اشتراکی نظام حیات کی سلام پر ترجیح دینے اور عہدہ جمال ہدائتہ کی مدح خوانی کے لئے تیار نہیں ہوئے، اس کے بعد نقشہ بیا ایک سال تک درجہ اسلام حائف مرحوم کی سفارش پر مہمیل سے باہر بھی نکلیا، جب کہ وہ بیمار کی دیر سے نقی و حکومت سے مجبور تھے مگر پھر بھی ان کی تحریریں ان کے عقیدے کی ترجمان رہیں، یہ کیا بغاوت کہ تھی کہ ان کی تحریروں سے ایسا جن تیار و تاپہ جو اسلام کی اشتراکیت پر ترجیح دیتا ہے، آج ہندوستان میں شیخ عبداللہ کے بارے میں متعدد بار ہندوستانی حکام کا یہ جملہ لکھا گیا ہے کہ ان کے فکر، کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اس لئے ان کو پھانسی نہیں جاسکتا، ان حکام کی منطق سراسر غلط ہے لیکن یہ حکام پھر بھی جمہوری قدروں پر ایمان رکھتے ہیں، وہ ان جرم میں شیخ عبداللہ کو بچانسی نہیں دے سکتے ہیں، قید میں بھی سیاسی صبر کی ہے جس میں جہاننا تعذیب نہیں ہوتی، پھر بھی آپ اس کو غلط اندازہ جابرا دیتے ہیں اس سے مراد نہ کہ لیتے، حتمہ عرب جمہوریت کے استبدادی نظام کو اگر مزید جمہوری اصول پر پرکھنا ہو تو میں سفارشی کردن کا آپ اپنی کے فاضل قانون ان نامی عدلیہ اس کا وہ مضمرن پڑیں جو اکثر سلاسل کی، یا کو توئی آواز دھکتوں میں شائع ہوا ہے ادیرہ واضح رہے کہ قاضی صاحب موصوف صمد نال عبداللہ صبر کے نیک نیت مددگار ہیں، دوسرا ڈال نہر سوین کے قومیانے اندر سطرانی حملوں کو شکست دینے کے بارے میں کہا جاتا ہے اور جس کو عظیم کانساموں میں سبک نہ زیادہ بڑا کانسامہ (عظیم تر) بتایا جاتا ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگر یہ کوئی کانسامہ ہے تو اس کا "کیڈٹ" معری حکمران کو میں بلکہ دوسرے کو جاتا ہے جس کی وارننگ نے برطانیہ کا حملہ دیکھا تھا، یہ بات محض پروپیگنڈہ اور سفید جھوٹ ہے کہ معری فوج نے کہیں بھی برطانوی فوج کا مقابلہ کیا تھا، برطانوی فوج اپنی جیب کا روٹی، خیریں اسلحوں سمیت چھڑیوں کے فلیڈر کیڈٹ سعید پر تری اور کافی دن تک تابعد رہی معری فوج ان کو خواہش تک پہنچا سکی، سلاخی کو کس کی تجویز اور فاعلی رائے عامر کے دباؤ سے وہ واپس گئے، اسرائیل کو اس حملہ سے تین ہفتے فائدہ ہوئے۔

— علیچ عقیب پر اسرائیل کا قبضہ ہو گیا جس سے اقتصاد کی ناکہ بندیا ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی اور عربوں کے ساتھ نہر سوین کے بعد دوسرے دھچ کی منج سے تم ابی شہرہ نکل گئی۔

— غزہ میں اسرائیل کی حفاظت کے لئے بین الاقوامی فوج تعینات کر دی گئی کہ اگر آئندہ بھی کبھی معریں ایسی حکومت قائم ہو جو واقعی اسرائیل کی دشمنی پر آمادہ ہو تو حملہ نہ کر سکے۔

۲۔ نہر سوین سے ہر ملک کے ہمارے لڑکے ہیں جس میں اسرائیل بھی شامل ہے یہ ایک بین الاقوامی معاہدہ ہے جو معریں نے اقوام متحدہ سے کیا ہے۔

— بلانیہ افرائس اندام اسرائیل کا مقصد اس حملہ سے معریہ قطع کرنا نہیں تھا بلکہ اسرائیل کے لئے زلیت کا کچھ سامان فراہم کرنا تھا، اسلی تعزیریں وہ کاغذ پر رہے،

تمام ہمارا، قرآن کا لفظ پھر قائم کیا گیا۔ قرآنی طاقت کے پلاٹنگ مایکروٹیم کے مجھے مقرر البوٹ الاسلامیہ اور نورسوی کے جلسے کئے گئے۔ اگرچہ سب بند کرنے کا مطلب مدعو بلانے کی ہندی نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات اور اس کی روح کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے امکانات کی بلندی ہے تو اس لحاظ سے الائنہر پوسٹ سے کہیں زیادہ بہت ہو گیا ہے، مغلطہ تعلیم نے سامہا دتا بھی ختم کر دیا، الائنہر کے علمائے کام کا کام ہمارا مدبر تھا پیش کرنا، اور سب لگا ہوا مری میں سیر و تدفین کا اندرون کے علاوہ کچھ نہیں رہ گیا ہے آج وہ اشتراکیت کے عین اسلام ہونے کا فتویٰ دے رہے ہیں، کل یہی علماء تھے جو فاسوق کی حمد و ثنا میں طلب اللسان تھے، ان کو مطلب اپنے گریڈ اور تنخواہ سے ہے، کبھی ان میں دینی حقیقت وغیرہ پر کسی منکرات کی کسی انہوں نے اعتبار نہ کیا ہی کرنے کی حمت کا؟ کچھ تبدیل فرمیں کا جواب بھی نہیں دے سکے جب کہ صد جمال عبداللہ کو پسر پسر عام ۱۹۵۴ء میں اسکندریہ میں قتل کر کے ہرے.... عمامے جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے ان رجال الدین و علماء اہل بیت سے کیا امید ہو سکتی ہے ان کے لئے اہل بیت دیکھ دو (مرزا دینی) کافی ہے“

سنا ناصر ابوالخدیجہ ہر کام کا تمام اگر عمارت اسلامی خدمت کا معیار ہے تو واشنگٹن کی مسجد المرکز الاسلامی بھی تو قابل ذکر ہے جس کا افتتاح اینٹلہ دے کیا تھا۔ اسرائیل نے اعلان کیا تھا کہ حکومت اپنے فوج پر پٹل ایب کی مسجد کی توجہ کر رہی ہے بھلائی حکومت نے سنا کہ سنٹر کی مسجد بنانے کے لئے پانچ ہزار پونڈ دے دیں۔

یہی حال طاقت نشہ کرنے کا ہے، آپ کو معلوم ہے کہ بی بی لندن سے وگنٹون کا عربی پروگرام میں ہے اللہ پر دو گرام کا افتتاح قرآن مجید ہوتا ہے، دنیا میں جہاں جہاں بیڈیو سے عربی پروگرام ہوتا ہے خواہ ماسکو ہو، یا واشنگٹن ہو یا چین ہو سب سے تھوڑی لٹریچر ہوتی ہے، اگر مقصد دعوت اور ترویج دین پیش نظر نہیں ہے تو ایسی طاقت سے فائدہ؟ حدیث بڑی میں آیا ہے ربنا ینزل القرآن والقرآن یلحد قرآن کی طاقت کہنے والوں میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

مقرر اسلامی اور نور البوٹ الاسلامیہ کے بارے میں پہلے تو یہ سننے کہ اولیٰ الذکر کی بات و احمد و مرحوم فلام محمد اور عبد اللہ کے اشتراک اور سوہرہ بن عبد العزیز کی تحریک سے چار مہینے قائم ہوئی تھی اور اس کے سیکریٹری عبداللہ دلات بنائے گئے تھے، اسکو لے ایک مہینہ پہلے روس لاکھم کا ابتدائی جلسہ دیا تھا، اس کا مرکز قاہرہ بنایا گیا، یہ نو مہینہ سال تک جاری رہا۔ مقرر کی طرف سے چند طلبہ کو وظائف دئے اور چند مدین انہر کو بیرونی ملک میں عربی پڑھانے کے لئے بھیجا گیا اب جبکہ رابطہ عالم اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو اس کی ضد میں اس کا اصرار کیا گیا ہے۔ جس کی حیثیت مسجد خضراء سے زیادہ نہیں ہے۔ وزارت الاوقات نے ایک شعبہ البوٹ الاسلام قائم کیا تھا تا کہ موجودہ حالات میں فطنی مسائل پر از سر نو غور کیا جائے۔ شتا، گنجل کا استعمال، ہوائی جہاز پر مسافر، مردے کی آنکھ کا استعمال، انٹرنس وغیرہ جو مقصد کے لئے مجلس تحقیقات خرمیہ کا قیام ہندوستان میں اس کانفرنس سے دو سال پہلے عمل میں آچکا تھا۔ اس کانفرنس کی کارروائیاں معری علماء کی تحقیقات پر مشتمل تھیں، علماء کوام کی ضیافتیں خوب خوب کی گئیں، انہیں سیر کرائی گئی اور صد جمال عبداللہ کے تجویز کردہ الیکٹرونک، کا تبسہ یہ کی گئی۔ اس کانفرنس کا یا مقرر اسلامی کی کانفرنس کا مسئلہ دونوں کے مابین تھا اس کے علاوہ کئی مسائل تھے، مگر اس طرح کی احساس سے مفیدر مخلصانہ کوششیں اناس اور ہر طرح کی شلی رتنی کے باوجود ہندوستان تک میں ہو رہی ہیں، پاکستان میں آئے دن بین الاقوامی کانفرنسیں اشتغال العلماء ہوتے رہے ہیں جن سے دین کی بوجھت ہوتی وہ معلوم ہے

آخری سوال یہ ہے کہ معری حکمران کی زندگی میں ہمسائیگی پائی جاتی ہے وہ تاملت نش ہے۔

جی ڈان ضرور ہے، اس مسئلہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر یہ بھی جانتے ہیں کہ السیدالامین کا سابقہ بلکہ اب تفرجنت نشان ہو چکا ہے اور

اس معذ کے تمام بنگلہ بہ حق سرکار ضبط ہو چکے ہیں تاکہ الیہ الرقیس کی حفاظت کا انتظام ہو سکے۔

مذاہک بنگ بلیٹس نہیں ہے اسلئے کہ نہیں کیا ہے تو اس کا حال ابھی کس کو معلوم جب تک کہ وہاں فوجی حکومت ہے کس کے قبضے میں طاقت ہے جو آزاد نڈال سکے، ممکن ہے اس کی حقیقت بعد میں سامنے آجائے۔

یہ تو وہ باتیں ہوتی ہو آئے دن مصری حکمران کے ہوا خواہ کہا کرتے ہیں۔ اب نئے مصر کی موجودہ حکومت سے نفرت کا اصلی سبب جو انجان کے قتل سے نیا وہ گہرا ہے اور جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

موجودہ مصری حکومت نے اپنی سیاست کی بنیاد عرب نیشنلزم پر رکھی ہے۔ جن نیشنلزم نے عربوں کو مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو عربوں سے کاٹ دیا، القویۃ الفاصلة بین العرب والمسلمین، وہ قومیت جس کا لغوہ خاص جاہلی ہے اللہ اکبر! لعنہ اللہ علیہ اللہ نہ بڑا ہے اور عزت صرف عربوں کے لئے ہے۔

امدیہ کہ

لا تعارف غیر العربی

ہم غیر عرب کو جانتے ہی نہیں

اور جس اصطلاح میں یہ ہیں۔

عرب لیگ کا ہیڈ کوارٹر	حرم العرب المقدس	عرب کا حرم مقدس
قومیت کو ماننے والے	مومن بالقومیہ	قومیت کے مومن
قومیت کے منکر	کفار عن القومیہ	کافر قومیت
قومیت کے نظریے سے پر جانے والے	احمد السائدہ	مرتبہ
عرب لیگ کا چانڈر	معصوم القومیہ	محیفہ قومیت
صدر جمال عبدالناصر	انجی القومیۃ	سینجبر قومیت
	رسول السلام	پیغمبر امن
انس کا سلام دعا	تحیۃ العربیہ	”عربیت کی ہے“
افتتاح کے لئے	باسمہ القومیۃ العربیہ	قریب کرنا ہمیں قومیت کے نام سے

پنا غیر عربوں اور مسلمانوں کے دھیان قومیت کی تبلیغ نے کس حد تک اثر ڈالا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ آپ عرب قومیت والوں کی دوستی کسی مسلم ملک سے نہیں ہے بلکہ اکثر سیف قرآن ملکوں سے ہے جہاں اسلام کی بچہ کنی ہو رہی ہے، تو عربیں ترک مسلمانوں کے مقابل میں عیسائیوں کا ساتھ دیا گیا، نا بچہ یار میں اسرائیل اطہر ملک کی ہمنوائی میں احمد بن سید کے خلاف سازش کی گئی، تیلوس میں فرانس کی ہمنوائی کرتے ہوئے حبیب المقتدیہ سے دشمنی کی گئی۔ اسی طرح کسی اسلامی ملک یا مسلم آبادی کی کوئی حمایت کبھی کی گئی ہو رہی ہے، بغضات اس کے لئے کیا کہ تنقید معلوم ہوتا تھا تاہرہ پوسلماں ٹوٹا ہے لیکن احمد بیرو کی شہادت پر صرف تین سطر ہی تحریر کرائی گئی کہ انتہائی جملہ تنقید ہو گیا۔ نفرت کا سبب یہ ہے کہ مصر جو صدیوں سے اسلامی ثقافت کا مرکز چلا آ رہا تھا آج مسلم بیرو کی کارکردگی بنا دیا گیا ہے اور اس سے قومی غمی کہ وہ ہمارا ہونا گروہ دشمنوں کے اشاروں پر کام کر رہا ہے ہم اس ٹوٹ کو ایک عرب شاہ کو ایک غیر شہر حرکت میں ہیں کارکردگی ہے۔

ہم نے نہیں اپنی قلم سمجھا تھا

مگر دشمنوں کے ہاتھ میں پہنچ گئے اداس سے ہیں پر دادر کہ ہے ہو۔

غزل کی صحت مند قدروں کا آئینہ دار

ذوقِ جمال

از: غزلانِ چشتی

جس کی غزلوں میں زخموں سے چمن کھلانے اور اشکوں سے چراغاں کرنے کا انداز ملتا ہے —
کتابت و طباعت: معیاری — کاغذ: عمدہ، مہلک
مہر رنگین گرڈ پرنس — قیمت صرف ۳ روپے
ملنے کا پتہ:

سیّدہ اختر - اردو سماج - جامعہ نگر - نئی دہلی ۲۵

مہجرت کی کہانوں سے باتیں مدد کے ہاں تالین سے التھاپیں
مدینہ کی بلیوں سے گفتگو، دارِ شکلی کی یہ بھی کہانی کہتے ہیں مصنف
بھی مدد ہے تاریخ کو بھی رہتا ہے۔

سفرِ حج

الفاظ کا جادو نہیں دل کی دھڑکنیں ہیں، عازمینِ حج کے لئے ہر
حاجی صاحبان کے دل کی آواز، نبی اللہ کے موضوع پر مضمون و بیانات اور
کعبۃ اللہ پر انوار و تجلیات کے بے پایاں سمندر کی میج عکاسی -
ہدیہ تین روپے
ملنے کا پتہ:

الحاج غلام فرید قمر بھٹی نظامی، شیر شاہ، کالونی کراچی ۲۵

ماہنامہ نگار پاکستان کا سالنامہ ۱۹۶۶ء

اصنافِ ادبِ نمبر

دسمبر ۱۹۶۶ء میں شائع ہونے والی اس داستان، ناول، افسانہ، ڈرامہ،
سوانح نگاری، تنقید، انشائیہ، رپورٹاج، خطوط ادبی، طنز و مزاح اور
حاکم نگاری کے فنی و فکری ارتقاء پر اہل علم کے مقالات ہوں گے۔
صفحات تقریباً ۲۵۰ — قیمت تین روپے
تعمین و طبع: نئی دہلی
قریبی بکسٹال یا مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کریں -

ماہنامہ نگار پاکستان

۲۲ گارڈن مارکیٹ - کراچی ۳

نظریہ انتخاب

ماکسی نظریہ تاریخ اندازہ لغوی ہے۔ یہ نظریہ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ اقتصادی حالات ہی وہ اصل عامل ہیں جو انسان کی تعمیر و تشکیل کرتے ہیں۔ مذہب جس زمانے میں پیدا ہوا وہ جاگیر وادی اور سرمایہ وادی نظام کا سایہ چھایا کرتا ہے۔ جاگیر وادی کا سرمایہ وادی نظام استحصال اور لوٹ کھسوٹ کا نظام ہے۔ اس لئے اس کے دینیان پیدا ہونے والے اخلاقی و مذہبی تعصبات ہی یقینی طور پر اپنے ماحول ہی کا عکس ہوں گے وہ لوٹ کھسوٹ کے نظریات ہوں گے۔ مگر یہ نظریہ علمی حیثیت سے کوئی قدر رکھتا ہے اور نہ تجربہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

یہ نظریہ انسانی تمدن کی بالکل غلط فہمی کو دیتا ہے اور اس کو صرف ماحولی حالات کی پیداوار قرار دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی کئی سچی نہیں جس طرح جان کے کئی خانے میں صاف دھتورے میں اس طرح آدمی بھی اپنے ماحول کے کارخانے میں ڈھلتا ہے۔ وہ الگ سے سوچ کر کوئی کام نہیں کرتا۔ بلکہ جو کچھ کرتا ہے اس کے مطابق سوچتے ہیں گئے۔ اگر یہ واقعہ ہے تو اس کو خود بھی سرمایہ دارانہ نظام کے اندر پیدا ہوا تھا۔ اس لئے کس طرح ممکن ہو گا کہ اپنے وقت کے ماحول کے خلاف سوچ سکے۔ کیا اس نے زمین کا مطالعہ چاند پر کیا تھا۔ اگر مذہب کو پیدا کرنے والی چیز وقت کا اقتصادی نظام ہے تو آخر کس قدر بھی وقت کے اقتصادی نظام کی پیداوار کیوں نہیں ہے۔ مذہب کی جو حیثیت مارکسزم کو تسلیم نہیں ہے، وہی حیثیت اس کے اپنے لئے کس طرح جائز ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ اشتعال انگیز مذہب کا نظریہ ہے اس کے پیچھے کوئی علمی اور عقلی دسین موجود نہیں۔

تجربہ یہ ہے کہ اس نظریے کی عقلی دانہ ہر چہ بھی ہے۔ روس کی مثال اس کو کچھ کہنے کا کافی ہے جہاں تقسیم ہوا آدمی صدیوں سے اس نظریہ کو ممکن غلبہ حاصل ہے۔ اطول ترین مدت سے مذہب پر یگانہ ہوتا ہے کہ روس کے آدمی حالات بدل گئے ہیں، وہاں کا نظام پیداوار اور نظام تقسیم دولت سب غیر سرمایہ دارانہ ہو چکا ہے مگر انسان کے سر کے بعد خود روسی لیٹنڈوں کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے کہ انسان کے زمانہ حکومت میں روسی کے مذہب جو علم کا نظام پہلے تھا اور علم کا اس طرح استحصال کیا جاتا تھا جیسے سرمایہ دارانہ کاروبار میں ہوتا ہے۔ اور اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ روس میں پریس پر حکومت کا ممکن کنٹرول ہونے کے بعد اسے انسان کے لئے یہ ممکن ہو سکا کہ وہ اپنے علم اسی نظام کے دینا کے سامنے بدل دانتا ہے کہ نام سے شہرہ آلود ہے اور پریس کا یہ کنٹرول اب بھی وہاں جاری ہے تو یہ بات بھی بتا جاتی ہے کہ آج بھی خوب صورت پیدا یگانہ سے کس منظر میں روس کے اندر وہی سب کچھ ہورہا ہے جو انسان کے زمانے میں ہوتا تھا۔ روسی کی کورنٹ پارٹی کی سربراہی کا گروس (فروری ۱۹۵۶ء) نے انسان کے نظام کا انکشاف کیا تھا۔ اس کے بعد اگر پارٹی کی چالیسویں کانفرنس خود شیونیک فونڈنگ کا زمانہ ختم کر کے اس میں ہر گز اپنے کھلی کوئی بات نہ ہوگی۔ آدمی صدیوں کے اس تجربہ سے جو تجربہ رکھتا ہے اس کا مطالعہ ان طریقہ پر ہے کہ پیداوار اور تبادلہ کی نام نہاد تبدیلی سے انسان نہیں بدل جاتا۔ اگر انسانی ذہن نظام پیداوار کا تابع ہوتا اور اس کے مطابق خیالات پیدا ہو کر تو اشتراکی حکومت میں اس نظام استحصال کی نوعیت بھی یقینی طور پر پیدا نہیں ہوتی چاہئے تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہب کے خلاف دوسرے جہاد استعمال دیکھ کر علم کا علمی منظر (SCIENTIFIC SOPHISM) ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں اس نام نہاد علمی امت کی حقیقت صرف یہ ہے کہ۔ کہیں کی انٹیکس کا دور ماحول ہی نے کتب جوڑا ہے یہ ہے کہ واقعات کے مطالعہ کے لئے علمی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے مگر علمی طریقہ جس کے طریقہ ہونے کے بعد یہ سچے سچے نتائج نہیں ہو سکتا، اس کے ساتھ دوسرے مفروضہ پہلوؤں کو غور رکھنا ناگزیر ہے مثلاً اور دوسری ایک نئی حکمت ہمارا علمی طریقہ کو آزاد یا جلتے تو وہ بغیر علمی ہونے کے باوجود ناقص اور غلط نتیجہ ہی تک پہنچانے کا (علم جدید کا سلیٹن)۔ اندر جہاد لینن کی

علم کے تجربہ کاروں میں خود شیونیک کی نظر فی اس کے بعد کے واقعات سے اس کی تصدیق ہو چکی ہے۔

ہماری نظر میں

مکتوب مدنی از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، ترجمہ: مولانا محمد حنیف ندوی، ضخامت ۳۶ صفحات (توش نما ناچہ) دیر کاغذ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے، طبع کاشٹہ: ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب دود، لاہور

آفتاب اسفندیار بن عبداللہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو فی صاحب ہونے، جن کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم و تفسیر پر اعتماد تھا، ان صاحب نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے بارے میں شاہ صاحب کے دیانت کیا، شاہ صاحب نے اس کے جواب میں ایک طویل خط لکھا جسے مولانا محمد حنیف ندوی صاحب نے اسد میں منتقل فرمادیا۔ یہ مباحثہ بڑے نازک اور دقیق ہیں، مولانا ندوی کے ترجمہ علی آفتاب ندوی کا کرشمہ ہے کہ جو کچھ اس قدم مضامین و دقیق مضامین کا حامل ہے اسے اسد کا ایب منڈول لباس پہنا دیا، جس میں کہیں جھول نظر نہیں آتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی ذات شریعت و طریقت کے علوم کا گنجینہ ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں نوحی معیاری ذہانت اور بصیرت عطا فرمائی تھی، یہی سبب ہے کہ جس موضوع پر تسلیم آتا ہے اس کا حق ادا کر دیتے ہیں، ان تمام محاسن کے ساتھ ان کی کتاب میں معلومات و افکار اور نکات و لطائف کا لالہ ناز بھی ہیں اور جھنگل بھی ہیں، جن میں گل و لالہ اور جھاڑ جھنکار سبھی کچھ ملتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اگر صوفی خانوادہ میں پیدائش اور تعلیم و تربیت نہ پائی ہوتی تو ان کی ذہانت و بصیرت نکرانہ تفسیر فی الدین کی صلاحیت و بصیرت سے بظاہر پر توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ شیخ محمد بن الدین ابن عربی پر تنقید کرنے والوں میں سب سے پیش پیش ہونگے، مگر اولیٰ اور خاندان کے حوالے کا یہ اثر تھا کہ وہ شیخ اکبر کے فلسفہ وحدت الوجود کے موبدا و اشارہ کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں!

عجیب بات ہے کہ حضرت محمد عارف ثانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ اکبر کے فلسفہ "وحدت الوجود" کو غلط قرار دے کر اس کے مقابلے میں "وحدت الشہود" کو پیش کرتے ہیں، مگر حضرت شاہ ولی اللہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شیخ اکبر اور حضرت محمد صاحب ایک ہی جہتی بات کہی ہے، ان دونوں کے نظریوں میں اختلاف اور ٹکراؤ نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں:۔۔۔

"فلا صریحہ یہ ہے کہ یہ کہنا کہ حق ممکنات دراصل محسوس و ظلال ہیں، ہوا و احوال متغایر ہیں، اسام

نہیں ہیں۔ یہی کہی طرح بھی شیخ ابن العربی کی تصریحات کے خلاف نہیں" (ص ۳۱)

کوئی شک نہیں اپنے اس مکتوب میں حضرت شاہ صاحب نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کو متحد المعنی ثابت کرنے میں کمال ذہانت اور بائیک جینی کاشٹہ دیا ہے، مگر اس میں شیخ کے باوجود، ان کے ذہن میں یہ کھٹک باقی رہی ہے کہ:۔۔۔

"باقی یہ بات کہ حضرت محمد نے شیخ العربی اسام کے بعض اتباع کے اقوال کو اپنے وجدان کے خلاف

محسوس کیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ ایک ایسی اعتراض ہے جس کا کشن کی لغزش سے کوئی تعلق نہیں"

(ص ۳۱)

قرآن پاک مخلوق اور خالق کے درمیان نسبت خلق و معبود و عبد کے باہم نسبت ہمیتہ اسدب و مرلوب کے درمیان صفت ربوبیت کا پتہ دیتا ہے، فکر و نظر اس واقعہ کی اس سادگی میں کوئی الجھاؤ نہیں! ایمان، حقائق ممکنہ، امور متزامی، تنزلات و ماہیات... ان اصطلاحات میں بڑی باسیکیاں اور تکلفات ہیں!

سہ اس بحث بہ انگشت نہ چمکی کہ سارا است

یہ کتاب کوئی شک نہیں اپنے موضوع پر پڑے معرکہ کی کتاب ہے جس نے اسعد ادب کی علمی شہرت میں قابل ذکر اضافہ کیا ہے، کتاب کا نام درمکتبہ دینی ایڈیٹر ایسا محروس پٹا جیسے مولانا حسین احمد دینی مرحوم کا لکھا ہوا کوئی خط کتابت صرف میں مرتب کیا گیا ہے ہماری ناقص رائے میں اس کتاب کا نام "وجود و شہود" ہونا چاہئے!

اندر سیدہ انیس فاطمہ بریلوی، فصاحت ۳۳۳ صفحات (مجموعہ قیمت چھ روپے)۔

ادب منزل بمنزل

لئے کا پتہ: ۱۔ اکٹھی آف ایجوکیشن ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ناظم آباد، کراچی

خزمر سیدہ انیس فاطمہ بریلوی شہیدہ ماہر تعلیم اور مصنفہ و مورخہ جناب سید الطاف علی بریلوی کی شریک حیات ہیں، یہاں بریلی دولوی خوش ذوق، اہل تسلیم و سنجیدہ نگار اور علم و ادب کے شہساز قاتع ہوتے ہیں، سیدہ انیس فاطمہ کی کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں ان کی اس کتاب ادب منزل بمنزل بہترین اثر ہے اس قدر حسن و اسوق نے ہر مانہ مقدمہ لکھا ہے جو کتاب کے شایان شان ہے۔

"ادب منزل بمنزل" ————— سترہ ابواب پر مشتمل ہے جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں:۔

کشتی اور روحانی ادب — لافانی ادب — دلی میں آندو — گفتگو میں آندو — آندو پانچویں — کا آندو — پنجاب میں آندو — علی گڑھ تحریک — ڈیڑھ ذریعہ — مولانا حالی — علامہ شبلی — اگر الہ آبادی — مولانا محمد علی جوہر — مولانا طفیل علی خاں — مولانا ابوالکلام آزاد — علامہ اقبال — مولانا طفیل احمد بنگلوی — ترقی پسند ادب —

اس کتاب کے بیشتر ابواب نقد و تبصرہ اور ادب وراثت کے اعلیٰ نمونے ہیں، ان مضامین کے مطالعہ کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اردو ادب کی پوری تاریخ ذہن و فکر کے سامنے عجم ہوگئی، تجریر میں کس قدر لافانی اسباق پائی جاتی ہے، کتنے سلیقہ کے ساتھ مفہوم و مافی الضمیر کو ادا کیا ہے طرز میں کہیں خوشی بھی آگئی ہے مگر مناسبت و سنجیدگی کے حدود میں رہ کر!

سیدہ انیس فاطمہ جو زندگی اور مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہیں کہ دنیا میں ادب کا آغاز اشعار سے ہوا اس واقعہ کو کس قدر شاعرانہ انداز میں بیان فرماتی ہیں:۔

"ادب کی پیدائی کا قیاسی جو اشعار کی صورت میں دنیا کے سامنے نمودار ہوئی۔"

زندگی عین کب ہوتی ہے! اس کا جواب لائق مصنفہ کی زبان سے سنئے:۔

"زندگی صحیح معنی میں اس وقت عین کہلائے جانے کی متن ہوئی ہے، جبکہ وہ کسی مثبت مقصد کے لئے مہر و نیک و تازہ ہے۔"

۱۵۔ کے بعد کی کا کیا حال ہوا اور سلیقہ کی کیا پیمانی؟ اس کی ساری راہ انرا لگنے شروع، صوف چند لفظوں میں:۔

"... وہاں کی قبولیت کا دنت گزرتا تھا اور دیر تو یہ پر پہرے بیٹھے ہوتے تھے،

اور ————— پھر

۔ خدا اس قریبی درد کا تصور کیجئے، جہاں بانی اور جہاں داری کا آفتاب لب بام آچکا ہے، ساری قدیں ایک

ایک کہ دم توڑ رہی ہیں، رنجش کی اور مہجوری کے اضطراری لحاظ میں "نہ عشق" "فائدہ آنا داند ظہیر مہتر"۔
 نہ کہنے نہ کیا لکھتے۔۔۔۔۔ (دکھتہ میں اُردو)
 مرزا رسوا کو خراج عقیدت کس شان کے ساتھ پیش کیا ہے۔۔۔
 "دستِ تانِ کھتر نے ادب کے نام پر جو بے ادبیاں کی ہیں، وہ مرزا رسوا کی اس ادبی تخلیق کے صدقہ اور غنیمت میں
 یقیناً اس قابل ہیں کہ انہیں معاف کر دیا جائے۔"
 "حکایتِ جلی پر جو مضمون لکھا ہے، اُس کا یہ "ادب پارہ" دراصل "شہ پارہ" ہے۔۔۔
 "انہوں (رشبلی) نے اپنی تحسینوں اور شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ تمہاری غلطیوں کے حیران
 ابھی گل نہیں ہوئے ہیں، صرف روشنی مدھم پڑ گئی ہے، فدا اپنے دلوں کو دوبارہ حراستِ ایمان سے گرا کے دیکھو
 دنیا کے منصبِ امامت کا تمہارے سوا اور کون سہی ہو سکتا ہے؟"

_____ اللہ _____

رشبلی ان تمام تعامل سے اونچے ہیں، جو دت اور زمانہ نے اُن کے لئے جوئے کئے تھے، مولانا ظفر علی خاں پر صرف یہ ایک جملہ، اُن کے شعرو
 ادب کی خصوصیات کا حواس و ترجمان ہے۔۔۔
 "انہوں نے ہمیشہ کہ آتشِ فشان کے دانے پر بیٹھ کر اپنے افکار و ارا کو طبع بند کیا۔"

_____ دوسرا رخ _____

"بھائی چارگی کے سارے بندھن ایک ایک کر کے ٹوٹ جاتے ہیں" (ص ۳۲)۔ "بھائی چارے" لکھنا چاہئے تھا: بیچارے سے جس طرح بیچارگی
 بنا ہے، اس قاعدہ کے تحت بھائی چارے سے "بھائی چارگی" اُردو میں مستعمل اور مروج نہیں ہے۔۔۔۔۔ "شائع سے بے پردہ ہو کر" (ص ۴۱)
 کتاب میں کئی جگہ "پہلا" پڑھنا پڑا، "پہلا" اور "بے پردہ" ملا دست ہے؟ "پہلا" کے ساتھ اُردو میں "ہ" (پہلا) کا بچپن نہیں رہا۔
 "یہ ایک ایسی تعینیت یا تخلیق ہے، جس نے اپنے عہد کے متضاد نظریات سے ٹکرنے کا اپنا مقام پیدا کیا" (ص ۵۴) محمد عین آناؤ کی "آبِ حیات"
 کی یہ توفیق عجیب ہے کہ اُس نے اپنے عہد کے گونا گوی نظریات سے ٹکرائی تھی۔۔۔۔۔ "ادبِ عرفی انفعال سے پانی پانی ہو جائیے" (ص ۵۸) یہ تو "شب
 لیلا الفتنہ" والی بات ہوئی، اس جہد میں "سوق" نایاب ہے۔۔۔۔۔ "تلخ گھونٹوں کو زبردستی نگھٹا ہی پڑتا ہے" (ص ۶۶) گھونٹوں کے ساتھ نگھٹنا
 محض نظر ہے۔ "اُٹاٹا" لکھنا تھا،۔۔۔۔۔ "ایک نئی زبان کی اساس پڑی" (ص ۱۰۰) "بنیاد پڑی" کا محلی تھا۔ "اساس پڑنا" معنا صحیح ہے، مگر
 وجدان کو کھٹکنا ہے۔۔۔۔۔
 "ریاضِ خیر" راوی کا شعر ہے۔۔۔۔۔

وہ سامنے ہیں نظامِ حواسِ مرہم ہے

یہ آدھی رات کو اُن کا پیام آیا ہے

ہم آج انہیں سکتے اب اختلافِ نہ ہو (ص ۲۴)

یہ کتابت کی غلطی محسوس ہوتی ہے، پہلا مصرعہ تو اصغر گوشتی کا ہے، "پہلا شعر" میں ہے۔۔۔

وہ سامنے ہیں نظامِ حواسِ مرہم ہے نہ آند میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

کتاب کا آخری مقلد ترقی پسند ادب ہے، جس میں نام نہاد ترقی پسند ادب کا پہلی دیدہ و سہی کے ساتھ تجزیہ کیا گیا ہے! یہ اللہ تعالیٰ

کا فضل ہے کہ سیدہ انیس فاطمہ نے عصمت چغتائی اور قمرۃ العین کی راہ اختیار نہیں کی اور ان کا نظم ادب و اخلاق کی ترجمانی کے لئے وقف ہے۔

جلس ادارت: قاضی عبداللطیف اور عثمان حید، ظہیر احمد نیازی، محمد اسحاق صدیقی، ضحمت، ۲۰ صفحات، دس روپیہ خوشنما، آسٹریا

عرفات

کتابت و طباعت انتہائی عمدہ، زیب بخشنے والا، سیرت کیٹی پاکستان نیشنل آن لائن لٹریچر، کانٹا والا ملائنگ، گارڈن سوڈ، کراچی

پاکستان نیشنل آن لائن لٹریچر کی سیرت کیٹی نے دوسری سیرت کا نفرس چھپنے کی ہے جو سیرت پر بعد از نگیزی مضامین و مقالات سے مزین ہے، ہر مضمون اپنی جگہ خوب ہے، مضامین میں توجہ کے ساتھ اس گرامر قدح اخلاقی و ادبی پیشکش کا حسن ترتیب بھی قابل تعریف ہے، مجلس ادابت جس کے لئے تحریک و تحریک کی سستی ہے!

پاکستان میں کتنے ادارے ہیں جو "عق و سوسد" کی محفیں برپا کر گداپے خورق کی پذیرائی کے اسباب مہیا کرتے ہیں، پاکستان نیشنل آن لائن لٹریچر کو آفرین و مرہاجہ کہ وہ سال کے سال انسانیت کے محسن اعظم و صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا نفرس کا اہتمام کرتی ہے، یہ سعادت ہر کسی کو کہاں میرا کرتی ہے۔

از محمد الیاب قادری ایم۔ اے ۲۸ صفحات، قیمت چار روپے

مولانا محمد حسن نانوتوی

پٹنہ لاہور، مکتبہ عثمانیہ ۱۳۸۵ھ پیر الہی بخش کالونی کراچی ۵

جناب محمد الیاب قادری ایم۔ اے، تذکرہ نگاری میں خاص شہرت رکھتے ہیں، ان سے ان کو طبعی مناسبت ہے اور اس میں انہوں نے بڑا بیاض کیا ہے! یہ تنقید کتابیں صاحب موصوف نے مولانا محمد حسن نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (رپیشاں تقریباً ۱۸۷۵ء — وفات ۱۸۹۹ء) کے ساتھ حالات جبری محنت اور تحقیق کے ساتھ مدلل کئے ہیں!

کہنے کو تو یہ ایک فرد واحد کی سراغ گیری ہے مگر اس تذکرے میں اس دور کی علمی تاریخ کی بھولیاں جگہ جگہ ملتی ہیں، فیہر میں بی علماء اور اہل قلم کے حالات درج ہیں۔

"مطبع مجتبائی دہلی" اور اس کے مالک مولوی عبد الاحد کا نام علمی مذہبی حلقوں میں خاصہ شہرت ہے اس کتاب سے پہلی بار اس کا علم ہوا کہ مولوی عبد الاحد مرحوم مولانا محمد حسن نانوتوی کے ربیب تھے!

مولانا محمد حسن نانوتوی کے مطبع صدیقی بریلی میں ہوکتا ہیں بھی ہیں، ان کی تفصیلات نے اس کتاب کو خاصہ وقیع اور حلیات آفرین بنا دیا ہے! یہ بات ہم نے بارگاہی پراسانوں اور اسکاتوں میں پڑھی تھی کہ سرسید احمد خاں مولانا مملوک علی کے شاگرد اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہم سفر تھے، مگر اس کتاب میں اس واقعہ کی تردید کی گئی ہے۔

مولانا عبد اللہ سندھی نے مولانا مملوک علی کے تلامذہ میں سرسید احمد خاں، دُپٹی نذیر احمد مولوی زکاء اللہ کو بھی شامل کیا ہے! اس سلسلہ میں مولانا سندھی نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے! غالباً آخوانِ کرم حضرت کو تو اس لئے جہت میں شامل کیا ہے کہ یہ حضرات دہلی کے کالج کے تعلیم یافتہ ہیں مگر معلوم نہیں سرسید کو کس طرح ان کا شاگرد لکھا گیا، سرسید احمد خاں تو دہلی کے کالج کے طالب علم ہی نہیں ہے، سرسید احمد خاں نے آثار الہند ۱۸۴۷ء میں عرب کی اور اس وقت مولانا مملوک علی زندہ تھے انہوں نے اس میں کہیں تلمذ کا ذکر نہیں کیا۔۔۔

ایک دوسری غلطی کی تصحیح۔

"مولانا امداد ہارمی صاحب نے مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی تاریخ وفات ۱۳۸۳ھ لکھی ہے اور ایک تلمذ تاریخ بھی لکھی ہے! صاحب ہارمی صاحب کی یہ بیان درست نہیں ہے، مولانا امداد ہارمی صاحب کو تاریخ ہوائے ذلیفہ ۱۳۸۶ھ

میں شاہ محمد اسحق نبیب شاہ عبدالعزیز کے چھوٹے بھائی شاہ محمد تقی رب دہلوی، ہمارے بھائی فوت ہوئے تھے :-

اور

”محمد طاہر سرتی بیان کو رولانا ناصر احسن گیلانی نے شاہ سلطان شاہ آبادی روفا۱۹۸۸ء کی اولاد لکھا ہے جو چھپ چکا ہے۔ ان اقتباسات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فاضل تذکرہ نگار حسین روفا۱۹۸۸ء سے کس قدر باخبر ہیں اور ان کا مطالعہ کتنا وسیع ہے ! یہ کتاب تذکرہ نگاری کا اچھا نمونہ ہے۔ محترم محمد اویب قادری صاحب نے تذکرہ نگاری کی صفت میں اپنا مقام پیدا کر لیا ہے ! از ۱- ڈاکٹر مصدقہ، صفحات ۱۰۸، صفحات ۱۰۸، قیمت ۱۰ روپے

امیر خسرو بہ حیثیت ہندی شاعر

ملنے کا پتہ ۱- علی ایک ڈپو، محمد علی روڈ، ممبئی ۴۰

جناب ڈاکٹر مصدقہ آہ اور دوبان کے صاحبزادے قداور تذکرہ نگار ہیں ان کی اس کتاب کا موضوع حضرت امیر خسرو کی ہندی شاعری ہے ! کتاب کے

بعض اہم عنوانات :-

خسرو کا ہندی کلام کیوں ضائع ہوا ؟ — خسرو کے کلام میں نئی لہری — خالق باری — محمد شیریانی اور خالق باری — شیریانی صاحب کے غلط اعتراضات — خسرو کے ہندی کلام کے تعلق تصنیفات —

کوئی شک نہیں اپنے موضوع پر یہ کتاب خوب ہے اور اچھی تحقیق کے ساتھ مرتب کی گئی ہے ! ڈاکٹر مصدقہ آہ نے لکھا ہے :-

”خسرو کی مادری زبان کو دہلوی ہندوی کہنا چاہیے“

ایضاً بعض جگہ ان سے منسوب ہو گئی ہیں، فاضل تذکرہ نگار نے اس غلط انتخاب کی تفسیر فرمائی ہے، مثلاً :-

نیکھا ہو کر میں ڈلی ساقی تیرا چاؤ

منجھنے لگم، تیرے لیکن چاؤ

ڈاکٹر صاحب اس دوہے کا خسرو سے انتخاب صحیح نہیں سمجھتے،

ایضاً خسرو کے اس شہر دوہے —

گوری سووے سیچ پر لکھ پر ڈارے کیس

چل کھرو گھرا پنے سانجھ بھی چو لیس

کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ”کاتب نے اسے ناقص اور نامزدون بنا دیا ہے“ اس کا سبب یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے نہ جانے کس کتاب میں یہ ”چ“

کی جگہ ”پانگ“ پڑھ لیا، جس کی وجہ سے معرودہ اولیٰ نامزدون ہو گیا ! دوسرے معرودہ میں ”سانجھ بھی“ کی بجائے ڈاکٹر صاحب نے ”سانجھ پڑی“ لکھا ہے !

شخص اللہ قادری نے امدودت یکم میں یہ غزل :-

خوارشدم زار شددم لٹ گیا

دغم جبر تو کمر ٹوٹہ ہے

یار نہیں دیکھتا ہے سوئے من

بے گناہ ہم ساتھ مجبے دھڑ ہے

میں کہیں کہیں کتاب کی غلطی کے سبب بہتین لکھنے میں تباہ ہو گیا ہے مثلاً ۱۸۹۳ء کی جگہ ۱۸۹۳ء چھپ گیا (ص ۵۵)

خسرو کے منسوب کی ہے، ڈاکٹر مصدق آہ نے اس پر سخت گرفت کی، فرماتے ہیں: —
”یہ غزل کا بے کوسخسہ پن ہے“

خاقانی کو ڈاکٹر صاحب موصوف امین خسرو کی کتاب پر شک کرتے ہیں، اور پروفیسر نیلانی کی رائے کو بے وزن سمجھتے ہیں۔
”مجموعہ پروفیسر نیلانی نے بڑی کوشش اور کاوش سے ایک کتاب خاقانی پر لکھی ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مشہور و معروف ہندی نظم خاقانی باری امین خسرو کی تصنیف نہیں ہے، میں شیریانی صاحب کی نکتہ رسی کا بدلہ دے رہا ہوں، لیکن ان کی اس تصنیف میں محققانہ نکتہ سنجی سے زیادہ اپنے مفروضہ نظر پر کے لئے توجہ تراشی گئی ہے۔۔۔۔۔“

اور

”حیرت ہے کہ ایسے جمہول الحیثیت لکھنے کو اپنے نظریے کی بنیاد بنا کر شیریانی صاحب نے خاقانی باری کو اس لئے کی تصنیف قرار دیا ہے اس لئے اس کے مصنف کا نام ضیاء الدین خسرو مان کر اس کا دفرہ پایا ہے کہ تجانس اس کی وجہ سے یہ کتاب امین خسرو کے نام سے مشہور ہو گئی ہے“

”سات سو سال کی تحریک کاسی“ (ص ۵۰) — تحریک کے ساتھ ”کاسی“ نام پر معلوم ہوتا ہے — ”خسرو کی ہندی شاعری تو ایک طرف، ان کی فارسی شاعری پر ابھی تک کوئی فاضلہ معنوں اردو میں نہیں لکھا گیا“ (ص ۸۹) ڈاکٹر مصدق آہ کے قلم سے اس عبارت کو پڑھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے ”شعر العجم“ ان کی نگاہ سے نہیں گزری، علامہ شبلی نعمانی نے امین خسرو کی فارسی شاعری پر جو مضمون لکھا ہے وہ زبان و ادب کا شاہکار ہے۔
”پیشانی دہلی سے زیادہ درد نہیں“ (ص ۸۰) تصنیف پیشانی، دہلی سے کم از کم سو سال قلم ہے جسے ”زیادہ درد نہیں“ تو کسی طرح نہیں کہا جاسکتا انیا وہ سن زیادہ بلند شہر ابھی سے ٹھوکر کھاتے ہیں کہ دہلی سے نیا وہ درد نہیں ہیں۔

ڈاکٹر مصدق آہ اس کتاب پر علمی دنیا کی طرف سے تبریک و تحین کے مستحق ہیں، اپنی استطاعت کی حد تک انہوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے
ان — حکیم گلپس کرناٹی، ضخامت ۲۰۸ صفحات،
آداب اردو لکھنے کا پتہ — اردو سنشن، گلپسرا والی، ملتان۔

اس کتاب کے چند ابواب —

تلفظ کا معیار — اردو جج — تلفظ کی غلطیاں — مخلوط ترکیبیں — مذمو و اور محاورے — کہاوتیں —
تلمیحات — مذکورہ نمونہ — بعض غلطوں کی نئی تحقیق — اصلاح سازی —
جناب حکیم گلپس کرناٹی نے بڑی محنت اور کاوش و تحقیق کے ساتھ اپنی اس کتاب کو مرتب فرمایا ہے ان کی یہ تصنیف اس کی شہادت دیتی ہے کہ حکیم صاحب موصوف زبان و ادب میں کتنی بصیرت رکھتے ہیں ان کی نگاہ کس قدر شریف ہے اور دوسرے اہل ادب و زبان کا انہوں نے ہر رخ سے مطالعہ کیا ہے۔

ان واقعات سے لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے جو کبھی اردو کا نام ادا کبھی اُس کا خط بدلنے کا شوق نہ

چھوڑتے رہتے ہیں۔

حکیم صاحب کی یہ رائے کتنی صاحبِ انداز و معقول ہے!

کسی صاحب نے ”لاپتہ“ کی بجائے ”پہنچہ“، ”تجزیہ کیا“، ”گلپس صاحب نے اس رائے کی غلطی واضح کی کہ —

”حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے“۔ جیتہ خط کے معنی ہیں۔ ”جس خط جیتہ نہ ہو“ اور ”لاپتہ خط“ کا مطلب ہے ”جس خط گم ہو گیا ہو“۔

تیار فقیہ کی رائے تمہارے مقابلہ میں ”طیار کو ترجیح دی اور اسے صحیح ترتیباً، داخل معصفت“ تیار کے معنی میں ہیں، اور ان کی رائے درست ہے۔
جوش یلچ آبادی نے اپنی نظم ”خبردار“ کے اس شعر پر۔

تو اسے بھی تیرے یہ ساہ پڑ خاطر
یہی دھٹکا ہوانہ گزند پئی صراط سے
نٹ لٹ لکھا۔ ”میرے نزدیک قلبِ اصافیت کے ساتھ صحیح ہے، جیسے صاحبِ دل وغیرہ۔“ اس پر کہیں صاحب نے گرفت فرمائی۔
”سیرت ہے کہ پئی صراط تو بلا اصافیت ہی متمس ہے، پھر ایک اصافیت پئی صراط کے کی معنی؟ ہم نے آج تک
پل صراط بہ اصافیت نام نہ سنا نہ پڑھا“

لاقِ مصنف کی رائے میں دوسری زبانوں کے شہسنا مولیٰ میں تصرف جائز نہیں، مثلاً اکیڈمی کو اکادمی، ڈائری کو دانے، نیشے
نیشے یا لٹھے، لائننگ کو اٹلاننگ اور ویت نام کو ویت نام بنادینے سے یہ الفاظ غریب اور بدنامنگ ہو جاتے ہیں۔
سیکیم گلیں نے اردو زبان کے بعض مشاہیر اہلِ قلم کی تحسیروں کے نمونے دے کر بتایا ہے کہ ان سے بھی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، مثلاً
علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

”ادائے مطلب میں عظیم ان غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔“

کہیں صاحب اس غلطی کی نشان دہی فرماتے ہیں۔

”عظیم ان ہمیشہ اچھے معنی اور اچھے کام کے لئے آتا ہے“ عظیم ان کا میاں تو کہہ سکتے ہیں عظیم ان نا کا می
نہیں کہہ سکتے بلکہ بددست یا سخت نا کا می کہیں گے نیز ”پیدا“ کا لفظ بھی ”عثر“ ہے۔

”ناہموار زبان“ کی مثال دیتے ہوئے، لکھتے ہیں۔

جوش یلچ آبادی کی نظم۔

”جس کا دھروغ نہ شیت تھا وہ حسین

کا معرودہ ہے۔“

”جس سودا کا اسم گرامی حسین ہے

”جس سودا کا اسم گرامی بہت ناہموار زبان ہے“ سودا جود با ذوق کے لئے مناسب اور سلمان مجاہدوں

کے لئے نامناسب ہے، اسم گرامی کا ہم مزاج۔ ”تین دن“ وغیرہ ہو سکتا تھا۔

”اس تین دن کا اسم گرامی حسین ہے“

اس نوع کی تمام تنقیدیں صاحب نے بڑی خوش ذوق کا ثبت دیا ہے، مگر ان کے ذوق شعری میں یہ شہر گرجی بھی نظر آئی کہ دبیر اور

انہیں کے ان مقبولوں میں۔

”فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں (دبیر)

”ملائے سرہ کا کہ میں حسین ہوں (دائیں)

انہیں تبیر کا معرودہ بہتر معلوم ہوتا ہے! حالانکہ صرف علامہ شبلی بلکہ تمام اصحابِ ذوق کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ انہیں کے معرودہ بارہ سے فحو کے مقابلہ

میں دبیر کا معرکہ یا شعر انتہائی پست ہے! انیس کا یہ شعر: —

یہ تو نہیں کہا کہ مستحقین ہوں
مولانے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

شاعری کی مساجد ہے !

دبیر: — رویا میں بھی حسین کو رویا ہی کرتے ہیں

انیس: — حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجئے

”دبیر کا معرکہ واضح اور پختہ ہے“ یہ گلچیں صاحب کی رائے ہے، حالانکہ ”رویائیں رونا“ یہ اردن بنان ہی نہیں ہے۔ خواب میں ”رونا“ مجھ بنان ہے، اس طرح اردو میں کون بولتا ہے — کہ میں نے تمہارا دیکھا تھا — یا ”میں کل رات رویا میں رونا رہا“

انیس: — آنکھوں میں یوں پھرے کہ خزانہ کو خزانہ ہو

دبیر: — آنکھوں میں پھرے اور نہ مردم کو خبر ہو

”اے میں دبیر کا معرکہ بہتر ہے“ مردم ”آنکھ کا جزو ہوتی ہے، اُس کو خزانہ ہونا“ ”پھرنے“ کا کمال ہے۔ ”خزانہ“ تو بہت دُور کی چیز ہے۔ ”اُسے خزانہ ہونا کوئی کمال نہیں، دبیر کے معرکہ کے تیسرے ہی ”مردانہ“ ہیں، جیسے تیر کے شعر: —

سروانے میر کے آہستہ بولو

ابھی ٹلک دوتے دوتے سو گیا ہے

کے مقابل میں آدو کے شعر: —

سودا کے جواب میں سے اٹھا شد قیامت

خدا م ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

کے تیسرے ”مردانہ“ ہیں —

گلچیں کرنا کی یہ گرفت تو صحیح ہے کہ ”مردم“ آنکھ کا جزو ہوتا ہے اور خزانہ بہت دُور کی چیز ہے (اس میں بہت مبالغہ ہے، دُور کی چیز لکھنا تھا) مگر تپ کی لئے ”مردم“ اردو میں کون بولتا ہے؟ دبیر کے شعر میں ”مردم“ کس قدر کھڑا اکھڑا لگتا ہے، پھر شعری یا تعریف کہ اُس کے تیسرے ”مردانہ“ ہونے چاہئیں، عجیب اور نئی قسم کی تعریف ہے! کہنا یہ چاہئے تھا کہ سودا کے شعر میں تیر کے شعر کے مقابل میں غلطی شکوہ پایا جاتا ہے، مگر یہاں تک انگریزی اور واقعیت کا تعلق ہے تیر کا شعر سودا کے شعر سے بلند ہے، سودا کے شعر میں ”خدا م ادب“ سے کون مردم میں، فرشتے یا تیار دار؟ انیس کے شعر میں خزانہ نے کتنی غلطی پیدا کر دی، جو دبیر کے شعر میں مردم لانے کے سبب غارت ہو گئی!

غلام شبلی پر گلچیں صاحب کا یہ اعتراض: —

”انیس دبیر کے کلام کا مقابلہ کرنے میں وقت نظر سے کام نہیں لیا، یا انہیں لیا جا سکتا“

اہل ذوق اور ادب باب نظر کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتا؛ شبلی کو شعری جیسی پرکھ سکتی، ایسی پرکھ کر دینے کا شاید چند ناقدین ہی کو نصیب ہوتی ہوگی۔

”اگر ماضی میں شہر، شہد کا خاصہ رکھنا آیا ہے اور سنسکھیا کی تاثیر سنسکھیا ہی رہی تو مستقبل میں شہر شہد ہی

رہے گا اور سنسکھیا کی تاثیر سنسکھیا ہی رہے گی“ (ام الکتاب — مولانا ابوالکلام آزاد)

اس پر گلچیں صاحب اعتراض کرتے ہیں: —

”چاروں جگہ سنسکھیا غلط ہے سنسکھیتے ہونا چاہئے“

یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ مولانا آزاد نے چاروں جگہ سنسکریٹ کا اچھا بچا اور دقت لکھا ہے: یہ میرے قرائد غریب ذوق و وجدان کا تعلق رکھتی ہے، وہ شخص بے ذوق ہے، سنسکریٹ کو جو جملہ کی کسی حالت میں بھی سنسکریٹ لکھنا اور لکھتا ہے، شایاں کوئی اور لکھتے ہیں، —
 سنسکریٹ خوب ہو گیا — اور سنسکریٹ کی قیمت سو روپیہ ہے۔

پکن

یوں نہیں بولیں گے کہ - اگلے کی قیمت دوسرے ہے - انکیا اگر جملہ کی ہر حالت میں - انکیا ہی لکھا اور بولا جائے گا - یا لڑیہ کی نکتہ سوسنے ، اسی کا تباس ” سنکھیا “ ہے بھی کیا جاسکتا ہے -

فاضل نادر نے علوم الناس، انطرب من نفس و ذوی العقول، مالہ و ما علیہ، نصف النهار، لیل القعدہ، مافی الضمیر، ساقط الاعتبار، ماہ الزلزال، بیچہ غفلتوں کو ترک کرکے کونسی عبادت سے وہ روزیہ کی غلط رائے ہے، ایہ الفاظ اعدو زبان کا جلد بچہ نہیں، ان کو آؤ کس نصرت کر کیا جانتے، لیل القعدہ اور شب قعد، ماہ الزلزال اور زلزلہ، دولی قسم کی ترکیبیں اعدویں رائج ہیں اصطلاح دینی حجابیں ! یہ جو اچھن ترقی اعدوی کا توں میں بروی عداقت کے کشر سے سے لگاؤں کر۔ کھگو اور چھاؤں کو چھا کر لکھا ہوا تھا ہے اس میں کھیں حجاب نے اختلاف کیا ہے، اعدان کا اختلاف صحت پر مبنی ہے !

گلابی صابن۔ مقابل مطالعہ کے عنوان سے انگریزی اور اعدوی بعض مرادف اصطلاحیں دے کر فرما کہتا ہے کہ ان میں کون اصطلاح بہتر ہے، اشتباہ، ان کی رائے میں ۔

”کرن، کنٹک اور تراشے سے بہتر ہے“ (ص ۱۸۹)

اردو میں عام طور پر کرتن "دو جھٹکا کاغذ یا کپڑے کا ٹکڑا، جو کرتے سے بیکار نکلتا" (زبد اللغات جدید سوم) کو کہتے ہیں اس لئے کنگ کے معنی میں "تاشے" کے مقابلہ میں "کرتن" کہنا بلکہ اسے بہتر سمجھنا، بڑی بے دقتی ہے، کوئی یوں کہے۔

”میں نے ان مضمون کی کڑن آپ کو بیچ رہا ہوں، اس سے استفادہ کیجئے اور مجھے واپس فرما دیجئے“

تو اہل ذوق "کترین" سن کر یہی کوئی مشکل ہی سے ضبط کر سکیں گے !

”بجائے تجزیہ نہ کر کے (دس دہائیوں) تجزیہ کرنا، کوئی مصدقہ نہیں ہے نہ اس کا کہیں چلن ہے! اہل ’اسبق‘ سے برتنا، دکن میں بنایا گیا اور بعض خضر اے اسے استعمال کیا، اور اس کا چلن عام ہو جانے میں کوئی تباہی نہیں ہے۔“

”ماہر القاعدی صاحب فرماتے ہیں — اردو تحریر میں عام طور پر اعراب لگانے کی ضرورت پیش نہیں آتی، اگر کہیں

جس نے تو صحیح اعراب لگانے کا تہن، اعراب لگانے میں اس کا خیال نہیں کیا جائے گا کہ وہ لفظ انہوں میں کس طرح بولاجاتا ہے۔

مگر جب تک کہ وہ عرب نہ ہوتے ہیں۔ چہ نہ کہما تہ برہنہ ہیں اداں کی ہولی ٹھولی پرکھی اہل ذوق اعتراض نہیں کیوں کہ گھڑاں پر احواب لگائے جائیں گے تو جہدہ کے برج پر نیزہ لکھا ہوگا یا کینہ کہ عرب چہدہ ہوتے ہیں۔ مقابلہ کرنا آدھوں میں۔ ب۔ کما کن یا سکون و حرکت کی دمیائی آواز کے ساتھ بللا جاتا ہے مگر احواب میں ب۔ برہنہ لگایا جائے کہ کوئی کما اصل لفظ میں ب۔ بالفتح ہی ہے۔

”آداب اُردو“ ان غلیظوں کے باوجود کام کی کتاب ہے اس کے مطالعہ سے زبان و ادب کے بہت سے گوشے نگاہ کے سامنے آتے ہیں۔

اذا۔ ٹکڑ محمد سلام، فحامت، مصنفات، قیمت (دو روپے)،

لائیہ - نسیم بک ڈپٹی، ارٹوش روڈ، لکھنؤ

مختصر تاریخ غزل اردو

اس کے لئے، جو کہ وہ اس کے لئے

ہے آفریں صلیبِ حاضر کے بعض شاعروں کے تصرف نام و نقصان سے پیدا شدہ ہے۔

نیکو شاعر ہر صدمہ صدمے اندک پہاڑ غزل گو شاعر صرف ایسے صدمے لگا کر پیدا صاحب دیوان غزل گو سلطان محمد قسلی قطب شاہ کو تسلیم کیا ہے اس کتاب کے منتخب اشعار۔

ملنا نہیں کاغذ سے، کوئی جھوٹ کوئی پرچ ہے

(شاید)	کس کس کا منہ منہ دل بن، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے	خلق نے صفت میں کیا نام
(حکم)	مجھ سے اُن سے ہے تھکا دے مسلم	ہاں تک بھی میں نے پہنچا مرا غبار
(۱۰)	مشہور ہے زمین کہاں، آسمان کہاں	عرضِ خدہ میں بھی اہل وفا کی نہ سنے
(محمد کا تاج)	ہٹ پٹا جائے وہ کافر تو خدا کی نہ سنے	جس مود بھی اند پہ پیدا کر دے
(سدا)	یہ یاد ہے ہم کو بہت یاد کر دے	مجھ کو پا مال کر گیا ہے ابھی
(مقصود)	یہ جو دامن اٹھا کر جاتا ہے	دیکھ مجھ کو اپنے در پہ پل کہا منہ پھر کے
(جرات)	یہ دوا نہ کس لئے بیٹھا ہے رستہ گیر کے	یہاں دل کس نے لیا نام بتاؤں کس کا
(دجرم)	میں ہوں یا آپ ہیں مگر میں کوئی آیا نہ گیا	پھر کہ کہ جان نہ دیتا تو آہ کیا کرتا
(دفرت)	نفس سے اور نکلنے کی ماہ کیا کرتا	حضرت ظلِ آپ ہیں جس وجہاں میں
(دانا)	مر گئے لاکھوں اسی ارمان میں	کچھ کہ دو جھوٹ پرچ کہ توجہ بند ہوئے
(ابوالحسن)	تو نہ آسرا دلِ امیدوار کا	کیوں بڑھتا ہے ہوا غلط بہت
(حالی)	ہم میں طاقت نہیں جدائی کی	ہوتی نہیں قبولِ دعا ترکِ عشق کی
.	دل چاہتا نہ ہو تو نہا میں ہاں کہاں	ممکن نہیں کہ عشق ہر لہر دل کریں نہ ہو
(اکبر الہ آبادی)	میرا ہی حال دیکھ لے جس کو یقین نہ ہو	جب کہنا اس نے مٹا کہنے
(صنوبر علی خاں آفر)	سوچتے رہ گئے کہ کیا کہنے	بہر نے فائے کو شاہِ یاد وعدہ آگیا
.	مجھ کو دیکھا، مسکایا اور پھر شرما گیا	نور نے کلاٹ دے نہنگ کے دل لے دھرت
(غلام)	وہ ترکہ یاد میں ہوں یا تو سے بھلائے ہیں	دلتیں گزریں تری یاد بھی آتی نہ ہمیں
.	اچھ ہم بھول گئے ہوں کچھ اب بھی نہیں	ذرا وصال کے بعد آئینہ تو چھلکے صدمت
.	ترے جہاں کی وہ شینو بکھسائی	پھانس ہو تو نکالیں اصحاب
(عزیز گھنوی)	خوش دل کو کیا کرے کوئی	

صنوبر بہ جگر مراد آبادی کو جو مرزا داغ کے قافلہ میں شامل کیا ہے یہ سب صحیح نہیں معلوم ہوتی، جب داغ کا انتقال ہوا ہے تو جگر وہ پندہ برس کے تھے، اُس زمانے میں پندہ سال کی عمر کے جوان کا داغ کی خدمت میں اصلاح کے لئے مرزا آباد سے غزول کا، دکن ٹاکیہ لے بیٹھا ہی کو نہیں لگتا۔

شعر اکرام کے گئے چنے اشعار اصحابِ انتخاب میں دئے تھے، تو ہر شعر کو منتخب دیکھا رہنا چاہئے تھا، اشارہ کیا انتخاب میں نہ لگوانے خوش ذوق کا ثبوت نہیں دیا، لاپ فضا صحت بنگ بہادری کے اشعار بڑھ کر یہ بات خاص طور سے کشی۔

۱۔ مولانا فیض محمد صاحب، خدمات، صفحات ۸۰، شخصیات، تخت ایک ص ۵۷ دے آئے۔

لکھے کا پتہ ۱۔ کتب خانہ ہرم، پکچر کارڈ، ملتان۔

سرد الجہاد فی بیان المیلاد

اس کتاب کی مداحوں کا کیا وہ تہوار عطا رہا صاحب لدینہ اور شرف المصطفیٰ جی کی زندگی کا اہل ہے، شرف المصطفیٰ کے پاس میں اس کے زبان کے سب سے سیرت نگار اور محقق علامہ شبلی نعمانی کی یہ لکھی ہے۔

”حافظ ابوسعید عبدالملک بن ابی نعیم کی تصنیف ہے آٹھ جلدوں میں ہے، حافظ ابن حجر اصحاب میں اکثر حوالہ دیتے ہیں لیکن جو روایتیں حافظ موصوف نے نقل کی ہیں، ان میں نہایت بہتوں اور لغو روایتیں ہیں جس سے تیار ہو گیا ہے کہ مصنف نے مطلب دیا جس کی کوئی تہیز نہیں رکھی ہے۔“

اور صاحب لدینہ کے متعلق علامہ شبلی فرماتے ہیں،

”مشہور کتاب ہے اور تہذیب نگار کا بھی ماخذ ہے، اس کے مصنف قسطلانی جو بخاری کے مشہور تہذیب ہیں، حافظ

ابن حجر کے ہم عصر تھے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں غلط اور مضر روایتیں ہیں جو وہ ہیں؟“

مصنف کو جب سرے سے کسی کا پتہ نہ ہو کہ حدیث کسیر میں کتابوں کا کیا درجہ ہے، کن کتابوں کے پاس میں مستند علماء کی کیا رائے ہے؟ تو اس کی نقل کی ہوئی روایتیں کتنی کمزور ہوں گی، اس پر ہی کتاب کا یہی سنگ ہے کہ پچھانٹ پچھانٹ کر گزریا، ضعیف بلکہ مضر روایتیں درج کی گئی ہیں!

صفحہ ۸۲ پر شرح ہیجۃ الحافل کے حوالہ سے لکھا ہے: ”ادخل الاستغاثۃ از الشیخ ابو نصر علی الشہید علیہ وسلم رحمہ، یا آپ کے علاوہ کسی نبی یا ولی سے یہ سب جائز ہے۔“ —————! حالانکہ میں روایت سے استناد کیا ہے، قطع نظر اس کے کہ روایت کس درجہ کی ہے اس میں تو سن کا ذکر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کا ذکر نہیں ہے! یہ عقیدہ کہ انبیاء و اولیاء ربہ کی فریاد کو مرنے سے محنت سن کر، فریاد کرنے والے کی حاجت پر ہی گزرتی ہے، قطعاً غلط اور بے سند ہے، صاحب کلام نے کسی شکل کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کہ وہی مسیح و یحییٰ اور عیسیٰ و یحییٰ علیہ السلام تھے!

کتاب رحلت، آثار و احباب، اقبال، تابعین اسلام فقہ و حدیث کی کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہے کہ سیرت کی ہر فصل میں حضرت کی ولادت کا ذکر لازماً طرہ کیا جائے اور تعظیم کے لئے کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے۔ یہ ”ہفت“ نشان سلام اللہ کی نکالی ہوئی ہے جس پر اہل بدعت اس حق کے ساتھ جھگڑتے ہیں کہ جو اس کا قائل و حامل نہیں ہے اس کو طرہ طرہ سے مٹھون کتے ہیں! منشی اگر مزید مٹی کے ملبہ میں مسوم کے طرہ پر جو نظم ہے وہ دین و سروریت میں کیا درجہ رکھتی ہے! اس سلام کے سلسلہ میں یہ ۷، ۷، ۷۔

۷ صدقہ خیر النساء کا

۷ صدقہ امام اعظم

۷ عدم ہول سخی کے درجہ و حکم

نہن سے خارج ہیں!

۷ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام و اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہے اولیٰ میں فرق یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی

ہے اولیٰ کی تو اس کی تہذیب قبول ہوئی، جس شخص نے رسول کی صلوٰۃ و سلام کی بے ادبی کی اس کی تہذیب قبول نہ ہوئی۔

وخاصۃ الفوائد انظار ہر ان صاحب بخاری

یہ تہذیب پر ہی طرہ پر غلط ہے، بے ادبی نہ اللہ تعالیٰ کی کہنی چاٹتے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دہائی ہے اور بیان کفر نہیں! مگر اس

نور علیؑ سے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیا وہ عظمت و عزت والے طہر تھے ہیں۔ یہ عقیدہ ضلالت کے سوا اور کیا ہے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ہر شخصیت پست اور نیچی ہے اللہ صہندہ کا چاہے وہ نبی ہی کیوں نہ ہو کہ نبیؐ مقابلہ اللہ صہندہ میں نہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ و نیکیوں کا اللہ تعالیٰ سے بڑھتی ہے یہاں اللہ کا ہر شہرانی ہے اللہ و نبیؐ کو نبیؐ پر نصیحت دیتی ہے اسے گنہگار و مرتب نہ کی زندگی

شیخ محمد کفر ۱۔ یہ حضرت حسین جعفری ایڈیٹ (حیدر آباد) فصاحت ۸ صفحات، قیمت ایک روپیہ۔
لفظ کا پتہ ۱۔ شفیق آفریدہ (لاہور) گائیڈ کھانا، حیدر آباد

اس کتاب میں علامہ مصطفیٰ حسین صاحب جوہر نے تقریباً لکھی ہے اللہ صہندہ کے لئے دعا کی ہے کہ "خداوند عالم صرف کو تسلی جہاد کرنے کی توفیق کرامت فرمائے۔"
"پیش لفظ" میں فاضل مصنف رقمطراز ہیں:۔

"تقدیر انوار عشریہ، آیات بیانات اور نصیحت الشیعہ جیسی ہائی کتابیں نہایت آب و تاب سے شائع کی جا کر، سواد اعظم کے درجہ میں، اہل تشیع کی طرف سے جذبات منافرت اُجھارے جا رہے ہیں۔ (ص ۵)
ان کتابوں میں شیعہ کے عقائد پر بے شک نقد و تبصرہ ہے، مگر شیعہ حضرات کی کسی مقدس و محترم شخصیت کی شان میں ایک لفظ بھی بے ادبی ادا کانت کا نہیں پایا جاتا۔"

لیکن

شیعہ حضرات کی کتاب میں جن میں صحابہ کرام کو گالیاں دی گئی ہیں، وہ۔ برابر چھپ رہی ہیں۔ فاضل مصنف کے نظر نگاہ سے تو اس میں قابل اعتبار وہ کتاب ہیں۔ جن کا موضوع و مقصد نفوس قدسیہ کی امانت و تفویض کہے، مولوی مقبول احمد کا ترجمہ قرآن خود فاضل مصنف کے پاس بھی ہوگا۔ اُس کے پاس سے کیا رائے ہے!

"قبول اسلام کی دعوت میں ہانسی لے جانے میں پہلی حضرت علی علیہ السلام نے کی ہے، اس لئے اس کو موسیٰ بن ابی طالب کے سرخیل قرار پائے ہیں اس واسطے اولیتِ سبقت کا لفظ اختیار کیا گیا ہے کہ بعدِ صلحِ ختمی امت میں علیہ الصلوٰۃ والسلام اختلافِ مسائل کی صورت میں آپ ہی پوری امت مسلمہ کے لئے قابلِ اتباع ہیں؛ یعنی پوری امت کو اُن کے طریقہ پر چلنا چاہئے اس کے معنی میں پوری امت۔ شیعہ علیؑ قریب پاقی ہے" (ص ۳۸)

سچے پہلے اسلام کس معاشرے نے قبول کیا، اس میں اختلاف ہے اس واسطے اختلاف کیا اسباب نگاہ نظر نے اس طرح لکھا ہے کہ بالغ مردوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، مسکون میں حضرت علیؓ، عمرؓ اور ان میں حضرت خدیجہ امّ غلاموں میں حضرت زیدؓ کے پہلے ایمان لائے؛ پھر وہاں تک پہنچے کہ حضرت علیؓ کے متعلق لکھا ہے کہ اُن کے معنی کے مقابلہ میں بالغ مردوں کا عقیدہ کو قبول کرنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

بیشک حضرت علیؓ کو اللہ صہندہ میں۔ "افضی" یعنی سب سے بڑے فاضل تھے، مگر اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سارے صحابہؓ میں سے ان ہی میں تھا حضرت علیؓ کی پیروی نہیں کرتے تھے، اللہ صہندہ حضرت علیؓ اس کے طریقہ کے صرف میرا اتباع تمام مسلمانوں کو کرنا چاہئے شرعی مسائل میں جن اہل صحابہ کے فتویٰ پر جو توفیق فی الدین میں شہرت رکھتے ہیں، امت عمل کرتی ہے اور ان میں ایک حضرت سیدنا علیؓ کو اللہ صہندہ بھی ہیں۔!

حضرت علیؓ اس امر معاہدہ کے مدعی ہیں جب نزاع ہو جائے، تو ہر لوگ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے وہ "شیعانِ علیؓ" اور جو امیر معاہدہ کے

معاذ اللہ وہ دھوکا دیتے رہے شیعیان معاویہؓ کہلاتے تھے، تقسیم کسی دینی عقیدہ کی بنا پر ہم گرد نہیں تھی، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدی کا نام ”مسلم“ رکھا ہے، اگر کوئی اور نسبت امت کے لئے قابل قبول ہوتی تو ”مجرئی“ نسبت ہونی چاہئے تھی، مگر اس نسبت کے لئے بھی کوئی ذیل رسوا نہیں ملتا، اس لئے امت محمدیہ کا نام جماعت اور فرد کی حیثیت سے ”مسلم“ ہی کتاب و سنت کے عین مطابق ہے، ”مشیعہ“ چونکہ مسلمانوں کے ایک مخصوص فرقہ کا نام ہے اس لئے امت کے تمام فرقے اپنا نام ”مشیعہ“ یا ”شیعیان“ علیٰ کس طرح رکھ سکتے ہیں، کراس طرح ایک نئی الجھن پیدا ہو جائے۔ سچا بحث علمی صاف ہے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی جو بحث فرمائی ہے تو اس کے بارے میں یہ عرض ہے کہ یہ بات کسی مستند کتاب میں نہیں ملتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمیشہ ارسال یدین فرماتے تھے۔

۱۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نماز میں ارسال یدین تو امام مالک نے خود فرمایا — وضع الیدین اصد احرام... فی الصلوٰۃ کا باب باندھا ہے اور ارسال کا ذکر نہیں کیا، امام ابن عبد البر، جو فقہ مالکی کے ستون ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے کوئی حدیث ”وضع یدین“ نماز میں ہاتھ باندھنے کے خلاف نہیں آتی، اور جہود صیہ اور تابعین کا یہی قول ہے ! اب دیکھیں اس اتحاد اور یک رنگی کی دعوت کہ تمام مسلمان نماز ہاتھ کھول کر نماز پڑھیں اور اپنا نام ”مشیعہ“ علی رکھ لیں۔ — درام نزاع و بحث کی دعوت ہے، جسے کسی طرح مقبول و مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا !

انہ — پریم نام تھت، و فتحات ۸۶ صفحات و مجدد گرد پوش کے ساتھ (قیمت چار روپے) —
میراجبانی — لکھنے کا پتہ ۱، ۱۰ کرشنا مایکٹ امرتسر

جناب پریم نام تھت اردو زبان رادوب کے شیدائی، آدو کھاچھے ادیب، اور انسانی بھائی چارے کے داعی ہیں۔ ان کی نصف درجہ کتاب میں اب تک منظر عام پر آچکی ہیں اور کئی کتابیں زیر طبع ہیں بیان کی جگہ تعصب کی دہلیز ہے کہ اپنی اس کتاب کو ڈاکٹر پرمودھا جی کے نام معزز کیا ہے !

بھارت کے صد جناب رادو کرشن اور نائب صد ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، نیا زخمپوری، ڈاکٹر تاجند، مولانا محمد حسین عروسی، ڈاکٹر طاہر سرمنڈی اور پروفیسر رشید احمد صدیقی کی تحریریں، اس کتاب کی زینت ہیں، ان تمام نامور شخصیتوں نے ”میراجبانی“ کو سراہا ہے، رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں : —

”اس کتاب میں مصنف نے تخلیق کا بھی کمال دکھایا ہے، کتاب میں کہیں صاف اور تکلف نہ ملے گا... گاؤں

کی زندگی کا نقش اس کتاب میں جس سادگی، سچائی اور شرافت سے کھینچا گیا ہے اس سے اس نادار غلام کس پیرس

طیقت کی منزلت ہمارے دلوں میں داغ و دوش ہو جاتی ہے، جن کو ہم نے قابل اعتناء نہیں سمجھا۔

”میراجبانی“ بڑی دلچسپ کتاب ہے یہ آپ بیتی بھی ہے ادب کا بھی، کردار نگاری میں نفیاتی نزاکتوں کو جس سلیقہ کے ساتھ سمیٹا گیا ہے اور ماحول کی جس انداز میں عکاسی انداز چائی کی گئی ہے اس نے اس کتاب کو واقعی قابل ذکر بنا دیا ہے !

لائق مصنف کو انہماک مطلب پر پوری قدرت بلکہ بدھ لٹی حاصل ہے کہ جس قسم کا کوئی الجھن اور ابہام نہیں، سامنے کی باتیں مگر گراں قدر انداز میں کہی ہیں زبان کتنی منجھ ہوئی ہے کمالے خاص طور سے لطف انگیزی —

”جھگڑا سول نہ لیتے، گنگے پڑ جاتا“ (ص ۱۱۰) — ”اگر ”پٹے پٹا“ کی جگہ ”آن پٹا“ لکھنا چاہئے تھا —“ عیسائی پٹا کی پرکھ

تو ہم ہجرت سے بچنے کے لئے زمین پر نہ پڑے“ (ص ۱۲۰) — ”زمین پڑے ہے“ کا اصل تھا، ”ہر لکے“ کا استعمال دلیل ہوتا ہے — وہ راستہ

میرے ساتھ ہوئے —“ اور بعد کے ماہر اور ذہین لک گیا تھا۔ (ص ۱۵۰) — ”وہیذہ مقرر ہو گیا تھا“ کہنا تھا — ”اس کا

حضرت شیخ الہند نے پہلی بار و تراجم کی کتاب میں دے کر ثابت کیا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فلاں حدیث فلاں باب کے معنوں کے تحت کہیں مدح فرمائی ہے اور متن سعادت اور عزوان معنوں کے مابین کیا رابطہ ہے ؟ ... عشق :-

”مولف (امام بخاری) نے شروع کتاب میں باب کیف کان بدر الوسی فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اور اس کے بعد ”عشق“ حدیثیں اس باب میں ذکر فرمائیں بعض میں تو وحی کا ذکر بھی نہیں اور بدروسی سے تو اکثر خالی ہیں، صرف ایک حدیث حوالہ میں ابتدا وحی کا ذکر ہے، اس لئے بعض حضرات نے تو صاف فرمایا کہ ان کثیر من احادیث الباب لا یعلق الا بالوحی لا یبدوا الا وحی تکلف جعل التوجہ باب بدر الوسی اور اکثر حضرات نے تاویلات مختلفہ فرما کر ربطت میں غرق فرمادی، جو شروع میں بالتفصیل موجود ہیں، مگر انصاف یہ ہے کہ کوئی حقیقی امر تاہل تسکین مولف رحمۃ اللہ تعالیٰ کی شان کے موافق نظر نہیں آتا جس کی وجہ سے تمام احادیث کا بے توجہ ترجمہ کے مطابق ہونا دلنشین ہو جاوے، جب شروع سے ایسا ہے تو آئندہ کیا ہوگا؟ سے قیاس کن رنگستان میں بہار مرا۔

گما حدیث نمونہ فی باب الہدایہ لکھنے سے اور حضرت شاہ صاحب دیکھ کر بعض ارشادات سے یہ معلوم ہوا کہ مولف کی غرض اصلی بدروسی کا بیان کرنا نہیں بلکہ وحی کی عظمت اور اس کا خطا و غلط ہونے سے سترہ ہونا اور واجب الاتباع اور فردی تسلیم ہونا، پہلے نامعلوم ہے، حجاب تبارک و تعالیٰ میں مفید الدعا سب ہے اور وحی متلو اور غیر متلو دونوں کو شامل ہے اور بدرا بھی عام ہے، زمانہ ہوا مکان اخلاق ہوئی، باحالات غرض وحی کی حمد و مہادی مراد میں، اب اس کے بعد جگہ احادیث اور ترجمہ میں مطابقت بلا تکلف نظر آتی ہے۔ ...؟

ای امانہ پر حضرت شیخ الہند نے صحیح بخاری کے پہلی بار و تراجم اصاصل احادیث کے درمیان معنوی ربط و مناسبت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اپنے موضوع پر یہ کتاب بہت خوب ہے، کاش اس کی زبان سلیس و روان ہوتی۔

کتاب کے آخر میں مولف حسین احمد مدنی مرحوم نے یہ نوٹ دیا ہے :-

”انروسی ہے یہ سارا گمانہ ای جگہ ختم کرنی پڑی، کیونکہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے مسوغات میں اسی مقام تک تفسیر ہے :-

از :- ”فاخر ہرانی، فصاحت، ہم و صفات، ترجمہ اعلیٰ اڈیشن، نایاب، اعلیٰ اڈیشن چار روپے

موضوع حسب

اس کی تہذیب - تعارف - جناب حمید احمد خان صاحب، اس پائندہ کتاب پر نیکو کٹنے فرمایا ہے، ادعیاب کا تہذیبانی ادعیاب مجتہد، جو اس مجروحہ کلام کے مرتبین ہیں، ”حدیث دومت“ کے عنوان سے ”پیش لفظ“ لکھا ہے، فرماتے ہیں :-

”شاعر فطرت حضرت فاخر ہرانی کا مجروحہ منظومات قدسنا سانی شعر و ادب کی خدمت میں پیش ہے، اس مجروحہ شاعر کے شغبات قلم ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۷ء تک ان کے نامور جلد اولیٰ دنیا، ہمالیہ، شامکار اور نیرنگ خیال میں پڑی اب وہ اب کما تہ شان ہوئے ہیں، گلاس کے بعد نہ خانگی حالت پیش آئے کہ آخر نے یکایک خانوشی اختیار کر لی اور لہذا شعر کے پیچھے ہی افسانہ لکھنے کے روح پھند جدا فرما لیں، یہ معلوم ہو گئی :-

ان دونوں سطوت و طاقتور دنیا نے مجروحہ کلام فاخر کے پڑے قدسنا اور دلدادہ میں بڑی محنت کے ساتھ فاخر ہرانی کی نظموں کو جو بھی کیا

شغف کے رنگ میں سودج عروب ہوتا ہے
وہاں شام کا منظر بھی خوب ہوتا ہے

”نصف کا یہ شعر خوب ہے۔“

ہکٹاں تاندوں کا بکھرا ہوا گھر ہے
دل سمجھتا ہے کہ جنت کا یہی رستہ ہے

مگر

جنت دیدہ بینا میں متا ہے سارے
روح افروز ہیں قدرت کے نکات سارے
”روح افروز“ کی بجائے ”نظر افروز“ لانا تھا۔

”تاندوں بھری مات“ میں شاعر نے غمی اچھی تپانہ نگاری کی ہے، مگر اس کا انوی بندہ کتنا کفر نہ بلکہ غیر شاہانہ ہے۔

ایسی حالت میں نقاب جسم اٹھا دیتے ہیں ہم
موت بھی آئے تو اس کا نہ پڑا دیتے ہیں ہم

نظم ”پرانیہ“ میں ایسے اچھے اشارے بھی ہیں۔

اس گھر حوس دہوس کی گرم بانواری نہیں
مغسروں کو بھی یہاں احساس بانواری نہیں

لیکن

یہ شعر

جے بہاں ہر سائنے کے مرثیہ پر تکیہ کوئی
کتنا کمزور ہے !
دوسرے آتا ہے کھیتوں میں نظر تکیہ کوئی

”جنگل کی شہزادی“ کے یہ دو شعر کس قیامت کے ہیں۔

چہرے پہ اس ادا سے ہر نقش اُبھرتا ہے
ہکا ہوا ہے جنگل گیسرے منکبر سے
گو یا تمام چہرہ کچھ غور کر رہا ہے
اٹھا اٹھکے دیکھتا ہے نہرو کن بجے سے

”محبت اور بوجھ“ میں یہ شعر کتنا پست اور بھرتی کا ہے۔

”سمنات جہاں سے بیگانہ
معنی ایساں سے بیگانہ“

”سمنات“ اسے ساری شہریت کو فخرت کیا۔ ”سمن“ تو دارا متول اور ملت دینے والے کو کہتے ہیں اور شاعر نے یہاں ”نعمتوں کے معنی“ میں ”سمنات“ نظم کیا ہے، اور معنی اعتبار سے غلط قسم کی جمع بنائی ہے۔ ”سمنات“ کو تو ”کے نہر کے“ سے بچھا جائے تو بھی نوعیت کہاں پہنچتی ہے۔
”بیشے کی ولادت پر کتنی دلکش نظم ہے۔“

میرے گھر میں آسمان کی روشنی لایا ہے تو

زندگی لایا ہے تو

اے فوجی کے سنے پیغمبر! فوجی لایا ہے تو

کس تہذیب کی قوت ہے بام و دیو ترے بغیر

اے پسر! تیرے بغیر

”جے رنگ“ کا یہ شعر ”نہر کے“ کا ہے۔

پچ تو یہ ہے گھر نہ تھا، پہلے یہ گھر تیرے بغیر
تیرے چہرے پہ دغٹاں ہے تجسنی طور کی
روشنی ہے دود کی
ایک پاکیزہ کرن ہے تو خدا کے نور کی

۔ معصوموں کی دنیا کچھ شعر خوب ہیں، ———

مسن کی معصوم تصویریں ہیں یہ کسں ابھی
کس قد بلکاش میرا آنادہیں، دلشاد ہیں
بچپن کی نیند میں کٹتے ہیں ان کے دن ابھی
کچھ فرشتے ہیں کہ بارخِ خلد میں آباد ہیں
میرے بریں ہو تو میں ان کو جواں ہونے نہ دے
پامال انقلابِ آسمان ہونے نہ دے

بعض نظموں کے منتخب اشعار، ———

دانش (نواہشوں کی ایک کل ہے آج کل کے ہاتھ ہیں
میری خدمت کے لئے حاضر ہاں ہر شیا
ایک مٹی کا کھلنا ہے اجل کے ہاتھ میں
علم نے بھی مٹی کی اپنی گراں مایہ کتاب
عشق آیا تھم حسرت دل میں بگڑ چل دیا
حسن نے سادہ تمناؤں کو زخمی کر دیا
شباب (ناخدا اچھا ملا کشتی ڈبو کر حیل دیا
پھول مانگے تھے مگر کانٹوں سے دامن بھر دیا)

بٹھا ہے کی یہ تعریف، ———

یہ آتا ہے تو پھر قامت میں عنائی نہیں رہتی
یہ آتا ہے تو پھر چہرے میں زیبائی نہیں رہتی
اھی محض خود ہے کہہ نگہ، قامت کی صفت رشانت ہے، اور بڑھا ہے کاجب ذکر ہو۔ تو پھر لازمی طور پر یہی کہنا چاہئے کہ بڑھا ہوا آتا ہے
تو قد قامت میں جھکاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔

۔ میں جس نظم کا عنوان ہے وہ پوری کی پوری شاہکار نظم ہے!

۔ دیا یہ محبت کے اس شعر میں، ———

آنکھ دیکھے تو مست ہو جائے شیخ بھی بت پرست ہو جائے

۔ آنکھ کی بجائے۔ "توڑ کھنا چاہئے تھا اس نظم کا یہ شعر، ———

خاک چنگیز ہے خمیران کا
شہر تاریک ہے خمیران کا

دنیا کے تمام ظالموں اور جھوٹے خداؤں کی نظرت اور سیرت کو آئینہ دکھاتا ہے۔

غدا یہاں سے مدعا ہوا جائے ہوں میں
نالوں سے تیرے عشق کو بھلا رہا ہوں میں
آخری ملاقات کا اس اور کے شوق آغا نہ ہوتا ہے، یہ شعر کس قدر سطحی بلکہ بچکانہ ہے۔
(دعا) پیرے نام محبت کا پیام آ جائے
(دوصال) تامل میں پھر رہا ہے کچھ اے عقید چاند

کی ہے نیکی کوئی دنیا میں تو کام آ جائے
جیسے باتیں ہیں ہر دوہرا بات کا

ہے آج عیش کا دار و مدار دولت پر
نہیں خوشی کا مگر انحصار دولت پر
ترب خاتمہ افسوس شہرہ یلکہ ہے
ہر ایک گوشہ ملک انفتلاب جاری ہے

بھریں گے تیرے موافق بھی صبح و شام ترے
کبھی لڑائے گی گردش بہاں میں کام ترے

نظم دیہاتی کا ایک شعر ہے ۔

پھر بھی یہ حالت ہے شکل ہر نبات انکار سے
ساہوکار بھیک کافہ اور دیہاتیوں کو کہاں دیتا ہے! ہاں اسود پر قرض دیتا ہے نظم میں "قرض" یا "قرض کی بھیک" لانا تھا۔
باپ کی وفات پر جو نظم کہی ہے اس میں باپ کے غم کا تاثر تو صرف آخری شعر سے ظاہر رہتا ہے، باقی پوری نظم میں نظم نگار ہمدرد
مرگ و اس بیان کی گئی ہے!

"سلطان شہید شیو کے مزار" کا یہ ایک شعری اپنی جگہ مکمل نظم ہے ۔
یہ مٹی قیمتی ہے بادشاہوں کے خزانے سے

ابھی تک مالدار اسلام ہے ایسے وطنوں سے

چند اور منتخب اشعار ۔

میں شاعر مولوی تقدیر میں رونما ہی لکھا ہے
جمہوریت کا چرچا اب عام ہو رہا ہے
مٹ رہی ہے شان و عظمت مصر کے اہرام کی
"مزدور کی صدا" کا ابتدائی بند ہے ۔

مزدور کی داؤ ہو پہونچی
تو ایک ملین سسی ہوئی پیدا
جب غریب کے ایالوں میں
سب اصلاحی دیوالوں میں

"اصلاحی دیوالوں" کسے کہتے ہیں! پھر مزدوروں کی داؤ ہر غریب ہی کے ایالوں میں کسے پہونچی، مشرق کے ایالوں اس سے کہیں محروم ہے
کوئی ثروت؟ کوئی قرینہ؟ کسی خاص فائدہ کی طرف اشارہ؟
دعویوں کو حقارت سے نہ دیکھو

غریبوں کو حقارت سے نہ دیکھو
انہی کے خون کی سرسختی پہاڑ
کہ ان کو بھی بنایا ہے خلائے
بھرا ہے رنگ پھولوں میں جلتے

(جینے کا مقصد) اس جینے کا مقصد کیا ہے

الفت

الفت ایک دیا ہے
جس کے چاندی سمت ہوا ہے

اس جینے کا مقصد کیا ہے

عشرت

یہ رس امرت کا ہے

لیکن اس میں نہ ہر مل ہے

اس جینے کا مقصد کیا ہے

شہرت

شہرت ایک صلا ہے

باقی کس کا نام رہا ہے

اس جینے کا مقصد کیا ہے

دولت

دولت ریخ فنا ہے

یہ جنگل کی تیز ہوا ہے

اس جینے کا مقصد کیا ہے

جینا

جینا ایک سنا ہے

جس کو الٹا کاٹ رہا ہے

”ہرچ صبا“ کے مطالعہ سے کوئی شک نہیں بعض مقامات پر دل کی کلیاں کھلتی ہیں اور دھواں آسمان کی طرف اُٹھتا ہے، اُسی ہے کہ شعر و سخن کی محفلوں اور علم و ادب کے حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہو گئی۔

انڈیسیہ نظر الحسن برکاتی، ضخامت ۱۲ صفحات،

بسمل سعیدی اپنے وطن میں

لکھنے کا پتہ ۱۔ مصنف سے، دارالعلوم خلیفہ نظامیہ، ٹونک (راجستھان)

ٹونک کی سرزمین شعر پرورد بھی ہے اور شاعر لہذا بھی ہے، دیوالی قبل ماتم الحروف کا ایک شاعر کے سلسلہ میں ٹونک جانا ہوتا تو وہاں خلوص محبت اور غیر مقدم و پنداری کے جن نظاموں کو دیکھا، اُن کو کہیں فراموش نہیں کر سکتا۔

حضرت بسمل سعیدی کئی سال کے بعد اپنے وطن تشریف لے گئے، وہاں اُن کی جس جوش خلوں اور محبت و عقیدت کی تھوڑی جگت ہوئی اُس کی تفصیل بسمل صاحب کے تلمیذ شاعر ملا نامہ سے نظر الحسن برکاتی نے دلچسپ انداز میں مرتب فرمائی ہے:

بسمل سعیدی اُس زمانہ کے نامور شاعر ہیں، اُن کی ذات شعر و سخن کا استقل و بستان ہے، اُن کے اہل وطن نے اپنے یہاں کے قابل فخر شاعر کی پذیرائی کر کے، وطن کو کئی ہی نہیں بلکہ دوسری صدی شاعری کا بھی ثبوت دیا۔

انڈیسیہ نظر الحسن برکاتی، ضخامت ۱۲ صفحات، قیمت تین روپے۔

ظرب غزل

لکھنے کا پتہ ۱۔ فالسہ پبلیکیشنز ۱۶۶۔ انارکلی، لاہور

جناب نصرت قریشی کے دو مجموعے — سولہ سروس — اس فنکسٹ خاطر شائع ہو چکے ہیں ان مجموعوں کو لکھنا گیا اب اُن کی

تیسری کتاب منظرِ عام پر آتی ہے، توقع ہے کہ یہ اند نہ یادہ پسند کی جائے گی، مگر نہ کہ
لغاش نقش ثانی بہتر کد ناول

اویہ تو نقشِ ثالث ہے !

نصرت قریشی کی نظر میں ہم پریم اورت ہلکے لیتے ہیں اُن کے آہنگ میں خاصی دلکشی ہے، اُن کا دجلان تغزل کا مزاج شناس ہے !
منتخب اشعار

ضروری نہ تھا فوجی پروانہ دینا
کلی کا چنک کر وہ آواز دینا
عشق والے کیا زمانے کی ہما سے ڈر گئے
ابھی تو خود نگری کا نہ مانہ آیا ہے
سنا ہے شیشہ گری کا نہ مانہ آیا ہے
عمر بھر تشنگی سی رہتی ہے
ماتے وہ لمحہ کسی کی یاد میں گزرا ہوا !
صدتے اس حسنِ تبسم کے سحر بھی ہوگی
آجائے گی یقین کی منزل گماں کے بعد
جب یہی خانہ خواہی مرے گھر بھی ہوگی
صفو دہر پہ اس کا کوئی ثانی تو نہیں
باغ میں اک آشیان اُجڑا ہوا رہنے دیا
اُگئی اک نگاہِ لطف کی یاد
کچھ دل کو جلا دے جاتا ہے کچھ گردِ عالم دھو جاتا ہے
بہائی آگ میں جلتا ہے صرف پروانہ
ماٹھ آئے گا کیا غم کے خانے کو سنا کے
مجھے کیا ضرورت کہہ کیوں بنا ہے، زمیں پر پائے حرم کس لئے ہے

میں کیوں کفر و ایمان کے جھگڑوں میں الجھوں محبت کا نقشِ قدم کس لئے ہے

لب پہ کچھ بے ربط مجھے آگئے
ورنہ ترسے قابل کوئی نذرانہ نہیں ہے
رکھتے ہیں بلطدیہ دل بھی اس کے لوگ
محفل میں تم آکر رخِ پروانہ بدل دو
میں پیسا ہوں مگر پھر بھی لب دیا نہیں جاتا

اسیری ہی قسمت میں جب سقی تو یارب
وہ جہاننا ہمسایا چمن سے نفس میں
اس اندھیرے میں جلاتے کیوں نہیں دل کے چراغ
خدا شناس بھی ہو جائے گی نظر اک دن
جلو جلو تلاش کریں ہم بھی دل کے لکڑوں کو
علم کی پیاس بجھ نہیں سکتی
عمر زانی کیا حیات دائمی اُس پر نشانہ
رات بھی زلفِ مخبر کی بلاتیں لے گی
کچھ سخی جستجو بھی تو کر منکر خدا
کیوں جنوں مجھ کو بیا باں میں لے جاتا ہے
نقشِ اول ہی ہے، صدوتِ انسان لیکن
یوں ماتی ہم صفیوں نے نفسِ دالوں کی یاد
جب ہوا ہے کوئی ستم ایجا د
دنیا کی نگاہوں سے چھپ کر یہ پھیلے پھر کا روینا
کوئی کسی کی نگہ میں ہساں نہیں جلتا
کچھ لب میں منس لیں گے تو کچھ منہ نہیں گے
مجھے کیا ضرورت کہہ کیوں بنا ہے، زمیں پر پائے حرم کس لئے ہے

اُس نے پوچھا حالِ ہم گھر آگئے

جاں نند ہے لئے کیے ہی پاس ہے اپنے
کہتے ہیں جس کو دشمنِ ایمان و آگہی
آوازہ پروانہ ہے وہ شمع کی جانب
محبت نے وہ استغناء مجھے بخشا ہے نصرت

ہم پہ جب تک نہ حادثے گزریں
”ہم“ لے کے ضرورت نہ تھی؛ یہ شعر تخصیص نہیں چاہتا تھا۔
زندگی میں کسی سہی رہتی ہے (ص ۲۶)
میرے سینہ میں دل نہیں ڈٹا
عشق کا آفتاب ٹٹ گیا (ص ۵۱)
دل کو عشق کا آفتاب کہنا عجیب سی تشبیہ ہے!

علمِ حیات کی تلخی ارے معاذ اللہ
”سرد ڈٹنا“ ”سرد توڑنا“ یا ”سرد توڑ دینا“ یہ کہاں کا نہان ہے!
غمِ فراق کا اُس نے سرد توڑ دیا (ص ۵۲)

اک پل جو اسیری میں اے باز گزائی ہے
”خوئے پرواز کا گزنا“ غلط نہان اسدنا لوس روضہ!
کیا تو نے بھی اب نوئے پرواز گزائی ہے (ص ۶۰)

ظلمتِ عالم میں کچھ تو ہو اُجائے کا وجود
مصرعہ ثانی میں تعقید کا وہ عجب جو جاذبِ ذوق کے لئے باعثِ اذیت ہوتا ہے۔
سچے دل کو اس لئے ہم نے جلا رہے دیا (ص ۸۶)

بھروسہ کیجئے کس پر عجب عالم ہے دنیا کا
”میری“ نے شعر کا لطف غارت کر دیا۔
گھڑی بھر میں یہاں اپنوں کو بیری ہو دیکھا ہے (ص ۹۲)

مرے سینے سے چن نک جو نظر اُٹھی تو دیکھا
”اس قسم کے پت اشعار، شاعر کا برا تعارف ہیں۔“
کہیں انتشارِ دل ہے کہیں گل بکھر ہے ہیں (ص ۱۵۸)

بے دلی سے سنتے ہیں وہ اگر تو کیا غم ہے
بھرتی کا شعر کوئی لطف نہیں!!
رنگ لے جئے ائے گی میری ماستال اپنا (ص ۱۶۱)

شہیدِ عشق رقصاں بود بر خاک
نصرت صاحب کو ہم شدہ دیں گے کہ وہ فاسی میں شعر نہ کہیں تو اچھا ہے!
گردِ پا مالِ گردِ از گدایاں
یقیناً اس سرِ غفیفہ باشد (ص ۱۶۱)

چلنے کی اُن کے نگر ہے نصرت بحث نہیں
خوش بھی کبھی ہے میں بہا میں کبھی لوگ
پہلے مصرعہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جلنا رنگ وحد کا جلنا ہے، بلکہ معصوم سننے اور پڑھنے ہی آگ میں چلنے کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔
ناوک اصحاب کے بے خطا کیوں نہ ہوں
ہم ہی مالستہ جب گھاٹ پہ آگئے (ص ۱۹۰)

”ذہن میری گھاٹ میں ہے یا گھاٹ میں بیٹھا ہے“ گھاٹ پر آنا ”سننے میں نہیں آیا“ اسی ٹکڑے نے شعر کو مبہم بلکہ مہمل بنا دیا۔
”ظریف غزل“ میں رنگتہ اسدناں شعروں کی کمی نہیں ہے، بعض غزلیں شاعر کی طبعناز و معلوم ہوتی ہیں! توقع ہے کہ نصرت ترشی کی غزلوں کے مجرورہ کو اہل ذوق دل چسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔

باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھاپیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا

کورا اور دھلا لٹھا

اور
ہر قسم کا دھلا گاتیار ہوتا ہے

باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

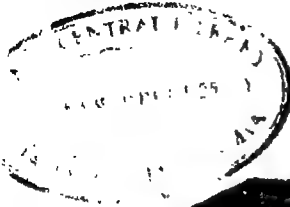
ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے
پاکستان کی صنعت کی ترقی اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

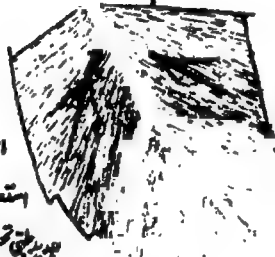
ادجی کے پار چہ جاتا دیر پا ہوتے ہیں



ادجی کاسٹن ملز لائنڈھی کراچی



آپ وقت سے پہلے کیوں منجھائیں!



دس بیس سے نوادیسوں میں قبل از وقت شعلہ کے آثار نظر آنے لگتے ہیں اس کا سب سے بڑا سبب ناقص اور نامافی غذا ہوتی ہے۔ اس غیر طبی حالت سے بچنے کے لئے ہمارا کام اللہ عالم و ذاتہ استعمال کیجئے۔ یہ صحت و شباب قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ہر پریشانی حقیقی کی مدد سے اللہ عالم کے خواص اور خوبی کو کامل تک پہنچا دیا جائے اور آپ سے ہر لحاظ سے ایک ایسا مکمل اور موثر

ہلکے پتے کا ہے جو نقصان کے احساس کو ختم کر دیتا ہے اور

پچھلے نظام جسمانی کو پانی و دھند کے سال بھر کے لئے

مردہ کی توانائی پیدا کرتا ہے۔ بیشاد لوگ اس کی تاثیر کو آنا چکے ہیں

ف ع المکتبہ

جائیدادیں نئی قوت اور صحت حاصل کرنے کے لئے ایک مکمل اور موثر جگہ

بھرد و افغانہ (وقت) پاکستان
کراچی - لاہور - کھارک - چٹانگ



ماہنامہ فاران کراچی

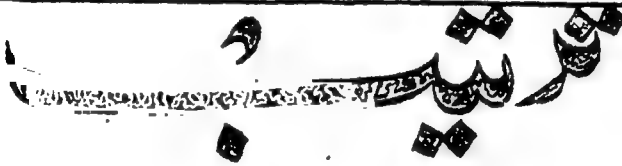
جلد :- ۱۸

شمارہ :- ۱۰

ماہ جنوری ۱۹۶۷ء

ماہر القادی

ایڈیٹر



۳	ماہر القادی	نقش اول
۱۱	انوار عالم	زمینی الجہاد اور سماجی تفکر
۶۲	محمد رفیع پھلوروی	سلطان شاہ احمد مراد اور مسند خاندان
۱۲۶	ماہر القادی	قرآن فیصل - ایک
۳۸	مولانا محمد رفیع عثمانی دسویں فاران العلوم کراچی	انجیل برنا باس
۵۳	ماہر القادی	یاد رفتگان
۵۹	ماہر القادی	مرحبا! ماہ صیام
۶۰	فتفت شعراء	نغمہ و فریاد
۶۲	ہمارے نظمیں

چند سالانہ	پبلشر :- مسٹر حسین	قیمت فی کپی
سات روپے	دفتر ماہنامہ فاران کیمیل اسٹریٹ کراچی	پندرہ روپے

ہر جمعہ صبح ۱۲ بجے شائع ہوتا ہے۔ دس روپے میں ایک کاپی اور دس روپے میں ایک کاپی اور دس روپے میں ایک کاپی

نقشِ اول

وہ دوس ہو، چین ہو، یوگوسلاویہ ہو، یا کوئی اور دوسرا ملک یا خطہ زمین ہو، کیونستوں کو جہاں بھی موقع ملا ہے اور ان کو اقتدار و غلبہ میسر آیا ہے انہوں نے اشتراکیت کا نظام عطا کر دیا ہے، کیونست جس نظام حیات اور ملک پر یقین رکھتے ہیں اس کے صرف زبانی مدعا اور فطری حقیقت منہ اندھیدہ خواہش نہیں ہیں۔۔۔۔۔ کہ جس کیونزم کی تعریفیں کئے جائیں اور کیونزم کی کسی قدر ولایت اور نظریہ کو مستحاج کر کے کئے کئے نہ کریں !

اس کے برخلاف مسلمانوں کو کیوں ملکوں میں اقتدار اور غلبہ حاصل ہے مگر انہوں نے کسی ایک ملک میں بھی اسلامی نظام کو قائم کرنے کی کوشش نہیں کی ! جہاں تک تحریر و تفسیر کا تعلق ہے، اسلام کی تعریف، مدح سرائی اور تعیدہ خوانی کے تصدیق و انکار کے بغیر یہ ہے اور وہ تمام سے اس کی صداغے بالذات سنا فی دیتی ہے، لیکن جہاں تک عمل و کردار کا تعلق ہے، اس باب میں مادی

ہر پند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

پشہ کر خاموش ہو جاتا ہے۔

مسلمان ملکوں پر ناداری سے قبل یورپ کی جن طاقتوں کا بھی غلبہ اور تسلط تھا، وہ طاقتیں تو رخصت ہو گئیں مگر ایسا نظر آتا ہے کہ وہ اپنے جانشین اور شاگرد پیدا ہو گئے ہیں، جو ان طاقتوں کی ایک ایک رعایت کو سینوں سے لگائے ہوئے ہیں اور اپنے مفید نام آفاقہ کے نقش قدم پر پیستہ میل رہے ہیں، ملک گھروں کے رقص دے نوشی سے لے کر دین کو لے کر تمام بازی تک یورپ کی لائی ہوئی پر برائی اسی طرح پرمان چڑھ رہی ہے اور ہر منکر کو پیچھے سے بھی بڑھ چڑھ کر فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

فرانس ہو، ایلینڈ ہو، انگلستان ہو یا اٹلی، غرض یورپ کے ان باقی حکمرانوں کے بعد مسلمانوں کے ہر آزاد شدہ ملک میں کرسیاں تو فروغ پیل گئی ہیں، مگر واسپرٹ نہیں بدلی، جو دروغ دہی میں جاری و ساری تھی، خطہ ملک و رقبہ اور حدود و ایلچہ بیشک آنا و سرگئے لیکن فکر و نگاہ عادل و دماغ پیستہ غلام ہیں، حالانکہ آزاد دی و دماغ، افکار و خیالات اور تعلیمات و اقتصاد کی آزادی کا نام ہے۔

ایک طرف وہ خردہ اندیشہ درست کہ بدی حکمرانوں کی غلامی سے نہات لی، دوسری طرف یہ ساتھ اللہ کہ اجماع رخصت ہو گئے مگر ادعا و پرستہ دل و دماغ پر حکمران اور صاحب پرست ہیں ! یہی ہے کہ کھٹ آتے ہی، آنکھوں میں آنسو بھی آ جاتے ہیں، بولی پر مہجہ نغمہ ابھرتے ہیں اور دفر یاد کا

شہ سعودی عرب میں ملکیت ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں حدود اللہ سنا عادت کی جاتی ہے !

طرفان بھی اُمت آتا ہے، خوشی کی خود مصائب کی مانند، مگر غریب پانوں کی طرح حکم اٹھائیں !

اسلام غیبی معروف کہنا ہے اُن کے پاس میں اُمت مسلمہ کی غزوہ کے دس سال اختلاف نہیں تھا ان کو قسم ہی ہونا چاہئے، سب سے پہلے پھر اصلہ کی چیز نماز ہے کہ جس کے بغیر اسلام اور ایمان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، مسلمان مگر ان کے اُتار دیتے ہیں تمام صلوٰۃ کا فریضہ سب سے پہلے ادا کرنا چاہئے تھا، مگر اس فریضہ کے کسی قسم کا کوئی اقتنا ہی نہیں کیا گیا، اس کا خیال بھی نہیں آیا کہ ایک مسلمان کی سب سے پہلی خصوصیت "اُتار دیتے صلوٰۃ" ہے اور ترک صلوٰۃ "مسلمان کی سب سے بڑی" 26- QUALIFICATION ہے اور غریب مگر ان کے دوسری جس طرح "صلوٰۃ" ادا کرنا چاہئے تھا پانویٹ رسم بھی جاتی تھی، آج بھی مسلمان مگر ان میں سے باہر ہیں نہ کہ ان کی ترقی ہوئی، نہ کہ ان کے قسم کی تبدیلی نظر آئی ! جس مسلمان کا کسی چاہے نماز پڑھے، جس کا کسی نہ چاہے نماز نہ پڑھے، تاکہ صلوٰۃ کیا عتبات پر مبنی ہو تو پھر کاستحق نہیں ہے، ہمارے سابق غریب حکمران جو سرے سے اسلام ہی کو نہیں مانتے تھے، ان سے "اُتار دیتے صلوٰۃ" کی توقع کن حق کر سکتا تھا، مگر مسلمان کیم اہل ایمان کی جنہیں اللہ تعالیٰ نے اُتار دیا اور عاقلیت عطا فرمائی ہے سب سے پہلی خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ وہ "اُتار دیتے صلوٰۃ" کا فریضہ انجام دیں مگر ان کے مسلم حکمرانوں اور مگر ان میں اس فریضہ کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے وہ کس قدر نرساک ہے !

مسلم حکمرانوں کے پلاننگ بورڈوں کی رپورٹیں اس کی شاہد ہیں اور ان کی ترقیاتی کمیون کا دیکھا مڈاس کی گواہی دیتا ہے کہ "اُتار دیتے صلوٰۃ" کا ان میں سرے سے کہیں ذکر ہی نہیں ہے، جیسے اس فریضہ کی ادائیگی کا اُن کے اندر جذبہ احساس ہی سرے سے نہیں پایا جاتا۔ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑے آدمی کثرتِ تعداد سے فوت کرتے ہیں مگر کثرتِ گناہ سے نہیں ڈرتے ! ترک صلوٰۃ وہ گناہ ہے جو آدھی کو گھر سے قریب کر دیتا ہے، کسی مفسر یا محدث کا قول نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے —

من ترک الصلوٰۃ متعبداً ، فقد کفر

وہ جس نے جان بوجھ کر ترک کر دیا، اُس نے کفر کیا !

عہد رسالت میں کوئی وہابی کسی عہد کے سبب جماعت کے ساتھ ایک دوسرا مذاہب کا کرنے کے لئے مسجد نبوی میں نہ آسکتا تھا تو اس کے بارے میں لوگ گمان کرتے تھے کہ وہ "سائق" ہو گیا، اور مسلم ممالک میں آج یہ حال ہو گیا ہے کہ سرکاری تقریبات و اجتماعات میں، استقبالیہ اور غیر مقدم کے جلسوں میں، وفد کے دوروں میں، بیرونی جماعت کے ہندو گلوں میں، نمائندوں اور قومی میلوں میں غرض کسی موقع پر "صلوٰۃ" کا کوئی ذکر نہیں، وہ جو عربی کی منہ پر قرب المثل ہے کہ — الناس عنی دین مہدو کیم — عوام اپنے حکمرانوں کی روش پر چلا کرتے ہیں — تو رسم عوام بھی فریضہ صلوٰۃ سے غافل ہوتے چلے جا رہے ہیں اور پھر واد کے کسی اجتماع میں، کھانے پینے کی دعوت میں یا کسی سیاسی جلسے میں ہا کر اس کا اُتار دیا کریں گے، سب کو ملے گا ہزاروں کی گنج میں چند لوگوں کو نماز ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے، باقی مسلمان دین کے دھانے میں مصروف ہیں، اس طرز پر بعض لوگ پوچھیں گے کہ "دین کا دھانا" یہ غیر متعلق ہے جو بڑی بات کہاں سے آئی مگر یہ طرزِ اقسام اطراف نے دلت کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گواہی ہے۔

الصلوٰۃ عماد الدین ، من ترک الصلوٰۃ فقد حطم الدین

و نماز دین کا ستون ہے، جس نے نماز ترک کی، اُس نے دین کو ڈھک دیا !

یہ جو اُس دور کی مشہور کہاوت ہے کہ فریضہ کو دیکھ کر فریضہ رنگ پڑتا ہے، تو آدھی پر اُس کا ماول بہت کچھ اُتار دیتا ہے، جس محبت، اول اور فجر میں نماز کا سرے سے ہی کوئی ذکر اور احساس ہی نہ ہوا اُس میں رہ کر ہم جیسے ناچنے نے بعض وقت نماز کے تعامُل میں اس حد تک کراچی غفلت پانے کو تقریب و طاعت کی ہے ! پھر یہ نمازوں کے ماول اور ترک صلوٰۃ کی نقصانیں جو لوگ نماز ادا کرتے ہیں ان میں کتنی بے دلی چھلکتی ہے، جیسے "لوفہ پہنا کر پری کی جا رہی ہے ! شام کا وقت ہے چائے نوشی، شہر خالی اور گلاب بازی ہو رہی ہے، سوجھ بوجھ کا ہے اسی حالت میں اُسٹے اور

مسلم حکومتیں اگر اپنے دینی فرمانوں کو بہانہ بنیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بلند و غالب کرنے کا نہیں اس میں ہوتا تو۔ رہا کہ مسلمانوں کو اس پر پابندی لگاتی اور دنیا پر ثابت کر دیتی کہ وہ اپنی حکومت پر قرآن کا فیصلہ دیتی ہے۔ تجارت بے سود بھی چل سکتی ہے اور معاشی کا مدار اور تجارتی لین دین کے لئے "سود" کوئی ناگزیر ضرورت نہیں ہے، یہ بڑی دوسرا یہ دامنہ ذہنیت کی پیدا کی ہوئی ہے اور یہودیوں، بنیوں، مہاجرین اور شیشیا کو لے کر "سود" کی لعنت کو مناجا دیا ہے، تجارت میں نفع و نقصان اور سود بایہ کے تحفظ کی ضمانت کے ایسے ذرائع اور بدل بھی موجود ہیں، جن کا۔ رہا اسے کوئی قصہ نہیں ہے۔

یہ کیا ہو رہا ہے؟ لہجہ میں مرد و زن کے آواز امانہ اور بیباکانہ اختلاط اور عورتوں کی فتنہ بے جوابی نے وہاں کے معاشرے کو پستی کی جس حد تک پہنچا دیا ہے وہ کسی ثبوت کا محتاج نہیں ہے، اس معاملہ میں ان کی زندگیاں پرچہ جو انوں جیسے ہوئی ہیں بلکہ وہ وقت پر دست پر آچکا ہے کہ "دکھائیگی اور عصمت" کے الفاظ میں لغات اور کتابوں میں لکھے ہوئے ملتے ہیں، واقعہ اور وجود اور معنویت کے لحاظ سے یہ الفاظ بے ثبات نہیں پائے جاتے، مسلم ممالک میں بھی اس فتنہ کو پر دان چڑھنے کے موقع مل رہے ہیں یہاں کے معاشرے میں وہی رنگ پیدا ہو چلا ہے، اخلاقی کی تباہی اور معاشرے کے گناہ لاکھوں کو اس تک نہیں پہنچ رہی ہیں بہر حال اور ماؤں اور بہنوں میں سیدہ فاطمہ اور حضرت عائشہ کے مقدس کردار کی جھلک اور خوب پیدا ہوتی چاہئے تھی وہ گر گیا گا۔ رہا اور دیو کا کافی بقی جا رہی ہیں، گارڈ کی حد ہوئی کہ بعض مسلمان عورتیں شراب تک پینے لگی ہیں۔

سہ پہلے کا کوئی حد سے گزنا دیکھئے

مسلم ممالک کے آواز ہو جانے کے بعد مرد و زن کے بیباکانہ اختلاط اور عورتوں کی فتنہ بے جوابی کا جو مل ٹاپا ہے اور تیزی کیساتھ اخلاق و عفت کے بند ڈھیلے ہونے بلکہ ٹوٹے پلے جا رہے ہیں یہ آتش فشاں ہے جس پر ہم ناخوس کے اظہار کے لئے غماز نہیں لیتے، ایہ خرابی اسی حد پر پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی مسلمانوں کو نقص و سرور کے مظاہرہ کے لئے اسٹیج پر لایا جا رہا ہے مسلم ممالک میں "کچل شون" کے نام پر ان فواحش کا کھلے بندوں میں کتاب ہمارے اندر کے ساتھ اخبارات میں ان شرمناک مناظر کی تصویریں چھپ رہی ہیں، اسلام نے عورت کی عظمت و صحبت کی حفاظت کے لئے جو خطی و عصارہ قائم کئے تھے، ان کو توڑ کر مسلمانوں کو دین و دنیا کی رسوائی کے سوا اور کیا حاصل کرسکتا ہے، مسلمان عورتیں اور قص و سرور کے مظاہرے خدا کی پناہ! دنیا کے سامنے اسلامی تہذیب و ثقافت کا یہ کتنا برا عاقبت اور اسلام کے ساتھ کیا افسوسناک خلاق ہے۔ عورتوں کے کٹنگی ٹیشن کو اس طرح کچل کر نام پر۔ گھر بول اور تہذیب و شریف بنادینا، یہ اگر کا نام ہے تو بہت برا کا نام ہے!

ان برائتوں کے ساتھ جن مسلم ممالک میں اسلام کی ریسرچ جاری ہے اور دین کی علمی تشریح و تحقیق کا کام جاری ہے وہاں اسلام کو مانڈا بنانے کی کوشش کی جا رہی ہیں، دین فطرت کی جدید تحقیق اندلی ریسرچ کا متقاضی نہیں ہے، اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے احکام پر محبت سے درست، صحیح، حق اور انسانیت کے لئے منہد ہیں، جس کو سلاطین قرار دیا گیا ہے اسے کوئی حرام نہیں کر سکتا اور جسے حرام ٹھہرا دیا گیا ہے اس پر حلت کا فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا، دین کی بنیاد پر قدیم انسانی الہی دین میں فرض، واجب، مستحب، مباح ان تمام وجوہات کی تفصیل اسلامی ائمہ پر مبنی ہے، دین کی کسی تبد پر نہ اضافہ ممکن ہے اور نہ اس میں کمی کی جاسکتی ہے، ہاں تحقیق اور ریسرچ دین کے احکام، قدوس، دعاوتوں اور نظریوں کی علمی تشکیل کی خاطر لوگوں کی افادیت و اہمیت پر فلسفیات، فتنہ، سائنس، ٹیکنالوجیاں اور دوسرے علوم سے دلیل و سند لانے کی غرض سے ہو سکتی ہے اور ہونی چاہئے، مگر یہ رہا ہے کہ اللہ اور رسول کے احکام میں ریسرچ اور تحقیق کے نام پر قطع وید کی جارہی ہے وہ سودجو، بے پردگی ہو، یا رقص و موسیقی ہو ان کلمات کے بواز کے لئے دین میں گھنٹا نشین لگائی جا رہی ہیں، خوب و ناخوب کا معیار بدل گیا کہ دین و فسق بن کر رہ گیا ہے، اسی معیار پر مبنی و اشتیاء کو رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے چیزوں کے پرکھنے کے لئے کتاب و سنت کی کسوٹی دی ہے جو چیز اس کسوٹی پر پوری نہیں اترتی وہ کوئی اور ناقص ہے اسے

رو کر دینا چاہئے اور یہ کسٹی جسے کھرباتی ہے وہ قابل قبول، لائق عمل اور مستحق احترام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دین کو کاس فرمایا، اس میں خدا خواستہ کی قسم کی کوئی شکستہ باقی نہیں رکھی اور کسی کوتاہی اور کسی کو نہیں رہنے دیا گیا دین تمام دیکھیں کیا تھا آخری کتاب اور آخری نبی کریمؐ بھی دیا گیا، اب قیامت تک کوئی شخصیت یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ چھپرہ دہی آتی ہے، جس کا نام اُمت پر فرض ہے؛ اسلام کا نظام ہر جہت سے مکمل ترین نظام ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے، سیاست و معیشت، قیامت و اقتصادیات، تہذیب و تمدن غرض زندگی کی ہر منزل میں اسلام ہدایت دیتا ہے: — مگر اس اس میں کمزوری کو کیا کہنے کہ اس مکمل نظام عیادت اور اقتصادیات کا سوشلزم، کینیزم سے پرندہ جڑا جا رہا ہے؛ اسلام کے ساتھ کی دوسرے "ازم" یا مکتب فکر اور نظام عیادت کا جڑ لگانا حاصل دین کے مکمل اور انکار غیر کے احیاء کا اعان ہے، جو کہ مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ کہنا یہ چاہئے کہ ہمیں اسلام اور صرف اسلام چاہئے وہ دین کامل جو حکومت، تجارت، سیاست، معیشت و تعلیمات، صلح اور جنگ غرض زندگی کے تمام شعبوں میں انبیا جا چکا ہے اور کسی دور میں بھی اس کے اندر ذہد برابر کی اور شش محروس نہیں کی گئی اس دین کو لے کر عرب کے صحرا سے جو نو برس دسویں اُسٹے آئے انہوں نے قیصر و کسریٰ کے مملوں میں اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کیا اور اسلامی تہذیب و تمدن کی ریتا قائم کر دی ان سے بہتر نازخ ان سے اچھے حاکم دنیا آج تک پیدا نہیں کر سکی، تنہا مگر فادوقہ کی بلند و بالا شخصیت کے سامنے، ساری دنیا کے حکمران اور مقررہ طاقت قیامت اور رونے نظر آتے ہیں!

ان حالات کے ساتھ مسلمان مملوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ جو خدا کے نیک بندے اللہ تعالیٰ کے دین کا فخر اور نظام اسلام کو برپا کرنا چاہتے ہیں ان کے بیان میں کوئی شک سے تنگ نہ کیا جا رہا ہے ان کی راہ میں مشکلات پیدا کی جا رہی ہیں وہ بے چارے سے عقاب و دہی کا بدلتے ہتھکے ہیں ان کے انتخاب کو بدایا جاتا ہے ان کی بات پہلے تک پہنچنے نہیں دی جاتی، ان پر طرح طرح کے الزامات لگا کر عوام میں ان کو بدنام، بے وقار اور شہرہ بانے کی کوشش کی جاتی ہے سامنے کی مثال جی ل ناہر کی حکومت کا وہ ظالمانہ کارنامہ ہے جس نے "افغان المسلمون" جیسے عظیم دینی تنظیم کو تباہ کر دیا!

مسلمان مملوں میں ایسے قوانین بننے اور ایسے فرمان نافذ ہوتے رہتے ہیں، جن کے خلیفہ شریعت اور جمہوریت جو اسلامی سیاست کا طرہ امتیاز ہے بے اثر بلکہ مغلوب ہوتی چلی جا رہی ہے اگر عوام کو — کہ اسلام — کہا جاتا ہے وہ پچ بچ بھڑکیوں کا گلابن کر رہا نہیں جن کی تادیب کے لئے لکھ بان کی پھیری کی دو چاندروں بہت کافی ہیں بلکہ بسا اوقات تو پھیری کی جھنڈ ہی لکھ کی فضل و کثرت کا رُخ بدل دی ہے۔

مسلمان مملوں کے انتخابات، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور نشر و اشاعت کے ہر سے ذرائع اس کی تہمت لگاتے رہے ہیں کہ وہاں ابواب اقتدار کا اس حکمت اور سیاست کے ساتھ پرمیگنڈ کیا جاتا ہے کہ کوئی دھڑکی آواز نہ پھر سنا کی ہی نہیں دیتی، ملک میں کوئی قیادت ابھرنے کی نظر آتی ہے؛ پھر لطف یہ ہے کہ مطلق العنانی کے اس نظام ہی کو انسانیت اور ملک و ملت کے لئے مفید سمجھا جاتا ہے کہ یہی طریق حکومت ملک کی سالمیت ترقی اور بقا کا ضامن ہے جو لوگ اس نظام حکومت سے خوش نہیں ہیں وہ ملک کے جن اقدار تسلیم نہیں، اس مملوں کی مدد سے انٹاپسٹ نہیں ہے کہ تادیب و قربت ہی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

دنیا میں ہر حکومت کو خوش دلی اور جی ضروری میسر آتا ہے، سرکار و دیوان میں تقسیم کی متنا، مالی تنوعات کا طرہ اور ایسی قسم کی تمام حکمران شخصیتیں آہی کو بغیر سے نہ دیتی ہیں اور وہ پڑی سے بڑی نیادوقہ اور نظم و تدبیر کو عین انصاف کہہ کر نظام و حکمران کی امید رکھتا ہے یہاں تک کہ بعض جاہلستان میں تک ابواب اقتدار کے ہما خواہ بن جاتے ہیں، نفس یہ چکر دینا کہ کپڑے آدھیل سے قریب ہو کر تم نہیں دین سے قریب آنے کا کارنامہ انہیں دے سکتے ہو، احتیاج، نکتہ سنی، اور علیحدگی کے مقابلہ میں تعاون، نرمی اور قربت مفید ہے مگر ہوتا یہ ہے کہ اس قربت کی بدولت ان کے پاس لوگ جو کہ حقیر ہی بہت دینی سناہ ہوتے ہیں وہ بھی صحیح حکمت نہیں دیتی۔ جس نے بھی کہا خوب کہا کہ —

— یس افیقہ رسولی باب الامیر —

خلیفہ سلطنت کے شہید بادشاہ جمال الدین مکر کے دیواریں جہاں کاسہ لیں اور ہندو گانہ شہنشاہ کے علماء متفقہ، وہاں ظالم اور ظالمی کی شخصیت

بھی تو نظر آتی ہے جس نے مطلق انسان شہنشاہ کے عتاب کی پیمانہ کرتے ہوئے کلمہ حق بلند کیا اور فرماں سدا کی گلی میں اٹھ نہیں لایا! اموی دور کے ایک ہامیر عالم نے خلیفہ کے فرمان اور حکم نامہ کو جس میں خلافت شرع ہات کی تائید کا فتویٰ طلب کیا تھا، اپنی بکری کے سامنے ڈال دیا بکری ہمارے کیسا تقدس ہی فرمان کے کاغذ کو بھی چونگی! حضرت سفیان ثوری پر اٹھ لگائی کی رحمتیں ہیں، خلیفہ اعداں الرشید کو خط لکھ کر دینی غیر فرمایا کا حق ادا کر دیا اس خط میں حضرت قدس سرہ نے خلیفہ کی زندگی پر، بیت المال کے اسراف پر اور دوسری باتوں پر شدت کے ساتھ تنقید کی، اعداں الرشید کو مر جا اعداں فرما کر اس نے عتاب و برہمی کی بجائے اس خط کو صیغہ ہدایت سمجھا مات کو سوتے وقت خط کو بڑھتا تھا اور دھونکتا تھا۔ جہانگیر کی شاہشاہی کو حضرت محمد صالح ثانی صحت اللہ علیہ کی عزیمت، استقامت اور حق گوئی کے آگے جھکنا پڑا اور آخر کار جیت اس غیر عربی نبی کی رہی!

رفیقا! اعداں الدین غلی کا واقعہ ہے، ایک عالم کو جو خوش الحان تباری بھی تھے، حضرت ہی میں بلایا، گفتگو کے بعد ان نماز کا وقت ہو گیا۔ بادشاہ نے اس عالم دین کی اقتدا میں نماز ادا کی، نماز ختم ہو چکی تو سلطان نے عہد بانہ پر جس پر کہا کہ حضرت! نماز کا نصف آج آپ کی امانت میں آیا ہے، میری دعا خواست ہے کہ اب آپ نظم میں نماز پڑھانے کی نعمت گولہ فرمایا کریں، اس عالم دین نے اس کے جواب میں کہا، سلطان! دین کی بھلائیوں میں سے اس غیر کے پاس سے دس کے صرف نمائندہ گئی ہے تو اسے بھی چین لینا چاہیے۔

پیرانو پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سلطان وقت کو جب کسی خط لکھتے تھے، تو اس کا آغاز اس طرح فرماتے تھے: "عبدالقادری رحمۃ اللہ علیہ حکم دیتا ہے"۔ سلطان حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ان کی اطلاع پا کر اندھے چلے جاتے، سلطان کو کہتے جاتا تو باہر تشریف لاتے اور سلطان کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کرتا۔

ایک بادشاہ ایک درویش کی پاکبازی اور شرافت و کرامت کا شہرہ من کران سے غصے کے لگی، درویش نے بادشاہ کے آگے جہاں وہ بیٹھا تھا، بے پروائی کے ساتھ پاؤں پھیل دیا، جب بادشاہ درویش سے مل کر واپس چو گیا تو اس کے بعض ہم نشینوں نے عرض کیا کہ قہر! بادشاہ آپ کو چپے بیال بانے کی بجائے خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، آپ اس کی تکریم و تعظیم نہ فرماتے مگر آپ نے تو اس کے آگے پائے مبارک کو دماز فرمایا، درویش نے جواب دیا، لوگوں نے مجھے جلتے اور تعظیم و استقبال کے اصرار میں جانتا ہوں، مگر حدیث خریفہ ہے۔ — التکریم للستہ صمدتہ — تکریم شخص کے ساتھ تکریم سے پیش آنا نیکی کا کام ہے ایک کس حکم کی تعمیل مقصود تھی، مگر بادشاہ اور دوسرے دیکھنے والوں کو یہ جتنا منظر دکھا کہ دینا سے شخص اتنے گھٹنے لیتا ہے وہ بادشاہ وقت کے آگے پاؤں پھیلا سکتا ہے!

جاسرہ کے مجدد خلافت میں ایک خلیفہ جو علماء اور متبحروں کو تحفے اور ہدیے بھیجا کرتا تھا، اسے ایک مسئلہ میں حلیہ دین سے فتویٰ کی ایک خصوصیت لاقی ہوئی، مذہب متعلق بادشاہ کی مرضی کے مطابق فتویٰ مرتب کر کے علماء کے یہاں پہونچا۔ بہت سوں نے اس فتویٰ کی تعریف کی تھی مگر دے دے مگر ایک عالم نے انکار کر دیا، ذہینہ اور لکھا اعدا بات بڑھنے لگی تو وہ عالم دین گھر کے اندھا اعداں کے کچے ہونے سے قائل نہ ہو سکا اور ہدیہ ذہیر کے سامنے ڈالنے سے کہہ کر اس نے سلطان کی بھیجی ہوئی کسی ایک چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگا دیا مجھے معلوم تھا کہ ایک نہ ایک نالیا وقت آنے والا ہے آپ ان شاہی ہیلوں کو واپس لے جائیں، میں شرع کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا۔

یہ وہ علماء حق تھے، جن سے اسلام کی تاریخ تابناک ہے انہی کی حق پرستی کی بدولت سماج کے ان فحش و فحش و منہ پر، حضرت سیدنا امام ابوحنیفہؒ نے "حیث پنج" (یعنی انصاف) کے منصب جلیلہ کی پیشکش کو ٹھکرا کر اس کی بادشاہ میں عتاب ہشتابی کاٹ نہ بٹھا کر ان کی امتداد ان فحش و فحش کے گناہوں پر غصہ لگتا ہے (اعظم کثرت الہم)

سلمان ملک کے جن حالات کی تفصیل ہم چلی کی گئی ہے ایسے واقعات اور حقائق ہیں۔ جن میں نہ کسی مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اور نہ مغرور طریقہ کوئی بات زیب داستان کی خاطر بیان کی گئی ہے، جن حضرات نے ان ملکوں کی سیر و سیاحت کی ہے اور وہاں کے حالات کا پتہ لگایا ہے وہ

اس کی شہادت دے سکتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے، وہ نہ تو بے اصل ہے اور نہ مبالغہ آمیز ہے۔

ان حالات میں دین پسندوں کا شکستہ خاطر اور غمزدہ دماغ، فطری بات ہے، مگر اصل اصرار کو غبار اور دیکھ کر غریب کا دل پر کھٹتا ہے، یہاں تک کہ قرآن کریم بتاتا ہے، انیاد کو لازم تک گرویش کی ناسازگارہ کو دیکھ کر "متی نصر اللہ" یا آخر اللہ تعالیٰ کی مدد کے آگے گم ہونے لگتا ہے۔ لیکن اسلام پسند طبقہ میں دین کو تمام دہیا کرنے کا عزم رکھتا ہے، اسی دین نے کسی حالت میں بھی ہچکچاہٹ سے ہی چھوڑنے، اور بہت داسنے کی تعلیم نہیں دی، حالات کہہ دیں، امر باحق اور بکر سے ہونے کیوں نہ ہوں، اصلاح حال ہی کے لئے کوشش کرنا دہنا چاہئے، اقامت کے دن یہ سوال نہیں ہوگا کہ حالات تم نے بدل کیوں نہیں دئے؟ کیونکہ حالات کا بدلنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، ہم یہ سوال ہوگا کہ حالات کی تبدیلی کے لئے تم نے کیا کیا؟

جن حکوں میں جس قسم کی بھی جہادیت باقی باقی ہے، وہ ان آئین و قانون کے حدود میں رہ کر تبدیلی اور اصلاح طلب، جہاد جہاد پر مشہور کا حق ہے، یہ منزل کوئی خشک نہیں بڑے صبر و تحمل اور ضبط نفس کی طلب ہے، یہاں ہر قدم پر دشمنوں اور اہل کثرت یوں سے دھچکا رہنا پڑتا ہے، پھر کولیٹوں کے علی الرغم مخالفت لانے کے لئے ہر رتبہ سے صبر سے ذلیلہ کو استعمال کر سکتے ہیں، اسلام پسندوں کو تبدیلی حالات کے لئے تیار اور مہیا زندگیوں سے کام لینا چاہئے، نیکی کا حصول، نیکی کے راستہ اور واسطہ ہی سے ہونا چاہئے، غمزدہ دماغ اور مہیا جان و تنہید میں بھی شائستگی کی نمود اور اہل اللہ والحق اللہ کا رنگ اور اس نظریہ کی پوری طرح جھلک، انہی بیچ اور غیر خواہی کے جذبہ سے جہاد جہاد کی جاتی ہے، ایک نہ ایک دن کسی نہ کسی شکل میں ضرور جیس وقت ہے، اسلام آج چلانی کو نہیں انہی کو بھی "مطلبہ" یعنی اجنبی نظر آتا ہے اس کے تعارض اور شائستگی و تبلیغ کی ذمہ داری اسلام پسندوں پر عائد ہوتی ہے، جہاد جہاد اور مسلسل جہاد جہاد جہاد کی فکر کو کسی طرح اللہ کا دین، غالب ہو جائے، یہاں تک کہ اسی منزل میں موت آجائے، اصلاحیہ بالغیر جو یہی ان انسانوں کی مدد، مسلک اور طرز زندگی ہے، جن کو قرآن میں "اولئک ہم المفلحون" کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ میں ان فلاح پانے والوں میں شان ہونے کی توفیق عطا فرماتے (آئین)

امیر اتحادی

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ



آزمودہ دواؤں کا مرکب انساجمین



سرور۔ کمزور۔ دانت کا درد
ایام۔ انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقینی زود اثر اور بے غرر علاج ہے

Spacie

۱۹۵۹

ذہنی الجھاؤ اور سلبی تفکر (۲)

دنیا کے تمام وسائیر کا پہلا نکتہ حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ (SOVEREIGNTY) کا تعین ہوتا ہے، سیاسی اصلاح میں حاکمیت کا مفہوم ہے اس کی وضاحت کے لئے چند سیاسی مفکرین کی آراء و نقطہ ہائے نظر نقل کرنا مناسب ہوگا۔

اقتدار اعلیٰ یا حاکمیت جس کو انگریزی میں سائورٹی کہتے ہیں لاطینی لفظ SUPRANUS سے ماخوذ ہے جس کے معنی اعلیٰ۔ قانون اور بہتر کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ بوڈین (BOUDIN) نے اقتدار اعلیٰ کی تعریف یہ کی ہے کہ شہریوں اور عہدہ دار پر ریاست کا ایسا حق جو قانونی حدود میں سے آزاد ہو۔ دوسرے مفکر ملکر الیٹ (GILCHRIST) کے نزدیک تعریف یہ ہے "یہ وہ ذی اختیار ہے جس کو از روئے قانون قطعی اور آخری حکم نافذ کرنے کا اختیار ہو۔" روسو (ROUSSEAU) کے نزدیک اقتدار اعلیٰ ناقابل منتقل۔ ناقابل تقسیم ناقابل خطا اور مطلق العنان ہوتا ہے۔

اقتدار اعلیٰ کی اس تشریح کے بعد یہ بات قطعی ہو جاتی ہے کہ اسلام میں نہ تو کوئی شخص یا ادارہ قانون سے بالاتر ہو سکتا ہے اور نہ ناقابل خطا اور مطلق کیونکہ اگر کسی کی نسبت یہ تمام حقوق تسلیم کر لئے جائیں تو پھر تشریف کی قائم کردہ حدود و حدود دولت و حوریت کا اس کو پابند نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے اسلام میں یہ حق صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مختص ہے۔

الذی ملکت السموات والارض وللمتحنون
وللداء وللمکین للمشیئ فی الملک -
والفرقان

وہ جو زمین اور آسمان کی بادشاہی کا مالک ہے جس نے
کسی کو بیٹھا نہیں بنایا ہے اور جس کی بادشاہی میں کوئی شریک
نہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم
الکافرون (المائدہ)

اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہ
کریں وہی کافر ہیں۔

ان آیات مقدسہ صحیحہ واضح ہوتا ہے کہ زمین کی فرماں رسانی اور حاکمیت صرف خدا کے لئے ہی ہے اور چونکہ وہ ہی مقتدر اعلیٰ ہے اس لئے اس کے نازل کردہ احکام اور ہدایاں میں کا ذکر قرآن اور سنت میں موجود ہے قطعی اور آخری حیثیت رکھتی ہیں جن میں کوئی بھی تبدیلی کا مجاز نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ فراموشانہ کے ساتھ یہ دعویٰ فرما رہے ہیں کہ اسلام امت مسلمہ کو کوئی دستور یا حکم نہیں دیتا وہ بتائیں کہ قرآن کے اس فیصلہ پر ان کے دل سے کیا ہے اور قرآن کا فیصلہ کردہ یہ نکتہ ایک دستور یا معاملہ ہے یا نہیں ؟

دستور کے ضمن میں دوسری بات جو بر حکومت کر لے کرنی ہوتی ہے وہ یہ کہ ریاست کا مقصد دو دیکھا ہے۔ بادشاہی نظم میں یہ مقصد شخص واحد کی سلطنت و عظمت کی برتری عرب و جلال کا تفرق عیش و نشاط کی فراوانی کا خالق حصول اور خزانہ کو مال و لذت سے محروم کرنے کی فکر ہے، مغربی جمہوریت میں محبت و مساوات کا حصول سیاسی حقوق و فرائض کی منصفانہ تقسیم اور رائے عامہ کی برتری ہے۔ اشتراکیت میں معاشی مساوات کا جو ہی نظم اور پروتانیہ کی سیاسی فوجیت کا تصور ہے مگر اسلام ان سب کے بالمقابل ایک ہم گیر پاکیزہ نظم یہ دیتا ہے۔

الذین ان ملکنا محمد فی الامن الیمہ الصدقة
و اتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نہوا عن المنکر

وہ لوگ جن کو اگر ہم نے زمین پر ظلم و تمکین دیا تو یہ بخدا
قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے اور اچھائیوں کا حکم
دیں گے برائیوں سے روکیں گے۔

اسلامی ریاست کے مقصد و جو دو چار حاجت الفاظ تقیہ صلوٰۃ، امانت زکوٰۃ، حکم نیکو کاری اور امتناع بدی میں ادا کیا گیا ہے۔ زیادہ حالات کا یہ توقع نہیں ہے مگر یہ چار باتیں انسانیت کو ایسے پاکیزہ اور تعمیری معاشرہ سے روشناس کرا سکتی ہیں جس کی آج اس کو سب سے زیادہ تلاش ہے پہلی بات نماز انسان میں عجز اور بندگی کا احساس پیدا کرتی ہے اور اسے اس میں مجبوری حیثیت سے ایک ایسی سوسائٹی معرض وجود میں لاتا ہے جس میں حاکم و محکوم، مطیع و مطاع، آقا و بندہ اور بلند و بلند کے فرضی امتیازات کی کوئی گنجائش نہیں رہ سکتی اور جس کے اندر ہر فرد باطنی و سطحی طور پر جو جاتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی بنیاد پر جو دایا گیا نظم و جو میں آتا ہے وہ ریاست کے ہر فرد کو کفالت و تکسیر احتیاجات کی ضمانت فراہم کر کے معاشرہ کو معاشی نا ہمواری سے بچاتا ہے۔

انسانی سوسائٹی اس وقت تک تعمیری استحکام حاصل نہیں کر سکتی جب تک اس کو مسلمہ برائیوں سے بچا کر نیکی کی مسلمہ اقدار سے بہرہ ور نہ کیا جائے، جس سوسائٹی میں برائیوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے اس کی زندگی میں نقش بر آب سے زیادہ نہیں ہمارا کہتی اس لئے اسلامی ریاست کا یہ اولین فرض ہوتا ہے کہ وہ برائیوں کا خاتمہ کرے اور اچھائیوں کو فروغ دے۔

کسی دستور کا تیسرا اہم مسئلہ حکومت کے قانون سازی کا دائرہ عمل (LEGISLATIVE JURISDICTION) ہوتا ہے، اس ضمن میں اسلامی حکومت اُن تمام قیود اور حدود کی پابند ہوگی جن کی دفاع و ترقی قرآن و حدیث میں موجود ہے مثلاً زنا، شراب نوشی اور جوار وغیرہ قابل تفسیر اور منزع تصور ہوں گے ان کے جوڑ کے لئے کوئی قانون بنا دیا ریاست کے دائرہ اختیار سے باہر تصور ہوگا کیونکہ اسلامی ریاست بذات خود مقتدا و اعلى (SOVEREIGN POWER) نہیں ہے بلکہ اقتدار الہی کی نیابت کی منظر ہوتی ہے اور یہ ظاہری بات ہے کہ کسی اعلى (SUPREME) کا حکم اور فی یامخت (SUBORDINATE) منزع نہیں کر سکتا۔

وہا کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ
امر ان یكون لہم النجیۃ من اصرہ

کچھ مومن یا مومنہ کا یہ کام نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا
رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لئے کوئی اختیار یا پسند
کا موقع نہ جائے۔

والا احزاب

البتہ ریاست اسلامی کسی دستوری بات کی تفصیل و تعبیر (DEFINITION) یا اس لئے طریقہ کار (PROCEDURE OF IMPLEMENTATION) یا اس لئے انتظامی قانون (ADMINISTRATIVE LAW) وغیرہ بنانے کی مجاز ہوگی مگر اس کا کوئی قانون قرآن و حدیث کے کسی حکم کے خلاف (REPUGNANT) ہوگا اس قانون کو قطعی غیر نافذ (INVALID) تصور کیا جائے گا۔
کسی دستوری بات میں کسی طرح کی ہمتی ہے کہ انتظامیہ اور عدلیہ کا دائرہ عمل کیا ہوگا۔ اسلامی حکومت میں انتظامیہ و عدلیہ کے نفاذ و تحفظ اور

معاشرہ کی اسلامی تربیت و عادلانہ نظم و نسق کی زبردست ضرورت کوئی ایسا حکم دینے کی مجاز نہ ہوگی جس کے تحت حدود و انتہی کی خلاف ورزی ہو۔
ولا یصلحوا امرا للفساد الذی یفسد دن فی الامر حق ولا یصلحوا الشرا
ایمان حد سے گنہ گار نہ ہونے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کر
بوزین میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔ اصلاح نہیں کرتے۔
بجانب عدالت کا کام بھی یہ ہی ہوگا کہ وہ انفسار و اجتماعی معاملات یا کسی نواحی معاملہ میں جس کے تحت فرد اور انتظامیہ (EXCLUSIVE) میں اختلاف ہو قرآن اور سنت کی بنیاد پر اپنے فیصلوں کو صادر کرے۔

نا حکمہ بینہم بما انزل اللہ ولا یتبع اھواء
ہم عما جاءک من الحق۔
پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق
نیکھ کر اور حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے لوگوں کی
خواہشات کی پیروی مت کرو۔

شہریوں کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کا تعین بھی ایک دستوری مسئلہ ہے اس معاملہ میں بھی قرآن اور سنت کا مسلک بالکل واضح ہے۔
اسلامی ریاست چونکہ ایک نظریاتی (POLITICAL) یا اصولی بنیاد پر اپنا اجتماعی نظام تعمیر کرتی ہے اس لئے وہ سیاسی حقوق (POLITICAL RIGHTS) میں مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز رکھتی ہے۔ آخر ایک نظریاتی نظام میں مملکت کے کلیدی عناصر آپ ان لوگوں کو کہیں کر دے سکتے ہیں جو اس نظام کی بنیادی باتوں پر ایمان اور یقین نہ رکھتے ہوں، ہر نظریاتی نظام اپنے اصولوں کے تحت اور ہنگامے کے لئے یہ اقدامات کرنا ہے آج بھی اشتراکی اور سوشلسٹ حکومتیں اس مسئلہ میں بطور نظریہ پیش کی جا سکتی ہیں۔ بہر حال اسلامی ریاست میں کلیدی اہل دین لوگوں کو فائز نہیں کیا جاسکتا جو اسلام کو اپنا دین نہ تسلیم کرتے ہوں۔ اس کے علاوہ تمام شہری حقوق (CIVIL RIGHTS) میں اسلام مسلم اور غیر مسلم کے درمیان مکمل مساوات قائم کرتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے شہریوں کے مندرجہ ذیل حقوق ہیں۔
۱) شہریوں کا یہ حق ہے کہ ان کے جان، مال اور عزت کا تحفظ کیا جائے اور بغیر کسی قانونی جواز نہ چارہ ہوئے کے ان کو اس حق سے محروم نہ کیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان دعاءکم و اموالکم و اعراضکم
حرام کسرۃ یومکم هذا
تمہاری جانیں تمہارے مال اور تمہاری عورتیں ویسی
ہی صورت رکھتی ہیں جیسے بج کے اس دن کی حریت۔
رہ (شخصی آزادی کا تحفظ اور احترام نفس۔ اسلامی معاشرہ میں ہر شخص جائز حدود میں حریت اور احترام کا مساوی حقدار ہے۔ کسی فرد کو اس حق سے محروم نہ کیا جائے اور عدل و انصاف کے مسئلہ تقاضوں کی تکمیل کے بغیر محروم نہیں کیا جاسکتا بغیر اس کے ہر تعزیری یا امنائی اقدام ایک غیر عادلانہ فعل ہوگا جو قرآن کے قیام عدل کے حکم سے متصادم ہوتا ہے۔

انظروا یا مسر بالعدل والاحسان (النفل)
یہ ہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ
لا یرسر احد فی الاسلام بغیر عدل
اللہ حکم دیتا ہے عدل اور نیکی کا
اسلام میں بغیر انصاف کے کسی فرد کو تہذیب نہیں کیا جاسکتا۔
(موطا۔ باب شروط الابدان)

۲) اسلامی ریاست میں ہر فرد کو ذمہ داریاں نظم و نسق کی غلطیوں اور بد اعمالیوں پر تنقید و اعتراض کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے کیونکہ اظہار خیال کی آزادی ہر فرد کا مساوی بنیادی حق ہے جس کو غم کے کسی مخصوص طبقہ کو عمومی احتساب و نقد سے بالاتر قرار دینا نہ صرف فرد کے نظریاتی حق کی نفی بلکہ قیامت کو کھلی دعوت دینا ہے۔ حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما من قوم عمار بالمعاصی و فیہم من یقصد
ان ینکر علیہم نظم یفعل بلا فی فکر ینہم
اللہ بعد ان من صدق
۱۳ اسلامی سیاست کا ہر شعبہ کی بنیاد کی ضروریات زندگی کی ضمانت کا حقدار ہے۔ کوئی شخص حالت اور گردش کا شکار نہ ہو جائے تو اس کی کفالت کی ریت
ہندہ داری ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

السلطان دینی من لا دینی لہ
من ترک کلاً ذلین
چنانچہ خلافت ماثبتہ میں معذرت اور اطفال وغیرہ کے دفاع کا تعین اس کی مثال ہے۔

حق شہرت کا مسئلہ بھی ایک کستوری موضوع ہے اسلام اس حق کے لئے شخص وطنی (Jahid - Jami) یا نسل بنیاد (Jahid - Jami) کو تسلیم نہیں کرتا چونکہ وہ ایک بہرہ نظر باقی نظام کا دھار ہے اس لئے حق شہرت کی بنیاد وہ نظریہ کو تسلیم کر دیتا ہے ملک، نسل یا خاندان کو نہیں
تفصیل کے لئے سورہ الانفال - ۷۲ کا مطالعہ کیا جائے۔

سرباہ مملکت کے طریقہ کار تعین اور اس کی شرائط پر کستور کا ایک بنیادی مسئلہ ہے اسلامی نقطہ نگاہ کو سمجھنے کے لئے یہ تصدیق ناگزیر ہے
کہ اسلام میں اجتماعی نظام کی نوعیت اور حقیقت کیا ہے۔ انسانی تعمرات نے حکومت کی آج تک معنی اور جیسی صورتیں جنم دی ہیں ان سب کے اند
یہ تسلسلہ موجود ہے کہ وہ کسی سطح پر سراسر اختیار یا مکرانی کسی طبقہ، کسی نسل یا خاندان اور گروہ تک محدود کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں
انسانی معاشرہ کی عظیم کثرت ایک قبیلہ طبقہ کی بندگی پر مجبور ہوجاتی ہے۔ اسلام بنی نوع انسانیت میں شخصی یا طبقہ ذاتی تعزین کو تسلیم نہیں
کرتا بلکہ پوری بنی نوع انسانیت کو روکے اور اس پر خدا کی نیابت کا حقدار قرار دیتا ہے۔ انی جاحض فی الامرض خلیفہ۔

ہر وہ شخص جس میں ذمہ داری سے تکرار اور کثرت اختیار نہیں کرتا، خدا اور اس کی وحی و رسول پر ایمان لا کر اور اس کے نازل کردہ قوانین
کے اتباع و عمل کی زندگی اختیار کر کے اپنے نائب ہونے کا اقرار ہی عہد (۱۹۶۱-۱۹۸۸) کر لیتا ہے وہ خدا کی عطا کردہ خلافت
میں سادہ شریک کا ہوتا ہے ہی وجہ یہ کہ قرآن کی وحید خلافت میں تکالیف واحد یا فردی نہیں بلکہ تکالیف جمعیہ و انفرادی ہے۔

وہی الذین امنوا منکم و عملوا الصالحات
لیست تظلمون فی الامرض کما استظلمت الذین
من قبلہم
وہی کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں
تم میں سے اور اچھے عمل کئے ہیں کہ خلیفہ بنائے گا ان کو
زمین پر جیسا کہ خلیفہ بنایا ان لوگوں کو جو اس سے پہلے تھے۔

نامتوں میں خلافت چونکہ ایک مشترکہ حق ہے لہذا امت کا اس لئے امت ہی اس بات کی حقدار بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ اپنے ایمان پر خلافت
نظم و نسق کے لئے سرباہ منتخب کرے اگر کوئی شخص بغیر انتخاب و مشاومت امت کے شخص فرد واحد کی ذاتی پسند و ایثار پر سرباہ بنا دیا
تے تو یقیناً خلافت کے اس مشترکہ حق کی نفی ہو جائے گی جس کے تحت خلافت موجود صورت فرد واحد کا نہیں بلکہ لہری امت کا حق ثابت ہوتی ہے۔
اب اگر تسلیم اور ثابت شدہ بات ہے کہ خلافت امت کا مجموعی حق ہے، فرد واحد کی ملکیت نہیں تو پھر جو واحد و احدی صاحب کی یہ منطبق کم
ہماری فہم سے بالاتر ہے کہ ایک طرف تو خود بھی خلافت کو امت کا مشترکہ حق تسلیم کریں اور دوسری طرف سرباہ خلافت کو اپنے جائزین کی نامزدگی
تو بغیر امت کی رضا مندی کے سپرد فرما کر خلافت کو فرد واحد تک محدود فرما دیں، یہ عجیب چیز ہے کہ خلافت کے نظم و نسق کی ذمہ داری
شخص کو بطور امانت تو لیں کی جائے مگر وہ شخص امت کی اس امانت کو بھی ذاتی ملکیت کی طرح جس کو چاہے منتقل کر دے۔ جن لوگوں اسلامی

خلافت کی نوعیت کو نہیں سمجھا ہے وہ اسلامی نظام کے متعلق اس قسم کے پہلے تصورات۔ کچھ ہوں تو کوئی تعجب نہ پہنچا جائے۔
حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا تصور حکومت شریعتی ہے، اس شریعت کے تحت سہولہ مملکت قطعی طور پر تمام معاملات و بہات میں مشورہ کا پابند ہے۔ خود قرآن حکیم نے یہ حکم دیا ہے۔

وَمَا مَرْسَمٍ إِلَّا مَعَهُ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَشْكُرْ عَلَى اللَّهِ
اور معاملات میں مشورہ کرو پھر جب تم عزم کرلو تو اللہ کے
بجور سے پرستار کرو۔
آل عمران ۱

ممکن ہے یہ خیال پیدا ہو کہ مشورہ ایک رسمی بات ہوگی۔ اگر صرف مشورہ ایک لفظ کا وہ کام تھا ہوتا تو کبھی قرآن حکیم اس کو تاکید یا انداز میں بیان ہی کرتا
دوسرے یہ کہ وہ شریعتی کو اسلامی نظام کی نمایاں خاصیت۔ CHARTERIST قرآن میں ہے۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ
وہ تمام معاملات باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں۔
اس لئے شوری کے متعلق یہ غلط فہمی نہ رہنی چاہئے کہ یہ ایک رسمی عمل ہے جس کی نفاذ کے بعد سرباہ مملکت کو اقدام کے لئے شخص ذاتی رائے
پر اعتبار کر لینا چاہئے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوری کی حقیقت اور عمل کی تشریح فرمادی ہے چنانچہ جب بعض صحابہ کرام نے حضور سے
آیت شاورہم میں فاذا عزمتم فتشکل علی اللہ کی تفسیر چاہی تو حضور اکرم نے ابتدا فرمایا کہ

فتشاکل اہل السنۃ شہرۃ اتباعہم
اور تابعین اس کی تفسیر (ص ۲۲۰)

میرا یہ خلافت کی رائے کوئی شک نہیں وقت رکھتی ہے، مگر رائے عامہ پر اسے مقدم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت
صحابہ جن میں رضی اللہ عنہ کے تفسیر کے معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوری سے خطاب فرمایا اس میں صاف صاف کہہ دیا کہ
ما فی فیما لہ فیہ اذی کا حد کہہ
جن امینوں میں نازل نہیں ہوئی ہے اس میں میری رائے تم
لوگوں کی ایک رائے کے برابر ہے۔
در مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۹ کتاب المناقب ج ۱ ص ۱۷۸

اسی بنیاد پر ہمیشہ اسلامی مفکرین نے تمام امور و معاملات میں شریعت کے تقدم کو تسلیم کیا ہے۔ ابوبکر البصامی نے شوری کے متعلق کہا کہ
وفی ذلک العزیمۃ عقبیت المشاورۃ ولا لیت انہا
قرآن میں عزم کا ذکر جو شوری کے بعد ہے اس بات کی دلیل
ہے کہ عزم یا فیصلہ وہی معتبر ہوگا جو شوری کی فیصلہ کا نتیجہ ہو۔
صدرت من المشورۃ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۵۰)

چھٹی ہجری کے معروف اسلامی قانون دان ابن علیہ کی رائے ملاحظہ ہو۔
ان الشوریۃ ہی من قواعد الشریعۃ وحق اہل الاحکام
شوری شریعت کے قانون میں ایک اساسی قانون ہے اور
حکومت کے فیصلوں کی بنیاد۔
در بحر المحیط ج ۳ ص ۱۹

آخر میں ہجری کے عظیم مفکر علامہ ابن تیمیہ کی رائے کہ جس قدر فیصلہ کن اور جامع ہے۔

”اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہم معاملات میں شوری کے لئے مامور تھے اور معاملات حکومت میں شوری کے فیصلوں پر عمل فرماتے تھے تو دنیا میں
کبھی وہ شخص پیدا نہیں ہو سکتا جو شوری کی پابندی سے آزاد ہو۔“ (السیاست الشرعیہ ص ۷۷)

شریعت کی اس صراحت اور اہمیت کے بعد کیا عمر و احمد صاحب عیسیٰ کے نامزدگی کے فائدے کو درست تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ کیا خاتم بدین حضرت ابوبکر
رضی اللہ عنہ نے شخص اپنی ذاتی رائے اور مرضی پر اپنا جانشین نامزد کر کے قرآن اور سنت کی صراحت کو نظر انداز کر دیا ہوگا؟

میرا یہ کہ فیقین کا سوال معاملات اجتماعی ہیں، ایک اہم مسئلہ ہوتا ہے اور جب کہ قرآن اور سنت تمام معاملات میں شریعت کی پابندی کی تاکید

کر رہے ہیں تو یہ کوئی نکر یا دیکھا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام نے اس سے بے نیازی برتی ہوگی۔

پھر تو یہ ہے کہ واقعات کے اختلاو و غلط تاویلات سے اسلامی نظام زندگی کے تصور کو مخدوش نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ ایک صاحب ایمان کے لئے ہر صورت قرآن و سنت کی تعلیم رہنمائے اصول (DIRECTIVE PRINCIPLE) کا رہبر رہتی ہے۔

یا ایہا الذین امنوا استجبوا للرب ولسرولی اذا دعاکم
لیا بھیکم (الانفال ۲)
اے صاحب ایمان !! ایک کھرا اللہ اہد رسول کو جب وہ تمہیں

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصلحت کے بعد مسلمانوں کے سامنے سربراہ کا مسئلہ آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کوئی جانشین ناخود نہیں فرمایا تھا حالانکہ اگرنا مزدگی اتھی اجم بات ہوتی کہ وہ انتخاب استہ پر تقدم رکھتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ حضور قولا و عملا اس کی وضاحت نہ فرماتے مگر ایسا نہ ہرنا اس بات کی حکم و قاطع دلیل ہے کہ حضور چونکہ خلافت کو امت کا فقی حق تصور فرماتے تھے اس لئے آپ نے سربراہ خلافت کے تئیں میں امت کے عمومی احساس کو مدہ عمل دیکھا ہی پسند فرمایا۔

یہ بات بالکل ہنس انداختی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب محض چند افراد کی پسند کا نتیجہ تھا۔ ابوبکر کی زندگی کا ہر مرحلہ احادیث کی نصائح کا علم تمام لوگوں کو اچھی طرح تھا اسی بنا پر امت میں جو مقبولیت ادبائے گاہ رسالت میں جو قربت آپ کو حاصل تھی وہ بھی کوئی غمی بات نہ تھی خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امشا و بھی مصروف تھا کہ

وذر لی من اهل الامر من فابوبک و عمر
روئے زمین پر ابوبکر و عمر میرے وزیر ہیں۔
(اسد الغابہ - ابن اثیر ج ۲ ص ۲۱۳)

عوامی تاثرات بھی یہ تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے ہی سویرے تھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول عوامی تاثرات کے اُن کے قی میں ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

کنتا نحمد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خیبر هذا الاصلہ شہ ابوبکر و عمر -
(اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۱۴)

دوسری جگہ آتا ہے کہ

کنتا نقرئ فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من یكون اولی الناس بهذا الامر فنقول ابوبکر
ہم مہمما التئیں یہ بحث کرتے تھے کہ آپ کے بعد ریاست کی
فہرہ وادی کے لئے کون مناسب ہوگا تو ہم سب کی زبان پر ہوتا
تھا کہ ابوبکر۔

اس مقبولیت اور حیران حائر کے اس جھکاؤ کے بعد کو یہ کہہ سکتا ہے کہ ابوبکر کا انتخاب صرف چند اشخاص کی پسند کا نتیجہ تھا اور اس میں امت کی رائے و عمل کو کوئی دخل نہ تھا۔ درحقیقت ابوبکر کا انتخاب مسلمانوں کی رائے عامہ کی کا نتیجہ تھا اس رائے کے حصول کے ذریعہ اندو سائل میں اختلاف تو ہر سکتا ہے یعنی یہ لوگ نہ رائے اور وسائل سے عام رجحانات کو محسوس کیا جاتے مگر جو شخص اس معاملہ میں سواد امت کی رائے کی برتری کو نظر انداز کر کے شخصی رائے کے تقدم کا جواز نہ دیتا ہے وہ قرآن و سنت کی تعلیم و ترویج حقائق سے یقیناً لاعلم ہے۔

بحث کے اس مرحلہ پر مزید توضیحات سے پہلے چند سوالوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

۱) خلافت امت کا حق ہے یا کسی فرد کا ؟

معتبر و مختصر شخصیت ہیں۔ حیثیت کے دیتے ہیں جس کو وہ امانت کا اہل تصور کرتے ہیں۔ یہاں حکومت کا اجتماعی فیصلہ ایک فرد یا شخصیت منفرد کے وجود میں عمل پیرا ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں فرد حقیقتاً صحیح معنوں میں تمام قوم کا نمائندہ کہلا سکتا ہے۔

(مسلمانوں کے سیاسی اوتھورٹی۔ پروفیسر رشید)

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی یہ رائے ہے۔

”مختصر شخصیات منگوانے کے علاوہ خلفاء کا عام مجمع میں انتخاب۔ آنکلاوی و حریت کے ساتھ ان کے احکام و اعلیٰ کا انعقاد۔ امیر مہم میں خلفاء کا اہل الراسۃ اور ارباب محل و حلقہ سے استشارہ بیت المال کی شخصی صورت اور اس کے خزانہ کا مقرر یہ ہونا اس امر کا حکم ثبت ہے کہ اسلام میں حکومت جمہور ملک کی طاقت کا نام ہے۔ ان تمام تعریضات میں تم دیکھتے ہو کہ انتخاب خلیفہ کے لئے انتخاب عام و مشورہ ابن محل و عقد کے ساتھ خلیفہ سابق کے تعین کو بھی ایک صحیح شکل قرار دینا ہے۔ حاصل ہاں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کی مثال پیش نظر ہے لیکن غور کیجئے تو حضرت عمر کے لئے حضرت ابو بکرؓ کی تحریک کی لیکن اس پر تمام محل و حلقہ اور پھر عامہ مسلمانوں نے پسندیدگی کا اظہار کیا اس لئے وہ بھی تعین شخصی نہیں بلکہ بمنزلہ انتخاب تھا اس بنا پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام نے سوائے انتخاب عام کے اور کوئی صورت تعین خلفاء کی قرار نہیں دی۔ (مخاطبات الہدای ص ۱۹)

علامہ ڈاکٹر مسیح سلیم پاشا کا نقطہ نظر قابل فہم ہے۔

”یہ بیان کرنے میں کسی شخصیت یا دلیل کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ حکومت کے حامی اور کارگر ہونے کی ایک شرط ہے یہ کہ اس کی عنان شخص واحد کی طرف ہو تو دوسری اتنی ہی ضروری شرط ہے کہ صاحب حکومت کو قوم منتخب کرے یہ قوم کا قطعی طعن پر مبنی ہے۔“

اسلامی حکومت کی عملی تشکیل ص ۱۵

مشیر احمدی مفتی علامہ ڈاکٹر مسیح سلیم پاشا کا نقطہ نظر مذکور نہیں کیا جاسکتا۔

”جسٹس عالمی کا اصول یہ ہے کہ حکومت قوم کے آزادانہ انتخاب کی بنا پر وجود میں آئے نہ وہ آزادانہ انتخاب کی پوری نمائندہ ہو مگر ان جمعیہ میں تم میں سے دستکم ۱۲ ایک امیدوار۔ اس کا تعلق پوری قوم سے ہے کسی خاص طبقہ یا گروہ سے نہیں۔“ (اسلامی مملکت کے بنیادی اصول ص ۶۷)

محمود حمای صاحب نے امت کے حق انتخاب کے بطلان کے لئے بعض واقعات سے بھی استدلال کیا ہے۔ نجاشی کے قہر اسلام کے واقعہ کو رد ابطال انتخاب کی دلیل میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اسلام میں مشوریت امت کی رائے کی اہمیت ہوتی تو نجاشی کو قبول اسلام کے بعد سربراہی سے محروم کر دیا جاتا اور ایسا نہ ہوتا عجمی صاحب کے نزدیک امت کے حق انتخاب کی نفی کی دلیل ہے۔ اس شخصیت طلب بحث سے پہلے یہ فیصلہ ناگزیر ہے۔

۱۔ کیا عہد رسالت میں مسلمانوں کی دو جدا جدا خلافتوں کا وجود تھا یعنی مسندین عرب کی خلافت اور سرزمین حبشہ کی خلافت ؟

۲۔ اگر دو مملکت دو جدا جدا نہیں بلکہ ایک ہی خلافت تصور ہوں گی تو خلافت واحدہ کے لئے دوسرا راہ کیسے ممکن ہوں گے ؟

۳۔ کیا نبی کی زندگی میں کسی قرأت کے لئے خلافت کی سربراہی کا جواز ہے ؟

پھر حال اگر عروا اور عجمی صاحب تذکرہ بلا رسالت کی وضاحت کر دیں تو قرآن کے استدلال کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی کہ وہ کس قدر نہیں اور یہ صحت سے کہ قبل اسلام اندھنیا اگر صل اللہ علیہ وسلم کی میت کے بعد نجاشی کی پولیشن ایک آزاد سربراہ مملکت کی حیثیت میں باقی نہیں رہتی ہے بلکہ خلافت اسلامیہ کے ایک حلقہ کے حاکم یا والی (HEAD OF THE REGION) کی ہر جاتی ہے جو مرکز کے تابع عمل ہوتا ہے اس لحاظ سے عہد رسالت میں مختلف علاقوں میں متعدد حاکموں یا والیوں کا وجود ثابت ہے۔ اصل موضوع بحث یہ نہیں ہے کہ خلافت کے کسی علاقائی حاکم کا اقتدار انتخاب سے ہو بلکہ موضوع بحث تو یہ ہے کہ خلافت کے سربراہ کا انتخاب امت مسلمہ کا حق ہے۔ ان معنوں میں نجاشی کے واقعہ سے استدلال سرسراٹیک ہے ملان دیں ہے۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ ہم کو تاریخ سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حبش کے بادشاہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ملک کی ہابا اسدوسرے افراد نے بھی اسلام قبول کیا تھا۔ کسی تاریخ شہادت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی اس لئے ایک ایسے ملک میں جہاں صرف بادشاہ منکنت چند گنتی کے کاف ملہ مسلمان ہوں انعقاد خلافت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نہ کہ خلیفہ کا سوال، کیونکہ اسلام کا سیاسی نظام اس معاشرہ خطہ ارض میں سے عمل آسکتا ہے جہاں اسلام کے ماننے والے غالب یا سمرقند میں ہوں جہاں یہ صورت نہ ہو وہاں مسلمانوں کی رائے کا زوال ہی بے عمل بات ہے کیونکہ انتخاب خلیفہ کے لئے مسلمانوں کی رائے اسدست شرط ہے الغرض ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے نجاشی کے باقہ سے استدلال مضحکہ خیز بات ہے۔

باقی رہ گیا یہ سوال کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صرف اپنی ذاتی ایماء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو دیا تھا یہ ایک غلط فہمی ہے اس لئے کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس نقطہ نظر کے قائل ہوتے تو اس ضمن میں دیگر اصحاب سے مشورہ کی ضرورت ہی کی جاتی مگر آپ نے اس اہتمام فرمایا کہ خلافت کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت اسید بن خضیر، حضرت سعید بن زید اور بزرگ حلقوں کی نمائندگی کرنے والے سبہاء و سہا اصحاب سے مشورہ کیا جس کی تفصیل ابن اثیر (جلد دوم) میں دیکھی جاسکتی ہے اور جس کا مختار خود محمود احمد عباسی صاحب نے بھی کیا ہے کہ

”البتہ ایک آدھ حصہ پہلے بعض اکابر سے حضرت فاسقہ کے متعلق ضرور رائے لی تھی مگر اس طرح کہ انہیں انتخاب میں کوئی دخل ہو ان کو ولیٰ مہربانے کا آپ پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے“ (مجموعہ محمدی حدیث)

غرض کہ مشاہدات کا انکار خود محمود احمد عباسی صاحب بھی نہ کر سکے لیکن بات یہ ہے کہ اگر عباسی صاحب کے نزدیک یہ مشاہدات ایک ایسی تکلف تھی تو کیا یہی زائد نہ لگا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی ہو سکتا تھا ہرگز نہیں کیونکہ اولاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مشاہدات کے قرآنی حکم اور اس ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توضیحات اور طرز عمل سے لاعلم نہ تھے۔ دوم اگر مشاہدات اصولی نقطہ نگاہ سے سمجھتے اور محض ایک ایسی تکلف یا برائے نیت ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کیا ضرورت پڑتی تھی کہ مرض الموت کی مشاہدات میں بھی ان تکلفات پر کاسبہ ہوتے۔

سوم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرمان یا وصیت کا ان تمام باتوں کے بعد لکھا جانا یعنی تمکین مشاہدات کی اولیت اور موصوف کی تحسیر کا مرقع ہونا خدا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خدا مت مسلمہ کی مشاہدات سے اس لئے کو سربراہ خلافت کی تعیین کے لئے اس تصور فرماتے تھے۔

کیا ہم کو محمود احمد عباسی صاحب یہ بتا سکتے ہیں کہ اگر بالفرض امت مسلمہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وصیت کو نظر انداز کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بجائے کسی اور صاحب کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لیتی تو آخر قرآن الہدایت کی وہ کون سی دلیل یا احکام ہیں جن کی بنیاد ہدایت کے اس اصل اور خلافت کو کاہلوم یا غیر مؤثر قرار دیا جاتا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ ہونے کے لئے مسلمانوں کی اسی بیعت کو معتبر قرار دیتے جو امت مسلمہ کی باہمی مشاہدات کے فیصلہ کے تحت معرض عمل میں آئے۔

من ہایح رجلاً من غیر مشدس تا من المسلمین
جس شخص نے مسلمانوں کے مشدس کے بغیر کسی کی بیعت کر
لی تو اس سے وہ شخص خلیفہ نہیں بن گیا۔

در تہذیب جلد دوم ص ۱۰۰ باب رحیم الخلیفہ

خلاصہ یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دراصل تہذیب تہذیب امت مسلمہ کی رائے اسدست انداز کا جس چیز کو

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کہا جاتا ہے وہ فی الحقیقت ایک تحریک تھی جس کو قاتلِ وحیثیت (Loyal enemy) اس وقت حاصل ہوتی جب امت مسلمہ نے بیعت کے ذریعہ اس کی تصدیق کر دی۔ اہلِ امت ہندو بیعت اس کو قبول نہ کر سکتی تو حضرت نے اس کے قاتلِ بغاوت کا کوئی جواز فراہم نہیں کیا جاسکتا ہے۔

حکمتِ دین کے محترم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی اس تحسبی تحریک سے پہلے اسی لئے مشاeret کی تھیں کہ یہ کسی کو نہ آپ ایک اہم معاملہ میں مشاeret کی اس کی حیثیت کو کسی طرح نظر انداز کر سکتے تھے جبکہ موصوف رضی اللہ عنہ قرآنِ اہلسنت کے صریح احکام کے علاوہ خود ہر معاملہ میں ہمیشہ مشاeret ہی کے اصول پر عمل پیرا رہتے تھے جس کی ایک واضح نظیر وہ واقعہ ہے جس میں موصوف نے ہجرین کے مقام ہناجہ کے مرتدین کی معافی کا مسئلہ مشاeret کے بعد طے کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۱۲۰ باب ثلث بیعتیں) اگر بطریقِ مالِ بائین زکوٰۃ اور عیشِ آسامہ کا معاملہ زیرِ بحث لایا جائے تو بھی اس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذاتی رائے کے تقدم کی بنا پر مستعمل نہیں بنایا جاسکتا ہے کیونکہ اسلامی نظام کا یہ اثباتِ بنیادی اصول ہے کہ خداوندِ رسول کے حکم کے خلاف انفرادی یا اجتماعی کسی طبع پر بھی کوئی قانون سازی یا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ زکوٰۃ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا کھلا ہوا حکم قرآن میں موجود ہے۔ زکوٰۃ کا انکار صریح نص قرآنی کا انکار ہوتا ہے اس لئے خلافتِ اسلامیہ کا اولین فرض یہ تھا کہ وہ اس فتنہ کا سبب کرے بلکہ عیشِ آسامہ کے معاملہ میں حضرت آسامہ رضی اللہ عنہ کا نفسہ خود ہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چکے تھے اور خلافتِ اسلامیہ کا ہر حال یہ فرض تھا کہ وہ حضور کے اس فیصلہ کو اپنا نہیں بنائے اس طرح ان وظیفہ مندوں میں قرآنِ اہلسنت کے حکم کی واضح سرچشمی کے بعد ذاتی رائے کا سال ہی نہیں آتا۔ ذاتی رائے کے تقدم کا سال تو اس وقت ہوتا جب قرآنِ اہلسنت میں کوئی حکم صریح موجود نہ ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمل کو بھی اگلا نامزدگی کے لئے دین بنایا جائے تو یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی، اگر با فرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سربراہِ خلافت کو نامزدگی یا جانشینی کے تین کا اختیار ہے اللہ یہ اختیار ہر صورت میں نافذ نہیں ہوتا ہے تو سوال یہ ہے کہ ایک خالی عہدہ (SINGLY VACANCY) کے لئے خلیفہ کو صرف ایک ہی فرد نامزد کرنا چاہئے یہ کیسا متنازعہ ہے کہ خلافت کا عہدہ تو ایک ہے مگر اس کے واسطے نامزدگی ہے چھ افراد کی، اگر یہ کہا جائے کہ معاملہ چھ افراد کے باہمی فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا تھا تو آخر ایسا کیوں کیا گیا جبکہ خود حضرت عمرؓ اپنے جانشین کے تین کا قطعی امتناع ہی (FIRM REFUSAL) رکھتے تھے۔ کیا خاتمِ دین موصوف خود موزوں شخصیت کے انتخاب کی صلاحیت کے حامل نہ تھے؟ حالانکہ تمام اصحاب کے حالات ان کی خدمات اور پوزیشن کا آپ کو صحیح علم بھی تھا پھر کیا بات مانع تھی کہ آپ اپنا ذاتی فیصلہ ایک کے حق میں صادر فرما کر ذمہ داری سے عہدہ برآ کر لیتے۔ بلاشبہ ایک سادہ طریقہ کار (SIMPLE PROCEDURE) کو چھوڑ کر ایک پیچیدہ راستہ اختیار کیا گیا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام میں خلافت کی نوعیت کا علم تھا آپ جانتے تھے کہ خلافت اصل معنوں میں امت مسلمہ کا مجموعی حق ہے اس لئے تشکیلی مسائل میں اس کو ہر لحاظ سے سادگی و شریک کار ہونا چاہئے۔ اسی باعث اسلامی نقطہ نگاہ سے کسی کی سربراہی خلافت اس وقت تا توئی طور پر معتبر اور جائز ہوتی ہے جبکہ وہ بیعتِ عامہ کے تسلیم اپنے تکمیلی مرحلہ کو پہنچ جائے گویا خلافت کا معاملہ اس طرح دو مرحلوں سے گزرتا ہے۔ (۱) سربراہِ خلافت کے لئے موزوں و مناسب شخصیت کی تجویز (SUGGESTION) یہ تجویز امت مسلمہ کا ہر فرد پیش کر سکتا ہے جو نہ کہ پیشہ و خلیفہ بھی امت ہی کا ایک فرد ہوتا ہے اس لئے اس کو بھی تجویز پیش کرنے کا حق ہوتا ہے۔

(۲) پیش کردہ تجویز پر سامت کی رضا مندی جس کی شکل بیعت بھی ہے اور جس کے نتیجہ میں کسی کی خلافت پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ بیعتِ عامہ کے بغیر کسی فرد کی خلافت کی سربراہی کی قاتلِ تکمیل نہ ہونا خدا اس بات کا حکم ثبت ہے کہ اسلام میں انتخابِ سربراہِ خلافت کا قطعی

حق امت مسلمہ ہی کو پہلی فردا دھڑکے۔ اگر مازوگی یا جانشینی جبرہ خوف کی قانونی تکمیل کی اساس ہوتی اوجیت بعض ایک بے صابطہ یا اضافی کا دعائی، تو ہم کو خلافتِ راشدہ کی تاریخ میں اس بے ضرورت اور اضافی عمل کا وجود نہ ملتا مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے سرسبز باد کی بیعت عام ہوتی بھلا اس بیعت سے پہلے کسی بھی خلیفہ نے دنیا سنی امر کی ذمہ داری کا آغاز نہیں کیا۔

ساری کٹ کے بعد جو خلاصہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ

۱۔ قرآن نے صاف تمام معاملات میں شاہم فی الامر کا حکم دیا ہے جس کی پابندی ہی طرح لازم ہے جیسے سرکاری حکام کی پابندی کے ہم کی حکم کے لازم ہیں۔
۲۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے علاوہ ان امور کے جس میں وہی کے ذریعہ کوئی ہدایت ملی ہو وہی تمام معاملات میں مشاہدت کو صرف تعجب بخشتی ہے کہ امتی الامر میں اس کا منہ لانا التزام کیا جس کی ایک مثال آپ کا یہ استناد ہے۔

لو كنت صورا احدا و لغير مشوق لاصوت ابن ام
اگر میں کسی شخص کو بغیر مشورہ امیر بنا تو ابن ام عہد کو بناتا۔

عہد - (ترجمہ) کت بے اسباب

(۳) خلافتِ راشدہ میں بیعت کے وقوع سے قبل کسی خلیفہ کا برکات کا عملی حجاب نہیں تھا بلکہ یہ کہ اسلام کا نظام خلافت اشرفی نظام (ARISTOCRACY) عہد (OLIGARCHY) یا کثرت پسندی (TOTALITARIANISM) کی طرح کوئی محدود عنصر نہیں رکھتا ہے بلکہ وہ صحیح معنوں میں افلاکات کے ہر حقیر، اندر داری کے ہر امری اساسات و جذبات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

یہ اس بات پر غور نہیں کرنا چاہیے کہ اسلام کے کسٹم داری کے تحت خلافت کے لئے قرآن و سنت سے ثابت شدہ بنیادی اصولوں کا منکر نہ ہو مگر جب حال اس کے خلافت ہو رہا تو اصول کا کیا سہل شخص کی ذاتی طے انداز اسلام کا معیار بن جاتی ہے جس کے نتیجے میں کثرت اصولوں سے ہٹ کر عدم توازن اور انفرکٹ کا شکار ہو جاتی ہے اس کے متعدد نمونے ہم جناب عیسیٰ صاحب کی نگارشات میں دیکھ سکتے ہیں بطریقاً ایک حافریہ۔
جناب محمد صاحب کی صاحبیہ نظر ازیں کہ

من ذائق الجمعۃ شہراً فقد خلع ولعہ الاسلام من
جن شخص نے میری حاجت سے ایک ہفتہ بھی عید کی گئی اس اسلام
عنفۃ الان یرا صبح
کا جہان اپنی گردن سے اتار بیٹھا اس اس کے کہ وہ اپنے وقت سے
بائٹا جائے۔

یہ وجہ خلافتِ اسلامیہ کے خلاف خروج کے بارے میں ہے جبکہ کھڑے ہو کر لاکھ بشت ہمارے عامہ نہ ہو (مترجمہ محمود صفا)
منہج بالا حرات سے بات واضح ہوتی ہے کہ جناب محمد و احمد عیسیٰ صاحب کے نزدیک وہ خود جہل و استغافل قریض ہے جس میں صاحب خروج کی تعداد عامہ نہ ہو اگر وہ جب خروج کو مانے عامر کی تائید حاصل نہ ہو تو خود جہل و استغافل قریض ہوگا۔
کیا اسلام کا مجموعہ جہل و استغافل قریض ہو سکتا ہے ؟

اسلام ایک اصول پسندین ہے وہ اصول جس پر گہرائی تصور کرتا ہے وہ اس کے نزدیک ہر حال میں بانی ہوتی ہے خواہ اس کا ادنا ب کوئی فرد از خود کرے یا مانے عامر کی تائید سے کرے مثلاً چھری اسلام میں ایک پسندیدہ اور قابلِ تخریر حرکت ہے اگر اس خط حرکت کا ادنا ب کوئی شخص مانے عامر کی تائید سے بھی کرے تو اصولاً اسلام جس بات کو خط کہتا ہے وہ خط ہی شمار ہوگی جس مانے عامر کی تائید اصولاً خط کو پسندیدہ اور لائقِ تسلیم نہیں بنا سکتی پس اگر خروج اسلام میں ایک ناپسندیدہ شخص ہے تو اس کو ہر حال میں بانی تصور کیا جائے گا اگر جس چیز کو اصولاً پسندیدہ تسلیم کیا جائے گا ہے وہ مانے عامر کی تائید سے اچھا کیوں نہ کر بدل سکتی ہے جس میں فقط نظر کا اسلام میں کوئی عوار نہیں پاتے ایسے بعضی افکار تصور ملتا کہ اسلام جیسے اصول پسندین سے غریب کے لئے کیا ہے کسی بلا اصول و بنی ساخت اور اسلام کی اصولی ہدایت کو سرخ کرنے کی نامحسوس پرمحور کرنا چاہئے۔

در حفظہ اللہ بھلاوردی

مسلم بادشاہ اور امراء اور

رفاہ عام

رفاہ عام کے کاموں سے دل چسپی اسلامی تمدن کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ اہل دنیا کی تقریباً تمام اسلامی حکومتوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے حکمرانوں، مسلمان امراء اور مسلمان ہروداد اور ہر زمانہ میں رفاہ عام کے کاموں میں بڑی فراخ و صلی کے ساتھ حصہ لیا۔ تمام اسلامی ممالک بے شمار مساجد، مدارس، کتب خانے، خانقاہیں، شاخاں، کارسلاں، سرائیں، حمام، تالاب، کنوئیں، حوض، بستریں، بند، پل، نہریں، ان وغیرہ بناتے جاتے تھے، ہٹے بڑے اوقاف مقرر کرتے تھے جن کے ذریعہ رفاہ عام کے کام انجام پاتے تھے۔

مشہور مسلم سیاح ابن حوقل مسافروں اور سرائوں کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ کوئی شہر یا کوئی گڑ گاہ جس میں لوگوں کی آمد و رفت ہو، یا کوئی درگاہوں ایسا نہیں جس میں بڑی بڑی سرائیں بنی ہوئی نہ ہوں، اتنی بڑی کہ آترنے والوں کے بعد بھی جگہ اس میں باقی رہ جاتی۔ اور انہر کے حالات کے مطابق یہ سیاح لکھتا ہے۔

”صرف اس علاقے میں دس ہزار سے زیادہ باطنی (سرائیں) ہیں۔ بہت سی سرائیں قیامی ہیں جن میں اس کا بھی انتظام ہے کہ مسافروں کو انسان کے جانوروں کو کھانا اور چارہ سرائے کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ میں نے ایسا بہت کم دیکھا کہ کہیں سرائے نہ ہو یا سڑک کا موڑ یا ناکہ ہو، یا کوئی مسجد ہو، یا کسی دیوار کے کنارے (سایہ لینے کے لئے) لوگ جمع ہونے ہوں، وہ برف کی سیل سے خالی ہو۔

دشمن کا حال بیان کرتے ہوئے یہ سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ۔

دشمن کے اوقاف اور مصارف کا شمار ان کی کثرت کی وجہ سے شکل ہے بعض اوقاف ان لوگوں کے لئے ہیں جو حج کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، ان اوقاف کے ذریعہ حج کرنے کے لئے مصارف دئے جاتے ہیں، بعض اوقاف ان غریب اور سائیکین کے لئے ہیں جو غنسی کی وجہ سے اپنی زوجین کی شادی نہیں کر سکتے، ان اوقاف کے مصارف سے ان کے نکاح کا بند و بست اور ان کے جہیز وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے، بعض اوقاف قیادہ کے اناؤں کے لئے ہیں جن کے لئے بعض مسافروں کے لئے ہیں جن سے انہیں کھانا، کپڑا، افسانہ دیا جاتا ہے، بعض اوقاف شریکوں اور پرائوں کی دوستی کے لئے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے نیک کاموں کے لئے اور بھی بہت سے اوقاف ہیں۔۔۔۔۔

ایک دفعہ سرائے تھا کہ کسی غلام سے چینی کے برتن اگر ٹوٹ جائیں تو فوراً غلام کی طرف سے اس برتن کا معاوضہ برتن

کثیر کے سلطان زین العابدین نے آٹھ سو سال پہلے ہندوستان کے تمام کے لئے مکانات بنوائے تھے۔
 نجیب آباد کے پٹھانوں کی ۱۷۸۰ء میں ہر دو سال پر حکومت تھی۔ نواب نے ہندو جاہلوں کی آتش کی غرض سے بڑے بڑے مکان بنوائے
 تھے جو آج تک موجود ہیں اور ہندوؤں کے قبضے میں ہیں (ہندوستان کا مستقبل)
 آصف الدولہ دکن کو نے پانچ لاکھ روپے سے بخت اثر میں ایک نہر جاری کرائی جس کا نام "نہر آصفی" رکھا یہ نہر تیس میل لمبی ہے۔
 شامان سنگال اور امار نے تعلیمی ضروریات کے لئے بڑی بڑی ہاندا دیں وقت کی تھیں لیکن اسلامی سلطنت کے خاتمہ کے بعد انگریزوں نے
 تمام اوقات ضبط کر لئے اور بقول سر ولیم ہنٹر اگر اس جائداد کو ٹھیک طریقہ استعمال کیا جاتا تو سنگال میں مسلمانوں کے پاس آج بھی نہایت اعلیٰ اضافہ
 تعلیمی ادارے موجود ہوتے۔

مسلمانوں نے اپنے دور عروج و اتہال تک افادہ عام کے کاموں میں جو سرمایہ حصہ لیا۔ اگر یہ تفصیلات ایک جگہ جمع کئے جائیں تو مستقل ایک
 کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ مسلمان افادہ عام کے کاموں میں حصہ لینا دینی فرض سمجھتے تھے۔

وَمَا تَبُولَ لَا هُوَ لَا سَالِكَا اَتَا نَجْمِ خَيْرٌ جَنُورِي مِیْنِ مِنْظَرِ عَامِ پَارِ دھارے

(چند لکھنے)

امیر حسین	_____	محمد عبدالحی
زکیہ عبید	_____	ابن نسرید
خدیجہ زہرا عثمانی	_____	ماتل خیر کیا دی
عاصی دکن	_____	نیرانو
عفت مولانی	_____	حنیدہ بیگم
عائشہ صدیقہ بیگم	_____	ام نسیر
ثریا اسماء	_____	ملکی یاسین نجی

دفعہ کا

دفعہ زیب ٹائٹل۔ صفحات ۲۰۰ قیمت دو روپے — سالانہ خریدار ہفتے والوں کو سالانہ قیمت میں ہی دیا جائے گا۔

اعزازی خریدار حضرات سے اتنا سہ کہ وہ پرمچہ خلیجہ حبشی منگوانے کے لئے جلدانہ جلد ۵۰ پیسے کے ٹکٹ بھجوائیں
 وہ نہ راستہ میں ضائع ہونے کی صورت میں پرمچہ دوبارہ نہیں بھیجا جائے گا۔

دفتر ماہنامہ بتول، اے ڈیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

ماہر القادری

قولِ فصیل — ایک شاہکار نظم

سید علی اختر اختر اردو زبان کے مشہور اديب ہیں، ذکرِ شاعر میں، اُن کی شاعری میں تخیل کی بلندی کے ساتھ، پاکیزگی، ندرت، پائی جاتی ہے، جس زمانہ میں کیا یہ ہوتی چلی جا رہی ہے، جن شعراء نے گردار کی تعمیر اور اخلاق و حکمت کی تبلیغ کا عظیم کارخانہ انجام دیا جاتا ہے، سید علی اختر انہی شعراء کی صف میں آتے ہیں، سنائی، عطار، رومی، سہی، حالی، اکبر الہ آبادی نے جس سر سے دامن کو منور کیا اور جس سوز سے دیوں کو گویا کیا ہے۔ سید علی اختر کے کلام میں اسی سندوف کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

علی اختر کی زندگی کا زیادہ تر حصہ حیدرآباد دکن میں گزرا، اس لئے اُن کے نام کے ساتھ حیدرآبادی لکھا جاتا ہے؛ مگر اُن کا اصل وطن علی گڑھ تھا، اسی ماحول اور مزاج میں اُن کی نشوونما ہوئی، جب وہ حیدرآباد پہنچے تو نو جوان تھے، وہاں اُن کی ملازمت کا آغاز محکمہ آبکاری کی انسپکٹری سے ہوا، اس محکمہ میں دستِ خفیب درجہ اولیٰ فوجات کے قدم قدم پر برتھے حاصل تھے، وہ چاہتے تو دشت کی کمانی سے چاندی کے جوتے خرید لیتے مگر اُن کی نذر امت لعل اس عمار کو گوارا نہ کر سکی!

علی اختر عروجِ سرکاری ملازمت سے جب سبکدوش ہوئے، تو وہ فکرِ تعمیرات میں مدگار رہے، ڈپٹی سیکریٹری، خواہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہوگی، نعلی حیدرآباد کے اہلچلنے پھولوں کو لے کر کراچی چلے آئے اور اسی سڑک کا پرندہ بن گئے (رحمۃ اللہ تعالیٰ)۔

علی اختر کے والد سید کاظم علی باغ ارداں کے چھاناب شاہ یار جنگ بہادر راجہ (پشتر کلش) دونوں بھائی جہاں استادِ دواغ دہلوی سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے، علی اختر شرفِ ادب کے ماحول میں پیمان چڑھے، اُن کے غرضِ نظر حیدرآبادی عروجِ اسعد دنیا میں خاصی نہرت کے ملک تھے، یوں کہنا چاہئے کہ شاعری اس خاندان کی جاگیر تھی۔

علی اختر نے غزلیں بھی کہی ہیں، وہ شبِ باب میں اُن کی غزلوں کا یہ سنگ تھا،

دوبی ہوتی پاتا ہوں بعضِ دلِ دیوانہ

ہلکی سی پھر اک جنبش اے جلوہ جانانہ

لابِ نظم چاہ بہا کے دسارے کئی سال تک اُن کا تعلق سائنس کی غزلوں میں اُن کو کہہ کر دیں!

مگر

فطری طہ پر اُن کی طبیعت کو صفتِ نظم سے مماثلت تھی!

اُن کی بعض نظمیں "سوفسطائیت" کی آئینہ دار ہیں۔ ایک دنیا سراب ہے بلکہ خواب ہے، زندگی ایک پسلی ہے جسے کوئی بوجھ نہیں سکا، انسان ذاتیات و عادات کے طوفان میں جہاں سبھی نیا وہ گمراہ ہے، زندگی تاریک بھوت کی مانند ہے اور قدم قدم پر نا کامیوں، تخیل اور مصیبتوں

کائنات کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان نظریوں میں جگہ بہ جگہ سے زیادہ آپ بیتی پائی جاتی ہے، لہذا لکھنا زیادہ آسان ہے۔

اگرچہ تلخ طبع عام زندگی کا

مگر محسوس نہیں ساقی سے بگنی کا

علی اختر کی زندگی کا ترجمان ہے۔

ان کی نظریوں کا دوسرا رنگ اخلاق و حکمت اور خدا شناسی کی تبلیغ ہے، علی اختر کی ان نظریوں میں فکر و حکمت ملتی ہے، مزید دل اور نور یقین نے

فکر و حکمت کو اندازہ زیادہ تابناک بنا دیا ہے۔

علی اختر کی شاعری دل اور ضمیر کی آواز ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ایمان و اسلم کا تقاضا شعر کے سلف میں ڈھل گیا ہے اور یہی ان نظریوں کے ذریعہ انہوں نے ایک بہت جیسے فرض کو ادا کیا ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں شاعری تفسیر و فلسفہ کی بجائے "مقصود بن جاتی ہے" اور شاعری میں مزید دل و نور یقین کی گنگ پیدا ہو جاتی ہے۔

جوش ملیح آبادی نے ایک طویل نظم "حرف آخر" کے نام سے کہی تھی، جس میں خداوند کائنات، مقصد، فرشتے اور غایت تخلیق جیسے دقیق و نازک مسائل کو مضمون بنا کر، شاعرانہ انداز و منظر کشی کیا گیا، مگر ان مباحث کے لئے جس ظاہری اور باطنی مطالعہ اور حکمت و اشتراق کی ضرورت ہے، اس سے جوش صاحب بڑی حد تک محروم ہیں، پھر ان کی طبیعت میں خدا اور دین و اخلاق سے جو بغاوت کا شدید جذبہ پایا جاتا ہے اس نے جوش صاحب کی اس نظم میں سطحیت پیدا کر دی، وہ اس جوش فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ ان کی اس نظم کے منظر عام پر آنے ہی کو چمک جاتیں گے اور شعر و ادب اور علم و تحقیق کے حلقوں میں دھوم مچ جائے گی، مگر ایسا نہیں ہوا، ان کی اس نظم نے اہل ذوق کی توجہ کو نہ تو اپنی طرف کھینچا نہ اس نے قلب و نظر کے ساحل پر کوئی موج پیدا کی، نہ اسے پڑھ کر خیالات کے صحرا میں گولی گول لاؤ بھٹا! ادب اور تہذیب کا نام ہی ہو گئی ہے۔

سید علی اختر نے جوش کی اس نظم کے خواب میں ایک طویل نظم کہی، "قلیل فیصل" نام رکھا، اس نظم کے کچھ حصے ہمارے نگاہ میں شائع ہوئے پھر کتابی شکل میں منظر عام پر آئی، اس پر کیا و تفسیر دینے کے تعارف لکھا جس کا ایک اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"جوش کی وہ طویل نظم جس کا عنوان انہوں نے "حرف آخر" رکھا ہے، ابھی تک تمام دکان شائع نہیں ہوئی، لیکن اس کے مشرق اور مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں، امدان میں مذہب و عقائد مذہب کے خلاف جو کھل ہوئی بغاوت و فحش پائی جاتی ہے، اس نے اختر کو جھڑپ کیا کہ وہ اس کا جواب لکھیں۔"

نظم کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ ایک شاعر جو آشفہ حال اور پریشان مددگار ہے کھڑی چار پائی پر پڑا ہوا ہے۔

دل سے مدد نامرادی کی خلیش جاتی نہ تھی کہوں پر کوئی لیتا تھا نیند آتی نہ تھی
جل ہے تھے اس کے سینے میں غم مٹی کے داغ تو ہی اک جھوٹی مٹی ٹھنسا سا سچراخ

اس عام میں مطہران یک نوریز جو ان معانی کی صورت میں اس کے سامنے آتا ہے، جس کے دھنوں میں غم و غم و غم ہے۔

اجنبی آخوند ہا اس کی طرف اند اک دم رستا پہ نور انعامات آنکھوں میں انداز کم

اور

اب میں آیا ہوں، تمہیں غم سے چھڑانے کے لئے خنجر قتل کا دل نشیں مژدہ مانے کے لئے
شعر اس جوان مینا بہت کو دیکھ کر چمکتا ہے۔

آہی ہے اس غم میں یہ کیسی تلخ بر آپ کیوں فرما رہے ہیں، مجھے ایسی گفتگو

پہلے میرے ان سوالوں کا مجھے دیکھ جواب
نور و جواب دینا ہے۔

کہ چکا آیا ہوں میں ہر دے اٹھانے کے لئے
تم ابھی تک ہر اسیرِ غفلت و ہم و قیاس
شہرِ چین کے اوتارے ہمارے ہیں۔

شادمانی کی مدش کچھ اور بھی غصہ لہر تھا
اداس کے لہر۔

زندگی کی سست جنوں میں ہونے لگا
یہ ہوا محسوس اُس کو جیسے سدی کائنات
سبزِ حق پریشگر نے ناز فراتے ہوئے
زندگی نا آشنائے مد و ہجرت ہو گئی
عشق کی غلابیہ موجوں میں مدانی آگئی
شعرِ لہار و رشیدانم سے استعارہ کرتا ہے۔

خستہ چہلوں ہوں یہ بیدار کی کاظم ہے کہ خواب

شادمانی کی قہسیں راجہیں دکھانے کیلئے
ہام لڑی لڑکاکہ مرکز پہ آجائیں لاس

ہام ہنڑوں سے لگاتار کدو عالم اور تھا

مسکرائے چہلوں اب ہمیں چھانے لگا
یہ نہیں یہ چھنے یہ ہنگامہ مرگ و حیات
تقلید کا رقص مرفان ہوا گاتے ہوئے
تھی ابھی و نیلہ گہانی با حقیقت ہو گئی
چرہ لپٹ کر اپنی مرکز پہ جوانی آگئی

رہ گئی ہے سنسنیل تکمیل شاید چند کام
اپنے سینا نے کا صدقہ ال ابھی اور ایک ہام

نور و اس کے جواب میں شعر سے ہمدردانہ انداز میں غزل کے اجیر ہیں کہتا ہے۔

پہلے میری بات منجھو اب میں بھی مل جائے گا
ہے اسی نا آگئی پہ غفلتِ انسانی کو ناز
صبح سے جس نے طاری عرصہ سستی کی شب
آج تک دنیا نہیں بھولی، دیا تھا وہ جواب
میری اک کردش میں دیوانوں پہ آتی ہے بہار
میری دنیا کیف و حسن و عشرت و بھگتِ باب
برقی غم میں ہوا کچھ ناگہان شہنشاہوں میں
تو سمجھتا ہے کہ میں گمراہ کرتا ہوں تجھے
کس کی منت کش ہے نہ لڑکے کی ساری آہِ تاب
کس نے کھولے تھے تری صورت پہ اسرارِ چمن

ہنس کے وہ ہوا اُمید دل کا چمن گل جانے گا
گوں ہوں میں، جاننے پر تم مری ہستی کا ماند
میں ہی ہوں ہوسکا نا ہے نہیں جینے کے ڈھب
میں وہی ہوں جس نے فیضانِ کرم قہر و عقاب
میری جلیش پھر دیتی ہے زرخ لیں و بھار
میرے دنیا رقص و سنگ و شاہ و جام و شراب
تو سمجھتا ہے حریفِ جلوتِ ایساں ہوں میں
شیدہ مانے جرم سے آگاہ کرتا ہوں تجھے
کس نے توڑے ہیں یہ تیری سطحِ مینی کے عذاب
کس نے چھڑی تھی حدِ شہ جلد و سرو و چین

کھنکھتے دھندلے ہیں تری منزل وی کے خود خال

خس کے پیلے ہیں کہیں غلابے چہلوں کا جمال

ایک سنا ہے فاضل اور یہاں کچھ بھی نہیں

بلبل ہستی میں بجز ہم و گماں کچھ بھی نہیں

ابن آدم ہے اس پر شہادت امید و بیم
خود عمل ہے ہر عمل کے ذوق محکم کا صلا
نظرتِ آفاک اس بندِ گلی میں ہے اس پر
برتری کے کچھ اور جو ہے قصہ کچھ فریب
ان آجکل نے کتری نوحِ افسانہ کی جیب

غور کر غیب نے اس دنیا کو آخر کیا دیا
کون سا غیب ہے اسے ادا نام باطل کے تھکا
تجدد کو نہ بچے دکھائے و غنہ و جنت کے غلاب
زندگی ادا نام کے ان سلسلوں میں کھو گئی
اہلِ غیب جس قصہ پر بہت کرتے ہیں ناز
تازگی پھر لوں کو، سوجوں کو دعا کی اس نے دی
اک طرف تو یہ صفات اور دوسری جانب یہ حال
دل پہ دل تحسینِ اطاعت اس طرح ہوتا ہے وہ

واہ رے! غیب نہ ہے آئین حق افسوسِ خدا
یہ خدائی ہے ابھی پھل اس ابھی دم بھر میں آگ
جب یکایک توڑتا ہے دم کوئی کڑیں جواں
جب بھرے گھر کا کسی کے بچنے لگتا ہے چراغ
ٹوٹی ہے جب کسی بڑھی امانتِ حیا کی اس
پھر رہا ہے جب نہاں ہونٹوں پہ کوئی نشہ کام
جب کسی پر آگ برساتا ہے، حاکم کا خطاب
خاک پر جب لٹتے ہیں گہرا شکستہ یتیم
لڑتی ہے موت جب کل کی بیباکی کا ہراگ
چھتا ہے یاد میں شہرہ کی جب برہ کا دل
تیری ہستی خود ہے اس شہرِ حقانیت کی دلیل

زندگی کی پس پسلی کو کوئی پرچھے تو کیا
پھر اپنی ناچتہ باتوں میں چاس دنیا کی باگ
کیوں نہیں کرتا حد پہ دھوکا پائس و جاں
جیتے جاتا ہے کہاں چھپ کر کھائے باغ و باغ
سوچتا رہتا ہے کیا سخن کا لطف بے قیاس
مالک کو کڑ پلاتا کیوں نہیں کوثر کے جام
رحمتیں اس وقت ہوجاتی ہیں کیوں صرف غلاب
زیر لب کیا سکھاتا ہے خداوندِ رحیم
کیوں نہیں اس دم بھرتی سینہ نہاں میں آگ
کیوں نہیں آخلاق جاتی بساط آب و گل
کوئی عہد نامہ ارادی میں ہوا تیرا کھیل

شیطان کی ان باتوں نے شاعر کو بہت اذیت دی کہ وہ اس کا اندازِ خطاب اس قدر چوڑا کر دیا کہ ہر دین و مذہب کے لوگوں نے اس کی تائید کی۔ شیطان نے اپنی گفتگو کے لئے جوئے سلسلہ کو جوڑ دیا، اس نے کہا —

سہ تیری کشتی دہم کے دھاروں میں تھی اب تک رواں

اور

غص ہے اس خاک کی وسعت میں غلابی بہار اور آگاہتے ہیں جس کو ہے خدائے روزگار

۱

اب سے لاکھوں سال پہلے یہ جہاں کچھ بھی نہ تھا
آگ تھی تیز آگ اس عالم میں سسر گرم حیات
ترخ اور جلتے ہوئے پردہاں تھی یہ کائنات
نہ نہ رنہ پھر عرصہ میں ہوا کچھ اختلاف
تھم گیا پھر ہے ہوئے طوفانِ آتش کا جھول
مختلف دلدلوں سے گزری ہے یہ خاک پریشاں
زندگی کے ہر قدم لینے پڑے ہیں استعاں
مادے کے بطن سے رہ کر چھٹی ہے کائنات
آپ نکھری ہے کھلی ہے اور جی ہے کائنات

خاک بادو آب و آتش کی ہے یہ ساری نمر

ہیں اسی کی ارتقائی صورتیں میں اور تو

وہود باری کے انکار اور نفی ذات خدا کے سلسلہ میں مادہ پرست انجیسم کی ویلیں پیش کرتے ہیں، جوش تیج آبادی نے بھی اپنی نظم حزنِ نور

پر انہی دیوؤں کو دہرایا ہے — وہ "حیات و توانائی" کو خدا کا دھبہ دیتے ہیں۔

اس کے بعد شیطان نے شاعر کو "تعلق و تغیر" کا فریب دیا، اس نے کہا —

فضل کی ضو میں قدم آگے بڑھانا ہے تجھے
مفلک اسرار و عرفان کا اڑانا ہے تجھے

اس کشتی کے بعد

قائم و دیرا کے پردے، نرم قالینوں کا فرش
بام پر بیٹھے گا تو جیسے خدا بالائے عرش
میرے ہمدرد، ہنس لہن سعادت ہے یہیں
تیری دوزخ ہے یہیں اور تیری رحمت ہے یہیں
موت کی حدیں پہنچ کر زندگی کیا پاسے گی
خاک کی چٹکی کی دن خاک میں مل جائے گی

دل ہوا روشن کہ اب بھی غمتیں مستور ہیں

بول کیا یہ زندگی کی راحتیں منقطع ہیں

پی چکا تھا بادِ شیطان ارببِ نوجواں
اس میں اب انہماکِ آزادی کی جھلک تھی کہاں
آستانِ مری بہ خود شناسی جھک گئی
مدح کی آواز آئی، اور بول پر رک گئی

دلوں یہ کار و حشمت آڑ ما چلتا رہا
یوں ہی پیہر دہر کا چلتا رہا چلتا رہا
نغمہ و ہنسا کی رنگیں بانیاں کھیلی گئیں
عصمتوں کے خول سے پیہم ہولیاں کھیلی گئیں
عصمتیں بڑھ کر جوس کے ساز پر گانے لگیں
خفیلں اس عہد کی کو نظروں کو شرمانے لگیں
کچ روئی کو زندگی کا مدح سمجھا گیا
عجب کو حسنِ ادھ گالی کو دعا سمجھا گیا
اس ایوب و شاعر کو جو شیطان کے فریب میں آکر خدا کا منکر ہو گیا تھا اور جس کی زندگی سن و سمیعت میں بسر ہو رہی تھی !

اس کو اپنے عہد کا روح القدس سمجھا گیا
اخباروں اور رسالوں میں اس کی انشائیہ شاعری اور انشائیہ پیام کی دھوم مچ گئی، اس کی ہر نظم کا غیر متقدم دانشور سائنس سے کیا گیا: وہ لوگ
جو مذہب سے غدار دیکھتے تھے، انہوں نے اس شاعر کی ایک ایک بات کو: اہم کہا۔

مگر... شاعر فطرت کی چرخ اور فیمیر کی پلکار کو انوکھ تک دھائے دھتا۔ یہاں تک کہ
عقل تھرائی ہے جس جا وہ مقام آ ہی گیا
جس جگہ فرعون کے دل سے یہ آتی ہے صدا
عیش و عشرت اور فسق و مصیبت کے جس مابوں میں شاعر زندگی گزار رہا تھا، اس نے شاعر کی صحت کو تباہ کر دیا۔
زندگی کیا زندگی کا جیسے دھوکا رہ گیا
زندگی کی توانائی نے جواب دے دیا، جن دوستوں سے غزالی کی اُمید تھی وہ رفتہ رفتہ گم نہ گئے، یہاں تک کہ...
سہ دوست ہی بچھڑے نہ تھے، شیطان بھی کم آنے لگا
بیمار و ناتواں شاعر نے اپنے اس شفق نامیج سے شکایت کی۔

جانتا ہے تو کہ سب کچھ تج دیا تیرے لئے

یہ جہاں کیا میں نے چھوڑا ہے خدا تیرے لئے

لیکن اک دن بڑھ گیا جب حد سے اصرار ادیب
بھولتا ہے تو اولین نوع ان بھی تو ہوں
بہر شیطان کے بھی میں نہ جانے کس طرح نیکی آئی کہ وہ اس طرح گمراہ ہوا۔
عقل رحمت ہے مگر عرفان منزل پا گئی
جانتا ہوں دام میں کس طرح آئے گا شکار
سن کہ اب اسرار بیداری جتنا ہوں تجھے
میں نے تجھ کو یہ سکھایا تھا، یہاں کچھ بھی نہیں
میں ہی تجھ سے اب یہ کہتا ہوں کہ تیری کائنات
مضطرب نظر تے چھڑی ہے نہ آنے سے سردی
بہر شیطان کہتا ہے کہ زندگی کا یہ چین اور گستاخان کائنات کی غیبی طاقت کا بنایا اور لگایا ہوا ہے، یہ آپ ہی آپ پیدا نہیں ہوگی، گلشن و ہر کی
نشد و نما خان کائنات کے قانون قدرت کے تحت بروہی ہے۔

با و بار اراں سے کہاں تک ہے فردغ رنگ و بو
کتنی پودوں کو کتنی، کتنی حرارت چاہئے
جو ترے گلزار کی شادابیوں کا ہر کنیں
ایک دستہ مکمل، ایک آئین جمیل

اللہ

سہ ان مابوں میں نظر آتا ہے کوئی اور بھی

یہ دہی نقطہ ہے نامال جس سے کھلتا ہے یہ راز
ماوے ادا نقت کا یہی ہے کوئی کار ساز

اد ہے مدار کوئی نقص بند جہاں پاک

جس کی شمشیر میں ہے یہ سدا ظلم کباب و خاک

نکرانوں حدیں رہتی ہے اگر پر خود شناس ،
کشتی اُمید پھر ساحل کے رخ بہتی نہیں
بھول جاتی ہے وہ دسم نظام بھلا کر
کچھ اگر آگے بڑھی دھوکے نئے کھانے لگی
بند ناقص تجربے میں چند ادھر سے سے تھام
کس قدر ہدی ہے اب تک علم انسان کی اساس

اس نظام مستقل کو عقل پاسکتی بھی ہے

ماوے کے بس میں یہ ترتیب آسکتی بھی ہے

یطان، اُس شاعر کو بتاتا ہے کہ —

توم جب کوئی رعبہ صدیوں غلامی میں اسیر
عجب اس کو اپنی ہر اک شے میں آتا ہے نظیر
وہ پیاری بن کے رہ جاتی ہے اُن احصاء کی
دوسروں کے نقص کو بھی وہ سمجھتا ہے گل
رب زدہ تمدن نے حیوانی فضائل کو عام بھلا کر دے دیا ہے
اور انسان جانور کی طرح بے نگاہ ہو گیا ہے، جہاں ہریالی دکھائی دیتی ہے وہیں
— مارنے لگتا ہے زندگی میں کوئی اصول اور قانون وقاعدہ ہائی نہیں رہا — آج کی نام نہا تمدن دنیا کا یہ نظریہ ہے —

بن پڑے جب تک شراب ناب پینا چاہتے

صرف مرنے کے لئے انسان کو جینا چاہتے

میں نے تجھ کو یہ بتایا تھا کہ تو مرنے کا نہال
عروسہ سخی میں ہے مذہب پستی کا مال

اور

مذہب اک سازش ہے دنیا میں حقائق کے خلاف

مگر

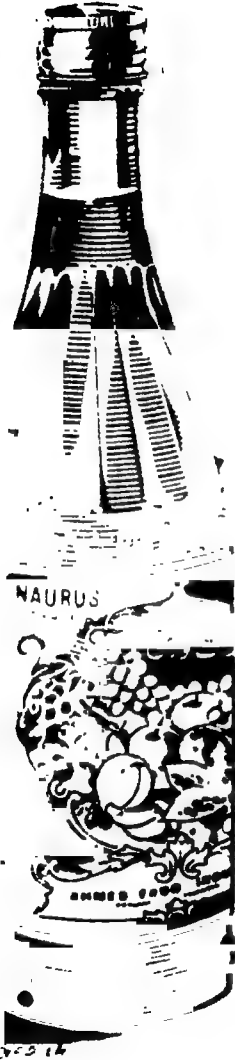
اب میں کہتا ہوں کہ تشریح دوزخ حاصل تھی
ماز مذہب کیا ہے! تہذیب حیات دوزخ گار
عقل کو اتنی ترقی دی کہ عرفان کر دیا
اس ملکستان میں نقص کا خبر چلتا نہیں
نکرانوں یہاں اس درجہ ہوتی ہے بلند
وقت کی کن منزلوں میں داد دی کرتا نہیں

یہ تو میرا ایک دھوکا تھا، مری اک چال تھی
ہے اسی آئین نظیرت پر نہانے کا مدار
تو تو حیراں تھا، تجھ مذہب نے انسان کر دیا
جبر و استبداد کا سکے یہاں چلتا نہیں
چینکتی ہے ہمت مردانہ نیرداں پر کھنڈ
وقت کی کن منزلوں میں داد دی کرتا نہیں

مشروبِ وقت

نورس

خوشذائقہ - فرحت بخش



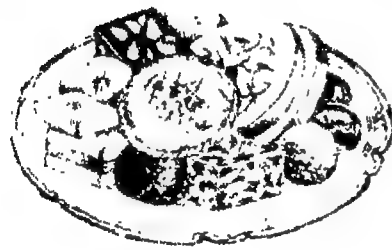
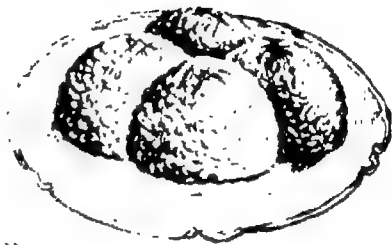
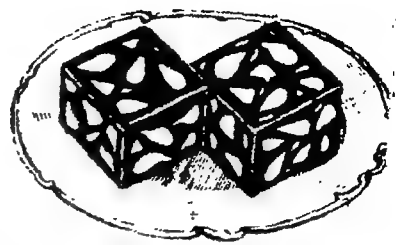
اچھی غذا کے لازمی اجزا

ہر وقت تروتازہ



احمد فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ نورس روڈ - کراچی ۱۶

ذائقہ
اور نفاست
کا معیار
استزاج
خود کھائیے اور تحفہ دیجئے



خوشن ارقہ یقوی مسٹھانیاں

سریندر پور میں دستیاب ہے
آرڈر پر ماک بز دلیہ دہلی دہلی دہلی دہلی

اسپیشلٹ
احمد کراچی حلوہ مرچ کراچی حلوہ چشتی حلوہ
سورین حلوہ

آئیں جس کی نہاں مقادیر انسان کا زوال
کون سطح زندگی پر کھینچ کر لایا انہیں
کس نے کھولیں اُن کی آنکھیں کس نے دکھان کو نظر
کس نے علم و عقل کو بخشا معارف کا جہاں
تیری کم بینی کو سمجھائے مقامات ہنر
گروتمند کے بتاتے اور وہ تہذیب دی
آج بھی ہے جستجو میں جس کی عقل رنگار

کس نے جینا قومیت کے جنگلے کا وہ جلال
جس کے سرحدوں سے غم تھے کس نے اُکسایا انہیں
پُختہ تھے جو نشہ دولت میں ان کو ٹوک کر
کس نے الٹی سلطنت کی مسند جاہ و جلال
وہ ہی اسباب مذہب تھے جنہوں نے بے خبر
دانشِ تعبیر دی اور قوتِ تادیب دی
آج بھی نازاں ہے جس پر اس گلستاں کی بہار

ان کی عظمت نے جہاں کو زیر و بالا کر دیا

ان کی سیرت نے زمانہ میں اُجھا کر دیا

آدمی کا انداز ہو جاتا ہے اندازِ نضر
چاہے جتنی کروٹیں بدے یہاں نوح بضر
ہے یہ فطرت ہو نہیں سکتا کہ فطرت اور ہو
نوع انسانی انہیں پہلے تو کرتی ہے قبول
سیرت انسان کے آئینوں میں پڑ جاتے ہیں بال
زندگی کا مفہم کہ دینِ خدا کا مفہم کہ

حق کا پڑتا ہے اگر ہلکا سا پر تو قلب پر
جو برائی ہے برائی ہی رہے گی بے خبر
اصل مذہب ہی رہے گی چاہے صورت اور ہو
فطرتِ عالی عطا کرتی ہے جینے کے اصول
رفتہ رفتہ پھر بدل جاتا ہے اندازِ خیال
ہر طرٹ اُٹتا ہے آئینِ خدا کا مفہم کہ

وہم ہے اک خالقِ ارض و سما کچھ بھی نہیں
کھوتی ہے ارتقا، پوچھ دھم زلفِ بہار
خاک ہو کر یوں نہ اڑ جاتے ہلکتے گلستاں
زلزلے آتے نہ خونِ ریزی کہیں ہوتی نہ جنگ

میں نے تجھ کو یہ بتایا تھا خدا کچھ بھی نہیں
مادے پر منحصر ہے اہتمامِ روزگار
گر خدا ہوتا تو چل سکتی نہ تھی باوجودِ خواں
گر خدا ہوتا تو دنیا تجھ پہ ہو جاتی نہ تنگ

تو نے ان باتوں کو سچ سمجھا! خوش امن خیال

دید کے قابل ہے یہ انسان کی سیرت کا انداز

ان حقائق پر نہیں جاتی مگر تری نگاہ
سینکڑوں عینے چمکتے ہیں بساطِ خاک پر
بھومتے ہیں آب و گل کی سطح پر سرورِ سن
کس کی آسائش کا عنوان ہے یہ قصوں کی بہار

بے خبر! اگر اہم فطرت میں ہے تجھ کو اشتباہ
شاخِ گل سے اک کلی مڑھ جائے گرتی ہے اگر
اک فدا سی پھیر میں بیدار ہوتے ہیں چین
یہ جزمِ رنگ و بو یہ محشرِ بیل بہار

ذوقِ نہیں چاہئے یا حسن پیدا چاہئے

نعمتیں اتنی تو پھر اے انسان تجھے کیا چاہئے

ان سے ہوتے ہیں نمایاں حکمتوں کے خدخال

زندگی کی ہر مصیبت کا ہے اک شہیرِ مائل

دل اگر ہو بہرہ یاب جملہ علم و لقیں
اس طرف بھی ہلکا سا اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہی خالق خیر و شر ہے تو انسان کو اس کی اپنی گمراہی کا ذمہ دار کیوں ٹھہرایا جاتا ہے۔
ہیں یہ باتیں اندر وہ کمزوری علم و لقیں
بے خبر! پسند کے دھوکے ہیں دانش کے نہیں

— اند —

عقل طے کرتی ہے جتنی پختگی کی منزل میں
قلب انسانی میں چمک کاٹتے ہیں یہ سوال
ہم کہاں سے آئے ہیں، کیوں کرتے ہیں کائنات
چل رہا ہے کس طرح اس کارخانے کا نظام
یہ چین کیا ہے، خزاں کیسی ہے کیا ہے نو بہار
کیوں چمکتی ہے کئی، مرصعے رہ جاتی ہے کیوں
عقل جو جستجو ہے، شوق سرگرم طلب
یہ تصور رقص کرتے ہیں دلوں میں بار بار

تو اگر سائنس سے پوچھے کہ کیا ہے کائنات
وہ کہے گی، ہے یہ لامحدود ذروں کا نظام
مختلف شکلوں میں یہ تبدیل ہوتے ہیں یہاں
کون سے رخ بہ رہی ہے کشتی مرگ معیات
گردشیں ہیں جن کی بے اندازہ وقت و مقام
ان کی شکلیں بے نہایت ان کے جلوے بیکراں

فلسفہ ہے اس سے بڑھ کر آتشائے پیچ و تاب
ذہن انسانی کے دھوکوں کو بڑھا دیتا ہے یہ
ادب بھی بے ربط و مبہم اس سے ملتا ہے جواب
عقل کے ڈانڈے تپا سوں سے ملا دیتا ہے یہ

علم لیکن ان حجابوں کو اٹھا سکتا نہیں

روح انسانی کی بے چینی مٹا سکتا نہیں

تو اٹھانا چاہتا ہے راز ہستی سے نقاب
فلسفہ، سائنس، منطق اور یہ سارے علم و فن
تو نے کیا پایا تھا ان کو بے تلاش و اکتساب
کیا قصور پر رہا ہے علم و دانش کا مدار
مذہبوں ڈھونڈ رہی ہیں راہیں منزل تکمیل کی
آج بھی ہیں علم و دانش کے حقائق نامتسام
بے خبر! پھر تا نہیں یوں سردی غمروں کا ساز
مجھ سے سن شکل نہیں ہے ان سوالوں کا جواب
جن سے ہے شاہد آب و گل کی دنیا کا چین
ہوں ہی کیا بروئے کار آئے ہیں یہ دنیا کے خواب
دب سکا ہے اس طرح ہستی کی راہوں کا غبار
آج تک لیکن وہی ہے تشنگی تحصیل کی
اس ترقی پر بھی تعمیریں نظر آتی ہیں خام
عقل بن جاتی ہے جب عرفان تو چلتے ہیں یہ راز

زندگی کی مستحق نظم پر بھی غور کر ۴
شب کے سانچوں میں حرکتی تابشیں ڈھلتی ہوتی
مادے اور ارتقا کی ہے یہ ساری گیر و دار
اس نظر سے استفادہ کر جو ہے آگاہ راز
یہ گفتیں یہ گل و دیلاں یہ خورشید و قمر
خاک کے قندیل میں دوح زندگی چلتی ہوئی
یا کوئی بیاد قوت ہے یہاں سرگرم کار
یہ تو پہلے جان لکس طور سے چھڑتا ہے ساز
کوئی اندھا گر نہ دیکھے زندگی کی آب و تاب

کون کر سکتا ہے انکار وجود آفتاب
جس سے ملتی تھی دلوں کو گری فک و نظر
ادب و گنہ کی چمک پہ ہے شرارے کا یلغیر
زندگی دنیا کی ہے کوئی حقیقت یا نہیں
محفل ہستی میں یہ ترتیب ہو سکتی نہیں
غور کر اس پہ اگر تو کر سکا حل یہ سوال
آگ وہ تو نے بھجا کر آپ رکھ دی ہے خبر
زندگی کی سیل یوں پر مان چڑھ سکتی نہیں
بہر طقت ہے کسی خالق کی حاجت یا نہیں
محفل ہستی میں یہ ترتیب ہو سکتی نہیں
خود ملت جائے گا منزل کی طرف تیرا خیال

روح کی بے چینیاں تسکین کی ماہیں پائیں گی
جتنی ذہنی مشکلیں ہیں آپ حل ہو جائیں گی
س کے بعد نظم میں اس کی شرح کی گئی ہے کہ دین اسلام سرمدی اور تغیر نا آشنا ہے اور —
سے اب بھی ان پیرلوں کی خوشبو سے معطر ہے نسیم

مرد نے ضلعی سے اس مغربی تمدن و تہذیب سے کچھ سمجھ لیا ہے یہ تہذیب نو شروع ہی سے سیرت و اخلاق کی حلیف رہی ہے یہاں ملکیت
چھہ سرمایہ داری اور دولت پرستی ہے وہ تمدن جس کی کوششوں کا حصہ "ایم۔ بی۔ او" میں خونریزی اور ہلاکت پر فخر کیا جاتا ہے جس میں
سیرت و اخلاق کا کوئی مقام نہ ہو جس کو غلاموں، محکوموں اور مظلوموں کی آہ و فریاد سے تسکین اور خوشی ملتی ہو جس میں روحانہ کون کا فقدان
ہو ایسی تہذیب عقل انسانی کو خود میں اور نفس انسانی کو کمرش بنا دیتی ہے۔

اور اے "شاعر انقلاب" تو بغاوت کو بنائے انقلاب سمجھتا ہے! حالانکہ —

انقلاب آتا ہے عزان حقیقت کے لئے
صنعتی تعمیر سے کھلتے نہیں ہستی کے باب
یہ جواب دینا میں سرگرم عمل ہے انقلاب
اصل میں ہے نوع انسانی کا ذہنی اضطراب

جب تو میں ہے سکون روح کی اب کائنات

منتشر ہیں انقلابی رویں اجڑائے حیات

نوع انسانی کو تباہی سے بچانے کے لئے
چہ یہی آئین محکم شرح اسرار حیات
علم و دانش کچھ نہیں حسن حقیقت کے بغیر
نزدہ رہتی ہے حقیقت علم و حکمت کے بغیر
نہیب آیا ہے یہی نقشہ دبانے کے لئے
اس کے بل پر بار بار انسان نے پائی ہے نکات
زندہ رہتی ہے حقیقت علم و حکمت کے بغیر

تو سمجھتا ہے کہسی وہ وقت بھی آجائے گا
جو نہ تھا معلوم کل تک آج وہ معلوم ہے
عقل جب ہستی کے اسرار نہاں کو پائے گا
اور کل معلوم ہوگا، آج جو معلوم ہے
روحِ طوفان خود لئے جاتی ہے ساحل کی طرف
رفتہ رفتہ بڑھ رہی ہے عقل منزل کی طرف
اس طرح جب یہ جماباتِ نظر اٹھ جائیں گے
آنے والے، دانش اجداد پہ شرمائیں گے

مگر

یہ غلط اندیشیاں ہیں بے یقینوں کے لئے
بیت کے میدان میں اس اُمید پر ہے شادیاں
عقل کے دھوکے ہیں تجھ سے سطحِ مینوں کے لئے
ایک دن گاتے ہوئے چشمے میں ہوں گے دواں
اپنے قبضہ میں حنائی اختیار آنے تو دے
کھل کے پی لینا، مگر ابر بہار آنے تو دے
چھوٹی ہے عقل اگر ایسا فائدہ بھی تو کیا
دود کے ہیں ڈھول اگر یہ ہوں مہانے بھی تو کیا

آج کا انسان ہے، انکا بڑھا سے شادماں
مگر ہی اس کی نظر میں ہے ذہانت کی کفیں
جہل کی ظلمت پہ ہے اس کو تجسّی کاگماں
اور اقرارِ خدا ہے عجزِ ہمت کی ذلیل
نورِ انسان بن دھندلکوں میں اب کھوئی ہوئی
جہل و نادانی کی گہری نیند میں سوئی ہوئی
کیا عجب عقلیں اگر عقدوں کو سلجھاتی رہیں
آنے والے عہد میں یہ ظلمتیں جھاتی رہیں
کل کی دنیا واقعہ رازِ دہوں ہو کر رہے
اضطرابِ روح انسانی سکوں ہو کر رہے
دانشِ مجسمہ اپنے عجز کو چھپان لے
زندگی کی نامتسامی کی حقیقت جہان لے
اس طرح یہ بھی تو ہو سکتا ہے اسے محروم ماند
اعترافِ ذاتِ خالق پر ہو کل انسان کو ناز

شیطان، انقلاب کے داعی اور بغاوت کے مبلغ شاعر ہے کہ تو شروع ہی سے علمِ دفن کا صحیح قدردان اور لذت شناس نہیں ہے
یہ صرفِ نفرت کا لیغ ہے کہ تیرے کلام میں حسن پیدا ہو گیا۔ دراصل گناہ پروردہ اور معصیت آور وہ زندگی نے تجھے ذوقِ یقیں سے محروم کر
اور تو شکوک و ادبام میں الجھا رہا،

ابتداءً تو نہ تھا لذت شناس اس علمِ دفن
کچھ اثر ماحول کا تھا اور کچھ شہرت کے خواب
فیضِ نفرت ہے، اگر کچھ ہے ترا حسنِ سخن
کچھ قبولِ عام کی رو کچھ ہوس کا بیج و تاب
میں نے دیکھا جھک رہا ہے تو گناہوں کی طرف
آنکھ رہی ہیں تیرے دل میں شک کی ہریں صنفِ صنف
دل میں تیرے لذتِ ادبام کو چوں لگا دیا
آپ بچھی مٹی خدا میں نے اُسے اُکسا دیا
میری چاروں سے تیرے دل کی کلی کو کھل گئی
شہرتِ ارزاں کا طالب تھا تجھے وہ مل گئی

زندہ بن کر بھی سرورِ زندگی ملتا نہیں

نشہ مل جاتا ہے لطفِ سرورِ ملتا نہیں

۱۔ علم، اختراعِ فکر، نظم، اسے موضوعِ رٹے معرکہ کی نظم ہے، اس نظم سے شکوک و ادبام کے دھند

مولانا محمد تقی عثمانی
(مدیر دارالعلوم کراچی)

انجیل برناباس

ایک مطالعہ

یہ بات تو اب علمی دنیا میں ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، وہ دنیا سے مفقود ہو چکی ہے، اس وقت جو کتاب میں انجیل کے نام سے مشہور ہیں، ان سے مراد حضرت عیسیٰ کی سوانح حیات ہے، جسے مختلف لوگوں نے قلمبند کیا ہے اور اس میں آپ کی تعلیمات کا ایک بڑا حصہ پایا جاتا ہے۔

تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مختلف شاگردوں اور پیروں نے اس قسم کی انجیلیں لکھی تھیں، لہذا اپنی انجیل کے شروع میں لکھتے ہیں :-

”چونکہ بہت سے لوگ ہمارے دیکھنے والے واقعہ میں اُن کو ترتیب وار بیان کریں،

جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اندکلام کے خادم تھے اُن کو ہم تک پہنچایا“ (لوقا ۱: ۱-۲)

لیکن عیسائی حضرات نے ان بہت سی انجیلوں میں سے صرف چار انجیلوں کو معتبر مانا ہے جو علی الترتیب متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی طرف منسوب ہیں، باقی انجیلیں یا تو کم ہو چکی ہیں یا موجود ہیں، مگر انہیں عیسائی حضرات تسلیم نہیں کرتے۔

لیکن آج سے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے ایک کتاب دیانت ہوئی جو برناباس عاری کی طرف منسوب ہے، اس کتاب کی دیانت نے دنیا بھر میں ایک مجلس پیدا کر دی، اس لئے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ بے شمار باتیں ایسی موجود تھیں جن سے عیسائیت کا پورا الیران منہدم ہو جاتا ہے بلکہ اس میں نئی آغوا ایمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گراوی بھی لکھا ہوا تھا۔

اس وقت سے لے کر آج تک بہت سے علمائے عیسائیت اور ماہرین تاریخ نے اس کتاب کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے، اور تمام عیسائی علمائے دعویٰ کیا ہے کہ یہ اصل انجیل برناباس نہیں ہے، بلکہ اس کا مصنف کوئی مسلمان ہے جس نے عیسائیت کو غلط ثابت کرنے کے لئے اُسے برناباس عاری کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

جناب سید رشید رضا مہری مرحوم کے ایک مختصر مضمون کے سوا اس سلسلے میں کسی مسلمان کی کوئی تحسیر میری نظر سے نہیں گزری ہے حضرت مولانا شب التذہب صاحب کیرلوری نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”اظہار الحق“ میں انجیل برناباس کا بہت مختصر سا ذکر فرمایا ہے، تاہم اطراف حال یہ ہیں۔
لہذا الحق کے اس دور جیسے کی شرح و تحقیق سے فارغ ہوا ہے اسی دوران مجھے انجیل برناباس اور اس کے موضوع پر مختلف مضامین پڑھنے کا اتفاق ہوا، اس مطالعہ کا حاصل میں اس مختصر مقالے میں پیش کر رہا ہوں، امید ہے کہ علم و دست حضرات کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

میں سب سے پہلے انجیل برناباس کا مختصر تعارف اور اس کے کچھ اقتباسات پیش کر دے گا، اس کے بعد مقدمہ کے تفصیل کے ساتھ اس بات کی

تحقیق کی جائے گی کہ یہ انجیل اصلی ہے یا جعلی ؟ انجیل برناباس حروف انامیصل اربعہ سے بہت سی چیزوں میں مختلف ہے، لیکن چھ اختلافات ایسے ہیں جنہیں بنیادی اہمیت حاصل ہے ۔

(۱) اس انجیل میں حضرت مسیح نے اپنے "خدا" اور "خدا کا بیٹا" ہونے سے صاف انکار کیا ہے ۔

(۲) اس میں حضرت مسیح نے بتایا ہے کہ وہ مسیح یا مسیا جس کی نشاندہی عہد قدیم کے صحیفوں میں دی گئی تھی، اس سے مراد میں نہیں ہوں، بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مصداق ہیں جو آخراۃ میں مبعوث ہوں گے ۔

(۳) برناباس کا بیان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی، بلکہ ان کی جگہ یسوداہ اسکریقی کی صورت بدل دی گئی تھی، جسے پہلے نے حضرت عیسیٰ سمجھا، اور پھر انسی پر چڑھا دیا، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے آسمان پر اٹھالیا تھا ۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ حضرت اسحقؑ نہیں بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے ۔

انجیل برناباس میں آنحضرتؐ کا نام گرامی ذیل میں ہے: انجیل برناباس کی چندہ عبارتیں پیش کرتے ہیں جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی باتیں ذکر کی گئی ہیں، ہمارے پاس انجیل کے عربی اور دیگر ترجمے ہیں، ہم یہاں دونوں کی عبارتیں نقل کریں گے، اُن قدر ترجمے پاس لئے انکشاف دہیں کیا گیا کہ وہ ایک مسلمان عالم کا کیا ہوا ہے، اس کے برعکس عربی ترجمہ ڈاکٹر ضیل سعادت نے کیا ہے جو ایک عیسائی عالم ہیں ۔

دَامَ لَسْتُ أَهْلًا أَنْ أَهْلَ رِبَاطَاتِ جَوْمُوقِ أَوْ سِيُوسِ
حَدَا رَسُولُ اللَّهِ الَّذِي تَسْمُونَهُ مَسِيَّا الَّذِي خَلَقَ
قَبْلِي دِيَا قِي بَعْدِي (فصل ۱۱ آیت ۱۱)

میں اس کے لائق بھی نہیں ہوں کہ اُس رسول اللہؐ کے جتنے کے بند یا
فصلین کے تھے کھولوں جس کو تم مسیا کہتے ہو، وہ جو کہ میرے پہلے
پیدا کیا گیا اسباب میرے بعد آئے گا ۔
عربی ترجمہ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۵ء ص ۶۲ و اُن قدر ترجمہ لاہور ۱۹۶۱ء ص ۶۲

الذبح کریں گے اس کو دیکھا میں تسمی سے بھر کر کہنے لگا، اسے محمدؐ اللہ
تیرے ساتھ ہوا مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں ۔
(عربی ترجمہ ص ۶۹، اردو ترجمہ ص ۷۰)

شاگردوں نے جواب میں کہا اے عالم! وہ آدمی کون ہو گا جس کی نسبت تو
یہ باتیں کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا! یسوعؑ نے ولی خوشی کے
ساتھ جواب دیا بیشک وہ محمدؐ رسول اللہؐ ہے ۔

عربی ترجمہ ص ۷۵، اردو ترجمہ ص ۷۴

یہ تم سے بچ گئے ہوں دل سے باتیں کہنا کہہ کر کہتا ہوں میرے بھی رو گئے
کھڑے ہوں گے اس لئے کہ دنیا مجھ کو مہربان کی اور مجھ کو لازم ہو گا کہ
اس کے حضور میں حساب پیش کروں، اللہ کی زندگی کی قسم ہے وہ اللہ کے
میری جان اس کے حضور میں کھڑی ہونے والی ہے کہ بیشک میں بھی ایک فنا
ہونے والا آدمی ہوں، تمام اہل نون جیسا ۔

(۲) وَلَمَّا رَأَيْتَهُ امْتَلَأَتْ عِزَاءً وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَيْكِنَّ اللَّهَ
مَعَكَ وَلِيَجْعَلَنِي أَهْلًا أَنْ أَهْلَ سِيرِ حَدَا أَهْلُ
(فصل ۱۱ آیت ۳۰)

(۳) أَجَابَ اللَّهُ مَسِيحًا يَا مُحَمَّدُ مَنْ عَسَى أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ
الرَّجُلُ الَّذِي تَسْكُمُهُ عِنْدَ الَّذِي سَأَلْتَنِي إِلَى الْعَالَمِ؟ أَجَابَ
يَسُوعُ بِاتِّحَاجِ قَلْبِهِ: إِنَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۔

(فصل ۱۱ آیت ۸۰)

وَمِنْ أَمْحَى أَتَوَلَّى كَمَنْ مَتَكَلَّمَ مِنَ الْقَبْرِ إِلَى أَنْ تَشْعُرَ لَنْ الْعَالَمِ
سَيِّدٌ عَرَفِي لَهْوَ رَعِي أَنْ أَتَمَّ لَاجِلْ هَذَا حَسَابًا، لَعَنَ اللَّهُ
الَّذِي لَفَنِي وَاقْفَتَنِي فِي حَضْرَتِهِ، الْفِي رَجُلٍ نَابٍ كَأَنَّا نَاسِ
(۵۲: ۱۰ تا ۱۵)

اس انجیل کی دریافت

قدیم عیسائی لٹریچر میں انجیل بننا اس کا ذکر ایک گمشدہ کتاب کی حیثیت سے ملتا ہے، لیکن مسند میں شاہ ہوشیار کے ایک غیر کس کا نام کو مرقا، اسسٹرڈم کے مقام پر کی کتب خانے سے ایک کتب خانہ کی برطانوی ندان میں نکالا اس پر لکھا جاتا کہ یہ برٹش اسواری کی لکھی ہوئی انجیل ہے، اس وقت تک صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ اگر کیر نے یہ اطالوی نسخہ اسسٹرڈم کی صاحب حضرت آدمی سے حاصل کیا تھا تو اسے انتہائی قیمتی کتاب سمجھتا تھا، اگر کیر نے یہ نسخہ ہزارہ ایو جین سا فو کو تھو کے طور پر دیدیا، اس کے بعد ۱۸۳۲ء میں اسسٹریا کے پایہ تخت وائسٹا کے کتاب خانے میں منتقل ہو گیا، اور اب یہ ملک میں ہے۔

اس کے بعد اٹھارویں صدی کی ابتدا ہی میں صدی کے مقام پر فلکس ملن کو انجیل بننا اس کا ایک اور نسخہ دستیاب ہوا جو ہسپانوی ندان میں تھا، یہ نسخہ مشرقی بائبل کو ملتا تھا جس سے اس نے اپنے ترجمہ قرآن میں مختلف اختلافت لعل کئے ہیں۔

بائبل میں سے اس ہسپانوی نسخے پر جو نوٹ لکھا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حقیقت یہ مذکورہ بالا اطالوی نسخے کا ہسپانوی ترجمہ ہے جو کئی روز غانی مسلمان عسفی مرند نے کیا ہے، عسفی مرندی نے اس کے شروع میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں اطالوی نسخے کی دریافت کا اور حال تحریر ہے۔

اس دیباچہ کا خلاصہ یہ ہے کہ تیسری یا سہارویں صدی کے اختتام پر ایک لاطینی راہب فرامزینو کو آریوس بشپ کے کچھ خطوط دستیاب ہوئے جن میں سے ایک میں آریوس پر سخت تنقید کی گئی تھی: ۱۔ ساتھ ہی یہ لکھا تھا کہ انجیل بننا اس میں آریوس کی حقیقت خوب واضح کی گئی ہے۔ جو آریوس نے فرامزینو نے آریوس کا یہ خط پڑھا تھا، اس وقت سے وہ اصل انجیل بننا اس کی جستجو کرتا رہا۔

کچھ عرصے کے بعد اسے اس زمانے کے پوپ اسکسٹس چیم کا تقرب حاصل ہو گیا، اور ایک مذکورہ پوپ کے ساتھ اس کے کتب خانے میں چلا گیا، اکتب خانے میں پورچ کر پوپ کو نیندا آگئی، اس عرصے میں فرامزینو نے وقت گذاری کے لئے کتب میں دیکھنی شروع کی، جن اتفاق سے اس نے پہلی بار میں کتاب پڑھا تھا لا وہ انجیل بننا اس کا اطالوی نسخہ تھا، فرامزینو سے حاصل کر کے بہت خوش ہوا اور اسے اسٹین میں چھپا کئے آیا۔

یہ لکھی روایت مشرقی سسٹن نے عسفی مرندی کے والد سے ترجمہ قرآن کے مقدمے میں لکھی ہے، یہ ہسپانوی نسخہ جو سسٹن کے پاس تھا اب گم ہو چکا ہے البتہ اتنا معلوم ہے کہ ۱۷۸۹ء میں یہ نسخہ ڈاکٹر سیوٹ کے پاس آگیا تھا، اور اس نے اپنے لیکچروں میں بت لایا ہے کہ دو جگہ عمری اختلاف کے علاوہ اطالوی اور ہسپانوی نسخوں میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اب دنیا میں صرف قدیم اطالوی نسخہ موجود ہے اسی سے ڈاکٹر منکمرس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کر دیا، پھر مھر کے ایک مسیحی عالم ڈاکٹر خلیل سعادت نے اسے انگریزی سے عربی میں منتقل کیا، یہ عربی ترجمہ جناب سید رشید رضا صحراروم نے ۱۹۰۷ء میں اپنے ایک مختصر مقدمے کیساتھ شائع کر دیا، ڈاکٹر خلیل سعادت ہی نے اس انجیل کی فصلوں پر آئینوں کے نمبر ڈالے ہیں، اصل نسخے میں یہ نمبر موجود نہ تھے اور انہوں نے ہی اس کے شروع میں ایک طویل دیباچہ لکھا ہے جس میں اولاً انجیل بننا اس کی دریافت کا مذکورہ بالا واقعہ تحریر ہے اور اس کے بعد ڈاکٹر خلیل سعادت نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ انجیل کسی ایسے یہودی شخص کی تصنیف ہے جو پہلے نصرانی اور پھر مسلمان ہو گیا تھا۔

یہ عربی ترجمہ ہندوستان پہنچا تو مولوی محمد سلیم صاحب انصاری مددوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو ۱۹۱۷ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ یہ تھا انجیل بننا اس کا مختصر لغت، اب یہ تحقیق کریں گے کہ یہ انجیل واقعہ مرتب اس کی تصنیف ہے یا — عیسائی علماء کے بقول — کسی مسلمان کی گھڑی ہوئی ہے، و جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے ہم یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اس انجیل کا دوسرا اسناد بائبل کے کسی بھی حصے سے کم نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

سے آریوس، عیسائیوں کا سب سے بڑا امام ہے جس کے وہ خطوط بائبل میں شائع ہیں۔ (دفعی) یہ جو صورت یہ تو محمد لکھنا چاہی وہ عربی ترجمہ اسٹینٹ بنک لکچر کی لائبریری میں اور دو روزہ جلسہ کی یہی دیدنا سلاھا کے کتب خانے میں دیکھ سکتے ہیں۔

برناباس کون تھے؟ انہیں برناباس کی حقیقت احساس کی حقیقت کہنے کے لئے ہیں۔ دیکھنا چاہئے کہ برناباس کون ہیں؟
 واریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اسیان کے ساتھ خاصہ نظریات کیا تھے؟ ان کے تعارف کا پہلا جملہ ہیں تو کتاب
 اعمال میں ملتا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”اور یوسف نامی ایک لاوی تھا جس کا لقب رسول یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا اور جس کی پیشکش کپڑوں کی تھی،

اس کا ایک کھیت تھا جسے اُس نے بیچا اور قیمت لا کر رسول کے پاؤں میں رکھ دی“ (اعمال م: ۳۶: ۳۷)

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی کہ برناباس واریوں میں بلند مقام کے حامل تھے اور اسی وجہ سے واریوں نے ان کا نام ”نصیحت کا بیٹا“ رکھ دیا تھا، دوسرے یہ بات
 معلوم ہوتی کہ انہوں نے خدا کی رضا ہوتی کی خاطر اپنی ساری ذمہ داری پر غرضی تبلیغی مقاصد کے لئے صرف کر دی تھی۔

اس کے علاوہ برناباس کا ایک امتیازیہ بھی ہے کہ انہوں نے ہی تمام واریوں سے پولس کا تعارف کر لیا تھا، پولس جس کا یہودی نام سافلی ہے، ابتدا میں کوثر
 یہودی تھا، اور شروع میں اُس نے واریوں پر سخت ظلم و ستم ڈھائے تھے، پھر اچانک دمشق پہنچ کر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستے میں مجھ پر ایک نور چکا
 اور اس میں سے مجھے ”خداوند یسوع“ کی یہ آواز آئی کہ تو مجھے کیوں مستانہ ہے؟ چنانچہ اب میں ”یسوع مسیح“ پر ایمان لا چکا ہوں، واریوں میں سے کوئی
 یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ وہ جیسا ولی ہو کل تک ہم لوگوں کو مستانا اور تکلیف پہنچاتا رہا ہے، اب اس اخلاص کے ساتھ ہمارا دوست اور ہم مذہب ہو سکتا
 ہے لیکن یہ برناباس ہی تھے جنہوں نے تمام واریوں کے سامنے پولس کی تصدیق کی اور انہیں بتایا کہ یہ واقعی تمہارا ہم مذہب ہو چکا ہے چنانچہ لوقا پولس
 کے بارے میں لکھتے ہیں:-

”اُس نے ہر تعلیم میں پہنچ کر شگردوں میں مل جانے کی کوشش کی، اور جب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ اُن

کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برناباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا

کہ اس نے اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا اور اُس نے اس سے باتیں کیں، اور اُس نے دمشق میں کبھی دیر

کیا تو یسوع کے نام سے سنا دی“ (اعمال ۹: ۲۶: ۲۷)

اس کے بعد یہی کتاب اعمال ہی ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور برناباس عرصہ ملازمت ایک دوسرے کے ہم سفر رہے اور انہوں نے ایک ساتھ
 تبلیغ حیاتیات کا فریضہ انجام دیا، دریکھئے اعمال ۱۱: ۱۳: ۱۴: ۱۵: یہاں تک کہ دوسرے واریوں نے ان دونوں کے بارگاہ میں یہ شہادت
 دی کہ:-

”یہ دونوں ایسے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پیش کر رکھی ہیں“ (اعمال ۱۳: ۱۳)

پولس اور برناباس کا اختلاف
 اعمال کے چند ہر باب تک برناباس اور پولس ہر معاملے میں شریونشکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد
 اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اس واقعہ تک ساتھ دیکھا جائے تو
 وجہ میں مشترک کے بعد اچانک دو فتنوں میں اس مختلف اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا مطالبہ نہیں رہتا، یہاں تک کہ دونوں
 ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں یہ واقعہ کتاب اعمال میں کچھ اس طرح ناگہانی طور سے بیان کیا گیا ہے کہ ”پھر اُن نے دلا پہلے سے اس کی توقع
 نہیں کر سکتا، لوقا لکھتے ہیں:-

”مگر پولس اور برناباس انکار کیا ہی میں رہے اور بہت سے اور لوگوں کے ساتھ خداوند کا کلام سکھاتے اور اس

کی منادی کرتے تھے، چند روز بعد پورس نے برنباس سے کہا کہ جن جن شہروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا، آؤ
پھر ان میں چل کر بھائیوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں؟ اور برنباس کی صلاح تھی کہ پورس کو جو قریب تھا، اپنے ساتھ لے
چلیں، مگر پورس نے یہ مناسب نہ جانا کہ جو شخص پرتو میں گناہ کر کے اس کام کے لئے ان کے ساتھ گیا تھا اس کو ہمراہ
لے چلیں پس ان میں ایسی سخت ٹکڑا رہی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور برنباس قریب کے گناہ پر پورس کو
روانہ ہوا، مگر پورس نے سیلاس کو پسند کیا، اور بھائیوں کی طرف سے خدا کے فضل کے سبب ہر گناہ ہوا، اور کلیاؤں
کو مضبوط کرنا ہوا سو قیہ اور کلیہ سے گذرا۔ (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب اعمال میں بڑا ہر اس شدید اختلاف کی وجہ ہوتی ہے۔ یہ بیان کی گئی ہے کہ برنباس یہوحن قریس کو مفسر بنانا چاہت تھا اور پورس اس سے انکار کرتا
تھا، لیکن ہماری رائے میں اس شدید اختلاف کا سبب صرف اتنی معرکے کی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ دائمی جدائی یقیناً کچھ بنیادی اختلافات
کی بنا پر تھی۔ اتنی تھی، اس بات کے مندرجہ ذیل شواہد ہیں:۔
۱۔ اسی وقت کے کتاب اعمال میں ان کے "اختلاف" اور "جدائی" کی بیان کرنے کے لئے جو یونانی الفاظ استعمال کیے ہیں وہ غیر معمولی طور پر سخت ہیں۔ ہسٹر
ای۔ ایم۔ بلیک لاک (BLAICKLOCK) اپنی کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اب وقت ایمان داری کے ساتھ دونوں رزقا، (پورس اور برنباس) کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی المناک
کہانی لکھتا ہے، جو لفظ اس نے استعمال کیا ہے یعنی PAROXUSMUS وہ بڑا سخت لفظ ہے اور انگریزی مترجم
K. J. V. اس لفظ کے ترجمہ میں لفظ SHARP (تیز و سخت) کا اضافہ بالکل درست کیا ہے۔ پورس اور برنباس
ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو جاتے ہیں یہاں پھر جدائی کے لئے یونانی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو
بناخت ہے اور عام طور سے استعمال نہیں کیا جاتا، یہ لفظ ہم نامہ جدید میں اس جگہ کے علاوہ صرف مکاشفہ ۱۱۸
میں ملتا ہے، جہاں آسمانوں کے تباہ ہو کر ٹھہا ہونے کا ذکر ہے" (شرح کتاب اعمال مرتبہ ٹاکس ۱۱۸ و ۱۱۹)

کیا اتنا شدید اختلاف جس کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کیے گئے ہوں، صرف اس بنا پر پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یہوحن قریس کو قریب
چاہتا ہے اور دوسرا سیلاس کو؟ اس قسم کے اختلافات بلاشبہ بعض اوقات پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن ان کی بنا پر ہمیشہ کے لئے کسی دیرینہ رفاقت کو خیر باد نہیں
دیا جاتا، خصوصاً جبکہ یہ رفاقت اس مقصد کے لئے ہے جس کے تقدس اس پاکیزگی کے دونوں محترف ہیں، وہ برنباس جو تبلیغ دین کے لئے اپنی ساری پونجی لا کر
مقدس مقام کے قدموں میں ڈھیر کر رہا تھا اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ و دعوت کے مقصد میں ایسی رخنہ اندازی کو گوارا نہ دے گا؟
دوسرے لفظ کی بات یہ ہے کہ بعد میں پورس یہوحن قریس کی رفاقت کو گوارا کر لیتا ہے، چنانچہ قیہ میں کلام اپنے دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے:۔
"قریس کو ساتھ لے کر آ جا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے" (۲۔ تیمتیس ۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قریس کے پورس کا اختلاف اتنی اہمیت کا حامل نہ تھا کہ اس پر برنباس جیسے شخص کی دوستی کو قربان کر دیا جائے، اسی لئے اس نے بعد میں
قریس کی رفاقت کو گوارا کر لیا، لیکن یہ پورس کے ہر نامہ جدید یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برنباس کیسا قریس کے تعلقات
درست ہو گئے تھے، اگر چہ پورس ہی تھا تو اس کے ساتھ پورس کی رفاقت میں اس کے بعد برنباس کے ساتھ قریس کی دوستی کیوں ہمارا نہ ہوئی؟
(۳) پھر جب ہم خود پورس کے خط میں برنباس سے اس کی نامی کتاب کا تعلق کرتے ہیں تو یہیں کہیں نہیں ملتا کہ اس کا سبب یہوحن قریس تھا، اس کے

حضرت میراجیم علیہ السلام سے خطاب ہے ۱۔

”میراجیم جو میرے اور میرے دھیان اور تیرے بھتیجی نسل کے دھیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرد نہ نہ کا ختم کیا جائے، اور تم اپنے بدن کی کھڑکی کا ختم کرنا اور اس کے اندر اس کو گھیرنا اور تھامنا اور دھیان ہے، تمہارے ہاں پشت و پشت ہر طرح کے کا ختم جب وہ آٹھ روز کا ہو، کیا جائے، خواہ وہ گھر میں پیدا ہو خواہ اس کے کسی پر دہی سے پیدا ہو جو تیری نسل سے نہیں، لازم ہے کہ تیرے خاندان اور تیرے نزدیک کا ختم کیا جائے، اور میرا جہد تمہارے جہم میں ایسی جہد ہوگا اور نہ فرزند نہ نہ جس کا ختم نہ ہو اور اپنے لوگوں میں سے کوئی نہ لا جائے کیونکہ اس نے میرا جہد توڑا۔ (پیشکش، ۱۷: ۱-۱۴۱۴)

اور میری علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ۱۔

”اور تمہیں دن بڑے کا ختم کیا جائے۔ (احبار علیہ السلام)

اور خود حضرت علی علیہ السلام کی بھی ختم کی گئی تھی، چنانچہ انہیں لکھا گیا ہے کہ ۱۔

”اور جب آٹھ دن پورے ہوئے اس کی ختم کا وقت آیا تو اس کا نام ایسوع رکھا گیا۔“ (دوقا علیہ السلام)

اس کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کوئی ایسا دایا مستقل نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختم کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

لہذا یہ بات عین قرین قیاس ہے کہ وہ برہنہ اس جس نے حضرت علی علیہ السلام سے براہ راست طاقت کا شرف حاصل کیا تھا، پورس جسے بننا پر برگشتہ ہوا ہو کہ وہ ایک عرصہ صاف نکالے اپنے آپ کو سچا عیسائی ظاہر کرنے کے بعد مذہب عیسوی کے بنیادی عقائد و احکام میں تحریف کا مرتکب ہوا تھا، شروع میں برہنہ اس نے پورس کا ساتھ اس لئے دیا تھا کہ وہ اسے غلط عیسائی سمجھتے تھے، لیکن جب اس نے غیر اقوام کو اپنا مربی بنانے کے لئے مذہب کی بنیادوں کو منہدم کرنے اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کا سلسلہ شروع کیا تو وہ اس سے جدا ہو گئے اور اسی بنا پر پورس کثیروں کے نام خط میں برہنہ اس کو طاعت کرتے ہوئے یہ لکھتا ہے کہ ۱۔

”میراجیم وہ آگئے تو غمخواروں سے ڈر کر باز رہا اور کناہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کی طرح بیاکاری کی، لہذا

تک کہ برہنہ اس بھی اس کے ساتھ بیاکاری میں چڑ گیا۔“ (دگتیلو علیہ السلام)

اس بات کو پادری ہے۔ پورس اس سے بھی عیسوی کہہ جس کو پورس اور برہنہ اس کی ہدایت کا سبب صرف مرقس نہ تھا، بلکہ اس کے پس پشت پر نفسانی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں ۱۔

”جب برہنہ اس اور پورس نے جو بڑے عالی حوصلہ شخص تھے، ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہوگا اور یوں وہ وقت و دہرہ برحق ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال ضرور گذشتہ ہے کہ ان کے دھیان کچھ نہ کچھ غلط رہا جاتی ہے جو بدین ظاہر ہوتی ہے

(حیات و خطوط پورس ص ۸۹ و ۹۰)

مندرجہ بالا بحث کو ذہن میں رکھ کر اب انہیں برہنہ اس پتا جائے، ہمیں اس انہیں کے بالکل شروع میں جو بات ملتی ہے وہ یہ ہے ۱۔

ایھا الاعشار وان الذرا العظیم العجیب قد افتقدنا فی هذا الايام الاخیرة نسیب یسوع المسیح بوجہ عظیمہ للتعلیم والآیات النبی اتخذها الشیطان ذریعۃ لتفصیل کشیون بداموی التفری ہشون
اسے عزیز! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے، اس انہی نے مانے میں ہیں اپنے ہی ایسوع مسیح کے خلیہ ایک عظیم رحمت سے آرا یا، اس تعلیم اور آیتوں کے خلیہ میں ہیں، شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا خلیہ بنایا ہے جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے

یتعظیم شدید، الکفر والعین المسیح ابن اللہ
وسرافضین الختان الذی امر بہ اللہ وانما
عجز عن کل حنم نفس اللہ فی عقل فی عداہم ایضاً
وہو الذی لا تکلہ منہ الا صلیح الایمان وهو
السبب الذی لا جلد اسفل فلانک اطلت
الذی صلیحہا وسمعتہا اثناء معاشی فی لیسوم
لکی تخلصوا ولا یضلمکم الشیطان فتملکونی وینونہ
اللہم ، وجلیہ فاحسن واکل احدہم پیشو کہ تعلیم
جدیدہ، مضائقہ اکتبہ، تخلصوا خلاصاً ابداً یا۔
(دربنیاں ۱۱: ۹۲۲)

ہیں، اور سخت کھڑکی تبلیغ کرتے ہیں، مسیح کائنات کا بیٹا کہتے
ہیں، عقیدہ کا انکار کرتے ہیں جس کا اللہ نے ہمیں کئے حکم دیا
ہے اور ہمیں گوشت کو جائز کہتے ہیں، انہیں کھدے میں
پرکس بھی مگراہ ہو گیا جس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اگر
انہوں نے کھانا، اور وہی سبب ہے جس کی وجہ سے میری
حق بات کھانا ہوں جو میں نے لیون کے ساتھ پہنے کے
دوران ہی اور دیکھی ہے تاکہ تم نکات باز اور ہمیشہ شان
مگراہ ذکر کے اندر تم اللہ کے حق میں مگراہ ہو جاؤ اور اس بنا پر
ہر اس شخص سے بچو جنہیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے جو میرے
لفظ کے خلاف ہے تاکہ تم اپنی ابدی بچات پاؤ۔

کیا یہ عین قرین قیاس نہیں ہے کہ پولس سے نظریاتی اختلاف کی بنا پر جو ہمارے ہونے کے بعد درنیاں نے جو عہدہ دیا، انک حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے
حضرت مسیح کی ایک سوانح نہیں ہے اور اس میں پولس کے نظریات پر تنقید کے کچھ عقائد و نظریات بیان کئے گئے ہوں؟

یہاں تک ہمارے گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ خود بائبل میں درنیاں کا جو کھانا پیش کیا گیا ہے اس میں پولس کے ساتھ ان کے عین اختلافات
کا ذکر ہے ان کے پیش نظر یہ بات چننا بعد نہیں ہے کہ درنیاں نے ایک ایسی انجیل لکھی جو جس میں پولس کے عقائد و نظریات پر تنقید کی گئی ہو اور وہ مردہ جیسا
عقائد کے خلاف ہو۔

اگر یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ انجیل درنیاں کو درنیاں کی تعریف کچھ کے واسطے سے ایک بہت بڑی کا دہ
دہ ہو گئی، اس لئے کہ عام لوگوں اور بالخصوص عیسائی حضرات کے دل میں اس کتاب کی طرف سے ایک بہت بڑا — بلکہ شاید بڑے بڑا — شبہ ای وجہ سے
پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اس میں بہت سی باتیں ان نظریات کے خلاف نظر آتی ہیں جو پولس کے واسطے سے ہم تک پہنچے ہیں، وہ وجہ یہ دیکھتے ہیں کہ ای کتب کی بہت سی
باتیں انہیں اچھل چکی ہیں اور وہ عیسائی نظریات کے خلاف ہیں تو وہ کسی طرح یہ باہر کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ یہ واقعی درنیاں کی تعریف ہے، اسے ایک پوینڈا امریکا
کا ساتھ لگا کر اس انجیل پر چھوڑ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

”ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے ہم یہ معلوم کر سکیں کہ انجیل درنیاں کے اصلی مضامین کیا تھے؟ تاہم ان نام
سے اطلاع دینی ان میں ایک طریق محدود ہے کل پایا جاتا ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے کھانا گیا ہے اور جس میں تو ہم پہنچا کا ایک
مضبوط عنصر موجود ہے، اس لئے کہ اس میں اصل دانا سے ایڈٹ کیا تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ یہ کسی ایسے
شخص کی تعریف ہے جس نے عیسائی مذہب چھوڑ دیا تھا، اور غالباً یہ تیرہویں اور سترہویں صدی کے درمیان لکھی گئی۔“

ڈانسا نیو پیڈیا امریکا نام ۲۶۶: ۳۷۷ م۔ لہ درنیاں م

آپ نے دیکھا کہ فیض مقالہ لکھنے کے کتاب کے ناقابل اعتبار ہونے پر کوئی غور و خیر پیش کرنے کے بجائے چھوٹی سی اس پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ: ”اس اسلامی نقطہ نظر
لکھا گیا ہے“ اور اس بات کو کتاب کے اصلی ہونے پر کافی دہش کھڑا کر دیا کہ اس کا لکھنے والا کون تھا؟ اس لیے کہ لکھی گئی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ پولس
کے نظریات و عقائد اس کے بیان کردہ واقعات و خبروں میں کچھ اس طرح سمجھ چکے ہیں کہ جس کتاب میں ان کے خلاف کوئی بات کہی گئی ہو جو کسی عبادی کی طرف
منسوب کرنے پر دل آمادہ نہیں ہوتے، — لیکن اگرچہ گزارشات ہم نے پیش کی ہیں، اگرچہ ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر درنیاں کی کسی

تصنیفیں پوس کے عقائد و نظریات کے خلاف کوئی حقیقہ یا واقعہ بیان کیا گیا ہوتا وہ کسی طرح تعجب خیز نہیں ہو سکتا اور محض اس بنا پر اس تصنیف کو جعلی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ پوس کے نظریات کے خلاف ہے، اس لئے کہ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ پوس اور برنٹاس میں کچھ نقطہ یاتی اختلاف تھا جس کی بنا پر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔

اس بنیادی نقطہ کو دہرائے تفصیل اور وضاحت سے ہم نے اس لئے بیان کیا ہے تاکہ انجیل برنٹاس کی اصلیت کی تحقیق کرتے ہوئے وہ غلط تصورات پر نہ دھبہ ہو جائے جو عام طور سے شعوری یا غیر شعوری طور پر پائی جاتا ہے۔

اس کے بعد آئیے دیکھیں کہ کیا واقعی برنٹاس نے کوئی انجیل لکھی تھی؟ جہاں تک ہم نے اس موضوع پر مطالعہ کیا ہے اس بات میں دو رائیں نہیں ہیں کہ برنٹاس نے ایک انجیل لکھی تھی، عیسائیوں کے قدیم تافضیں برنٹاس کی انجیل کا تذکرہ ملتا ہے، اہل بائبل بھی دس ۳۳ جلدوں میں اس کے بارے میں کچھ لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ کتبوں کی فہرست نقل کی گئی ہے اس میں انجیل برنٹاس کا نام بھی موجود ہے، امریکا، دس ۲۶۲ ج ۳۳ کے مقالہ برنٹاس میں بھی اس کا اعتراف کیا گیا ہے۔

چونکہ انجیل برنٹاس دوسری انجیلوں کی طرح روایت نہیں پاسکی، اس لئے کسی غیر جانب دار کتاب سے یہ پتہ نہیں چلا سکتے کہ اس کے مصنفین کیا تھے؟ لیکن کلیسا کی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا ملتا ہے جس سے اس کے مندرجات پر کچھ سی روشنی پڑتی ہے اور جس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ برنٹاس کی انجیل، عیسائیوں کے عام عقائد و نظریات کے خلاف کچھ باتیں موجود تھیں، وہ واقعہ یہ ہے کہ بائبل میں صدی عیسوی میں (یعنی تصنیف صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بہت پہلے) ایک باب..... جیکوٹھیس اول کے نام سے مذکور ہے۔ اس کے آٹھ آیتیں ہیں، ایک نمبر، چارویں آیت ہے "فرمان جیکوٹھیس" (SCREED) کے نام سے مشہور ہے اس فرمان میں اس نے چنانچہ ان کے پڑھنے کو منع فرما دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک انجیل برنٹاس ہے، اور دیکھتے آئیے یہ کیسا عجیب امر ہے کہ دس ۳۳ ج ۳۳ کے مقالہ برنٹاس اور

چیز ہیں انسانی توحید میں دس ۹۰ ج ۶۶ کے مقالہ جیکوٹھیس، اور مقالہ انجیل برنٹاس انڈیا کے خلیفہ مسیحی مسیحی م

انجیل بعض معنی علما نے جیکوٹھیس کے اس فرمان کو بھی معنی اور تفسیر سے قرار دیا ہے (مثلاً آئیے دیکھیں یہ ایک مقالہ جیکوٹھیس، لیکن اس کی کوئی دلیل یہ محض اس کے ہونے اور امریکا کے مقالہ نگاران نے اسے تسلیم کیا ہے۔ و مثبت مقدم علی الناس فی۔

بہر گز اگر آئیہ فرمان درست ہے تو سوال یہ ہے کہ جیکوٹھیس نے اس انجیل برنٹاس کے مطالعہ کو کیوں منع فرما دیا؟ خاص طور سے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ پوپ بیٹھیس پانچویں فرقوں کا عقائد کے پیروں بہت مشہور ہے، یقیناً اس نے اس کا مطالعہ اس لئے منع کیا ہوگا کہ اس میں ہماری جیب کی نظریات کی خلاف کچھ باتیں موجود تھیں اور ان سے کسی فرقہ کی تائید ہوتی ہے۔

اس واقعہ سے اتنا اندازہ اور اس پر اتنا ہند کہ میں برنٹاس نامی کتاب کی نظریات کے خلاف تھی، اب تک جتنی باتیں ہم نے عرض کی ہیں وہ خالصتاً ہی قرآن میں ہیں۔ اس سے موجودہ انجیل برنٹاس کی اصلیت پر کچھ پتہ چل سکتا ہے۔ یہ فرقہ انجیل کے مطالعہ کو منع فرما دیا تھا کہ اس کے اندر کوئی قرآن سے بحث کرنے ہوتے وہ داخلی تہذیبوں میں بیان کریں گے جن کے اس کتاب کے بارے میں کچھ پتہ چل سکتا ہے۔ یہ فرقہ انجیل کے مطالعہ کو منع فرما دیا تھا کہ اس کے اندر کوئی قرآن سے بحث کرنے ہوتے وہ داخلی تہذیبوں میں بیان کریں گے جن کے اس کتاب کے بارے میں کچھ پتہ چل سکتا ہے۔

انجیل کے بارے میں کچھ پتہ چل سکتا ہے۔ یہ فرقہ انجیل کے مطالعہ کو منع فرما دیا تھا کہ اس کے اندر کوئی قرآن سے بحث کرنے ہوتے وہ داخلی تہذیبوں میں بیان کریں گے جن کے اس کتاب کے بارے میں کچھ پتہ چل سکتا ہے۔ یہ فرقہ انجیل کے مطالعہ کو منع فرما دیا تھا کہ اس کے اندر کوئی قرآن سے بحث کرنے ہوتے وہ داخلی تہذیبوں میں بیان کریں گے جن کے اس کتاب کے بارے میں کچھ پتہ چل سکتا ہے۔

انجیل کے بارے میں کچھ پتہ چل سکتا ہے۔ یہ فرقہ انجیل کے مطالعہ کو منع فرما دیا تھا کہ اس کے اندر کوئی قرآن سے بحث کرنے ہوتے وہ داخلی تہذیبوں میں بیان کریں گے جن کے اس کتاب کے بارے میں کچھ پتہ چل سکتا ہے۔ یہ فرقہ انجیل کے مطالعہ کو منع فرما دیا تھا کہ اس کے اندر کوئی قرآن سے بحث کرنے ہوتے وہ داخلی تہذیبوں میں بیان کریں گے جن کے اس کتاب کے بارے میں کچھ پتہ چل سکتا ہے۔

پوچھ رکھتا ہوں کہ کسی ایسی غلطی نہیں کر سکتا، یہ جلسہ ان کی فطرت ہے کہ وہ شبہ میں ڈالنے والی کھلی باتوں سے پرہیز کی کوشش کرتا ہے ایسے مواقع پر اس کے لئے آسان راستہ یہ تھا کہ وہ صرف ایک دو جھگڑے پر آپ کا اسم گرامی ذکر کرتا اور بس! بلکہ اس سے بھی بہتر طریقہ یہ تھا کہ انہیں یوحنا میں نام تطبیق کے نام سے جو پیشین گوئی مذکور ہے اسے حوالہ کی توں نقل کر کے فارغیت کے بجائے آپ کا اسم گرامی لکھ دیتا، انہیں برہنہ کر کے دیکھنے تو اندازہ ہوگا کہ اس کا لکھنے والا نہ صرف یہ کہ بائبل کا وسیع علم رکھتا ہے، بلکہ انتہائی ذہین اور نیرنگ ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ اپنے مذہب کو حق ثابت کرنے کے جوش میں اس نے اس قدر سائنس کی بات کو نظر انداز کر دیا ہو؟

۲۲) اگر اس انجیل کا مصنف مسلمان ہے تو جگہ جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کرنے سے اس کا مقصد یقیناً یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت کو درست ثابت کرے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام صراحتہً آپ کا نام لے کر آپ کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے، — ایسی صورت میں اسے چاہئے تھا کہ وہ اس کتاب میں ہر جگہ، یا کم از کم ایک جگہ، آپ کا نام آخر ذکر کرتا۔ مائے قرآن کریم کی جس آیت کی تصدیق کرنا چاہتا ہے اس میں یہی نام ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہے —

وہبشرا برسلی یاقی من بعدی اسمہ احمد۔ اور (میں) اس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں کہ دیکھا جائے گا۔

یوں، جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام "احمد" ہوگا۔

اس کے بعد اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ اس کتاب میں ہر جگہ آپ کا اسم گرامی "محمد" ذکر کیا گیا ہے اور کسی ایک جگہ بھی "احمد" کا لفظ موجود نہیں ہے۔

۲۳) اس کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ کہنا لایا گیا ہے کہ بعد تدیم کی کتابوں میں جن میں "یوحنا" یا "متی" کی بشارت دی گئی ہے اس سے عواوین میں ہوں۔

بلکہ "محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) میں، (فصل ۱۷ آیت ۱۴)

اگر اس کتاب کا لکھنے والا کوئی مسلمان ہے تو اسے یہ بات لکھنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ یہ مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہے اور اس کے لکھنے سے بھی خواہ مخواہ

شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ لکھنے والے نے کسی کو دھوکہ دینے کے لئے یہ سب کچھ نہیں لکھا تھا، بلکہ یہ کتاب دراصل ایک "EMINATORY" (

کتاب ہے جس میں لکھنے والے نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے نقطہ نظر کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی ساری حیات یہی رہی چاہئے؟

یہ بات کسی حد تک قرین قیاس ہو سکتی تھی، لیکن انجیل برہنہ اس کو پڑھنے کے بعد اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے، اول تو ایسی صورت میں مسلمان کو اپنا نام

ظاہر کرنا چاہئے تھا، اس کی بجائے اس نے اسے برہنہ کی طرف منسوب کیا؟ پھر اس کتاب میں بہت سی باتیں اسلامی تصورات کے بالکل خلاف ملتی ہیں، ان کی کوئی دلیل

سمجھ میں نہیں آتی، مثلاً — ۱) ام فصل ۱۷ آیت ۱۴ اور فصل ۱۷ آیت ۱۴ اور فصل ۱۷ آیت ۱۴ میں کچھ فرشتوں کے نام ذکر کئے گئے ہیں، جن میں جبریلؑ کے علاوہ

میکائیلؑ، رفائیلؑ اور ادریلؑ بھی مذکور ہیں، مگر اول الذکر تینوں ناموں سے اسلامی ادب بالکل نا آشنا ہے۔

۲۴) فصل ۲۱ اور ۲۲ میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے ایک مرتبہ پھر دنیا

میں جانے کی اجازت دکھائے، تاکہ میں اپنی والدہ اور والدہ گزشتہوں سے مل آؤں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ انہیں دوبارہ دنیا میں بھیجا اور وہ اپنی

والدہ اور شاگردوں سے کچھ دیر گفتگو کر کے پھر واپس تشریف لے گئے۔

یہ واقعہ بھی اسلامی تصور کے خلاف ہے، آج تک کوئی مسلمان ہمارے نگاہ سے ایسا نہیں گزرا جو حضرت مسیحؑ کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد پھر

دوبارہ دنیا میں آئے ہو۔

۲۵) فصل ۱۷ آیت ۱۴ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہے کہ —

اعطوا ذا القیمہ و القیمہ و ما للہ للہ۔ تب تو قیمہ کا حق قیمہ کو دے دو اور اللہ کا حق اللہ کو۔

دین و سیاست کی تفریق کا یہ نظریہ خالصتہً غیر اسلامی ہے۔ اہل علمائے اسلام شروع سے اس کی تردید کرتے آئے ہیں۔

دوم، نصل عفا: آیت میں آسمانوں کی تعداد کو بتلانی گئی ہے اگرچہ بعض فلاسفہ کے قائل رہے ہیں مگر مسلمانوں پر مشہور قول سات ہی کا ہے، قرآن کریم میں بھی آسمانوں کی تعداد ہر جگہ سات ہی مذکور ہے، اس طرح کے بعض اور تصورات اس کتاب میں ایسے نظریوں جو عام اسلامی نظریات کے قطعی خلاف ہیں، یا کم از کم مسلمانوں کے یہاں معروف نہیں ہیں، ان حالات میں یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ یہ کتاب کسی مسلمان کی تعمیل و تصنیف ہے۔

یہ تھے وہ قرائن جن کی موجودگی میں اس کتاب کو کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینا بہت بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اب ہم وہ قرائن پیش کرتے ہیں جن سے اس کتاب کا جعلی ہونا معلوم ہوتا ہے اور جن سے اکثر عیسائی حضرات اور اہل مغرب نے استدلال کیا ہے۔

۱۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا، عیسائی حضرات کو اس انجیل کے اصلی ہونے پر بے پہلا شبہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں بیان کردہ عقائد و دشمنیات انجیل ایلہ کے بالکل خلاف ہیں، لیکن بحث کی ابتدا میں ہم تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ بائبل کی انجیل میں اگر عام عیسائی تصورات کے خلاف کچھ باتیں ہوں تو وہ کسی طرح محسوس تعجب نہیں ہیں اور تنہا یہ بات اس کتاب کے جعلی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

۲۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ اس کتاب میں بہت سے مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی مذکور ہے حالانکہ عام طور سے انبیاء علیہم السلام آئندہ کسی نبی کو پیشین گوئی فرماتے ہیں تو صاف صاف نام ذکر کرنے کے بجائے اس کا علیہ اداس کے اوصاف بیان کرتے ہیں اور وہ بھی عموماً منکشفات اور اشاروں کی شکل میں، بائبل میں کسی جگہ کسی آنے والے شخص کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔

لیکن اس میں اول تو یہ کہنا ہی غلط ہے کہ بائبل میں کسی آنے والے کا نام ذکر نہیں ہے، اس لئے کہ کتاب یسحیاہ میں حضرت شیخا علیہ السلام کی زبانی یہ پیشین گوئی بیان کی گئی ہے کہ:

”دیکھو۔ ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا اور وہ اس کا نام عتزلوئیل رکھے گی“ (یسحیاہ ۷: ۱۴)

عیسائی حضرات کا کہنا ہے کہ اس عبارت میں حضرت یسحیاہ علیہ السلام کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے انجیل میں اس عبارت کو پیش کر کے حضرت یسحیاہ علیہ السلام کی حقانیت پر استدلال کیا گیا ہے (دیکھئے مئی ۱۹۷۱ اور لوقا ۳: ۳۱)۔ اگرچہ اس معاملہ میں بائبل کے شارحین سخت حیران ہیں کہ حضرت یسحیاہ علیہ السلام کا کوئی نام عتزلوئیل تھا یا نہیں؟ لیکن اس سے کم از کم اتنی بات ہر صورت ثابت ہو جاتی ہے کہ بعض مرتبہ کسی عظیم الشان شخصیت کی آمد کی پیشین گوئی اس کا نام بتا کر کر دی جاتی تھی، اس کے علاوہ زبور میں ہے۔

”تو میں کس لئے طیش میں ہیں؟ اور لوگ کیوں باطل خیال باندھتے ہیں؟ خداوند اور اس کے مسیح کے خلاف“ (زبور ۱۱۲: ۱)

عیسائی حضرات کے نزدیک اس عبارت میں مسیح سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، دیکھئے آکسفورڈ بائبل کنکارڈس میں ۳۷۶ء مطبعہ لندن م اس پیشین گوئی میں بھی صریح تعجب موجود ہے، بلکہ کتاب دانیل میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لقب کے ساتھ آپ کی منت بھی بیان کر دی گئی ہے۔

”اور باسٹھ مہینوں کے بعد وہ مسیح قتل کیا جائے گا اور اس کا کچھ نہ رہے گا“ (دانیل ۷: ۲۵)

اس کے علاوہ یسحیاہ ۴۰ اور یرمیاہ ۲۳ میں بھی انبیاء کی شخصیتوں کے نام ذکر کئے گئے ہیں، ان تمام حوالوں سے بہر حال یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اگر آنے والی شخصیت عظیم الشان ہوتو بعض اوقات پیشین گوئی میں اس کا نام بھی ذکر کیا جاتا ہے، مذکورہ مثالیں تو بائبل کی تھیں، اسلامی و خیر خواہ احادیث میں آخر زمانہ کے حضرت محمدی رضی اللہ عنہ کا نام بھی ملتا ہے۔

اب آپ خود فرمائیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی انجیل میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کیا ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات ہے؟ خاص طور سے اس لئے کہ آپ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں ممتاز ترین مقام کے حامل تھے، آپ پر نبوت و رسالت کے مقدس سلسلے کو ختم ہونا تھا، اب آپ کی نبوت کو کسی خاص خطے یا قوم کے ساتھ مخصوص نہ کرنے کے بجائے دنیا کے ہر گوشے کے لئے عام کیا جانے والا تھا، کیا ایسے نبی کی پیشین گوئی میں علیحدہ اوصاف

کے علاوہ نام ذکر کرنا قرین قیاس نہیں ہے۔

۵۳) انجیل برنباس کے اصلی ہونے پر تیسرا شبہ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس انجیل کا اسلوب بیان باقی انجیلوں کے مختلف ہے۔ لیکن ہمارے سامنے ہیں اولیٰ تو اسلوب بیان کے اختلافات کا فیصلہ اتنی جلدی سے نہیں کیا جاسکتا، اب تک انجیل برنباس کا کوئی عبرانی یا یونانی نسخہ دریافت ہی نہیں ہوا جو اس انجیل اربعہ کا مقابلہ کیا جاسکے، اور نیز انجیل کے ذریعہ اسلوب تحریر کا موازنہ بہت غیر مختار طور پر کیا۔ اسلوب تحریر کا جس قدر اختلاف ترجموں سے معلوم ہوتا ہے، وہ بہت نمایاں نہیں ہے جس کی بنا پر کوئی فیصلہ کیا جاسکے۔

۵۴) دوسرے اگر واقعی انجیل برنباس اور دوسری انجیلوں میں اسلوب میں اسلوب کا فرق ہے تو اس سے اس کے اصلی ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ پھر گھنے دانے کا اسلوب تحریر جدا ہوتا ہے، کیا یہ حقیقت سامنے نہیں ہے کہ انجیل یوحنا اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے پہلے تین انجیلوں سے بے حد مختلف ہے اور اس بات کو تمام حیات کی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں، یا دوسری سی۔ ٹی۔ مینلی ہانس پرانی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں:۔

”تاہم یہ انجیل (یعنی انجیل یوحنا) سرد و محض رہی ہے، کیونکہ یہ انجیل متفقہ کے طریقے سے مختلف ہے، بیشک اختلافات

تو ہیں، لیکن اگر ہم بعضی انجیل کو اس کی اپنی خوبیوں کی روشنی میں دیکھیں تو اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یا تو مصنف خود چشم

دید گاہ تھا، یا کسی چشم دید گاہ کے بیانات اور شہادت کو اس نے نقل کیا تھا۔“ (دہائی کتاب مقدس ص ۴۸۸ مطبوعہ ہوم

نیز جو نہ نامہ جدید کے مفسر مسٹر کار۔ اے۔ ٹاکس نے اپنی تفسیر کے شروع میں کسی قدر تفصیل سے انجیل یوحنا کے اسلوب بیان کا جائزہ لیا ہے) (ملاحظہ ہو

اے نیو ٹیسٹامینٹ کمنٹری ص ۱۳۳ جلد اول مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ء) مہند اگر انجیل یوحنا باقی تین انجیلوں سے اسلوب کے فرق کے باوجود معتبر انجیل کہلائی جاسکتی

ہے تو کیا وجہ ہے کہ انجیل برنباس کے اسلوب تحریر کی وجہ سے اسے رد کر دیا جائے؟

۵۵) انجیل برنباس کے اصلی ہونے پر چوتھا شبہ بعض حضرات کو یہ ہوا ہے کہ نئی کے واقعہ میں حضرت مسیح علیہ السلام جس پہاڑ پر چڑھے تھے، اس کتاب کی فصل ۱۱

آیت ۱۹ میں اس کا نام ”جبل طابورن“ لکھا ہے، حالانکہ یہ تحقیق انجیل اربعہ کے بہت بعد ہوئی ہے کہ اس پہاڑ کا نام ”طابورن“ تھا۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات انجیل برنباس کی اصیلت کو نقصان نہیں، فائدہ پہونچاتی ہے اس لئے کہ یہ عین ممکن ہے کہ انجیل اربعہ کے مصنفین

نے واقفیت کی بنا پر، یا غیر ضروری سمجھ کر پہاڑ کا نام ذکر نہ کیا ہو، برنباس نے اسے ذکر کر دیا، اس قسم کے اختلافات خود انجیل اربعہ میں سے کثرت

پائے جاتے ہیں۔

۵۶) انجیل برنباس کی اصیلت پر ایک خاصا زنی اعتراض وہ ہے جو ڈاکٹر ضحیل سعادت نے اس کے عربی ترجمے کے مقدمے میں بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ اس

کتاب کی فصل ۱۱ آیت ۱۹ میں ایک جگہ یہ موجود ہے کہ:۔

حقّی اَنّو سَنّتہا الیو بیل اِنّی تجبّی الاَن سَحل

مَنّتہ مَنّتہ سیجولھا متیلا کل سَنّتہ ف

کل مکان۔

اس میں جس جوبلی کا ذکر ہے اس سے مراد ایک یہودی تہوار ہے، اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس وقت ہر سال میں آتا ہے۔ حالانکہ یہ تہوار حضرت

مسیح علیہ السلام کے زمانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد تک ہر پچاس سال کی ابتداء میں منایا جاتا ہے، کتاب اعمار ۲۴ میں اس کے

لئے پچاس سال ہی کی مدت بیان کی گئی ہے، اور اس کے بعد کلیسا کی تاریخ میں صرف سن ۱۱۰۰ء ایک ایسا سن ہے جس میں پوپ یونیفکیشن ششم نے اس

جوبلی کی مدت میں اضافہ کر کے اسے ہر صدی کی ابتداء میں منانے کا حکم دیا تھا، لیکن بعد میں اس حکم پر عمل نہ ہو سکا اس لئے کہ سن ۱۱۰۰ء میں جوبلی جوبلی

منائی گئی اس میں کلیسا مال و دولت سے نہال ہو گیا، اس لئے پوپ کلیمنٹ ششم نے سن ۱۳۰۰ء میں یہ فرمان جاری کیا کہ یہ تہوار ہر پچاس سال میں ایک

مرتبہ منایا جائے، پھر لوہ آدھون ششم نے اس مدت میں کی، اور ۳۸۹ سال میں یکم جاری کیا کہ یہ تہود ہر تین سال میں ایک بار منایا جائے، پھر لوہ دوسرے دوم نے اور کی کے اسے ہر چھ سال منانے کا حکم دیا۔ اس انجیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پوری تاریخ میں صرف ۳۳۰ سے ۳۵۰ تک ایک ایسی مدت گزری ہے جس میں اس پہلی کبر رسال میں ایک بار منانے کا حکم دیا گیا تھا، اس نے انجیل برنیاں کا لکھنے والا ہی مدت کا ہونا چاہتے۔

لیکن پھر خود انگریز خلیس مساحت ہی نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے اور یہ کہ انجیل برنیاں کو پڑھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا لکھنے والا عہد نامہ قدیم کے تمام معجزوں سے خوب واقف ہے اور اس کا کتب علم رکھتا ہے، ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے ایسی ناش غلطی ہوگئی ہو جس کا معمولی طالب علموں سے سرزد ہونا بھی مشکل ہے، لہذا بطور اہل علم ہونا ہے کہ اصل نسخے میں یہاں تئیس کے بجائے "پچاس" کا نسخہ ہوگا، لیکن کسی لکھنے والے نے غلطی سے اس لفظ کے کچھ حروف گھٹا کر آٹھ تئیس بنا دیا، اس لئے کہ اٹھویں زبان میں تئیس اور پچاس کے لفظوں میں کچھ اتنی مشابہت ہے کہ اس قسم کی غلطی واقع ہونا عین ممکن ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ جو دہریں صدی عیسوی کے کسی شخص نے یہ جملہ حاشیہ کے طور پر بڑھا دیا ہو جو غلطی سے متن میں شامل ہو گیا، باقی اس طرح کے بیشمار لحاظ ہونے میں جن کا احترام مسلمان اور عیسائیوں دونوں کو ہے، مثلاً کتاب پیدائش ۱۳: ۳۵ میں ایک ایسی کلام جبرون ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس ہی کلام جبرون کے باعث قریت اربع تھا اور جب بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فلسطین کو فتح کیا، تب اس کلام جبرون لکھا تھا، چنانچہ کتاب پرش میں تصریح ہے کہ :-

اسا لکھے وقت میں جبرون کا نام قریت اربع تھا (مشروح ۱۱)

یہ تو ایک مثالی ہے، حضرت مرزا رحمت اللہ کیرا لکھنے سے باقی سے کسی بہت سی ناش غلطی ہوئی ہیں، ملاحظہ فرما لیا کہ باب دوم مقصود ہم جلد اول میں ان تمام مثالوں میں عیسائی علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ بعد میں کسی نے حاشیے کے طور پر بڑھا دیے تھے، جو غلطی سے متن میں شامل ہو گئے، یہی بات انجیل برنیاں میں اس مقام پر بھی کی جا سکتی ہے۔

دہم انجیل برنیاں کی اصلیت پر چنانچہ اعتراض بعض لوگوں نے یہ کیا ہے کہ اس کے بہت سے نظریات جو دہریں صدی کے شہید شاعر ڈانت سے ملتے ہیں، لہذا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف ڈانت کا ہم عصر ہے، لیکن اس اعتراض کی گزردہ سی محتاج بیان نہیں دے سکتا کیونکہ اس کا کلام میں اگر کچھ مطابقت پیدا ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے ایک لانا دوسرے سے مماثل ہے، عند بقول علامہ رشیدی صفا یہ ماننا پڑے گا کہ کلمات کے تمام قوانین تحریر کے قانون سے ماخوذ ہیں، پھر اگر تیار پیشہ شکل معلوم ہوتا ہے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ ڈانت نے اپنے خیالات انجیل برنیاں سے مستعار لئے ہوں؟

(۷) ڈاکٹر خلیس مساحت نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اس میں بعض بیش فلسفیانہ انداز کی ہیں، انسانا میں اور جب یہ انداز نہیں ہے، لیکن اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اسلوب کا اختلاف اس کے اصلی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا، انجیل یوحنا کو دیکھیے اس کا شاعرانہ اور تمثیلیت سے بھرپور انداز باقی تینوں انجیلوں کے نسبتاً مختلف ہے؟ اس کی بہت سی جہاتیں تو ایسی ہیں کہ آج تک قطعی طور سے حل نہیں ہو سکتیں، مگر اگر عیسائی معتبر انجیل مانتے ہیں۔

(۸) ہمارے نزدیک انجیل برنیاں کے قابل اعتماد ہونے پر سب سے زیادہ مضبوط اعتراض یہ ہے کہ یہ کتاب کی قابل اعتماد طریقے سے ہم تک نہیں پہنچی، جس شخص نے اسے پیسلیا اور قائم کیا ہے، اس کے بارے میں ہم کچھ بھی معلومات نہیں ہیں کہ وہ کس قسم کا انسان تھا؟ اس نے فی الواقعہ نسخہ کہاں سے حاصل کیا تھا؟ اور ایک طریق عروہ تک یہ نسخہ کہاں کہاں اور کس کس کے پاس رہا ہے؟

ہمارے نزدیک یہ سوالات بہت محول اور مدت ہیں اور جب تک ان کا کوئی تسلی بخش جواب نہ ملے، اس وقت تک اس کتاب کو قطعی طور پر اصلی قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن عینہ یہ سوالات باقی رہیں گے، ہمارے یہاں پیدہ ہو رہے ہیں، جن کا کوئی تسلی بخش جواب ابھی تک نہیں مل سکا، لہذا جو حضرات بائبل کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں ان کے لئے انجیل برنیاں کو قابل اعتماد قرار دینے کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

پہلی کی ابتدا میں یہ لکھ چکے ہیں کہ اس طریق گفتگو ہم یہ دیکھ کر ناخوش ہیں چنانچہ کہ کتاب قطعی طور پر اصل اور قابل اعتماد ہے، نہ ہمارے قطعی طور پر۔

اہل ہندو مت کے ہاتھ میں نہ ہمارے یہ دعویٰ ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب مجھے ہے، بلکہ ہماری گزارشات کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اس کا پائیدار اعتبار بائبل کی کسی کتاب سے ہرگز نہ نہیں ہے، جیسے ناقابل اعتقاد طریقوں سے بائبل پر تنگ پر بھی ہے، ایسے ہی طریقوں سے یہ بھی پر بھی ہے، جس طرح بائبل برنباس کا سلسلہ سند کے دریا بہت زیادہ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اس طرح قدامت کی سند ڈھنسی بھڑکی ہوئی زیادہ سے زیادہ حلقہ کا بن تک پر بھی ہے، شاہ یسایہ کے زمانے تک اس کا کوئی پتہ نشان نہ تھا، اچانک یسایہ کے زمانے میں حلقہ کا بن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے ملکی کو صاف کرتے وقت قدامت مل گئی ہے امداس کے دعوے کو بغیر کسی تحقیق کے تسلیم کر لیا جاتا ہے (دیکھئے ص ۲۲-۲۳ سلاطین ۲۲: ۲۰ تا ۲۱)

یہی حال جدید تہذیب کی دوسری کتابوں کا ہے کہ ان میں سے اکثر کے بارے میں تو یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ ان کا مصنف کون تھا؟ امداس کے زمانے میں کسی گنبد؟ عہد نامہ قدیم کا معاملہ تو بہت چلنا ہے، خود بائبل اور اہل اہلہ کا یہی حال ہے کہ ان کی کوئی سند موجود ہے نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ واقعی حوالہ دیں یا ان کے تکرار کی گئی ہو، بڑے بڑے عیسائی علماء نے انہیں اصلی ثابت کرنے کے لئے ایڑی پوٹی کا نذر لگایا، لیکن ظن و تخمین کے سوا کچھ نہ کر سکے، امداس میں اس بات کا کھلا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ دوسری صدی عیسوی سے پہلے ان انیسویں کا کوئی نشان نہیں ملتا، عیسائی علماء کے جیسے شمار اقرال میں سے ہم یہاں صرف ایک کتاب اس پر مبنی کرتے ہیں جس سے آپ کو بائبل اور اہلہ کی حقیقت معلوم ہو سکے گی کہ مسٹر برٹن لہین اسٹرٹھرا بائبل اور اہلہ پر اپنی معروف کتاب TOUR GOSPELS لکھتے ہیں۔

”عہد نامہ جدید کی تحریروں کو جو اہلہ، نسخوں کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے، کیا یہ کوئی عیسائی اعلان تھا، جس بڑے بڑے عیسائی ذہن نے، سادہ دل نے، اتفاق کیا تھا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں ہے صرف اتنا معلوم ہے کہ سلسلہ کے لگ بھگ بائبل اور اہلہ کو انطاکیہ، افسس اور امداس میں یہ حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔“ (فورگاسپلس میں طبعی و عیسوی یاد رکھ)

گویا سلسلہ سے پہلے تو ان انیسویں کا کوئی ذکر ہی نہیں ملتا امداس ٹریٹرنے یہ جو کہا ہے کہ سلسلہ میں بائبل اور اہلہ کو انطاکیہ و طبرست میں تسلیم کر لیا گیا تھا اس کی بنیاد صحیح اگرچہ افسس اور کینٹس وغیرہ کے خطوط ہیں جن میں ان انیسویں کے حوالے موجود ہیں، لیکن خود یہ خطوط بھی پرستش ہیں، جیسا کہ مرطانیہ لائی نے انطاکیہ مافی میں تفصیل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

یہ تو بائبل اور اہلہ کی اسناد کا حال ہے، وہیں امداس میں خواہ جس سے اس معاملے میں بائبل کی حالت موجودہ انجیل برنباس کے مقابل میں کہیں نہ یادہ ناگفتہ بہ ہے کہ چونکہ اس میں بے پناہ اختلافات اور غلطیاں موجود ہیں۔

لہذا ہماری گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کے اصول تہذیب کے تعلق سے ان کی رو سے تو بلاشبہ انجیل برنباس ایسی کتاب نہیں ہے جس میں یقینی طور سے اعتقاد کیا جاسکے، لیکن ان اصول کی روشنی میں پوری بائبل بھی ناقابل اعتبار ہے۔

بہر حال یہ حضرات کہ وہ اصول تہذیب نہیں نے بائبل کو نہ صرف قابل اعتبار بلکہ اہلہ ای اور اسمانی قرار دیا ہے سوان کی روش میں انجیل برنباس بھی قابل اعتبار نہ رہتی ہے، لہذا جو حضرات بائبل کو قابل اعتقاد سمجھتے ہیں ان کے پاس انجیل برنباس کو رد کرنے کی کوئی وجہ تو نہیں ہے بلکہ تجھے خارجی اہلہ مافی قرون اس کتاب کی اصالت پر شک کرتے ہیں، اتنے شاید ہی بائبل کی کسی کتاب کو حاصل ہوں۔ والدہ بھانہ دھانی و علم۔

ہر قسم کے سوتی دھاگے کیلئے ہمیشہ
 "ٹونیٹا" برانڈ کو یاد رکھیے



فیروز سلطان انڈسٹریز لمیٹڈ سرائے روڈ کراچی

ماہ الفارسی

یادِ رفتگان

مولوی مجید حسن مرحوم

۱۳۹۲ھ سے سر روزہ "مدینہ" دکنجوڑ میں راقم الحروف کی غزلیں جو شائع ہونی شروع ہوئی ہیں، تو کئی سال تک مسلسل یہ سلسلہ چلتا رہا، میں ان دنوں حیدر آباد دکن میں مقیم تھا! اس وجہ سے "مدینہ" کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ایک صاحب مجھ سے اخبار مانگ کر لے جاتے اور اہلاد و وظائف کی کتاب کی طرح اس اخبار کا ایک ایک لفظ یہاں تک کہ انتہا ہات تک کو پوری توجہ اور شوق و عقیدت کے ساتھ پڑھتے اور دوسرا شائع ہونے تک "مدینہ" مسلسل ان کے مطالعہ میں رہتا۔

۱۳۹۲ھ کے وسط میں سر روزہ "مدینہ" ہی میں یہ اطلاع میں نے پڑھی کہ مجوزہ سے روزنامہ "مدینہ" شائع ہونے والا ہے اور اس کے لئے اسسٹنٹ ایڈیٹروں کی ضرورت ہے اس اطلاع کے پڑھتے ہی مولوی بی بی جن صاحب ملک سر روزہ "مدینہ" کی خدمت میں، عالم الحروف نے درخواست بھیج دی، دو تین ہفتہ کی خط و کتابت کے بعد بات طے ہوئی، اور ریاست حیدر آباد دکن میں مجھے لگائے مغلنگا کو چھوڑ کر میں وہاں سے چل پڑا۔

اس واقعہ کا میں نے اپنے کسی دوست اور بچانے والے سے اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ مجھے میرے اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کریں گے، اُدھر سے اصرار اور میری طرف سے ضد! اس شعلش کی فوجت ہی کبرل آنے دی جاتے! یہ فوجی کارروائی مازیں رہی! دکن کی سرزمین میں کوئی تنگ نہیں بڑی کشش تھی اور ہر طرح کی دلہی کے اسباب موجود تھے، خاص طور سے حکومت آصفیہ کے صدر اعظم سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر یمن السلطنت کی نوازشیں ہمیشہ زنجیر پائی رہیں، مگر دنیائے صحافت میں آنے کا شوق، وطن کی قربت کا جذبہ اور کچھ یہ بھی کہ آدمی ایک ہی ماحول اور ماحول میں بہتے رہتے رہتے آگے سا جاتا ہے!

اب سے ۲۲ سال پہلے کی بات ہے طے یہ پاتا تھا کہ روزنامہ "مدینہ" کے آغاز اشاعت سے چند دن قبل مجوزہ پہنچ جانا چاہیے، میں حیدر آباد سے رمضان کی ۲۲ تاریخ کو گڑاڈا کمپرس سے چل پڑا، ۲۹ رمضان کو شب میں آگہ آگہ ہوا، توجید کا پانچ سو چلا تھا، ایک سرائے میں سامان رکھا اور صبح سویرے نہا دھو کر شاپی بھجیں عید الفطر کی نماد ادا کی! زندگی میں پہلا حبس تھا کہ دکتروں اور عزیزوں سے گذر، اس طرح مسافرت میں عید ہوئی، پھر میں کچھ دن کے بعد کچھ نہ پہنچا! مولوی مجید حسن مرحوم سے ملاقات ہوئی وہ بڑی محبت اور تپاک سے لہہ اور بغض گیر ہوئے، سخت سردی پڑ رہی تھی، اس عالم میں اندھے کا گرم گرم حلوہ اور چائے عذو دے گئی، مولوی صاحب مرحوم کی محبت اور تواضع کی یہ رسم ہمیشہ جاری رہی! کم و بیش تین ہفتہ و فتر "مدینہ" میری مولوی صاحب کا یہاں رہنا، ناشتہ اور دونوں وقت کا کھانا انہی کے ساتھ رہتا۔

مولانا ناصر اللہ خان عزیز سر روزہ "مدینہ" کے مدیر اعلیٰ تھے اور کئی سال سے اولیت کے فرائض بڑی نیک نامی اور اچھی شہرت کے ساتھ انجام دے رہے تھے، آزاد خیال و سیدار حق گوئی کے جزم میں تھیں مگر رنگ کی عزت بھی حاصل کر چکے تھے۔

مولانا حامد اللہ قادری فاضل آریادہ مولوی محمد حسین کے داماد محمد حسین صاحب مدینہ کے رکن ادارہ تھے! انہوں نے ادارہ ہمدرد کا ہی کام مولانا فاضل اللہ خاں عزیز سے متعلق تھا، شہادت ۱۹۵۵ء اور علی ٹانگ کے ترجمہ کا کام مولانا قادری کے ذمہ تھا اور ایسی کام محمد حسین انجام دیتے تھے۔
مدینہ نامہ مدینہ میں جس جگہ میرا نقشہ ہوا تھا، اس کے لئے شوکت متاوی مرحوم نے بھی لکھنؤ سے درخواست بھیجی تھی، میں اس دنیا میں نواہد، وہ مشاق و تقریر کار، مگر تنخواہ کی کمی کے سبب اُن سے معاملہ طے نہ ہو سکا، اور مدینہ قریحہ خاں اس دلچسپ نام کا بچہ نکلتا۔

میں اس خیال و تصور کے ساتھ بچہ کر گیا تھا کہ ادارہ، شہادت اور ایسی قسم کے دوسرے مضامین کا کام مجھ سے متعلق ہوگا، مگر پہلے ہی دن مولانا فاضل اللہ خاں عزیز نے انجینی کے دوسرے ذمہ دار مسٹر سید محمد کی ایک تقریر ترجمہ کرنے کے لئے میرے سامنے رکھ دی! نقشہ پڑھ کر مجھ کے لئے جو قلم اٹھایا تو اپنی بے باکی کا احساس ہوا، ایک ایک مصرع کا ٹھکانا اور رد و بدل! بعض جملوں کی ترکیب اور فہم ہی پوری طرح پہلے نہیں پڑا، نین کی ڈکٹ ذریعہ آؤ بکھا لٹک مدد کرتا، ایک ایک جملہ پڑھ کر شادی کا سامنا اپنی انا پر فاضل اللہ خاں عزیز کے ہمہ دانی کا غرہ اس دن پانی کے بلدی کا ماند ٹوٹ کر رہ گیا، یا اللہ! میں کس محبت میں بھنس گیا۔ کیا کوئی کیا نہ کرے، چہرے پر بخرم کے مارے ہر مایاں چھٹ رہی تھیں! اکی گھنٹہ کی محنت کے بعد شکل سے دو تین سلیپ تبصرہ کے علاوہ فاضل اللہ خاں عزیز کے سامنے رکھیں وہ ترجمہ پڑھ کر اللہ سے سکاٹے ہمارے کو جگہ جگہ سے دست کیا، ہمدردی کے لیے جس بیا یا کہ انگریزی کے جملوں کو اُنہوں میں اس طرح منتقل کرنا چاہئے، لفظوں کی رد و بست کی یہ محنت ہونی چاہئے۔

رات کو پینک پر لٹا کر دل و دماغ کو یکجہ کش اور پریشانی میں مبتلا تھے۔ عقل کہتی کہ یہاں سے بھاگ چو، یہ دنگ تمہارے بس کا نہیں ہے مگر دل مشرہ دیتا کہ اس منزل میں ناکام ہو گئے تو یہ احساس کتنی تمہاری زندگی میں ادب و دانش کے باب پر ہمیشہ کے لئے سیاسی پھر دے گا، اور تمہارا ادبی مستقبل ختم ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، ہمت سے کام لو، یہ منزل دشوار دفتر رفتہ آسان ہو جائے گی!

دوسرے دن مولانا فاضل اللہ خاں عزیز نے ایک اور مضمون ترجمہ کے لئے دیا، جس کے ترجمہ میں پہلے دن کے مقابل میں کم دشواری پیش آئی، اس طرح رفتہ رفتہ ترجمہ کی مشق بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ ایک مشاق اور تجربہ کار مترجم کی طرح اُنہوں کے چار چار کالموں کے لئے انگریزی سے اُنہوں کے ترجمہ کرنا دشوار کا مشغلہ ہو گیا! اس کا مایوسی کے بغیر فتح مندی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ "السنی منی والاسام من اللہ" کا یہ تاہم بھی تھا اور تجربہ بھی! ترجمہ کے علاوہ مدینہ نامہ مدینہ کے ادبی کالموں کی ترتیب بھی مجھ سے متعلق تھی اور کئی دن پر تبصرہ بھی! سیاست کے وقتی مسائل اور مذہبی امور پر مشرقاً پرکھیں کبھی بھی میرے نام سے چھپتی تھیں، مدینہ نامہ مدینہ بڑی شان اور اہتمام سے نکلا، مولانا فاضل اللہ خاں مرحوم نے اپنے شہرہ آفاق اخبار "زمیندار" میں مدینہ کا اخیر مقدم کرتے ہوئے ایک نظم شائع فرمائی جس کا ایک شعر یہ تھا۔

زمیندار نے ترے آنے کی سنا لی ہے نوید

اس مدینہ کو مدینہ کا مدینہ کہئے

مجذ کے "مدینہ" اور اسلام کے "مدینہ" سے ان دونوں کی سیاسی مسئلہ پر نوک جھرنک ہو گئی تھی، مولانا فاضل اللہ خاں نے اپنی

نظم کے اس شعر میں۔

بزد باقی نہیں ہرگز مشرہ فاشیوہ گایاں جو تجھے دے اُس کو کینہ کہئے

مے صاحب موصوف حضرت فیض الہند کے تربیت یافتہ مولانا محمد میاں منصور قادری مرحوم ہمارے کابل کے صاحبزادے اور حضرت مولانا قادی محمد طیب صاحب ہستم دار العلوم دہلہ کے نوٹس میں کم و بیش بیس بائیس سال سے مجھے ہیں تمام فراہم اشعار کی محبت تھا، ان کے نظمیں اسلامی حکومت کے مابین دو سر چٹان کی حرکت اور العین منظر عام پر آ چکی ہیں! انہیں ہے کتنی ہیں! اُن کے صاف منہ میں داخل جاری نہ رہ سکے! انہیں ہر کہ بعد جب بھی کسی میل جول یا ہر ان کی محبت کی بدولت قیام راجہ کی تہذیب ہو گئی۔

بیتِ حسن کے رازِ نصیب آج نہ داد
گرچہ ہر سرورِ دادِ شاہِ بودِ اوتنہ گزشت

اس شعر میں دائرہ لے بہادر پر جو لطیف طنز ممتی اس کا اظہار غیب چوڑے انداز سے بھی ہوتا ممکن نہ تھا، اس سرورائے بے ہار سے اس لطافتِ طنز کو کہیں سمجھ سکتے تھے!

محمد بن عبد السلام نام کے ایک مختار تھے، گورنمنٹ سے خزانہ صاحب کا خطاب دے ہوئے تھے ان کے بیٹے عبد اللطیف اپنے والد کی بالکل ضد تھے، وہم کواری آدی اور صاحبزادے کو لڑکا لگتی، ایک دہائی میں بھی کاٹ چکے تھے، فخر - دینہ میں ان کا آنا جانا بدلتا تھا، مولانا انصاری نے ان کا مزہ لے کر ایک ہدف بنایا، ان صاحب نے سگریٹ پڑھنے میں دبا کر گھما کر لانا آنا دے سیکھا ہے، چادر اوڑھنا جو اس لڑکی پر ہو سے، اپنی عیادت کا تذکرہ مولانا عمر علی جوہر کے انداز میں کرتے ہیں اور خبیثہ بچنے کی کوشش میں حکیم اجمل خاں کی نقل آمارتے ہیں۔

اسعدیہاں کے سفیر مرزا مولوی اکبر شاہ خان غیب آبادی سے بھی خبیثہ منزل ہی میں نیاز حاصل ہوا، فنا تہ، سیاہ رنگت، کھدکا انگوٹھا، اسی کی لڑکی اور باجہ اور ہاتھ میں کان سے اونچا لٹھے! مولوی محمد حسن صاحب ان کے دوست اور مرام تھے، اکبر شاہ خان مرحوم کی زندگی میں ایک ایسا تادیک و دہ بھی آیا کہ وہ قادیانی ہو گئے اور عقیدت کے گوش میں مرزا غلام احمد قادیانی کے عقیدہ حکیم قمر الدین (علیہ علیہ) کی بیوگرافی تک مرتب کر ڈالی مگر پھر اللہ تعالیٰ نے قہر کی قوین عطا فرمائی اور وہ کفر و ضلالت کے اس دائرے سے نکل کر مسلم بن گئے۔

خیرت جگمور آبادی سے پہلی بار ملاقات "دینہ" کے دفتر میں ہوئی مولوی محمد حسن مرحوم نے ان کے اعزاز میں شعر و سخن کی ایک نشست کا انتظام کیا مولوی صاحب کو شہر و شہر سے خاصی دلچسپی تھی!

مولوی محمد حسن مرحوم کی زندگی کا آغاز ایک خوشنویس اور کاتب کی حیثیت سے ہوا پھر انہوں نے اپنے وطن بمبئی سے رشتہ اخراج "دینہ" لانا شروع کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کام میں بڑی برکت عطا فرمائی "دینہ" کی مقبولیت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، متحدہ ہندوستان کے علاوہ افریقہ، عربیہ، انڈیا، کریشین عدن، اور ہزار دہندہ ملک میں بھی "دینہ" کے اخبارات کی خاصی تعداد تھی، اخبار کے ساتھ کتابوں کی اشاعت کا کام بھی بہت فخر بخش رہا خاص طور سے حضرت شیخ الحداد ترمذی قرآن میں پڑھتے مولانا شبیر احمد عثمانی کے حواشی ہیں، اس کی اشاعت نے انہیں بالکل کر دیا، بلاک سڈی کے لئے، متن، ترجمہ، اور اضافی کی بہت دیکھی ہیں مولوی صاحب کو بڑی دیدہ دینی اور محنت و مشقت کرنی پڑی!

پریس، اخبار اور مکتبہ سے مولوی صاحب مرحوم کو ہزاروں کی آمدنی تھی، اسباب سے ۲۰-۳۵ سال قبل ان کا شمار ضلع جیوڑے کے خوش حال بلکہ دولت مند انسانوں میں ہوتا تھا، مگر اس عزت، ناموری اور خوش حالی کے باوجود وہ منکر المزاج تھے، سیدھی سادی متوازن زندگی جو نام و نمود اور تکلفات سے نا آشنا تھی! خوش چین اور معاشی معاملات میں محتاط، دبیریاں تھیں، اور دفتروں کے ادلا دھتی! خصوصیت تھیں جنہوں کی خاموشی کے ساتھ ادا کرتے! مولوی صاحب کی شرفیادہ روش کی بدولت شہر کے طبقہ میں ان کی عزت کی جاتی، حافظ محمد ابراہیم جوہر یوں یوں لکے کے طبع یہ ہیں، اس کے بعد ہندوستانی حکومت میں کر کے دینہ ہوتے اور پھر لڑتے دوسال غریبی پنجاب کی گزرتی کا لطف بھی اٹھا لیا ان کو "خبرہ" دینہ، دینہ، دینہ کے دفتر میں لقمہ اطوف نہ بدلتا دیکھا ان دنوں وہ گیند میں دلالت کرتے تھے۔ اور مولوی محمد حسن صاحب کو اپنا بڑا سمجھ کر نیاز و نماندہ میں ملے تھے۔

مولوی صاحب مرحوم پہلے خوشنویس اور کاتب تھے اس لئے ان کی نگارنی میں اخبار "دینہ" کی کتابت میں عیاری ہوتی، کوئی کاتب جلتا اور بچے ہوتا ہے سے کام لیتا تو اس کو دیکھتے اور بتاتے کہ گزشت میں عرفی کے دائروں اور شعروں کے ٹوک پلک اس طرح نصرت کئے جاتے ہیں، اخبار "دینہ" کے ادارے بچنے سے پہلے غور کرتے تھے بعض اوقات انڈیوں کو ٹوک بھی دیتے کہ وہ ان خیال کے اظہار میں یہ کو تا ہی رہ گئی ہے یا اظہار اس وقت کے ساتھ نہیں لکھا گیا، جس وقت کا مضمون متعلق تھا۔

مولوی صاحب مرحوم سید پرہیز گاہی تھے، صوم و صلوة کے انتہائی پابند، پاک صاف زندگی، علم و دین سے بے حد متفرغ، ۱۲ عقیدت مندانہ تہذیب، انصار مدینہ کے علمائے مدینہ کلب قائم کیا تھا جس میں فٹ بال، ہوائی، ٹی، ٹی کے باہر کھیتوں کے درمیان کھیل کا میدان تھا۔ دوقین ہائے مولوی صاحب نے بھی فٹ بال میں حصہ لے کر ہم جوانوں اصابتے فٹ بال کی بہت افزائی کی اس اپنی جوفانی طبع کا ثبوت دیا۔

۱۹۳۳ء کے بعد مولوی صاحب مرحوم سے پھر تو طافات کا موقع ملا اس نے ان سے خط و کتابت کا معاملہ طے، سولہ سال کی اس طویل فترت کے بعد ۱۹۴۹ء میں جب میں نے "فاران" نکالا تو اس کا اشتہار مدینہ میں اس وقت کی فوض سے بھیجا اور مولوی صاحب نے اُس کے معاوضہ کے بغیر اپنے اخبار میں شائع فرمایا، اس طرح رسالت نمبر ۱۱۷ توہید نمبر ۱ کے اشتہارات بھی "مدینہ" میں نمایاں طور پر اشاعت پذیر ہوئے اس کے بعد ان کے تبادلہ میں "فاران" میں چھپنے کے مولوی صاحب مرحوم نے اپنے کتبہ کی کتاب تک کا اشتہار نہیں بھیجا۔

سنا ہے کہ اب کچھ دنوں سے مولوی صاحب مرحوم کے مالی حالات پہلے جیسے نہیں رہے تھے، مگر انہوں نے استقلال و عزیمت اور ہر دشمن کے ساتھ یہ زمانہ گزارا، ڈیڑھ دو مہینہ سہ سہ مدینہ میں ایک مضمون نگاہ سے گزارا جس میں جہاں تاہر کی حمایت کی گئی تھی اور انھیں المسلمون پر چڑھیں تھیں بھٹ نہ مل گیا میں نے مولوی صاحب مرحوم کو شکوہ آمیز خط لکھا کہ مدینہ کا ایک رنگ ہو گیا ہے، ظالم کی حمایت و مدافعت اور مظلوم پر ظلم و طاعت..... یہ کیا ہوا ہے؟ اس خط کے کچھ دن بعد مدینہ میں ان کے انتقال کی خبر پڑھی، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

—————

طاقت و توانائی کا ممکن کردار

مستقل فائدہ، قابل اعتماد توانائی — فرحت بخش زندگی

مانع اعظم: دل، دماغ و معدہ، جگر کے لئے اکیسے منٹ میٹھا سیرا، ادویات کا مضبوط طبی کا مشہد انجیلا کام باسٹی۔ ایک ماہ دس روپے
طلائے شباب خاص: بیرونی کمزوریوں کے لئے بے ضرر — ایک ماہ دس روپے

ببوب کبیر خاص الخاص: اعضائے رئیسہ اور پٹنی توڑوں کو بحال کرنے والا کستوری، مغنیر، مغز سرکشنگ، زمرہ، طاقت،
فرزہ، کشتہ چاندی، کشتہ سدھاتہ وغیرہ کا مرکب — ایک ماہ ۱۶ روپے

نوٹ: ۱۔ ہر ماہ ادویات کا مکمل کورس ۱۔ ۳۶ روپے نصف کورس ۱۔ ۱۹/۵۰ روپے
مکمل کورس بنکرانے پر محصول ڈاک معاف

فون نمبر ۳۰۳۱

ملہ کا پتہ: ۱۔ اشرف لیبارٹریز۔ لائل پور

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا — کورا اور دھلا لٹھا

ہر قسم کا دھاگا تیار ہوتا ہے

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی ترقی اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

ماہر لقاوی

مَرْحَبًا! مَاكِصِيَّام

مرحبا! اے ماہر تسبیح و صلوات	مرحبا! اے دودِ غفران و نجات
مرحبا! شہرہ تراویح و سحر	دل کو حاصل ہے سرود آنکھوں کو نور
اے کہ تو ہے رحمت پروردگار	تیری آمد ، آمدِ نسل بہار
رات دن سجدوں میں ہیں پیشانیاں	ہر نفس اک محفلِ روحانیاں
کیا بہارِ قرأت و تجوید ہے	اہلِ دل ، اہلِ نظر کی عید ہے
تابعِ فرمانِ حق ہیں روزہ دار	احتسابِ نفس ہے جن کا شعار
زہدِ اہلِ پاکیزگی کا دور ہے	ان دنوں دنیا کا عالم ادھ ہے
روزہ کیا ہے؟ نفسِ امارہ شکن	امتِ مزاجِ صحتِ روح و بدن
مسجدیں آباد ہیں ، معمور ہیں	ہر قدم پر جملہ مائے طوبہ ہیں
ہر مسلمان آج خوش اوقات ہے	یادِ حق ، ذکرِ خدا دن رات ہے

یہ مبارک اہلِ مقدس صبح و شام

أَنْزَلَ الْقُرْآنُ فِي شَهْرِ الصِّيَامِ

راسخ عرفانی —

ہر گہ خود رو کی ہے طرزِ خدا رانی جدا
گستاخِ دالہل ہے ہی آدابِ بحرانی جدا
نہر سے تھک کر پیار بھی ہے دھنک کر عار بھی
دوسرے ہے تیرا اندازِ شناسائی جدا
تیری فرقت میں ستا ہے مجھے شام و سحر
نغمِ جدا، بحرِ جدا، اندوہِ تنہائی جدا
تو ادھر میری ہدائی میں ملکِ ہر دم بخود
میں ادھر بیتابِ غم ہوں بلبلِ سولائی جدا
میرے دل سے یا تو تیری خوشبو سکتی نہیں
کون کہہ سکتا ہے گل سے سنِ دہنائی جدا
راسخ اس غم کے لئے الفاظِ دل کے نہیں
کہ دیا ہے موت نے مجھ سے مرا بھائی جدا

داستانِ محفلِ مجسم —

کسی نادان سے بھی دیکھے زمانہ
میری ہلکنہ گفتار ہی رہے گی
الٹ پھریں یہ تو دنیا کے لئے دل
حقیقتِ حقیقت، فسانہ فسانہ
بچھا تا رہے اس کانٹے زمانہ
خوشیِ مستقل ہے نہ غمِ جاودانہ

ملین مرثی —

اب لب پہ زندگی کا ناز نہیں رہا
وہ عشق و عاشقی کا زمانہ نہیں رہا
پاہل ہو چکا ہے گلستاںِ آرزو
مسافرِ اندر دیوں کا بیٹا نہیں رہا
اے غیبِ شوقِ آن کو کہاں پیچھے چلا
اپنا ہی اس جہاں میں ٹھکانہ نہیں رہا

میر شاہ گد غریب کی شام ہے
نفسِ بے سادان کی بوائی کا نام ہے
نظروں ٹانگے بات کی گویا نام ہے
کیا میری سادگی میں نہیں بھی کلام ہے
میں الفتِ ابلا زمانہ کو کیسے کلام ہے
مجھ کو تو ان کی چشمِ توبہ سے کام ہے
جسے موت مر رہا ہوں کسی کے لئے قمر ہے
شاید فرے غیب میں ہر دمِ دھام ہے

انتظارِ صبرِ غم و حیران کی ایم ہے
گلشنِ گمچہ زندہ ہے برق و شرار کی
اہلِ جن میں دھرم و جشنِ بہار کی
ماہ و نجوم کا کٹاں بھی ہے گر و بار ہے
پردازِ سوسے غرض ہے شبتِ عمار کی
ہمت شکن تھی منزلِ دشوار عاشقی
اہلِ ہوس نے ماہِ فرار اختیار کی
پھرتی ہے لیکے گردِ شیں سلاں مجھ کہاں
آخری جستجو ہے تجھے کس دیار کی
ایں ایم افکارِ حشرِ حشری —

ہمارے نظریے

سفرِ حج

غلام فرید بیٹھی نظامی، صفحات ۲۰۸، صفحہ ۱، جلد ۱، ریجن گروپش قیمت تین روپے
ملنے کا پتہ ۱۔ سلطان حسین ایڈمنسٹریٹو، جس روڈ کراچی۔

جناب غلام فرید نظامی کو ۱۹۶۲ء میں زیارتِ عربین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی تھی، اس بار کہ سفر کے واقعات انہوں نے اپنے پیرو مشن واپس لوٹ کر اپنے
صاحبِ حریم کے ہونے کے طور پر قلمبند کئے ہیں جو خاص طور پر اردو لکھنے والے قاریوں کی نگاہوں پر فائدہ مند نظر آئے گا۔
- سفرِ حج کی مکمل داستان، جو ایک دلوانے کو پیش آتی اور جسے کسی نے کسی اس انداز میں پیش نہیں کیا۔
اس سفر نامہ میں جناب ویرانوں، اللہ والا نہ شیفٹنگ، ایک ایک سطر سے نمایاں ہے، لکھنے والے نے اپنے سوز و دل کو الفاظ میں سرسبز ہے جسے ہر دل متاثر ہوئے
بغیر نہیں رہ سکتا۔

”ہندوستانی، دوسری قدر قیمت کیوں ہے؟“ اللہ پاکستانی کو کہیں ٹھکرا دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ کوئی باہر ان اسباب کے وجہ مجھے بتا سکے تو مطمئن
ہو جائوں گا، ورنہ اپنے پاکستان کے وقار پر اس گہرے و جھپٹے آنسو بہانے کے سوا چارہ نہیں ہے (ص ۲۱۱) اس عبارت کے آخری جملہ میں عبارت ”آئے اے
لفظوں کے مدد سے نہ پختگی کی بجائے پختگی پیدا کر دیا۔۔۔۔۔ لگ کر دلوں کو گندل کی طرح باندھ میں پھرتے ہیں“ (ص ۱۱۰) میں مندرجہ میں آریز
اور خود میں کہہ پسند والوں کی کثرت و آواز دہم کو۔ کیڑوں کو ٹھنڈے سے تشبیہ دینا، محبت کے منافی ہے۔“ حضرت عبا الیوب انصاری کے گھر کے پاس ”حق“
یہ کتاب کی خطی مصلحہ ہوتی ہے کہ ”اللہ کی بکاتے“ ”سچا“ ”چھپ گیا“ ”اسی طرح ص ۲۱۱ پر۔“ ”تاکہ“ ”کی جگہ“ ”علاقہ“ ”پہنچا پٹا“۔۔۔ (ص ۱۹۰) ”پہنچا“ ”اسطوانات
الہا بایہ کو۔“ ”اسطوانات الہا بایہ“ کتابت کیا گیا ہے۔

”ہوش کرو، غلام فرید!“ (ص ۲۱۵) ”ہوش میں آؤ۔“ ”ہوش سے کام لو“ لکھا تھا۔ ”ایسے عالم میں نہ دنیا کی ہوش“ (ص ۲۲۸) ”ہوش“ ”توبہ“ ”آؤ“
ذکر ہے۔ ”جہاں حرمِ شریف کا فرش آگ اچھل رہا تھا، وہاں سرائے و خانے پر دھوپ پڑی طرح سوار تھی“ (ص ۲۱۶) ”حرم کعبہ میں دلوں کے مقدس فرش سے آؤ“
اگلے کی نسبت پیش و تمازت کی کیفیت اظہار کے لئے مناسب نہیں، ”سرا لہو“ ”پہر دھوپ کا سار ہونا“ ”نہاں“ ”واو“ ”اعتبار سے اچھی تشبیہ نہیں ہے۔“
جناب ثا و احدی صاحب نے اس کتاب پر تاثرات کے عنوان سے پیش لفظ لکھا ہے اس کا ایک اقتباس ۱۔

”بیٹھی صاحب محمد حبیب نہیں ہیں، وہ سب ہیں اور میں نے انہیں دیکھا ہے اور بولنے سنا ہے، بڑی کھجک، باتیں کرتے ہیں مگر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جذبہ غلبہ ہوتا ہے، کوئی کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھایا ہو یا جو اس کی باتیں کرتے ہیں اللہ سے عشق ہے
میراثہ ہو کر حمد و شریفیت سے ہمارے دل جلتے ہیں۔“

یہ سفر نامہ واحدی صاحب کے ان ”تاثرات“ کی تصدیق کرتا ہے، لکھنے والے ایسے مقامات نگاہ سے گزرتے ہیں جہاں غلام فرید صاحب غلط فہمیت کے سبب
توحید و شریعت کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے لکھ سکے۔۔۔ مثلاً۔۔۔

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ مسجد ہر وقت سے اس قابل ہے کہ اس کی پرستش کی جائے“ (ص ۲۲۶) ”سالانہ مسجد بڑی ہر ماہ میں کہہ ان میں سے کسی عمارت

اور مقدس مقام کی پرستش جائز نہیں، دعا واللہ ۲ — ستیزوں مقامات پر کشتیاں مار مار کر جرم سے یا علی یا علی کہتا یا ہر نکل آیا ۳
۱۶۹۹ء - یا اللہ! کہنا چاہتے تھے کہ مسیح اللہ تعالیٰ کے سوا اللہ کوئی نہیں ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود بھی محبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو
پکارتے تھے اے ایسا دکھ اے مدد پیش کرتے تھے، استغاثہ صرف اللہ تعالیٰ سے کیا جاتا ہے!

”دن رات اُٹھتے بیٹھتے نمازوں میں دعاؤں میں التجا کرتا کہ اے سید المرسلین مجھ اپنے مددگار کی حاضری اے حج بیت اللہ نصیب فرما
اے لقا ہر میرے پاس حاضری لکھوئی امکانات نہیں تھے، مگر قرآن ہاؤں اس ہی طرح کے کہ حضور نے ایسے وسائل پیدا کر دئے کہ میں حج
پہنچنا جاہل مدینہ کی قدیم سیڑھی کے کھڑے ہو گیا“ (ص ۳۸۴)

”نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا“ یہ تو پرستش اس ولی کو کس قدر نرا دینے والا اہل ہے اس طرح کے عقائد و جذبات خواجہ حسن نظامی
صاحب کی تعبیرات کا ہر آدمی گمان کے پہلو عقیدت و محبت کے نام پر اس قسم کی سبائے امانیاں لے لیتے ہیں جو توں کے عقائد اور دینی ہیں، وہ عقیدت و بال ہے جس سے
تو جہد صرف آتا ہے، مگر یہ یا حضور قسم کے اسباب و وسائل اللہ تعالیٰ دیتا فرماتا ہے!

اس مقدس سفر میں غلامِ نبوی بھی صاحبِ کرمین ہدایت نیروں سے سائقِ پناہ ہے اس کی تفصیل بھی کھنگ پید کرتی ہے، ایک طرف وہ عقیدت کہ مدیہ منہ
کے ایک ایک اندہ کو چھو کر انہیں انکار نہیں دوسری طرف کہ تعجب اللہ یا مجرب کی ذخرا لیں، شکر ان اے پناہ تیرے کا شکر اے اللہ گھر اس سفر میں جہاں
نیک ممکن ہو سکے نا خوشگوار ایلیں پر صبر کرنا چاہئے اندک و تغیرا دنیاں شکر و شکایت کو چھو دن کھٹے قابو میں رکھنا چاہئے صفت نے جس جذب و شوق
کے ساتھ یہ سفر نامہ لکھا ہے اس پر نظر کرتے ہوئے شکر و شکایت کی داستان اداں کا قلم سے چلنا نہیں معلوم ہوتی۔ پیغمبر کوئی تک نہیں خاصہ دلچسپ ہے
جذبہ شوق نے تحریریں بڑی روانی اور ادب لکھی ہے، اللہ تعالیٰ ہر دل کو اس سعادت سے بہرہ مند رہنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

موہم ہرما
انسانی جسم کی حفاظت، زائل شدہ قوت کی بحالی، دائمی، تسلیہ، اور جنسی طاقت کی استراحتی
کے لئے ضروری ہے۔

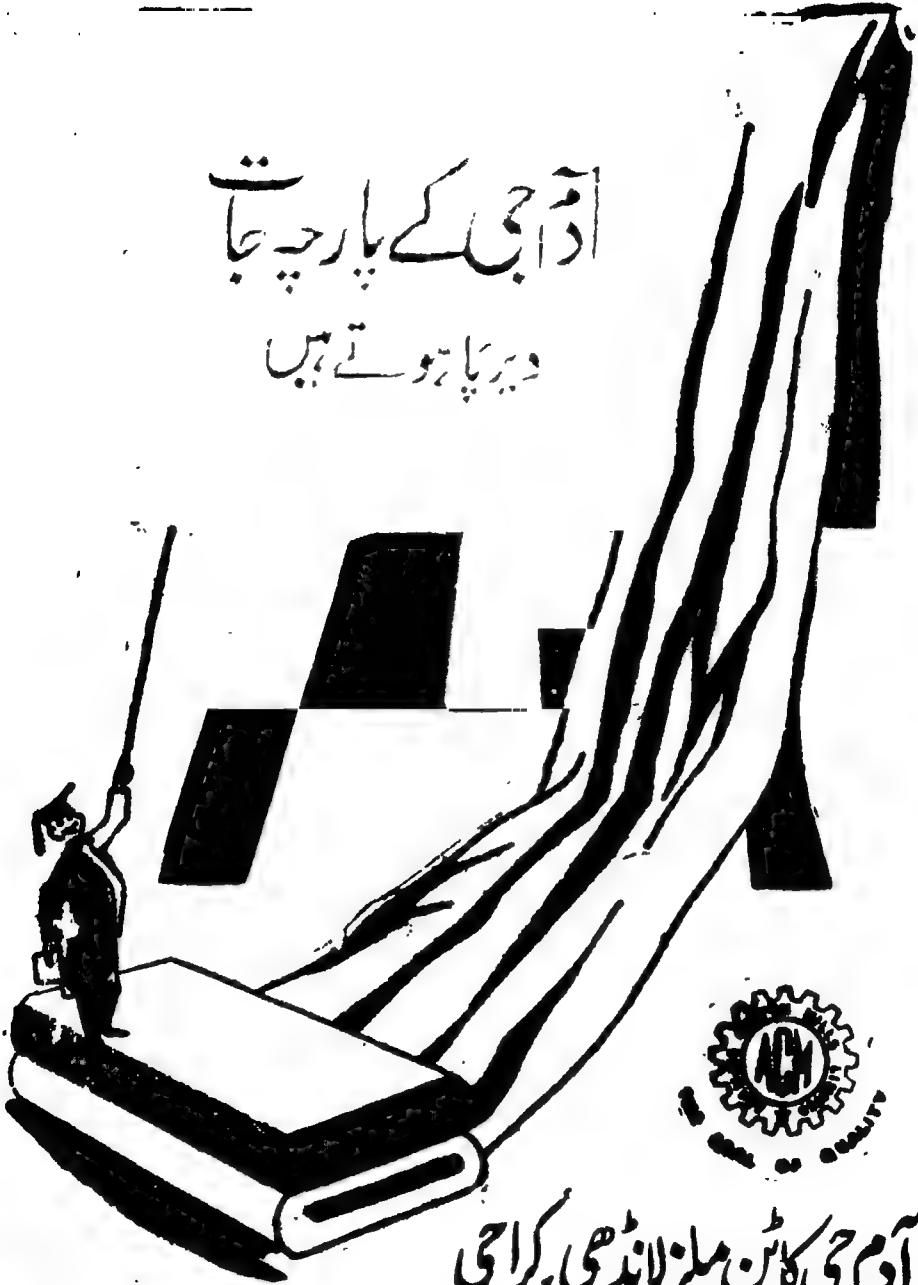
اگر آپ کسی قسم کی کمزوری محسوس کرتے ہیں تو اس موسم میں تقویات و مفرحات اور اکیڑی دواؤں سے
فائدہ اٹھائیں۔
طیب اشرف
اگر آپ باقاعدہ علاج کرانا چاہیں تو

جانب رجوع نسرا تیں جس کی نگرانی براہ راست پاکستان کے نامور طبیب مولانا محکم عبد الرحیم اشرف خود کرتے ہیں۔

بیر و نجات کے مریض مفصل حال لکھ کر مفت مشورہ حاصل کریں یا سوالنامہ طلب فرمائیں۔

مطب اشرف، اشرف منزل، نزد جامع مسجد جناح، کالونی لائل پور

آدم جی کے پارچہ جاتا ویر پاتے ہیں



آدم جی کاٹن ملز لائڈھی، کراچی

آپ وقت سے پہلے کیوں مڑ جائیں!

دس برس سے نوادیسویں میں قبل از وقت بڑھ جانے کے آثار نظر آتے
 آتے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب ناقص اور ناکافی غذا ہوتی ہے۔
 اس غیر طبعی حالت سے بچنے کے لئے ہم روزگاہاں اہم وراثت
 استعمال کیجئے۔ یہ صحت و شباب قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔
 ہر طبی تحقیق کی مدد سے ماہ اہم کے خواص اور خوبی کو کمال تک

پہنچا دیا گیا ہے اور اب ہر لحاظ سے ایک دیرانگہ اور موثر

دوا بن گیا ہے جو تھکے ہوئے اعصاب کو قوت بخشتا ہے اور

پورے نظام جسمانی کو چاق و چوبند کر کے سال بھر کے لئے

سرمدی توانائی پیدا کرتا ہے۔ بیشمار لوگ اس کی تاثیر کو آنا چکے ہیں

حاشا للہ

جانوں میں ہی قوت اور صحت حاصل کرنے کے لئے ایک مکمل اور موثر دوا

سرمد دواخانہ (وقت) پاکستان
 کراچی - لاہور - اسلام آباد - پشاور



جلد ۱۸

شمارہ ۱۱

فاران

ماہنامہ

ماہ فروری ۱۹۶۷ء

بابر القادری

ایڈیٹر

تذکرہ

۳
۱۸
۲۷
۳۲
۳۵
۳۸
۴۳
۴۶
۴۹

بابر القادری
حکیم گلپن کرناٹی
سید معرفت شاہ شیلزی (ایم۔ اے)
محمد مہدی شریفی
مولانا محمد مصطفیٰ رحمانی
بابر القادری
مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

لغش اول
فاران کی تنقید پر تنقید
روشن مستقبل
نظام تعلیم
تفسیر
باد و فتنہاں
تورک چند مردم کا غیر مطبوعہ کلام
روح انتخاب
ہماری نظریں

مسرحین

پبلشر

چند سالانہ
سات روپے

دفتر ماہنامہ فاران کمپل اسٹریٹ کراچی

قیمت فی پرچہ
۶۲ پیسے

سرورین بیشہ غنہ نہیں دینا دیر کے لکچرے چھپا کر دفتر ماہنامہ فاران کیسے ابھی نہیں کر چکے ہیں جس سے غنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نفسِ اول

جماعت اسلامی اعلیٰ کلمۃ الحق کے جس مقصد کے لئے وجود میں آئی ہے اور اقامتِ دین کی جس دعوت کو ملے کر اٹھتی ہے اس پر بدستور قائم اور اسی راہ سعادت و عزیمت پر گامزن ہے، اس کے مسلک، مقصد اور عقیدہ میں نہ برابر فرق اور اس مقصد کے حصول کی راہ میں کوئی "فترت" واقع نہیں ہوتی، اس کے قول و عمل سے کسی ایسی بات کا قصد اور غور نہیں ہوا، جس سے یہ سمجھا جائے کہ جماعت اسلامی کی دعوت، مقصد اور پیام میں تبدیلی، انتشار یا اضطراب و تذبذب پیدا ہو گیا ہے، بلکہ صدی کی مدت گزرنے کے بعد بھی، جماعت اسلامی کا مقصد معنی نظر اور نصب العین وہی ہے جو اس کے قیام کے پہلے دن تھا!

جماعت اسلامی کے افراد دنیا کے جس خطہ میں بھی پائے جاتے ہیں، ان کی کوششوں کا محور "اقامتِ دین" ہے! ان بطریق کار میں ماحول اور گرد و پیش کے لحاظ سے یکساں نہیں پائی جاتی اور نہ پائی جانی چاہئے مثلاً جس خطہ زمین میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے وہاں اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ ان کی جد و جہد کا مرکز اور موضوع بنا ہوا ہے، لیکن جن ملکوں میں تعداد کے اعتبار سے غیر مسلموں کا غلبہ ہے، مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں "اقامتِ دین" کی ان بنیادی شرائط کو پیش اور واضح کیا جاتا ہے کہ جن کے بغیر ایمان اور اسلام کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور خاص طور سے غیر مسلموں میں اسلام کو دینِ حق اور دینِ فطرت ثابت کرنے کے لئے تبلیغ کی جاتی ہے، اور منصبِ ناقہ دین نے اسلام کے بارے میں جو فطرت اور وحشت پھیلا دی ہے، اس کو اس و دلچسپی سے بدلنے کے لئے یہ داعیانِ حق اپنی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں، دعوت کے ساتھ عزیمت اس جماعت کی سب سے بڑی خصوصیت ہے اور وہاں دمال کے نقصانات سے دوچار رہے ہیں اور طرح طرح کی مصیبتوں اور پریشانیوں کا انہیں سامنا کرنا پڑا ہے، مگر کوئی لالچ، دھاد اور مصیبت ان کے عزم اور نصب العین میں لپک اور جھکاؤ پیدا نہیں کر سکی!

جس جماعت کا اتنا بلند مقصد اور اس قدر مقدس نصب العین ہو، اور جس نے دعوت کے ہر مرحلہ میں اس وجہ عزیمت اور استقامت اور بے لپک کردار کا ثبوت دیا ہو، جس کے کارکنوں کی زندگیاں کھلی کتاب کی طرح دنیا کے سامنے ہوں۔ جس کا پیش کیا ہوا ہر لفظ صفوں کا لکچر جماعت کی ذہنی فکری شہادت دے رہا ہو — وہ جماعت دین پسند طبقوں کی طرف سے شایانِ تائید و تعاون ہے یا ملامت و بیزاری کی مستحق ہے۔

ہونا کیا چاہئے تھا اور ہو کیا رہا ہے؟ دینی طبقوں کی عام طور پر روش جماعت اسلامی کے ساتھ غیر سیدھا نہ ہی نہیں بلکہ عناد و

خلافت کی روش ہے، جیسے جماعت دنیا کے ہر پران کی سب سے بڑی حلیہ تنظیم ہے! اپنی تقلید، اپنی حدیث حضرات کے بارے میں جو رائے رکھتے ہیں، وہ سب کو معلوم ہے، یہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اسی کوئی تھی کہ انہوں نے فقہی مذاہب کے ساتھ جماعت اپنی حدیث کے بارے میں اس کا اعلان کیا کہ یہ بھی مسلک حق ہے، اور اس اعتراف اور اعلان کو انہوں نے کسی قسم کی - اگر - مگر سے آلودہ نہیں کیا، اور جماعت اسلامی جو تمام مسلمانوں کو دعوت اتحاد و حق پہے خود اس میں اپنی حدیث کے بعض افراد نے شریک ہو کر کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہیں کی، - مگر افسوس ہے کہ اپنی حدیث کے بعض رسالوں اور اخباروں میں ایسی عبارتیں بھی ہماری نظر سے گزری ہیں جس میں جماعت اسلامی کو قادیانی جماعت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ تشبیہ اور اس قسم کی مماثلت کتنی صریحی نا انصافی کتنا بظاہر ظلم اور حقیقت کو منہ کرنے کی کتنی سفاکانہ کوشش ہے!

سب سے زیادہ دکھ یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ علماء دیوبند جن کو جماعت اسلامی کا سب سے بڑا امین، ہمدرد اور غیر فلولہ ہونا چاہیے تھا انہی کی خاصی اکثریت جماعت کی خفیہ اور علانیہ مخالفت میں لگی ہوئی ہے، یہ حضرات جماعت کی تائید نہ فرماتے بلکہ خاموش اور طیسرہ جانب دار ہوتے تو ہم غیبت تھا مگر ان کی روش تو یہ ہے جماعت کی مخالفت جیسے کوئی دینی فریضہ ہے، جسے یہ نہندگان کرام انجام دیتے ہیں، ان میں سے کتنے ایسے سادہ مزاج بندگان ہیں جنہوں نے جماعت اسلامی کی کتابوں کا خود مطالعہ کرنے کا زہمت برداشت نہیں کی، بلکہ اپنے عقیدت مندوں کی نسی سنا کی باتوں پر اعتقاد کر کے، جماعت اور مولانا مودودی کے بارے میں انتہائی بدظن ہو گئے! ایک بہت بڑے دیوبندی عالم جو وفات پا چکے ہیں اور جو ان حضرات کے نزدیک شیخ الشیخ کا مدبر رکھتے ہیں، جماعت اسلامی ہند کے ذمہ دار افراد نے ان سے عاجزانہ درخواست اور مخلصانہ التجا میں کہیں کہ وہ انہیں ملاقات کا وقت عنایت فرمائیں تاکہ جماعت اسلامی کے لٹریچر میں جن باتوں پر حضرت والا کو اعتراض ہے ان کی وضاحت کی جا سکے لیکن ان بندگان شخصیت نے مسزوں کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع ہی نہیں دیا - کسی فرد یا جماعت کی تفصیل و تفسیق کے بارے میں پھر سہل انگاری کیا اپنی علم و تقویٰ کو کسی طرح زیب دیتے ہیں۔

جب ہمیں اس کا پتہ لگا تو ہماری حیرت اور افسوس کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ دیوبند کے بعض ایسے صاحبان علم و افتاء جن کی عالمانہ سنجیدگی اور احساس ذمہ داری کے بارے میں ہم بہت کچھ خوش گمان تھے، جب ان تک کے قلم نے جماعت اسلامی پر ایسا طعنہ اور نسا و عمل کا الزام لگا دیا تو اس بے اعتدال، علم و تقویٰ کی افراط اور غیر ذمہ داری بلکہ زیادتی کا دوسرا قدم یہی ہو سکتا ہے کہ جماعت اسلامی کی - تکیہ - کا فتویٰ صادر کر دیا جائے، چنانچہ دیوبند کے ایک بہت بڑے عالم نے اپنے مدرسہ کے ایک استاد اور فاضل اہل قلم کو یہ خدمت سپرد کی تھی کہ غلام احمد بریلوی کے نام پر جماعت اسلامی کے لٹریچر سے اقتباسات لے کر، مولانا مودودی کو - کافر قرار دیا جائے، مگر ان صاحب نے اپنی نیک نفسی، خالصی اور اخوت کی باز پرس کے سبب اس خدمت کے انجام دینے سے صاف انکار کر دیا کہ میں یہ کہیں نہیں کہیں سکتا!

۳۔ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

اس دور انحطاط میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسی سید روحیں پائی جاتی ہیں، اور ایسے لوگ ملتے ہیں جو حق کے معاملہ میں گروہی معیشت میں مبتلا نہیں ہیں اور وہ - من تال - کی باتے - حقائق کا اصول پیش نظر رکھتے ہیں، اور کسی بڑے آدمی کا بگاڑ اور رعایت اور سوزگار اور معیشت کے تنگ ہو جانے کا خطرہ نہیں اپنے خمیر کے خلافت کام کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا!

بات تو بہت بھڑکی سی ہے مگر اس سے ان حضرات کی ذہنی سطح کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ نہندگان کرام اپنے کام سوار عزیزوں اور ہشتہ داروں کے نام کے ساتھ - مروتی - اور - مغلنا - لکھتے اور لکھتے ہیں مگر مولانا مودودی کو - مودودی صاحب - کہتے ہیں اور مودودی

صاحب کو مولانا یا مولوی کہہ کر ان کی علمی اور دینی حیثیت کو *recognise* کرنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے علم و فضل اللہ دینی قابلیت کا جو معیار اپنے ذہنوں میں قائم کر رکھا ہے، اس پر مولانا مودودی غالباً ہر دے نہیں آتے! یہ گہری عصبیت ہیں تو اسے کیا ہے تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، تاریخ، ہکراتیات، سیاسیات اور دوسرے علوم پر مولانا مودودی کی اتنی بلند پایہ کتابیں موجود ہیں کہ جب ان کی بعض کتابیں ترجمہ ہو کر عرب ممالک میں پہنچی ہیں تو اکابر علماء و عرب نے مولانا مودودی کو انتہائی شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے! ہندوستان کے علماء میں مولانا مودودی کی تعانیت کو یہ امتیاز اور خصوصیت حاصل ہے کہ وہ دنیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو کر مقبول ہوئی ہیں، خاص سے بھی ان سے استفادہ کیا ہے اور حرام نے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ غیر ممالک کے کچھ اکابر علماء و ادياب نے بھی جو مولانا صاحب کی کتابیں پڑھنے کے بعد آگے سے لکھنے کی تمنا رکھتے ہیں ان میں سے کئی مہتممی طبع مولانا موصوف کے لئے "بلا" ثابت ہوئی ہے اور گہری عصبیت کے ساتھ رنگ و حد بھی ان کی مخالفت کا سبب بن گیا ہے!

علماء اور ادیبانہ کی کتابوں اور تحریروں کو پڑھنے والے ان کی بلندی و سطح کا موازنہ کرنے کے لئے آسمان سے فرشتے نہیں آیا کرتے، ہر وعدہ کے متوسط معلومات کے اسباب و علم، اہل فکر، ادیبانہ ادب و انشاء ہی اس کا فیصلہ کرتے ہیں کہ کس عالم اور مفکر نے کیا لکھا ہے؟ اور کیا لکھا ہے؟ اس بنا پر کسی معنوی انگارے کے بغیر عرض ہے۔

ہے ادب شرط مند نہ کھلو آئیں

ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے

تو

مولانا مودودی کی کتابوں کا جہاں تک تعلق ہے وہ اس دور کے کسی ٹہسے سے ٹہسے عالم دین اور مصنف و مفکر سے دیتے ہوئے نظر نہیں آتے! بلکہ جہاں تک علم و فضل سے صحیح طور پر سلیقہ کے ساتھ کام لینے کا تعلق ہے، اس خصوصیت میں وہ سب متاثر ہیں! یہ مولانا صاحب کی شاعرانہ انسانیت میں تعبد و خرافاتی یا مدح سرائی نہیں بلکہ واقعیت کا کسی مبالغہ کے بغیر اظہار ہے! جب مولانا مودودی شام تشریف لے گئے تھے تو ایک علمی اجتماع میں وہ ان کے سابق مدیر محافت اور مفکر اہل قلم جناب مصلحہ لدیہ خان نے ان لفظوں میں مولانا مودودی کی خدمت میں خراج تحسین و محبت پیش کیا تھا کہ الاساتذہ مودودی، غزالی اسلام بنیہ کی صف کا آدمی ہے! اور خود دلہ بندہ کی مستند عالم دین اور علمی خاندان سے کے چشم و چراغ اور بلند پایہ اہل قلم مولانا عامر عثمانی تو اپنے متعدد مضامین میں اس کا اعلان اور اعتراف کر چکے ہیں کہ مولانا اپنے وقت کا امام ہے! حالانکہ جہاں تک اہم اطراف کے علم و خراج معلومات و مطالعہ کا تعلق ہے، جماعت اسلامی کی کسی فرد کی زبان و قلم سے اس قسم کے مدحیہ الفاظ مولانا مودودی کی شان میں سننے اور پڑھنے میں نہیں آتے! جمعیۃ العلماء و اطراف کے رئیس علامہ محمد بشیر الابرہیمی مرحوم نے مولانا مودودی کے علم و فکر اور مہمانہ عزیمت کا بن شاندار لفظوں میں اعتراف کیا ہے وہ عربی مدرسہ کی اسناد و فضیلت کے مقابلہ میں مولانا موصوف کے علم و فضل کی مدح جہاں بلند شہادت ہے۔ علامہ مرحوم لکھتے ہیں کہ پاکستان اور ہندوستان کے بین فضلاء سے میں متاثر ہوا ان میں سب سے زیادہ ثقہ فی الدین رکھنے والے اور اسلام کے تاریخی حقائق میں بصیرت رکھنے والے ہیں! آپ معلومات کے سمندر میں! روشن خیال اندیشہ کے بادشاہ اور روحانیت کے صاف و شفاف آئینے میں! سائل حاضرہ کو اسلامی اصول پر تطبیق دینے میں ماہر ہیں اور اس معاملہ میں ایک جدید طرز استدلال کے موجد ہیں، شریعت کے مزاج شناس اور اس کے سبب سے احساس کمتری کہیں یا جذبہ ہمدی میں اسباب و دلہ بندہ لکھے ہوئے ہیں، دنیا اب اتنی چھوٹی نہیں رہی جتنی وہ سمجھتے ہیں اور نہ علم و فضل اور خدات و ذرات کا دائرہ اتنا تنگ اور محدود ہے، ان کو شاید نہیں معلوم کہ مولانا مودودی کے

علم و فضل کا انکار کر کے، اپنے بارے میں وہ لکھی پڑھی دنیا کو ہاتا کر دیتے ہیں! پھر بڑے بڑے ستم ظریفی یہ ہے کہ جو شخص مشرکانہ رسوم و عقائد اور بدعات کا منکر و محسب اور توحید خالص کا مبلغ ہے اور تہجد و مغرب زندگی کے ہر لمحہ پر جس نے غیر اسلامی نظریوں سے نبھو کر اُس کی ہے، اُس اپنی کچھ صف کے آگے، ابواب دیوبند نے اپنا مخالف سمجھ رکھا ہے۔

جہاں تک قلم کی لغزش اور سہو کا تعلق ہے، اس سے کوئی اہل قلم محفوظ نہیں ہے، غزالی، ابن ہنکلی، ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، نقشبانی، لکھنے بڑے آدمی اور صحیح معنی میں "رجل کار" ہیں مگر ان کے قلم سے بھی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، مگر ان چند غلطیوں کے سبب ان بڑے آدمیوں کی بلند شخصیتوں کی نفی نہیں کی جاتی! اکابر دیوبند اپنی کتابوں اور تحریروں میں غلطیوں سے کب محفوظ رہے ہیں! بریلویوں نے علماء دیوبند کو مسطوحوں کرنے کے لئے جو کتابیں مرتب کی ہیں، ان میں اول تو بے سبب سیٹی پائی جاتی ہے، پھر انہوں نے ان الفاظ پر گرفت کی ہے، جن کی تائید ہر کسی ہے اور جن میں بعض کا تعلق الفاظ کی بے احتیاطی سے ہے۔ مگر خدا خواستہ ان حضرات کی سطح پر آکر، دیوبند کے مکتبہ فکر کو بدنام کرنے اور ملت میں انہیں بوجھ اور عجز و غریب بنانے کی ہم ہم جیسے بھینچا ہوا شروعات کر دی، تو ہم اکابر دیوبند کی کتابوں اور تحریروں سے ایسی غلطیاں جن کو لوگوں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں جن کی مخالفت اور رد میں مشکل ہی سے کی جاسکتی ہے، یہاں تک کہ بعض حضرات جنہوں کو حرام ٹھہرانے میں ان حضرات نے نا چھوئے تامل اور اداہمی تحقیق سے کام لیا ہے، اس قسم کی غلطیوں کے باوجود ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ دیوبند سے اسلام اور ملت کو بہت فائدہ پہنچا ہے اساس حلقہ میں جمہوری طرز پر خیر کا غلبہ ہے! اس لئے دیوبندی حلقہ کے اکابر کی غلطیوں پر نقد و احتساب کی ضرورت آن پڑے، تو ہمارے عقیدہ کا خلاصہ یا داعیہ اور مقصد یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ حلقہ دین میں فتنہ پھیلا رہا ہے، یا یہ لوگ سارے عقیدہ و عمل میں مبتلا ہیں یا ان کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے، مگر ہم اس قسم کی تنقید اور عصبیت، خط اندیشی اور سوء ظن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں! خدا جانتا ہے کہ ہمیں پیسن کو خوشی ہوتی ہے کہ اس مسجد، محلہ اور بستی میں علماء دیوبند کا اثر و نفوذ بڑھتا ہے! کیونکہ دیوبندی مکتبہ فکر مشرکانہ رسوم و عقائد اور بدعات کی نفی کرتا ہے!

نقد و احتساب ہر اوج و ستائنش اس کی بھی حدود ہیں، ان حدود کو توڑ دینے ہی سے فساد پیدا ہوتا ہے اور طرح طرح کی خواہیاں اہل بے اعتدالیان ظہور میں آتی ہیں! جماعت اسلامی کا نظریہ دینی و دھارم نہیں ہے، اُس کی غلطیوں اور کمزوریوں کی اہل علم کو نیک نیت مذہبی کوئی چاہئے، لیکن چند غلطیوں کی بنیاد پر مولانا مودودی کی جماعت کی تفصیل و تفسیق بہت بڑی کیا دی ہے، ہم نے "فادان" میں حضرت مولانا تھانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الکشف عن مہمات التصوف" پر ایسی تفصیل کے ساتھ نقد و محاکمہ کیا، اور جہاں جہاں کمزوریاں بدیہی طور پر نظر آئیں ان کی نشاندہی کر دی، مگر ہم اس نیا دلی کے مرتکب نہیں ہوئے کہ ان چند تسامحات اور کمزوریوں کو بنیاد بنا کر حضرت تھانی یا ان کے سلسلہ ارشاد و تصوف کو "فتنہ" اور "ضلال" ٹھہرا دیتے، قلم کی ذرا سی جنبش یہ کام کر سکتی تھی، مگر اس قسم کے ظلم دنیا دلی پر اپنے کو ہم آواز نہ نہیں کر سکتے! ہم اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہیں کہ ہمارے پاس نیک اعمال کی اتنی بہت سی مقدار ہے، جو ہماری نیا دلیوں اور الزام تراشیوں کا کفارہ بن سکتی! جن جماعتوں اور افراد سے دین کو فائدہ پہنچ رہا ہے، ان کو بدنام اور مسطوح کر کے اور انہیں فتنہ اور ضلال ٹھہرا کر، ہم دین کے نام پر دین کی بدنامی کا الزام ادا گناہ اپنے سر نہیں لے سکتے!

علماء دیوبند نے اگر یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ تو نولاد کے بنے ہوئے قلم میں محفوظ ہیں اور دوسرے آئینہ خاں میں رہتے ہیں، جن کو آسانی سے چکنا چور کیا جاسکتا ہے۔ یہ ان کی خوش فہمی اور غلط اندیشی ہے، حلقہ دیوبند سے جو صاحب بھی تعلق رکھتے ہیں وہ اگر چاہیں اور پسند فرمائیں تو ہم تناؤ نہ خیال کر کے انہیں شاید مطمئن اور تسکین کر سکتے ہیں کہ بعض اکابر دیوبند سے دینی مسائل میں جس قسم کی بعض شدید غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، مولانا مودودی کے قلم سے اس قسم کی غلطیوں کا حوصلہ نہیں ہوا مگر ان غلطیوں کے باوجود اکابر دیوبند قابل احترام ہیں، انسان کے تسامحات پر کسی خیر خواہ دین و ملت کو اس انداز میں تنقید نہیں کرنی چاہئے گویا کہ یہ نبردگ

کہنے یا نہ کہنے اور بلند آواز سے آہن کہنے یا نہ کہنے پر کسی قسم کی کوئی نزع نہیں ہے: اور نہ جماعت میں کلامی عقائد پر بحث اور مناظرہ ہوتے ہیں: اس جماعت کے تمام کا مقصد ہی امت کی وحدت اصلیت کا تحفظ ہے: اس کو فرقہ کہنا زیادتی اور انصافی ہے: دینی فرقوں میں بعض فقہی اختلافات کی بنا پر جو حصّے پیلا ہو گئے ہیں، جماعت اسلامی میں ان کا کوئی نام و نشان تک نہیں ملتا:

یہ بھی ایک چلتی ہوئی طنز ہے کہ جماعت اسلامی دینی اکابر کا احترام نہیں کرتی یا ان سے برگمائی میں مبتلا ہے: جماعت اسلامی دینی اکابر کا بیک احترام کرتی ہے مگر وہ ان کی پرسنٹ نہیں کرتی، اس لئے سامنے اصل حوالہ کتاب و سنت ہے اور اسی پر ہر کسی کے قول و فعل کو جانچی اور پرکھتی ہے: مسلمانوں کی لمبی تاریخ اس سے لبریز ہے کہ اخلاف نے اسلام کی ان باتوں پر جو محض غرض نفسانی ہیں، تنقید کی ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قابل فخر شاگردوں کا اپنے استاد امام غفر سے بعض فقہی مسائل میں اختلاف کیا اس کی دلیل بن سکتا ہے کہ امام غفر کے شاگرد نے استاد سے برگمائی تھے: حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جب یہ فرماتے ہیں کہ — ما لافس وکار است نہ کہ نص — تو کیا ان کی تنقید کو یہ معنی پہناتے جاسکتے ہیں کہ اس قول سے وحدت الوجود پر عقیدہ رکھنے والے تمام عربوں کی تقيص ہوتی ہے — حضرت امام غفر کی یہ تنقید کہ ان کی کتابوں میں احادیث کا معاملہ بہت کمزور ہے اساس معاد میں وہ متسا ہیں تھے اور امام ابن تیمیہ نے اللہ تعالیٰ کے بزرگس اور وجہ کی بولفسیر کی ہے اس میں تنزیہ کے ساتھ تجسم کا بھی شبہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی تنقیدوں کو جو کوئی اسلام کی بے تحاشی اور برگمائی سمجھتا ہے تو وہ عقیدت اور خوش گمانی کے اس غلو میں مبتلا ہے جو اکابر و اسلاف کو — معصوم بنا دیتا ہے، جماعت اسلامی اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس غلو میں الجھی ہوئی نہیں ہے اساس — اسی روش پر — اسلام سے برگمائی — کی طنز کی جاتی ہے۔

جماعت اسلامی باقاعدہ ایک تنظیم ہے، اس کے یہاں دفاتر ہیں رجسٹر اور فائلیں ہیں، ایسی فون اور ٹائپ کی مشینیں ہیں، سخا یا ب کاربن ہیں، کام کی ذمہ داریوں کے اعتبار سے عہدوں کی تقسیم اور تعین ہے: پریس کانفرنس اور استقبالیے ہیں — دینداروں اور اسلام پسندوں کی ایک جماعت کو ان تمام باتوں میں دینا داری اور تعلق بالشد کی کوئی نظر آتی ہے وہ اس کو انبیائی دعوت سمجھتے ہیں کہ دینی اور تبلیغی جماعتوں کا نہ تو اجراء میں کوئی اعلان کیا جاتے، نہ پوسٹر لگاتے جاتیں وہ ان اجتماعات کے انتظام کے لئے نہ کوئی کمیٹی بنائی جاتے، نہ کوئی شعبہ قائم کیا جاتے: جماعت اسلامی اس کے برخلاف ان جائز و ناجائز سے کام لینے میں دین کا کوئی حرج اور نقصان نہیں سمجھتی جیسا ہے غیر مسلموں کو ایجا کرنے ہوتے ہیں مگر ان سے حصول مقصد میں آسانی اور ہولتیں پیدا ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے پیغام کو اللہ کی زمین پر نشر و اشاعت کے زیادہ سے زیادہ موثرے میسر آسکیں بغزوۂ خنق میں اہل فاس کے طریقہ جنگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو ”خنق“ کو دہی گئی تھی، یہ مقدس میں جماعت اسلامی کے لئے تمدن و تہذیب کے ان مذاہم اور معاملات میں دلیل راہ ہے۔

لعن و طعن اور —!؟ کتاب ہے کہ بعض دیندار لوگ ان کو مطمئن کہنے اور طعن طاعت کے بہانے ڈھونڈتے رہتے ہیں، بعض پے خامہ لکھے پڑھے لوگ بلکہ اپنے دعوے کے علمائے اس کتاب پر اس انداز میں تنقید فرماتی ہے کہ سر سے سید تطلب دشمنی کی اہنیت پاکستان سے مولانا مودودی صاحب کی کتاب کا اس موضوع پر منظر عام پر آنا یہ سب کچھ ایک ”سائنس“ کے تحت ہوا ہے۔

سہ ماہی سرگرمیاں کیا کیجئے

مولانا مودودی نے حضرت سید عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے بارے میں جو باتیں کہی ہیں وہی باتیں دوسرے علماء اہل سنت و جماعت نے بھی فرمائی ہیں! مگر ان علماء اور اسباب تلوم کو بھوکہ کر یا راستہ چشم پوشی کر کے، مولانا مودودی پر طعن و تشنیع کی بوجھار ہو رہی، شہ حضرت مولانا عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو ۱۴۱۳ھ اپنی سنّت کہے جاتے ہیں، اور شیعیت کی مداد دہانویں صحابہ کے تحفظ میں غیر معمولی بہتر

رکھتے ہیں، وہ اپنی کتاب سیرت خفا و راشدین میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اس بارہ سال میں چھ سال تو نظام حکومت ایب دست ماک کسی کے شکایت نہ تھی سب لوگ آپ سے دینی سیرت عثمانی تھی سے بے حد محبت کرتے تھے، مگر آخری چھ سال میں آپ نے اپنے اعز و اقارب کو عہدوں پر مقرر کیا، انہوں نے کام کو خراب کر دیا، صدر جم کی صفت کا آپ پر عہدہ تھا اس میں کچھ تنگ نہیں کہ یہ صفت بڑی عمدہ صفت ہے، مگر کوئی چیز کیسی ہی عمدہ ہو، جب وہ حد اعتدال سے تجاوز کر جائے تو خرابی پیدا ہوتی ہے، تاہم یہ خرابیاں یا کمزوریاں بمقابلہ ان خوبیوں کے جو آپ کی ذات والا صفات میں تھیں اور بہت بڑے عظیم الشان صفات اسلامیہ کے جو آپ نے انجام دیں مگر کتنی ہی اعتراض نہیں۔

یہ کتابچہ جمعیت اسلام گروہ کا نمونہ تھا اس کتابچہ کی مندرجہ بالا عبارت کو کسی صاحب نے امیر جمعیت صدر اسلام سر محمد حنیف مسیحی بدلتا ہوا ضل و یسید کی خدمت میں بھیج دیا، وہاں سے اس پر مندرجہ ذیل فتویٰ صادر کیا گیا :-

اگر اس قسم کے الفاظ کہیں کہ خلفہ کرام رضی اللہ عنہم نے سہرا یا عرشا د خلافت نہ لیتے، احکام دہی گئے ہیں وہ نصیحت الخطیہ اور گمراہ ہے اس کے دل میں لٹائی ہے، یقیناً اس عقیدہ سے خفا و عظام رضی اللہ عنہم کی توہین ہوتی ہے وہ اہل سنت والجماعت کے گروہ :-، خارج ہے، اس قسم کے عقیدہ، دیکھنے والے سے تعلق کسی قسم کا تو نہیں نہ کرے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ تشہیر کہ آخری چھ سال میں آپ نے اپنے اعز و اقارب کو عہدوں پر مقرر کیا، انہوں نے کام خراب کیا :- (اللی انعم) یہ تشہیر عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام ہے، بالکل غلط ہے یہ الزام اور بہتان ہے جو شخص یہ کہے کہ گمراہ ہے وہ جھوٹ ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے، اولاً اللہ اللہ ذلیل ہوگا، ایسا شخص اہل سنت والجماعت میں نہیں رہ سکتا، ایسی جماعت میں شریعت گمراہ :-، اس قسم کی جہالت کہ کسی قسم کی تعاون نہ کرے :- ایسے شخص پر دینی حضرت عثمان پر الزام لگانا انتہائی ظلم ہے، اور یہی شخص دیکھ کر کہتا ہے جو خدا کے رسول کا دشمن ہو، اور جو خدا کے رسول کا دشمن ہو وہ اللہ کا دشمن ہے، اللہ کا دشمن جہنمی ہوتا ہے۔

جمعیت علماء سرحد کے فاضل دین محمد مفتی کو یہ دھوکا ہوا کہ یہ عبارت مولانا مودودی کی لکھی ہوئی ہے، جو جمعیت اسلامی پاکستان کے امیر ہیں، اسی لئے انہوں نے اپنے فتویٰ میں یہ لکھا ہے :- اس قسم کی جماعت سے تعاون نہ کرے !

جب مفتی کرام الدین علماء عظام و عصبیت و عفا کی اس سرچ پر آجائیں تو یہ دیکھاں چہ رسد عجیب بات ہے کہ جمعیت علماء اسلام سرگودھا نے یہ کتابچہ شائع کیا ہے مگر اس میں مولانا عبدالغفور مرحوم دفعہ کی کتاب کا جو اقتباس نقل کیا گیا ہے سرگودھا کی جمعیت خفا و سلام کے اکابر کو اس میں کوئی خراب محسوس نہیں ہوتی۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر چاروں طرف سے مخالفوں کی بغاوت اور طنز و طعنت کی جاندار کی جہڑی ہے اس پر غور کرنے کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ جب اتنے بہت سے علم و جماعت اسلامی کے مخالفین اور مسلمانوں کی قریب قریب جماعت، مولانا مودودی اور جماعت اسلامی پر مقرر ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ جماعت اسلامی میں فقیہ ایسی خرابیاں پائی جاتی ہیں، جو ان کو کھٹکتی ہیں اور مودودی صاحب کا

تصور دین انسان کی قیادت ان اخبار میں کی ذمہ دار ہے۔ مگر دوسرا سوچ یہ بھی تو ہے کہ قرآن کریم جس جماعت کی نشاندہی کرتا ہے کہ ملت میں اس کا جو تصور رکھا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلانے اور منکر سے روکے، ہو سکتا ہے کہ وہ جماعت یہی جماعت اسلامی ہے، اسی اپنی ہمہ گیر خوبی اور دینی جامعیت کے سبب وہ عام مخالفت کا نشانہ بنی ہوئی ہو۔ کیونکہ جماعت اسلامی بھلائی کے ہر راستہ سے لوگوں کو بلاتی ہے، اور ہر قسم کے منکر اور جاہلیت کے ہر تصور کی تردید کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے مقابلہ میں کسی کی خوشی اور ناخوشی کی پروا نہیں کرتی۔

جماعت اسلامی کے یہاں وفاترہیں، ناسپ کی مشینیں ہیں، نائیں ہیں، پرس کا لفٹ نہیں اور استقبائے میں یہاں تک کہ اسمبلیوں کے لئے ایکشن کی نم بھی ہے، بعض دینی جماعتوں کو اس میں "دنیا داری" دکھائی دیتی ہے اور "اکرام مسلم" کے نظریہ کی پابندی کے باوجود جماعت کے حق میں طنز یہ جھگڑے نہ ہاؤں سے نکل ہی جاتے ہیں۔

والستگان جماعت اسلامی نہ تو چلے کھینچتے ہیں اور نہ شجرے پڑھتے ہیں، نہ ان کے یہاں سیری سریدی کا رواج ہے، ان کی اس روش کو دیکھ کر وہ دیندار لوگ جو ان رسوم کو روحانیت کی ترقی کا لازمہ خیال کرتے ہیں، جماعت اسلامی کو روحانیت سے کورا اور تنزیکہ باطن سے عاری سمجھتے ہیں۔

اہل بدعت جماعت اسلامی والوں کو "وابی" جانتے ہیں اور "وابی" انہیں آزاد خیال اور مجاہدہ سمجھے ہوئے ہیں، مقلدین اور غیر مقلدین دونوں گروہوں کو یہ دیکھ کر خاصی وحشت ہوئی ہے کہ جماعت اسلامی میں ایک شخص نہ نہ پڑھنے میں رفع یدین کرتا ہے اور دوسرا انہیں کہتا، مگر ان کے درمیان اس قسم کے مسائل پر کسی قسم کی نزاع نہیں ہوتی!

مولانا مودودی "تقلید" جہاز پر تنقید کرتے ہیں تو مقلدین بگڑ جاتے ہیں اور "اقلیت" کی ضرورت اور اہمیت کا اظہار کرتے ہیں تو غیر مقلدین کی پیشانیوں پر ٹنگیں آجاتی ہیں، سنسٹ رسول کو وہ دین میں حجت کہتے ہیں تو سکین حدیث، ان پر رسالت پرستی، بحیثیت اہل علمائیت کی طنز کرتے ہیں اور جب روایت کی کسوٹی پر وہ کسی حدیث کو پرکھتے ہیں، تو مودودی صاحب کو مکرین حدیث کے طبقہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

مولانا مودودی اگر فقہ کے اختلافی مسائل کے مابین حاکم کے کسی ایک امام کے مسلک پر ترجیح دیتے ہیں، تو علماء اہل تقلید اور فاضل طرہ سے اصناف چھپ رہے ہیں کہ مودودی صاحب اول اول تو ایسا کرنے کے اہل نہیں ہیں، پھر اگر فقہ کے اختلافی مسائل میں سے کسی ایک کے مسئلہ کو قبول کر لینا عوامی جگہ "غیر مقلدیت" ہے۔

غرض مسلمانوں کی جن جماعتوں اور گروہوں میں بھی دین کے نام پر کچھا خانے ہوئے ہیں یا غیر ضروری تکلفات پائے جاتے ہیں یا گروہی عصبیت نے تنگی پیدا کر دی ہے، وہاں مولانا مودودی کے تسلیم کی زد پڑتی ہے! تو ان مخلوق، سلسلہ ادب جماعتوں کے وابستگان کی برہمی انہیں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی مخالفت پر آگاہ دیتی ہے، مثلاً سامنے کی بات یہ ہے کہ اہل حدیث اور دیوبندی حضرات جب یہ دیکھتے ہیں کہ مصائب و مشکلات کے متوجہوں پر جماعت اسلامی میں "ختم بخاری" نہیں کیا جاتا تو نفس مسئلہ کی نوعیت پر غور کرنے کی بجائے، جماعت اسلامی کے خلاف ان کے دلوں میں تلکد پیدا ہو جاتا ہے! اداہنی باتوں سے ان حضرات کے ذہنوں میں یہ تصور ابھر رہا ہے کہ جماعت اسلامی اصناف سے بدگن ہے انسان کے طریق کار کو کوئی اہمیت نہیں دیتی حالانکہ اس قسم کے مسائل و معاملات میں اصل چیز جو میسر اور کسوٹی ہے وہ کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ ہیں! انسان کے بعد تابعین کے قریب ترین نسل کے اصناف اور ائمہ حدیث و فقہ کا تعاقب بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔

جہاں تک اہل بدعت انسان کے مسلک سے ملنے جلتے فرقوں کا تعلق ہے وہ تو جماعت اسلامی اور مولانا مودودی سے خوش ہو رہی

نہیں کہتے۔ بس یوں سمجھنا چاہیے کہ مسلمانوں کی کسی جماعت یا فرقہ کی مدد عایت کئے بغیر مولانا مودودی کی حق گوئی اور جماعت اسلامی کی جامعیت اور ہمہ گیری اور اللہ تعالیٰ کے پورے کے پورے دین کو قائم کرنے کی دعوت ان کے لئے۔ بلانے جان۔ بن گئی ہے اور لوگوں کو ان کی مخالفت پر آمادہ کر دیا ہے۔

اس تصویر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بعض افراد کو جماعت اسلامی کی مخالفت کے سبب سرکار و مباد کا تقرب اور اس تقرب کے نتیجہ میں گونا گوں مادی منافع سے مستفید ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ بعض حضرات دیندار اور خیر پسند میں مگر صاحبِ عزت نہیں ہیں۔ حق کا ساتھ دے کر اور ناحق سے اظہارِ بیزار ی کر کے وہ کسی مصیبت میں مبتلا نہ بنائیں چاہتے اس خراجِ فکر کے لوگ جماعت اسلامی کی صورت نہ عزت اور جلال حق گوئی کو دیکھ کر احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ احساس ان کے اندر جماعت کے خلاف توجہ سادہ کر دیتا ہے۔

کوئی بھلا مانے یا بار بار نہ کہے جو کچھ تبصرہ، تجزیہ اور محسوس کیا ہے، اسے پسند و ناپسند کے ساتھ کاغذ پر منتقل کر دیا ہے اور سب راہِ ضمیر اس تجزیہ پر ہر طرح، سطعن ہے۔ اس تجزیہ کے بعد اس حقیقت کا اظہار بھی ہم فروری سمجھتے ہیں کہ جو لوگ جماعت اسلامی سے وابستہ نہیں ہیں، ان کے ایمان اور اسلام کے بارے میں ہم کسی قسم کا شبہ نہیں رکھتے، اور ہم محبت و عقیدت کے اس غلو میں بھی مبتلا نہیں ہیں کہ کسایت اور صحت فکر صرف جماعت اسلامی میں محدود ہو کر رہ گئی ہے اور اس کے باہر اندر میرا ہی اندر میرا ہے اور جماعت اسلامی نہ فرشتوں کی کوئی جماعت ہے جس پر نقد و احسان بگناہ کی بات ہے۔ ہماری گزارش کا مقصد یہ ہے کہ جو کوئی جماعت اسلامی یا مولانا مودودی پر اس انداز میں تنقید کرتا ہے کہ جماعت اور مولانا مودودی کی ذات دین کے لئے "فتنہ" بن گئے ہیں۔ جماعت اس دور کا سب سے بڑا "منکر" ہے جس کی مخالفت دین کا اولین تقاضا ہے۔ ہم اس منکر و عین کو سو فیصدی غلط سمجھتے ہیں، اس قسم کی نیادنیوں پر اللہ تعالیٰ کے یہاں شدید قسم کی باز پرس ہوگی! اس بات پر ہمارا پورا یقین ہے کہ مجموعی طور پر جماعت اسلامی دین و ملت کے لئے سببِ خیر ہے اور موجبِ سعادت و برکت ہے، اس کو کمزور، ذلیل، بدنام، اور محسور و محسوس کرنے کی کوششیں دین و ملت کے لئے مضر و مہلک ہیں اور اس دور کا تعلیم یافتہ طبقہ جماعت اسلامی کو دینی افکار کا سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ترجمان اور نمائندہ سمجھتا ہے، اس لئے جماعت اسلامی کو "فتنہ" ثابت کرنے کی کوشش سے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے یقین و اعتماد کو سخت جھٹکے گئے ہیں اور وہ اپنے اندر دین کے بارے میں شدید اضطراب اور تشویش محسوس کرتے ہیں!

الزام اور تہمتیں پاکستان میں تقریباً ہر دور حکومت میں جماعت اسلامی کو مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اس پر یہ بھی کہ وہ اس ملک میں اللہ تعالیٰ کے کلمہ کا غلبہ اور نظامِ اسلامی کا قیام چاہتی ہے اس پر طرح طرح کی سخت

اور نیادنیوں کی ہوئی ہیں! اب سے دو تین سال قبل کہ شد و مد کے ساتھ فرقہ پرست پانگنڈا کی گئی تھاکہ جماعت اسلامی کو امریکہ سے روپیہ ملتا ہے اور وہ امریکہ کی ایجنٹ ہے، کتنے عمارے اور تہمتیں تھیں جو کثرتِ پیروں اور نا اہلیوں کے دوستی و بددش اس الزام زدگی کی ہم میں دفع کر گئی تھیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ادا کیا ہے بلکہ اسی سر زمین پر تھوڑی سی مدت میں اس عجوبہ کی قلمی کھول دی اور اس بدوئے کفر و دغ کے لئے ذرا بھی سہارا نہ سکا۔ کس قدر خطرناک شدید، بدگھن و ناانصافی! اس سبب سے باقی اور جرات کے ساتھ لگایا گیا، الزام لگانے والے غالباً معلق ہونے لگے کہ جہاد کو نئے کیا دکھا دیا، جماعت اسلامی کے خلاف فضا کو بھرتنا اور لوگوں کے دل و دماغ میں جماعت کے بارے میں شک و شبہ اور بے اعتمادی پیدا کرنا۔ قصور و جہاد۔ وہ وقت گزر گیا، بات آتی گئی، مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں قول و عمل کے ہر حرف اور ایک ایک جہش کا ریکارڈ موجود ہے، آخرت میں یہ ریکارڈ خود بولے گا اور اپنے کو دہرائے گا! جو کوئی آئندہ کی باز پرس سے اس دنیا سے آپ و گن اور عالم کون و فساد میں داخل و بے خبر ہو جائے اور جیسے اللہ نے ہی رہا۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کو جہانم کرنے کا نازہ ترین شاہکار یہ ہے کہ روایتِ ہمال کے مسلمانین و عیدوں کی تمام فرقہ واری

جماعت اہل مولانا مودودی پر ڈانے کی ہم نوا شدہ سے جاری ہے ! اگر یہ جرم ہے تو اس جرم میں بہت سے بڑے بڑے شہرہ دل کے تفسیریات تھا علماء اہل مغربی پاکستان کے علوم کی غالب اکثریت شریک ہے۔

دوسال قبل ہی صحت پتی آچکی ہے کہ سید لویہ سرکاری اعلان ہوا کہ کل عید ہے مگر علماء کرام نے دین میں جماعت کے اکابر شامل نہیں تھے م دوسرے دن عید کا اعلان کیا اور خود کراچی کی پولنگ ٹونڈ پر دودن عید کی نمازیں پڑھیں، جماعت اسلامی نے بھی مسلمانوں کی غالب اکثریت کے ساتھ علماء کرام کے فتوے کی تعمیل میں دوسرے دن نماز عید ادا کی، اور اس میں بھی جماعت اسلامی اہل مولانا مودودی نے علماء کرام کی اکثریت کی رائے اور فتوے پر عمل کیا۔ لیکن اس مسئلہ میں دوسرے علماء کو چھوڑ کر مولانا مودودی کو بچا لینے اور ہٹام کرنے اور انہیں آتش پسند ٹھہرانے کی ہمہ کس نوا شدہ سے جاری ہے ! ان علماء کا مذکورہ فتوہ غلط ہے جسے اپنا دین پاکستان کے مخرم صمد کی بارگاہ میں آسانی کے ساتھ باریابی کا موقع مل گیا، اور دینیت ہلال کے انتہائی بنیاد پر اس دین نے مولانا مودودی کی سرگرمیوں کو کچلنے کا معرضہ پیش کرنے کی عزت اور سعادت حاصل کی !

کنز الشیخ مسم لیک کے لیڈروں کے بیانات اس قسم کے آ رہے ہیں جو جماعت اسلامی کے خلاف چیلنج کو ابھارنے اور تشویش کرنے والے ہیں اور انہیں ایسی پیدا کی جا رہی ہے کہ حکومت کو کوئی زحمت نہ کرنی پڑے بلکہ پاکستان کے عوام جماعت اسلامی سے دست و گریباں ہو جائیں اور

جماعت اسلامی کو ایک طرف اس سنگین صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے دوسری طرف جماعت اسلامی کو خیر باد نہیں "مرحومہ باد" کہنے والے وہ چند افراد ہیں جو جماعت اسلامی سے نکلنے کے بعد جماعت اسلامی کی رسوائی بلکہ تباہی و بربادی کے در پی ہیں۔۔۔ کاش ! یہ حضرات جماعت سے وابستہ نہ ہوتے، مگر تقدیر کے نشتر کو کوئی مٹا سکتا ہے الیا ہونا متعدد ہو چکا تھا، اور ہر گز با اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کچھ مصلحت ہے ؟

ماہنامہ "میشان" لاہور کوئی سال سے جناب مولانا ابن احسن اصلاہی کی ادارت میں نکل رہا ہے اور غالباً دو بار بند ہو چکا ہے اب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس کی ادارت کو سنبھالا ہے۔ "میشان" کے دورِ جدید میں مولانا اصلاہی صاحب کا نام "سرپرست" کی حیثیت سے مروجہ ہے مولانا اصلاہی صاحب نے "میشان" میں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے خلاف خاصہ مذہبی علم صرف کیا تھا، مگر اصل کو کچھ دلوں سے "میشان" بند تھا، دوسری وجہ شاید یہ کہ مولانا مودودی اپنے فرزند اکبر ابوصالح مرحوم کی وفات کے غم میں اس طرف توجہ نہ فرما سکے !

مگر

مجھ "میشان" اب دورِ جدید میں پہلے کے مقابلہ میں خاصی آن بان اور بھرپور دشمنی کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے اور اس کا آغاز مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی مخالفت سے ہوا ہے ! ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور ان کے رفقاء کو پاکستان میں نہ کوئی "مسٹر" اپنی طرف متوجہ کر سکا نہ کوئی بڑی نہیں احتجاج اور استیصال کے قابل نظر آئی، یہ کسی باطن نظریہ اور غلط عقیدہ کی تہ دید کی انہیں فرصت محسوس ہوئی، اس ملک میں ان کے نزدیک سب سے بڑا منکر جماعت اسلامی ہے اور سب سے زیادہ مہم شخصیت ابوالاعلیٰ مودودی کی ہے ! اسی لئے ان کی دینی فراست اور اسلامی شعور نے جماعت اور مودودی صاحب پر "بزن" بول دیا ہے، ڈاکٹر صاحب کی نگاہ میں پاکستان میں تجدید و احیاء دین کا اصلی کام اسی وقت شروع ہو سکتا ہے، جب تک جماعت اسلامی کے فتنہ کا قلع قمع نہ کر دیا جائے۔ پہلے وہ جماعت اسلامی سے نمٹ لیں اور اس سے بٹا نشین کو آگ لگا دیں، اس کا دوسرا حصہ کہ بعد ازاں ان کے لئے وہ اپنی اسکیورٹی کو بھروسہ کار لائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کی کتاب اور ان کے بعض مضامین پڑھ کر ان کی خبیث مخالفت کے باوجود دل اس طرف بھی ہوتا تھا کہ مودودی

ذاکتر صاحب موصوف کی نگاہ میں جماعت اسلامی کے نقشہ کا سبب کیا ہے ؟ وہ بھی سنیں لیجئے ، اہل ان کی سپرچ کی داد دیجئے

”دین میں حکمت عملی کا جو نیا مقام اس نے تجویز کیا ہے، وہ اپنی فتنہ انگیزی میں دوسرے غلط فہمیوں کے مقابلے میں ایک نیا دور کا ہے۔“

اس دلد کے بڑے بڑے فقہ یہ ہیں — تاویات، انکسفت، اباحت و تجدد اور مذاہب — کیونکہ دین کے نام پر تنگ و بدعت کی ترویج — جماعت اسلامی جیسے حرکت عملی کہتی ہے — اس کا ان فتنوں سے آخر کیا تھا ہے ؟ تشبیہ و تمثیل میں آخر کوئی وجہ شبہ اور سبب مماثلت بھی تو ہونا چاہئے، اب جہاں تک زبان و رسم کی جنبش کا تعلق ہے اسے ہر طرح اور ہر طرف مڑا جاسکتا ہے ! دین میں حکمت عملی — آخواس عرزان اور اس صفحہ میں کیا ایسی خوبی ہے جسے فتنہ قرار دیا جاسکا ہے ؟ قیاس، استحسان اور بصاغ مسد اور اس قسم کی دوسری دینی اصطلاحات جو حکمت عملی سے مشابہ ہیں پہلے سے فقہ میں موجود ہیں ! جماعت اسلامی نے کس معروف کو حکمت عملی کے تحت بدل دیا ہے اور کس — منکر — کو جائز قرار دے دیا ہے ؟ دین کا کون سا رکن ہے جس کے بارے میں جماعت نے یہ کہا ہے کہ حکمت عملی کے تحت اس میں تغیر کیا جاسکتا ہو ؟ دین کی کس ضد کو الٹ دیا ہے ۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جماعت اسلامی کے اس دور کی، جو تعمیرِ ہند سے قبل تھا، ایسے مقالات میں خاصی تعریف کی ہے، مگر ڈاکٹر صاحب کے بقول جماعت کے اس ”دورِ نیرِ وسلاح“ میں کیا جماعت کے بعض ارکان نے علیحدگی اختیار نہیں فرمائی، اُن کی علیحدگی

لو آخر کیا سمجھا جائے؟ یہ کہ جماعت میں کوئی واقعی غرابی پیدا ہوگئی تھی، یا ان حضرات نے صورت حال کا صحیح جائزہ نہیں لیا تھا! پھر اس زمانے میں بھی جماعت طعن و طنز سے کب محفوظ رہی ہے، جماعت کے نام پر اعتراض کہ اس جماعت کے علاوہ مسلمانوں کی دوسری جماعتیں "غیر اسلامی ہیں۔۔۔ جماعت پر خارجیت" کا الزام، مولانا مودودی پر محدودیت کا دعویٰ کرنے کی تہمت! جماعت پر صالحیت کی طنز، کہ یہ لوگ اپنے علاوہ دوسروں کو غیر صالح سمجھتے ہیں! طنز و تشنیع اور جماعت پر الزام تراشی کا یہی سلسلہ پاکستان بننے کے بعد بھی بدستور جاری رہا، بلکہ ہر دور میں اس میں شدت پیدا ہوگئی ہے، یہاں تک کہ ڈاکٹر اسرار احمد جیسے مزاج و فکر کے لوگوں نے جماعت اسلامی کے وجود کو "فتنہ" ہی قرار دے دیا!

تقسیم سے قبل جماعت سیاسی انتخابات میں حصہ نہیں لیتی تھی مگر پاکستان بننے کے بعد حالات کا یہی تقاضا تھا، یا پھر کہیں یہی حکمت عملی تھی کہ انتخابات میں حصہ لیا جائے، الیا کہنے سے دین کی کوئی تہمت اٹک گئی، جماعت اسلامی نے جس دیانت و راستبازی اور خدا خوفی کے ساتھ انتخابات میں کام کیا ہے اس کی مثال پارلیمانی نظام کی تاریخ میں نہیں مل سکتی، جماعت نے کسی ایسے ذلیلہ اور طریقہ کو استعمال نہیں کیا جو دینی نقطہ نگاہ سے ناجائز اور نا پسندیدہ ہو، سیاسی انتخابات کی "تعلیل" کا جو کارنامہ اس نے انجام دیا ہے وہ طنز و تعقید کا نہیں بلکہ تحسین و ستائش کا مستحق ہے!

پاکستان میں دینی انقلاب جمہوری طریقہ ہی سے آسکتا ہے اور آنا چاہیے، "جماعت اسلامی" اس کے لئے مجسم جدوجہد کرتی رہی ہے، متحدہ ہندوستان میں صورت حال ہی ایسی تھی کہ اس جدوجہد کے وہاں مواقع اور امکانات نہ تھے، اس لئے متحدہ ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے مولانا مودودی نے بعض ایسی باتیں کہی تھیں، جن کا پاکستان کے حالات پر انطباق نہیں ہو سکتا، جو لوگ حالات و امکانات اور ماحول کو درست دیکھ کر فرق کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں، انہیں مولانا مودودی کے بعض اقوال میں تضاد نظر آتا ہے اور وہ جھٹ سے یہ فتویٰ لگا دیتے ہیں کہ تقسیم ہند کے بعد جماعت اسلامی اپنی بنیادی پالیسی سے ہٹ گئی، یا وہ نہیں رہی، جواب سے جس سال پہلے تھی!

جماعت اسلامی کا مقصد روز اول سے "اقامتِ دین" ہے اور پچیس سال کی مدت گزرنے کے بعد اس کے اس مقصد اور نصب العین میں ذرہ برابر تبدیلی واقع نہیں ہوئی، یاں، متحدہ ہندوستان کے مقابل میں، اس مقصد کو حاصل کرنے کے بعض ذرائع میں تبدیلی ہوگئی ہے اور یہ تبدیلی ناگزیر تھی!

بلاشبہ ہر زندگی کے مقابل میں مدنی زندگی میں اقامتِ دین کے جو ذرائع اختیار کئے گئے اس کے نشانات مکی زندگی میں کہاں ملتے ہیں، مدنی زندگی میں جہاد بالسیف غیر ممکن ہے، خود کو باریابی ہے، بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے نام ملت کے آئینہ اعلیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرمان ہیں، مالی نعمت کی تقسیم اور زکوٰۃ و خراج کی تحویل ہے! وہ شخص کتنا جاہل، بے خبر اور کم فطر ہے، جو اس طرح سوچتا ہے کہ مکی زندگی کا لحاظ کرتے ہوئے مدنی زندگی میں دنیا داری کا زیادہ رنگ پایا جاتا ہے (نور بالاند) چنانچہ رخاک چہن گستاخ مستشرقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر یہ الزام لگایا کہ مدینہ میں اگر محمد عربی بادشاہ ہو گئے، حالانکہ مقصد کے لحاظ سے مکہ اور مدینہ کی زندگیوں میں ذرہ برابر فرق نہیں پایا جاتا، مکی زندگی کی خصوصیت اور خاموش تبلیغ بھی اللہ ہی کے لئے تھی، اور مدینہ کی فاتحانہ زندگی اور اس کے ساتھ اسلامی حکومت کا قیام بھی، اللہ تعالیٰ کے دین کو برپا کرنے کے لئے تھا۔۔۔ دونوں زمانوں اور زندگیوں میں صفائے الٰہی ہی پیش نظر اور مقصود بالذات تھی۔

جماعت اسلامی کو پاکستان میں "اقامتِ دین" ہی کے پیش نظر جن ذرائع سے کام لینا پڑا، ان ذرائع اور وسائل سے بیشک تقسیم ہند سے جس کی بنیاد پر زندگی حالی ہے، ذرائع کی اس تبدیلی کو جماعت کی تبدیلی بلکہ گمراہی سے تعبیر کرنا، کتنی نامصفا و تعقید ہے! بے شک پاکستان

میں جماعت اسلامی کی زندگی میں پریس کانفرنسیں، استقبالیے، جلسے، جلوس، دستبردی انتخابات کے لئے پروپیگنڈا، جمہوریت کی بحالی کے لئے دوسری پارٹیوں سے معاہدے، یہ تمام باتیں نظر آتی ہیں، مگر ان کے ساتھ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سہ روز کی تسبیح، منکر کے خلاف صدائے احتجاج، صدام و حدام میں امتیاز، خدمت خلق، بیت المال کے ایک ایک پیسے کا صحیح مصروف، لٹریچر کے ذریعہ دل و دماغ اور فکر و نظر کی دینی تربیت، یہ تمام خوبیاں بھی تو پائی جاتی ہیں! انتخابات میں دن کے دو بجے سے لے کر شام تک کا وقت بڑا نازک اور فیصلہ کن ہوتا ہے جماعت اسلامی کے کارکنوں نے ان نازک اوقات میں بھی فریضہ صلوة سے غفلت نہیں ہٹی بلکہ بہت سوں نے تو جماعت کے ساتھ نظر انداز عصر کی نمازیں پڑھی ہیں۔

مولانا مودودی نے ”حکمت عملی“ کے تحت جو کچھ کہا تھا، اُس کے ثبوت کے لئے متحدہ ہندوستان کے حالات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے انگریز حکومت کو بدلنے کے لئے مسلمان، ہندوؤں کے ساتھ ایک پلیٹ نام پر آگئے تھے اور ہمانا گاندھی کی قیادت کو قبول کر لیا تھا، خاص طور سے ۱۹۲۲ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک ہندوستان کی تمام تواریات گاندھی جی کی شخصیت کے اندر گھومتی تھی، یہ ”حکمت عملی“ ہی تھی جس کے سبب مسلمانوں نے ایک غیر مسلم کی قیادت کو قبول کر لیا، ایک زمانہ وہ تھا کہ متحدہ ہندوستان کے علماء نے ”ترک موالات“ کا فتویٰ دیا اور انگریز حکومت سے موالات کو ناجائز ٹھہرایا، مگر پھر ”حکمت عملی“ ہی کے تحت انگریزوں سے تعاون کیا گیا، مسلمان کونسلوں اور اسمبلیوں میں گئے اور انگریزوں سے جس ”موالات“ (۵۵۵۴۳۲۵۶۷/۵۶۷۰) کو ناجائز قرار دیا گیا تھا اُسے حالات کے تحت ”جواز“ سے بدل دیا گیا۔

”حکمت عملی“ کوئی گالی یا بے دینی کی بات یا کلمہ کفر نہیں ہے، جس کو ڈاکٹر صاحب جماعت کے لئے ”فترت“ یا سبب قرار دے رہے ہیں، ”حکمت عملی“ دین کے کسی دین یا عقیدہ کو نہیں بدلتی، اس کا نفع حصول مقصد کے ذرائع سے ہے، اس میں حالات کے لحاظ سے تبدیلی کی جاسکتی ہے! ہو سکتا ہے کہ ایک ذلیل یا تدبیر جس کو ”نا جائز“ قرار دیا گیا تھا حالات کی تبدیلی کی نوعیت کے اعتبار سے اُس کے لئے جہر جواز پیدا ہو جائے!

حالات ہی کا یہ تقاضا تھا کہ جماعت نے خامی ناگوری اور شدید کراہت کے ساتھ صدارتی انتخاب میں ایک نو فن کی حیثیت کی، جماعت نے صاف طور پر کہہ دیا کہ ناگزیر حالات میں یہ صورت گوارا کی جا رہی ہے اور اسلئے اسے ”مثال“ ہرگز نہیں بنانا چاہئے، فوز و فلاح مروجہی کے سربراہ حکومت ہونے میں ہے جس طرح مرض کی شدت میں جان جانے کے خوف کے باعث طبیب کے نسخہ سے ”شراب“ گوارا کی جاسکتی ہے، جماعت کے اس موقف کو بھی اب ہی سمجھنا چاہئے!

کسی مبارح، جائز اور نیک مقصد کے لئے مسلمان تو جبر مسلمان ہیں، کسی غیر مسلم فرد یا جماعت سے بھی معاہدہ یا بذون کی اجازت ہے، جماعت اسلامی نے بھی جمہوریت کی بحالی کے لئے دوسری پارٹیوں کے ساتھ تعاون کیا ہے، اس معاملہ میں معایت اور غیر صافیت کا سوال اٹھانا ہی سرے سے غلط ہے! اب دیکھو! وہ جماعتوں پر اعتماد کا معاملہ تو کافروں پر بھی بعض معاملات میں اعتماد کیا جاتا ہے کافر یا مسلم اہل معاہدہ قول و قسم کھا کر اپنے عہد سے بھر جاتی تو اس میں قصور معاہدہ کرنے والوں کا نہیں ہے کہ دلوں کا حال اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اہل کفر کے بھیجے ہوئے خطوط پر اعتبار کر کے ہی جاز سے عراق کا رخ کیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ لوگ اپنے عہد سے بھر گئے!

یہ جو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب باسلام ”جائزہ کبھی“ کا ذکر کرتے ہیں، اس بارے میں ہم برسبین تنزل یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہیں کہ جائزہ کبھی کے ارکان کے ساتھ فرض کر لیجئے نہایت ہی ہوتی ہے مگر اس نیا دینی کو ضلالت اور فتنہ تو نہیں کہا جاسکتا! یہ تو

انصاف کی بات نہیں ہے کہ جائزہ کیٹی کے ارکان کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے، اس کو بنیاد قرار دے کر جماعت اسلامی کے مسئلہ اور اس کے وجود کو فنا کرنے کے لئے تدبیریں کی جاتیں، پھر جائزہ کیٹی کے بعض ارکان نے جماعت سے علیحدہ ہو کر، جماعت کی جس انداز میں مخالفت کی ہے اس کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ امیر جماعت نے جس اندیشہ کے پیش نظر یہ انتظامی اقدام کیا تھا وہ اندیشہ کس حد تک صحیح نکلا؟ اس حقیقت کو بھی دنیا نے دیکھ لیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب لکھتے ہیں :-

”لہذا اسلامی تاریخ میں ایک مولانا مودودی کی شخصیت ہی اتنی مقدس رہ گئی ہے کہ ان کی انتہائی

خط اور ہلک ترین اقدامات پر بھی زبان تنقید نانہ کی جاسکے۔“

تنقید، تنقید میں فرق ہے، مثلاً مولانا مودودی نے جن مجددین دین کے کارناموں کا جائزہ لیا ہے، اس جائزے میں انہوں نے ان نیرنگان دین سے ضلالت و فتنہ کہیں منسوب نہیں کیا، یہ نہیں کہا کہ یہ نفوس قدسیہ (معافانہ) ، گمراہ ہو گئے تھے، مولانا مودودی پر جو تنقید کی جا رہی ہے اس کا یہ اندازہ ہے کہ جیسے امت میں یہ شخص عمل و عقیدہ کا نادر پیدا کر رہا ہے، اسی تنقید کو ہم ”علم“ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی علم کی مدافعت کی جاتی ہے، اس علم و مذاہبی، بعض وعداوت اور تعصب و دشمنی کے بھلاؤں رہی ہے کہ مولانا مودودی کو ”داعی“ قادیان سے تشبیہ دی جاتی ہے، ڈاکٹر صاحب کے اس مضمون میں ان کا قسم عق و انصاف کے اس فن سے رنگین ہو گیا ہے، انہوں نے اپنے اس مقالہ میں بعض ایسی باتیں لکھی ہیں، جیسے اس دوران میں جب وہ بہ مضمون لکھ رہے تھے، خوف خدا اور اخوت کی بارگاہ میں کاندیشہ ان کے دل سے رخصت ہو گیا تھا، ”ان کا تقلم اب کسی اخلاقی حدود کا پابند نہیں رہا۔۔۔۔۔۔“ مرکز کے اسرار زدوں پر ہونے اس قسم کی رمزیت اور ایہام سے اندازہ ہوتا ہے کہ عدل و انصاف اور اخلاق و شرافت کی بساط کو دریا برد کر کے لے کر بعد انہوں نے ماہنامہ ”میشاق“ کے دورِ جدید کا آغاز کیا ہے !

جماعت اسلامی پاکستان میں قائمیانیت، انکار حدیث، لادینیت اور تجدد و مغرب زدگی اس قسم واقعات و حقائق کے تمام فتنوں کی سوک نظام کے لئے اپنی امکانی حد تک جدوجہد کی ہے، دقت و سرودگی تقریبات کے خلاف جماعت نے مؤثر احتجاج کیا ہے، جس کے نتیجہ میں بعض مقامات پر یہ طرانی بدتمیزی ترک ہو گیا ہے، سینما مسلمانوں کے معاشرے میں اب بڑی بُرائی نہیں سمجھا جاتا مگر جماعت اسلامی نے بعض قصصوں اور شہروں میں سینما ہالوں کی تعمیر کے خلاف بھی قدم اٹھایا ہے، مخلوط تعلیم فتنہ مہر، یا نقص و سرودگی فتنہ، عائلی فزاین ہوا یا خانہ دانی منصوبہ بندی، جماعت نے ”ہر منکر“ کے خلاف ہر بلا ٹٹونے کی چوٹ مہم لڑی ہے۔

جماعت کا طریقہ چھ ہزاروں صنوت پر مشتمل ہے اس کے مطالعہ نے ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں دینی انقلاب پیدا کیا ہے، جماعت کی مرتب کی ہوئی کتابوں میں سوشلزم کی ہر قرد اور نظریہ کو چاہے وہ اتحاد اور دواج اور جہاد ہی کا نظریہ اور مسئلہ نہ ہو، معدنہ امیر انداز کی بجائے، انداز میں سرافخار بلند کر کے پیش کیا گیا ہے، جماعت دراصل اسلامی افکار کا مستقل دبستان ہے، جماعت کی کتابیں دورِ حاضر کے ذہن و فکر کو اپنے طرز استدلال اور حجت بیان کے سبب خاصی متاثراتی ہیں، نظام اسلامی کو برپا کرنے کی آج اواز جہاں سے بھی آتی ہے وہ جماعت اسلامی کے پیغام کی صدا ہے بازگشت ہے۔ جماعت اسلامی نے شبہ خدمت خلق کے ذریعہ ضرورت مندوں اور نادار لوگوں کی مدد کی ہے، جماعت کے کردار کو دیکھ کر یہ ہر دورِ حکومت میں بے لچک سا ہے، عوام اس پر اعتماد کرتے ہیں اسی بات زبانِ زد خاص و عام ہے کہ جماعت اسلامی

کے کارکنوں کو کوئی لالچ نہ تو رام کر سکتا ہے اور نہ کوئی دباؤ جھکا سکتا ہے۔ جماعت کے افراد کا کردار، اسلام کا اچھا نمونہ ہو! جماعت اسلامی کو حق گوئی کے جوہر میں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے دین کو غالب کرنے کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں، عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ جماعت اسلامی کے کسی فرد کو کسی کمیّت پر غرور نہیں جاسکتا! جماعت اسلامی کا نام اور ذکر کرتے ہی دین و دنیا میں اسلامی نظام، اسلامی دستور اور اسلامی طرزِ حیات کے تصورات ابھرتے ہیں جماعت اسلامی کو کمزور کر دینے کے یہی معنی ہیں کہ "اسلامی نظام حکومت" کے محاذ کو کمزور کر دیا جائے۔

جماعت اسلامی سے وابستگی آدمی کو دین سے قریب کرتی ہے، سیاسی مسائل میں جماعت کو حصہ دیتے دیکھ کر، بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ بھی سیاسی پارٹیل کی طرح کوئی پارٹی ہے، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے وہ نہ تو سیاست بے دین کی قائل ہے اور نہ دین بے سیاست کی! جماعت کے نزدیک "الدین" ایک جامع کلمہ ہے، جس میں سیاست بھی شامل ہے حکومت کو جماعت، اقامت دین کا مرکز و بنیاد سمجھتی ہے! حمد للہ کی حفاظت اور ان کا اجر و حکومت ہی کے فیصلہ ہوتا ہے۔

جماعت اسلامی کے کارکنوں کی سیرت و کردار میں دینی اخلاق، اخلاص اور اسلام کو غالب کرنے کی آنگ پائی جاتی ہے! اخلاق و اخلاص کے من و مکمل کی کوئی انتہا نہیں ہے، مگر اس دیر انحراف میں جماعت کے کارکنوں کی زندگیوں میں دینی اعتبار سے بے غنیمت ہیں، جنہیں دیکھ کر بہت کمزور اور تجزئہ کر کے کوئی شخص اسلام کے بارے میں بدگمان نہیں ہو سکتا!

جماعت اسلامی فرشتوں کی نہیں انسانوں کی جماعت ہے انسانوں میں کمزور ہیں اور کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں مگر مجموعی طور پر جماعت اسلامی میں خیر کا غلبہ ہے اور اس جماعت کے ذیلیہ خیر کی پیمیں کا ہے اور دینی اعتبار ہی کو فروغ پورہ ہے! جو کوئی اس جماعت کے درپے آنا ہے اسے قیامت کے دن اپنے اس فعل کا اللہ تعالیٰ کو جواب دینا ہوگا۔

جماعت اسلامی میں اہل ایمان اپنی شخصیتوں کی حفاظت اور نمود کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرنے کے لئے شامل ہوتے ہیں، اس ماہ میں مٹ جانا تو ان کی سب سے بڑی کامیابی اور عین تمنا ہے، اس لئے وہ قصر و الجہان سے لے کر خانقاہوں تک کی یلغار اور حملوں سے ہراساں نہیں ہوتے، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب انسان کے اعوان و انصار بھی ان حق پسند مظلوموں کے سینوں کو چھلنی کر کے اپنا کلیمہ ٹھنڈا کر لیں! اس اپنے مزعومہ "فتنہ کو مٹانے کے لئے بڑی جوشی کا وعدہ لگالیں! کون کہہ سکتا ہے کہ مستقبل میں اسکی شکست کا انجام کیا ہوگا۔ مگر جماعت اسلامی کسی خوف، لالچ، دباؤ، دھمکی اور سختی سے متاثر ہو کر اقامت دین کے شن سے دست بردار نہیں ہو سکتی، وہ اس شدید ابتلا میں اپنے اللہ تعالیٰ ہی کے حضور اپنا دکھ درد پیش کرتی — اور زبانِ حق کہتی ہے۔

یہ جرمِ عشنِ کُدام می کشند خو غائبست
تو نیز پسرِ بام آکہ خوش تماشا نیست

مکرم رضا درو

۲۶ فروری ۱۹۶۶ء

حکیم گلپیں کنالی

فاران کی تنقید پر تنقید

دوسرے نامان میں جناب حکیم گلپیں کنالی کی کتاب آداب اردو پر جو تبصروں کیا گیا تھا، اس کے جواب میں حکیم صاحب موصوف نے جو تنقیدی مقالہ ارسال فرمایا ہے اسے ہم ان کے شکریہ کے ساتھ درج ذیل کرتے ہیں !
حکیم صاحب کے ہر اعتراض کے بعد ہی ہم نے اپنا جواب بھی درج کر دیا ہے تاکہ ہاتھ کے ہاتھ بات واضح ہوتی چلی جائے !
کس کی تنقید کیا وزن ہے اس کا فیصلہ ہم ارباب ذوق پر چھوڑتے ہیں۔ (م۔ن)

”آداب اردو پر آپ کی تنقید کے بعض پسپوں کتمان حقیقت اس قدر غور و فکر کے حامل ہیں مثلاً :—

۱۔ اس کتاب کے چند ابواب — تلفظ کا معیار — اردو جہج — تلفظ کی غلطیاں — غلط ترکیبیں — مذکورہ موادہ — کہا نہیں — تمہیں — مذکورہ وزن بعض غلطوں کی نئی تفسیق — اصطلاح سازی — حالانکہ یہ ابواب نہیں، ابواب کی ذیلی سہیاں ہیں۔ ابواب کے نمبر دئے گئے ہیں، ایک سے نو تک۔
”فاران“ — تمہیں صاحب نے اپنی کتاب میں ”ابواب“ پر صرف نمبر لگا دئے ہیں، ان کے نام نہیں لکھے، ان نمبروں کے تحت ذیلی ابواب یا ان کے نمبر مانے کے ذریعہ سرسہیاں درج کر دی ہیں، اگر ان ”سرسہیوں“ کو ہم نے ابواب کہہ دیا، تو خدا کے لئے بتائیے کتاب پر اور مصنف پر اس سے کیا حریف کیا ؟ اعتراض میں وزن تو ہونا چاہئے۔

۲۔ ”مگران کے ذوق شعری پر بیشتر گرجی ہمیں نظر آتی کہ دبیر ادبیت کے ان مصروں میں، —

سہ فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں (دبیر) سہ مولانا سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں (امیں) دبیر کا مصراع بہتر معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ نہ علامہ شبلی بلکہ تمام ارباب ذوق کا یہ تصدیق ہے کہ انیس کے مصراع یا پوسے شعر کے مقابل میں دبیر کا مصراع یا شعر انتہائی پرت ہے۔ امیں کا بیشتر، —

یہ تو نہیں کہا کہ شہ مشرقین ہوں مولانا نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

”انہوں کی سراج ہے“ یہاں آپ نے ہمارے اعتراض کی تمام عبارت حذف کر دی، شاید اپنا اعتراض کو صحیح ثابت کرنے کے لئے، جو ایک قسم کا کتمان ہے جس کی توقع آپ جیسے فاضل متدین و متشہجہ اللہ نے بچ کی سعادت سے بھی لانا ہے ہرگز نہیں ہو سکتی ! ہم نے لکھا ہے، —

”ان میں دبیر کا مصراع بہتر ہے کیا یہ بات قابل غور ہے کہ علیہ السلام اپنے لئے حسین نے خود مستعمل نہیں کیا جبکہ مولانا نے سمجھا ہے، بلکہ انہوں نے تو یہ، میں حسین ہوں، گنتے شعر نے اعتراف یا ذیل لپٹا کر نے کے لئے علیہ السلام لکھ دیا، یعنی یہاں علیہ السلام ایک قسم کا نقل قول ہے مصراع اول لکھا جائے گا، صحیح فرمایا، حسین علیہ السلام ہوں، انیس کے مصراع میں سر جھکا کے بھی دست نہیں یہ کہنے میں کہ حسین ہوں، خروٹے کی کیا بات تھی، اگر خود کہ علیہ السلام کہتے تو شرط

کی بات تھی، کیونکہ انسان اپنی قرین کریمہ خرم محسوس کرتا ہے۔

اب فرمائیے، انیس کے ہاں۔ مولا نے سب جگہ کے حشرات ہیں۔ دیر کا موعود۔ فرمایا میں حسین ہوں۔ بہت بلیج ہے۔ انیس کا پورا شعر دعوت کے ہاں لکھا ہے۔ کوئی مقلد لکھا اپنے لئے اپنے تفریق الفاظ لکھنا پسند نہیں کر سکتا۔ پھر میں خدمت مشرقین دیکھو کہ کھٹکتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اس شعر میں عزیت تو بہت ناقص ہے مگر چونکہ مدانی صفائی اور نعلی ہے اس لئے آپ غم نہ فرمیں، الجھ گئے۔

فاروقؓ۔ راقم اطراف سے کتاب حقیقت کا جو مہم سند تھیں ہوا، کسی صفت کے قلم پر اعتراض کیا جاتا ہے تو اس کی توجیہ و تشریح کے ذریعہ میں کمی ہوتی ہے کی کہ یہی صحابی اگر نفس کی جائیں تو ایک کتاب کی تنقید کے لئے دوسری صفت سے ناکافی ثابت ہو گئے، ان ایسی عبارت کو حذف نہیں کرنا چاہئے جس کے نفس نہ کرے صفت کا معرفت نہ کرنا ہوا، اس کا اصل منشا دعوت و بیدار کر رہا ہے۔ دینا نہ تو دیکر کہہ رہے ہیں نے لکھا تھا کہ "فرزاد امام احمد قاضی نے توجیہ نہیں کیا کہ میں تم نہت کے تنقید کا منکر ہوں، مگر اس کی دوسری تفسیر یہ اس اقل و اعلیٰ سے تم نہت کی توجیہ طرح نفی ہوتی ہے۔" تاہم اس کے آگے ہاں نہ "الفرقان" دہلہ، نے ہمارے مقلد کو پہلا جو نفس کر کے ہماری تنگست کا اعلان کر دیا لیکن دگر کے بعد کی عبارت "و دوسرے جو کہ جو اس بحث کا مرکزی نقطہ ہے" دانستہ نفس نہیں کیا۔

پہلے کہنا حقیقت کی بھی مثال میں جس عبارت کے حذف کر دینے سے لکھنے والے کا مفہوم و منشا ہی بالکل الٹ ہو جاتا ہے۔ لکھیں صاحب کی توجیہ کے حذف کر دینے سے ان کا مفہوم و منشا، مبرور نہیں ہوتا۔ لکھیں صاحب کی توجیہ و تشریح نفس نہ کہہ کر مرنے ان کی شعری کا پردہ دکھلایا تھا، اب جو توجیہ اباب رفیق کے سامنے آ رہی ہے اُسے پڑھ کر صاحب صرف کی شعری کے بارے میں فکر شاید اچھی رائے قائم نہیں کریں گے۔

جناب لکھیں صاحب نے دیر کے شعر کی عجیب و غریب توجیہ کی ہے،

"ان میں دیر کا موعود بہتر ہے، یہ کیا بات قابل غور ہے کہ علیہ السلام اپنے لئے عین نے خود استعمال نہیں کیا، جب کہ ملانا و شبلی نے بڑھا دیا، مگر انہوں نے یہ کہا کہ میں میں ہوں، گوشت خورنے احتراؤ یا وزن بردار کرنے کے لئے۔" علیہ السلام کہہ دیا، یعنی یہاں۔ علیہ السلام "لیک تم کا نفس قتل ہے، موعود ہی لکھا جائے گا۔"

فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں

مزید دیر کے اس موعود فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں، کو پڑھ کر کسی شخص کا ذہن اس طرف کی منتقل ہو سکتا ہے کہ بات تو صرف اتنی تھی کہ "یہ حسین ہوں" علیہ السلام کو نہ صرف احتراؤ اس قدر لپکا کر لیا گیا ہے، بلکہ اس طرح صریح لکھنے کا اعدیا فارسی میں مدعا ہے۔

فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں

اس طرح اللہ سے یہ مفہوم لینا چاہئے کہ جو الفاظ حسین میں ہیں وہ شاعر نے احتراؤ یا وزن بردار کرنے کے لئے پڑھا دئے ہیں، یہ کہنے والے کے اصل الفاظ وہی ہیں جو حسین سے باہر میں شعری کا آخر یہ کیا افسانہ ہے! حالانکہ صریح اتفاق و اعراب "PUNCTUATIONS" کی پابندی کے ساتھ یوں لکھا جائے گا۔

فرمایا۔ میں حسین علیہ السلام ہوں

فرمایا کہ ان الفاظ کو لکھی گئے ہیں وہ شعر کے نہیں، کہنے والے کے ہیں

یہ دوسرے شعر میں عزیت ناقص نہیں ہر اعتبار سے مکمل ہے اس لیے شعر ملافت کے اصل میں لپکا جاتا ہے اس شعر کی مدانی، صفائی اور نفسی توجیہ و تفسیر ان کے تسلیم ہے جس باہر میں غم نہ کرے کہ اس کی بات کی بچ کے لئے ہوٹ کی ہے!۔ یہ تو نہیں کہا کہ شاعر عین میں ہے، الفاظ ظن کر کے ہیں امام حسین کے نہیں ہیں، پس اس پر یہ اعتراض کہیں کہ "کوئی مقلد لکھا اپنے لئے ایسے تفریق الفاظ لکھنا پسند نہیں کرتا" اس شعر میں ہی تو کمال بلکہ عزت و اعجاب نہ ہے

کشت مرنے پہلے مصرع میں حضرت حسین کے مرتبہ کی نعمت و عظمت کا اس خوبی سے اظہار کیا ہے کہ وہ جان دھارنے لگا ہے، شکر کرتا ہے کہ حسین جو شرف مشرقین ہیں وہ اپنا نعمت ان دائمی فغظوں میں کرانے کی بجائے غیرت و انکسار کے انداز میں، بس "یہ عین ہوں" کہہ کر دے گئے۔
 "مصرعہ کا نئے پر حکیم صاحب نے جو اعتراض دیا ہے وہ بھی درست نہیں ہے، "لہذا لغات جلد سوم" میرے سامنے ہے اس کے صفحہ ۱۱۱ پر یہ لکھا ہے کہ یہ مصرع لکھے ہیں، —

"مصرعہ کیا — سجدہ کرنا — انکسار کرنا — شرم یا غیرت سے گردن نیچے کرنا"
 اس مصرع میں "شرم" کی بجائے غیرت و انکسار کے معنی لے جائیں گے۔

— روحانے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

اس مصرعہ میں تاثرات کا ایک طوفان شمرنے بند کیا، "مصرعہ کا نئے اگر حنف کر دیا جائے تو شعر کا بہت کچھ لطیف فاسد ہو جائے گا: اس شعر میں حضرت حسین علیہ السلام کے مرتبہ کی نعمت کے ساتھ ان کی عظمت اور بیکسی کا جس خوبی سے اظہار کیا گیا ہے وہ حقیقت شاعری کی معراج ہے! اس واقعہ کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھئے، ایک بادشاہ جس کا "فیروز" نام ہے اس کا اتفاق سے غلاموں کے چنگل میں پھنس جاتا ہے، ایک غلام، بادشاہ سے چل پھرتا ہے کہ تم کون ہو! اس واقعہ کو ایک انشاد نگار ابن فطعل میں لکھتا ہے —

"غلام کے دنیا نشک نے کچھ شہنشاہ کو دھواں کھنکھائیوں چاہتے تھا کہ تم تو میرے گھر کے ٹکڑیوں پر چل پھرتے ہو کہ غلام اور شہنشاہی غلام ہو، میں تو تاج و تخت کا ملک شہنشاہ وقت اور تنہا آقا ہوں — میں اس عالم ہے کسی پہ شہنشاہ کی زبان سے یہ نکلا، —

"میں فیروز ہوں"

اور یہ کہتے ہوئے اس کا سر جھکا گیا —

میرا میں نے اس شعر کے بارے میں دو باتیں چہی نہیں سکتیں، ہر اہل نقد اس شعر کو عظیم ہی کہے گا، مگر تجھیں صاحب کی خوش فہمی و دہر گاہی عالم ہے کہ اتنا اچھا شعر نہیں ناپسند ہے۔

"ناملان" پڑھنے والے انصاف کہہ سکتے ہیں کہ تجھیں صاحب کی جس عبارت کو ہم نے عذف کر دیا تھا، جس پر انہوں نے "کتاب حقیقت" کی طنز فرمائی ہے، اس کو تجھیں صاحب نے نقل کر کے اپنے مرتف کی مدافعت کی، یا اسے اندکزد کر دیا۔

دوسرے ہم نے لکھا ہے کہ "میر کا مصرعہ واضح بھی ہے اور محبت بھی، انہیں کا مصرعہ دہائی کھنڈن میں ہے اس لئے مدافعی کم جدا واضح بھی نہیں، پتہ نہیں چلتا کہ شاعر کیوں اسے کھنڈنا چاہتا ہے؟ — اس تمام عبارت کو عذف کر کے آپ نے لکھا ہے: "دیا میں معاف" اسلوب بیان ہی نہیں اس طرح اندہ میں کون بولتا ہے کہ "میں نے دیا دیکھا تھا" یا "میں کل رات دیا میں معاف" حالانکہ ہل چال اور شعر کی زبان میں جوا فرق ہوتا ہے اگر کوئی شعر بول چال کی زبان میں ہو جائے تو اسے "سہل متغ" کہتے اور فردی نہیں کہہ کر شعر سہل متغ ہو۔

ناچار — تجھیں صاحب کی جو تعبیر راقم الحروف نے عذف کر دی تھی اس کو صاحب عروص نے درج کر کے کیا فائدہ حاصل کیا؟ بیک بول چال کی زبان اور شعر کی زبان بالکل ایک سی نہیں ہوتی، مگر شعر میں جب بھی لفظ اسنادنا ناس الفاظ آتے ہیں ان پر بھی اعتراض دیا گیا جاتا ہے کہ یہ روزمرہ اور عام بول چال کی زبان نہیں ہے۔ کوئی شاعر بول کر کہے —

سے نکلا — کوئی لفظ بھی میری زبان سے

زبان پر اعتراض کیا جائے گا کہ "ناملان" معذروہ نہیں ہے، شاعر کو زبان کی بجائے "ناملان" سے ایک اسی طرح کا اعتراض نہ لایا جائے

مصوح پہنیں ہیں، اُس وقت ہے! اُس وقت میں غائب ہوا جاتا ہے، یہی عام ہل چال ہے، ”دیا“ کوئی نہیں ہوتا، ہاں، تعبیر دیا، ”بہتے ہیں، جبر کے یہی اثرات تو ہے کہ اُس میں وہ ایسا لفظ دیا، لاتے ہیں، جس میں بڑی خرافات اور تکلف پایا جاتا ہے، اسلئے خیال میں انہوں نے ایک ہی وہ درجہ ”دیا“ کا تجنیس لفظی کی صنعت پیدا کی ہے۔

تیر کے معنی ہیں ”ہی“ نہایت ہے، ”اُن کا کہنا کافی تھا کہ“ ”دیا“ میں بھی حسین کو دیا کرتے ہیں۔ ”ہی“ سے واقفیت میں کس قدر مبالغہ کیا۔ اُن میں کے معنی ہیں ”حسرت“ ہے کہ نگار نے جو سدا واپس کیا، اُس سے جبر کا معرکہ کیسے عاری ہے۔ کہاں وہ تکلف اور یہاں بالہ اظہار کہ۔

دیا میں بھی حسین کو دیا ہی کرتے ہیں

اس کہان یہ بے تکلفی اساتذہ آفریں حسرت کہ۔

حسرت چمکے خواب میں بھی دیا کیجئے

سہل متحہ کی یہ تعریف اس تعلیمت کی تہہ ہو گئیں صاحب نے کی چھ مل خند ہو کہ۔

”اگر کوئی شریل چال کی زبان میں ہر جائے تو اسے سہل متحہ کہتے ہیں، انھیں نہیں ہر شعر سہل متحہ ہوتا“

سیکھ لڑی ہزاروں شامیں یہی بول چال کی زبان میں ہیں، مگر وہ سہل متحہ نہیں ہیں، شفا، تہجد، ہدی کی غزل کا مصوح ہے۔

”جانیے، جانیے بس آپ کے کئی کردی

یہ شعر ”ہل چال“ کی زبان میں ہے تو کیا یہ سہل متحہ بھی ہے!

معروف و ہدی کا شعر ہے۔

آج تک اس کی طلاقات کا سر پاؤں نہیں

اب تک اپنی کسی بات کا سر پاؤں نہیں

”ہل چال کا شعر ہے، انھیں صاحب کی تعریف کے لحاظ سے ”سہل متحہ“ سمجھا جاتا ہے حالانکہ ہل چال اس قدر و کچھ سمجھنے سے بھی یہ ایک کہ شعر ہے۔

جنتنا لیں پیش بالائی غیر معرفت شاعر میں اُن کی غزل کا مطلع ہے۔

میری آن کی کوئی لڑائی ہے اب چلا جاؤں اب مصفا ہے

یہ ہے سہل متحہ کی صحیح مثالی، جس شعر کو ”سہل متحہ“ کہا جاتا ہے، اُس میں ہل چال کے علاوہ بھی دوسری خوبیاں ہوتی ہیں۔

۱) ”انگوں میں پھرے اسنے مردم کو خبر ہو“ ”دیرم“ ”انگوں میں ہل پھرے کہ خبر کو خبر ہو“ ”راش“ ”گیتیں کسائی کی پر گنت تو صبح ہے کہ مردم آنکھ کا جہنم ہوتی ہے اور خبر بہت دور کی چیز ہے۔ مگر شہنشاہ کے لئے مردم اسد میں کون ہوتا ہے؟ پھر خبر کی یہ تعریف کہ اس کے تیر و مردانہ ہی کتنی عجیب ان ہی قسم کا تعریف ہے؟

خواب۔ اگر شہنشاہ کو مردم کوئی نہیں ہوتا تو ملک کو خبر کون ہوتا ہے؟ پھر یہ خبر کا معنی نہیں خرافات یعنی بکریں کا ہے۔ یہ دوسرا سلفی شعر ہے، اُن کی شہنشاہ کا لام کے مدح میں، نیز شعر کے تیرا گراں نہیں تو کیا آپ کے خیال میں زمانہ ہونے چاہیے؟

”فانارین“۔ ”مردم کے مقابلہ میں“ ”خرو“ اور ”خراگ“ ”انھیں شاعر میں بکثرت استعمال کئے گئے ہیں۔ ”مردم“ ”خال“ ”خال“ ”اصرفی اعتبار سے بھی ”مردم“ ”اسد لفظوں کے ساتھ اجنبی انداز میں ”ماگتا ہے“ ”خرو“ یہ اجنبیت نہیں پائی جاتی، ”خراگ“ ”بیک“ ”خرو“ ”جہ ہے مگر اسد میں“ ”خراگ“

دستانہ نے واحد بھی نظم کیا ہے، سراج الدین شاہ ظفر کا شعر ہے۔

جو ہم اشک سے مزین اگر اونچی نہیں ہوتی

تعب کیا کہ شاخ پر شہر اونچی نہیں ہوتی

جن پر کب کہا تھا کہ شعر کے تیر زمانہ یا مردانہ ہونے چاہئیں، یہ تو گھٹیں صاحب نے شعر کی خوبی بتائی ہے کہ دیر کے شعر کے تیر بھی مردانہ ہیں!

۱۵۔ علامہ شبلی پر گھٹیں صاحب کا یہ اعتراض کہ نہیں دیر کے کلام کا مقابلہ کرنے میں وقت نذر سے کام نہیں لیا، یا لیا نہیں جاسکا، اس نقد اسلوب نقد کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتا؛ شبلی کہ شعر کی جیسی پرکھ سکتی ایسی پرکھ تو دنیا کے کشادہ چند ناقدین کو نصیب ہوتی ہوگی۔

جواب۔ یہ اہل ذوق اور اہل نظر کی غلط کالت ہے اور دب، یہ تو انتہائی خوش عقیدگی ہے کہ شبلی جیسی شعر کی پرکھ دنیا کے اور بھی شاید۔ اور وہ بھی چند ہی کو نصیب ہوتی ہوگی۔ علامہ تاجرنجیب آبادی کہتے ہیں کہ۔

۔ علامہ شبلی کہ وہ اظہار عاقل و شمار معائب میں تنقید کی حدود کا خیال نہیں رکھ سکتے تھے۔ کسی کے عاقل بیان کہتے ہوئے

اپنے تاثر۔ شمار معائب میں اپنی بیاری کو چھپا نہیں سکتے۔ اور۔ شبلی اور آزاد و امثال کی بجائے اکثر جذبات کی گینز سے کام لیتے ہیں
حالی اپنے قد کی کو پختی ذات استعمال کے ساتھ ہنوا بنا جلا جاتا ہے اور آزاد و شبلی اس کے جذبات سے اس کی گے اسے ہمدانے بنانے کی سعی کرتے ہیں۔
فسانہ۔۔۔ علامہ تاجرنجیب آبادی کہ اپنے ذوق اور نظم کے مطابق ہر نادر اور مضمون نگار کے ہا سے میں نقد جو رح لائق حاصل ہے، مگر علامہ شبلی نے ان کی
کا ذوق شعری اور اس ذوق اس اہل نظم کی غالب اکثریت کے نزدیک مسلم ہے اشعر فی کے معاد میں وہ تنہا اپنی ذات سے لے کر ایک امت کے برابر ہیں!

۱۶۔ مولانا آزاد نے چاروں جگہ سنسکرت کا اصرار کیا ہے۔ یہ چیز قواعد کے کپی رہ کر ذوق و دھماکے سے تعلق رکھتی ہے، وہ شخص ہے ذوق ہے جو سنسکرت کا جملہ
کی کسی حالت میں بھی سنسکرت لکھتا اور لڑتا ہے۔ مثلاً یوں تو لکھتے اور لکھتے ہیں کہ ”پنکھا غراب ہوگا“ اس کے کچھ کی قیمت سو روپے ہے، لیکن اہل نہیں لڑیں گے
کہ ان کے کی قیمت دو سو روپے ہے، ان کا جملہ کی ہر حالت میں ان کا ہی لکھا اور لڑا جائے گا۔ یا ڈیجے کی رنگت سرخ ہے۔ اس کا تپاس سنسکرت نہیں کیا جاسکتا ہے
جواب۔ آپ نے سنسکرت، پنکھا، ڈبیا، ان کا سب کی کمال انسان کے استعمال کو ذوق و دھماکے کی چیز سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ استعمال کی چیز ہے جس
کے خلاف استعمال کرنا غلط ہوتا ہے۔ ڈبیا، ان کا لفظ ہر حال میں قائم رہتا ہے جیسے ڈبیا کو ان کا کو وغیرہ میں، مگر سنسکرت کو پنکھا کو غلط، سنسکرت کو پنکھے کو
مجھ ہوگا۔ مگر یہ بھی خیال رہے کہ سنسکرت ایک طبی نام ہے جسے طبیب ہی مجھ استعمال کر سکتے ہیں اساطیبا کا ہی استعمال ہے جو میں نے لکھا ہے۔ کسی دلی لکھنے
کے طبیعت دیانت کریں یا کسی طبی کا نگین دیکھ لیں، سنسکرت کا تیل، سنسکرت کی گولی لے گا یہی حال سناڑے کے تیل کا ہے، ایک طبی اصطلاح ہے آپ کا ایک
طبیب کے اچھا ہرگز معتبر نہیں کیا جاسکتا، آپ سے بہت پہلے حکیم حبیب اشعر و بڑی تبصرہ کر چکے ہیں جو خاص اہل زبان ہیں چونکہ وہ سنسکرت کے استعمال سے واقف
ہیں اس لئے انہوں نے بھی ایسا اعتراض نہیں کیا جیسا آپ نے دھر گھسیٹا، اور یہ بھی نہیں سوجھا کہ معروض بھی ایک اہل زبان اور طبیب ہے۔

فسانہ۔۔۔ یہ عجیب و غریب انگشت ہر کہ اردو زبان میں۔ فن طب۔ کی گرامر، عام قواعد سے مختلف ہے۔ کیا دیر کی کوڑی فاسے میں حکیم
صاحب اس میں طبیعت لکھنے اور جھگڑنے کی کیا بات ہے، راقم الحروف نے لڑا کی قہر سے یہی سمجھا تھا کہ آپ اردو زبان و ادب پر ایک ادیب و
نادر کی حیثیت سے گفتگو فرما رہے ہیں آپ کو مرزا ابوالکلام آزاد کی تحریروں پر گفت کرتے وقت اس کا اظہار کرنا چاہئے تھا کہ اظہار ایسے وقوف پر سنسکرت لکھتے ہیں!
اگر اہل واقعی سنسکرت لکھتے ہیں تو ہم اس فعلی میں ان کی تقلید نہیں کر سکتے، زبان و ادب کے مسائل میں طبیبوں کی خصوصیت زبان اور مصطلحات کے حکم پابند نہیں
ہیں! اظہار کی جو باتیں ماننے کے قابل ہیں ان سے ایک یہ ہے کہ اردو میں غلیظ۔ چلے اندر اس کو کہتے ہیں مگر اظہار۔ غلیظ۔ گڑھے کے معنی میں بولتے ہیں اور عربی کے
اصل معنی کو بھلا کر کہتے ہیں! سناڑے کی مثال گھٹیں صاحب بالکل غلط ہے، جس طرح۔ کوڑا۔ سے۔ کوڑا۔ سے اردو میں بولتے ہیں اس طرح۔ سناڑا۔ سے سناڑے
سنا لیا ہے۔ اور مرد پر ہے! مگر سنسکرت سے لکھتے۔ اردو زبان نہیں ہے!



آزمودہ دواؤں کا مرکب انساجین



سرور۔ کمزور۔ دانت کا درد
ایام۔ انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Spa:lit

01/63

سید معروف شاہ شیرازی
(ایم۔ اے)

دوشمن مستقبل

صرف اسلام ہی کا ہے

مسند بنی مغمورن مرحوم شہید اسلام یہ قطب کی کتاب "دوشمن مستقبل" اسی دین کا ہے کہ پہلے باب کا ترجمہ ہے: یہ کتاب بھی یہ قطب کی جدید ترین کتابوں میں سے ایک ہے اور متفرق مضامین کا مجموعہ ہے ان تمام مضامین کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ دین اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، یہ قطب مرحوم ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۲ء تک لکھ سکے دس سال میں میں سب سے پہلی جہاں انہوں نے مولانا مودودی صاحب کی ترجمہ شدہ عربی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اس دوران انہوں نے جو مضامین لکھے ہیں ان میں وہ مولانا سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں جگہ جگہ مولانا کی کتابوں کے حوالے دیتے ہیں خصوصاً مبادی اسلام، اور المصطلحات اللہ بلو فی القرآن، کو وہ بے حد متاثر ہیں، اور مولانا، اور احسن علی ندوی کی کتاب باؤا خسر العالم...! کے بھی جگہ جگہ حوالے نقل کرتے ہیں۔

(ترجمہ)

اسلام ایک طریق زندگی ہے..... طریق زندگی... ایک انسانی زندگی جس کے ذریعے خدا ترن کی زندگی میں ایک ایسا نظام ہے جو اس کا نفاذ کے وجود کے باوجود ایک خاص انتظامی تصور پیش کرتا ہے اس کا نفاذ، انسانی حیثیت کو نہیں کرتا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا نفاذ میں انسان کا منصوبہ و تدبیر بھی متعین کرتا ہے، اس نظام میں ایک خاص نظم، ایک خاص اجماعیت ہے جس کے سوتے اس خاص تصور حیات سے چمکتے ہیں۔ اور ان کا منصوبہ آخری دینی اعتقاد ہے، اس انتظامیت کو بعض تجربی حد پر نہیں بلکہ ایک ذاتی، خدیش انسانی زندگی کی صورت میں تلاش اور مجسم کر دیتا ہے، مثلاً وہ ایک اخلاقی نظام پیش کرتا ہے اس کے سرچشمہ کا آئینہ دیتا ہے جس سے وہ چٹوٹا ہوتا ہے اس کی رو بنیادیں بیان کرتا ہے جن پر وہ قائم ہوتا ہے، اس وقت کی زندگی کے لیے جس سے وہ نظام طاقت رہتا ہے؛ وہ ایک اجتماعی نظام اس کی بنیادیں اور اس کے عناصر ترکیبی فراہم کرتا ہے، وہ ایک انتظامی نظام اور اس کے اسی نفاذ کے لیے عملی صورت فراہم کرتا ہے اس کا ایک بنیادی قانون ہے جو باقی قوانین اور اصولوں کو منضبط کرتا ہے اور جماعتیں یہ ہے کہ اس دین کی مستقبل اپنی خاص خصوصیات سے کہ وہ ایک نظام نیات ہے اس پر توفیق ہے کہ اس کی تمام کے تمام عناصر ترکیبی کو باہمی متعلق اور مربوط رکھا جائے اور ان میں سے کسی کو ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جائے۔ وہ عناصر جو حیات انسانی کے خدائیں شہیروں میں سرگرمیوں پہ حاوی ہیں۔

یہ دین، اپنی اس حیثیت کے ساتھ ایک ایسا دین نہیں ہے جو محض ایک تجریدی اور وجدانی عقیدہ بھی ہو بلکہ حیات انسانی کے متنوع اور مختلف کارگزاروں سے کوئی سروکار نہ ہو۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو کوئی دین ایسا بھی ہو سکتا ہے جو محض ایک عقیدہ اور عقائد ہو اور جسے انسان کی عملی زندگی سے کوئی سروکار نہ ہو۔ وہ پوجا پاٹ کے چند رسوم پر مشتمل ہو جس میں مہمان، انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر ادا کیے جانے والے امور اور سنت اسلام سے مرصوف ہو جاتے ہوں۔ یہ دین ایسا کوئی طریقہ ہے کہ جو صرف الی الاوت کا لہجہ ہے اور عالم آفت میں جنت الفردوس تک پہنچنا ہے جبکہ اس کے بالمقابل یہاں کوئی ادنیٰ نظام حیات یا نظام مائے حیات ایسے بھی موجود ہیں جو کہ ارض پر حیات کو بسنے کا لہجہ ہیں یا زندگی کے اچھے طریقے بھی موجود ہیں جو اس دین اور اس کے احکام کی نظم کے علاوہ ہیں ؟

یہ دین اپنی اس خصوصیت اور اس مغرور میں اس قدر افسوس ہے اور اس کی یہ حیثیت اس قدر کمین و قوی ہے کہ کوئی ایسی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی جو اسے محض ایک وجدانی عقیدے کی شکل میں پیش کرے اور انسانی زندگی کے حقیقی مرقع سے اس کا کوئی تعلق نہ ہے، زندگی کے موجودہ نظم و ربط سے اس کا کوئی ربط نہ ہو اور زندگی کی مربوطہ فعل و مشینری سے اسے کوئی رابطہ ہو نہ ایسی کوئی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے جو اسے محض ایک ایسے عقیدے کی شکل میں پیش کرے جس کے صدیق آخرت میں جنت نصیب ہو اور وہ صرف اس عقیدے کے مطابق چند عبادتیں اور مذہبی رسومات ادا کریں اور ایسی حقیقی اور عملی زندگی میں اس کے قوانین اس کے وضع کردہ طریقے اور زندگی کی اجتماعی تشکیل کا کوئی خیال نہ رکھیں۔ حالانکہ یہ دین ایک مغرور و فزون الہ ایک مخصوص نظام رکھتا ہے۔ دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں جن کا خیال ہے کہ وہ دین ہیں۔ حالانکہ "الدين جو پوری زندگی کو محیط ہے وہ فخر اسلام ہے ہمیں اس بات کا علم ہے کہ صدیقوں سے اسلام کو محض ایک وجدانی عقیدہ اور مذہبی رسوم و عبادت کے دائرے کے اندر بند کرنے کے لئے زبردست کوششیں ہوتی ہیں تاکہ اسے اجتماعی زندگی کے حقیقی نظام مائے حیات میں دخل دینے سے روک دیا جائے اور انسانی زندگی کی عملی تنظیم اور سرگرمیوں پر اسے جو وسیع کنٹرول حاصل ہے اسے ختم کر دیا جائے۔ جبکہ اس دین کا مزاج ہے اور یہی اس کی حقیقت ہے اور یہی اس کا وظیفہ مطلوب ہے۔

مذاہب دین اسلام نے اس کی کوشش کی کہ اسلام کو محض ظاہری رسوم تک محدود کر دیا جائے تاکہ اجتماعی معاملات میں وہ دخل اندازی نہ کر سکے۔ اور زندگی کی اجتماعی حکمت پر اسلام کا تسلط باقی نہ رہے۔ یہ کوششیں جب کامیاب ہو گئیں اور لادینیت کے عظیم لیڈر تبارک کے افکار اس منحصر کی تکمیل ہوئی۔ نظام خلافت کو ختم کر دیا گیا ! دین کو حکومت سے علیحدہ کر دیا گیا اور ترکی کو ایک خالص لادینی مملکت قرار دے دیا گیا اس کے بعد اسلامی دنیا کے ان ممالک میں جو استعمار اور سیمبریت کے قبضے میں آچکے تھے، مسلسل یہ کوشش کی گئی اسلامی شریعت واحد مآخذ قانون نہ رہے اور اس کے ساتھ ساتھ بدلی قوانین سے مدد لی جائے ! ان اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی شریعت موجودہ محدود دائرے کے اندر بند ہو کر رہ گئی :

ترکی کے اس عظیم در ؟ (مذہب نما کی زبردست کامیابی کے بعد لادینیت نے دوسرا اور آخری قدم یہ اٹھایا کہ عالم اسلام سے — یا صحیح الفاظ میں اس خطہ زمین سے جو کبھی عالم اسلام تھا — اس دین کی جوڑیں ہی اکٹھا کر دیکھیں کہ وہی باتیں اور عقائد و نظریات کے میدان سے بھی اسے نکال دیا جائے اور اس کی جگہ ایسے تصورات اور ایسے عقائد پھیلانے جائیں جو لوگوں کو زندگی کا ایک نیا تصور ایک نیا مفہم دیا دے اس لئے اقدام وجود پر آئیں اور اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف : ناحق — ایک — ... اندیشہ کہلائے جسے جیسا کہ مسلمان نصوص حیات ایک عقیدہ کہلاتا ہے۔

ان اقدامات کے ساتھ ساتھ جسے کہ ارض پر پرمیون کہ اسلام پسند یعنی ہر کوئی ختم کیا گیا۔ انہیں سخت مصائب میں مبتلا کیا گیا۔ مشرق و مغرب پر تمام صحابہ ہلاک، جو مشرق سے لے کر مغرب تک کسی ایک بات پر بھی نہ ہو سکتے تھے، اس کا بغیر میں اشتراک ہوتے یہ تمام ہلاک تاریخ اسلامی انقلاب سے برابر وقت زدہ رہے ! جو زندگی اور کائنات کے حقائق اور حالات کے مزاج کا لازمی نتیجہ مسلم دنیا تھا کہ انسانیت کی جو صورت حال تھی اس کا لازمی تلف و فنا ہوا تھا مختلف مقامات سے اسلامی رد عمل رونما ہو رہا تھا۔

لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں دین اسلام ایک بڑی حقیقت ہے : وہ ایک بڑی طاقت ہے ! اس کی گہری جڑیں ہیں : یہ تمام کوششیں بھی اسے ہٹانے سے

ہیں انھیں مسکین اور محتاجین کے ساتھ ساتھ ان کے گھر بیکار ہو سکتے ہیں، اور اس کے تقسیم یہ بھی جانتے ہیں کہ انسانیت کو تو فی الواقع ایسی
نیت اس دین کی جس کو ضرورت ہے اس کے مقابلے میں ان معاندین کے حقد و بغض کی کوئی حقیقت نہیں ہے؛ ان کی بے دینی اور ان کی حنا و بڑی تیزی
ہے انہیں ہلاکت و بہادری کی تاریک مادی کی طرف لے جا رہا ہے؛ ان میں سے کچھ راہروں نے خطرے کی گھنٹی بجانا شروع کر دی ہے اور وہ نجات کی تلاش
میں، اکاش وہ اس حقیقت کو بھی سمجھ سکتے کہ اسلامی نظام حیات کے خلاف اور کوئی ماہ نجات نہیں۔

جگہ جگہ سے آوازیں آرہی ہیں! یہ ہیران و پریشان دلوں کی آوازیں ہیں، یہ آوازیں ایسے گلوں سے نکلی رہی ہیں جو لپکا لپکار کے خشک گئے
ہیں۔ ان کو کسی نجات دہندہ کی تلاش ہے، وہ اپنی نظر میں سمجھتے کسی نجات دہندہ کی آمد کے منتظر ہیں پھر انہوں نے اس نجات دہندہ کی علامات اور
موصیات اپنے مذہب کے بارے میں متین کر لی ہیں، حالانکہ ان خصوصیات اور علامات کا حامل اسلام کے سوا اور کوئی دین نہیں ہے۔

یہ دین جو قسم کا نظام برپا کر رہا ہے؛ اور پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ انسانیت کو ایسے نظام حیات کی ضرورت کس قدر ہے، تو ہمیں یہ متکم تقنین
احسن پہنا کر ہے کہ روشن مستقبل صرف اس دین کے لئے مقسم ہے، بے شک اس دین کا وہ آئے والا ہے، انسانہ اس دین کو لپکا لپکا ہے کہ وہ آئے والا پہنا
ول اور کرے۔

انسانیت جگہ جگہ بے شمار تجربے کر چکی ہے اور آج بھی وہ مشرق و مغرب میں بے شمار نظام ہائے حیات کو آزمایا رہی ہے، لیکن ہمیں کلی الحین
نہ کہ یہ تمام تجربات ناکامی پر منتج ہونے والے ہیں۔

یہ تمام تجربات بالکل ایک محدود دائرے کے اندر ہو رہے ہیں اور یہ لوگ اس دائرے سے باہر نکلتے، یعنی ان فی قصہ، ان فی قبسہ
انسان فی عقل اور ان فی مہارت کے دائرے کے اندر وہ قصہ جو مہارت، نقصان، ضعف اور غیبت و تعاندی سے زندگی آلود ہے انسانیت کو
بہ اس محدود دائرے سے نکلتا ہے اور ایک نیا تجربہ کرنا ہے جو ایک صحیح اور نئے اصول پر مبنی ہوگا، جو سب سے اصول سے بالکل مختلف ہوگا؛ وہ اصول
اسی نظام حیات کا اصول ہے جو مہارت کی بجائے علم، نفس کی بجائے کمال، ضعف کی بجائے قدرت اور ہمارے نفس کی بجائے حکمت پر مبنی ہے اور
ہم نظام کی اساس یہ ہے۔ پھر یہی انسانیت کو ان لوگوں کی غلامی سے نکال کر عرف اور صرف اللہ وحدہ کی غلامی میں داخل کرنا۔ اس دین اور دوسرے
نظام ہائے حیات میں فرق کیا ہے؛ یہ کہ اسلامی نظام حیات میں لوگ صرف ایک ہی خدا کی غلامی کرتے ہیں وہ الہییت، ربوبیت اور قومیت میں آئے
دنہ کا شریک سمجھتے ہیں۔ قومیت کا وسیع تر مفہوم مراد ہے۔ چنانچہ زندگی کے تمام تقدمات، اس کی تمام اعلیٰ اقدار، عملی زندگی کا
نظم، قانون اور اخلاق و عادات تمام کے تمام صرف اسی ایک خدا کے دین سے اخذ ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ جبکہ دوسرے نظام ہائے حیات میں لوگ بتیار
ہوں اور متفرق ادب اب کی غلامی کرتے ہیں اور اللہ کے سوا ان ادب متفرقوں کے لئے قومیت ثابت کرتے ہیں اور پھر ان سے زندگی کے اس کی تعصبات
یعنی اقدار، زندگی کا نظم، تشریع و قانون، طرز فکر اور اخلاق و عادات لیتے ہیں حالانکہ وہ دراصل ان ہی جیسے انسان ہوتے ہیں لیکن اپنے اس
رعین سے الوہیت، ربوبیت اور قومیت کے حقوق اللہ سے لے کر ان ان لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں حالانکہ وہ بے چارے ان جیسے انسان اور
اللہ کے خلاف اور محتاج ہوتے ہیں۔

ایسے نظام حیات کو ہم عالمی نظام حیات کہتے ہیں جس میں انسان ان کی بندگی کرتا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ ایسے نظام کو جاہلیت
ہے، اس کی صورتیں متعدد رہی ہیں؛ وہ متفرد معاشرے کی شکل میں مختلف ادوار میں نمودار ہوا ہے لیکن یہ عالمی نظام حیات وہی ہے اور
اساس ہفت ائمہ میں جس کا استیصال، اندک گندہ سے، اسلام کا مقصد اور مطمحہ نظر رہا ہے، تاکہ انسانیت کو اس عالمی نظام کی غلامی سے
نڈا کیا جائے، اور اس زمین پر لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی واحد حاکمیت کو قائم کیا جائے انہیں ان لوگوں کی غلامی سے چھڑا کر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں داخل
یا جائے؛ یاد رہے کہ اللہ کی عبادت، اللہ کی الوہیت، اس کا ربوبیت، انسان کے دین کا ہم کچھ تر مفہوم ہے ہے یہی ہے۔

تجزیہ کردہ نظام حیات کی طرف پلٹ رہے ہیں اس لیے کہ روشن مستقبل اب یقیناً اس دین کا ہے۔

اس میں یقین ہے کہ اس دین کو اپنے حقیقی مقام سے ہٹانے کی جو کوششیں کی گئی ہیں یا کی جانے والی ہیں وہ تمام کی تمام بری طرح ناکام ہوں گی! اس ناکامی اور نامرادی کے آثار ظاہر ہر جہ ہیں، اس کا حقیقی مقام کیا ہے؟ یہ کہ وہ انسان کی واقعی زندگی آئے۔ اس تمام عملی اور شعری شعبوں میں، ایک نظام حیات ہے۔

کیونکہ ایک طرف ہرگز گمشدہ نشانی اختیار کرتا اس دین کے مزاج کے خلاف ہے یہاں کہ کوئی نظام حیات بھی واقعی زندگی سے کم بے تعلق نہیں رہا کرتا۔ !

سوان برانڈ صابن

آپ ضرور پسند فرمائیں گے یہ صاف
تھوڑے اور اچھے کچے ذائقہ ہے

SWAN



سوان



THAYER

ہی ان مصنوعات ذوالفت رائڈ سیریز لمیٹڈ

محمد صام الشریفی

نظامِ تعلیم — تاثرات

علم و عقل ہی انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا سبب اصلی ہے۔ نورجانبی نے زندگی کے جذبہ نگار جناب آدم علیہ السلام کی جن دلائل اور دلائل و فضیلت اور پستی کا سبب قرآن حکیم نے، علم آدم الاسماء کے الفاظ مقدس میں بیان کیا ہے اور اس کی بنا پر وہ مسجد و ملک قرار پائے۔ نبی اہی جناب خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اولین وحی الہی بھی، اقل ہاسم ربک..... واللہی علم ہاقلہم۔ علم اللہ ان صالحین کے ہمارے الفاظ میں نازل ہوئی اور پھر آپ نے اپنی ساری زندگی تعلیم و تعلم ہی میں بسر کی اور زندگی کا کوئی گوشہ بھی ایسا نہ رہا جس کے متعلق آپ کی تعلیمات میں واضح ہدایات موجود نہ ہوں۔

خاصیت عالم میں عقل آپ کی تعلیمات ہی اس وجہ تکمیل ملتی ہے کہ یہاں نے جدید ان فی زندگی کا احاطہ کر رکھا ہے اور حیات ان فی کا کوئی پہلو بھی تشدد نظر نہیں آتا اس میں دوسرے مذاہب کی تعلیمات کی طرح کچھ جذبات اور احساس کے بیان ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا کہ الہی حقوق کے لئے تو اس میں ایک ضابطہ موجود ہو مگر ان فی حقوق نظر انداز کر دئے گئے ہوں۔ اس میں اگر حقوق الہی کی عدم ادائیگی پر ملاحظہ کیا گیا ہے تو ان فی حقوق کی پامالی پر اس سے کہیں زیادہ گرفت موجود ہے۔ غرض تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے کامل اور مکمل ہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے لئے نئے نئے افکار و علم و دانش کی تفصیل پر براہِ جستجو کرتی رہا۔

گفت حکمت ما خدا خیر کثیر

بر کہا این خیر ما یعنی بخیر

پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اسلام میں رہا الفاظ دیگر تعلیمات نبوت میں تعلیم جیسے بنیادی سطح کو نظر انداز کر دیا جاتا اور اس سطح ہی کی قسم کی رہنمائی نہ کی جاتی۔ اسلام چونکہ ان فی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے اس لئے وہ تعلیم اور مذہب میں تعلیم کی ہرگز ہرگز حمایت نہیں کرتا بلکہ اس کی نظر میں وہ تعلیم ہی معاشروں کے لئے سودمند ہو سکتی ہے جس پر مذہب کا سایہ ہوا اور سایہ اٹھ جائے تو پھر وہی تعلیم معاشرے کے لئے نہایت نفع مند جاتی ہے اور اسے طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں ہر طرف خوف کی انتشار رہا ہے اس کی وجہ کچھ یہی ہے کہ ہم نے اسلام کے نظریہ تعلیم سے بے رحمی اختیار کر کے ”سرپرستی حق“ کے نظریہ تعلیم کو اپنانے کی کوشش کی ہے جس کے مطابق مذہب اور تعلیم کا یکساں ہونا امرِ محال ہے حالانکہ امریکہ کا ممتاز ماہر تعلیم (ALFRED NORTH WHITEHEAD اپنی ممتد تعینیت (AIMS OF EDUCATION) میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ”تعلیم کی روح مذہبی ہونی چاہئے..... مذہبی تعلیم ہمارے تعلیم ہے جو انسان میں احسانِ فرض اور تقویٰ پیدا کرتی ہے (ص ۳۸) اور اگر تعلیم پر سے مذہب کی تنگائی ختم کر دی جائے تو مانتے فرانسس کی ششما کی کمرنگ وانی کی رائے کے مطابق جو نتائج نکلے ہیں ان میں صرف بہتر یہ ہیں۔ خیالات کی پرگندگی کے ساتھ رہندہ ستانی (بالو پر جو ایک اور غناک تجویز دینا تعلیم کا ہوا وہ یہ ہے کہ اس میں اخلاقی

پاکیزگی کے متفق واپرمافی آگئی۔ مذہب کی جس بنیاد پر اس کے چال چلن کا ارادہ تھا وہ اس وجہ بہاد ہو گیا ہے کہ اب اس کے پھر سدھرنے کی امید نہیں ہے، وہ اپنے آباء و اجداد کے اعتقادات کو بھیتا ہے۔ درمندن ہند صفحہ ۴۶۹

تعلیم سے مذہب کی تنگائی اٹھ جانے کی حسرت میں انسانیت کی تدبیریں بدل جاتی اور انفرانت کے چیمائے تبدیل ہو جاتے ہیں اور اسی بنا پر انگریز گستاخی بان ایچے تعلیم یافتہ اصحاب کو مضبوطی قوم کا فروٹ مار کر تا ہے اور کہتا ہے ”وہ تعلیم جس کو ہم نہانہ حال میں تمام پاپوں کا علاج سمجھے ہوئے ہیں جب بلارحایت متعلموں کے دماغ کو دی جاسے تو کیسے بڑے نتائج اس سے ظہور میں آئیں گے“ دنگہ ص ۲۶۷ اور اسی سلسلے میں مزید گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر لی بان یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ”یورپی تعلیم سے جو اخلاقی ضعف بالو میں منتقل ہوا ہے وہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس کی میزان نقصان بانیکی ڈالوان ڈول ہو گئی ہے۔ درمندن ہند۔ صفحہ ۴۶۸

اسلام نے روزی اور زکوٰۃ اور خیراتی السلسلہ کا فائدہ کے ذریعے اپنے متبعین کو حکم دیا کہ وہ اپنی زندگی کے شعبہ نامے مختلف کو اسام کے رنگ میں رنگ لیں۔ ان کا قول و فعل اسلام کی ترجیح میں گرنا ہو تو سکرو نظر پر بھی اسلام کی چھاپ نمایاں ہو۔ ان کی تعلیم بھی اسی حقیقت کا اظہار کرتی ہے کہ وہ ملت مسلمہ کے قلب و نظم کو مسلم بنائے ہیں اپنا کردار کس حد تک ادا کر رہے ہیں اور ان کے نظم تعلیم میں بھی یہی روح کا نذر ہو۔

انگریزی نظام تعلیم سے پہلے برصغیر میں مسلمانوں کا جو نظم تعلیم رائج تھا۔ سید سلیمان ندوی اسی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں ”ہمارا پچھلا نظم تعلیم گستاخی برہم ہی لیکن پرستیم کرنا پڑے گا کہ اس کے سامنے ایک مقصد تھا اور وہ مذہب کی خدمت اور اس کے زیر سایہ علوم و فنون کی تحصیل تھا۔

وہاں کی آئندہ تعلیم۔ صفحہ ۹۰ ص ۱۱ کہ ڈیپو۔ ہنری پیا متعصب انگریز بھی اسی مشہور زمانہ تصنیف OUR ANDIAN MUSLIMANS میں اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ ”وہ نظم تعلیم اعلیٰ سے اعلیٰ دماغی تعلیم تربیت کا اہل تھا۔۔۔۔۔ مسلمان اس طریقہ تعلیم سے اعلیٰ قابلیت

اور دنیاوی برتری حاصل کرتے۔ (صفحہ ۷۵۹)۔ اصابتی نظام تعلیم کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتا ہے ”ہمارا طریق تعلیم مسلمانوں کی روایات کے بالکل خلاف انسان کی روایات کے بالکل غیر مطابق ہے۔ بلکہ ان کے مذہب کی تخریب کرتا ہے (صفحہ ۷۵۰) اور اسی سلسلے میں معروف برطانوی مفکر تعلیم

لائیو میکا نے اپنی رسوائے زمانہ رپورٹ میں یہی کہتا ہے کہ ”ہم انہیں اس تعلیم سے محروم کر رہے ہیں جسے حاصل کرنے کے وہ شدید طور پر آمادہ نہیں اور ان سے محکمہ خیر نظام تعلیم مستط کرتے ہیں جس سے انہیں گھن آتی ہے دیکھ لے کا نظریہ تعلیم۔ صفحہ ۵۰ اور اس کا مقصد وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے ”اس نظام تعلیم کے ذریعے ہم میں ایک ایسا طبقہ وجود میں لانا ہے جو جو ان کے اعتقاد سے منہ ہستی ہو مگر ذوق، علم و فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطہ نظر سے

انگریز دیکھ لے کا نظریہ تعلیم۔ صفحہ ۶۹ برطانوی نظام تعلیم کو رائج کرتے وقت انگریزوں کی یہ توجہ جو مقصد تھا اس میں ان کی کامیابی سے انکار کی جواز کیسے کی جاسکتی ہے؟ انہیں خود لوہوں سے نصرت ہرنا پڑا، مگر اپنے بعد وہ ایک ایسی قوم کی پانیا جانشین بنا گئے جو اس سرزمین پر رہتے ہوئے بھی ہر حالت میں ان کی طرح پراپنیں سے وابستہ نہ ہاں نہ

کرتی بھاؤ لے لے اگر محروم کو کہنا پڑا تھا۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
انہوں کو فرعون کو کالچ کی نہ سر بھی

اس سے بڑا نظم اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس نظام تعلیم نے یہ کہہ کر قوم کی زندگی کو بے مقصد بنا دیا اور دنیا میں ایک ایسی قوم کی تخلیق کی جس کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہیں انہیں اس قوم کے ساتھ براہ دنیا کی تاریخ میں سب سے اعلیٰ مقصد حیات کی کمی تھی اور سب سے زیادہ فعال زندگی بسر کرتی تھی اور اس کا نظام تعلیم بھی اسی مقصد کے گرد گھومتا تھا اور اس سے یہ حالت ہے کہ

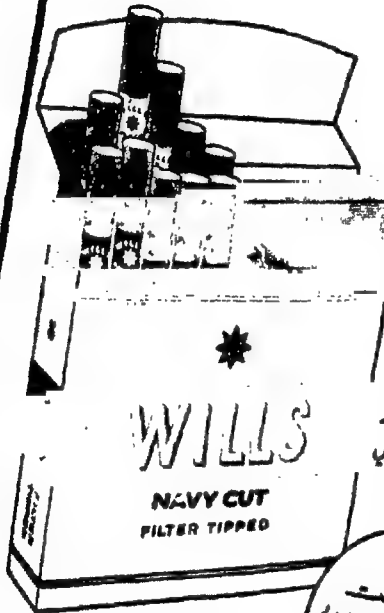
مرد و سارے زندگی رفت از گشت
آن کہن آتش فرو اند دلش

فروری ۱۹۶۴

۳۴

نامان کراچی

ویپا ولسن فیلٹر ٹیپڈ



آج کے نئی رات وار میں
 ویپا آپ کے لیے
 نہا ہلکا شہد عریض
 پیش کرتے ہیں۔ ولسن کٹ اپنی
 عطر کا اعلیٰ ترین شہد کو اور دوسری
 تمام برائی نوعیتوں کے ساتھ آپ کے
 کٹ اپنی کے عطر لطیف اور
 سکتا ہے کہ ان کی ضمانت بھی

مختار دوسری قیمت
 ۴۰ سگریٹ آپ بکٹ ۴۰ اور ۲۰
 آپ کی سہولت کے لئے سگریٹ کی پیکٹ
 ۱۰ پیسہ کیلئے دستیاب ہیں

PAKISTAN TOBACCO COMPANY LIMITED, SUCCESSORS TO W.D. & H.O. WILLS, BRISTOL & LONDON

مولانا محمد مصطفیٰ علی گڑھ

اللَّهُمَّ لَوْ سَيَّرُوا الْأَرْضَ مِثْلَ لَوْحٍ

كَمْشَكَاةٍ فِيهَا مَصْبَاحُ الْمَصْبَاحِ فِي نَجَاحَةِ الزَّجَاجَةِ
كَانَهَا كَوَكَبٌ رَأَى يُوقِدُ مِنْ شَجَرَةٍ مَبَارِكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةَ
وَلَا غَرْبِيَّةَ يَكَادُ زَيْتُهَا يَضِيءُ وَلَوْلَمْ تَحْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى لَوْحٍ
يَهْدِي اللَّهُ لِلنُّورِ مَنْ يَشَاءُ وَلِيضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ
وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

ترجمہ: اے اللہ! اگر زمین کے لئے باغیچہ نہ ہو جس کے لڑکے مثل اس طرح ہوں کہ ایک باغ ہے جس میں چولہے ہیں، چولہے ایک فانوس (جس کا) یہ ہے جو گہرا ایک بہت روشن شمس ہے، چولہے ایک کثیر الشمارق وخت زیتون سے جو نہ شرقی ہے اور نہ مغرب مدیہ روشن کیا جاتا ہے اس کا روشن الیا معلوم ہوتا ہے کہ آگ بھی چھوٹے تو بھراک آٹھے گا، نور علی نور ہے، اللہ ماہ دیتا ہے اپنے لڑکے کا جانب جس کو چاہتا ہے اور نہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے اے اللہ! تم چہرے سے نور ہی طاقت ہے،

اس نورانی آیت میں بتایا گیا ہے کہ ملائی ایمان و معرفت اور آیات بینات نہایت ظاہر و باہر میں۔ تاہم ہدایت شہیت الہی پر مبنی ہے۔
نور اپنی ذات پر ظہور اور اپنے غیر کا مظہر ہوتا ہے اور جو عدم سے وہی نسبت رکھتا ہے جو ظہر و خفا ہے چونکہ تمام عالم امکان پر حضرت صاحب الوہود فیضانِ نور وجود ہے اس لئے فرمایا اللہ نور السموات والارض اور نہایت یہ بھی معلوم ہوا کہ وہی سموات کو کواکب و سیارات سے، زمین کو نباتات و صحرا و ممالک اور ہر شے دنیا میں سے اور قریب و زمین کو الاراء ایمان و طاعات و اخلاقیات و معادرت سے منور کرنے والا ہے اللہ نور ہونے کی سبب ہدایت ہوتا ہے اس لئے وہی مطلق بھی دی ہے۔
سورہ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب بارگاہِ جبر و قی کے کما سے میرے اللہ میرے سامعین، باہو میں میرے گشت پرست ہیں۔ نور

پیدا کیجئے اس کے اخروں میں یہ بھی ہے کہ واجہل فی نور یعنی مجھے جسم نور مجسم ہدایت بنا دیجئے

مولانا فرماتے ہیں کہ
نور جاناں گر نبور سے راہبر
نور او دیکھن دایرہ تحت و فوق
بس چوکنہ پیش و پس دارم خبر
پرسودہ گردنم اسند طوق

رفع اشتہار۔ بعض کا وہی زعم و عقیدہ ہو کہ اللہ کی حیثیت اُنہی ہے وہ قطعا باطل ہے کیونکہ مثل فوق میں مذکور اس کی ذات پاک کی طرف مضائقہ ہے۔ ادا صفت دین ہے تعابیر کی اور ذرا السموات والارض میں مذکور اس پر اس لائق اس طرح ہر اس میں طرح کہتے ہیں نبیہ علیہ السلام دعا کہ ہو۔

ہاں اس آیت کو وحدانۃ الہیہ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ الہی مادہ سموات وارض نہیں بلکہ معبود، دادی، دیباہ ممتد ہے، پھر مادہ تسلیم کرنے کی غلطی لازم آئے گی۔ ۱۔ اس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے اور جو تکبیر کے وہ قدیم، اور ادا صاحب الوجود نہیں ہوتا۔ ۲۔ علت بالذات ہونے کی وجہ سے فاعل بالاختیار بھی نہیں ہوتا۔ ۳۔ تمام کائنات کی قدرت لازم آتی ہے، حالانکہ اس کے حدوث کے دلائل بھی نہیں۔

بہر ایت میں خود وحدت الہود کی نفی ہے، فرمایا مہدی اللہ تعالیٰ من لیتہ یعنی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے، ہمیں کا مفہوم مختلف یہ ہوا کہ تو راوی ہے اور اس کا انبر کوئی ہدایت یافتہ ہے اور کوئی گمراہ، اللہ وحدت الہود میں یہ بات کہاں !

اب اس لہجہ بات کو جو آیات و بینات پر بھی صادق آتا ہے (فقد جاءكم من الله نور) اور حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی (یا ایہا النبی سل) اور قطب مرینی کے لئے ایمان دہان پر بھی (ان من شرح اللہ صدقہ ولا سلام فهو علی نور) میں ہے، تمہیں کے لیے یہ بیان فرمایا ہے تاکہ غور نہ کر کے ہالوں کو شل سے مشل نہ کرے خواص و اوصاف نہ پادہ نہ پادہ و زین نشین ہر جا تھا اور نہ کہ کی صحیح قرابت اور علمی جانیں سے بھر لہ تغذیہ بھی حاصل ہو۔

خلاصہ تمثیل یہ ہے :- کہ عبادت ربانی کمال ہر میں بمنزلہ اس مشقہ کے ہے جو معروف باہی صفات ہونے کی وجہ سے غایت درجہ روشن ہے ، آفتاب سے تعبیر یوں نہیں کی گئی کہ وہ روشنی در وسط ظلمت میں جھلک رہا ہو ، بلکہ انھیں اس کی یہ ہے کہ یہ طاق جو ایک طرف سے بند ہے جب اس میں پورے روشنی ہوگا تو شعاعوں کے اجتماع کے بعد بہت نیا وہ پرنیزہ پرنے کا گھر صاف جب کہ وہ پورے بھی ایسی تہذیب و تہذیب میں نکھائی ہو چکی ہے روشنی سے روشنی کے طرف تاہاں روشنی ہے تو ظاہر ہے کہ شعاعوں کا انعکاس اس کی روشنی میں اور پھر پانچ لگا دے گا اصلاً ہر طرف ترقیہ کہ وہ روشنی بھی اس میں صرف کیا جاتا ہے ۔ زمین کا یہ ہواشرفی و صفائی ایک خاص نشان رکھتا ہے اور وہ زمین بھی ایسا دلیا نہیں بلکہ آفتاب کے مقابل میں ہے وہ نیا وہ پختہ اصلاً لئے نیا وہ مصفی ہے ، سنی کہ دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کثیر رنگ کی وہاب روشنی ہوا جاتا ہے اکثر شمس و شمس و قواہل اللہ کو "نور علی" نور فرما ہے ۔ بعض شمس کا قول ہے کہ وہ مشرق و مغرب ہے اور اعتدال قطب ہے اور وہ سجرات معرفت الہی ہے ، اور شبہ مبارک الہامات اور اشرفیہ والا تہذیب اس اعتبار سے کہ وہ روحانی ہے ، اور کیا دینیتا فیضی و لولہم تہذیب و اندازہ ہے کہ اسرار شمس و احکام پر شمس اطلاع کی استعداد و احکامات اطراف و عرض پر ہند ہے کہ شبہ مبارک کو کاملہ ہے اگر تاہاں کریں تاہی ایک وجہ وجہ ہے ۔

رکعت طیبہ کثیرۃ طیبۃ اصلہا، ثابت و فرعی فی السماء

[illegible]

ہی گواہی بخشنے پر چاہتا ہے اور اس کے لئے جس پر تو نے علیٰ قدر بن جاتا ہے اس طرح ایمان کامل جو نبات خدا ایک لہر ہے جب اس سے جذبہ تعمیل احکام الہی کی آگ منظم ہو جاتی ہے تو عزم عمل کے لہر کے ساتھ ناز و غل مل کر اس لطیف سے الطف بنا دیتی ہے یعنی تو علیٰ لہر دادا سے ایک مقام پر فزاؤ تمہیں آئے بھی تعبیر نفس پایا ہے

یہاں یہ نکتہ بھی پیش نظر ہے کہ جس طرح مصباح کا ظرف تہذیب اور تہذیب کا ظرف مشکاک ہے اسی طرح عقل کا مقدمہ خیال اور خیال کا مقدمہ قوت حساسہ ہے۔

یہ سہمی اللہ اللہ من لیساء اب اسناد دہتا ہے کہ دلائل کو واضح ہیں، آفاق بھی انفسی بھی، لیکن ہا میں ہم ہدایت ہمارا مشیت ہی سے وابستہ ہے جسے چاہتے ہیں اپنے لوگ کا جانب راہ دیتے ہیں، علم محض کافی نہیں، علم تمام دنیا کے علم اور عقل کا مسک واحد ہوتا ہے کیونکہ حق واحد ہے حالانکہ ان میں اختلافات کثیر ہیں۔

ولیسب اللہ الامثال الناس بونکہ مضمون مذکورہ بلا تیش کے پیرایہ میں بیان کیا تھا اس لئے اعلان ہے کہ یہ اندیز و گشت میں ہم لوگوں کے فائدے کے لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ غور و فکر کریں اور ضرورتی تک پہنچ کر حکمت عملی و عقل سے مراد ہوں، "الناس سے معلوم ہوا کہ تمام انسانوں کو حق کی جانب رجوع دی گئی ہے خواہ وہ مسن ہوں یا کافر، حدیث ہوں یا زندیق اور کسی کو یہ دم و گن بھی نہ ہونا چاہئے کہ ان قوافی ضرب الاشمال میں کچھ ضعیف یا قسری ہے، کیونکہ ان کا بیان کرنے والا تو تمام خدای و ذہنی، ظاہری و باطنی، ائمہ کے حقائق، خواص، صفات مشترکہ و غیرہ سے تجلی یافتہ ہے۔ اس لئے جو کچھ اسناد دہتا ہے اس میں اولیٰ طبیب و شیل کے ارکان ہیں پوری تطبیق کا لحاظ رکھا جاتا ہے رکھتا ہے۔

لہذا اور تمام امور کا آئینہ اسد مسد کا ان اہل اسکا ناک اسناد اللہ کا زبان اللہ اللہ کا جلد ہوتی ہے۔ (رحمۃ علیہ)

قدت کاملہ نے مومہم سرا کو

مومہم سرا

انسانی جسم کی حفاظت، نلاق شدہ قوت کی بحالی و مافی طبعی، اور طبی طاقت کی استواری کیلئے ضروری ہے۔

آپ کی قسم کی کڑوی قسمیں کہتے ہیں تو اس مومہم میں مقویات، مغذیات اور کیمیائی دواؤں سے
نفاذ اٹھائی۔ اگر آپ ہاتھ صحت علاج کرانا چاہیں تو

جانب رجوع فرمائی جس کی نگہانی بلرہ ولایت پاکستان کے نامور طبیب مولانا محم عوایم اشرف خود کرتے ہیں
یہ رو بہ نجات کے مرضی شخص حال کلمہ گرفت مشہور مل کریں یا سولانا مد طلب فرمائیں۔

عطب اشرف اشرف منزل نفاذ مع مسجد جناح، لونی لال پور

ماہر القادری

یادِ رفیقِ گالے

واحد بخش قادری مرحوم

ہدایوں میں ایک خاندان ہے جس کے افراد "بخش" کہلاتے ہیں۔ "بخش" کوئی ذات قبیہ یا قوم نہیں ہے، بلکہ تین پشتوں سے اس خاندان میں "بخش" پرستوں کے نام کا جڑ ہوتا ہے، مثلاً رحمان بخش، مستز بخش، مخدوم بخش۔ اس گھرانے کے لوگ تعلیم ہر شعبے کے ساتھ خوش حال بھی رہے ہیں!

ہدایوں کے اس خاندان کے ایک رکن مخدوم بخش ہندوستان میں مقیم تھے، یہاں سے ساتھ ترسالی پہلے کی بات ہے اس وقت میں انہوں نے بڑا کام پیدا کیا اور نام کے ساتھ دولت بھی! انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی مناف بخش کو ولایت بیرسٹری کی تعلیم کے لئے بھیجا، اُس زمانہ میں بیرسٹری کے لئے غالباً بڑی کم عمری تھی۔ انگریزوں کے ٹیڈل پاس انگلستان جاتے اور وہاں ابتدائی امتحان (1776-77) میں کامیاب ہو کر بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرتے اور دو تین سال میں بیرسٹری کی سند لے کر ہندوستان چلے آتے۔

مناف بخش مرحوم نے بھی اسی طرح بیرسٹری کی سند حاصل کی اور انگلستان سے واپس آ کر علی گڑھ میں وکالت کا آغاز کیا، وہ بہت ذہین، خوش نصیب اور اقبال مند تھے، دو تین سال میں ان کی پریکٹس خوب چمک اٹھی، اور ان کا شمار علی گڑھ کے نامور وکلاء میں ہونے لگا، سر تقی علی احمد مرحوم، جو اُن کے دادا کا کٹ کے چچا محبت سہبائی، مناف بخش مرحوم کے جو نیر وکیل امدان کے تعینت یافتہ تھے! اس خاندان کے اکثر افراد ہدایوں کے مشہور قاضی خانہ دار سے سلسلہ بعیت رکھتے تھے، اس لئے "قادری" کہلاتے تھے، مناف بخش آر، بی قادری (R. B. Qadri) کے نام سے مشہور تھے!

مناف بخش قادری کا چھوٹا بھائی تھا، بی بی کے بھائی کے کیریئر میں شمار ہونے لگا انہوں نے ہندوستان چھوڑ کر جائیداد خرید کر، علی گڑھ آمد ہدایوں میں شاندار گوشاں بنائی۔ متحدہ ہندوستان میں ترک ملازمت کا جن دنوں زور دیا تھا اُن کے زمانہ کی بات ہے کہ قوم پرستوں نے انگریز دشمنی کے جوش میں "ہندو احمدی" پر سبکدوشی کو آگ لگا کر کہتے تھے کہ ہندو احمدیوں کو زندہ جلا دیا۔ ہندو احمدی کے اس مشہور مقدمہ کی پروکسری طرف سے انہی قادری بیرسٹری نے جن میں انہیں ایک لاکھ روپیہ کے ٹک بھگ جھٹا نہ ملا۔ اسی دوران میں ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ سلسلہ کی بات ہے میں ان دنوں

ملا ملا نعلی رول ہدایت کی مدد میں خاصی شہرت رکھتے تھے، انہیں نے توحید منست کے راجہ کو یہ نام کھنے میں پہل کی ان کے غریب سربراہ عبدالغلام ہدایتی تھے۔ ہدایتی کے صاحبزادوں ملا عبدالغلام، ملا عبدالغلام، ملا عبدالغلام ہدایتی سے اس گھرانے کی خاصی شہرت ہوئی۔ ہندو احمدیوں کو یہ نام کھنے میں پہل کی ان کے غریب سربراہ عبدالغلام ہدایتی تھے۔ ہندو احمدیوں کے صاحبزادوں ملا عبدالغلام، ملا عبدالغلام، ملا عبدالغلام ہدایتی سے اس گھرانے کی خاصی شہرت ہوئی۔ ہندو احمدیوں کو یہ نام کھنے میں پہل کی ان کے غریب سربراہ عبدالغلام ہدایتی تھے۔

لوں کا کشمکش میں پڑتا تھا۔ سب سے اچھے طرح یاد ہے کہ ہمارے قلعہ میں قادی بیکسٹو کے انتقال کا خاصہ جوش تھا۔ انہوں نے تین بیٹے چھوڑے، جو ایکشن وادھنیشن، واحد بخش، ان سب کے ناموں کے ساتھ شروع ہی سے قادی لکھا جاتا تھا۔

۱۹۲۵ء میں راجم اطراف جب سب سے پہلے باہر لیا گیا، تو دوسرے قادیہ کے سامنے قادی منزل میں ان مجاہدوں کو دیکھا۔ پھر دایوں، میرا آنا جانا ہوتا اور وہ ان کی ہفتہ قیام کیا۔ جو وادھنیشن قادی میرے ہم عمر تھے، ان سے خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی، واحد بخش کی عمر بہت کم تھی۔ وہاں کی ہنگامی، چھوڑا ہوا، موصول قادی، لکھا ہوا رنگ اور سیدہ زیب، کافشتہ اور قادیہ کے من میں ہم کرکٹ کھیلا کرتے تھے۔ اور کوئل کا بجائے کھڑے یا چوڑے کے چھ ہوتے کس سے کام لیتے، واحد بخش اس کم سن ہی خاصی تیز بولنگ کرتے اور کسی بیٹس میں کو مشکل ہی سے جھنڈے دیتے۔ حیدر آباد وکن جانے کے بعد میرا وطن ہر سال آنا جانا رہتا، اصل کھیل لڑتے ہی میں پڑتا تھا، کئی بار۔ اس کا قادی بیکسٹر کے یہاں پھرنے اتفاق ہوا خوش حال گھروانا، رہنے پہنے کا انداز میرا نہ، کئی کئی لوگ اور ماٹیں! آئے دن پھرنے والے، بڑی کلاسوں کے ممتاز طلباء اور اساتذہ آتے۔ ہوتے ہمارے لوگ کی دعوتیں ہوتی رہتی، جو وادھنیشن مرحوم نے مدینہ دار میرے خیمہ پائیدار کا اہتمام کیا، وہ شعر کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے، یہ شعر میں نے ان کی زبان سے سب سے پہلے یاد کیا۔

مجھے نہ ہر ہے حبسہ ساقی میں پینا

یہ رکھا ہے ساغر، یہ رکھا ہے مینا

جواکش بہن سے دوسرے مریض تھے، ایک بار ڈاکٹر رفیع الدین کے ساتھ اور دوسری بار مسٹر ایل کے بعد کی ہر ای میں، مسٹر ذائق بخش قادی مرحوم نے انہیں علاج کے لئے انگلستان بھیجا، مگر مریض کو بس وقتی افادہ ہو کر رہ گیا۔ شادی بیکسٹو کی وجہ سے انہوں نے شادی نہیں کی، یہ مرض بالآخر ان کو ثابت ہوا۔ ۳۰ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔

جواکش مرحوم کے دو نو بھائی واحد بخش اور واحد بخش با کے زمین لنگے اسی جاتی وراثت اور تفسیر و خطابت کی بدولت مسلم لیڈر کی یونین کے صدر منتخب ہوئے، پاکستان بننے سے غالباً چار سال پہلے ام۔ اے کے بعد واحد بخش قادی انڈین مسلم سروس میں بے لگے گئے انسان کی قلبی فی صوبہ بنگال میں ہوئی! اور وہیں ڈھاکہ میں خواجہ غلام الدین کے خاندان میں ان کی شادی ہو گئی۔

جس عہد سے بھی مرحوم چھ انڈین، فرض شناسی، دیانت داری اور ساتھ ہی بڑی قابلیت اور سوجھ بوجھ کے ساتھ انہوں نے اپنے فرائض انجام دے، ڈیڑھ دو سال مسٹر جیسی پرگہ وزیر اعظم پاکستان کے سکریٹری کی حیثیت سے ان کا کراچی میں بھی رہنا ہوا، اس مدت میں کئی بار ان کے بنگلہ دیش وادھنیشن کے چنگھے سے: ایک بار حضرت جگر مراد آبادی کے اعزاز میں دولت دی۔

۱۹۵۵ء میں جس سال ماقلم اطراف کو حوین خریفین کی نیابت کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اسی سال واحد بخش قادی مرحوم کو پاکستان کے وزیر اعظم کی محبت میں اس سعادت سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملا۔ راج کے دلی میں مائیں میں سید حفیظ کے پاس ان سے اتفاق طے پڑا۔ ملاقات ہو گئی۔ وہ شاہی ہیمان تھے اور پلاس کا سپاہی راجس لٹے ہوئے باڈی گاڑی کی حیثیت سے ان کے ساتھ تھا۔ میں نے کہا یہ بہت مستاد ہے، ہر شخص اور صلی اللہ علیہ وسلم کا نیمہ نصب ہوا تھا، پیس کن گن کی آنکھوں سے آنکھوں کی جھڑی لگ گئی! احلام نے ان کی ظاہری شخصیت اور جسمانی خوبصورتی کو دیکھا کہ دیا تھا۔

اب سے جن ماہ پہلے گریں گے۔ ماہ میں آصفیابان کے شہزادہ شاعر عشی اعیانہ مدینا فی رحمۃ اللہ علیہ کے لائق پوتے اعیانہ احمد

تین مہینے کے بعد لندن کے سفر سے واپس آکر کہا کہ سرکار وادعائیں قادیان سے ملنے کا بے حد اشتیاق ظاہر کیا، انہوں نے تاکید کر دی کہ کلینک تاریخ کو میں یاد پ کے سرکاری دوسرے سے واپس کراچی پہنچ رہا ہوں، ایرلیٹ پر باہر سے کہنا کہ وہ مجھ سے خود ملیں! میں مقصد تاریخ پر ہوا تو اُسے پہنچا تو یہ لگا کہ جب آگئے ہوتے آدھ گھنٹہ سے بھی زیادہ ہو گیا، ایک صاحب نے مہمانی کی کسٹرن دی کے، اہل ہیکے ریلوے ڈانس ٹریفک کے گئے ہیں۔ وہاں پہنچا تو دیکھتے ہی بغل گیر ہو گئے (ادعائیں کے مارے چہرہ کھل گیا، یہ دیکھ کر دل نے خلش عرس کی کہ گفتگوئی اسفندہ پ۔ ان کی صحت کے حصول کو چھپا نہیں سکی! تھوڑی دیر میں کافی آگے، کافی پیچھے میں بے تکلفی کی گفتگو کرتی رہی انہوں نے کئی غزلیں مجھ سے سنیں: بڑی جنت کے انداز میں بولے ماہر صوفی! دل نہیں بھرا، آپ چند ہی آئیے، میرے یہاں قیام کیجئے، بس پھر تین چار دن ہی بھر کے آپ کا کلام سنیں گے۔ اتنے میں کراچی پر نوکری کے داس چاند کا کراشتیاں تین تین قریشی ان سے ملنے کے لئے آگئے اور میں ڈاکٹر ایچ حسن صدیقی کے ساتھ ان کی کار میں شہر چلا آیا۔

یہ اتفاق نہیں مگر اتفاق تھا کہ جن دونوں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی عازمت کی وسیع کا مستند زیرِ عقد تھا، وادعائیں قادیان جیسا خولیا النفس، قدم شناس اور جوہرِ ناب جس کے تہیات کا کسیری تھا۔

وادعائیں قادیان نے پاکستان میں کتنی بہت سی حکومتیں دیکھی تھیں ہر کار کی عہدے دار کی حیثیت سے وہ ہر حکومت کے مفاد رہے مگر ان کی کمزوریوں سے بھی واقف تھے اور ان کو تاویل پر ان کا دل کڑھتا تھا۔ پاکستان میں صحیح معنی میں اسلامی حکومت کا قیام، ان کی سب سے بڑی تمنا اور عشقِ صریح ان کی سب سے زیادہ گرانقدر متاعِ معنی و صوم و صلوات کے پابند، کلب گھروں کی زندگی سے نفرا و اس قسم کی تمام لغزیتوں سے گریزاں! نیکی اور جسہ کی طرف طبیعت کا رجحان تھا۔ نظر ناخیر پسند اسفندہ النفس۔ صاحبِ کردار و اہل دل اپنی عازمت اور عہدے کے کسی قسم کا کوئی آجائزہ نہ نہیں اٹھایا، پاکستان کے دن اُس وقت پھر گئے جب کہ میلوں پر بہت سے وادعائیں نظر آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر اپنی رحمت کے پہرے بھارتے! (آمین)

میاں محمد شفیع مرحوم

مجھے پاکستان آئے ہوئے تین سارے تین مہینے ہوئے تھے کہ شوالہ کے دوسرے مہینہ ملتان سے ایک من عرس کا دعوت ہوا ملتان جانے کا یہ پہلا موقع تھا، مشاعرے کی صدا سے سرکاری صحن دسی سائیں۔ پی ایم نے فرمائی، جو ان دفن و ان کے کشتہ تھے، سرحدِ لطیف سابق ذیلِ اعظم کہہ متعلق کے صاحبِ نادے میاں ظہور الحق صاحبِ فوز و فیاضیت کے دامنِ انستھے، انہی کی کوشش میں ٹھیکرنا ہوا اندہیں میاں محمد شفیع مرحوم سے پہلی ہامیاد حاصل ہوا، ان کی پہلی مسکراہٹ ہی نے دل مہ لیا، میاں صاحب ان دفن ملتان میں اپڈیشن ڈسٹرکٹ جٹریٹ تھے، انہی عہدے واسطے کی فوج اور محبت و خدمت نامی کی بدولت، انھم اطراف کی مہینہ ایک فلو میں کے سلسلے میں ملتان مقیم رہا، صاحبِ دہلی مرحوم کی وفات نے اس قیام اور عجیب شغلہ کو گوارا بنا دیا!

دفتری کام کے سلسلوں پہلی بار عدالت میں پہنچا، تو لوگوں کا خاصہ حیرت تھا، میاں محمد شفیع صاحب نے مجھے دیکھتے ہی عدالت کے داس پہ اپنے قریب کر کے پر تجا لیا، میاں صاحب کی فوازش اور محبت اپنی جگہ مستمگر تمام دوسرے لوگوں کو عدالت کے کمرے میں کھڑا دیکھ کر، میں دل ہی دل میں عجیب سی محنت محسوس کرتا تھا، اسی حیرت میں قابلِ غلا و شہری بھی درخواست لئے کھڑے ہوئے تھے، میں تعذر ان سے نگاہیں بچاتا!

میاں صاحب مرحوم سے ملتان میں ملاقاتیں ہوتی رہتیں، ایک دوسرا دن ملنے کے لئے خود شریف لائے، اندر راہِ طویل کے پھاٹک کے سامنے بھی ہوتی کھری جا رہی تھی، اوجھٹ کے ہونے پر مجھے باہر سے کہہ کر گشتکار آغا دفرایا میں چند ماہ کے بعد استق طرہ کراچی چلا آیا

پھر ملتان، لاہور، حیدرآباد اور لائل پور میں صاحبِ مرقوم سے مشاعروں کی بدولت نیا نیا شعر و شاعری سے انہیں دلچسپی نہیں فخر
مہر علی شغف تھا، کہی مقام پر بڑے پیمانے پر شعروے جیتا تو سرکاری دودھ کی دہی تازہ نہیں مقصد کرتے؛ بیک کر شہرہ دکا؛ اسرار کی فرائض بھی
انجام دے کہ انشاء و بھی سن لیا !

خلافت کعبہ کی تیار سی ادا اس کی نمائش کے سلسلہ میں جماعت اسلامی کے مرکزی دفاتر میں بینک بورڈ ہی متقی میاں صاحب ان دفاتر احمد کے بڑے کٹھن تھے، میں کسی مشاعرے سے واپسی میں لاہور متاثر ہوا، اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے ان کے یہاں پہنچ کر، مولانا مودودی نے اس بینک میں مجھے بلا لیا، اس اجلاس کی کامدافی میرے پورے کچھ منٹ بعد ختم ہو گئی۔ چاہے نوشی ہوئی اس کے بعد میں نے حاضرین کے احوال پر دو تین اعلیٰ خزانہ میں، پھر میں خوشنویس صاحب اپنی کار میں مجھے لے کر دارۃ اسلامیات تشریف لے آئے اور بہت دیر تک وہاں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع مظفر سے بنا دلیخانات فرما رہے، بڑی کٹھن اور اسی درجہ کے دوسرے مہندیہ اس طرح بے تکلفی کے ساتھ کہ انوں پر کہاں جا کر بیٹھا کہتے ہیں، ملازمہ اطراف کے عقائد دارۃ اسلامیات کے، ایک مرکزی نمونہ کی صاحب کہتی سے یہاں صاحب کے مخلصانہ روابط و مراسم تھے، یہی نفسان انہیں دانا لے آیا، علماء دین سے ربط ضبط ادا ان کے غیر مقدم ادا ادا کا کھنکھتے موزننگ جانا، سنا ہے ان کی یہی ادا اور کش پسندیدہ نہیں سمجھی گئی اور شکل ہی سے ایک سال ہوا ہو گا کہ اس عہد سے کائن کا تابلہ ہو گیا۔

۱۰۰ : ایک جزو لایزال کی پہچان ضروری : دینی

میاں صاحب نے فرمایا کہ میں پہلے چن چل تویر میں دھو رہا تھا ہے اسلگ چٹوں میں گرفت سے محسوس کرتا ہوں، ماسہراؤ، بکراچی کوٹلی، فلن کریں، ڈاکٹر دلاویچ صاحب اس قسم کے دسکا علاج سے معاملہ کرتے ہیں، ڈاکٹر صاحب کے یہاں بیٹی نون ٹیلا گیا، گر اس دن شاید موسم کی عوازی کی وجہ سے ابن صاف نہ تھی، کئی بار کی فوشش کے باوجود بات نہ ہو سکی امیال صاحبہ نے فرمایا کہ آپ ڈاکٹر صاحب سے اس معاملہ میں بات چیت کر کے مفصل جواب دیں کیا وہ لاسٹر شریٹ لاسکتے ہیں یا مجھے کراچی آنا پڑے گا۔ میں نے اتنے ہی ڈاکٹر صاحب کے گفتگو کی، انہوں نے فرمایا کہ دونوں صورتیں ممکن ہیں، جو کچھ ڈاکٹر صاحب کے کہا تھا میں نے بھی زک لکھی صاحب کو کھدایا، یہی اس کے بعد ان کا خط ملا کہ میاں صاحب اسلگ ماسہراؤ کے کراچی پہنچے ہیں ان کی کڑا ٹیسی پچھنی کسٹا فٹنڈر، اگر وہ شریٹ لین نہیں لے، ڈاکٹر صاحب بھی بدبار پڑتے رہے، مگر پھر وہ چٹا دے کے بعد علاج کی غرض سے لندن چلے گئے اسدولہ ہسپتال میں ان کے انتقال کی خبر حاصل ہوئی، اموش، فائبروز کوئی ایسا تکلیف دہ تھا اسدولہ (انڈیا) تھا، تویر میں سے پیوں کے لگ چٹوں میں کی کی تیز رفتاری ہے چھٹن بکلف ہوتا تھا لیکن وہ پھر خود بخود چلتی رہی، اگر حرکت کر لک پانا نہ چاہتے، تو وقت میں جان کے لئے کھدایا گیا ہے وہ ایک خط کے لئے بھی ادھر سے ادھر نہیں ہسکتا۔

بہا لکھنے پر نظر نہ کر سکتا۔ اسانیت دولت واقع ہوئے تھا۔ دفعہ دہانہ میں، جس کو شگفتہ طبع اور خوش مزاج، صورت کی طرح شیریں سخن، انداز کا سدا
امانتی حکمت کس بل میں خاصہ مہم ادا تھا پسند، ادا تھا۔ صبر کچھ تھا کی کہتا ہی تھیں، کس کی آواز نہ بجا رہا، دیدہ زیب تھا، زبانی میں، پہلی نے خوشی کا قاف
سیکس تھی ان کا انوی امدہ صربانی حکومت میں جو انٹ کر دی گئی تھا، مگر ان کی قابلیت اور فائز اس دور کی تھی کہ صبر کا نظم و نسق ان کو کمزور کیا، جاتا تھا اس سے خوش
الوہی سے پہلے ان کے رنگ عروس کے تھے، نصف بھیا اور جو کمال دانا، پاکستان میں کہاں سے آئے تھے، اسامہ کا تعلق نہ تھا، یہاں صبط ولایت ہوا، ان کی دوسرے لڑکے ان سے بچ
جس تباہی لیا، انتہائی آنا ہی، وجہ ہا کی کہتا تھا، ظہیر علی انرا دانا کی یہ باتیں اور وہاں کے ہر بچے میں کی، کہتی لالچ، زیادہ وقت ان کے کراہیں چکے ہیں
کہہ سکتا تھا! ایچہ اور عیسیٰ قریشی اس عہد پر اس وقت سے عورتی پیدا ہوئے ہیں۔

[Faint handwritten notes at the bottom of the page]

ہر قسم کے سوتی دھاگے کیلئے ہمیشہ
 اٹوٹیا برائڈ کو یارڈ رکھیں



فیروز سلطان انڈسٹریز لمیٹڈ سرائے روڈ کراچی

تلوک چند محروم کا غیر مطبوعہ کلام

نئی دہلی میں
۱۹۷۸ء

بہادرم محترم - تسلیم

”فان“ ہانا عہدہ موصول ہوتا ہے، میرا پاس ہیں، نیا شمس اچھی لگے دن ملا، مولوی جی میں محروم کے بارے میں آپ کا مقالہ پڑھا، آپ نے بہت اچھا کیا کہ اس کے کچھ اضافات قلمبند کر کے، مولوی صاحب محروم کی شخصیت پر مدنی ڈالی، مقالہ بہت دلچسپ ہے، آپ اپنی اس قسم کی تحریروں کو یکا یک لکھ کر کتاب مرتب کیجئے بڑی اہم کتاب ہوگی، ہر اعتبار سے!

مولوی جی میں کو دنیا دونوں ہی میں بھول گئی ہے، خدا آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے جی رفاقت ادا کی ہے۔

نام نیک سنگاں ضائع ممکن تباہ نام نیکت یا دگار

نظیری کا شعر تو حیران جواب ہے ہی، آپ کا اس موقع پر شعر نقل کرنا ہی ایک کامناہرہ ہے کہ نہیں!

باب: ہمارا نظریں ہمیشہ سے پہلے پڑھتا ہوں، ”لالہ خیر“ میں یہ باب بڑے شوق سے پڑھتا تھا، ہمارے لئے ادیب اور شاعران پانچ دیوں سے بڑے آداب ہیں، نہ جانے یہ جنت پسندی ہمارا ہی نظم اندر کر کہاں لے جائے۔

اس خط کے ساتھ لالہ محترم کا غیر مطبوعہ کلام ”فان“ کے لئے بھیجا ہوا ہے! امید ہے آپ غیرت سے مرل گئے۔

نیا زمند بچن نا تھ آ نداد

منظور نہ کر اپنے کئے کا الزام
بے رحمت سراپے کئے کا الزام
انسان کو ابلیس سکھاتا ہے یہی
اللہ پہ دھراپنے کئے کا الزام

ہے غیب وہ طبع جس میں ریختی ہے
سامان ستاروں خود آئینی ہے
سب سے ہشیار ہے مگر وہ انہی
جس کو سروسائے عاقبت مینی ہے

یہ کلام ہر لذت مندوم رہا
یہ کلام ہر طبعیت کو نوم رہا

بائیں تو باریں تو بے نوم رہا
یہ کلام ہر کسب علی سے نوم رہا

یہ کلام ہر کسب علی سے نوم رہا

دسم دلاہ کرم سے غافل نہ رہے
آہ دلی پرالم سے غافل نہ رہے
احساں غم اس لئے ملا ہے اس کو
انسان انسان کے علم سے غافل نہ رہے

گستاخ سے کس لئے بگڑتا ہے تو
کیا تیرا لگاڑے گا کوئی بدخ
ہر تر ہے خوش مدی، اُسے منہ نہ لگا
ہے اپنے ضمیمہ کا بھی تیرا بھی حد

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

روح انتخاب

تقسیم القرآن الطور

(۲)

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود غزل کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے مگر یہ اپنے اس قول میں بچتے ہیں تو اسی شان کا ایک کلام بنا لائیں۔

بعض لوگ اس جینچ کی حقیقی ذہنیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ایک قرآن ہی کیا، کسی شخص کے اشارے میں بھی دوسرا کوئی شخص شریفانہ نظم لکھنے پر تیار نہیں ہوتا۔ ہجر، مدنی، رشیک سیر، گریٹھ، غالب، میلند، اقبال سب ہی اس لحاظ سے بے مثل ہیں کہ ان کی نفسانہ انجی جیا کلام بنا لانا کسی کے بس میں نہیں ہے، قرآن کے جینچ کا یہ جواب دینے والے مداخل اس غلط فہمی میں ہیں کہ دنیا تو ابجدی میٹھ مشلہ کا مطلب قرآن کے اشارے میں اس جی کوئی کتاب لکھ دینا ہے، حالانکہ اس سے اس اشارے میں مماثلت نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس پائے اس شان اس مرتبے کی کوئی کتاب لے آؤ جو صرف عربی ہی میں نہیں، دنیا کی کسی زبان میں ان خصوصیات کے لحاظ سے قرآن کی وہ مقابل تسلیم پا سکے، جن کی بنا پر قرآن ایک مجزوم ہے، محقر چند بڑی بڑی خصوصیات حسب ذیل ہیں جن کی بنا پر یہ کتاب اپنے ہی معجزہ تھا اس آج بھی عجیبہ ہے۔

اس جس زبان میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اس کے ادب کا وہ بلند ترین اندکس ترین نمونہ ہے، یہی کتاب میں ایک لفظ اس ایک جملہ بھی عیاں کرنا ہوا نہیں ہے، جس معجزہ کو بھی اس کا کیا گیا ہے مندرجہ ذیل الفاظ اس عاں سب ترین الفاظ بیان میں اس کا کیا گیا ہے، ایک ہی معجزہ بار بار بیان ہوا ہے اللہ ہر مرتبہ پیرایہ بیان نہا ہے جس سے تکرار کی پوشائی نہیں پیدا نہیں ہوتی اولیٰ سے لے کر آخر تک ساری کتاب میں الفاظ کی نشست ایسی ہے جیسے جیسے نفاذ تماشا کر کے لگے گئے ہیں، کام آتا موند ہے کہ کوئی زبان دال آئی اس کے سن کر موندنے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حق کر سکا اللہ مخالف کی روح بھی وہ جگہ لے لگتی ہے ہر سوہن گوندنے کے بعد بھی آج تک یہ کتاب اپنی زبان کے ادب کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے جس کے برابر تو درکنار

حق یعنی بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ فوصلیٰ اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سکر سے انسانی کلام ہی نہیں ہے اللہ یہ بات انسان کی دست سے باہر ہے کہ اس کلام حقیقت کر سکا لگے اسے انسانی کلام کہتے ہو تو اس پائے کا کوئی کلام نہ دکھاؤ جس کے کی انسان نے نہ تصنیف کیا ہو یہ جینچ نہ صرف قریش کو بلکہ تمام دنیا کے مکرمین کو سب سے پہلے اس میں نہیں دیا گیا تھا اس کے بعد یہ تین مرتبہ مکہ معظمہ میں لکھا گیا اور مدینہ منورہ میں دو بار کیا (ملاحظہ ہو یونس ص ۳۰، ہود ص ۱۳، اسراہیل ص ۸۸، لقمان ص ۲۳) مگر کوئی اس کا جواب دینے کی نہ اس وقت ہمت کر سکا نہ اس کے بعد آج تک کسی کی یہ جرأت نہیں کہ قرآن کے مقابل میں کسی انسانی تصنیف کو لے آئے

جس کے قریب ہی اس زبان کی کوئی کتاب اپنی ادبی استعداد و قیمت میں نہیں پہنچتی یہی نہیں بلکہ یہ کتاب ہر فرد کو اس طرح کی کرشمہ کشی ہے کہ ہر صدیاں گزر جائے پر بھی اس زبان کا مینا مضاحت وہی ہے اور اس کتاب نے قائم کر دیا تھا حالہ اتنی مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو اتنی طویل مدت تک اسلا، انشا، کادسے، فواد زبان، اور استعمال الفاظ میں ایک ہی شان پر باقی رہ گئی ہو، لیکن یہ صرف قرآن کی طاقت ہے جس نے عربی زبان کو اپنے مقام سے ہٹنے نہ دیا اس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا ہے اس کا ہر عرصہ آج تک عربی ادب کی تحسین ہے اس کا ادب آج بھی عربی کا مینا کی ادب ہے اور فقہیہ و تحسینی آج بھی نصیح زبان دہی مانی جاتی ہے جو ہر دور میں پہلے قرآن میں استعمال ہوتی تھی کیا دنیا کی کسی زبان میں کوئی انسانی تصنیف اس شان کی ہے؟

۲۔ یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نوع انسانی کے انکسار اخلاقی، تہذیب اطوار و زندگی پر اتنی وسعت، اتنی گہرائی اس قدر ہم گیری کے ساتھ نظر ڈالا ہے جس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو ہلاک اور پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جو اس قدر لغت و لہجہ کی تہذیب کی تعمیر کی ہے، اور اس میں سے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے اور ہندو اس کے اثرات پیچھے چلے جا رہے ہیں۔

۳۔ جس موضوع سے یہ کتاب بحث کرتی ہے وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے جس کا دائرہ ازل سے اب تک پوری کائنات پر حاوی ہے۔ وہ کائنات کی حقیقت اور اس کے خالق اور انجام۔ اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے وہ باقی ہے کہ اس کائنات کا خالق اور اس کا نظم و آئین کیا ہے کیا اس کی صفات ہیں، کیا اس کے اختیارات ہیں اور وہ حقیقت نفس الامری کیا ہے جس پر اس نے یہ اور نظام عالم قائم کیا ہے۔ وہ اس جہان میں انسان کی حیثیت اور اس کا مقام ٹھیک ٹھیک شخص کے بتاتی ہے کہ یہ اس کا فطری مقام اور اس کی پیداواری حیثیت ہے جسے بدل دینے پر وہ قادر نہیں ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس مقام اور اس حیثیت کے لحاظ سے انسان کے لئے نگر و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے جو حقیقت سے پوری مطابقت رکھتا ہے اور غلط راستے کیا ہیں جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں صحیح راستے کے صحیح ہونے اور غلط راستوں کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے، نظام کائنات کے ایک ایک گوشے سے، انسان کے اپنے نفس اور اس کے بعد سے انسان کی اپنی تاریخ سے بے شمار دلائل پیش کرتی ہے اس کے ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان فطرتاً مستحق ہے کچھ اور کن اسباب سے بڑھ کر اور وہ صحیح راستہ، جو ہمیشہ سے ٹھیک ہی تھا اور ایک ہی رہا ہے گا، کس فلیڈ سے اس کو معلوم ہو سکتا ہے اور کس طرح ہر زمانہ میں اس کو بتایا جا رہا ہے۔ وہ صحیح راستے کی صرف نشان دہی کر کے نہیں رہ جاتی بلکہ اس راستے پر چلنے کے لئے ایک پورے نظام زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں عقائد، اخلاقی، تہذیبی، نفس، عبادات، معاشرت، تہذیب، تمدن، معیشت، سیاست، عدالت، قانون، غرض عبادت انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک نہایت مربوط و باطنی کر دیا گیا ہے۔ مزید بڑی وہ پوری تفصیل کے ساتھ بتاتی ہے کہ اس صحیح راستے کی پیروی کرنے اور ان غلط راستوں پر چلنے کے کیا نتائج اس دنیا میں ہیں اور کیا نتائج دنیا کا مروجہ نظام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے عالم میں رہنا ہونے والے ہیں۔ وہ اس دنیا کے ختم ہونے اور دوسرے عالم پر پانے کی نہایت مفصل کیفیت بیان کرتی ہے اس تغیر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے بتاتی ہے دوسرے عالم کا پورا نقشہ لگا کر اس کے سامنے کھینچ دیتی ہے اور پھر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ وہاں انسان کیسے ایک دوسری زندگی پائے گا کس طرح اس کی دوسری زندگی کے اعمال کا محاسبہ ہوگا اس امر کی اس سے باز نہیں ہوگی، کیسے ناقابل انکار صورت میں اس کا پورا نامہ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ کیسی ذمہ داریات شہادتیں اس کے ثبوت میں پیش کی جائیں گی اور اس کے سامنے پانے والے کیوں پڑا اور سنلا پائیں گے، ہمارے والد کو کیسے الغامات ملیں گے اور میرے والد نے فائے کس کس شکل میں اپنے اعمال کے نتائج بھگتائے اس وسیع مضمون پر جو کلام اس کتاب میں لکھا گیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس کا مصنف کچھ ضروری کبریٰ جو درجہ کی تعلمات کی ایک عمارت تعمیر کر رہا ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مصنف حقیقت کا ہمارا دست علم رکھتا ہے اس کی نگاہ ازل سے اب تک سب کچھ دیکھ رہی ہے تمام حقائق اس پر عیاں ہیں۔

کائنات پر ہی کی پر ہی اس کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ نوح افی کے آغاز سے اس کے خاتمہ تک ہی نہیں بلکہ خاتمہ کے بعد اس کی دوسری زندگی تک بھی اس کو یک نظر دیکھ رہا ہے اور وہ قیاس و گمان کی بنا پر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر انسان کی رہنمائی کر رہا ہے جس کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جاسکا ہے۔ جو تصور کائنات و انسان وہ پیش کرتا ہے وہ تمام مظاہر اور واقعات کی مکمل تعبیر کر رہا ہے اور مشرقی علم میں حقیقت کی بنیاد بن سکتا ہے فلسفہ و سائنس اور علوم عمران کے تمام انویسٹس کے حجابات اس کے کلام میں موجود ہیں اور ان سب کے درمیان ایسا مطابقت رہے کہ ان پر ایک مکمل، مربوط اور جامع نظام سکھایا گیا ہے جو علمی حیثیت سے جدید بنائی اس نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق انسان کو رہی ہے وہ صرف انتہائی محفل اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں ہے بلکہ ہر سال سے نئے دین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان با نفع اس کی پیروی کر رہے ہیں اور تجسّس نے اس کو بہترین ثابت کیا ہے کہ انسان کی کوئی انسانی تعینیت دنیا میں موجود ہے یا کسی موجود ہی ہے جسے اس کتاب کے مطابق لایا جاسکتا ہو۔

۱۔ یہ کتاب پر ہی کی پر ہی ایک وقت لکھ کر دینا کے سامنے پیش نہیں کر دی گئی تھی۔ بلکہ خداوندی ہدایت کے ساتھ ایک تحریک اصلاح کا آغاز کیا

گیا تھا اور اس کے بعد ۳۰ سال تک وہ تحریک جن جن مرحلوں سے گزرتی رہی ان کے حالات اور ان کی ضروریات کے مطابق اس کے اجزاء اس تحریک کے رہنما کی زبان سے بھی طویل جملوں اور کچھ مختصر جملوں کی شکل میں ادا ہوتے رہے ہر اس شخص کی تکمیل پر مختلف اوقات میں صادر ہونے والے یہ اجزاء اس مکمل کتاب کی صورت میں مرتب ہو کر دنیا کے سامنے رکھ دیئے گئے تھے۔ قرآن و نام کے نام سے ہر مروجہ گویا ہے تحریک کے رہنما کا بیان ہے کہ یہ خطبے اور خطبے اس کے طبع اور فہم میں بلکہ خداوند عالم کی طرف سے اس پر نازل ہوئے ہیں اگر کوئی شخص انہیں خود اس رہنما کے مطابق اقرار دیتا ہے تو وہ دنیا کی پر ہی تاریخ سے کوئی غیر ایسی پیش کرے کہ کسی انسان نے اس باہمی سال تک مسلسل ایک زبردست اجتماعی تحریک کی بطور خود رہنمائی کرتے ہوئے کسی ایک اور معلم اخلاق کی حیثیت سے، کسی ایک برسرِ جنگ فوج کے قائد کی حیثیت سے، کسی ایک فائر کی حیثیت سے، کسی ایک شاعر اور مقنن کی حیثیت سے، غرض بکثرت مختلف حالات اور اوقات میں بہت سی مختلف حیثیتوں سے جو مختلف تعبیریں کی ہوں یا بانی ہی ہوں، وہ جہ ہر ایک مکمل، مربوط اور جامع نظام سکھانے والے ہیں، ان میں کہیں کوئی متافض اصطلاح نہ پایا جاتا ہے، ان میں ابتدا سے انتہا تک ایک ہی مرکزی تھیں اصول نہ نکلا نہ نظر آئے۔ اس نے اہل مدین سے اپنی دولت کی جو بنیادیں ان کی ہر آنکھ کی دلی تک اُسی نیا دہیہ عقائد و اصول کا ایک ایسا ہمگیر نظام بنانا چاہا جسے جس کا ہر شخص دوسرے اجزاء سے کامل مطابقت رکھتا ہو، اور اس مجموعہ کو پڑھنے والا کوئی صاحب بصیرت آدمی یہ عرض کئے بغیر نہ کہے کہ تحریک کا آغاز کرتے وقت اس کے فکر کی اس کی اس آخوری مرحلے تک کا پُر الفتح موجود تھا اور ایسا کسی نہیں ہوا کہ بچ کے کسی مقام پر اس کے ذہن میں کوئی ایسا خیال آیا ہو جو پہلے اس پر شکستہ تھا بلکہ بعد میں اس کو پہلنا چاہا اس شان کا کوئی انسان اگر کسی گزرا ہو جس نے اپنے ذہن کی خلق کا یہ کمال دکھایا ہو تو اس کی نشاندہی کی جائے۔

۵۔ جس رہنما کی زبان پر یہ خطبے اور خطبے جاری ہوئے تھے وہ بیکار کسی گوشے سے نکل کر صرف ان کو سامنے کھٹے نہیں آتا تھا اور انہیں سامنے کے بعد کہیں چھپ نہیں جاتا تھا۔ وہ اس تحریک کے آغاز سے پہلے بھی انسانی معاشرے میں زندگی بسر کر چکا تھا اور اس کے بعد بھی وہ زندگی کی آخوری صحت تک حرکت انسانی معاشرے میں رہتا تھا۔ اس کی گفتگو اور تفسیر ہر دن انہیں اصطلاح زبان سے لوگ بخوبی آشنا تھے، احادیث میں ان کا ایک بڑا حصہ اب بھی محفوظ ہے جسے لوگ کے عرفی مان دگ بڑھ کر خداوندی دیکھ سکتے ہیں کہ اس رہنما کا اپنا طرزِ کلام کیا تھا۔ اس کے زبان و لک اس وقت میں صاف صاف محسوس کرتے تھے اور آج بھی عرفی زبان کے جاننے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کتاب کی زبان اور اس کا اسٹائل اس رہنما کی زبان اور اس کے اسٹائل سے بہت مختلف ہے، حتیٰ کہ جہاں اس کے کسی خطبے کے بچ میں اس کتاب کی کوئی عبارت آجاتی ہے وہاں دونوں کی زبان کا فسق بالکل نمایاں نظر آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا دینا میں کوئی انسان کسی اس بات پر قاصر ہے یا ہو سکتا ہے۔ کہ باہمی سال تک دو قطعی مختلف اسٹائل میں کلام کرنے کا تکلف نہایت چلا جائے اور کسی یہ سازش نہ ہو کہ یہ دو الگ الگ اسٹائل واصل ایک ہی شخص کی ہیں؟ عارضی اور وقتی طور پر اس قسم کے تضاد میں کامیاب ہو جانا تو ممکن ہے لیکن مسلسل ۳۰ سال تک ایک ایسا انسانی طرح ممکن نہیں ہے۔ کہ ایک شخص جب خدا کی طرف سے آتی ہوئی وحی کے مطابق کلام کرے تو اس کی زبان اور اسٹائل کچھ اور جب خود اپنی طرف سے گفتگو کرتا ہو تو اس کی

نہاں ادا اس کا اسٹائل بالکل ہی کچھ اور ہے۔

۷۔ وہ رہنما اس تحریک کی قیادت کے دوران میں مختلف حالات سے دوچار ہوتا رہا۔ کبھی پیرسل وہ اپنے ہم وطنوں اور اپنے قبیلے والوں کی تضحیک توہین، اور سخت ظلم و ستم کا نشانہ بن رہا ہو، کبھی اس کے ساتھیوں پر اس قدر تشدد کیا گیا کہ وہ ملک چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو گئے۔ کبھی دشمنوں نے اس کے تعلق کی سازشیں کیں۔ کبھی خدا سے اپنے دشمن سے ہجرت کرنی پڑی کبھی اس کو انتہائی محسوسات اور فتنہ کشی کی زندگی گزارنی پڑی کبھی اسے ہم لڑائیوں سے سبوتاژ پیش آیا جن میں شکست اور سخت دھڑلہ ہی ہوتی رہی کبھی وہ دشمنوں پر غالب آیا اور وہی دشمن جنہوں نے اس پر ظلم کر رہے تھے، اس کے سامنے سرنگون نظر آئے کبھی اسے وہ اقتدار نصیب ہوا جو کہ کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ ان تمام حالات میں ایک انسان کے جذبات کا اثر نمایاں نظر آتا ہے جو ایسے مواقع پر انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں لیکن خدا کی طرف سے آئی ہوتی دیکھ کے طرہ پر ان مختلف حالات میں جو کام اس کی زبان سے سنا گیا وہ انسانی جذبات سے بالکل خالی ہے کسی ایک مقام پر یہی کوئی ٹپسہ سے بڑا الفاظ انگلیں رکھ کر یہ نہیں بتا سکتا کہ یہاں انسانی جذبات کا اثر نظر آتے ہیں۔

۸۔ جو کہ سچ اور جامع علم اس کتاب میں پایا جاتا ہے وہ اس زمانے کے اہل عرب اور اہل مہم و دیہان و ایلان قوموں کا اس پیرسل صدی کے اہل علم میں سے بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔ آج کی حالت یہ ہے کہ فلسفہ سائنس اور علوم عمران کی کسی ایک شاخ کے مطالعہ میں ایسی تحریکیں دینے کے بعد آدمی کو بہت جہن ہے کہ اس خود پر علم کے انہی مسائل کی ہیں اور پھر وہ غارتگو سے قرآن کو دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں ان مسائل کا ایک واضح جواب موجود ہے یہ حال کسی ایک ملک تک محدود نہیں ہے بلکہ ان تمام علوم کے باب میں سچ ہے جو کائنات اور انسان سے کوئی تعلق رکھتے ہیں کیسے باہر کیا جاسکتا ہے کہ یہ سوچیں پہلے ہی گستاخ اور ہیں ایک اچھے کو علم کے ہر گوشے پر اتنی وسیع نظر حاصل تھی اور اس نے ہر دنیاوی مسئلے پر غور و فکر کیا کہ اس کا ایک صاف اور علمی جواب سچ لیا تھا؟

اجماۃ قرآن کے اگرچہ اور بھی متعدد ہیں لیکن صرف ان چند جگہ ہی پر گرا دی ہو کر ہے تو اسے معلوم ہے کہ قرآن کا جو جہان جتنا مذہبی قرآن کے زمانہ میں واضح تھا اس سے بد جہان زیادہ آج واضح ہے اور اس قدر قیامت تک یہ واضح رہتا ہے جتنا جانتے گا۔

طاقت و توانائی کا مکمل اور

مستقل فائدہ، قابل اہمیت اور توانائی، فرحت بخش تندستی

ماہ اعظم ۱۔ دل، دماغ، معدہ، جگر، کھانسی، کھانسی، منہ، آنکھ، سانس، اور تمام اعضا کی طبیعت کا وہ پیرسل اور اہم ہستی۔ ایک ماہ دس روپے

طوائف کتاب خاص ۱۔ بیرونی کمزوریوں کے لئے ہے ضرر۔ ایک ماہ دس روپے

لبوب کبیر خاص ۱۔ کثرت چاندی، کثرت سہ معاتہ، ظہیر و کار کرب۔ ایک ماہ ۱۶ روپے

نٹ۔ ہر سہ ادویات کا مکمل کورس ۱۔ ۳۶ روپے نصف کورس ۱۹/۶۰ روپے

ملنے کا پتہ ۱۔ اشرف لیبارٹریز۔ لال پور

فون نمبر ۳۰۲۱

ہمداری نظریہ

خلافت و ملکیت — سید ابوالاعلیٰ مودودی، ضخامت ۱، ۳۵ صفحات، قیمت اعلیٰ ایڈیشن پلاسٹک گورڈ، آٹھ روپے ۲۵ پیسے
سنا ایڈیشن، چار روپے ۵۰ پیسے، طے کا پتہ، اسلامک پبلیکیشنز شاہ عالم مارکیٹ لاہور — ۱۹ بیت المک
دوسری منزل، ڈھاکہ۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی یہ وہ محرکہ آرا کتاب ہے، جو ان دنوں بحث و مناظرہ کا موضوع بنی ہوئی ہے، اور جو لوگ مولانا موصوف
کی ذات اور جماعت اسلامی سے خدا وادگدہ کہتے ہیں، انہوں نے الزام تراشی اور طعن و تشنیع کی باقاعدہ ہم شروع کر رکھی ہے۔ انسان کی تنقید حد
انصاف کے حدود سے بہت کچھ تجاوز کر گئی ہے۔

یہ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے، ۱۔ باب اول، قرآن کی سیاسی تعلیمات — باب دوم، اسلام کے اصول حکمرانی —
باب سوم، خلافت، ماشدہ اساس کی خصوصیات — باب چہارم، خلافت، ماشدہ سے ملکیت تک — باب پنجم، خلافت اور
ملکیت کا فرق — باب ششم، مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کی ابتدا اساس کے اسباب — باب ہفتم، امام ابوحنیفہؒ کا زمانہ —
باب ہشتم، خلافت اساس کے متعلق مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک — باب نہم، امام ابو یوسفؒ اساس کا کام۔

ہر باب کے تحت متعدد مذہبی سرخیوں ہیں، ہر واقعہ اور مسئلہ کو اس قدر تفصیل اور عقلی و فطری دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا
نشنگی، الجھن اور کمی محسوس نہیں کرتا، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی دینی مسائل اور سیاسی معاملات میں جو سچھی ہوتی فکر رکھتے ہیں، اور استدلال کا دلچسپ
انداز اور خاص پیرایہ بیان، اللہ تعالیٰ نے انہیں دو لعلت فرمایا ہے، یہ کتاب ان خوبیوں کی منظر ہے، زبان، بیان، طرز نگارش اور اسلوب تحسید
ہر چیز اپنی جگہ خوب سے خوب تر، بلکہ معیاری :

مغرب کے تصور کی جمہوریت اور اسلام کی جمہوری خلافت کا ترقی پسند نظریہ میں کسی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔
"مغربی تصور کی جمہوریت عوامی حاکمیت کے اصول پر قائم ہوئی ہے اور اس کے برعکس اسلام کی جمہوری خلافت میں
عوام خدا کی حاکمیت تسلیم کر کے اپنے اختیارات برضا و طاعت قانون خداوندی کے حدود میں محدود کر لیتے ہیں۔"

(ص ۳۶)

طن صفر ۱۰ پر تہمت نگاہ سے گناہ ہمارے ذہن میں کھنگ پیدا ہوئی، تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ دلی میں تہمت بھی بولا جاتا تھا۔ اس لحاظ
سے یہ الفاظ طے تو نہیں ہے، مگر اسی میں دلی سے تہمت کا چہن ہے، دلی دے بھی اب تہمت ہی بولتے اور لکھتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی اور
دوسرے ارباب کرام اہل قلم کی تحسیدوں میں تہمت ہی ملتا ہے!

۱۔

وہ دینی اسلام جمہوریت کے اس اصول میں ڈیپر کر لیں گے متفق ہے کہ حکومت کا بننا اور بدلنا اور چلایا جانا، بالکل عوام کی دانے سے ہونا چاہئے، لیکن اس میں عوام مطلق العنان نہیں ہوتے کہ سیاست کا قانون، اس کے اصول و ضوابط، اس کی داخلی و خارجی سیاست، اس کے وسائل و ذرائع، سب ان کی خواہشات کے تابع ہوں اور ہر جہرہ و ہر دھڑ ہوں، یہ ساری چیزیں بھی اسی طرف مڑ جائیں، بلکہ اس میں خدا اور رسول کا بالاتر قانون اپنے اصول و حدود اور اخلاقی احکام و ہدایت سے عوام کی خواہشات پر مضبوطی قائم رکھنا ہے اور سیاست ایک ایسے تین راستے پر چلتی ہے جس کے بدل دینے کے اختیارات نہ اس کی مشعل کو حاصل ہوتے ہیں، نہ عدلیہ کو، نہ مقننہ کو، نہ مجریہ کو، نہ عوام کو، اگلیہ کلام (۵۳ ص)

یہ ریاست محض پولیس کے فرائض انجام دینے کے لئے نہیں ہے کہ اس کا کام صرف نظم و ضبط قائم کرنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنا ہو، بلکہ یہ ایک مقصد کی سیاست ہے، مجھے ایجابی طور پر اجتماعی عدل اور جلیانوں کے فروغ اور برائیوں کے استیصال کے لئے کام کرنا ہے۔ (۵۶ ص)

۲۔

”فرد اور سیاست کے درمیان اس نظام میں ایسا قانون قائم کیا گیا ہے کہ نہ سیاست قضا و مطلق اور ہمہ گیر اقتدار کی ملک بن کر فساد کو بے بس مددک بنا سکتی ہے، اور نہ فرد بے قید و آبدی یا کر خود سراجی نظام کا دشمن بن سکتا ہے۔“ (۵۷ ص)

حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کی جہنگی تدبیر اور مسئلہ حکیم

ما نذا ابن کثیر و حضرت عمرو بن العاص کے اس قصہ کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ انہوں نے اس حالت میں لوگوں کو بلا امام مجبڑ کرنا مناسب نہ سمجھا، کیونکہ اس وقت لوگ ہیں جو اختلاف برپا تھا، اس کو دیکھتے چمکتے انہیں غلطو تھا کہ ایسا کرنا طریق و نوعین فساد کا موجب ہوگا، اس لئے انہوں نے مصلحت کی بنا پر حضرت معاویہ کو برقرار رکھا، اور اجتہاد صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔ لیکن جو اوصاف پسند آدمی بھی نیرول پر قرآن اٹھانے کی تجویز سے بے گار اس وقت تک کی مدد اور پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اجتہاد تھا بلا شبہ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الاحترام ہیں اور بڑا اظہار کرتا ہے، وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری خدمات پر پانی پیر دیتا ہے اور ان کے مرتبہ کو بھول کر گالیاں دینے پر آمادہ ہے، اگر یہی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو، تو ہم جس صحابیت کی رعایت سے اس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں، بڑے لوگوں کے غلط کام اگر ان کی بڑائی کے سبب اجتہاد بن جائیں تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے اجتہادات سے مددک سکتے ہیں؟

اجتہاد کے موضوع ہی یہ ہیں کہ امر حق معلوم کرنے کے لئے ادھکا اپنی انتہائی حدود تک کوشش کرے، اس کوشش میں نادانستہ غلطی ہو جو جانتے تو حق معلوم کرنے کی کوشش بجائے خود اجماع کی مستحق ہے، لیکن جان بوجھ کر ایک سرچے کچھ مصلحت کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد نہیں ہو سکتا، درحقیقت اس طرح کے معاملات میں غلط نظر ملے

دعویٰ ہی یکساں اعتراض کے لائق ہیں، کوئی غلط کام محض شرفیو صحابیت کی وجہ سے مشروع نہیں ہو جاتا، بلکہ صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اندر زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، لیکن اس ہمدانے نفی کرنے والے کو لانا یہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہئے کہ غلط کو صرف غلط سمجھئے اور کہنے پر اکتفا کرنے اس سے آگے بڑھ کر صحابی کی ذات کو بہ حیثیت تجربی مطہون نہ کرنے لگئے، حضرت عمر بن العاص یقیناً بڑے مرتبہ کے بزرگ ہیں اللہ انہوں نے اسلام کی مٹی بہا خدشات انجام دیا ہیں البتہ ان سے یہ دو کام ایسے سرزد ہو گئے ہیں، جنہیں غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ (ص ۱۴۳-۱۴۴)

حضرت معاویہ کی امارت اور پیریدگی ولی عہد کی کے واقعہ کے اثرات ۱۔
 "خلفائے راشدین میں سے ہر ایک اسی قاعدے کے مطابق ہر سیراقتدار آیا تھا، ان میں سے کسی نے بھی خود خلافت لینے کی ہر آنے سے بھی کوشش نہیں کی بلکہ جب خلافت ان کو دی گئی تھی، تب انہوں نے اس کو لیا۔۔۔۔۔ ان کی خلافت وہی ہوئی خلافت تھی نہ کہ لی ہوئی خلافت !

"ملوکیت کا آغا تاسی قاعدے کی تبدیلی سے ہوا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس نوعیت کی خلافت نہ تھی کہ مسلمانوں کے خلیفہ بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں، اور اگر مسلمان الیا کرنے پر راضی نہ ہوتے تو وہ نہ بنتے، وہ پھر ملوکیت پر مبنی ہوتا چاہتے تھے انہوں نے پھر کہ خلافت صحابہ کی، مسلمانوں کے راضی ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہ تھا، کوئی نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا وہ خدا اپنے نعرے سے خلیفہ بنے اللہ جب وہ خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لئے بیعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اس وقت اگر ان سے بیعت نہ کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوتا کہ وہ اپنے حاکم کردہ منصب پر بیٹھ جاتے بلکہ اس کے معنی خونریزی و بد نظمی کے تھے، جسے اس اور نظم پر ترجیح نہیں دی جاسکتی تھی، اس لئے امام حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری کے بعد تمام صحابہ و تابعین اور مسلمانے امت نے ان کی بیعت پر اتفاق کیا اس کو عام الجہت" اس بنا پر قرار دیا کہ کم از کم ہمیں خانہ جنگی تو ختم ہوئی۔ (ص ۱۵۸)

اور

"اس طرح جس تغیر کی ابتدائی ہوئی تھی، نیپہ کی ولی عہد کی کے بعد وہ ایک مستحکم ہوا کہ موجودہ مدی میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے خلافت تک ایک دن کے لئے بھی اس میں تزلزل واقع نہ ہوا اس سے بڑی بیعت اصفا ندانی کی مودتی بادشاہت کا ایک مستقل سلسلہ چل پڑا اس کے بعد سے آج تک مسلمانوں کو اتنی بیعت کی طرف پلٹنے کا کوئی موقعہ نصیب نہ ہوا کہ لوگ مسلمانوں کے آزادانہ اور مکمل مشورے سے نہیں، بلکہ طاقت سے ہر اقتدار آتے ہی بیعت سے اقتدار حاصل ہونے کے بجائے اقتدار سے بیعت حاصل ہونے لگی۔ (ص ۱۵۹)

امارت بے مشاورت و انتخاب ۱۔

"یہاں یہ بحث غیر مستحق ہے کہ مسلمانوں کی آزادانہ مشاورت کے بغیر خود خلافت یا امارت نہ مستحکم ہوگی وہ اتنی طرح پر مستحکم ہو جاتی ہے یا نہیں اصل سوال یہ تھا کہ ہونے یا نہ ہونے کا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ اسلام میں منصب خلافت کا صحیح طریقہ آیا وہ ہے جس سے خلیفہ راشدین خلیفہ ہوتے، یا وہ جس سے حضرت امیر معاویہ انسان کے بعد کے لوگ خلیفہ بنے، ایک طریقہ کام کرنے کا وہ ہے جس کے مطابق اگر وہ کام کرنا چاہتے تو اسلام اسے ہمدانت کر لینے کی طرف

ہیں اس لئے تعین کر دے کہ اس کے شانے اہل ہنے کی کوشش کریں اس سے بھی زیادہ عقائد پریشانہ کر دے، پھر کہے گا وہ شخص جو ان دونوں کو ایک دوسرے میں سکھ دے اور دعویٰ کرے کہ اسلام میں یہ دونوں طریقہ یکساں جائز ہیں، حالانکہ ایک شخص جائز نہیں بلکہ عین مطلوب ہے، دوسرا اگر جائز ہے تو قابل ہدایت ہونے کی حیثیت سے ہے نہ کہ مطلوب اور پسندیدہ ہونے کی حیثیت سے۔ (ص ۱۱۰)

سلی اور قوی حیثیتوں کا نظم۔

”بنی آپ کی حکومت ابتدا ہی سے ایک عرب حکومت کا رنگ لئے ہوئے تھی، جس میں عرب مسل فنی کے ساتھ غیر عرب نو مسلموں کے ساری حقوق کا تصور قریب قریب مفقود تھا، اس میں اسلامی احکام کی عربی خلافت مذہبی کرتے ہوئے نو مسلموں پر جزیہ لگایا گیا، جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں، اس سے نہ صرف انعت اسلام میں شدید ٹکاوٹ پیدا ہوئی بلکہ عجمیوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ اسلامی فتوحات نے حاصل آن کو عربوں کا غلام بنا دیا ہے اسلام قبول کر کے بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔“ (ص ۱۵۰)

اور

”دوسرے سبب میں بادشاہی کا طرز ہی رہا جو بنی امیہ نے اختیار کیا تھا فرق صرف یہ ہوا کہ بنی امیہ کے لئے قسطنطنیہ کے نیمبرنہ تھے، تو بنی خلیفہ کے لئے ایران کے کسئی۔“ (ص ۱۶۵)

معتزلہ کے قول اور دلائل پر تنقید۔

”بعض معتزلہ اس سے آگے بڑھ کر یہ کہتے تھے کہ عجمی کو امام بنانا زیادہ بہتر ہے، بلکہ اگر مولیٰ (آنانہ) کو غلام کو بنایا جائے، تو یہ اور بھی اچھا ہے، کیونکہ امام کے حامی زیادہ نہ ہوں تو ظلم و جور کی صورت میں اسے ہٹانا زیادہ آسان ہو گا۔ گویا حکومت کے استحکام کی بہ نسبت انہیں زیادہ فکر احکامات کی تھی کہ حکمران کو غلام کہنے میں ہولت ہو (ص ۱۶۸)

امام ابو یوسف کا شاندار گمانہ۔

”مجھے پہلی چیز جو پوری کتاب (الخراجم) کو بغیر پڑھنے سے نمایاں طور پر سادگی کے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف خلیفہ کو بنی امیہ اور بنی عباس کی فیکر کا کسری مدایات سے ہٹا کر ہر سبب سے خلافت مائتہ کی مدایات کے استباح کی طرف لے جانا چاہتے ہیں انہوں نے اگرچہ کہیں یہ نہیں کہا ہے کہ وہ اپنے پیش رووں کی مدایات سمجھ دے، لیکن کسی جا۔ انہوں نے سوسے سے ستر بنی آپ تو دکن رخصت اور اعلیٰ الرشید کے باپ دادا کے طرز عمل اور فیصلوں کو بھی نظیر کی حیثیت سے پیش نہیں کیا ہے، ہر معاملہ میں وہ یا تو قرون دست سے استدلال کرتے ہیں یا پھر نظر لاتے ہیں تو انہیں کہہ عمر بن عثمان اور علی بن ابی طالب کے دور حکومت سے، اور بعد کے خلفاء میں سے اگر کسی کے اعمال کو انہوں نے نظیر بنایا ہے تو وہ المنصور، یا المہدی نہیں بلکہ بنی امیہ کے خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز میں اس کے خلاف معنی یہ تھا کہ سلطنت عباسیہ کا یہ آئین سلطنت مرتب کر تے تھے انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کے ڈھائی سال شش کر کے (حضرت علیؓ کی ذات سے لے کر) اور الرشید کے زمانہ تک تقریباً ۱۳۳ سال کی حکومت کے لیے سے سراج اور قنن کو نظر انداز کر دیا یہ کام اگر کسی حق گو فیکر نے محض دغظ و کینیت کے طبع بالکل بغیر سیرکاری حیثیت میں کیا ہوتا تو اس کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی، لیکن یہ دیکھتے ہوئے اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے کہ ایک عجمی جسٹس اور مذہبی قانون نے اپنی پوری سکاکی

حیثیت میں خلیفہ وقت کی سپرد کردہ ایک خدمت انجام دیتے ہوئے کیا ہے (ص ۲۸۵)

اور

”یہ خلاصہ ہے اُن اپنی تجاویز کا جو امام البریلوف نے آپ سے ملا پر پور پہلے ایک مطلق العنان فوائزہ کے سامنے اس کے ذمہ داران اور قاضی القضاۃ کی حیثیت سے پیش کی تھیں، مگر ان کو اسلامی ریاست کے خیال کی ضرورت اور خلافت راشدہ کے دستور الحسن اور خندان کے مستدام البریلیہ کی تعلیمات کے مقابلہ میں دیکھا جائے تو یہ اُن سے بہت کم نظر آتی ہیں، ان میں احتجاجی خلافت کے تصور کا شبہ تک نہیں ہے، ان میں خودی کے ذمہ سے حکومت کرنے کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے، یہ آپس سے بھی خالی ہیں کہ امام ظالم کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور مطلق اس کی ہمارے ہے کہ اس کی حکومت کی جگہ بہتر حکومت لانے کی کوشش کرے، اسی طرح دوسری متعدد حیثیات سے بھی یہ قبایزہ اصل اسلامی تصور کے مقابلہ میں بہت ناقص ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امام البریلوف کے تصور ریاست کی بحث بس اتنی ہی بنے، جتنی کتاب اخراج کی ان تجاویز میں باقی جا رہے اصلہ درحقیقت اس سے زیادہ کچھ نہ چاہتے تھے، جو انہوں نے اس کتاب میں بیان کر دیا ہے، بلکہ دراصل یہ وہ زیادہ سے زیادہ چیز تھیں جو ان کی ایک غلط فہمی کی حیثیت سے وہ سلطنت عباسیہ کے اُس دور میں تو قی کر سکتے تھے، ان کے پیش نظر بعض ایک ایسا خیالی نقطہ پیش کیا نہ تھا جو تصور کی حد تک ممکن ہو، مگر واقعی حالات میں اس کو جامہ تکس پہنانے کے امکانات نہ ہوں، اس کے علاوہ وہ ایک ایسی ایجنسی اسکیم مرتب کرنا چاہتے تھے جو اسلامی ریاست کے کم سے کم جو ہر مطلب کی حامل ہو اور اس کے ساتھ اسے ان حالات میں رہیں

بھی لیا جاسکتا ہے (ص ۲۹۰)

”کتاب اخراج“ پر کتنی ہی جگہ منصفانہ نظر انداز اس کے ساتھ امام البریلوف رحمۃ اللہ علیہ کے مرقفہ حسین ممانعت انسان کی نفی خدمات اعتراف راقی بھی حضرت امام البریلیہ علیہ الرحمۃ نے فقہ کی تدبیر کا جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اس پر ملانا اور مدنی کا تہو اور اداس کا تجزیہ خدا ہی جگہ علمی شہکار ہے!

مرزا محمد تقی اس کتاب کے بعض الجواب اُن کے رسالہ ترجمان القرآن میں بالفاظ طشاح ہوتے تھے، اس سلسلہ میں جو اعتراضات اور رسالات ان لکھ پڑنے ان میں سے متعدد رسالات اہل اعتراضات کے جوابات، ”مجموعہ کی صورت میں درج کر دئے گئے ہیں۔ مثلاً

”بعض حضرات اس معاملہ میں یہ نزاع قائم کلیہ پیش کرتے ہیں کہ ہم صحابہ کرامؓ کے پاس سے صرف وہی رسالات قبول کر رہے جو ان کی شان کے مطابق ہوں اور اُس بات کو مد کر دیں گے جس سے ان پر حرف آتا ہو، خواہ وہ کسی صحیح حدیث ہی میں وارد ہو رہی ہو، لیکن میں نہیں جانتا کہ حدیثیں اور فقہاء میں سے کس نے یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے اور کون سا محدث یا مفسر یا فقیہ ہے جس نے کبھی اس کی پیروی کی ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلا اور تحییر کا قاعدہ حدیث وفقہ اور تفسیر کی کتابوں میں بیان نہیں کیا گیا ہے؟ حالانکہ اس سے احادیث المؤمنین پر یہ الزام آتا ہے کہ انہوں نے نفع کے لئے حضرت کو تنگ کیا تھا، کیا واقعہ اٹلک میں بعض صحابہؓ کے طرٹ ہونے اور ان پر حد تنف جاری ہونے کا قصہ ان میں بیان نہیں کیا گیا ہے؟ حالانکہ اس قصہ کی شہادت میری کچھ ہے وہ ظاہر ہے۔

”پھر اگر واقعی یہ کہی کہی قاعدہ تھا تو حضرت عمرؓ نے حضرت خنیس بن شہبہؓ پر نہ ان کا الزام لگانے والوں سے شہادت طلب کر کے اس کی حکایت مذکور کی، کیونکہ اس قاعدہ کے گندے سے تو ایک صحابی کی طرف ان میں کس نہایت کچھ ہو

قبول تسلیم نہ تھی، کہا کہ اس پر فہادت طلب کی جاتی، بلکہ خود حضرت برادر اسی قاعدہ کا پریش فرما رہے ہیں، اس کی بڑی پابندی نہیں کرتے، اگر واقعی وہ اس کے قائل ہوتے تو انہیں کہا جاتے تھا، کہ جنگ جس انداز میں جیتنے سے کسی مینی پی نہیں آتی، پی کیونکہ صحابہ کرام کی شان اس سے بالاتر ہوئی چاہے کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں تلوار کے کشمکش پر جانیں

امان کے اہل اہل ایمان کی خوشنویسی ہو (ص ۳۰۵-۳۰۶)

تائیں عثمان کا معاملہ ۱۔

۱۔ میں نے شرعی احکام پر جتنا بھی غور کیا ہے، اس کی بنا پر میرے نزدیک خون عثمان نہ کاہل نہ لینے کی شرعاً ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ خلیفہ وقت کی خلافت کو ان کا لپی سے یہ مطالبہ کیا جاتا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلائیں اور جس میں کا جو حصہ بھی اس پریم عظیم میں تھا اس کو شہر و قتل کے ذریعہ سے جیتنے کے قاتل کے مقابلے میں اس کو مرزا دیں، دوسری طرف اس وقت کے حالات کا میں نے جس قدر بھی مطالعہ کیا ہے اس کی بنا پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ عثمان بیست نووی طریق کار اس کے بغیر اختیار نہیں کیا جاسکتا تھا کہ حضرت علیؓ نہ کے ساتھ سب لوگ تھا وہ دن کرتے، امان کو پرمان حالات میں کام کرنے کا موقع دیا جاتا، جیسا کہ تاریخی واقعات سے ثابت ہے، جو لوگ سازش کے عینہ پر چڑھتے تھے ان کی تعداد دھڑار کے قریب تھی، خود مدینہ میں بھی ایک تعداد ان کے عابروں کی موجود تھی، اور مصر و بصرہ اور کتبہ میں بھی ان کی پشت پر ایک ایک جھٹکا پایا جاتا تھا، اگر تمام اہل حق حضرت علیؓ نہ کے گرد جمع ہو جاتے امان سے تعداد نہ تے تو وہ ان جھوٹوں کو منتشر کرنے کے بعد ان پر ہاتھ ڈال سکتے تھے، لیکن جب کہ ایک طرف با اثر صحابہ کے ایک گروہ نے خیر جانب داری کی روش اختیار کی اور وہ دوسری طرف بصرہ اور دمشق میں طاقت و درجہ حضرت علیؓ نہ سے بڑے کے لئے جمع ہو گئیں تو ان کے لئے نہ ضروری کہ اس گروہ پر ہاتھ ڈالنا ممکن نہ رہا بلکہ وہ صحیح مجاہد ہو گئے کہ ان طاقت مندوں کے مقابلے میں جن لوگوں سے بھی مدد ملے سکتے تھے، ان سے مددیں اور ایک ہی لڑائی تائیں عثمان نہ کے جتنے سے نہ چھوڑ دیں :-

۲۔ میری اس رائے سے کسی کو اگر اختلاف ہے تو وہ مجھے بتائے کہ حضرت علیؓ نہ تائیں عثمان نہ کے اس مضبوط جھٹکے کو کس وقت پکڑتے؟ کیا خلافت سنبھالنے ہی تھا؟ یا جنگ جس کھانے میں یا جنگ جیتنے کے بعد اس زمانے میں جب کہ ایک طرف حضرت معاویہؓ ان کے مقابلے میں مملکت کے ایک ایک سرے کو توڑ لینے کی کوشش کر رہے تھے؟

اور دوسری طرف خارجہ ان کے خلاف صف آرا تھے؟ (ص ۳۴۲-۳۴۳)

حضرت سیدنا علیؓ کرم اللہ وجہہ کے موت کی مخالفت اور ان کے برسرِ حق ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ نے یہ بھی لکھا ہے :-

”مگر صرف ایک ناگ اور اشتراک دھمیں ابی بلکہ گورنری کا چھوہ وچنے کا نص ایسا تھا جس کو کسی تادیب سے بھی

حق بجانب قرار دینے کی گنجائش تھی نہ مل سکی، اسی بنا پر میں نے اس کی مخالفت سے مودودیؒ کو غور کی ہے (ص ۳۴۸)

مولانا مودودیؒ نے چند جہوں میں محمود عباسی صاحب کی دلیروں کے سرانجام قتل کو ڈھایا ہے، فرماتے ہیں :-

”اس بحث سے پہلے شرعی پوزیشن کس کو سامنے آجاتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت

اور ان کے خالین کے معاملہ میں اہل السنۃ کا مسلک کیا ہے؟ اب یہ دعویٰ کرنے کے لئے سکاہ کی بہت

بڑی مقدار دکھانے پر کہ حضرت علیؓ کی خلافت مشکوک و مشتبہ تھی، امان کے مقابلے میں تو اسٹانٹانے کے لئے

شرعی جواز کی کوئی گنجائش موجود تھی، خصوصاً ان لوگوں پر تو مجھے سخت حیرت ہے، جنہیں ایک طرف، یزید کی

خلافت کو صحیح اہل حضرت حسینؑ نہ کو برسرِ غلط ٹھیلانے پر تو بڑا اصرار ہے! مگر دوسری طرف وہ حضرت معاویہؓ کے حق میں معذرت پیش کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا نندہ لگاتے ہیں، حالانکہ جن دلائل سے یہ پید کی خلافت صحیح ثابت کی جاتی ہے ان کی بہ نسبت ہزار گنے نیا وہ قوی دلائل سے حضرت علیؓ کی خلافت قطعی صحت کے ساتھ قائم ہوئی تھی، اہل جن حضرات نے بھی خونِ عثمانؓ نہ کا بدلہ لینے کے لئے ان کے خلاف تلواریں اٹھائی، ان کے اس فعل کے حق میں کوئی شرعی دلیل نہیں پیش کی جاسکتی، خدا کی فرمائیت بے لاگ ہے اس میں یہ گنہگار نہیں ہے کہ کسی کے مرتبے کا لحاظ کر کے ہم غلط کو صحیح بنانے کی کوشش کریں (ص ۲۲-۲۳-۲۴) عربی سے اردو ترجمہ اور فاضلِ عنایت کی تقریر کا ایک نمونہ۔

● ”وہی بھی عراق کے باشندے ساہن سال سے بنی امیہ کے ظلم کو ہم بہتہ بہتہ تنگ آچکے تھے اور اُنھنے کے لئے سہماں چاہتے تھے، علوی خاندان کی ایک صالح، عالم، فقیہ شخصیت کا میسر آجانا، انہیں غنیمت محسوس ہوا، ان لوگوں نے نیکو کہ یقین دلایا کہ گوذ میں ایک لاکھ آدمی آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں، اور اہلِ آزاد میوں نے محبت کر کے باقاعدہ اپنے نام بھی ان کے عیوض میں درج کر دیا ہے! اس اثناء میں کہ خود ج کی یہ تیئیسواں اہلِ ہند ہمدی تھیں، اموی گورنر کو ان کی اطلاع پہنچ گئی، زید نے یہ دیکھ کر کہ حکومت خراب ہو گئی ہے، صفر ۱۲۲ ہجری میں قبل از وقت خروج کر دیا، جب تصادم کا موقع آیا تو کوستہ کے شجاع بن علیؓ ان کا ساتھ چھوڑ گئے، جنگ کے وقت صرف ۲۱۸ آدمی ان کے ساتھ تھے، ولسانِ جنگ میں اچانک ایک تیر سے دو گھاتن ہوئے جس نے انسان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا“ (الطبری)

● ”فرمانِ رعایا میں اتنا تحمل ہونا چاہئے کہ وہ حق بات کہے، اُس کے سزاوارتہ بدداشت ہونے سے بڑھ کر فرد سال کوئی چیز نہیں“ (ص ۲۸۹)

یہ کتاب اطراح کی ایک عبارت کا ترجمہ ہے اس میں ”بدداشت“ مولانا مودودی کی بنائی ہوئی کتنی حسین اور قابلِ تہلیل ترکیب ہے۔

”خلافت و ملکیت اس صدی کی عظیم کتاب ہے اس کی مقبولیت کی انتہا یہ ہے کہ دوسرا دوہینہ میں چار ہزار کی چار ہزار جلدیں فروخت ہو گئیں، اسباب دوسرے ایڈیشن کی سنا ہے کہ تیار کیا، ہو رہی ہیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ مولانا مودودی کے قلم سے جو کچھ بھی نکل جاتا ہے وہ سراسر حق ہی ہوتا ہے، ان کے قلم سے بھول چوک بھی ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے! مولانا موصوف کی اس کتاب پر بھی تنقید کا ہر شخص کو حق حاصل ہے کوئی چاہے تو حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے اضطرابات کی ملاحظت بھی کر سکتا ہے، اگر اس قسم کی الزام تراشی عدل و انصاف کے معروف اصول کے خلاف ہے کہ مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ کی شان میں مدعا قائم گستاخی کی ہے، اور صاحب کی تنقیص اور ذلیلانہ جیسے ان کا شعاس ہے اور وہ نفسِ پاکہ کفر و امار کے نمائندے ہیں اور شخصِ اخوت کے محاسبہ سے بالکل بے ہوا ہے، جو مولانا مودودی کو اس انداز میں مطعون کرتا ہے! مولانا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نیت کے بارے میں کسی اشتباہ تک کا اظہار نہیں کیا! انہوں نے اس کتاب میں جو باتیں کہی ہیں، ”تقریب قریب وہی باتیں بعض دوسرے مسلم مفکرین، اسباب قلم اسبابِ علم نے بھی کہی ہیں! (ام رائف) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اضطرابات رونما ہوئے تھے۔

(ب) آپ کے ہمد میں بنو امیہ کو خلیفہ حاصل ہو گیا تھا۔

(ج) آپ سے بددی نیک ختی کے ساتھ ایک مدعا جہاد میں غلطی ہو گئی تھی۔

دوم حضراتِ یقین کے دیرِ خلافت کے مقابلہ میں خلافتِ مجدد عثمان کے کل پہنچل میں ڈھیل پیدا ہو گئی تھی۔

۱۲) جس وقت میں حق حضرت علیؓ کو ملامت دہ کے ساتھ تھا۔

۱۳) حضرت معاویہؓ خلافتِ راشدہ کے باغی امیر تھے۔

۱۴) حضرت معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنا کر خلافت کو ملکیت کی ماہ پر ڈال دیا۔

۱۵) خود اپنی اندیشہ کی ولی عہد کی بیعت کے بارے میں امیر معاویہ کا معاملہ خاصہ مگد نظر آتا ہے۔

۱۶) حضرت مغیرہ بن شعبہ نے امیر معاویہ کو یزید کی ولی عہد کی کاروشدہ دیا تھا وہ صاحب نہ تھا۔

۱۷) جنگ میں قرآن کا زیور پاٹنا اساتذہِ حکیم — ان میں حضرت عمرو بن العاص کی غلطیوں کی ممانعت نہیں کی جاسکتی۔

۱۸) مروان نا پسندیدہ کردار کا حال جس کے سبب امت میں فتنے پیدا ہوئے !

۱۹) حضرت عیینہ رضی اللہ عنہ کی شہادت حق کی شہادت تھی، اُن کے قاتل بلاشبہ ظالم تھے، حضرت عیینہؓ کا دل سے عجب سمجھنا محبتِ نبوی کا تقاضا ہے !

۱۰) یزید تاریخِ اسلام کی مکرمہ الامسوخ شخصیت ہے، حضرت عیینہؓ سے محبت اور پیروی کی ذات سے لگاؤ اور خوش گمانی رحمتِ ناک تقاضا وہ ناقابلِ تنہم العجب ہے ! جس شخص کے پاس میں اکابر ملت کے دنیائے نواح رہی ہو کراس پرہیزگاری کی جائے یا نہ کی جائے، اور ایک دو آدمہ نے جس سے مکفر تک منسوب کیا ہو اس کی ممانعت فادلب اور نا صہیت نہیں تو ادا کیا ہے۔

جن حقائق کا ادبِ اظہار کیا گیا ہے اُن سے "رفض و خارجیت" یا "تقصیص صحابہ" کی نہایت دست نہیں بہت اہل سنت والجماعت کے اکابر علماء کی تحسیر یوں ہی کا یہ سلاخ ہے، جو ہم نے سطحِ بالا میں پیش کیا ہے۔ "رفض و خارجیت" معاملہ کرام کی رخاک بدین گستاخ، تکفیر، تضییق اور تعسین ہے ! جن صحابہ سے غلطیاں ہوئی ہیں چاہے ان میں سے ایک آدمہ صحابی کی ہوائے نفس بھی تار ہو تو ان غلطیوں کے باوجود وہ صحابیت کے شرف سے ممتاز ہیں۔ اہل ایمان میں ان کے دوسرے اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں کا کفارہ بنا دے گا (رضی اللہ عنہم ورضوانہ) ان غلطیوں کا اظہار اسلام پر نقد و مرجہ نہ نہیں بھادہ خارجیت اور مذمت و صہیت ہے۔

اس حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے نہ اس کی مردہ پڑی کی جاسکتی ہے کہ اسلامی تاریخ میں نظامِ خلافت، نظامِ ملکیت سے بدلا ہے ! کس طرح بدلا ہے ! مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اس تبدیلی کے محرکات اور اسباب بحث کی ہے، اس موضوع پر اُن کی یہ کتاب بڑے محرکہ کی کتاب ہے اس قسم کے واقعات سے اللہ تعالیٰ کی تعجب کا عقیدہ مبرک رہتا ہے ! یہ عقیقہ جو گھڑ لیا گیا ہے کہ اہلِ اہلِ اللہ کو علمِ غیب ہے وہ دلوں کے حالات جانتے ہیں اور تمام کائنات اُن کے سامنے متجلی کی طرح روشن ہے اور کائنات میں ہر قسم کے تصرف کا انہیں حق حاصل ہے، وہ مشکل کشا، دانا اور فرما دہ ہیں اور اُن سے بالکل محفوظ ہیں۔ صحابہ کرام کے ساتھ جو یہ حالات پیش آئے ہیں وہ اس قسم کے غلط عقائد کی نفی اور تردید کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے آگے ہر کوئی مجبور ہے اور ہر تار و پیر جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ! اللہ تعالیٰ ہی مسیح الدعا، حلالِ شکلات، اور عالمِ الغیب ہے، صہیت کے وقت اسی سے فرما دہ کرنی چاہئے کہ کب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، انہی کرام تک کو کسی کیسی مشکلیں پیش آتی ہیں اور انہوں نے اس عالم میں اللہ تعالیٰ کو پکارا ہے ! ان اللہ علی کل شیء قدیر، نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

سے - اسلام تو فرہد جہا بلند چیز ہے، یزید میں اگر ان کی شرافت کی بھی کوئی رقی ہوئی، تو وہ سچا نفع نگر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے پردے خاندان پر کیا احسان کیا تھا اور اُس کی حکومت نے اُن کے لڑکے کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ (ابوالاعلیٰ مودودی)

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی، ضخامت ۲۰ صفحات، قیمت ایک روپیہ ۷۰ پیسے،
 طبع لاہور، مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء (کراچی)،
 (دوسرا دور)

البرقعة الراشدة

یہ کتاب مسلمانوں کی مشہور عالم و ادیب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف ہے، جو دلائل اسلامیہ کے طلباء کے لئے
 مرتب کی گئی ہے، مقصد تالیف اس موضوع پر ترتیب عربی زبان کی تعلیم کے ساتھ دلی و دماغ کی دینی تربیت اور اخلاقی تہذیب و ترقی میں بھی ہے، چند
 اسباق کے نام درج ذیل ہیں:۔

الحیثیۃ الی الشہادۃ ————— عید الاضحیٰ ————— رسالت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ————— فتح الاسلام —————
 الخلیفۃ عمر بن عبدالعزیز؟ ————— بحیاطۃ المرضی !

جو مضامین خالص صوفیاتی انداز میں پیش کیے گئے ہیں، ان میں بھی وہ دہائی
 اثبات ملتا ہے، مسلمان بادشاہوں کے قصوں میں بھی عدل و عدالتی اور انسانیت و حق کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، عربی نظموں کا انتخاب بھی خوب ہے
 خود ناض مولف کے لکھے ہوئے "اسباق" ادب و دانش کا اعلیٰ نمونہ ہیں!

پیارے رسول کیسے تھے؟ از: مائی قریب آبادی، ضخامت ۸۰ صفحات، دس روپیہ، قیمت ایک روپیہ ۷۰ پیسے،
 طبع لاہور، مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء (کراچی)،
 (دوسرا دور)

اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے حالات آسان زبان میں طلباء اور طالبات کے لئے لکھے گئے ہیں، آغاز
 تحریر بچوں کی نفیات کے مطابق ہے، اس کے مطالعہ سے ذہن، فکر اور دل و دماغ کا تزکیہ ہوتا ہے، ادب بچوں میں یہ احساس اور شعور ابھرتا ہے کہ
 مسلمان کی معاشرت کیسی ہونی چاہئے، اور بدینے سہنے، بات کرنے اور اٹھنے بیٹھنے میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، یہ کتاب اتباع رسول کی تعلیم
 دیتی ہے اور

یہ مصلحتیں ہر ماں کو پیش را کہ دیں ہمہ اوست

کی مبلغ اور معلوم ہے۔

از: اسماعیل دہلوی، ضخامت ۱۹ صفحات، دس روپیہ، قیمت ایک روپیہ ۷۰ پیسے،
 طبع لاہور، مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء (کراچی)،
 (دوسرا دور)

مخلوط تعلیم

اسلامی جمعیۃ طلباء و طالبات بریک، سنی تحریک، اسلام پسند طبقوں کی تائید و معاونت کی مستحق ہے کہ وہ مسلمان طلباء و طالبات کی اخلاقی احساس
 اور دینی شعور بیدار کر کے جدوجہد کر رہے ہیں، اس مصیبت پسندہ فتنہ میں نوجوانوں کا اخلاق و تقویٰ اور نیکی کی تحریک کرنا، انھیں کتنی بڑی سعادت
 کی تلقین ہے۔ تحسید و نفس پر اور خود اپنی عملی زندگی سے نوجوانوں کی پرکیزہ جماعت پاکستان میں تبلیغ حق کا فرض انجام دے رہی ہے۔
 اس کتاب میں علمی و دینیوں کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ مخلوط تعلیم اخلاق و پاکیزگی کے نقطہ نگاہ سے نہیں بلکہ خود تعلیمی
 مقاصد کے اعتبار سے بھی ناقص و مغرور دماغ اور بے نتائج کی حامل ہے۔ ————— چند اقتباسات —————

• "لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ جس طرح زندگی کے مراعات میں، ان کی رنج پر حرکت جاری رہی

ملے، سترہویں تو کتبے ۱۱۱۱ شہر دہلی، تربلہ اندازہ کچھ دلی کی طرح نہیں کھاتے جاتے سترہویں جاتے ہیں، سترہویں استعمال فرماتے کھنٹا تھا ————— کہ دوا
 جیسے اصل لفظ ————— جیسے ہے کہ کتاب میں ایک لفظ زیادہ لگ گیا۔

جس رُخ بہا نگین بہا نہ ڈال گئے تھے، اس کا طرح تعلیم کے فائدے میں بھی ٹھیک اس طرز اساس پہنچ بہ ترقی ہرق رہی، جس پہ انگینہ خود یہاں ہوتے تو کرتے؟

● اس مسئلہ سے جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ مخلوط تعلیم کا نظریہ معاشرہ کے سنجیدہ طبقہ کے لئے کبھی قابل قبول نہ تھا۔

● یہاں سے طبقہ بالا میں، جہاں غلو طہ تعلیم کے اثرات خدا مکمل کر سامنے آ گئے ہیں، و اخلاقی میاں کی گواہی ہیں انہا کو پہنچ گئی ہے، وہ کوئی دھکی بھی بات ہیں ہے۔

● ”فائز کو برٹ ہرگز نہ کا امان نہ یہ ہے کہ پڑے غلط کالجوں میں یا ان کے کالج سے قریب طاق لڑکیوں کے علیحدہ کالج میں اتنی ہی عدد لڑکیاں کالج کی تعلیم ختم ہونے سے پہلے خاص تجربات کر چکی ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ قبل

۲۰ فیصدی شادی کر لیتی ہیں، ۲۲ فیصدی اس طے کر لیتی ہیں اور ۱۶ فیصدی کے ناجائز بچے ہوتے ہیں۔

● مخلوط تعلیم نہ صرف یہ کہ عالمی زندگی کو خوش گوار بناتی ہے بلکہ مثبت طور پر اسے ناقص گوار بنانے کا کام انجام دیتی ہے۔

● — جن ممالک نے غلط تعلیم کو اختیار کیا ہے مثلاً روس، امریکہ، انگلستان، اسکاٹ لینڈ، انڈیا وغیرہ لیپ کے مختلف ممالک وہاں ملاقاتی اور جھگڑوں کی جہاز ہے، اگر غلط تعلیم عالی زندگی میں خوش گواہی پیدا کرنے کا

بھی اس صورت حال سے پریشان ہیں۔

انٹرنس ہے پاکستان میں جو اسلام کی بنیاد پر اور اسلام کے لئے وجود میں آیا ہے، یورپ کی اس اخلاقی تباہی سے کوئی عبرت حاصل نہیں

کی گئی! ادیبان بھی مغرب کی طرح غلو طعین کی برائیاں، مایہ پانی جا رہے ہیں! نہ جانے ہاگن کے افق پر بریں و اخلاق کا سورج کب طلوع ہوگا!

از: سلطان حسینی، صفحات ۱۲۸، (مجلد سرحد انتہائی دیدہ زیب اندوش خلقی کا اعلیٰ نمونہ) قیمت ۳۰ روپے

ذوقِ جمال لئے کاغذہ -۱- مکتبہ جامعہ نگر، نقی دہلی۔

جناب عزت و جنتی جغرافیہ افسانہ کے اہم۔ اے ایں، جامعہ فیہ اسلامیہ میں افسانہ کے نیکوکار ہیں، تین سال کی عمر میں علم و ادب افسانہ عروض و فن میں بہت کچھ ریاض کر چکے ہیں، شعر و ادب سے فطری مابست ہے اور اس جہان میں ان کے کلام میں جوش و آہنگ ملتی ہے جی جی ہے وہ ان کے شاندار مستقبل کی آئینہ دار ہے۔

عزیزانِ حشرتی کی عزتوں میں شام کی گون گون خیریاں ملتی ہیں، کیفِ وقت کے ساتھ سمند و موج بھی اور ساتھ ہی لطیفِ بریں بھی! فن کا کتاب انہوں نے جنابِ ابراہیم گزوری سے کہہ کر گزشتہ گزشتہ کے کلام میں شاعری کا جو چٹخارہ پایا جاتا ہے، وہ اس کے کلام میں بس واضح سا نظر آتا ہے! یہ وہ سعادت ہے جو زندہ بانوں سے حاصل نہیں ہوتی۔

ۛ تانہ بخشد خدا ئے بخشندہ

اپنے اس مجروح کلام پر میری غزل کے عنوان سے شاعر نے خود مختصراً ویسا چہ لکھا ہے اور پندرہ سو محبوب صاحب سے اس کتاب کو منسوب کیا ہے — منتخب اشعار —

عشق پھر عشق ہے آشفتنہ سری مانگے ہے
ہوش کے دود میں بھی جامہ دہی مانگے ہے
مائے آغازِ محبت میں وہ خوابوں کا نظم
زندگی پھر وہی آئینہ گری مانگے ہے
میں وہ آسودہ جلوہ ہوں کہ تیری خاطر
ہر کوئی مجھ سے مری خوش نظری مانگے ہے
دیوانوں کا بھیں بنالیں یا صرف شہزادوں کی

دود سے پیچانی جاتی ہے، شکل ترے ہر بادوں کی
یوں مجھے ناز سے دیکھا اُس نے
ماہ مد کے ہوئے اک مدت سے
ہر ادا داوطلب ہو جیسے
اس طرح مل کے جھکی ان کی نظر
کوئی دکھ شیزہ کھڑی ہو جیسے
اُن یہ تنہائی دل کا عالم
سجدہ سہر کیا ہو جیسے
اپنی زلفیں سر سے شان فل پہ بکھر جانے دو
زندگی ایک خلا ہو جیسے
لاکھوں سلام شوقی رفتار پر گھر
دو گھڑی گدیش دہان کو ٹھہر جانے دو
چلنا سکھا دیا ہے نسیم بہار کو
تیری نسبت سے طا ہے مجھے یہ فوقی جمال
مسلاتی ہوتی ہر چیز غزل ہو جیسے
بھجا چکا ہوں ترے انتظار کی تمہیں
کھلا ہوا ہے مگر تامل ہی سے دہانہ
نکلتا بھی قربان، سادگی بھی نثار
یہ تیرا بھول سا چہرہ یہ فدا سا خانہ
ابھی کم کم ہے ترے قرب کی خوشوائے دست
زندگی ادھنک جائے تو کچھ شعر کہوں
اپنی نگاہ میں بھی سبک ہو کر آتھیں
اچھا ہوا کہ تم نے نظریے گر دیا
آدھی توجہ سے کام لے تو دنیا میں
دل کی ایک دھڑکن سے سو جام ملتے ہیں
کچھ اس ادا سے میں نے کیا اُس کا تذکرہ
کتنے ہی خوش جہال کے چہرے اتر گئے
ابھی سے بخش دے غم یہ کیا کیا تم نے
ابھی تو دل مرنا آستہ نغلا بھی نہیں
ابھی تو رہے دیکھی ہے زندگی میں نے
ہر بار یہ رہ رہ کے ہوتا ہے کمال مجھ کو
بہت قریب دیکھی ہے زندگی میں نے
یہ بات الگ ٹھیکر اب ہم کو نہ پیچانیں
شاید ترے بعد ان کو دیکھا تھا کہیں پہلے
میں مگر اُن کی آئے تھے ہمیں پہلے
تم حاصل دیں آخر غایت کو دیں پہلے
و حش کاتھرف ہے کھوئے گلستان تک
اپنا اپنا فوقی نظر رہے
ان کے جلوے عام ہیں لیکن

مجھے یہ قہر مین رنگ و نگہت نہیں گوارا نہ بھول ساقی
خزاں کسبہ میں غنچہ دگل بہار بہ ہیں بیل ساقی

نہیں غلط فہمی نہال یہ سب مددگی ہے ہانہاں کی
 کسی کے دامن میں صرف کانٹے کسی کے دامن میں بھول ساقی
 اے دلِ غم طلب! ضبطِ غماں کا ہے میں
 آن کی بلبل پر نہ مٹتے ہوئے تامل کو بھی دیکھ
 چنے تکیں غمِ اظہار غمِ ہم کر تو سکتے ہیں
 مگر آن کی لگا ہوں کو پشیمان کون دیکھے گا
 دکھا سکا ہوں دل کے داغ بھر یہ سوچ کر چپ پھل
 تڑا ایک رخِ تعویذ آن کون دیکھے گا
 یہ حادثہ بھی مقدّر خاکستان کے لئے
 کھلے ہیں بھول، مگر رسمِ بہا نہیں
 آفا زحمت میں ہیں ضروری نگہات
 کچھ اجنبی سے آپ ہیں کچھ اجنبی سے ہم
 انہیں جس طرح جی چاہے پکارو
 محبت کی نہاں کوئی نہیں ہے

اور یہ شعر

میری قربانیِ عشق کی داد دے تیری خاطر تجھے بھول جانا پڑا

اپنی جگہ ایک ممکن نظم ہے، "قربانیِ عشق" نئی ترکیب ادب احمد نواز بیانی !

دستِ راز -

جب زلفِ شہریر ہونگئی ہے خدا اپنی اسیر ہونگئی ہے (ص ۱۳)
 مفہوم پوری طرح واضح نہ ہو سکا، کسی قدیم استاد نے کہا ہے -

الجوا ہے پاؤں یار کا زلفِ دمازیں
 لڑا ج اپنے دام میں صیاد آگیا

اس شعر میں مفہوم واضح ہے -

آنسو جیسے بادِ رنگیں، دھڑکن جیسے رقصِ پری

آتے! یہ تیرے غم کی جلالت رہتا ہوں خوش کام بہت (ص ۱۵)

شعر میں ضرورت سے زیادہ تکلف پایا جاتا ہے، سب سے زیادہ جو بات کشمکش ہے وہ دل کی دھڑکن کی رقصِ پری سے تشبیہ ہے -

آٹ یہ اندازِ شکست اماں شایع محض ٹوٹ پڑی ہو جیسے (ص ۱۶)

"شکستِ اماں" کی ترکیب محض غلط ہے -

محض نازیں یوں بھول لئے آیا ہوں آج اظہارِ محبت کا محل ہو جیسے (ص ۱۷)

شایدنا شعر یہ کہا جاتا ہے کہ آج میں جو ات کے بھول محبوب کی خدمت میں پیش کر دوں گا، اس طرح محبت کا اظہار ہو جائے گا - مگر یہ اندازِ شکستِ دیاں !

اُس کی بے مدنی میں بھی ایک ربط نہ پایا ہے خب جانتا ہوں میں اُس کے دل کی گہرائی (ص ۱۹)

ہر اعتبار سے کمزور شعرا - "اُس کے دل کی گہرائی جانتا ہوں" اس نے شعر کو ادنیٰ مدد سہی بلکہ بہت بنا دیا -

آنکھوں میں آنکھ آجانے سے کچھ دل کو سکول ہو جاتا ہے وہ ساعہ اگر جب میرے سر گرم تکلم ہوتے ہیں (ص ۲۲)

مصرعہ ثانی میں کوئی معلق نہیں، پھر یہ بات بھی عجیب سی لگتی ہے کہ عاشق کی آنکھیں اسی وقت انکبار ہوتی ہیں جب محبوب اُس کے رویہ و کردار تکلم ہوتا ہے !

مے شام انتظار اتر گیا خیال ہے یاد کی چاندنی کو گفن کہ رہا ہوں میں (دس ۱۱۳)
یاد کی چاندنی — پھر اس کو "گفن" کہنا، آخر یہ بات کیا ہوتی؟ یہ جو نام نہاد "ترقی پسند شاعری" کی عام وبا پھیلی ہوئی ہے، اس شعر پر اس کی بھست شاعر کو لگ گئی!

سفوفی جہاں! اس قابل ہے کہ ہر حلقہ میں اس کی پذیرائی کی جائے، جناب عنوان "مختصر" کے ہنگ میں انفرادیت پیدا ہو چکی ہے، اس کتاب کا اس سے ان کی شاعری کا شاید مستقبل جھک دکھلا رہا ہے!

انہ — مالک دایم — اے صفحہ ۲۹ صفحات،
(کتابچہ پر نہ تو قیمت درج ہے، اور نہ لٹنے کا پتہ)

خطبہ صدارت

آل انڈیا اورینٹل کانفرنس ماہ اکتوبر ۱۹۶۶ء میں اس مرتبہ علی گڑھ میں منعقد ہوئی تھی، جس کے مشہور اردو کی صدارت کے فرائض جہاں مالک نام نے انجام دئے، ان کا خطبہ نہایت ہی دیدہ زیب شکل میں شائع ہوا ہے،

اس خطبہ کا موضوع — اردو کی ترقی — ہے اور کوئی شک نہیں اپنے موضوع پر یہ ایک محققانہ مقالہ ہے، فاضل معمران لگا رہے اور ادراک بڑی دیدہ دلی کے ساتھ جاتہ رہا ہے، یہ مقالہ لکھنے والے کی وسعت مطالعہ کی شہادت دیتا ہے یہ ایک عالمانہ خطبہ ہے جس کے مطالعہ سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور ترقی و ترقی کے نئے گوشے نگاہ کے سامنے آتے ہیں!

بعض اکابر اہل قلم پر مقالہ نگار کی تنقید کشکی، یہ اس خطبہ کا گمراہ چرچہ ہے، مجموعی طور پر یہ خطبہ پڑھنے اور غور کرنے کی چیز ہے۔

انہ — سہیل اختر، صفحہ ۱۳۰، ۱۳۱ صفحات، دجلہ، رنگین گورڈ پکشن، قیمت چار روپے
صلیب درو — لٹنے کا پتہ — پیراڈائنٹ پریز کاننر، ڈیہہ نانکی خاں

جناب سہیل اختر جو اس کتاب میں فارسی اور اردو کے ایچ۔ ایم۔ اے ہیں، ان کی کتاب میں جو بک کر منظر عام پر آ چکی ہیں، نظم کے علاوہ نوکثر نثر بھی لکھتے ہیں، ان کا مجموعہ کلام — صلیب درو — ہمارے سامنے ہے، جس میں "نثر" اور "شعر" کا حصہ ہے، مقدمہ تحریر فرمایا ہے! سہیل صاحب نے اپنے مجموعہ کا "انتاب" —

"سمند پر تھیں کرتی ہوں ان نمونہ ہوں کے نام دیکھا ہے"

جن ہیں

سوائے کھاری پانی کے اندر کچھ نہیں ہوتا

اس "انتاب" میں حدت تو ہے مگر اس کی "اشارت" سمجھ نہیں آتی، "انتاب" لکھی ایسی شخصیت یا شے سے ہونا چاہیے جس میں عظمت و محبوبیت اور بڑے پن کی کوئی جھلک پائی جاتی ہو، اگر یہی روحیں بڑی تو بہتر اور اسادیب اپنی تخلیقات کو اینٹ پتھروں لگا کر جس بھولس اور خادرض سے منسوب کیا کریں گے۔ سہیل اختر کے کلام میں شدت اس کے ساتھ "نیان" پایا جاتا ہے ان کی محبت و مہمی آج نہیں، شعلہ جوار کی مانند ہے، غم و دردا کی ساقط غم جہان کے امتزاج نے ان کی شاعری کو وقائع بنا دیا ہے، ہمیں اس کتاب کے شعور نگار کی اس بات سے اتفاق ہے —

"سہیل اختر کی غزلیں میں مجھے مستقبل کے اہم ترین غزلوں کے ابتدائی آثار نظر آتے ہیں۔"

"صلیب درو کے منتخب اشعار۔"

نودیہ جو بادِ مخالف کی جھلے ہوں برسیوں

پھر بھی اے دوست، تجھ کو پیار کیا

ہر گئے گل تھے انہی کی ہمارے وہ دیتے

جاننے تھے مالِ الفت کا

مے پرستی نہ چھٹ سکی ہم سے
تیرے کوچے کی سمت آنکلا
کس قدر تھا فخر و عسدرت
کبھی اپنی جفا میں یاد کر کے
ہم فیروں نے کچھ نہ پا کر بھی
ہم نے اپنی یہ باتوں آخر
تیرے بغیر دیدہ و دل کے ہیں جو اس
آسمان پر ہم مدد بخشندہ
ہم اس دل کا رہ نم ہوتا تھے چھوڑ گئی
پھر اضطرار کیا ہم پر کاک خلد و کافرب
ہلے سینہ نگاریں مرقن ہیں بارغ ولی

عزم قہ ہزار بار کیا
جب کبھی دل نے بقوار کیا
مسکراتے ہی کلی مر جھا گئی
وہ دل ہی دل میں شراتے تو ہوں گے
تیرے حق میں بہت دعا کی ہے
درو دیوار سے سنا کی ہے
جلتے کو جل رہے ہیں مگر روشنی کہاں
تیرے قدموں کا نال ہو جیسے
تری ونا کہ تھی عمر گریز پا کی طرح
آتی ہے عیند دل کو شرا دل کی چھا دل میں
جلتے ہوں جیسے دیپ چاند کی چھا دل میں

دوسرا رخ

ہم رشتہ میں تہا ہی چلے ہیں برہوں
تہا سے شاعر نے شعر میں آخر کی فائدہ اٹھایا ہے، اگر ہم رو شوق میں دوسروں کے ساتھ چلتے، تو کیا دعو دیوار کو پھر جلن نہ ہوتی، ادا جو
کوئی درو دیوار کے سایہ میں نہیں چلتا، اس سے درو دیوار غور... کیوں چلتے میں! یاد اس میں یہ "انسانیت" ہو کہ دنیا میں جن لوگوں کا ہم احسان
تک نہیں لیتے وہ بھی بلا دھرم سے کد رکھتے ہیں!

دل کو پھر گھڑتے ہیں وہ اندھیرے دوست
تیرے حاض کی فیا سے جو ٹپکے ہیں کے دست

"جو ٹپکے ہیں اسے دوست" اس مصرع میں تافہ دے لے انے شوکر و جہان کے لئے تکلیف دہ بنا دیا۔

ساز دل شکستہ یہ لاکر خوشی کے گیت
میں صر توں کے دل کو بھاتا چلا گیا (ص ۱۸)

اگر مصرع ثانی میں کتابت کی غلطی نہیں رہ گئی — تو یہ ہمیں مصرعہ ہے۔

جب کبھی زلف حسین ہرا گئی
آنندوں پر جوانی آ گئی (ص ۲۰)

نوشقوں کا سا انداز!

توڑ کر جذب و محبت کا حسین پیانہ
میرے شیرازہ ہستی کو پریشان کر دو (ص ۲۲)

جذب محبت کا پیانہ کیا ہوتا ہے؟

روالفت میں اپنی سست گامی
وہ اب محسوس فرماتے تو ہوں گے (ص ۲۵)

اب سے کیا مراد ہے! شاید وہ زمانہ جب عربین کے دیہاتی تعلقات نہیں رہے۔ انصروہ اولیٰ فیال کے اعتقاد سے بھی پست ہے۔

زیست سادوں کی بھڑی ہو جیسے
اور کئی دن سے کھڑی ہو جیسے (ص ۳۰)

کھڑا ہونا "بادل اور گٹھا کے لئے آتا ہے، جیسے صبح سے گٹھا میں کھڑی ہوئی ہیں۔" بھڑی کے لئے "گلن" آتا ہے۔ دوپہر سے بھڑی
ٹی ہوئی ہے۔

ہم ترے لب کی حلاوت کھلتے تلخی غم کی ڈگر سے غزرسے (ص ۳۲)
جس شعر میں "لب حلاوت، تلخی غم اور غزرسے، جیسے فارسی اور عربی کے شیریں، بسک اندازم الفاظ ہیں، اُن کے وہ بیان - ڈگر کتنا لفظ آگیا ہے۔

ہم قصے کے سہرے آنچلوں میں جاٹھے بھری ناگن سی گھڑیاں ہاتھ ملتی رہ گئیں (ص ۳۶)
یہ ہے وہ "ترقی پسندانہ انداز" کا اسلوب بیان جس نے شعر و ادب کے مزاج کو بگاڑ دیا ہے۔

مری مژہ پر مری زلیست کا بہو تو نہیں یہ شب چراغ کہیں داغ جستو تو نہیں (ص ۴۰)
مصرعہ ثانی خوب نہیں، بہت خوب ہے مگر مصرعہ اولیٰ میں "زلیست کا بہو" مہمل ہے۔ "مراغون آندو" آسٹا تھا۔

وہ بھول بچو شبنم کے تطف کے کھلے تھے آفات کی اس دھوپ میں کس دھبہ پڑے ہیں (ص ۴۳)
توبہ! — دھبہ کو آبِ کبابی آنے لگی!

تندلمحات کے فسوں کے لئے صورت سم دہی ہے تیرا یاد (ص ۴۵)
"تندلمحات" اور "پیراں کا" فسوں "اس پرستہ از" یاد کا صورت سم دہنا کوئی کل بھی اس شعر کی سیدی نہیں ہے۔

یہ تمنا بھی مٹی کوششِ ناکام کے بعد کاش میں نام مرا لوگ تمہے نام کے بعد (ص ۶۷)
آخبات کیا ہوئی؟ عشق میں گم اس کی کوشش کرتا ہے کہ مجرب کے نام کے بعد عاشق کا نام لوگ لینے لگیں! پھر شاعر کو اس کا تجربہ کیسے ادبک یہ شعر جس "ٹکڑے" (یہ تمنا بھی مٹی) سے شروع ہوتا ہے، اور تو ہی کمزور ہے۔

ناگن سی ایک بات ہے ادہم ہیں دوٹو دل ہن حادثات ہے ادہم ہیں دوٹو (ص ۱۹۰)
چمکانہ انداز بیان!

دیدہ دول میں مٹنی ہو تو غزل ہوتی ہے حسن نیزے کی انی ہو تو غزل ہوتی ہے (ص ۱۹۴)
"حسن" کو "نیزے کی انی" کہنا، حسن اور شاعر کو دونوں کے ساتھ مذاق ہے۔

پھر دل ہے بقیرار بہرہ دل کی چھاؤں میں اک پل کو آجی جاؤ ستاروں کی چھاؤں میں (ص ۱۱۰)
"بہار کی صبح یہاں کھٹکتی ہے، شاعر شاید کہنا یہ چاہتا ہے کہ دل موسم بہار میں بھی بے قرار ہے، تم فدا سی دیر کے لئے رات میں کسی ذلت آ جاؤ۔

رکھ دیا ہر بڑے لطاف سے جیسے عازن اس قدر نرم تغلب جیسے ہوا کا ہبز کا (ص ۱۱۵)
"الطاف" — "لطف و نرم" کی بجائے استعمال ہوا ہے! محبوب کے رخسار کی ہوا کے نرم دھچک جھونکے سے تشبیہ عجیب تشبیہ ہے۔
ہمارے خواب ویران کی غزالہ اک توقف کر

کسی دن تیرے خوابوں میں بسک کر ہم بھی دبکیں گے (ص ۱۱۴)
"اک" شعر میں کتنا اکھڑا اکھڑا لگتا ہے! دوسرا مصرعہ مہمل نہیں ہمس ہے۔

میری گمنام محبت کا لرزنا دامن تیرے انچل سے جو چھ جائے کہانی بن جائے (ص ۱۱۷)
"گمنام محبت کا" لرزنا دامن کیا ہوتا ہے۔ پھر وہ لرزنا دامن مجھ کی انچل سے چھ جانے سے حقیقت کی کہانے "خو" کہانی "کیوں بن جائے گا!

ہمدردان ترقی پسند شاعر کا پختہ رویہ عظیم شعری ہے، یہاں نثر بیان انداز و کلام کی فاضلہ غلطی ملتی ہے اس کے متعین شروع غلط لگاؤ اور غلط انداز بن جاتے ہیں! — ہیں اقدار صاحب اگر کسی طرح "ترقی پسندی کے خارزار سے دہن پر اگر شعروں کی داغ ہیں گامزن ہے تودہ بیہوش کچھ ترقی کریں گے! کاش! وہ نام نہاد "ترقی پسندی" کے گرو خدا سے اپنے ذہن و فکر کو پاک و صاف کر سکیں۔

باواؤنی وائین ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھاپیر و ڈکراچی

ہر قسم کا سوئی اور اونی کپڑا — کورا اور دھلا لٹھا
 (در ہر قسم کا دھاگہ تیار ہوتا ہے
 باواؤنی وائین ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے
 پاکستان کی صنعت کی قدر اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

آدم جی کے پارہ جاتا
دیر پاسو تے ہیں



آدم جی کاٹن ملز لائنڈھی - کراچی

فساد خون سے بچنے کے لئے صافی

اور قبض سے
نجات کے لئے اب اسٹریپ پکننگ میں

صافی قبض کشا قرص

صافی قبض کشا قرص - مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا

صافی سے تیار کئے جاتے ہیں -

صافی کے یہ قرص نہایت احتیاط و نرمی سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچاتے
قبض رفع کرتے ہیں - مزید یہاں ان میں تمام مصفی خون صفات بھی موجود ہیں -

ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جیزل اسٹور پر دستیاب ہیں -

بہار دوا خانہ (دوقت) پاکستان
کراچی - لاہور - ڈھاکہ - پشاور

مارچ ۱۹۶۷

جلد ۱۸
شماره ۱۲

ماہنامہ فاران کراچی

ایڈیٹر: ماہر القادری

تقریریں

۳	ماہر القادری	نقشِ اول
۸	سید محمد رفیع شاہ ایم۔ اے	وحی الہی
۱۳	مولانا شمس تبریز خاں	قرآن اور ادب فی نفسیات
۲۱	دفاعِ شکی ایم۔ اے	وحشت کی شاعری میں اسلامی رجحانات
۲۲	پروفیسر ضیاء احمد بدایونی	تکفیر اور اس کی حدود
۲۸		مولانا مفتی محمد یوسف صاحب کے دو مکتوب
۳۶	محمد نعیم صدیقی	معیاری حکومت - مثالی حکمران
۴۳	محمد نذیر یا قتل	ایک حکیمانہ حدیث کا پس منظر
۴۶	ماہر القادری	یادِ رفتگان
۵۶		ہمدردی نظریہ میں

چند سالہ - سات روپیہ - پبلشر: محمد حسین - قیمت فی پرچہ: ۶۲ پیسے

مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ فاران کیمپل اسٹریٹ کراچی ۱

محمد حسین بدیشی نے اسٹریٹل پریس کراچی میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ فاران کیمپل اسٹریٹ کراچی سے شائع کیا۔

(ایڈیٹر: ماہر القادری)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول

کیونکہ ہم کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے وجود کی نفی اور انکار پر ہے، اللہ تعالیٰ کے انکار کے بعد آخرت کے تصور کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک کمیونسٹ کے نزدیک تو یہی مادی دنیا سب کچھ ہے، کھاؤ، پیو، مرے کہو، عیش آڑاؤ اور مر جاؤ، موت زندگی کا قطب سین ہے، پھر نہ کوئی دوسری زندگی ہے نہ کوئی بد مذبح اور بدمذہب ہے، اہل انسانی افعال پر غما اور سزا کا کوئی امکان ہے۔

سہ ماہیہ: یہ عیش کو شش کہ عالم دوبارہ نیست

جس طرح ایک کمیونسٹ کسی ملک میں انقلاب لانے کے لئے ہر قسم کا ظالمانہ حربہ اور سفاکانہ تدبیر اختیار کر سکتا ہے مثلاً یہ کہ صرف اشتہار پیدا کرنے اور عوام کو بدعنوان بنانے کے لئے کسی ٹرین کو ہم سے اڑا دے یا عوام کے اجتماع میں گولی چلا دے، اسی انداز پر کمیونسٹ حکومتیں بھی کسی اخلاقی ضابطہ کی پابندی نہیں ہیں، وہ اپنے بڑے سے بڑے لیڈر کو حکومت کی کسی پالیسی سے اختلاف کی پاداش میں گولی مارے گا سکتی ہیں، روسی حکومت میں سیرا کا بوجھ شہر ہمارے سامنے ہے! وہاں ملزموں کو اپنی صفائی میں بولنے تک کی بھی آزادی نہیں ہے، حکومت جس کو سزا دے سکتی ہے اس کو پولیس کے ذریعہ ایسے سخت عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے کہ وہ ناکردہ گناہ اقرار و جرم پر مجبور ہو جاتا ہے، کمیونسٹ ملکوں کی عدالتیں بھی انصاف کے تقاضوں کو برائے نام ہی پھرا کرتی ہیں۔

کمیونسٹ حکومتوں میں، حکومت کے کسی فعل پر کوئی تنقید نہیں ہو سکتی؛ کوئی مظلوم اور معیبت زدہ کسی قسم کا کوئی احتجاج نہیں کر سکتا، انشراکی ریاستوں میں اخباروں پر حکومت کا ایسی طرح قبضہ ہوتا ہے کہ وہ عوام کے کسی فرد کا ایک حرف احتجاج بھی شائع نہیں کر سکتے، حکومت کسی قسم کا نرم سے نرم مطالبہ یا احتجاج کرنے کے لئے کوئی جلسہ منعقد نہیں ہو سکتا، حکومت کی خارجہ حکمت عملی ہر بار داخلی پالیسی اس پرانے زنی اور نقد و احتساب کا کسی کو حق نہیں ہے۔ ریڈیو، پریس، ٹیلی ویژن اور نشر و اشاعت کے دوسرے ذرائع ہالکیر حکومت کے ماتھے میں ہوتے ہیں، عوام ان سے استفادہ ہی نہیں کر سکتے حکومت کی کسی بھی پالیسی پر عوام کا کوئی رد عمل پریس میں نہیں آ سکتا؛ پیدا ملک قیضات ہا ہوا، عوام بالکل بے اختیار اور بے دست دیا!

وہ جو تہم زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ —

”بادشاہ غلطی نہیں کر سکتا“

یہی شاہانہ اور جاگیر وادانہ عقیدہ کمیونسٹ ملکوں میں زندہ اور پائندہ ہے کہ حکومت غلطی نہیں کر سکتی۔ بادشاہ کی جگہ اب حکومت نے لی ہے۔ شہنشاہیت، مطلق العنانی اور آمریت جوں کی توں کمیونسٹ ملکوں میں موجود ہے بلکہ پہلے سے زیادہ طاقت اور وسعت کے ساتھ موجود ہے۔

کمیونسٹ حکومتیں مواصلات میں جمہوری رویہ میں امپریلزم اور ڈکٹیٹر شپ کی رویات کو ان کی تمام خصوصیات کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہیں، کچھ کو

”میرزم“ سرایہ دار کا اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف مزدوروں کی تنظیم ہو کر وہ اصل کمیزٹ حکومت قادیانی جگہ سرایہ دار بھی ہے اور جاگیردار بھی ہے اور عوام اور خاص طرہ کے مزدوروں کی معاشی ضرورتوں کا اہتمام کرتا ہے اور انہیں بھرکارے نہیں دیتی، مگر اس اہتمام حیفیت کی حیثیت قہر خانی کی زندگی جیسی ہے جہاں قہر خاں کو حکومت کی جانب سے کھانا بھی ملتا ہے، طبی سہولتیں بھی ہسپتال کی جاتی ہیں اور ان کو دست کار سی بہ سکھاتی جاتی ہے۔

کیونکہ حکمرانوں کے یہاں اخلاق و پاکیزگی کا کوئی ضابطہ سروسے سے وجود ہی نہیں ہے، شراب، زنا کاری، مردوزن کا یہاں کا ایک انتہائی اخلاقی نقص و سوجھ بوجھ کیونکہ کمزور کے نزدیک آٹھ انسان کی خطی ضرورت سمجھے جاتے ہیں۔

فلسفہ اہل حق و سرور کے ماہرین اور دنیا کے رسل کے وفادار خیر خواہوں میں جہاں یہ جتنی کیونٹ حکومتوں ہی کی ایجاد کی ہوئی ہیں، ہر قوم کے تمام فاضل و سرعاج دینے اور انہیں مقبول بنانے کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح اس اخلاق کو نقصان پہنچتا ہے جو خدا و آخرت کے کسی نہ کسی میں کاپسنگ اور ربط و تسلسل رکھتی ہے۔

جو وہ پسند نہ کیا، بادشاہت کی کوئی چیز پیش کر، پھر اس سے تباہی نہیں چاہتے اور انہی سانس تک سخت اقتدار پر مجھ رہنے کی خواہش رکھتے ہیں، ان کو فزون رفاقی کے گرو کیونٹ حکومتی بن سکے ہیں، پھر وہیں اس زمینیت کے فروغ کے لئے۔ مثلاً میں اور نمونہ ہے، میں کہ اگر تم اپنے اقتدار کا دوام چاہتے ہو، تو ہماری تقلید کر، حوام کو اس طرح شکستیں دے کہ وہ بے جا سے خوش ہو جائیں، یہاں تک کہ انقلاب قیادت کا قصور ہی ان کے ذہن سے نکل جائے، حوام کو بے اختیار کمزور اور بے مجلس بنانے کے جوڑ جنگ کیونٹ کا کوئی گناہ نہیں، وہ ان ہندام جاہل بادشاہوں کو کہاں آتے تھے، جن کا کام تنہا کہہ کر ان فخریں بھیجتا ہے :

جمالِ فائز کی زندہ مثال ہمارے سامنے ہے مگر اس مطلق العنان فرداں دعاغے گیرِ نشت حکومتوں کو نمونہ بنا کر انسان کی مثال سامنے رکھ کر مقرر ہو گیا تیس ڈھائی ہجری وہ سب پر ظاہر ہیں جن کی جمہوریت کی آئینہ دار اموالِ حقوق و شرافت کی وہ گلی کی تہہ ہے جسے اس شخص نے میرے سلامت پہنچے دیا ہے۔ یہ شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ جب تک سلاطین کا اسلام اور اسلام کی رعایات سے تعین اور عبادت کی ہے گی، جمالِ فائز کی شخصیت - اللہ نہیں بن سکتی اسلام کی وحدت کو مفضل کرنے کے لئے - عرب قومیت کی تحریک شروع کی گئی، جو دہرہ براہِ کرم کی "شعبیت" کی طرح اسلامی وحدت اور دینی مرکزیت کے خلاف قاطعہ سازش ہے، اس تحریک کو دل و دماغ پر غالب کرنے کے لئے فائز کی سب سے زیادہ معروف شاہراہ پر "فرعون کبریا" عیسائیوں کی "عبد" نصب کیا گیا ہے، "اللہ - نحن ابناہ - الفرعون" (ہم فرعون کی اولاد ہیں) کے غرض کو کھلی غور بندش کی جدوجہد جاری ہے۔

اس اسلام دشمنی پر لڑنے والی واحد جماعت - افغان المسلمین - حق اُس کی کیا امت اذیت کو جمال یا بھرنے اپنے امت کا حریت سمجھ کر رہے ہیں اسی کو شک کاغذ لگایا - افغان کو تعزیر و اذیت کی جن دہ ناکوں سے گزرتا ہوا ہے اُس پر خون کشا نسلوں کا بھی تعزیرت اور انھما رحم کا تعزیر اس حق بھی ادا نہیں ہو سکتا، عبدالقادر مدظلہ، سید قطب ابد مفسر ہے وہ شخصیتیں تھیں کہ اس مادیات دہہ و عیسوی دینی علم و فضل کا بحر ان سے قائم تھا مگر یہ شخصیں گل کر دی آئیں، باقی دھواں رہنے دیا

”انوان پر پتیا میں لٹ رہی تھیں اللہ دیندار صلی علیہ وسلم تھے کہ علم کس کی یہ بھائی انان کے منشاں کو خاکستر بنا کر اوپر اوپر ہی غمزدہ جا رہی، ہم پر کوئی آغ نہ آ سکے گی، مگر ان کی خود مرضی، خوش بھی اندھا دل نہ تھی، ”انان کی تباہی کے بعد مقرر کے وہی حلقوں کا دفتر دلفریز بھی ختم کر دیا گیا، مقرر کے معینوں کے قسم جمال تاہر کی مرضی کے خلاف شکل ہی سے حرکت میں آ گئے ہیں۔ جو علماء اس جاہلانہ ماحول میں بھی وہی مسائل میں اظہارِ حق کی جرات کرنا چاہیں ان کی آواز پر پسِ اللہ بندہ بوجہ کے نہ لے دوسروں تک پہنچنے نہیں دیا جاتی۔“

جہاں ناصرخان بچا تھا کہ وہاں اس کا استعمال دینے کے لئے جیسے کہ سترہویں صدی میں ہوا تھا اور وہ بنا دیا گیا اور اسے نافذ بھی کر دیا گیا۔ بن فوجی

۳۔ مرحبا! صبر ابن علی مرحبا غم کے مائل کو اک آسما ہو گیا

حق و عدالت کی ماہ پھولوں کی بیج نہیں بلکہ ایسا بلاخیر راستہ ہے جہاں کانٹوں ہی پر نہیں، بعض اوقات تلوار کی دھار پہننا پڑ
ہے، ہر قدم استقامت، ہر موڑ پر نازک مرحلہ اور ہر نازک مرحلہ کے بعد اندیشہ و پرخطر راستے، باقی عدالت کا راستہ جان و مال کی قربانی
منزل سے گزرنا ہے:

۴۔ اک آگ کا دیباہ اور مذہب کے چانا ہے

ذہری محبوب کے لئے اہل مہار و ہنس اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں خدا سے محبت کرنے والے اگر ان آسان و نیکو اور موقعہ شناس ہو جائیں تو
اخلاق و عفت کی رسی بڑی ٹریڈ پی ہے!

سازگار کا حوصلہ تو ہر کوئی کچھ نہ کچھ رکھ سکتا ہے اہل حق کی آتش تو ناسازگار دنیا میں ہوتی ہے جہاں ہر طرف فتنوں کی بیخودانہ نظر آتی
ہے تدم تدم پر دل شکن حالات سے سابقہ پڑتا ہے ایسے نازک مواقع و ظالموں کو غالب یکدم بعض لوگوں کے عقائد و متزلزل ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
ظلم کو پسند نہیں کرتا اس کی دنیا میں ظالموں کو ظلم و ستم نہ جانے کی چھٹی ملی ہوئی ہے اور ظالموں کی کوئی فریاد مدد و کشمکش کا لگد۔ دھاک متیاب نہیں ہو
انتہائی ناسازگار حالات میں ستم کے اندیشے جو ذہن پر لگتے ہیں اور طرح طرح کے ادا و نام پیدا کرتے ہیں یہ دراصل نتیجہ ہیں اس کمزوری کا کہ بعض لوگوں
کے ذہن سے آخرت کا تصور اوجھل ہو جاتا ہے اور اس کا خیال بھی نہیں رہتا کہ یہ دنیا دار لالچ و ابرہیں و لالچ و حاصل مقام آزمائش و امتحان گاہ ہے!
اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو غلط کاموں اور جبر و زیادتی کرنے والوں کو اس دنیا میں بھی ان کی بد عملیوں کی تھوڑی بہت سزا دے دیتا ہے مگر یہ نیکی اور نیکی کی
اصلی جڑ اسلاف و ائمہ آخرت میں لٹے گا اور عالم کفر و فساد میں جس کی جتنی ذمہ داریاں ہوں گی اتنی ہی سخت باز پرس اس سے ہوگی، اور نہ جانے کتنے صحابہ
تخت و تاج و دنیا میں ملک و مملکت پر فائز ہوئے تھے اور جن کے نال کے خطبے پڑھے جاتے تھے اور جن کے درباروں کی مجال و دم ندان اور ایسے
گفتگوئے تھا قیامت کے دن قیدیوں و زلیلوں اور مجرموں کی طرح کھینچے پھریں گے اور اس دن وہ بھٹائیں گے کہ کبش! ہم نے وہ کام کئے ہوتے جو
اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آتا اس دن بھٹائیں گے کسی کو کوئی فائدہ نہ ہوگا، قیامت قائم ہوتے ہی تو یہ کاہ و وارہ نہ نہ کر دیا جائے گا اور پھر تو یہ وندامت اور استغفار
ان میں سے کوئی چیز کچھ بھی نفع نہ دے گی! حق و عدالت کی خاطر جن کو دنیا میں پامال کیا گیا ہے جو ستائے گئے اور ذلیل کئے گئے ہیں وہ قیامت
کے دن فوری و سلاخ! رابنا رت کے سختی ہوں گے! یوم حساب دراصل ظالموں کے لئے ذلت و خائب اور مظلوموں کے لئے عزت اور بشارت
کا دن ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت کے اسرار و انوار کی فہم و فہم و فہم اور عقل و بصیرت سے ماہد میں، یہاں ظالموں کی کچھ بھی ہوتی ہے
انہیں دھیل بھی دی جاتی ہے، حق پسندوں کو مظلومیت کے دھبے بھی گزرا جاتا ہے، بعض اوقات خدا شناس ناز و فائدہ کو ترسائے جاتے ہیں
اور منکرانِ خدا بلکہ دشمنانِ خدا کے یہاں شہد اور دودھ کی نہیں ہتی ہیں! فاسقوں و فاجروں اور اللہ تعالیٰ کے دین سے جاہل کرنے
والوں کو اس دنیا میں سلامیاں دی جاتی ہیں اور ان کی خدمت میں سچا سنا سے پیش کئے جاتے ہیں مگر سیکر کا سول اور اللہ تعالیٰ کے
اطاعت گزار بندوں کو گالیاں اور پتھر کھانے پڑتے ہیں!

حضرت امام العزیز، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل، اسلامی تاریخ کی عظیم شخصیتیں ہیں، ان کا اس کے سوا کیا
قصر تھا کہ خدا کے یہ نیک بندے معروف کی تبلیغ کرتے تھے اور غیر و فساد کی طرف امت کو بلاتے تھے۔ اور معصیت اللہ میں۔
حکمران کی اطاعت نہیں کرتے تھے مگر کافروں نے ہمیں مسلمان فرائض و عبادتوں نے ان کے ساتھ جو ظلم روا رکھا ہے اس ان انورس قدسیہ

نے جس عظیم الشان عزیمت و استقامت کا ثبوت دیا ہے اس میں مظلوموں اور حق پسندوں کے لئے بڑی تسلی اور عبرت ہے۔
اللہ تعالیٰ کی رضا پیش نظر ہو تو پھر دنیا کی ہر سختی اور مصیبت کا خیر مقدم کیا جاسکتا ہے! ہاں! یہ ضرور ہے کہ خواہ مخواہ
پلیٹنی میں پڑنے اور مصیبت میں مبتلا ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے؛ مگر جب کوئی مصیبت آن پڑے تو صبر و استقامت کے ساتھ
اُسے برداشت اور گوارا کرنا چاہئے!

ہر حال میں حق پر جیسے رہنا، اُسی کئے کام کئے جانا، یہ ہے خرمون کا کردار، یہاں تک کہ اُسی جدوجہد کے عالم میں
مرتا آجائے! اور خاتمہ اس طرح ہو کہ عالم غیبی ہے "اولئک ہم المفلحون" کی صف میں آ رہے ہوں!

ماہر اتحادی

۲۲ فروری ۱۹۶۷ء

946 Sub

جو حکامات کا جائزہ لیتی رہتی ہے اسد ان کے متعلق احکامات صادر کرتی ہے، مثلاً ہم نے مذکور ہے ایک ایسی چیز دیکھی جو حرکت کر رہی ہے، اس کو قوت
مذلیہ جس شکر کخیال میں پہنچ گیا اوروں سے حافظہ میں پہنچا اب قوت ماہرہ اس "حکمت کے بارے میں احکامات صادر کرتی ہے مثلاً یا تو
ایسی چیز انسان سے جو چپکا کر رہا ہے یا یہ کہ کسی بھائی پر پڑنے پڑے میں جو اپنی جگہ پر حرکت کر رہی ہیں۔" یہ بڑی اہم قوت ہے یہ ایک طرف
یہ تمام حکامات میں تصرف کرتی ہے اور دوسری جانب اس کا تعلق دعائی دنیا اور عالم بالا سے بھی ہوتا ہے اور وہاں سے کشف و الہام کے ذریعہ نئے نئے
معلومات حاصل کرتی ہے لیکن عالم مدعا ہی اس کا تعلق اس وقت قائم رہتا ہے جب ظاہری حواس اپنا کام نہ کریں یعنی فینک کی حالت میں۔
بس یہ ہمارے انسان کی کل ذہنی کمالات جس کے بل بوتے پر روحانیات اس دنیا میں آتے ہیں ان کے لیے

ذہنی قوی پسند خواہ ظاہری قبول یا باطنی، ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کچھ سے تمام غلطی مدد کا استعمال علوم و تعلیمات کا واحد ذیلیہ حواس خمسہ ہیں، یہ حواس جو سرا و فراہم کر دیں انسان کا ذہن اور اس کی واقعی قوتیں اس کی بنیاد پر لگے بدھتی ہیں۔

متعلق تمام سوالات کا جواب دے کے اور طبیعت اور اس کے طبعی طور پر صحیح بات ممکن ہے کہ انسان محض اپنے حواس ذہنی کے ہمارے کائنات کے وحی الہی اور تعلیمات خداوندی کے اور کوئی ذیلیہ علم ہی نہیں اس کے بغیر ہم ہمیشہ جہالت و بے خبری میں مبتلا رہیں گے اور کبھی "حقیقت" معلوم اندر روشنی ہو سکے نہ ہو پریچ سکیں گے۔ اقبال نے نہایت لطیف انداز میں وحی اور تعلیمات الہی کو "دانش فردانی" کہا ہے انسان کے حواس کی بنا پر حاصل شدہ علم کو دانش پرانی ہے

۱۲۔ علم کے فدا تاج اوسان کے حدود۔
 اک دانش نوان، اک دانش برفانی
 ہے دانش بہمانی حیرت کی فسادانی

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ سب سے پائیدار اندراج علم مشاہدہ ہے۔ یعنی کسی چیز کو اپنی حواس کے ذریعے سے پالینا۔ لیکن حواس کی جو حیثیت ہے، اس کے متعلق کچھ بھروسے نے اپنی کتاب "سب سے عمدت" میں لکھا ہے۔

۱۔ غلطی کا ایک اور بڑا ذریعہ غلط یقین ہے کہ اس پر حقیقت میں ہمیں محض عملی اغراض کے لئے غلط ہونے، باہت

یہی مصنف ایک دوسرے مصنف MONTAIGN کا نام نقل کرتے ہیں۔

انسان کا علم بہت ہی ناقص ہے۔ اس کے حواس غیر یقینی اسلئے پڑتے ہیں۔ ہم کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے حقیقت کو جو ہمارے سامنے پیش کیا۔ حواس کی دنیا ایسی ہی معلوم ہوتی ہے جیسی ان کی حالت اور فطرت ہے انسان خدا کا عارف و خواجہ نہیں بلکہ آلاتِ حق کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ حواس پانچین کرنے کے لئے ہمارے پاس ایک آلہ ہوتا ہے جسے جان کی تھوڑی گلیزب کر سکتے۔ اور اس آلہ کی جانچ کے لئے ایک آلہ لگتا ہے جو ناچنے اور طرز پر سلسلہ غیر متناہی ہو سکتا ہے۔

جب یہ حواس ہی محدود ہونگے تو ان کے ذلیعہ حاصل شدہ علم کی کیا حقیقت ہوتی۔ لیکن یہ مسئلہ یہاں اکر تم نہیں چڑھانا بلکہ ہماری بڑی معصبت تیرہ ہے کہ ان قابل اعتبار حواس کے ذلیعہ بھی ہمارا ذخیوہ و طرقات نہایت ہی قلیل ہے اس ہمارے عقل کی حدود نہایت محدود ہیں، ہمارے علم کی جو حدود ہیں وہ صرف اول کے عقلا کے خیال کے مطابق ہی ہیں۔ ۱۔

۵۔ اہل مشرق کہاں زید آلہ مرہوم ہے یعنی وہی اہلی لیکن اہل مغرب شیعہ ہمارے ان کے قصوں میں ایک یا دو آیتیں ہیں ۔

نہیں مہجنتا۔ اس سے بچنے کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ ہم اپنے اعلیٰ اسٹینڈرڈنگی کو کم کریں۔ اعتراف کرنے سے پہلے ہم خود اصل دشواری کو محسوس کر کے اس کا اعتراف کریں۔ لاعلمی کا یہ اعتراف خود ایک غنیمت ہوگی۔

۳۔ عقل کی نازنمائی۔

ہر زمانے کے خلافتوں نے اگر وہ ضدادعنا دیں مبتلا نہیں ہیں تو ایک حد تک جاگرافی عقل کی ناساقی اور علم انسانی کی حدود کا اعتراف کیا۔ لیکن جہالت کے اس اعتراف کے ساتھ ساتھ ہجوم نے اعتراف جہالت کی تبلیغ بھی کی ہے، وہ اندھا کو مشہد دیتا ہے کہ ان کے لئے بہترین ماستری یہ ہے کہ ایک حد تک جاگرافی اعتراف کریں کہ اس سے تم گم نہیں جاسکتے۔ دوسرے یہ ہے کہ ہواد الطبیعات میں جا نا تو دفعہ کی بات ہے ہم خود اپنے ذہن پر ہی نہیں سمجھنا وہی انفسکم افسلا تبصر وں۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گندگاہوں کا

اپنے الکار کی دنیا میں سفر کرنا

یہ چاقو پر نیکہ کہنے والے انسانوں کا المیہ۔ دوسرے الفاظ میں جو عاقل کا المیہ جو الیہ ہیں ماضی سے برات کے طور پر ملے۔ یہی مصنف لکھتا ہے۔
"افعال ذہن کا یہ ایک عجیب خاصہ ہے کہ ایک طرف تو وہ ہمارے لئے نہایت ماضی اور ماضی واقعات کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن دوسری طرف جب خود ان پر غور کیا جائے تو ایک تاریکی چھا جاتی ہے اور اس حد تک بھی نظر نہیں جاتی کہ کد کے باہر فوجی ر اعتبار کے حدود ہی آسانی سے گھٹ میں آجائیں۔ بات یہ ہے کہ یہ افعال اس قدر لطیف اور نازک ہوتے ہیں کہ ایک حالت پر دیر تک قائم نہیں رہتے۔"

انسانی ماضی میں کس قدر قوتیں ہیں؟ وہ کس طرح کام کرتی ہیں۔ ان سے فعل کیوں سرزد نہیں ہوتی۔ کہن ہے ماضی نازک شینری کو چھوٹا سا ہے۔
"ذہن کا یہ خاص فعل جس کی بنا پر ہم معلومات سے عقل اور عقل سے معلومات کا استنباط کرتے ہیں چونکہ تمام ماضی تو اس بقائے لئے اشتغور ہی ہے اس لئے اس کو مغالطہ امیر عقلی قیاسات کے سپرد نہیں کیا جاسکتا بلکہ عقلی استدلال کا یہ حال ہے کہ بعض کے ابتدائی ایام میں اس کا سرے سے پتہ نہیں ہوتا اور بالآخر کوئی نہ مانہ بھی انسانی زندگی میں نہیں آتا کہ بہت سے نہایت عقل کی طرف سے بھی انتہائی لغزش اور غلطی کا خطوط نہ لگا رہتا ہو۔ لہذا قدرت کی اس عالمگیر حکمت کا انتقام جو ہر جگہ نظر آتی ہے یہی تھا کہ وہ ذہن کے ایسے اہم اور زندگی کے لئے ناگزیر فیوض کو کسی ایسی جبلت یا نیکی میلان کی نگاہ میں دیکھ دے جس کے افعال میں غلطی کی گنجائش ہی نہ ہو جس کا سرکشتہ زندگی اور فکر کے اولین سرکشتہ کے پاس ہر اور عقل و فہم کے شکست پیدا کئے ہوئے تمام اساتذہ آقا و مرید، ہر طرح فطرت فہم کو اپنے اقداروں کا استعمال کرنا سکھا دیا ہے بغیر اس کے کہ ان کے احصاء و معلومات کی مشین کا پیچہ سے علم حاصل کریں، اسی طرح اسی نہ فطرت نے ہمارے اندر ایک ایسا جلی میلان بھی دلالت کر دیا جو فکر و خیال کو اس مادہ پر لگا دیتا ہے جس پر کہ کائنات خارجی میں رہی ہے مگر ہم خود ان طاقتوں اور جبلتوں کے بارے میں جاہل ہیں جن پر کہ خارجی اشیاء کی یہ مضبوط اور مسلسل روشنی قوت پڑتی ہے۔"

ہجوم اور دوسرے فلسفوں کی سمجھ سے بات ہمارے کہ یہ کائنات قدرت کچھ میں بنا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ تمام علوم تو تمام فلسفوں کی بنیاد، علت و معلول کے باہمی رابطہ پر ہے اور اس رابطہ و ملاقات کی حقیقت ہے اس کی وجوہات خود ہجوم کے اندر ہی کھجور چلی ہیں۔ علامت تو مادہ کے ساتھ ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا یہاں آگاہ ایک "فوق الفطرت ہستی" اور اس سرکشتہ "اور علت و معلول" کا سہارا لیتا ہے ہم اس ہستی کو "خدا کے پاک کچے ہیں۔"

اچھے بہتر مفکرین احساسِ دان اپنی تلاش اور جستجو کے بعد اس مرحلہ پر آگئے کہ کسی صورت میں اللہ کی ذات کا اعتراف کرنا نہیں
 صدقہ میں سائنس کا خراج - لا ادریت یا لا انکامالی تھا - میسر میں صدقہ کے سائنس دان اثباتِ الٰہی کی شہادت دے رہے ہیں۔ میر جعفر جیسے
 نے لکھا ہے کہ اس کا ناتانکے پیچھے ایک ایسا ریاضی مان ہے کہ اگر اس کے حساب میں ایک لمحہ کے گزرتے ہیں صدقہ کی غلطی ہو جائے تو یہ نظامِ کونسی دہم پر ہے
 "یہ فرق الفطرتِ حق ہے" یہ "اولین سرچشمہ" ہے - "عظیم ریاضی مان" - "اللہ کے لئے ایک ہی باقی اندازِ غلط ہے" - "اللہ"
 جب الٰہی ذوالقلم کی حقیقت ہے یہ کتاب ہمارے لئے اس کے سوا چارہ کار بھی کیا ہے؟ ہندو کی حقیقت کو جاننے کے لئے اس کا مدد
 بھیجے ہوئے پیچھے نمائندہ رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی طرف رجوع کریں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی بنا پر وہ کی طبیعتِ فطرت بن جاتی ہے
 انسانِ ہندو بہ چین اور دیگر ملین رہے گا اللہ وہ ان نظری سوالوں کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے گا جو اس کے ذہن میں ہر وقت پیدا ہوں گے اور
 بے چینی اور الجھن کے وہ اثرات جو اس کی زندگی کے، اس کے تمدن، اس کے معاشرے، پر مرتب ہوں گے وہ اس قدر ہلک ہوں گے کہ ان کا اندازہ آج
 تمدن کے اندرونِ تغار اور کشکش سے ہو سکتا ہے۔ کسی غیر سے متحرک کی بات کہی ہے کہ میسر میں صدقہ کی گذشتہ صدائوں کی تمام اہم کتابوں کا موضوع
 کا تمدنی اثنا رہے۔

کائنات کی بات یہ ہے کہ ہمارے پیدا کرنے والے نے ہماری تمام ضروریات کی تنگیں کا سامان بھی کیا ہے، ہمارا جسمانی اور ادبی ضرورت کو پیدا کر کے لئے اس نے سینہ گیتی اور نعمائے کائنات میں بیش بہا خزانے دلچست کروئے ہیں جو ان کی ہر ضرورت کو پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں اور ہمارے روحانی، اخلاقی اور تمدنی ضرورت کو پیدا کرنے کے لئے اس نے اپنے انبیاء کے ذریعہ ہدایت نازل فرمائی تاکہ انسان کی زندگی کائنات کے حقائق کے مطابق ترتیب پائے اور اس خدا کا قانون زمین و آسمان میں جاری و ساری ہے اُسی کے قائل و معترف کے مطابق انسان بھی اپنی زندگی کو بسر کرے اور ہر طرف بندگی کا ایک ہی نظام کا سربراہ ہو جائے۔ یہ ہدایت وحی کے ذریعہ انسان کو دی گئی ہے اور اس کی اخلاقی اور تمدنی زندگی کے لئے اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ، ضروری ہے جتنی اس کی جسمانی زندگی کے لئے ہے اور انسانی ضرورتیں ہیں یہ نہ ہر قوم جسمانی نعمت ہے۔ اور نہ ہر قوم روحانی نعمت !

قرآن اور انسانی نفس

قلکون اصلاً صحیفۂ اخلاق و ہدایت اور کتاب تشدد و عنایت ہے، وہ انسانیت کی طرح انسان افعال فی علم کے متعلق فرما رہا ہے، بلکہ اس کا اسلوب بھی ادا اصولی ہوتا ہے اس کے ضمن میں دوسرے مفید علوم و فنون اور صالح افکار و فلسفہ کی طرف لطیف و مزایا نام لیتا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے حج حدیث و خطبات و خبر و رموز ایمانیست !
قرآن کی اس ہمہ گیر جامعیت کے پیش نظر کہا گیا ۔

وہ مجموعہ معارف جس کے اک اک حرف میں پنہاں
لکھنا تو فلسفی، اسما فلسفی، سائز عمرانی !

علم نفسیات بھی دوسرے علوم کی طرح ایک وسیع علم و فن بن گیا ہے جس کے ذیلی پوری زندگی کی تعمیر و ترمیم بھی کی گئی ہے۔ تفریق و تفریق
بزرگوں کی مسلمہ نفسیات ہی علم تھا اسکا ہے، ہم قرآن سے مستنبط چند نفسیاتی نکتے بھی ذکر کریں گے۔ خوش اعتقاد ہی نہیں واقعہ ہے
اسلامی علوم کی تاریخ نگاہ ہے کہ کتاب و سنت ان علوم کا ایک بڑا مآخذ ہے جس میں اسلام نے دوسرے سے پورے علوم و فنون اور کتاب و فکر و فکر
دنیا میں ہمیشہ ہی اسلامی زندگی تشکیل دی ہے، اس طرح چارچ ہے چارچ جلتا رہا ہے

یک چارچ دست دین خانہ کہ از پر تو آن ہر کا ہی نگری انجمنہ ساختہ اللہ !

قرآن ایک بصیر و نمبروتی کی کتاب ہے جو انسان اور حجت خدا کا پان بار بھی چھ اور صفات CREATOR بھی اور اس کے دین و دین اور سنگ
نہ سے ثابت اس کے تمام نفسیاتی فریج و خم سے آگاہ ہے اس لئے وہ دوسرے نفسیاتی کی طرح انسان کو پراسرار MYSTERIOUS نہیں
مانتا بلکہ اپنی کتاب میں اس کی کتاب زندگی کا ہر سونہ کھول کے رکھ دیتا ہے کہ افسس کتابت

وہ رحیم و کریم ہستی نفسیات کی سرچھی نہیں کرتی بلکہ اپنی حکمت و ہدایت سے اس کی تعمیر کرتی اس لئے صحیح رخ بھی دکھا کرتی ہے ۔
قرآن دوسری کتاب کی طرح اپنے بنیادی طرز فکر اور موضوع (TOPIC AND ALTITUDE) و قیودہ اسالت، اخوت سے
صحیح متعلق نہیں رہتا وہ علوم و فلسفہ، مسائل و مباحث کی حقیقت کا ذکر بھی اس انسانیت کے گناہ ہے کہ وہ گویا ایک کلی اصل الاصول کی فروعات ہیں،
کتاب و سنت فلسفہ زندگی ہیں اس لئے ناگزیر طرز پر انسانی زندگی ہی سے وہ خام مواد فراہم کرتے ہیں اور پھر ان حقیقت کے ذوق و شوق سے
لرہا کا دفتر بنا کر دھت نگاہ دیتے ہیں۔ محشوق حقیقت کی کتنی مہربانی ہے کہ جادہ طلب کے نقش و نگار اور ہرگز کے گرد و غبار کے بھی نشان
نزل بنا دیا، میرا ایک شعر ہے یہ

پہلے تو اپنے آپ کو نہیں بنا دیا پھر نرم و جہاں کو نہیں بنا دیا

افاق و افق میں جتنی نعمتیں ہیں وہ سب نعم ازلی ہیں کی غایت ہیں انسان کے تمام جذبات و خواہشات اس کائنات میں پھیلی ہوئی عظایات سب اللہ کی

نعمت ہے۔ دما بکرم نعمۃ من اللہ۔۔۔ لان تعدد انعمۃ اللہ لا تحصرھا۔ قرآن مجید تمام سائق کو آیات اللہ کی نشان دہی اور خدا
شناسی کی کنجیاں کہتا ہے، یعنی یا ایہا ہم خاق ہیں جو سرکارِ انجیز ہیں اور کھلے طور پر اللہ کی یاد دلاتے ہیں اور ذکر کا قابلِ قدر و معنی خیز لفظ بھی قرآن
میں ہی بتانے کے لئے لکھا ہے کہ اللہ مصلح انسان کی ایک بھلائی ہوتی حقیقت ہے جس کا ثمرہ نہ کہہ سکیں انسان کو باخلاق بنا سکتا ہے اور دیکھا رہی ہے جو
خاکستر میں رہی ہے مگر بھی نہیں، نہ کہے مغرب سے آگے نہ بڑھ سکا بلکہ کھڑا رہا جسے تو فخر الہام کے سوا اس سے کوئی دوسری آواز نکل ہی نہیں سکتی ہے۔
دہریہ جہل و غیبت نہایت خفا سے تو عالمِ تربیت از تو دعای مست جائے تو (رسولؐ)۔

معرفتِ الہیہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت و جبلت میں بے پناہی اور بے گزنی رکھی اور اسے نامحدود بنا دیا ہے جسے وہ حد و حصر سے
تعمیر کرتا ہے۔ یعنی انسان انفسیات کے ہر پہلو سے اتنا بلند نظر واقع ہوا ہے کہ خوب سے خوب تر کی تلاش اسے گرم و جگر کرتی ہے اور منزلِ پرانے کی دیندگی سے
ساختہ جاتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کے نظری اور فہم پر نئے نئے مطالبات کی تسکین کئے جاتے ہیں اور اہمات بھی زندگی کی چٹ پھل کا دوسرا
سفر ہو جہاں ناکہ گناہوں کی حسرت کی بھی مادہ لئے ذوقِ جہل، جذبہ لغت، خواہش حیات اور تمام جذبات کے لئے نئے نئے دھندلے میسر ہو۔ قرآن
کہتا ہے کہ انسانی جبلتوں کا ماننا فاقیت میں ہے اس لئے وہ انہیں وحدت و لطافت، اصغت (Sublimation) دیتا ہے اور جو خالق
انسان کے ساتھ رکھتا ہے ان پر خدایان کی گواہی لیتا ہے کہ یہ نرسے ادعائی نظریات نہیں بلکہ انسانی خالق ہی۔ دینی انفسکے افلا تہی و تن،
وہل الانسان علیٰ غلہم بصیرۃ و فاعلیٰ معادیر و۔۔۔ دامنِ حب الخیر لثابید۔۔۔ دامنِ صلیٰ ذالک لشہید۔

خدا شناسی کا دوسرا رخ یہ آیا کہ معرفت کا ضلیع خود زندگی کی کیفیات کو بنا دیا گیا کہ اگر آپس اعتبار نہیں تو اپنی زندگی کے منفرد شبہ ہی سے بوجھ
لو کہ اللہ اس کائنات کا ایک نعلِ شمر ہے کہ نہیں؟ اسنا ہے۔۔۔ الا مذاکر اللہ تعالیٰ انقلب اللہ کی اودے دل تسکین و اطمینان پاتے ہیں۔۔۔
اسد صحرے طوف یہ سمجھ کر دیا گیا۔ جو بری یاد سے غافل ہوگا تو اس کی زندگی اجیرن ہو جائے گی جس میں تنگی، محنت، دُشمنی اور انسانی فساد و سفاکی
انتشار کے سوا کچھ نہ ہوگا۔۔۔ اگر کہنے کہا ہے۔۔۔

منکر کو بھی خدا کی طرف التفات ہے آخر خدا کے نام میں کوئی قیامت ہے!

انسان کے اندر سب بڑا انفسیاتی داعیہ اور فطری جذبہ خدا پرستی، مذہب پسندی، اور عہدیت و بندگی کا ہے تمام جذبات و حوصلے پڑ سکتے ہیں۔
مگر یہ نقشِ شجر کی تصویر کی طرح اسے تنہا نہیں کسی بھری ہوئی عظیم حقیقت کی یاد دلاتا رہتا ہے، دہریہ اسے خدا (NATURAL) بھی بار بار دل کے
اس انہماک کو گوشی کو سنا رہتا ہے کہ وہ جیسے برشے میں کسی شے کی کمی پاتا ہو میں!

یہ خدا ہونے کے بعد نہ فرد کو تسکین مل سکتی ہے نہ جماعت کو ایک مرکز یقین سے چٹنے کے بعد پھر عمر بھر کی بھڑکی (DISCONTENT) اسلام کرنت
کا احساس انسان کو ہلا کر رکھ دیتا ہے، خدا کے بغیر نہ کائنات کی توجہ بہر ممکن ہے نہ انسان کی حیثیت اس کائنات میں تعین ہو سکتی ہے نہ اس کے
عظیم و لا فانی (AGLESS) جذبات کی تسلی ہو سکتی ہے یہ سب بڑی تاریخی حقیقت ہے کہ انسان نے ہوش نہجا ہے ہی عظیم دلیں اک خلا محسوس کیا
جسے اللہ تعالیٰ کے خیال نے پُر کیا۔ اور جس میں خدا کا مجرب و متقن تصویر بالکل مطابق (AS IT IS) نظر آیا اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی
شعور پر سب سے پہلی پر جہاں (IMAG) خدا پرستی ہی کی پوری انسان کا پہلا شعور کا سارے عظیم و مدامداریستی کا اقرار یا سب سے پہلی راہ ہے۔
عید کی، نحاسی اور بجری دستاویز سے بھی قبل انسان کی خدا پرستی (Divine worship) کی تاریخ موجود ہے اور افضل نے صیح کہا تھا۔
"اپنی ہر خزانہ کی پیچیدگی پر جو آئے تو اندہ ہر زبان کے ہی شہنوم گویا ہے تو" اگسٹس کیوں کہتا ہے کہ مذہب جمالیاتی احساس کی طرح فطری شعور ہے۔

"RELIGIOUS INTUITION IS AS REAL AS AESTHETIC INSPIRATION"

خودی و خودداری

حضرت سرمد کائنات کا ارشاد ہے کہ اللہ کی نظر میں دنیا کا عزت پر کاہ کھل رہی ہوئی کسی کا فرقہ بندی، اس کے علاوہ کتاب و سنت پر دنیا کو فروغ نظر و ادعا و سواب بھی کہا گیا ہے، تاہم مسلمان بھی آخوال ہی رہتا ہے، غلامی کی چمک رک سے کب تک انکسیر نہیں رہ سکتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ بھی کفار کی شکست و شکست کو دیکھ کر بد دعا کر ہی بیٹھے کہ ”یہ امانت آیت فرعونؑ کملا لا زینۃ و احوال فی المیعۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک“ اس لئے حضرت موسیٰؑ کہا گیا اور خلیفہ تین مادی کا جذبہ ابھار گیا کہ

بر خود نظر کشا ز تہی دانی مرنگ
و سینہ نوادہ تراسے نہادہ اند !

ارشاد مآپ ان کے مال ماطلو سے تعجب نہ کریں اللہ دنیا میں انہی کے دلچسپ نہیں صواب دیکھا اندوہ کرا ہی پر جان دیں گے۔

محبت کا نمونہ۔ حضرت موسیٰؑ نے تھے مگر کفران کے باپ بھی تھے، عین کی نظری ہمت ان کے دل میں موجزن تھی مگر وہ عین ہی اخلاقی وقت میں بھی عیسیٰؑ محبت کے ہوش سے مجاہد ہو کر بیٹھے کہ سمجھانے ہیں اور محبت سے بھر لے کر ہیں (ابھی نہیں یا جنتی) کہ کہ خفیہ نجات میں جلتے ہیں اور غرورانی کے بود بھی جب بیٹھے فی با وادی ہے تو اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ آپ کا وعدہ حاکم میرے لوگوں کو نجات دیں گے یہاں بھی تویر الہی تھا، اللہ آپ کا وعدہ توفیق ہی رہتا ہے، اللہ آپ کا حکم لایا کہ ہیں ہر طرح اسے چاہیے رہتا رہیں (۱۱۱: ۴) ان چند جملوں میں پند کی محبت کی خفیاں نکلتی ہیں غصہ نہ ہوتا ہے، پھر اس عظیم جذبہ کو صحیح تویر بھی کی گئی کہ محبت تو مجرم یعنی سے رہنا چاہیے، حضرت ابراہیمؑ نے جب آذر کی سفارش کی تب بھی ہی ارشاد دیا کہ اصل محبت کا حق تو اللہ ہے دنیا کی کسی محبت کا لاف ہی رہنا تو اس ماہ کا چھتر ہے!

ارشاد ہے پھر ابراہیمؑ نے صواب کے فرشتوں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانوں کی طرف نہیں اٹھ رہے ہیں دیکھا کہ فرشتوں کا طریقہ ہے اسے نہ ناما ہوا احسان سے خوف محسوس کیا فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ ڈیڑھ منیر ہم قوم کو لپڑ بچھے گئے ہیں۔ ان کی جوری ہو کر مری یہ نظر دیکھ رہی تھیں، ہنس مڑیں ۱۱۱: ۱۱
حوصلہ کی سادہ طبعی کی گئی ہے ساختہ تصویر اس سے ساختہ ہنسی کے ذکر میں آئی۔

نفسیات کفر و لفاق! ضدی اور ہٹ دھرم انسان کی اندرونی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ حق کا وعدہ دیکھ کر سے انکار کرتا رہتا ہے چاند کی روشنی آفتاب کی تابانی استعاروں کی معرفت ہی اس کے نزدیک تھا پتہ ثابت ہو سکتی ہے کفار کا مزاج بھی قریباً ایسا ہی رہتا ہے قرآن کہتا ہے ”جنہوں نے کفر کیا انہیں آپ کا ڈنڈا نہ ڈنڈا برابر ہے وہ ایمان نہ لائیں گے دگیا“ اللہ تعالیٰ لغمان کے دلوں اور کانوں پر ہر گاہی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے ۷: ۲۔
”مناقیق“ اور دھندلے فتنے ان کو اس کی مفسدانہ کوششوں ہمارے لوگ دیا جائے تو اس کی تاویلیں کرنے لگتے ہیں اور اس کا اصلاح (REPORT) کے نوشتہ الفاظ سے تعبیر کرتا ہے قرآن ان کی تفسیر کھولتا ہے: ”جب ان سے کہا جاتا ہے زمین پر غولابی نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں ہم تو مصلحین۔ اور جب ان سے ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم بھی بے وقوفوں و سیدھے سادے مسلمانوں کی طرح ایمان لائیں۔ یہ موقف وہی ہے مگر انہیں خبر نہیں۔ جب ایمان والوں سے طعنیں تو ایمان ظاہر کرتے ہیں اور اپنے شیطانوں کی غفلتوں میں کہتے ہیں ہم تو بہادر سے ساتھ ہیں ہم اور زمین سے خلاق کر رہے تھے، اللہ ان سے مذاق کرتا انسان کی سرکشی پر ڈھیل دیتا ہے ۱۵: ۱۲

کہنا دشمنان فتنہ کی اس طبعی کیفیت کی وجہ سے ہدایت ان کے حق میں ضلالت اور تریاقی شفا ان کے لئے زیرِ ملاحظہ بن جاتا ہے بہار کا ابریشم ہنگام سانپ کے منہ میں نہر اللہ افروز صدف میں لڑوئے لاپلا پیکر دیتا ہے۔ ۱۰ و دھنن کی کرنیں سب کے لئے نور و سرور ہیں مگر پردہ کات کے لئے پیام چکا کافانی، پرتو ہر ایک عالم فیضیاب ہے ہر دم و شہر و پخت گراں اللہ شہنشاہ کے لئے تو تعلیم نفا ہے۔ سچ شہنشاہ خواب ہر کوئی اس سینہ چاک ماہ ۱۰ تاہم چشمہ آفتاب کا اس میں کی گناہ ہے؟ ہر لئے بہا باد محبت کہ گوار کی فیض بخشیاں عام ہیں مگر حصہ بقصد جہ نعت بقصد بہت اور توفیق بقصد لیاقت و صلاحیت ہے۔

بامال کہ در لفظانہ طبعش خوف نیست
 وہاں کا لہر دیندہ و خوفناک ہوا
 استعدا و افروزی بر تو بھول کی تھی سے میرے کا جگر کٹ جائے، بے لیاقی اور حدود بے کسی ہو تو نرم و نازک کلام بھی بے اثر ہو کر رہ جاتا۔
 قرآن نے اس نکتہ کو بار بار دہرایا ہے۔ ایمان والے سمجھ جائے کہ یہ باتیں مادی حقائق ہیں اور کفر کج معاشی کرنے لگتے ہیں کہ اللہ میاں چا
 کیا ہیں واللہ قرآن ہی کے ذریعہ بہترین کبھایت یاب کرنا ہے اور کھنڈی کو گمراہ، اور گمراہ کو مسکین ہی ہوتے ہیں جنہوں نے ہمدانست
 بھلا دیا جو نافرمان ہیں مفسد ہیں (۲۷: ۲)

”یعنی بہ کثرت و وسعت ہی بد کثیر“ کی دگر تفسیر قرآن کی صفات میں سے ہے، صاف دلی، نیک نیتی کی ماہ سے آنے والی ہمد
 واشگاف ہو جاتا ہے، بگانی، اسٹک دانکار کے ماہروں ہمد نہ کا بندھی رہ جاتا ہے۔ کج شمار دے دیاں کو ملان است؛ معنی
 کشت زدیقاں؛ آفتاب ہدایت تو نصف النہار پر ہے مگر آنکھیں بند کی جائیں تو اس کا کیا علاج ہے؟

دوست نزدیک تر از من بمن ست
 دیں عجب ترکہ من از دے دودم
 چہ کنم با کہ قفاں گفت کہ اد
 در کسار من و من با جودم

سحر جی نے کیا خوب کہا ہے۔ ”دستانی با خبر و حضور و نزدیکان ہے بصر و د“
 بقائے وام کی تمنا!

(۳)

بقائے دعام کی تمنا فانی افن کی ایک خوشگوار تمنا ہی ہے جس کی تسکین کے لئے انسان نے قرآن طیبہ کا سہارا لیا ہے
 دھونڈتا ہے بشرنا بقائے دعام
 دائے ترانے خام دائے ترانے خام
 جملہ فلسفیانہ اشارات و اشارات اساتذہ حقیقات کی تہیں ہی خدہ کا فرما رہے قرآن نے بھی اس طرف اشارہ کیا۔ ”اصحاب! اپنی زندگی کا بہت
 خواہش ہے دیکھیں گے اور بعض مشرک قرآن پر اسان زندگی چاہتے ہیں“ ۹۶: ۲
 تجمل عارفانہ غلط فلسفوں کی بجائے ایک سچ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جانی پہانی بات کا بھی انکار نہ دیتا بھلا سچ کئی جان کر بھی
 اس سے سوچاں ہر جانا ہے قرآن نے اس صحت حال کی تصویر کشی کی ہے۔

”اہل کتاب! تم غصہ یا دین حق کو ۱۲ اپنے بیڑوں کی طرح قطعی طور پر پھینک دینا۔“ ۱۲۶: ۱۲
 دوسری جگہ کہا گیا ہے۔ ”و بعد و ابھا و استغنیتم انفسہم فلما و۔۔۔“ ۱۲۶: ۲۷
 پھر بعد تمہے اس کی وجہ ان کا ظالمانہ و بے ایمانی نہ دیتا تھا

اضطرار اب مالوسی؛ امید و بیم اور خوف و دعا کی کشمکش کی ایک صحت سے بھی ہوتی ہے کہ ان کو امید و یقین کے باوجود بے اطمینانی اور
 ادھیشا کی لگی رہتی ہے اور اس لئے اس کی دھوپ چھاؤں میں اس کا دلاؤ دیتا، تیرا دیتا ہے۔ کبھی امید کی جگہ کبھی نوسیدی کی ادھیاری یا اضطراب
 و اضطراب و سبب وشی افن کی جبلت ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ ”کیا تم سمجھتے ہو کہ پہلی امتوں کی مثالیں آئے ہرے خیر جماعت میں چلے جاؤ گے جب کہ
 انہیں صواب نے گھیر لیا۔ اور عادت نے انہیں سمجھوڑ کر رکھ دیا حتیٰ کہ رسول اور اہل ایمان بھی بے اختیار یں میں کہ آئے آخر خدا کی مومکب

آئے گی ۲۱۲: ۲

تہذیب رسم عاشقی۔ یہ مطلق سنہ کا حکم ہوا مگر ہدایت دہائی کہ اہم صحت میں پیام ناز دے کہ ان کا غم تازہ نہ کیا جائے
 اس لئے کہ عا اطلب الا للحبیب الا دل کے مد سے مروج ہو کر صحت کبھی نہیں بھرتی اس لئے پیام نو دیتے وقت مروج ہو کر محبت کا خیال
 ضرور ہے قرآن نے اس نانگ برقع کی تصویر کشی ہے۔ صحت میں کوئی عروج نہیں اگر تم ناز کا پیام کسی کو دیتا آئے دل میں رکھو۔ ”لانہا با تا

۱۔ سب دیم و حیدر دولی دہستان غلطہ کا ایک نظریہ ماحدہ قرآن عس پر ایک مدنی ہوتی ہے اور ایسے اسلام کا نظریہ ہے کسی باقی جو مشترک قیامت تک عذاب و ثواب قرار ہے گا۔ قابل کسب و پیش نافع کے غلبہ کا ایک حصہ آتا ہے۔

قرآن کہتا ہے۔ جو نیک کی کی جان لیتا ہے تو گویا اس نے تمام انسان کو قتل کیا اور جس نے ایک کان بچا تو گویا اس نے تمام لوگوں کی جانیں بچا دیں۔ شریعت تک ان کی جان کا منت آستانہ نہیں ہوتا وہ بے ضرورت ہے مگر آدھ کا فرق ہے کہ اس کا جو حکم نہیں ہوتا۔ اسے ہمیشہ کے لئے خود بخود ہر جہ ہے۔ تقریباً ہادی جبریل کا حال بھی یہ ہو جاتا ہے کہ کج چھٹا ہے اسدق گنہ یار سزا کے بعد۔ جو اس کی غفلت بن جاتا ہے اور جب کنٹرول نہ تو وہ ہمگیری اختیار کر لیتا ہے یہاں بہت سے قاتل جبریل کا شرقی قتل جن کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ اس طرح انسان کا ہر جرم اور ہر عیب اس کی غفلت سے پیدا ہوتا ہے۔

آتش و ترچہ جان دل : اگر علم درست دلائل ہی ضابطہ کے تحت ہوتے ہیں اس شرط سے تو لی شاعر بھی یہ عالم ہوتا ہے کہ

الاشواق تفتت سے تہی وہ اشک کا جرم حسرت دید بھی مشکل سے نکل پاتی ہے

مجھے یاد کہ وہ لافانی جہ کسی نہیں ہوتا کہ میری تہ سے پوچھا کیے کیا دھنگے! تو میں نے ایک برس دیا، پھر کے سال پر میں نے اسے گود میں اٹھالیا، بھائی کی طلب پر میں نے اسے گلے سے لگایا اس حال کے استعارہ پر اس کے دم پھر لٹے مگر جب اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا تو سزا دے سے جھک گیا اور پٹ نہ ہو سکا سو گرنے لگے۔ "وہ اصل خدا کے صفات ان کے بندہ، نازک، اسلیر سے جذبات کے ترجمان انہی ہو سکتے ہیں ایسی لٹائیں بھر گئی ہیں اور ناتجربگی کا اسلام پر خاص مقام ہے، حضرت نے فرمایا ہے کہ اللہ کی یاد میں رہنے والی آنکھ پر وہ رخ و طم ہے۔ اس کی تاریخ میں اس دل سسلاؤں کے بائیس میں کثرت سے آتا ہے کہ وہ تلاوت قرآن کے وقت بے اختیار رہ پڑتے تھے۔ اللہ رسول اللہ کا نام سن کر یہ عالم ہوتا تھا کہ نام آتے ہی آنکھ بھرائی اقبال کا تو قاتل ہوتا ہے۔ اپنے استاد شیخ عبداللہ اب طغلاوی (مبعوث از برائے والا علوم دیوبند) کا حال بھی یہی دیکھا، قرآن بھی قیامت سے اہل دل کی کیفیت بتاتا ہے کہ جب قرآن سنتے ہیں تو عرفان حق کی خوشی میں ان کے آنسو بہ پڑتے ہیں اور بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ اسے رب ہم ایمان لائے ہمارا نام بھی گواہی میں لکھ لیجئے۔ ۵: ۸۳

محبیت میں یا و خلد۔ قرآن نے متعدد جگہ انسان کی افسانوی کردہ کی ذکر کیا ہے کہ عیش میں یا وہ خدا کا گندہ ہی ان کے دل نہیں ہوتا۔ مگر محبت کے وقت عبادت میں خوشی و خرم اور دعاؤں میں مسند گناہ، الحاح و نیاز کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جب پروردگار نہ بندہ ہو جاتا ہے تو انہی صاف کہہ دے کہ وہ اسے پرستگ دی جاتی ہے اور جب دعا مقبول ہوتی تو وہی غفلت اور آبی، آفت و محبت کے ان کی منظر انسان کی نفسیات کی تصویر دیکھنے کیسی جیسا ختم ہے، اگر دیکھتے پھر وہی مشکلات سے نہیں کون نجات دیتا ہے جب لوگوں کو اگر چھکے چھکے اللہ سے دعا کرتے ہو کہ اگر اب کی بار اس سے نجات مل گئی تو ہم شکر گزار بندہ ہو جائیں گے۔ کہنے کہ اللہ تعالیٰ نجات دیتا ہے اور پھر تم شرک پر آئے ہو۔ ۱۶: ۱۶۔ دوسری تصویر جب مسند کی آفت نہیں پھیر لیتی ہے تو اللہ کے سامنے فرادیس کوئی نہیں ہوتا، پھر نجات ملنے پر اعتراض والا کر دے کہ ہوا اللہ ان ہے بھی بڑا نافرمان۔ ۶: ۱۱۰۔ تیسری تصویر جب "و جب مسند کے سامنے کہ باؤں کی طرح کی (اوپر اوچی) مریض پھیر لیتی ہیں تو وہ اخص کمال کے ساتھ دعا میں لگ جاتے ہیں اور جب ہم انہیں نجات دیدیتے ہیں تو من وانی شروع ہو جاتی ہے ۳۱: ۳۳

ظہری شرم و حجاب۔ ارشاد ہے، جب آدم و حوا نے خیر مزہ سے کھائی تو اس کے نتیجے میں ان کی شرک میں بے پردہ ہو گئیں اور وہ دونوں محنت بچوں سے بچا لیں، راز کام کش کر لے گا۔ ۲۲: ۷۲۔ یہی بات سمد ظہریں دہرائی گئی۔ اس صفات کے خلقی شرم و حجاب کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ ماس کو داخل فطرت سمجھی ہے عجب یہی تفاوت وہ از بکارت تاہ۔

یہ میں آدم و حوا کی افسانوی نفسیات کی کتنی اچھی تصویر موجود ہے!

نفسیات ترمیم ترتیب - سہ افعال و برات کے غالب حصہ میں جہاد پر جس طرح اجماع کیا ہے وہ اس کا نتیجہ ہے کہ صاحب کلام نظریات انسانی کی نفسیات سے پوری طرح باخبر ہے۔ سہ فہم کے شروع میں بسبب اللہ تعالیٰ کے جہاد میں جس قدر کمال ہے، سہ تمام تر مشق کے غلات انہی میں ہے۔ ظاہر ہے کہ موقیہ غلبہ و محنت کا ذکر کرنا سنا سبب نہیں، سہ کا آغاز بھی اظہار لغت و تفسیر ایسی باتوں کے اعلان ہے کہ اللہ و رسول کی طرف سے معاہدہ شکن مشرکین کے لئے عاف برات اور علم و کمال کا اعلان ہے۔ یہ فقرہ جملہ کئی عظیم و شدید سیرایں لئے ہوئے ہے!۔ نفسیاتی اسلحہ کا انداز اختیار کرتے ہوئے جذبات کی اس طرح اسکا یا اودا جانا گیا جس سے مسلمان کے دل خدیہ جہاد اور خرقہ شہادت کے نیل میں نقصا ہو گئے اور فرد و یکہ جان شادی دنیا کا یہی اندیشہ الیاء و قرآنی بن گیا، ارشاد ہوا: "کیا ان سے جنگ نہ کرو گے جنہوں نے عہد توڑ دیا اور خود رسولی کریمؐ کو دیا اور انہوں نے جنگ میں اسلحہ کی تم ان سے دوست ہو آقا کر سلمان ہو تو خدا ہی دشمنی کی چیز ہے۔" ان سے جنگ کرو انہیں تمہارے ہاتھوں سے غلاب دیگا اور انہیں رسوا کرے گا اور انہیں ان پر نقیاب کرے گا۔ اور عین کا کلیچ ٹھنڈا اور ان کے دل کی بھڑاس نکال دے گا" (۲۵/۱۹) پوری سہ اس نفسیاتی اسلوب کی بہترین مثال ہے۔

جبر و اختیار! اسلام میں ان کو نہ فرید خیال اسلحہ کی آزادی دی گئی ہے، انسان کو جبر محض اور مضبوط نہیں، مختار و صاحب کدہار مانا گیا ہے۔ اس کی نظریاتی خیر پسند ہی کو سراہا گیا ہے: "فالمہمبا فجرہما و تقواہما"۔ وہ دنیا کا انجیل میں خیر و شر دونوں کا پہلو ہے، چلنے کی یکساں قوت دی گئی ہے اسلحہ انہیں تمام سے بھی باخبر کر دیا گیا ہے۔ یہ انسان کی نفسیاتی خیر پسندی ہی ہے کہ وہ بلا کی کہتا ہے ہوئے برائی کو برائی سمجھتا ہے اور اس سے نفرت کرتا ہے گناہ کرتا ہے مگر خوف، نامت، جھجک اور تذبذب جذبات کے ساتھ اس کی قوم کی نفسیں نہیں بلکہ عالمی صلاحیتیں۔ "UNIVERSE TRUTHS" اقوام عالم میں مشترک اعتبار کی حیثیت رکھتی ہیں جہیں ہر عالم اپنے "COMMON SENSE" سے کچھ لیتا ہے، بات دیکھ کر ان کا بڑا صاحب اختیار ہے اور قدرت نے اپنے جبر کے صفحہ پر اسے فائدہ اختیار کے مطابق ہی رکھنے کا متفق رکھتا ہے۔ برقی یا مائع، انسان کے ساتھ تمام کائنات جبر ہی نظر آتی ہے اور یہی قطعاً کہ مباحثی ادھر کا امتیاز خاص ہے جس نے اسے اشراف مخلوقات کا مسند لین کر دیا ہے۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات مومن فقط احکام الہی کا ہے پابند؛
مخل و حرم! فرمایا گیا: "میرے سب کے خزانہ رحمت کے ایک بھی ہو گئے تو تم فرج کے گدے سے نکلت کر مگے اہل ان سے بھی سخت خیال اور جبرورس (۱۰۱۱) ایک جگہ تو کہا گیا کہ: "نباتات ان لوں کی گتھی میں پڑی ہے" ۱۲۸، ۱۲۹، اسلام اس خدیہ کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی اصلاح، سکانت و نیامنی، بذل و مال اور جدوجہد کے شریعتانہ جذبات سے کنا چاہتا ہے، انسان اس نظری خدیہ میں کس کے دوسرے جذبات کی طرح حد اعتدال میں لانا ہے قرآن میں ارشاد ہوا کہ: "تو یہ ہو کہ مٹھی بند کر لیا نہ ڈھکیڑ لیا نہ اسیا ہو کہ سب کچھ شہ و غری کی ننگ کدہ، بلکہ مادہ اعتدال اختیار کر کے اس کے برعکس زندگی کے دوسرے فطری میں پہلے آتا ہے پھر مانتا"۔ اور خیالات اپنے گھر سے شروع کرنے کا اصول کا نفاذ ہے جس نے انہیں اکیلا گھلا گھولنا اور "تنازع البقاء" کے غلط نظریہ کی بنا ڈالی۔

معقول پسندی! سہ کہتے ہیں حضرت نصرؓ کے فریضہ عملی اور عارفی حالت کا مری پر حضرت موسیٰ کا ہمد غرضی کے باوجود اعتراض کدینا اور علم و عقلیت پر چھٹا اور پھر بار بار یہ کہنا: "اچھا اب کچھ پوچھو تو پھر مجھے ساتھ نہ رکھئے گا"۔ ان کی نفسیات کی کئی گم میں کھول دیتا ہے اس کی معقول پسندی، محبت و استجاب، اور جذباتیت پر سے پردے بھی اٹھا دیتا ہے۔ اس کے مقابلہ پر حضرت نصرؓ کا حضرت موسیٰ سے کہنا کہ: "انہ بن تسیطیح مٹی صی صی"۔ آپ میرے ساتھ مبر و غرضی کے ساتھ نہیں رہ سکتے، انسان کی نظری خدا پرستی، الہام پسندی اور ایمان کا غلبہ ہے۔ اصل میں حضرت نصرؓ کی کہنا چاہتے تھے کہ یہاں عقل پر سب کچھ نہیں بلکہ اشارہ الہام اور دست غیب کی لاندلیاں کائنات کے پس منظر میں

ابن نظر جانتے، دیکھتے اور محسوس کرتے رہتے ہیں کہ کل آئینہ عالم میں ان کا ہی سراپا ہے۔
ذوق جمال : حضرت موسیٰ کے بارے میں اشتادہ ہوا کہ "والعیت علیک مجسمۃ حق" میں غنائی طرف سے آپ کی شخصیت میں مجربیت اور

ادب موسیقی رکھ دی تھی، غالباً یہی مجربیت تھی جس نے فرعون کو اسے کی بات بان لیں پڑا مادمہ کر دیا، انسانان کی عین پسندی اس کے تمام پر غالب آگئی البتہ ذوق داستان یوسف و زلیخا کی بنیاد بن گیا۔ قرآن نے ان کے ذوق جمال (AESTHETIC INSTINCT) کو بھی میج دیا اور اسے محسن مطلق کی لامحدود نفاذی اللہ شاید نبیائے عمل کی جلوہ طرازیوں کا تماشا بنیادیا۔ یہاں تک نصف قرآن کے ایک سری مطالعہ جسے جستہ شایں پیش کی گئیں، جن میں نفسیات انسانی کے مختلف اوصاف و صفات دکھائے گئے۔ کہانہ تھا کہ اس نفسیاتی نقطہ نظر سے اگر قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو انسانی نفسیات کے تمام گوشے بے نقاب نظر آئیں گے اور علمائے نفسیات و علم الانان (Enthusiasts) کو یہ کتاب ایک اچھا و مرجع Book — Reference کی حیثیت نظر آئے گی — اسباب معلوم ہو گا کہ یہ کتاب، عالمی کتب کی نگراں دیکھیں علمی الکتاب، بھی ہے۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک کا علمی دینی اصلاحی

الحق ماہنامہ

زیر نگرانی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مظلہ ہستم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک۔

ایک جھلک

۱۔ قرآن و سنت کی روشنی میں عالم اسلام کی دینی و ملی کا حل ۲۔ عرصہ حاضر کی دینی اور علمی فتنوں کا انسداد ۳۔ مستشرقین اور اسلامی تعمیر پر تحقیق و کلام ۴۔ اور اسلام کی تحقیقات و نظریات کا جامعہ ۵۔ مغربی تہذیب تمدن کی تباہ کاریاں اور عالم اسلام کی ذمہ داری ۶۔ اسلام کا اثر و نفوذ ۷۔ اسلام کا علاج ۸۔ اسلام کی گمان کی ذمہ داریوں اور فرائض کی تلقین ۹۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی ترقی و ترقی ۱۰۔ خاندانہ کی ترقی ۱۱۔ سالانہ چندہ جمعہ روپے ۱۲۔ جنتی حضرت کے لئے پتہ ۱۳۔ انہر شاہ تیسرا ہفت روزہ ۱۴۔ دیندہ

شمارہ ۱۵ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک (ضلع پٹنہ)

چراغ راہ

ماہ فروری ۱۹۶۰ء

مجلہ ادارہ معارف اسلامی

۱۔ ہمدردی کی بین الاقوامی ساریش کا دستری ثبوت — ۲۔ مصباح اسلام —

۳۔ اسلام و شریعت — ایک ہم آواز کو فیض اصلاح — نصرت کی اشاعت خصوصی کا جائزہ — سلیم احمد

۴۔ احکام شریعت میں تفسیر کا اصول — مولانا عین الدین دینو دینو

فی شمارہ ۵، پیسے سالانہ چندہ ۹ روپے

چراغ راہ۔ یوسف نزل ہرمزجی اسٹریٹ کراچی ۱

دفاعِ راشدی ایم۔ لے

وحشت کی شاعری میں اسلامی رجحانات

مردانہ ماضی وحشت نگیزی ایک غزل گو کی حیثیت سے نہیں ہیں لیکن ان کے کلام پر اس قدر تعلیمات کا اثر معلوم کے انداز میں دینی عقائد کی جھلکیاں بھی جا بجا نظر آتی ہیں۔ وحشت نگہ صوفی سنس تھے نہ صوفی شاعر لیکن قدرت نے انہیں مزاجِ تغزل و طبیعتِ مدحیہ نہ اصولِ عاشقانہ دھڑکیا تھا ان کے سینے میں ایک ایسا دستور تھا جس نے محبت کی چوڑی بھی کھاتی تھی اور عشق کی لذت بھی باقی تھی، مگر یہ عشق نہیں مجازی تھا تو کہیں حقیقی۔ ان کے اوسان و جہالت کے جس گوشے کا تعلق ذاتِ باری اور وحدت الوجود سے ہے وہ عارفانہ ہے، ان کا عارفانہ کلام ناسکا افسانہ و دہلیز نہیں بلکہ میرا موجود ہے پہلے ایک نازی حس کا ایک شعر لکھئے۔

یادِ ت کفیلِ راحت و آرام جانِ ما
ذکرِ تو صابنِ طہر بہرِ جہادِ دانیِ ما
بیشعر ذکرِ فکر کی عجیب کیفیت کا حامل ہے۔ اب اس رنگ کے افسانہ شاعر غلط فرما دیتے

بندگی اور صابنی اصل میں دہلیز ایک ہیں
جس کا خدامِ راز ہے وہ ہے خدامِ راز کا
شوقِ ترا ہے موجوںِ ذوقِ تیرا پس انداز
کھول نہ دینِ محرم کہیں پروگیاں نہ باز
خاک میں مل گئے دے آنکھ اُنھی نہ شرم سے

ہم سے ہوا نہ سق ادا اس کی نگاہِ ناز کا
ان اشعار سے ظاہر ہے کہ ان کی نگاہ میں تعریف کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ چند اور نمونے،

دیکھا ہے چشمِ شوق نے تجھ کو غلط غلط
تو حسبِ وہ گریہاں تھا دہاں کس کو ہوش تھا

ندے ندے پر جہاں یارِ ضررِ ننگن ہوا
گر شے گر شے میں سپہرا پہ آرزو و دشمن ہوا
کارِ فرماے تجلی جب رُخِ روشن ہوا
برق سے دستِ دگر بیاں شوق کا خرم ہوا

سجدہ گاہ مستندوں پر تراغش قدم
بے لادوں کا وہی ملہا وہی سامن ہوا

ہمیں تو ایک سوا ہے اُس کا جس طرح ناز
کہ آشکارا ہوا اور پھر بھی ماننا

اب تک نظر آجاتی ہے شقائقِ دلی کو
وہ برقِ قلبی جو سرِ طور نہیں ہے

نعت اپنے موضوع کی ہم گیری اور بندہ کے لحاظ سے ایک اعلیٰ صنف ہے۔ وحشت سے اس صنف میں بھی بڑی جدت، تازگی اور نوانمائی کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے۔ ترانہ وحشت، دیوانِ وحشت اور نقوشِ دُائری میں ان کی نعتیں کافی تعداد میں موجود ہیں، انہیں سرسبز و دو عالم سرور کا سناتے رسولِ کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے بچپناہِ حقیقت و محبت اھلِ اہلِ عشق و ولایتِ حق، حضور پروردگار کا نام سن کر آئندہ وہ جو جانتے اور ان کی یکبیت کو گونے خاص طور پر سیرۃ النبی کی محفلوں میں دیکھی ہے بقرۃ سیرت

جب نامِ تالیفِ تب چشم بھر آدے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے بگڑ آدے

نورِ وحشت بکھینچے

مرا سنا تجی کے عشق میں طوفانِ اُٹھائے گا
محیطِ شوق ہے ایک ایک قطرہ دیدہ تر کا

قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله۔ یعنی اے رسولِ مسلمانوں سے کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرے یا اتباع کرو۔ پھر اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اس آیتِ کریم کی روشنی میں مولانا کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی محبت و نسبت اھلِ سنی کی ہم سے عشق مولانا کی زندگی کا نصب العین تھا۔ اپنی اس سعادتِ مندی کا اظہار بار بار انہوں نے اپنی نقوشوں میں بھرا ہوا لکھا ہے وہ عشق لے کر کس دھڑکنے لگے۔ اس کا اندازہ ان اشعار سے لگایا جاسکتا ہے۔

پیامِ حق منسا سنا ہے گوشِ دلِ پیمبر کا
مرا ہر نفس اک نفسہ ہے اللہ اکبر کا
خوش قسمت شبِ دہد اپنا دل محوِ تعود ہے
کبھی زلفِ معنبر کا کبھی دوئے منور کا
مرے دم میں ہے دم جب تک یہ میری تنہا ہے
کہ دم بھرتا ہوں میں اپنے آقا اپنے سدا کا
یہ کس کے ذکر سے کام دہن دے ہیں لذت میں
گن ہوتا ہے اپنے ہر نفس پر نوحہ گوشت کا

یہ کیا کم ہے کہ وقت باہرہ جو دم وسیہ کاری
 ہب ما مدد محشر ہے شیخ مدد محشر کا
 ملائکہ خدیہ کام کا ایک ہدیہ پہلو ہے کہ انہوں نے حق میں محشر اگر کم کے احسانات، کمالات، تعلیمات اور فیضانِ بیکر میں پر بھی روشنی
 ڈالی ہے سرکارِ دو عالم سے "خطاب کس ادب و عظمت کیسے تھا کیا ہے۔"

تو افسوسِ عظیم اے رہنمائے حق مسلم ہے
 تری تعلیم کا مہیون احسان سارا عالم ہے
 اخوت کا سبق تو نے دیا سارے زمانے کو
 بنایا مرکزِ اخلاص اپنے آستانے کو
 تو ہے قربان اے ختمِ رسل کیا شان ہے تیری
 قبائے رحمتہ للعالمین پہچان ہے تیری
 تمیزِ حق و باطل دی تری تعلیم قرآن نے
 زمانے کو کیا ممنون تیرے فیض و احسان نے
 سلام اے بانیِ دینِ مبیں ختم و رسل تو ہے
 گلستانِ جہاں کا من جن سے ہے وہ گل تو ہے
 دیا درسِ مسافت اہل عالم کو تری خوشے
 طریقہ سارے عالم کا بدل کر رکھ دیا خوشے

تو جو اے ابو عرب، عالم کی زینت ہو گیا
 لہ تیرا کس کے جہلوے کی شہادت ہو گیا
 لہ تیرا واقعہ آثارِ ظلمت ہو گیا
 ایک عالم کے لئے شہیدِ ہدایت ہو گیا
 کیوں نہ منظرِ نظم ہو تیرے کوچہ کاغذ
 مریضہ ایہ سرسہ چشمِ بصیرت ہو گیا

تکفیر اور اس کی حدود

موسلمان دوست ایک دوسرے سے ملنے میں اذیتوں بات چیت ہوتی ہے۔

ایک ایکوں جناب آپ کی مسجدیں جمعہ کی افغان ثانی کس جگہ ہوتی ہے ۔

دوسرے۔ جہاں تمام ملک اور دوسرے ممالک اسلام میں پہنچ رہے ہیں یعنی خلیفہ کے دوسرے۔

پہلا۔ گریہ تو بکثرت ہے۔ یہ انسان تو عواذہ سمیعہ ہونی چاہئے۔ کیا آپ نے علی بابا الحسین نہیں پڑھا۔

دوسرا۔ گزشتہ پندرہویں امام (امام کے سامنے) کو کیجئے گا۔

پہلا :- جی ہدی میں تو بڑی گناہیں ہے ۔ وہ تو حد نظر کو بھی شامل ہے ۔

میت ابد قیامت کی بھی تاکید ہے۔

یہ کوئی فرضی کہانی نہیں ہے بلکہ حقیقت کی دنیا میں ایسے واقعات ہر لمحے ہیں کہ دو عالموں نے نہیں، دو بڑے عالموں نے ایک جہتی مسئلے کو وجہ قرار دے کر بنالیا۔ اذان سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لیکن اگر اذان کو بغیر نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جاتی ہے گو ترک سنت کا گناہ ہو گا مگر یہاں اذان جمعہ کو جو ایک جہتی چیز ہے کفر و ایمان کا سوال بنایا گیا۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم لوگ تکبر و کفار کے حلقے میں کس قدر دیر میں حالانکہ شرعاً مطہر نے سلمان کو کافر ٹھہرانے کے سلسلہ
 با کافی حد تک دیر لگائی ہے۔ مگر ان واقعات کی ایک سلسلہ است موعنا یعنی جو شخص را خدا را سلام کے لئے آئے ہیں وہ سلام
 ملے گا۔ اس سے یہ نہ کہہ کر تو مومن (مسلمان) نہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ مراد ابن بن ہبیک اسلام لئے مگر ان کی قوم شریفہ اسلام نہیں ہوتی۔ جب
 ان کے خلاف میں حضرت اسماعیل بن زید کی سرکردگی میں اسلامی لشکر ہو چکا تو اہل لوگ تو بھاگ گئے لیکن مراد بن ہبیک نے ان کو دیکھ کر انہوں نے سلام
 کا اعلان کر دیا۔ اس کے باوجود حضرت اسماعیل نے ان کو قتل سمجھ کر قتل کر دیا۔ جب حضور کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ اسماعیل پر نازل فرمے (تفسیر
 رک التفسیر) بیان القرآن میں ہے کہ حضور نے مقتول کے بھائی کو ان کی دینت ادا فرمائی۔ بخاری، ترمذی اور سندھ میں قتل کرنے والے کا نام
 ہے، بڑا بڑا حضرت محمد کو قتل بتایا ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت خاتم النبیین ولید کو بھی پیش آیا کہ انہوں نے ایک شخص کو غلطی سے قتل کر دیا، اور رسول
 بولے ان پر عقاب فرمایا کہ تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ ولید دیکھتا ہے میرے حضور میں خدا
 جل سے برابر کی را خدا کرتے ہیں۔

غرض تکفیر مسلم پر ضرع میں سخت وعید آتی ہے۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص دوسرے کو یا کفر سے منسوب کرتا ہے اسکو دلائل ایسا نہیں ہوتا تو وہ فسق یا کفر پہلے شخص ہی پر لوٹ آتا ہے۔ ایک جگہ استاذ دہرنا ہے من قذف مومن

بکھڑا فرسودہ کتھن یعنی مومن کو کھسک کر ہمت لگانا اس کو قتل کرنے کے بارے میں امام بخاری نے اسی سلسلے میں باب باندھا ہے۔ باب من الکفر
اخلا بغير ما دین فرسودہ کا دل بھی بوجہ یا دین (دھریعہ) اپنے بھائی کی تکفیر کرے تو وہ دینا ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا۔ علی بن ابیہن
لہذا کفر من قال قتلاً ولا جاحلاً یعنی جو شخص تاویل کے ساتھ یا ناواقف سے کوئی بات کہہ دے اس کی تکفیر کو جائز نہ جانتا۔ اس ضمن میں یہ
حدیث نقل کی ہے کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کو قتل کر دے تو ان میں سے ایک ضرور کافر ہوگا۔ دوسرے کو کفر کیا گیا جس نے غلطی سے کافر کہہ دیا۔
نیز حضرت حاطبہ کا واقعہ لکھا ہے جنہوں نے کفار قریش کو حضرت حمیرہ رضی اللہ عنہا کے والد رسول کے جلی امیر کے ساتھ کر دیا تھا۔ اس کو اس فعل
پر حضرت عمرؓ نے منافق کہا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے حضرت عمرؓ کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد کیا کہ ایسا نہ کہو۔ حاطب ہمدانی ہیں، تمہیں کیا خبر کہ حق تعالیٰ اہل ہمدانی
تمام خطائیں معاف فرما چکا ہو۔ یا ایک بار حضرت معاویہ بن جبل نے ایک مسلمان کو منافق کے لقب سے یاد کیا جس میں حضرت نے فرمایا یا معاویہ! انت
معاذیکم تم لوگوں کو غلطی میں ڈال دے گے۔

ان نعلی محیحہ وحرکہ کی سنی میں علماء۔ اسلام اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اہل تبدل کی تکفیر جائز نہیں، شرح عقائد نسبی میں جو حدیثوں سے
ہماری دعویات میں شامل ہے تصریح کی ہے کہ وہ من قواعد اہل السنۃ والجماعۃ ان لا یکفر احد من اهل القبۃ یعنی اہل سنت وجماعت
کے اصول میں یہ ہے کہ اہل تبدل میں کسی کی تکفیر نہ کی جائے۔ اس کو اس طرح کا مسلک بتایا ہے۔ حضرت امام اعظمؒ سے یہی قول منقول ہے کہ لا تکفر
احداً من اهل القبۃ۔ اب سوال یہ ہے کہ اہل تبدل کون ہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو ہمدانی مسافر ہے وہ ہمدانی ہے اور ہمدانی کی طرف رخ کرے
اچھا راہِ ذبیحہ کھائے وہ اسلام کی پناہ میں آگیا۔ بظاہر اس حدیث نے اس عقیدے کو غلطی طرح میں لکھا۔ مگر علماء کی ایک بڑی جماعت دوسری شخصوں کے
پیش نظر اس طرف گئی ہے کہ اہل تبدل وہ لوگ مراد ہیں جو ضروریات دین کے قائل ہیں اور جو ضروریات کے منکر ہیں مثلاً حدیث عالم عشر اصحاب حق تعالیٰ
کے عالم کلیات وجزئیات ہونے پر اتفاقاً وہ نہیں رکھتے وہ اہل تبدل میں شامل نہیں ہیں۔ خود اس طرح بھی اسی تعبیر کے حق میں ہیں، حاشیہ خیالی میں ہے کہ اس طرح
مسائل اجتہاد میں کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ البتہ ضروریات دین کے منکر وہ بھی کافر کہتے ہیں۔ تاہم فقہاء و متکلمین فقہاء نے بغیر کچھ حدود مقرر نہیں
جن پر آگے بحث آتی ہے۔

پہلے ضروریات دین کی ترمیم کر دی جاتی ہے جس سے زیر نظر مسئلہ کسی قدر صاف ہو جائے۔ وہ عقائد جن پر ایمان کی بنیاد ہے ضروریات دین
بہا قی ہیں، جیسے خدا، رسول و قیامت وغیرہ پر یقین رکھنا، اگر کوئی شخص خدا کو نہیں مانتا، یا مانتا ہے مگر اس کی ذات و صفات میں دوسروں کو
شریک گردانتا ہے۔ یا اس کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتا ہے یا قرآن مجید کو جھٹلاتا ہے یا رسالت کا منکر ہے یا رسول مقبول کا یا آپ کی خالیت کا
نہی نہیں یا قیامت پر اتفاقاً وہ نہیں رکھتا تو وہ بدشہ فائدہ اسلام سے خارج ہے۔

لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا۔ حضرات علماء نے تکفیر میں کافی احتیاط برتی ہے اور اس پر متعدد پابندیاں عائد کی ہیں منجہ ازہر شرح فقہ اکبر میں ہے کہ اگر
کسی کے دین میں آج بھی اس سے حق تعالیٰ کو دیکھا تو کافر ہو جائے گا۔ مگر محض روایت پر تکفیر کا اقدام نہایت خطرناک ہے۔ فان
نظروا فی اثناء الف کافر اہل من الخطا فی القیاس۔ یعنی ایک ہزار کافروں کے متعلق فتویٰ میں غلطی کرنا ایک مسلمان کے بارے میں غلطی کرنے سے
بہا اسان ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی فرنگی علی سے مختلف فرق اسلام کی نسبت دیانت کیا گیا جس پر آپ نے جواب دیا کہ "حقاً اللہ انذک کہ کتابوں سے
ت ہے کہ بہتر فرمتے جو اہل اہوا میں ہیں ان میں ایک بھی کافر نہیں ہے۔ بلکہ اتفاقاً ان کے کفر کا یہی گھر ہے۔ تہجد الشکریں ہے کہ حدیث دبدبہ فقرہ
تیں اختلاف ہے نیز کہ امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ اہل سنت وجماعت کی کیا تعریف ہے امام نے فرمایا لا اذهب ولا منقض ولا جاح ولا
ولا تشبیہ ولا تعطیل۔ اسی کے ساتھ امام موصوف نے کہا کہ اہل اہوا کی گواہی مقبول ہے۔ اور جب ایسا ہے تو ثابت ہو گیا کہ وہ مسلمان ہیں امام محمد
فائدہ فرمایا کہ بدعت کے پیچھے نہ جانا ہے اور اگرچہ ہر کرامت، کیونکہ وہ بدعت کو حق سمجھ کر اس پر عمل ہے۔ دوسرے وہ تاویل سے کام لیتے ہیں اس کو

آدم بر سر مطلب۔ تکفیر کے اقدام میں جو قیود ہیں ان میں پہلی قید تائیل کی ہے یعنی اگر کوئی کفر یا عقیدہ ظاہر کرے جو لوگوں کی تائیل کرتا ہو تو اسے تکفیر نہ کہ جائے نہ جہنم جیسے فرق اسلام میں ان میں سے شاید ہی کوئی بچ سکے، مگر عہدِ مدنی نے بعض فقہاء کا قول نقل کیا ہے کہ "جو شخص نفسِ قطعی کا با تائیل انکار کرے اس کے نفسِ قطعی فاسد ہوئی ہے مگر اسے قتل نہیں کرتا وہ کافر ہے اور جو بتائیل نفس کا انکار کرے اگرچہ وہ تائیل تائیل کہے جانے کے لائق نہ ہو ا کافر نہ ہو گا۔" اس میں ایک مثال ملاحظہ ہو۔ علمائے مہاد انہر و عمر ا متشدد و کچے جاتے ہیں معتزلہ کو مشرک قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ (معتزلہ) بندے کو خالق افعال مانتے ہیں بلکہ بعض نے تو یہاں تک کہا کہ معتزلہ سے تو جوئی بہتر ہے کہ وہ خدا کا حرف ایک شریک ٹھہراتے ہیں اور معتزلہ بے شمار شرکوں کے قائل ہیں۔ ان کے برخلاف برناتس الدین خیالی کی رائے ہے کہ معتزلہ کو مشرک نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی خالقیت اللہ ہی کی خالقیت کی ایک نہیں ہے۔ اس احتیاط کا سبب معتزلہ کا اپنے عقائد میں تائیل سے کام لینا ہے۔ احتیاط پر حضرت مولانا فضل الرحمن گجڑ مراد آبادی کا ایک واقعہ یاد آیا جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ مولانا نے صرف ایک ٹکڑے کی طرف توجہ دلائی کہ اللہ تعالیٰ کتاب و سنت تھے، ان کے کسی مرید نے سوال کیا کہ حضرت یہ سید و سرسید کہتے ہیں، فرمایا یہاں وہ چاہتے ہیں کہ کوئی مسلمان نہ ہو گا نہ رہے، سوائے ان کے کہ میرا مطلب یہ نہیں ہے میں ان کے عقائد کی نسبت پوچھ رہا ہوں۔ مولانا نے جواب دیا یہ اول سے پوچھ لیا سب مجھ سے پوچھ گئے۔

دوسرا امر جو قابلِ توجہ ہے وہ قوم کفر اللہ التزم کفر کا فرق ہے۔ لزم کفر قریب ہے کہ نہ اس کفر کو اپنے لئے اپنا فرقہ اسلام سے خارج ہونا قبول کرے۔ علماء کا فرض یہ ہے کہ اگر کسی سے کفر یہ قول و فعل سنیں یا دیکھیں تو اس کی شناخت و تباہت صاف ظاہر کر دیں لیکن میں نے اس کا انکار کیا ہے اس کو کافر کہتے ہیں مجتہدین اللہ تعالیٰ و صاحبہ کی تحقیق کے بعد کوئی حکم نکالیں۔

اس کے علاوہ خط و علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص میں نشانے دہ کفر کی ہوں اللہ ایک وجہ اسلام کی تو اس کے مسلمان ہونے ہی کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ مجاز ہے کہ نہ اسے کفریات کا ارتکاب کرے۔ تاہم کلمہ طبر پڑھنا یا افسردہ اسلام کا ناس کے لئے کافی ہے بلکہ جب کسی کسی نزاعی مسئلے کے نواسے پہلو اس کی تکلیف دہی ہوں اللہ ایک پہلو اسلام کی طرف جھکتا ہو تو اس کو کافر کہتے ہیں عہدِ تباہ کی لازم ہے۔ یوں تو تمام فقہاء اسلام تکنیکِ اہل تہذیب کے خلاف ہیں۔ لیکن امت کے یہاں اس امر میں زیادہ احتیاط ہے۔ اگر آپ حضرت ابو حنیفہؒ کا قول پڑھائے ہیں کہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے، یوں بھی شرعاً شریف کا حکم ہے کہ شبہ کا فائدہ طرم کو ملتا ہے جسے راس و اطمینان و وبالِ شہادت۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یہ نتیجہ جیسے ظالم اللہ ہر امت کو بھی کافر نہیں کہتے۔

لے قادیانی چونکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرنا فہم احمد کرتی مانتے ہیں، اس لئے ان کے کفر میں کسی قائل اللہ تک دشمن کی گناہ نہیں ہے اور اس کفر کے بعد وہ اہل تہذیب میں شامل نہیں رہتے کہ اہل تہذیب سے امت محمدیہؐ مراد ہے نہ کہ کسی چھوٹے نبی کی امت مثلاً یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے ملک میں اہل سنت کے تین بڑے مذاہب مذکور ہیں۔ ۱۔ بدلی علی اللہ بدلیانی ۲۔ دہلوی علی اللہ دہلوی ۳۔ فرنگی علی اللہ فرنگی ۴۔ حنفی علی اللہ حنفی ۵۔ اس کے باوجود اس امر خاص میں ایک دوسرے سے مختلف تھے ہیں ایک شریعت کا دھڑک رہا ہے دوسری ہے۔ اب ہرگز نہیں ہے کہ علماء نے حنفیہ پرید کو فانی علامت نہ ہانپتے ہوں یا معا والہ سپہنا ام حنین کی شہادت کی عظمت کے منکر ہوں۔ یہ ہے کہ جب تک قتل مسلم اللہ کی بات نہیں ہے تو شریعت اہل اہل سنت کا قتل اس کے بعد موجب عسار ہو گا۔ اصل یہ ہے کہ ان میں سے بعض کے نزدیک تہذیب کا حکم قتل مینا ثابت نہیں اس پر تہذیبیہ ثبوت وہ کیرو کہ سبب تکفیر نہیں کہتے۔ البتہ حضرت امام عالی مقام کی عظمت اللہ قتل کی دیکھ کر ہر عداوت کے سب قائل ہیں بلکہ یہاں اس کا قائل نہ ہو وہ سرے سے قائل نہیں۔ تاہم یہاں سب ہو گا کہ ہم حضرت مولانا صاحبہ کی فرنگی پختہ کی حجت نقل کر دیں کسی نے صرف بعض چیز کے پاس سے نہ ہانت کی۔ جس پر تحریر فرمایا کہ "یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے حضرت امام کے قتل کا حکم دیا تھا اس بات کی قطعاً تردید ہے۔"

عام طور پر مسلمان احمدیوں کا اسلام میں شکات سے آج کل دوچار ہیں ان کا قہار ہے کہ ملت اسلامیہ امتراق کی جگہ اتفاق کو خدا بنائے اور اللہ اپنے اپنے عقائد پر قائم رہتے ہوئے کم از کم امر مشترک میں مشترک و تعاون کی راہ پر گامزن ہوں۔ مخالف جب اسلام پر اعتراض کرتا ہے یا مسلمانوں کو گزند پہنچاتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ مسلمان مستند میں اہل سنت کا مسلک کیا ہے اور دوسرے فرقہ اسلامیہ کا مسلک کیا ہے۔ یا مسلمان شخص یا گروہ کسی ہے یا نہیں۔ خفی ہے یا اہل حدیث۔ ایک نمونہ ہمارا جب ہمارے ملک میں عدۃ العلما کا قیام ہی نقطہ نظر کے تحت عمل میں آیا تھا، خود پاکستان نے اس مسئلے میں ایک اچھی مثال قائم کر دی جب کہ دستور ساز کمیٹی کی عرض سے مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں علماء کی ایک کمیٹی بنائی گئی اور اس میں دہلوی، بریلوی، اہل حدیث، ایشیائی علماء نے باہمی اشتراک و تعاون سے ملک کا دستور ہی خاکہ مرتب کیا۔ کیا وقت نہیں آیا کہ ہم داعیہ ہمارا جملہ ممالک جیساً کے صحیح مصداق بن جائیں یا کم از کم امر مشترک میں تطاہر و تعاون کو کام میں لائیں۔

ظلم کا نتیجہ۔۔۔ پر ماضی تھا غلط ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مشرک و کبیر ہے۔ کفر نہیں ہے اور یہ نہیں جانتے کہ کفر تو اُصولی طرف ہے۔ خدا نے اپنے رسول کی تسبیح و تہلیل رکھتی ہے۔ ان الذین یؤفون اللہ ورسولہ۔۔۔ عذابا ہمینا۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو انیت پر پوچھ لیں ان پر اللہ دنیا و آخرت میں لعنت کرنا ہے اور ان کے لئے لعنت کا عذاب مقرر کیا ہے۔ اس کا احتمال قویہ، احتمال ہی احتمال ہے۔ اسی بنا پر امام احمد بن حنبل و غیرہ نے اس پر لعنت کی ہے و دیگر بعض دینی ائمہ اعمال پر بعض مباحی کے بارے میں بھی امت میں تین مسلک ہیں۔ خود چر مصیبت کو کفر ٹھہراتے ہیں۔ اہل سنت و شیعہ ان کو مذہم کہتے ہیں یعنی انہیں کفر کا لفظ ان کا کفر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ چاہے جسنا سے چاہے معاف کر دے ان کے برکات و منن ان کے لئے مشرکین میں المنترین ثابت کرتے ہیں جو کہ کفر بعد اسلام و طاعت محمد پر مبنی ہے

سوان برانڈ
صائب



ذوالفقت رند سبزی میسرہ

پچھانہ مضبوط

ہیں آئیں گے۔ جنہوں نے سب سے پہلے اس قسم کے واقعات ذکر کئے ہیں؟ یہی واقعات حضرت عادیہ کے متعلق بھی مسلم مؤرخین اور فقہاء و محدثین کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ قرآن کے متعلق ان فضلاء و دیوبند حضرات کا فتویٰ کیا ہو گا؟ والسلام

محمد یوسف

مدد سہی اہل کتب و

۲۰ مئی ۱۳۲۷ھ

جناب کا دانا موصول ہو کر باعثِ مسرت و فرحانی ہوا۔ یاد آ رہی کہ تھے بے مدد مومن ہوں۔ اب یہ بھی اسی طرح آئندہ بھی یاد آ رہی فرماتے مہاجرین؟
یہ حدیث کے لئے مومن ہوں گا۔ جزاکم اللہ۔

محترما! آپ اپنے حلیہ و نام میں جو باتیں درج و فرماتی ہیں۔ یہی باتیں کہ اپنی طرف سے ان کے جواب میں کچھ معروضات پیش خدمت کر دیں، یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ بھی مولانا غلام غوث صاحب کی طرح غصہ و کراہی سے غلبہ و غضب کے لئے مجھ سے نہ بنائیں، اس طرح ایک دوسری ناگوار بات کا آغاز ہو گا۔ جو باتیں کہنے سے ہاٹ پڑی ہیں۔ لیکن غصہ کے بعض منہ دہات کو سامنے رکھ کر مجھ پر چند گستاخات بھی کرنا ہوں۔ خدا کہے آپ کے لئے موجبِ غلطی یا باطل و نجس کی ثابت نہ ہوں۔

۱۔ میرے محترم ہنگام میں اپنے متعلق آپ کو یقین دلانا ہوں کہ میں کسی مسکن کی عزت و اہمیت سے قطعاً ہٹنے کو چاہتا نہیں بلکہ تمام قطعی مجھ یا ہوں، اسی طرح میں علماء و دین کے متعلق بھی وہ ملے نہیں رکھتا جو آپ رکھتے ہیں، آپ کی رائے کو ان کے بارے میں یہ کہہ کر ایک غایت کوشش بھی ہیں اہل اسلام بھی۔ اور بحث باطن کی بیاری میں بھی مبتلا ہیں اور دینی حادس میں یہ کہہ کر کس قدر بے گوارا بننے والے نجات کچھ بیٹھے ہیں۔ اس سے زیادہ وہ دین کی کوئی خدمت نہیں کرتے اور آپ کی نظر میں چٹال قابلِ قہر کام نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ہیں ان حضرات کے مطلقاً کہ انہوں نے اعلیٰ صفات دین کو بہت تسکین نگاہ سے دیکھا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ اس وقت جو کچھ اور جتنی کچھ پاک و بزرگی مومن پر اسلام کی روشنی نظر آتی ہے انہی حضرات علی دین کی انجیلی مساعی اور تبلیغی سرگروہ ہیں یا قیصر ہیں اس لئے تمام مسلمانوں کو اپنی کامنوں کا اعلان کرنا چاہئے۔

۲۔ میرے محترمہ وانا سے یہی یہ تمنا اور دل و فہم یہی ہے کہ اس وقت جتنی بھی اسلام پسند تنظیمیں اور دینی جماعتیں سرزمینِ پاکستان میں اسلام کی حقیقی سر بلندی کے لئے غلوں و دل سے کام لے رہی ہیں وہ سب سب اہم تمامہ متفق ہو کر اعلامیہ و تبلیغی کی مشورہ و جدوجہد کا آغاز کریں اور اپنے اپنے فروعی اور مصلحتی ساک پتہ نامہ کو تمام قہر و انجیز تنظیموں کے مقابل میں بنیانِ مرحوم بن کر دیں اور اپنے اتحاد و عمل سے یہ ثابت کر کے دکھائیں کہ جو ہم اپنے فروعی ساک کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر اپنے مشترک اور مصلحتی مباح دین کی حفاظت کے لئے آج سے چودہ سو سال قبل ہی داعیہ و اجیل اللہ جیسا ولا نفسہ و لا۔ لا جو سبق پڑھایا گیا تھا اس کے گہرے نقوش آج بھی ہمارے دل و دماغ پر پوری طرح ثبت ہیں نہ کہ وہ مٹ چکے ہیں اور ہماری اس مباح دین پر جو بھی حملہ آوروں ہم اچھی طرح ان کے حملوں کا منہ ڈر جواب دے سکتے ہیں اور دماغ کا لٹریچر بھی ادا کرنا جانتے ہیں۔

۳۔ اس وقت سرزمینِ پاکستان میں اسلام کی حقیقی سر بلندی کے لئے جو لوگ اپنے غلوں کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ خواہ آپ براہِ کون نہ ہوں مگر میں بلا خوف و تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ بہت سی تنظیموں سے وابستہ حضرات ہیں۔ ان میں سے ایک تو اہل حدیث حضرات ہیں، جو اگرچہ اپنے مخصوص مسلک کے لحاظ سے عقیدین حضرات سے الگ اور قدس سے دور ہیں مگر یہ حقیقت بجزیم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ وہ دوسرے تمام اسلام پسند حضرات کی طرح ملک ان سے بھی زیادہ اس ملک میں قرآن و سنت پر مبنی نظامِ اسلام کو دیکھنے کے لئے نہ صرف خواہشمند ہیں بلکہ اس کے لئے مقدور و مجرہ بھی ہیں۔
۴۔ دوسرے وہ علماء و کرام ہیں جو دینِ بلندی و کتب و فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ خواہ وہ حضرت مخاوی رحمتہ اللہ علیہ کے مشرب سے متعلق ہیں یا حضرت مولانا مفتی رحمتہ علیہ کے خاص مسلک "اثبات توحید و منہ" سے وابستہ ہیں۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جو جماعتِ اسلامی سے منسلک ہیں۔ پاکستانی غلام اور تعلیم یافتہ دونوں طبقوں پر جو مولانا کے دونوں جماعتوں کا جواز ہے وہ دوسری

کسی جماعت کو حاصل نہیں ہے اس لئے اسلام کے معادلی خاطر میں ہمیشہ ان دونوں جماعتوں کے اتحاد و اتفاق کا خواہاں رہا ہوں اور عجب ان کے دینی اختلافات اور کشمکش کو دیکھ کر ہماروں کو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مجھے کس تسلی دینا ہوتا ہے اور کتنی پریشانی مجھے اٹھانی پڑتی ہے۔

علامہ ان دونوں گروہوں کے دینیان جو چند اختلافات سامنے آتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ ان کی حیثیت فردی اور فقہی اختلافات سے زیادہ نہیں جو حضرت علامہ کرام فقہی اور فروعی مسائل میں ہے جہاں تشدد نہیں کرتے نہ اپنے فقہی مسلک میں ہی کو خیر مانتے ہیں بلکہ وصفت وحدت سے کام لیتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ وہ دونوں جماعتوں کے مابین جو زمانی مسائل ہیں انہیں اصولی مسائل قرار دیں گے یا ان میں سے باہمی اختلافات کو ہدایت اور اختلافات کا اختلاف نہ کہیں گے۔ اس لئے اسلام کے اصولی اور بنیادی مسائل میں دونوں جماعتوں کے دینیان ہرگز اختلاف نہیں ہے بلکہ اپنی طبعیت سے جو بعض حضرات ہی ہیں۔ جو خواہ مخواہ ان مسائل کو اصولی مسائل کا حصہ دے کر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کی مخالفت کر رہے ہیں۔

معاذ اللہ ہر جہاں کہ ان اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی قدر و معاداری اختیار کر کے اسلام کے عظیم تر مقصد کے لئے تمام بین پسند جماعتیں مل کر کام کر سکتی ہیں اور دین کے مشترک معادلی حفاظت کے لئے ایک دوسرے کے قریب بھی آسکتی ہیں مگر ایسا نہیں کیا جاتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ دین کے بین دی احکام ان کے سامنے پابال کئے جا رہے ہیں اور اسلام کے قوانین کو کٹنے و کاٹنے کے لئے نہ بنایا جاتا ہے نہ گمان حضرات کو ان کی کوئی فکر نہیں ہوتی ان کو اگر کسی جہ سے اوس بات کی کہ ہم اپنے فقہی اور فروعی مسائل کو محفوظ رکھیں اپنے ان گروہی معادلات کا تحفظ ان کے نزدیک دین کے اہم تر معادلات کے تحفظ سے کم زیادہ اہم نظر آتا ہے، ہاں کہ یہ بہت بڑی فکری غلطی معلوم ہوتی ہے۔ خود ان کے اندر ان کے باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اگر ایک دفعہ مخالف اسلام طاقتوں نے اپنی تحریری سرگرمیوں سے اسلام کو عملی زندگی سے کوئی یا غیر کوئی طریقہ سے بے دخل کر کے رکھ دیا تو اس وقت آپ کیے چھوٹے چھوٹے گروہی معادلات ہرگز محفوظ نہیں رہیں گے اس وقت نہ یہاں دیوبندیت رہے گی نہ بریلویت اور نہ حنفیت، ان تمام جماعتوں کو معادلات کا تحفظ اس وقت ممکن ہے جب کہ اسلام محفوظ رہے اس کے بغیر اس کے بغیر اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ نگار یہ ہے کہ اس قسم کے فردی اختلافات کو جب بھی اصولی اختلافات کا درجہ دیا گیا ہے تو اس سے ناخوش اسلام نے فائدہ اٹھا کر اسلام، عظیم اور تہذیب کے بہت سے سرکردوں پر قبضہ کر کے پھروہ و تباہ کاریاں کی ہیں جنہیں سن کر لاشن لرزہ برانداز ہو جاتے ہیں پھر اس کی وجہ سے وہ گروہی اختلافات پر بھی اس قدر اہل اختلاف۔

علامہ یہ تاریخی حقیقت اگر آپ کی نظر سے اوجھل نہ ہو تو آپ کا انصاف یہ فیصلہ کر دے گا کہ ان دو جماعتوں کے مابین جہاں اختلافات دین کے لئے حد درجہ نقصان دہ ہیں جو لوگ ان کے دینیان جہاں اختلافات کے فیصلے کو کسی سے دیکھ کر نہیں سرگرمی دکھا رہے ہیں وہ دین کی خیر خواہی نہیں کرتے بلکہ بالواسطہ اس کو ناقابل طاقی نقصان پہنچا رہے ہیں میرے نزدیک اس مسئلہ میں مولانا غلام غوث صاحب چونکہ سب سے زیادہ مبنی پیش ہیں اور ہم گزرتے نہیں چاہتے کہ علما و کرام اور جماعت اسلامی کے لوگ باہم مل کر کام کریں یا دین کا مرکز نظر لیتے سے دفاع کریں اس لئے مجھے ان کے رویہ سے فرط کفایت ہے اور جو لوگ اس معاملہ میں ان سے تعاون کرتے ہیں یا اس پر ان کی کوئی معاونت فرماتی کر رہے ہیں، میں ان کے اس طرز عمل کا اسلام کے لئے حد درجہ نقصان دہ سمجھتا ہوں، میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ خدا کے ہاں ان حضرات کا یہ تعاون ان کے لئے قابل گرفت اور لائق سزا و عذاب ثابت ہوگا۔

علامہ آپ فرماتے ہیں کہ دینی مدارس میں جو علماء کرام معروف تدریس میں وہ ایسے اور ویسے ہیں، لیکن آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حضرات علوم دینیہ کی حفاظت کیسے شائبہ و تردید کشیں کرتے ہیں اور اس حد و بعد میں لگے ہوئے ہیں کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے ذریعہ اسلام کی حفاظت کی جائے۔ یہ بات آپ ذہن نشین کر لیجئے کہ تاریخ کے مختلف تاریک دوروں کے فتنوں سے جو اپنی محفوظ شکل و صورت میں اسلام کو ہلکا کرنا چاہتے۔ یہ مولانا غلام غوث صاحب جیسے ایسٹنڈل ما ترجمان اسلام جیسے اخبارات کے ایڈیٹروں کی نصیحت کا نتیجہ نہیں بلکہ فقہاء اسلام اور محدثین عظام کی اجماع اور درس و تدریس کی ناجائز پستی و وجہ ہے کہ آج اگرچہ اسلام پر مہلک فتنوں کا غلبہ ہوتا ہے اور ایک حد تک عملی زندگی میں اسلام کی قربت اور نزدیکی بھی محسوس ہونے لگی ہے مگر اسلام کے صحیح اور اصلی تصور کو تسلیم کرنے کے دلی و دماغ سے خود کو نے میں ہرے سے بڑا فتنہ دار شخص اور فتنہ جو ذہن نہایت ہی کا باہمی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ فقہاء اور محدثین

نے اسلام کی صحیح تعلیمات اپنی تبلیغ و تدریس کے ذریعہ ہم تک پہنچائی ہیں اور انہی کی کٹختی میں ہم نہایت آسانی سے اصل اولیٰ فی السیاسہ کی تمیز کر سکتے ہیں ورنہ اگر ماضی میں وہ اپنی تعلیم اور درس و تدریس کے ذریعہ آنے والی اصولوں تک اسلام کی اصل تعلیمات پہنچانے کا انتظام نہ کر چکے ہوتے یا آج مدارس دینیہ میں غیب اور محدثین حضرات درس و تدریس کے ذریعہ اسلام کے اصل احکام کی تشریح نہ کرتے تو بہت سے نادان و کفر اسلام کے احکام پر عمل جو ای کر کے اس کا اصل حلیہ ہی بگاڑ کے رکھ دیتے، پھر لیڈر و ایدہ بیڑوں سے کچھ نہ بن جاتا۔ اسی لئے حضرت نے فرمایا ہے کہ: انما بعثت معلما۔

عشتم آپ مجھ پر لازم نگارہ ہیں کہ آپ نے مولانا غلام غوث صاحب کے خلاف عموماً بتایا ہے لیکن یہ عمل تک نہیں فرماتے کہ پہلے کون محمدؐ اور ہوا ہے اور بے بنیاد الزامات کون لگا چکا ہے اور گالیوں سے بحث کا آغاز کس نے کیا ہے۔ آپ کا انصاف یہ بھی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ پہلے انہوں نے سسٹل جھٹکے ہیں اور میں صرف اپنا دفاع کر رہا ہوں ایک ہی میرا معنوں ایسا نہیں جو دفاع کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ سارے کے سارے مضامین جوابی ہیں۔ جن میں مولانا غلام غوث صاحب کے محسوس کا دفاع کیا جا رہا ہے۔ تین چار سال سے مولانا غلام غوث صاحب میرے خلاف ہر قسم کی ایذا رسانی میں برابر مصروف ہیں اور قسم قسم کے ناجائز جھٹکے کرتے ہیں اور ہر طرف یہ بے گروہیں مولانا مودودی کے بارے میں وہ سائے نہیں رکھتا جو وہ رکھتے ہیں حالانکہ میں ان کے جواب میں ہمیشہ خاموشی اختیار کر چکا ہوں لیکن ان کی یہ تمام حرکتیں آپ کے نزدیک ناقص نہیں ہیں اور جب میں ایسا دفاع کر رہا ہوں تو اسے آپ کا زلزلہ نام و پتے ہیں۔ کم سے کم کہہ دوں گے یہ لیکچر اور اراگت تک کے ترجمان اسلام کے پیچہ دیکھیں۔ بالخصوص اراگت کے پرچے میں تبلیغ و مشیرین کے لکھنؤ کے تحت جو کچھ میرے منتقین تفسیر کیا گیا ہے اس کو غلط فہم کر خود فیصلہ کریں کہ مجرم کون ہے اور میں اپنا دفاع کرنے میں حق بجانب ہوں یا نہیں؟

حرف نهم میں حیران ہوں کہ جب مولانا غلام غوث صاحب مجھے غلط گالیاں دیتے ہیں تو آپ اس کے لئے یہ توجیہ کرتے ہیں کہ وہ معذور ہیں کیونکہ ان کی طبیعت حسودی واقع ہوئی ہے اور جب ان کی گالیاں لگائی گئیں تو آپ اس کو نازی لیسوں کی مانند عداوتیں دیتے ہیں کیا اسلام حلال طبیعت رکھنے والے حضرات کو گالیاں دینے کی اجازت دیتا ہے نیز ایسی جسمانی گالیوں کو گالیاں کہنا کب حرام کیا جا چکا ہے؟ یقیناً جانتے کہ دنیا کی کوئی بھی علالت انصاف آپ کی اس رائے کے کسی منتقین نہیں ہو سکتی۔ آپ کو چاہئے کہ: کوئی قوانین اللہ متعہداً یا بالقسط۔ پرتا تم ہیں نہ کہ لایا کچھ منکرہ نشان تو مصلیٰ ان لا تعدوا۔ کی خلاف ورزی کا ہر وقت مظاہر ہو کھڑے ہیں۔

غلام مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے بارے میں آپ حضرات کی ہوائے پیا ان سے آپ کو جو اختلافات ہیں کم سے کم مجھے تو ان کے متعلق یہ اطمینان حاصل نہیں کہ آپ کی یہ سائے صاحب اور اختلافات ہر قسم کے تعصبات سے پاک اور ذاتیات سے بالاتر ہیں اس کو خواہ آپ مولانا مودودی کی جو کھٹ پر یہ کچھ نئی دیکھنے سے تعبیر کریں نہ کریں۔ مگر یہ حقیقت کہ میں ہر وہ دماغ سے آپ کے حلقے سے تعلق رکھنے والے اہل علم حضرات کی تحریروں اور اختلافات میں ملنے سے اختلاف مضامین اور انصافیت و کتب کا مطالعہ کر رہا ہوں اور کئی حضرات سے نہایت گفتگو بھی کر چکا ہوں اور بہت سے حضرات کو قریب سے دیکھنے کا بھی موقع مل چکا ہے لیکن عدل و انصاف و انتشار و برقی کی تعلیمات اور علماء حق کے فیصلوں کی روشنی میں جب ان اختلافات پر نظر ڈالتا ہوں، تو مجھے مگر یقین نہیں آتا کہ یہ تمام اختلافات نہایت ہی پریشانی اور ہر قسم کے تعصبات سے پاک اور ذاتیات سے بالاتر ہیں اور حق کی خاطر ہی تیار کئے گئے ہیں۔ اگرچہ اختلافات فکری ہیں بلکہ نہیں سمجھتا۔ لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اور اسی میں اس کو رکھنا چاہئے مگر آج کے یہ اختلافات نہ ذاتیات اور تعصبات سے پاک ہیں اور نہ اپنی حدود میں رہے ہیں۔ البتہ میں اکابرین و رہنما جمہور اللہ کی نیکی شہادت پر یہ نہیں کہہ سکتا لیکن ان کے فیصلہ سے کسی طرح اتفاق ظاہر کرنا بھی اپنے لئے فرض اصحاب جنہیں جانتا ہوں۔ اگرچہ مسلک کے اعتبار سے انہی سے وابستہ ہوں۔ اور علمی استفادہ کے لحاظ سے انہی سے شرف تکرار حاصل کر چکا ہوں۔ اختلافات حالیہ کے باوجود میں نے آپ کی بے غرضی کو اپنی رائے میں نہیں کر دیا۔ ناامید یہ کسی کی ناجائز مخالفت یا حمایت پر مبنی نہیں۔ بلکہ اپنے علم کی حد تک میں اس کو حق اور منہی برائیات سمجھتا ہوں۔

غلام لیکن اگر آپ کو میری اس رائے پر کہ اختلافات تعصبات سے پاک ہیں؟ اعتماد ہو تو میں آپ کو حالیہ اختلافات کا حالہ دیتا ہوں۔ جو مولانا مودودی کے

اور اس کے آپ کا دعویٰ یہ ہو کہ واقعات کے علاوہ بھی مولانا موصیٰ نے خود صحابہ کرامؓ کو گواہوں دی ہیں تو آپ ان کی نشاندہی فرمائیں۔ یہ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس طرح گواہوں کی نشاندہی کرنے پر جب پہلے ہی روشنی ہوگی گا جو مولانا موصیٰ کے خلاف آپ کی حمایت کا اعلان کروں گا لیکن تہمت تک بھی آپ اس طرح کی گواہوں کی نشاندہی نہیں کر سکیں گے۔

علاوہ اسی پر میرے تعلق جو یہ فرمایا ہے کہ آپ اپنے معرفت سے مودعیٰ ہمارے ایک تہذیب و تمدن کے مکمل ٹکڑے تھے۔ تو اس کے متعلق میں عرض کر دینا کہ اگر کسی میں خلا کا جو بھی عرصہ ہوا اس کے لئے خلا سے استغفار کیجئے۔ آپ عالم الغیب نہیں ہیں اصل الواقعہ جو مجھ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ اصل حقیقت حال وہ ہے جس کی وقعت بار بار آئین کے صفحات میں کی جا چکی ہیں آپ کے ذہن پر یہ الزام بالکل غلط ہے پیدا ہو چکا ہے جو ہر بات و فن کے بعد مولانا غلام غوث صاحب یا ان کا ترجمہ حسن اسلام پاپھر اس کے ارادہ سے منسلک حضرات آپ کو لگا رہے ہیں لیکن یاد رکھئے سورنغن اور بدہتان بہت بڑی سیارہ کی ہے۔

آپ یہ بات ذہن نشین کر لیتے کہ مولانا مسعودی کے مضمون پر میری تنقید کی نوعیت ابتدا سے ہی متنی کہ یہ واقعات اگرچہ تاریخ کی معتبر کتابوں سے لئے گئے ہیں مگر چونکہ ان کا مطالعہ سے ایک تاریک ذہن میں صحابہ کرام کے متعلق برے تصورات قائم ہو چکے ہیں اس لئے آج کے برفتن معدوم ان کی اثاثت مفید نہیں بلکہ نقصان دہ ہے۔ اور اس پر میں اب بھی قائم ہوں لیکن میں یہ غمگناختہ مضمون میں یہ نہیں لکھا ہے کہ مولانا مسعودی نے صحابہ کرام کو گالیاں دی ہیں۔ یہ مجھ پر۔ ترجمان اسلام کی بہتان تراشی تھی۔ اسی کی بہتان تراشی کا انشاء یہی صحابہ ہے جس کی آپ کہتے ہیں کہ مسعودی صاحب نے صحابہ کرام کو گالیاں دی ہے۔

۱۳۴۔ مجھے آپ کے اس ارشاد سے کثرتِ اخلاق ہے کہ مودودی صاحب جب کہتے ہیں کہ تعقیب گناہے تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ابر حقیقتی، شہ و دل اللہ
شیخ الہند مولانا محمد طسکن اند محمد قاسم، ان دو فتویٰ کی تعقیب نہ کر۔ میری کہد عرفی میری شیرے خیال میں یہ بھی ان ہیستانت میں سے ایک ہے جو آپ کے خدا
عسیدہ نزدیک مولانا غلام محبت صاحب اپنے سرور عن کے چوتھے صفائی سے خدا کے گناہ بندوں پہلوت دن لگاتے ہیں۔ مود مولانا مودودی کی کسی کتاب

ہے اس طرح کا کوئی حوالہ پیش کیجئے۔ جو میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مذکورہ امر کی تعلیمت کرو بلکہ صرف میری تعلیمت کرو۔
باقی یہ آپس میں ان کو اپنی علم ہی پھیل سکتے ہیں آپ کو یا آپ مجھے دوسرے حضرات کو ان مسائل سے مناسبت نہیں ہے اس لئے آپ کو ان مسائل کا
ذکر نہیں کرنا چاہئے آپ نے تعلیمت اور ایسا ہی حقیقت سے واقف ہیں اور اس اتفاق نامے اور تعلیمت کے مابین فرق رکھتے ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ تعلیمت کی کرنی
چاہئے اور ایسی کی نہیں، یہ مسائل ان علم حضرات کے لئے آپ جو میری خود وہ کام کریں جو آپ کے لئے مناسب ہیں۔

عقل۔ میرے وہاں معمرین میں بڑی تلاش کے بعد آپ کو لاہور کا؟ ایک فہرہ ۵۰ ہے اس کے متعلق میں صرف یہ کہوں گا کہ یہ سچ ہے کہ دوسروں کی آنکھوں
میں نہ نکالنے والا ہے مگر اپنی یا انہوں کی آنکھوں میں شہیر بھی نظر نہیں آتا یہی آپ حضرات اور آپ کے بڑے اور اندھا دیکھ رہے ہوں گا وہ انصاف کش
رو یہ ہے جس نے میں مولانا مروت کی جو کھشت پر لفظوں آپ کے اسب کے شمار کرتے ہوئے یہ کیا ہے آپ کے اس دیکھ کی اگر میں مزید شہرہ رکھوں تو آپ
ناماض ہوتا ہے جس نے میں مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

عقل۔ اب پھر آپ کا یہ ارشاد بھی کچھ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مروتی نے بھی اندھا دیکھ مسائل میں اپنی علمی اور اجتہاد کا سامنے پرستی جوابات کیوں نہیں
ہیں ان کو چاہئے تھا کہ انچ سرگرمیوں کی اجتماعی معاملات انصاف اور سنگ محدد کہتے تو علماء اور ان سے اختلاف نہ کرتے؟

میرے محترم بزرگ! اس سوچئے تو یہی کہ عالم اسلام میں کتنے وہ علماء اور فقہاء ہیں جو تمام فردی مسائل میں آپ کے بزرگوں سے سرفہرہ متفق ہیں۔

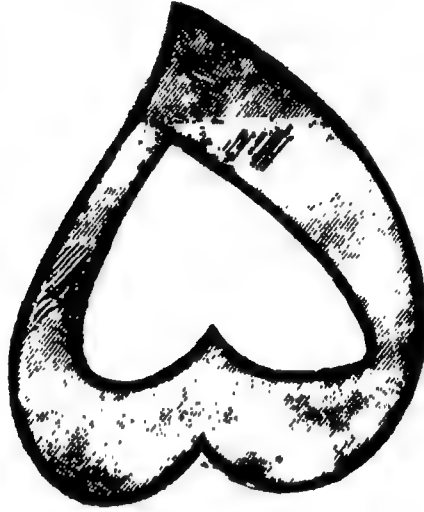
اور پھر ان فردی مسائل میں بھی آپ سے اختلاف نہیں رکھتے؟ پھر وہ کتنی تنظیمیں ہیں جن میں سب کا

نصاب عین۔ عزت اور طرح کارہی میں جو آپ کے بزرگوں کی تعلیم کے ہیں؟ وہ نہ چاہئے خدا اپنے حکم پر نظر ڈالتے ہیں کتنے علماء اور کتنی
تنظیمیں ہیں۔ جو آپ کے عقائد کے حضرات سے کسی بھی مسئلہ میں اختلاف نہیں رکھتیں؟ سیاسی جماعتوں کو تو چھوڑیے۔ مذہب کی دنیا پر یہاں کتنی جماعتیں
ہی ہوتی ہیں؟ یہ ہوتی، دیوبندی، متعلد اور غیر متعلد۔ پھر دیوبندی میں تھانوی اور مکی کے برائے اختلافات ہیں یکس بنیاد پر پیدا ہوئے ہیں؟ لڑکیا
آپ ان میں سے ایک جماعت اور تنظیم کے خلاف آپ کو غرض آتی کی ہے جو جماعت اسلامی اور مولانا مروتی کے خلاف کر رہے ہیں؟ بعض سے تو آپ
کے بزرگوں کے اختلافات انتہائی شدید ہیں تو کیا کبھی ان کو بھی آپ نے خارجی، معتزلی، مگر اور انصاف و عقل کہہ ہے؟ پھر ہم کس طرح یہ یاد رکھیں کہ آپ کے
بزرگوں کو جماعت اسلامی اور مولانا مروتی سے اس دور سے ہے کہ مولانا نے فردی مسائل میں آپ کے مسلک کے خلاف ناسے دئے ہیں؟

کہ خود سے سن! دنیا بھر میں چکی ہے کہ آپ کے اختلافات کی اصل بنیاد یہ ہے کہ مولانا مروتی اور جماعت اسلامی سے آپ خارجیوں کو کھائے بیٹھے ہیں؟

عقل۔ اس کی اتنی دلچسپی! تو علماء کی کراچی کنونشن میں ۱۲۲ اصولی مولانا نے دوسرے علماء کے لئے دئے سے مرتب کر کے ان پر عہدہ دیا ہے
تھے، اس بار بھی ان پر اتنا دوسرے چلیں جیت اس بات پر ہے کہ آپ ان اصول کا حال دئے سے ہیں مگر ان پر ان کے لئے ہرگز ایک حلف تو نہیں بلکہ ان کے لئے وہ
خاطر کی مجلس کا اتفاق دیکھ کر دیکھ کر اس وقت ہے حالانکہ مافلسہ انداز ہے اتحاد نہیں بلکہ شقاق اور اختلافات ہیں! اس کو کہتے ہیں۔ آئین کے حوالہ پر جو میں
توا علماء کی مجلس میں جو تجویز میں نظر پر کھائی ہو چکی ہیں ان میں ایک ۱۲۱ اصول پر تمام علماء کے اتحاد کی تجویز بھی ہے آپ آئین میں اسے پڑھ سکتے ہیں اگر آپ
تجویز میں غلطی ہو تو ہم اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ مولانا مروتی کے لئے اس سے بھی ایک ہر ایک کے الگ الگ اپنے ہیں۔

عقل۔ ان میں سے بعض پر عرض کرنا کہ آپ کو جو کچھ باتیں عرض کی گئیں، بعض علماء کی کہ ان کے لئے اور اتحاد حقیقت کے لئے عرض کی گئیں۔ دلائل مذکورہ ہرگز متعصب نہیں ہیں
اب ہم کہ میرے دل کی اس مسئلہ کے لئے یہ خیر نہیں کہیں اس کی دلائل ماری کرنا البتہ حمد اسکا دفاع نہیں مولانا مروتی صاحب کی یہ بحث بھی ان کی اذیت
ہے میرے معافی تھے آئین میں اسے سب وہاں ہی دفاع کے بعد اگر عہدہ اس کی بندہ ہیں تو میں ہیئت کے لئے عاشق رہا ہوں میں ہرگز ان کی بظرف
باک نہ چاہتا۔ مگر کاش! وہ بھی کسی مومن کا عزت اور احترام کے قائل ہوں۔



انجلیں

آزمودہ دواؤں کا مرکب



سردرد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Sporlit

61/63

ہر قسم کے سوئی دھاگی کے لیے ہمیشہ

الوفیا برانڈ کو یاد رکھیے



فیروز سلطان انڈسٹریز لمیٹڈ سٹرا روڈ کراچی

خلافت راشدہ کا پورا اہم مقامات اور خدمت گذاری کے واقعات سے سمجھیں اس مختصر سے جملاتی مضمین میں ان کا احاطہ مستقصا مقصود نہیں، صرف اس کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں، شاید ان اسباق پر اس کے ہاں خواہی یا نہ ہو کہ اس کی تاریخ کا باعث بنے اور آج کی "اسلامی حکومتوں کے لئے نمونہ فکریہ ثابت ہو۔

(۱۰۔)

رسول عربی رضی اللہ عنہ ابی وادی ۱۰ سال تیس سال تک پوری جا لگا ہی کے ساتھ اپنے فرض منصبی کو پایہ تکمیل تک پہنچا کہ اس عالم فانی سے تشریف لے جا چکے تھے، لہذا مدینہ منورہ تھا۔ عرب کے مسند و قضا علیہ السلام کے دین کے طوق اپنی گدلوں سے نکال پھینکنے کے لئے تیار نظر آ رہے تھے، ایسے نازک ترین وقت میں خلافت عظمیٰ کا تاج صدیق اکبر نے کس پر رکھ دیا گیا، وقت کے اس فتنہ گری کا استیصال انتہائی اہم اور غیر معمولی کام تھا، لیکن صدیق اکبر نے اپنی عزائم کے ساتھ سکوفہ رکھ کر اپنی جہان بینی صلاحیتوں کا ثبوت ہم پہنچایا۔

کرتی خلافت کو زینت دینے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جو پہلا بیٹے وراثتی بیان جاری کیا — وہ آج بھی پسند و مروت حکمت اور عین عزیمت کی ایک عمارت کی مثال ہے۔

"لوگو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اگر برائی کروں تو مجھے نصرت کرو، خدا نے مجھ کو تو تم میں سے کمزور شخص میرے نزدیک طاقتور کر دیا ہے تاکہ میں اسے اس کا حق دلوا دوں جب تک میں خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتا رہوں تم میری اطاعت کرو لیکن جب خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم میری اطاعت نہ کرو" (طبقات ابن سعد بحوالہ خلفاء راشدین ص ۳۴)

کتنا سادہ اور جامع ہے یہ بیان گیا اسی عزم و ارادہ کا اظہار ہے جو ان کے رگ و پے میں ساسی تھا کہ خلافت کسی بھی راحت پسندی اور عیش کوئی کا وسیلہ نہ بننے پائے گی، یہ اس کا اصل و بنیادی مقصد خدمت خلق ہی ہو گا۔

یہ تو حضرت ابوبکرؓ خلافت لینے سے پہلے ہی عوام کی بے لوث خدمت کرنے میں اپنے پیش قدمی و محنت و قربانی فرمایا کرتے تھے، لیکن جب خلافت کی ذمہ داریوں کے ہاتھ لگنا لگا تو تمام طور سے سمجھا جانے لگا کہ وہ خدمت خلق سے غافل ہو جائے گا۔ چنانچہ ایک عہدت جس کی بکری کا دودھ آپ دلفانہ دیا کرتے تھے، جب اس کی سوسم گھی بنے آپ کو خلیفہ ہونے کے بعد دیکھا تو اسے بے گھنی۔

"اب یہ تو خلیفہ ہو گئے۔۔۔۔۔ ہماری بکری نہ دوسیں گے۔"

"نہیں نہیں۔۔۔۔۔ میں اب بھی تمہاری بکریاں دودھوں گا۔۔۔۔۔" خلیفہ اول نے گھی سے سکر کر فرمایا۔

انسان الفاظ کو صرف قول کی متاکر محسوس نہ کر سکتا بلکہ اس کو عملی جامہ پہنا کر دیکھنا اور آخری عمر تک بلا تاخیر دلفانہ دینا اس کی بکریوں کو دوتے رہے۔ (روایتی حکایات ص ۱۱۱)

مدینہ کے اطراف میں ایک اندھی بوڑھے شخص، حضرت ثور بن زیدؓ، دلفانہ علی الصباح جا کر اندھا خدا کی اس کا سارا کام انجام دے دیا کرتے تھے، کچھ عرصہ بعد انہیں محسوس ہوا کہ کوئی۔۔۔۔۔ ان سے بھی پیلا کر لے لے گا کہ جانا ہے۔ ایک دن مکان کے گوشہ میں چھپ کر بیٹھ گئے کہ دیکھیں یہ کون شخص ہے، غور سے دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلی گئیں انہوں نے مات کے دھنکے میں بند دیکھا تو وہ ابوبکر صدیقؓ تھے۔ جب وہ کام سے فارغ ہو کر پہلے تو حضرت عمرؓ نے فرط عینیت سے کہا۔

"خلیفہ رسول آپ خدمت خلق میں میرے ہاتھ باندھتے ہیں۔۔۔۔۔" (کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۲)

خدمت گذاری کے اس شدید جذبہ میں انتہائی بے نفسی اور بے طرفی ہوتی تھی، یہی ابوبکرؓ خلافت کی ذمہ داریاں نبھانے سے پہلے

46 Sub

اپنے اہل و عیال کی معاش کے لئے کپڑوں کے گٹھے لے جا کر فروخت کرتے تھے۔ خلافت کی گونا گوں ذمہ داریوں کے باوجود ذیلیہ معاش بھی قائم رکھ کر ادبیت المال سے ایک جبر بھی لینا گوارا نہ کیا، آخر میں جب عوام نے بہت زور دلا تو بیکہ کھانہ ہمدھا منہ دہرے لیکن بوقت وفات اس پر بھی انتہائی بے حسنی افسوس ظرب کی کیفیت طاری رہی، ادبیت کو گٹھنے کان کے ذائقے مال کو فروخت کر کے بیت المال کو یہ رقم پس کی دی جائے قوت و شرکت کی یہ حالت تھی کہ پہلا عرب دنیا تھا۔ ان کی فوجیں ایک طرف شام کے میدانوں میں مدیوں کے مقابلے میں اپنی بہا دلی کے ہوسر دکھا رہی تھیں اور دوسری طرف فارس کی سپاہ سے سرگرم پیکر تھیں، نگاہ عروج و اقبال نے انہیں تخت و تہذیب ہٹا کر لے کر بیٹے، ادبھی منکر الخراج اور خلافت سے بنا دیا تھا، خوف خدا کی کیسی آس میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

(.)

فاروق اعظم

دنیا کا وہ عظیم و طاقت ور حکمران جس کے شرکت و وہیب سے قہر و کسریٰ کے ایمان لے جاتے تھے، جس کے عہد حکومت میں تمام دوسری شہنشاہت کا چراغ گل ہو گیا، اہم ناسی کی باجبروت حکومت کے دھوئیں اڑ گئے۔

لیکن ————— ہاں ہم سرورِ اقبال خداس بندہ خدا کا عالمی ستارہ کہ پست زندگی فقر و سادگی میں بسر کر، حکومت کوئی لذت اور لطف حاصل نہیں کیا جفا کشی کی جو حالت پہلے تھی، خلافت ملنے کے بعد بھی وہی حالت رہی !

ایک مرتبہ ایک عسکری سب سے بن گیا۔ اس نے اس جانب توجہ دلائی کہ آپ کا اللہ نے بلند مرتبہ پر پہنچایا ہے آپ راحت و آرام کی زندگی بسر کرنے کا سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کی گفتگو پسند نہ فرمائی اندھا دیکھ کہ امانت میں خیانت جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے قوم کا امین بنایا ہے، مجھے ان کی امانت میں خیانت کا حق نہیں، کبھی غلط کیا؟ اگر آپ بدلہ نہ دے گا، مال سے اچھا کھا اور پسینے میں کوئی خاص کی واقعہ نہ ہوگی، نہ بیماریاں، نہ امیر، ہم مجھے عیش و عشرت کی ترغیب دیتے ہیں۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۳)

بعض اوقات آپ سے ملاقات کے لئے میری سفراء آجاتے اور اپنے بارش ہوں گے ن وغرت اور عطران کی بجائے — یہاں خلیفہ اسلام نہیں بچے پانے کپڑوں میں ملبوس کسی جگہ شاک پر بیٹھا نظر آتا تو انہیں اپنی نگاہوں میں پھینک نہ آتا۔

سفر شام کے موقع پر تمام مسلمانوں کی خواہش تھی کہ آپ ابھی لوٹ کر نہ بیٹھیں بلکہ آپ کو یہاں ہی رکھ دیا جائے تاکہ خلیفہ اسلام کا منصب قائم ہو سکے، مگر آپ نے کسی طرح یہ منظر نہ فرمایا اس لیے وہی پرانے کپڑے پہنے سب سے اعلیٰ طرح معافہ پر دستخط ثبت فرمائے، آپ کی سادگی کا عیب ہی سرور اعلیٰ کے دلوں پر بہت ہی اچھا اثر ہوا۔

کھانے کی کیفیت کو یہ حال تھا کہ دوسروں کو حضرت عمرؓ کے بدن کا معمولی کھانا دیکھ کر آپ بہت ہی آتا تھا۔ ایک مرتبہ عمرؓ بن عاشق کھانے کے وقت تشریف رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بہت ہی اعرار سے انہیں کھانے میں شریک کرنا چاہا مگر وہ نہ بیچھے خلیفہ نے اصرار کے ساتھ اس کا سبب بیان فرمایا تو عمرؓ بن حاص ہل گیا ہوئے۔

”ہمارے گھروں میں جو کھانا پکتا ہے وہ اس سے بہت اچھا ہوتا ہے۔۔۔“

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

ہیں مگر چاہیں تو خود ایک سے ایک عمدہ کھانا کھا سکتا ہوں، مگر قیامت کا خوف ایسا دامگیر رہتا ہے کہ عیش و

ترنہ کی بہت نہیں ہوتی :- (کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۶)

ایک مرتبہ شام سے فائدہ کتاب کا ہمان ہوا، ضیافت میں جو کی موٹی موٹی معشیاں دیکھیں اور صاف غلام بہت جلد نہما اور اس نے عرض کیا کہ شام رات میں کانی گہریں پیدا ہوتا ہے، آپ اتنی سخت نیند کی گہری گذاستے ہیں، آپ ایک عظیم سلطنت کے فرمانروا ہیں فراغت کے باوجود آپ کا اس طرح جو کی دوڑیاں کھانا کھینچنا نہیں، اس کے جواب میں حضرت عمرؓ فرمے۔

”مجھے علاؤں میں تم نے گہریں کی پیداوار کا نہ کیا ہے کیا اس میں بوری مملکت کے عوام صرف گہری کھا سکتے ہیں؟“

غیر یہ باتیں سن کر نالے میں آگیا اور اس مہلات کے رنگ کو دیکھ کر رنگ رہ گیا۔

آج اکثر اہل ہما ہے کہ کوئی شخص اختلا ر کی ہاگ ڈونہا لے ہی سب سے پہلے اقربا واری اور کنبہ پرستی کی فکر کرنا ہے اور اپنے اہل و عا اعزہ کو عہد سے اور نہایت ختم کر دیتا ہے مگر حضرت عمرؓ نے حکمرانی کا جو سبب مقصد فرمایا تھا اس میں اس اقربا پرستی کی کوئی گنجائش نہ تھی، وہ غصہ ہتے تھے، ویسے ہی اپنے اہل و عیال کو بھی رکھنا چاہتے تھے وہ یہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ ان کے خاندان کو دوسروں پر کوئی تفریق و امتیاز چھا چنا کر کسی سبب بلند و ارفا عہد ہما اپنے خاندان کے کسی فرد کو نہ مروت نہ کیا حق کہ لوگوں نے اس وقت میں اس بات کی بہت بخشش کی کہ آپؓ آئندہ خلافت لئے اپنے لائی بیٹے کو نہ مروت فرما دیں مگر انہوں نے کسی طرح اسے گوارا نہیں فرمایا۔ اگر کوئی غلطی ان کے خاندان کے کسی فرد سے سرزد ہو جاتی تو اس کو ہم لوگ سے زیادہ سزا دیتے۔

————— (۲) —————

عثمان غنیؓ

ان سے پہلے کہ دنیا کا خوش قسمت شخص اور کن ہو سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسرا جزا اہل آپ کے جہانہ عہد میں تھیں۔ ان سے پہلے بھی خدمت حق کا شدید عہدہ ان کے نہاں خانہ دل میں موجزن رہتا تھا اور خلافت کے بعد تو اس میں مزید جدا پیدا ہوئی۔ اپنی خلافت کے زمانہ میں عہد کے دن خطبہ سے پہلے یہ اعلان کر دیتے تھے کہ اگر کسی کو کچھ کہنا ہو یا کسی عامل سے شکایت ہو تو میرا اس پر اظہار کرے، اسی طرح ہر سال حج کے موقع پر تمام عمال کو جمع کرتے تھے اور ان سے بہت سخت محاسبہ کر لیتے تھے فرمایا کہ تھے۔

”میں قوی کے مقابلہ میں ضعیف کے ساتھ ہوں۔“ (رشا حکمران ص ۹)

عوام کے ساتھ دل جن کر سکتے تھے، تاکہ وہ بے تکلف رہیں اور ان میں کچھ کہنے میں دشواری و جھجک کا سامنا نہ کرنا پڑے، وہ ہیں محمدؐ۔ قیام فرماتے سر کے نیچے چاند کھ کر لیٹ رہتے کسی کو شکایت ہوئی تو ہمیشہ کہنا اور دین اس کا نیکو انداز رک کیا جاتا۔

————— (۳) —————

علی مرتضیٰؓ

اسلام کا وہ بانی نامہ حکمران جس نے بار بار رسولؐ سے خواجہ خمین حاصل کیا اور علیؓ مہنی کے منصب عظیم سے سرفراز ہوا۔ خلافت کی ہر نہر پیچھے کے بعد نہنگ میں پہلے سے ہی نیا وہ سا دگی آگئی تھی، فائے پر فائے کی کثرت آتی لیکن بیت المال کی جانب نظر بھی نہ اٹھتی تھی!

بانا خرید و فروخت کرتے جاتے تھے تو اپنے کو بہت پھیلنے کی کوشش کرتے تاکہ کوئی نہا ذکر مال کی قیمت میں رعایت نہ کر دے۔ رعایا کے مال سے تحفے کا تعلق لینے میں انتہائی احتیاط رہتے ایک بار پیہ کے طور پر چند گستر گئی اور شہدائے آگئے آپؓ نے ان کو اپنے گھر سے منگوا کر بیت المال میں داخل کیا تو بہت چلا کہ آپ کی صاحبزادی ام کلثومؓ نے پیہ کا مال سمجھ کر ان میں سے کچھ مقدار لے لی ہے آپؓ نے ہارین سے اس کی قیمت انکوائی اسہ وہ قیمت بیت المال میں داخل فرما دی۔

صل کے معاملات میں کسی قسم کا امتیاز گزار نہیں تھا۔ حق کو غیر مسلموں کے وہاں بھی مساویانہ سلوک دے رکھتے تھے، ایک مرتبہ آپ کی سندھ میں گئی اتفاق سے وہ ایک یہودی کو لٹی آپ نے تاحی کی یہاں مقدمہ دائر کیا اور شہادت کے طور پر اپنے بیٹے حضرت حسن اور غلام قنبر کو پیش کیا، تاحی نے گواہی کر دی کہ تم ہمارے مقدمہ آپ کے خلاف یمن کر دیا کہ بیٹے کی خدمات معتبر نہیں، آپ نے بے چون و چرا فیصلہ کو تسلیم کر لیا، یہودی آپ کے اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ یہ طریقہ انبار علیہم السلام کا ہے، تاحی خلیفہ کے خلاف فیصلہ دیتا ہے اور اسے تسلیم بھی کر لیتا ہے اور یہ کہ کردہ مسلمان ہو گیا۔ (مثالی حکمران ۱۹۷۷ء)

(۲۰)

یہ اور ایسی قسم کے سینکڑوں واقعات اس عہد زریں کے اہل حق تاریخ میں محفوظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے اہل صل و عقد کا کیا کردار اور معیار زندگی ہونا چاہیے۔ صلیوں سے انہی مناظر کے دیکھنے کے لئے آنکھیں ترس رہی ہیں۔ ————— لاش ————— اے لاش ۱۱

ہر پر پڑنے والے نام کے ساتھ معیاری اور اچھی تحریر پیش کرتا ہے۔
 نواب شہداء شائع ہو گیا ہے قریب ایک اسٹال سے طلب فرمائیے۔
 ۳۹۔ گارڈن آفیسر میرا داخل روڈ، کراچی ۷۷۔
 سید سید اکبر حسین
 سید سید اکبر حسین

طاقت و توانائی کا مکمل کورس

مستقل فائدہ — قابل اعتماد توانائی — فراہم بخش تنظیم

مانع اعظم — دل و دماغ، جسم اور جگر کے لئے اکیسویں صدی کی نئی ایجاد، ادویات کا معجزہ اور طبی کاؤٹ پیڈ کے نیا نیا اہم ہستی۔

لیکھا — دس روپے

طلائے شباب خاص — بیرونی کمزوریوں کے لئے بے ضرر حرکت — ایک ماہ دس روپے
 لبوب کبیر خاص الخاص — غیر فوری کشتہ جاندی کشتہ سہارا دہندہ حرکت — ایک ماہ ۱۶ روپے

نٹ (۱) ہر ماہ ادویات کا مکمل کورس ۳۶ روپے

نصف کورس ۱۹.۵۰ روپے — مکمل کورس منگوانے پر محدود ایک معاف

نمبر ۳۰۷

پٹے کا پتہ — ۱۔ اشرف لیبارٹریز، لائل پور

والمن یکنسائل ملزمیٹڈ

ہر قسم کا



سوتی اور

لاونی کپڑا

کورا اور دھالٹھا اور

ہر قسم کا

دھالگا

پیارے پھولے

کپڑا

کایتا رشدا کپڑا

ہر

منگھا پیر روڈ

کراچی



بازاری والمن یکنسائل

براعتی قابل

التماد ہسپتال کی صنعت کی قدر اور حوصلہ افزائی

آپ کی فریضہ

آپ کی فریضہ

محمد زکیا خان

ایک حکیم کا حیات کا پس منظر

بخاری رحمہ اللہ نے اپنی مصححین میں ایک شخص کو معروف حکیمانہ حدیث درج کی ہے جو حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس سے یہ ہے۔
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ وسلم نے اسناد فرمائی کہ لا یذبح المؤمن من حیث و احی من منین (روزانہ ایک صلوات سے دعا نہیں لیا جاتا)۔
 یہ حدیث غریب بہت مجاہد کی مکتورہ میں سے ایک ہے اور حضرت عائشہ کے جراح الکلم میں شامل ہے جو الفاظ کے اختصار اور معانی کے
 مجید کہ اس جامعیت میں اپنی مثال نہیں ملکتے، یہ وہ کلام ہے جس کی طرف ان کی قوتِ حافظہ کی مساعی نہ ہو سکی۔ یہ حضرت ہدی کی سجدہ محرابی کا
 کرشمہ ہے کہ اس نے تھوڑے لفظوں کے گونے میں حسن معنی، بلندی فکر اور انکسار کی تمثیل کا دیا ہو دیا ہے۔ اس اشعار مبارک کا مقصد مومن کی
 عقلی تربیت اور صفتِ نظر، اصابتِ دلتے اور استقامتِ تدبیر کی تعلیم و تلقین ہے۔ بالفاظ دیگر مانتا ہے مبارک یہ تھا کہ صاحبِ ایمان شخص ایسے
 اوصاف کی جانب ترجیح دے جس سے ایک کامل مسلمان کو اپنی دنیا اور دین میں مقصد ہونا چاہئے۔

ادنیٰ کی فکر سے یہ بات غریب واضح ہو جاتی ہے کہ جس ذاتِ گرامی پر خدا کی طرف سے نکل آئی ہر آدمی میں اللہ کے فیضان سے بہترین عقلی،
 بلند ترین اور کامل ترین حکیمانہ سیاست کی نعمتیں رحمت ہوتی رہی ہوں اس کی نہایت حقیقت تیر حمان کی قسم کے نام و جراح کلام کا صمد ہونا
 چاہئے۔ اس اشعار کے لیے مومن کو پابندیت فرمائی گئی ہے کہ وہ محاط، دانشمند، چوکس اور عزت یار ہے۔ کسی پہلو سے غفلت کا شعاع نہ ہو، ہمارا
 ہے دہے دھوکا کھائے، خواہ یہ دھوکا ذمہ کی معاملات میں ہو یا دینی امور میں ہر موقع پر محتاط رہے۔ آپ نے مسلمانوں کو بڑی حکمت سے متنبہ فرمایا ہے
 کہ ایسے جو بے ہمتی اور غافل و نادان نہ بن جائیں کہ آئندہ وہ کا سامنا چالاک لوگ انہیں اپنی عیاریوں کا ہدف بنالیں اور انہیں جس طرح چاہیں پھالتے
 رہیں۔ ایسی تعلیم و تفسیر کا اصرار ہے کہ جس کی مدد سے نہ ہمتی کا نتیجہ سمجھئے کہ اوٹھو اور بکریوں کے گلے چرانے والی قوم میں ایسا ایسے بالغ نظر آدمی
 عقل حکیم اور عالم پیدا ہونے کے لئے ان کی حکمت و دانائی کے لئے سے جگہ گواٹھی۔ وہی قوم جو اپنی بہت اور وحشت ہوتی میں انہما کو پہنچ گئی تھی ایسے
 علم و عمل و حکمت، فراست، شائستگی اور تہذیب و تمدن کے اوصاف میں جو ایمان، حق، عدل، اور ضرورتِ شارع کی بنیادوں پر قائم تھے،
 سادہ عالم کے لئے ضروریاتِ پیش رفت گئی اور اس کی بدولت ایسے ایسے کامل الفاضل اشخاص وجود میں آئے کہ دنیا علم، سیاست، تجارت اور عدل و
 شفقت کی صفات میں ان کی نظیر پیدا کرنے سے نااہل رہی۔

مومن کامل کی یہ شان نہیں اس لئے ہوتی ہے کہ وہ ایک جملہ بحال اور ساقیہ بہ کار شخص بن کر رہ جائے کہ اس کے ذہن اُسے اپنے بہتر زاد
 تسخیر کا ذلیعہ بنالیں اور اس کے دینی و دنیاوی معاملات میں نقصان رسائی کا باعث ہوں۔ صاحبِ سداد الفرویں نے حضرت انس سے مرفوعاً
 روایت کی ہے: المؤمن من کسب لطن، وقایہ متثبت (مومن، فاضل، دانشمند، عارف پر نظر رکھنے والا حقیقت کا بویا ہوتا ہے)
 مومن فاضل رہی ہے جو حالتِ زندگی سے نصیحت اور تجربات سے استفادہ کرے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سے

مردی ہے، اَلَا حَلِیْلَہُ اِلَّا ذُو عَشْرَہٗ عَلَیْکُمْ اَلَا ذُو تَجَسُّبٍ (صرف لغزش والا شخص ہی ہمارا اور صرف قہر کا شخص ہی حکیم ہوتا ہے) نہ بحث حدیث (ذَیْلُکُنْ عَ) کا آواز غمینی ہے تاکہ دل نہ دیا وہ انسان نہ ہوتا غیر موعظت میں قوی نہ ہو جاتے۔ عالم محروس میں یہ صفت واقعہ پیش آیا کرتی ہے کہ جس شخص کو کسی بل سے ایک بار کوئی سانپ کاٹ کھاتا ہے تو وہ اس بل کی طرف نہیں جاتا اور اس خیال سے اس کے قریب نہیں جتنا کہ کہیں وہاں سانپ نہ کاٹ کھاتے۔ ان وجہ سے ہمارا صحبت حاصل کرنا اور اس قسم کے تجربہ بل سے فائدہ اٹھانا مناسب اور مفید نہیں ہے۔

اس حدیث سے ایک صحیح واقعہ وابستہ ہے جس سے حدیث کی غایت اور مقصد کی توضیح ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ابوہریرہؓ مروی ہیں عبد اللہ بن ابی اسحاق شاعر تھا جو کہ بد میں اسیر ہوا۔ اس نے صل اللہ علیہ وسلم سے اپنی تہی مانگی اور عبداللہ کی شکایت کی اور کہا: آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے میں حاجت مند اور بیمار ہوں مجھ پر احسان فرمائیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دعا و فریاد اور اس کا پابند فرمایا کہ وہ حضور کے مقابلہ میں کسی اور کی اعانت نہ کرے گا۔ اس قصیدہ کے بعد ابوہریرہؓ نے حضور کی شان میں ایک مدحیہ عیبہ لکھا۔

اُس کے بعد شاعرین کو موقع ملا تو وہ ابوہریرہؓ کو جو را کہ نے میں کا ماب ہم گئے اس نے حضور اکرم سے جو عہد کیا تھا توڈ ڈالا۔

ہمایہ کر غزوہ ادر سے پہلے صفوان بن امیہ نے ابوہریرہؓ سے کہا:۔

اے ابوہریرہؓ تم ایک شاعر ہو ہمارا ساتھ دو اور اپنی زبان سے ہمارے کام آؤ۔

ابوہریرہؓ نے جواب دیا:۔

مرد صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے۔ میں ان کی مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔

اب صفوان نے کہا:۔

اچھا تو میرا ہی ذات سے مدد مانگ رہا ہے کہ آگے تو تم تمہیں ملامت کر دیں گے، اور آگے تو ہم تمہاری بیٹیوں کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ رکھ لیں گے اور خوش حالی یا شغل میں حال میں وہ ہمیں گئے تمہاری بیٹیاں بھی اس حال میں رہیں گی۔

ابوہریرہؓ نے یہ بات مان لی اور اس قابل کو حضور سے لڑنے پر ابھارنے لگا۔ جب اس کا حکم ہوئی آیا تو ابوہریرہؓ پھر گر غار ہو کر باگاہ

بہالفت میں پیش ہوا۔

اس موقع پر ابوہریرہؓ نے وہاں حضور سے درخواست کی کہ اس مرتبہ میرا احسان فرمائیے اور میری جان بخشی کر دیجئے۔

حضور نے اس درخواست پر یہ حکیمانہ جواب عطا فرمایا:۔

اب میں اس کا موقع نہ دے گا کہ تیرے رضائے کے کی خاک سے جس جمل اور توبہ کہتا پھرے کہ میں نے تم کو وہاں قریب دیا

اس کے بعد حضور نے حکم دیا کہ ابوہریرہؓ کی گردن مار دی جائے۔ پھر اسی موقع پر ارشاد فرمایا:۔

لَا یَلِدُ عَ الْمَوْتِ مِنْ بَشَرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ (میں ایک بل سے دوبار نہیں ڈسا جاتا)

لب بارک سے لکھتے ہیں یہ الفاظ مداح عام پائے گئے اور ایک ایسی حکیمانہ ضرب المثل بن گئے جو ہر دینی دنیا تک لوگوں کو فلاح بخش ہوگی۔

مسلمانوں کو کیا یہ امر واقع نہیں کہ اس حکیمانہ ادب کو دنیا کے ہر گوشے کے دو اولیٰ کے فرزند ان اسلام نے صریح جان بنایا اور اپنے

دینی و دنیوی میں معاملات میں اکثر و بیشتر متحرک کھانے سے بچے رہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ نہ میں غریبوں میں نہ کوئی غریب مجھے دھوکا دے سکتا ہے۔

ان نبوی اشادات نے اگلے صدیوں کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ انیسویں صدی کے ہم عصر جب کہ ہم نے دورِ حاضر میں ان سے فائدہ نہ اٹھایا اسلئے ایک ہی بل سے بابہذا چھاپ کوڑا سواتے ہیں۔ ہم یہاں اشاداتِ اسلامیات پڑھا ناں مل گئے، اسلئے ہم اسی طرح خوابِ غرگوش میں بڑے سوتے ہیں اسلئے ایک ہی طرح کے دھوکے پڑا کھاتے ہیں۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے! دشمنانِ خدا! اسلام کے اہل حق میں کھسکنا بیٹنے سے گھڑل گئے۔

(اقتباس و تلخیص از رساله المذاہرہ در عرفیہ)

”جناب محرم اُن ایہوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی عمر بھر کی محنت سے یہ ثابت کیا ہے کہ اُسعد ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک بڑی قیمت مرہبہ ہے جس سے دہلی کو فائدہ اٹھانے کا حق ہے اور جس کی خدمت دہلی کے کدے ہے۔“

میں نے جب تک انہیں دیکھا نہ تھا۔ اور خط و کتابت کے ذریعہ سے انہیں جانتا تھا تو ان کے کام سے علم نہ تھا کہ وہ کج روایات سے متعلق تھے۔ انہیں جانتا ہی نہ تھا کہ وہ کج روایات کے حامل ہیں۔ انہیں جانتا ہی نہ تھا کہ وہ کج روایات کے حامل ہیں۔ انہیں جانتا ہی نہ تھا کہ وہ کج روایات کے حامل ہیں۔

ملحقہ کا پتہ :- مکتبہ بریلان، ندوۃ المصنفین، اردو بازار - دہلی

دروغہ سرما قدرت کاملہ نے موسیٰؑ کو انسانی جسم کی حفاظت، زائل شدہ قوت کی بحالی، دماغی، قلبی اور جنسی طاقت کی استواری کیلئے مخصوص کیا ہے۔

اگر آپ کسی قسم کی کمزوری محسوس کرتے ہیں تو، اس دوسم میں مقویات، مفرحات، اورا کسیری دواؤں سے فائدہ اٹھائیں۔

اگر آپ باقاعدہ علاج کرانا چاہیں تو

مرطب الشرف کی

جانب رجوع فرمائیں جس کی نگرانی براہ راست پاکستان کے نامور طبیب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف خود کرتے ہیں۔
 سیر و نجات کے مرعین مفصل حال لکھ کر مفت مشورہ حاصل کریں یا سالانہ طلب فرمائیں۔

مطب اشرف اشرف منزل نزد جامع مسجد جناح کالونی لائل پور

یادِ رفیقِ گال

عطیہ فیضی

یہ نٹ طیبہ (کسی ڈی) تو رہی ہی مگر کسی حد تک المیہ ڈی چلی رہی ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کے تذکرے کے ساتھ عطیہ فیضی کا نام آتا ہے، علامہ شبلی سے راقم الحروف کو بے انتہا محبت تھی ہے اس عقیدت بھی، اس نسبت اور تعلق کے سبب عطیہ فیضی کے نام سے میں بہت دل سے واقف تھا، عزیز لطیفہ عطیہ کہ جو خاص شغف تھا، اُس کے تذکرے بھی لوگوں کی زبانی سُنے تھے۔

دفاعیہ (مذکورہ) کا ذکر ہے جب یہی میں "یومِ اکبر" منایا گیا اور اس سلسلہ میں ایک مشاعرہ بھی منعقد ہوا، شہزاد اہل قلم جناب ضیاء الدین احمد ربی اس مشاعرے کے دہلی تھے، انہی کی دعوت پر میں حیدرآباد دکن سے پہنچا، کرافٹ مارکیٹ سے متصل شاہجہان پوریل تھوڑا سا چھوٹا سا گلیا، صاحبِ صدیق ہال میں بڑے دھوم کا مشاعرہ ہوا، اُن دنوں مجھے کبھی کبھار دل کا درد پڑ جاتا تھا، مشاعرے میں پہلی منزل کے بعد سامعین نے دوسری منزل کی فرمائش کی، دوسری کے بعد تیسری کی، چوتھی منزل پر میں دل میں گھبراہٹ سی محسوس کرنے لگا، تکلیف پڑھنے لگی، میں نے جیسے تیسے غزل نظم کی، اسی عالم میں ہال سے باہر آکر سبزے پر لیٹ گیا، شدید تنہائی کی تھی ہوتی بدن پسینہ میں شرابید؟ میں سبزے پر پہلے قابو نہ کر لوٹ رہا تھا، اور ایک عجیب سی آواز آ رہی تھی، وہ جو کسی نے کہا ہے کہ "ہزار منہ ہزار باتیں" لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ نہ کیا وہ لوگوں کا گمان یہ تھا کہ ماہر نے نیا دھ شراب پی لی تھی، اُس کے سبب یہ حادثہ پیش آیا۔

مشاعرے کے بعد دو تین ادبی نشستیں رہیں، بہت سی کے مشہور خاندان طیب جی کی خواجہ نے ایک ادبی انجمن قائم کی تھی۔ اُس کا نام "عقدِ شریا" تھا، اس یوم میں مجھے بلایا گیا، چائے نوشی کے بعد شعر خوانی ہوتی، آصف فیضی جو مقرر میں حکومت ہند کے سفیر رہے ہیں اُن دنوں لا کا بے مہجی کے پرنسپل کے عہدے پر فائز تھے ان سے بھی اسی انجمن میں تعارف ہوا، نواب اسٹم یاد جنگ بہادر حکومت حیدرآباد دکن میں ہائی کورٹ کے جج تھے پھر وہ شیر قافوئی ہو گئے یہ وہ زمانہ تھا جب سرکارِ حیدر آباد میں طوطی بولتا تھا، انہی اسٹم یاد جنگ کی صاحبزادی مسز نینت فتح علی، اس علم دوست خاوند سے کہ ادبی سرگرمیوں کی رو سے مدد ملے، عطیہ فیضی سے تعارف کا ذریعہ

سے اکبر الہ آبادی نہیں۔ عنایتِ شہنشاہ جلال الدین اکبر!

شہرِ دہلی کے یہی اجتماعات تھے۔

میں دہلی کے بعد پھر بمبئی آیا تو خطیبِ حق نے انجمنِ اسلامیہ کے ہال میں ہنس پھانسنے پر نہ صرف اڑس سرکل کی جانب سے شہرِ دہلی کا اہتمام کیا۔ میں خصوصاً یہاں تھا، پھر ان کے بستی میں بار بار ملنا ہوا اس زمانہ میں مروجہ رسم اپنی شاندار کوٹھی (ایوانِ دعوت) رخت کردی تھی، والکیر کے شہر باغ (HANGING GARDENS) کے متصل ایک کپڑے کے جنگل میں بڑی تین ادھر ہر وقت بدھ کے ناشام میں اُن کے یہاں احباب بھی جوتے تھے۔ اسی زمانہ میں منی دنیا سے میرا تعلق ہو گیا، سب سے پہلے شہدِ فدا کوٹھڑی میں مروجہ کی فلم تقدیر لے گئے تھے، اس سلسلہ میں ہفت روزہ بستی پھرنے کا اتفاق ہوتا، خطیبِ حق اصرار کر کے اپنے یہاں کی چھابستہ کی نشست میں بلا تھے، سالانہ ہنس بستی بلکہ یوں کہنا چاہتے تھے متحدہ ہندوستان کے سب سے شاندار شہر مول - تاج - میں اس خاک نشین کے لئے بہت بڑی عمارت کا انتظام کیا، جن دنوں وہ اس پارٹی کے اہتمام میں مصروف تھے، اُن کی بڑی بہن نازی بیگم ہر اتنا سبکیم پیچروا نے مجھ سے ایسا کہ خطیب اس دعوت کے انتظام میں اس طرح لگی ہوئی تھی کہ سرسیر کا ہوش تک نہیں ہے میں نے اتنا مصروف نہیں کبھی نہیں دیکھا۔ مشہور انگریز جرنلسٹ مسٹر ہارنسن کے افسر "SENTINEL" کے پہلے صفحہ پر خطیبِ حق نے بیرونی نشان لکھا۔ یہاں ڈھائی سو تربیت ہو گئے ہر طبقہ کی بلند گفتیں سچ تھیں یہاں تک کہ لیڈی مانا بھی موجود تھیں۔ میں نے "مصدقہ بان" کی اہمیت پر تقریر کی اس بعد کسیریں نظر میں اور خطیبیں سنائیں، اتنے اچھے دھبے کے سامعین ہر شاعر اور مقرر کو کہاں میسر آتے ہیں۔

ایک صاحب تھے انھیں انجمنِ غالب پٹنہ کے سنے والے تھے اندھنگی - نام کا ایک پھر نکلتے تھے، اُن کے اندک قوم پرستی کا پیروزم بند و آندھالی کا مغربہ تھے، میری تقریر کے بعد ان انہوں نے ڈکامین نے اُن کے اعتراض کا جواب دیا انہوں نے اس پر ہار کوئی ملی بات کہ دی، جس نے میرے جذبات میں شتاب لگا دیا، میری آریہ پھر رنگ ہی ہل گئی اس ضمن میں موقوفات اور گاہ خواہ کی رگی کو سب نے محسوس کیا۔

جب بمبئی میں میرے قیام وہاں کی محبتوں اور خطیبِ حق کے خاندان سے کا ذکر چھڑا ہے تو ایک دلچسپ خبر کا تذکرہ کئے بغیر یہ قلم نہیں چڑھ سکتا، غلاب دھرم یاد جنگ بہادر کے صاحبزادے (سنزینیت فتح علی کے چھوٹے بھائی) میرے پاس ایک خط آئے کہ بمبئی قریب پچاس میں دودھ کی کم آپ کو چلنا ہے، وہاں ایک خب آپ کو دینا ہوگا! میں نے وہاں چلنے کی ڈی بھری مقررہ تاریخ اور وقت پر وہ بہت شریف آئے آئے آگیت آت آتھا۔ محفلِ گل پر پہنچنے کے لئے داغ کھڑی تھی نوٹ لاس میں سنوں کا پہلے نے نظام اکیڈمی کا مسٹر اعلیٰ جو ایک زمانہ بدکارا و دکن میں فاضل تعلیمات رہ چکے تھے، وہ بھی مصروف تھے، تقریباً دو گھنٹہ بھری سفر کا مسند اتفاق سے پسکون تھا، یہ پھر ہمارا سا جہاز ضبط کی طرح تیرا ہوا، ساحلِ مراڈک پر پہنچا، پھر وہاں کار کے خلیعہ جنگل میں گھنٹہ ڈھیر گھنٹہ مسند کیا؟ اس کے بعد وہاں پہنچ گئے، ہمیں آئے تھے۔ سب لوگوں نے فاضلِ اطراف کا انتہائی مسرت اور خلوص و محبت کے ساتھ غیر مقدم کیا، پھر کچھ کچھ کی خوشی کا عالم دیکھنے کے قابل تھا۔ چاندل طرف نایل کے دعوت، مسٹر جھانیاں ان دنوں کے بھر میں مسند کے مرتفع ساحل پر بیٹھ گئے اور شہبازوں - COTTAGES) کی تقاضا سننے چلتی ہوئی ریت اسی کے بعد مزاج مسند - ملت کے وقت مسند کی بیت پرنگے پاؤں پھلنے اور میں ہنسا لطف تھا، پھر مسند میں مدھر دنا ہو گیا مروجہ ساحل کی طرف بڑھ کر پلٹے گئے اور اسی دین میں ماحول ہی کچھ سے لیا۔

جمعہ میں برسات کا موسم زیادہ خوشگوار نہیں ہوتا، اسی نکلنے میں آباؤی سے دھڑا اس پسکون ماحول میں دو تین ہفتہ ہنس بستی ہوئی گوارے یہ خوشحال لوگ یہاں آ جاتے ہیں۔

میرے شیونے کھلے اہل نعل نے سائل ہر ایک چور لہری نصیب کراتی، جس کا مدعا نہ سمجھ سکی جانب تھا، اللہ شرفی بانگ، ملک میں چھوٹی سی تپائی، جس پہ کاغذ، پھیل اور تابہ رکھی ہوئی، شب میں ہر نکلت کھانے کے بعد، شرفی من کی محفل کا آغاز ہوا اسی خاندان کے ایک فرد جن کا پہلا نام یاد نہیں رہا جو اتنی سی تپائی تھے۔ انہوں نے بڑے شاندار الفاظ میں میرا تعارف کیا۔ چہرے میرے سے لے کر میرے لباس وضع قطع اور شاعری کا خضرے لے کر اپنی تعریف میں نقشہ کھینچا پھر میں نے جو کلام سنا شروع کیا کہ تو قبول کھنے سیرا کیا سب لوگ آفر وقت تک بیٹھ رہے اساطعت لیتے رہے! جیسے بزرگی، اکاٹھٹ اور بے نیکی کو ان مشہور تانی سے دس نکال دلا چکا ہے۔

دوسرے دن میں وہاں سے اسی رات سے میری واپس ہوا، یعنی خوشی کے ساتھ ہجری سفر بھی اچلے وقت بڑے احترام کے ساتھ "نندانہ" بھی دیا گیا!

تقریباً تین نیم اقبال مسلمان پنجاب کی جانب سے آخری شہرہ اپریل ۱۹۴۸ء میں ہوا، پھر چند ماہ کے بعد ملک کے طول و عرض میں ہجرت منت ہجرتی اس کا ذکر کرنے کے لئے روپے کا کلچر اور پھر کا دل چاہئے، دوست اصحاب اور عزیز دشمن اس طرح منشر ہاتھ ترتر ہوئے کسی کو کسی کی خبر نہیں کہ کون مر، کون جیا اور جی رہے تو کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

عطیہ فیضی، ان کے شہر سرسدر جین اور عطیہ کی بڑی بہن بیگم جتوہ سے ۱۹۴۸ء میں ملاقات ہوئی یہ لوگ ان دنوں کراچی کینٹ اسٹیشن کے قریب کارلٹن ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد سر غلام محمد مرحوم بن گوند جری پاکستان جو ان دنوں مدینہ منورہ تھے، ان کی کوٹھی کے قریب عطیہ فیضی نے ایک خلیت کلیہ پر لیا تھا یہاں ہی بستی کی دعوت کبائی لکھا گیا ہر مغفرت بدھ کے بدھ اہل ذوق کا اجتماع ہوتا، ایک بار بھارت کے ہائی کمشنر سرسدری پر کاش اپنی صاحبزادی کے ساتھ تشریف لائے، چائے نوشی کے بعد میں نے انعام دئے جب وہ چلے گئے تو عطیہ فیضی نے مجھ سے کہا کہ جب تم اپنا کلام سنا رہے تھے، تو میری پرکاش صاحب نے مجھ سے کہا کہ یہ صاحب درستی طرف اشارہ تھا۔ م۔ ق۔ ا۔ ب۔ جب آئیں تو مجھے اطلاع کرنا میں اس نشست میں غریبوں کو لگا۔

بارنس گاندھن میں جہاں اب آرٹ کونسل کی شان دار عمارت ہے اس کے عقب میں عطیہ فیضی نے اپنے رہنے کے لئے خالص مشرقی طرز کا آرام دہ کتاہ مکان اور اس کے قریب چند قدم کے فاصلے پر ایک گیلری تعمیر کرائی تھی، جس میں ان کے شہر فیضی رحین کی مصوری کے اعلیٰ نمونے آویزاں تھے، خاص طور سے مولانا شوکت علی کی قدیم تصویر قابل دید تھی، دیکھنے والے کو پہلی نظر میں دھوکا ہوتا تھا جیسے عین بین مولانا شوکت علی مرحوم، چند بیٹے کھڑے ہیں۔ ان دنوں عمارتوں کی دیواروں کے بیرونی حصہ کا رنگ دلی کے وال قلعہ کی دیواروں کی طرح سرخ تھا!

یہ لوگ زیادہ سے زیادہ دو تین سال اس مکان میں رہے ہوں گے، پھر ان پر ایسی بیٹا پڑی کہ اس مکان سے انہیں اٹھ جانا پڑا، اس بارغ میں عطیہ فیضی ان کے شوہر اور ہمیشہ نے حکومت سے اجازت لے کر ہی عمارت بنائی ہوگی، پھر وہ اس سے بے دخل کس طرح کر دئے گئے؟ وہ دونوں عمارتیں غالباً اب تک خالی پڑی ہوئی ہیں۔ دفتری کارروائیوں کے بھی عجیب چکر اور پیچیدگیاں ہوتی ہیں اور حکومت کی تبدیلیاں بھی بعض معاملات، مسائل اور حالات پر خاصی اثر انداز ہوا کرتی ہیں۔ بہ ہر حال یہ بہت بڑا سا نفع تھا جو ان کے ساتھ پیش آیا۔

اس طرح گھر سے بے گھر ہو جانے کے بعد یہ شخص سرا خاندان جس کا ہر فرد وضعی کی فکر کو پہنچ چکا تھا اور کسی عزیز نہشتہ دار اور اولاد کا سہارا بھی انہیں میسر نہ تھا، ہوشیوں میں رہنے لگا، جیسے کیا ہوا اندھختہ آؤ کہاں تک ساتھ دیتا ہو کسی قسم کا کوئی مددگار نہیں، وہ موش مشہور ہے، کہ نفسی میں آنا گیسلا آئے دن کی بیماریوں نے مالی حالات کو اور زیادہ قہیم کر دیا!

نہ خالیہ صاحب وہ تھے جو چند سال قبل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے دانش چاند رہ چکے ہیں۔

میں یہ گھانا سدا ہے چلا رہا ہے شہر سے بیگم جنیو کے اخلاف کے بعد اس کی عمر کا نیا دھندلے ہوئے ہے۔ جو ایک طرح کی بیوی ہے۔ بیگم جنیو کا مرض طبعی اور عیبہ نہیں، بلکہ طبیعتی آفتی ہے۔ شہر سے نظر اٹھیں، اس کی فتنے میں، دلکیشی پر خوشیاں کوئی نہیں لگائی۔ یہ ایمانِ نعت نام رکھا مگر بھلا سے فروخت کر دیا۔ ان کے پاس زمر وادب سے بے گنت تھے، دلوں میں لباس کی نسبت سے زیادہ ہشتیں، خاص ریشم کے کتے، اسدو تھے جن پر گھٹو کی کشیدہ کاری، ایک ایک کپڑا سینکڑوں روپے کی قیمت کا تھا! علیٰ طبیعتی کا لباس ستر لٹری میں، عکس و کوشیدہ کے لباس سے ملتا جلتا تھا۔ چہرے کے سوا جسم کا ہر حصہ ڈھکا چھپا اور سر پر حلی کی طرح عدال جس پر عقاب بندھا ہوا، نیچے کرتہ پر لٹری سی عبا، گلے میں سیاہ پتھر کی مالا، پہلی نگاہ میں وہ چمچ کی لہجہ (۲۷) جیسی نظم آتی تھیں، فریخ اخراجات کے ساتھ وہیں تھا، وہیں نے طبیعت میں انہیں بار بار بس میں بیٹھا ہوا دیکھا، بعض اوقات بس میں سوار ہونے کے لئے کافی دیر تک کیریں کھڑی رہتیں۔

نون لطف سے خاصہ شغف تھا۔ شاعری اور معدی اور دقت و کوشش سے سب ان کے اخلاق اور طبیعت کی چیزیں تھیں، ساگد ان کے واقف نہیں، پاکستان آنے کے بجائے بھارت ہی میں رہیں اور کوئی۔ کلامند، ان کو صوبہ دیا جاتا تو وہاں ان کے فطرت اور طبیعت کے جوہر نکلتے! انگریزوں کا معاملہ خاصہ کچن تھا، انگریزوں میں عدالت اور شگفتہ تقریر کر تیں اور مزاح و ظرائف کی پھلجھڑیاں چھوڑتی جاتی ہیں ایک ہر ایک ہائی میں یہ سادگاہ کرتے ہوئے کہا۔

If he is Madiv-ul-Khadri, then
he is from Hyderabad—
If he is Madiv-ul-Qadri, then
he is from U.P.

کوئی کثرت ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو، اس پر ہنر کر کے اس کو کئے بلکہ بعض اوقات ڈانٹے ڈیٹھے سے نہ چڑکتیں۔ اس لئے ان کے جاننے والے محفلوں اور جلسوں میں علیٰ سب سے کثرت آتے تھے، توجہ محل پرش میں علیٰ سب سے ایک بار بچے یا اس میں سوجھ بوجھ نہ تھیں نہ حوروں نہ کونہ کی اصلاحات طرف تھے، مسلم پروردگار کی طرف سے ہر ایک کے ہر انداز اور انداز میں علیٰ گھٹا جھٹکا چھوڑا اور علیٰ سب سے بھری محفل میں انہیں تو کالہ جھاڑ دیا اور وہ ہے جو اسے خیف سے ہر کدہ گئے۔ بعض اوقات اپنے شوہر کو بھی ڈانٹ دیتیں سرسبز زمین باندہ شہر کی طرح ان کے چہرے چھتر کی لٹے ہوئے تھے۔

یہ ایک کمال کی چیزوں کے احباب اور مددگار تھے، ان کی ذات سے خود ایک انجمن مافی ہوتی تھیں، ایک دوسرے سے دنیا بیکر۔ دولت الکتاب میں رنگ کی طرف اتنا نہ چہا میں نے جلاہدیا کہ۔ الکتاب یعنی قرآن کی ایک طرف! ابلیس نہیں یہ بات نہیں رنگ و رنگ چیز کے ساتھ سے کئے تھے، جس میں ہلا جاتا ہے، چہر کہ ابلیس یا تمہیں جس سے مجھے اٹھنا ہوا کہ ان کے متعلق تین: "طبیعت" کی نیل ہے، ان کے شوہر رضیہ میں بھی طبیعت نہ تھیں صرف سے متاثر تھے۔ دین بدران سے گفتگو کرتی تو ان کے غیا لفت میں عجیب باتوں کا سرسبز زمین نے انگریزوں میں ایک دھندلہ (دفرہند — Daughter of God) کہا تھا جو کئی

۱۔ اہل خانہ کی بھی توجہ اور ادھر میں — اور اہل خانہ کی بھی — توجہ اور — پی کے ہیں۔
۲۔ جہاں بلکہ میں نے کوئی اور صفت کو قاتل بولتے ہیں۔

شکل میں چھپا دیا گیا۔ عطیہ فیضی اور ان کے شہر کے اہل واپس میں نے اس حد میں اس کا ترجمہ قیام بخیر کے نام میں کیا نہ معلوم اس ترجمہ کا پھر کیا عشر ہو!

عطیہ فیضی کے پاس مشاہیر کے خطوط کا خاصہ ذخیرہ تھا انہوں نے مجھے ایک خوبصورت سی یاغیں دکھائی، جس کا منہری حاشیہ تھا۔ اس پر نقاب حادثہ علی خان دہلوی نامی مس کے ہاتھ لگا رکھا ہوا ایک شعر تھا، یہ یاغیں نقاب صاحبِ لام پور نے اپنی تحفہ کے طور پر دی تھی۔

واقعہ الحروف نے سنیکڑوں نہیں ہزاروں کا پول لیا اپنے اوٹو گلف وٹے ہیں لیکن عطیہ فیضی نے جس اوٹو گلف پاک پر مجھ سے نکسرایا وہ اپنی لوحیت کی ناقصانہ پیش قیمت تبیاغیں اضافہ (۵۰۰ روپے) ملکہ ۱۹۷۶ء میں اس مینڈوستان، انگلستان، ترکی اور بعض دوسرے ممالک کے مشاہیر کی تقریریں اور دستخط تھے، ہمارا کام مذبح جی پی ایل راولڈن ٹین کا فرانس کے بعد بحری جهاز سے ہندوستان واپس آ رہے تھے، تو عطیہ فیضی بھی اسی جهاز میں تھیں، انہوں نے مارکر کے گاندھی جی کی انگلی میں آپس میں جمبوتی اندھا گاندھی جی نے اپنی انگلی کے خون کا لٹن کا عطیہ فیضی کی اوٹو گلف پاک پر ثبت کر کے اپنے دستخط کئے، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی مجلس عاملہ کے ہوا سران کہ اس جهاز سے گاندھی جی کے ہم سفر تھے سان سے بھی اس صفحہ پر دستخط لئے گئے اس قسم کی کارمد عجیب اور فن کاری کی باتیں عطیہ فیضی کو خوب مرستی تھیں۔

عظیمہ فیضی کی زندگی صغیر رنگین بھی ہے! وہ سبقِ عبرت بھی!

خان بہادر عالم علی خاں مرہوم

فقیر ہندو سے تپس جب ہیں دلی میں یقیم تھا، تو خان بہاد عالم علی خاں کا نام سنا تھا کہ وہ چوکی اسٹریٹ میں ذریعہ اعظم ہیں ایکے و بارغابا کہتے ہیں سنگسریہ کے یہاں جو ان دلی میں بمسٹریٹ تھے، خان بہادرمیں کہ دیکھا بھی تھا گراٹن سے ملاقات بہا دل پور میں ہوئی!

پاکستان بھٹکے چار پانچ سال بعد بہاول پور میں اردو کا نفرین اور شاعر و مفسر محمد ہما کر نے عبدالحق صاحب کے بزرگ زمانہ میں ریاست بہاول پور کے وزیر رہے ہیں، انہی کی شاندار کوششوں میں سب مہمان ٹھہر گئے، بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب اس قافلہ کے رہائے۔

مشاعرے کے دوسرے دن بہاول پور کے سنٹرل جیل دیکھنے کا پروگرام تھا، تمام مہمان شاعر اور اہل قلم مولوی عبدالحق صاحب کی قیادت میں جیل پہنچے، خان بہاد عالم علی خان محکمہ جیل کے انسپکٹر جنرل تھے انہوں نے ایک سیک وائٹ سب کو گے جا کر دکھایا۔ وہاں کے حالات طریقہ کار، تہذیب کی فداک، رہن سہن، اسیری اور انسانی کی نقصیات بتائیں، پھر ایک شاعر قیدی بھلا دیا جا چنے سقیب کے قتل کرنے کے الزام میں نافذ تھا، خان بہاد صاحب بہاد نے بڑی محنت اور احترام کے انداز میں فرمایا۔

جب نچپتہ جلایا کہ یہ صاحب شاعر ہیں تو میں نے ان کے لئے جیل میں ہر قسم کی ممکنہ ہولناکیاں کیا کر دیں شاعر بہت بڑا آدمی ہوتا ہے کم حکم میرے داغ سے قواس کا داغ بنتا ہے۔

بھراں شاعر نے اپنے شعر سنائے اور تھوڑی دیر کے لئے محل خانہ مشاعروں کا بن گیا۔

اُس کے بعد خان بہادر صاحبِ خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ مرسلت پر پہلی انہی نے کی۔ "فانان" کے قریب اپنے چھوٹے بھائی محمد علی صاحبِ کلام — مفتی عالم — سے ملے، یہاں، تین چار چھ مغربی اور انگریزی صحافی "فانان" میں اشاعت کے لئے ارسال کیں، ان میں سے ان کی بس ایک "غلام" میں چھپ چکی، ورنہ قلع نہیں ہوتیں، ان کا شکریہ کیا اور نہ اشاعت کے لئے اصرار!

دوبارہ اس پر لڑ سالانہ بیماری کے بارے میں تشریف لائے اور میری منزل پر آئے۔ ہم نے پہلے ان کے خلاف ایک دہائیہ کے دفعہ سے ہاتھ ملاتے رہے۔ آخر ایک خط میری اہلیہ کے انتقال پر تقریر کا خط تھا۔ میں نے وہاں پر شکر یہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ میری اہلیہ میں خود حاضر ہوں گا۔ مگر میں ان سے ملنے کے لئے جانے کا ہرگز ارادہ نہ بناتا تھا۔ اس لئے میں مدنا متہ جگہ میں ان کے انتقال کی خبر پر ہنس۔

— حضرت اللہ تعالیٰ —

اب سے تقریباً چھ سال قبل عالم علی خاں مرحوم کی ملازمت کا آغاز ہوا۔ انگریزی میں ایک چھوٹے سے عہدے سے ہوا۔ گھر پر اپنی فرزندہ کی تعلیم کی بدولت ترقی کرتے چلے گئے، ریاست پٹواری میں دولت خانی کے طالع اس وقت وفود کی انتظامیت کے ساتھ انجام دے کر بدولت کو فوٹو کھیل اہم طریقہ سے خوشحال بنا دیا، انگریزی حکومت کی طرف سے "خان بہادر" کا خطاب ملا۔ ریاست بہاولپور میں جب وہ حکمران کے انسپکٹر جنرل تھے تو بہاولپور سنٹرل جیل کی نگرانی میں اس مجوزہ خوش انتظامی کا ختم دیا کہ مختلف مسخروں کی بدولت جیل خانہ کو ہر سال ڈیڑھ دو لاکھ بچت ہونے لگی، غالباً آج بھی یہ دنیا میں ہی ایک ایسا جیل خانہ ہے جہاں کا بچت فاضل ہوتا ہے، ہڑائی میں لوب صاحب بہاولپور نے لاگڑ کی اس صدمہ میں انہیں بہت کچھ لانا! خان بہادر صاحب مرحوم کے بیٹے ہی جیل خانہ کی آمدنی میں کمی ہونے لگی یہاں تک کہ —

— جہاں سے چلے تھے وہیں آ گئے!

بہاولپور کی زمین اور مکان فروخت کر کے لاہور کی ڈیفنس سوسائٹی میں اپنے صاحبزادے خٹم علی خاں کی کوٹھی سے متصل پڑی شاندار عمارت رہنے کے لئے بنوائی! وہ سال ہوئے اس کو تعمیر کوٹھی میں سیٹ کا جلسہ کیا۔ مجھے اس میں بلایا اور وہ قلاب بہاولپور جو ان دنوں اپنے والد مرحوم کی وفات سے پہلے دلی عمارت میں رہتے تھے اس جلسہ میں تشریف فرما تھے۔ قلاب صاحب مرحوم خان بہادر صاحب کی فرزندہ معظمہ علی خاں کے ہم زلف ہوتے ہیں۔

اس جلسہ میں مختصر مجمع تھا مگر سب لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ میں نے بڑے سوز میں سیرت مقدسہ عقبہ بیگم اس کے بعد نصیحت کلام سنایا، خان بہادر صاحب کی خوشی کا عالم دیدنی تھا، جلسہ کے بعد چائے نوشی ہوئی چائے کے ساتھ پیکٹ لازم بھی تھے۔ خان بہادر صاحب علی خاں کی زندگی اس اعتبار سے ایک انجریہ بلکہ معجزہ حکم نہیں تھی کہ وہ پچیس تین سال سے ایک منٹ کے لئے بھی نہیں سوئے۔ چوبیس گھنٹے اور آٹھ گھنٹے پہر جاگتے گرتے، ان کی اس سلسلہ بیداری کا حال سنکر بعض انگریز یا عوامی قریبن کچھ کہتے آتے ہیں کہ اس بے خوابی کے باوجود ان کی صحت اچھی تھی، بڑھاپے میں بھی سرخ و سپید رنگ تھا، جوانی میں بہت خوبصورت ہوں گے، مگر جب دلت آباؤ ہمیشہ کے لئے قیامت کی نیند سو گئے۔

آرم لکھنوی مرحوم

نام تھا شہنشاہ حسین، آرم تخلص، خاص لکھنؤ کے باشندے، شاہی میں علامہ آرم لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ زواری لکھنؤ میں ادراجی کا خاص حصہ لکھنؤ میں بس رہا وہاں بھی ان کا علم اور اسباب فن کی محبت اور پریشانی انہیں میسر تھی۔ انگریزی کے اہم اے مگر وضع قطع، لباس، نشست و برخاست اور ہر سے سے آرم کے ادیب فاضل نظر آتے تھے، سلام کرنا میں وہ ان کے اٹھ کی جنبش اور بدن کا ہم، ان کے لکھنوی چہرے کی شہادت دیتا تھا۔

پاکستان میں آنے کے بعد ان کی ملازمت کا آغاز محکمہ سیٹھ سے ہوا اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آرم و نظم و نثر اور ریڈیو وسیع کار

جوش شریک اگر نہیں اُن کے تلفظ کی صحت کی خدمت اُن سے متعلق تھی۔

اسی سال کی مدت میں کھنڈر پھانسیا صاحب، رشید، پبلکسٹ، ہستی، عزیز، انشا رب سے عبارت ہے دوسرے دیکھنا قابل ذکر شعراء، سراج، اندر قیومی، آدم صاحب اس کے بعد کے تیسرے صد میں قیوم گئے جاتے تھے۔

آدم کھنڈر مرحوم کی ساری زندگی سرسوی ہی میں گزری اُن کے حالات کی تسلی کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شادی نہیں کی اور شریک زندگی کی سفاقت تک سے محروم رہے، ایسے ہی دل کے روضے تھے، اس نے اُن کو جسمانی طور پر مضمحل بنا دیا تھا اساس کا فرق کرنا دشوار تھا کہ جسمانی طور پر نازکی اُن کے استعمال کا سبب تھی یا استعمال کے سبب وہ نالک نظر آتے تھے۔

شاعر میں کھنڈر پر درنگال، کھنڈر مرحوم میں میرا جانا تھا، آدم صاحب بھی اُس مشعرے میں کھنڈر لے آئے تھے۔ گمان کی شکل و صورت اور شخص سمجھ، بالکل یا در نہیں رہا وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم سے پہلی بار ملاقات کھنڈر کے مشعرے میں ہوئی تھی۔

گراہی میں اُن سے تدارف کے بعد شہنشاہی اُس کے بعد شہنشاہی اور تہ تکلفی پڑھتی ہی چلی گئی، اس انداز سے صحت و دین و ملت انہیں پیڑھے رہتے مگر وہ نہ مانتے جیسے وعدہ ہوا، گڑبا، اندر کھنڈر اُن کو آتا ہی نہ آتا، ان کی جگہ کوئی دوسرا آگے ظرف ہوتا۔ تب بعض وقت ہمارے خلاف یہ طعناں کیا گایاں دینے پر آمنا تا :

اب سے چونسالی قبل مشرقی پاکستان کے مشعل ہیں اُن کا انداز، یہ سات دن کا طوفانی وعدہ بھی یاد ہے گا، مجھ کو جس کردار پر کچھ قریب ہوا اُن کے ڈھاکہ پر کچھ، وہاں شب میں مشاعرہ پڑھا، دوسرے دن چٹا لگ گیا، چار چھکے، وہاں کے مشاعرے سے مناسبت پر کر ڈھا کہ آتے اندر تیس دن ہوائی جہاز سے ایئر فورس کے لئے روانہ ہوئے، پچیس دن کا سفر اس کے بعد چند میل کا رہا، بھر دی میں جو شیجہ میں توشب میں آتے تھے کچھ کے بعد کہیں جا کر کسے پہنچے، سید پر کاشا مولو کھنڈر کہات ہی میں شین کے ذریعہ کھانا کھاتے تھے چل پڑے اندر وعدہ پسند، کھنڈر کے مسلسل سفر کے بعد کتنا پہنچے، وہاں کے مشاعرے میں شریک کر کے دوسرے بعد کچھ کو کار میں بیٹھ کے ہوائی اڈہ پر آئے وہاں سے ہوائی جہاز پر کپڑا اندر تیسرے پر کو ڈھا کہ پہنچا ہوا اُن کی شب میں مشاعروں کے بعد مشاعروں کے معاملہ میں مشرقی پاکستان کے قطب جناب حبیب انصاری کے دولت کے یہ پروت اور شعر و سخن کی مصلحت میں بہت دات گئے ایک جا گئے رہے۔ دوسرے دن ڈھا کہ سے راکھی کو واپسی پر کئی وہ جو چہن میں اُن کھنڈر کے قہقہہ اندر دین کی طامی مچنے جانے اندر اہلیا دانش کے طعنے کی کلماتیں پڑھا کہتے تھے، اس شعر میں ایسا معاملہ پیش آیا، جنرل اعظم خان اُن دنوں مشرقی پاکستان کے گورنر تھے، گھسٹن ڈھا کہ کا شہر سیمپا ہے اُسی میں مشاعرہ منعقد ہوا، جنرل صاحب موصوف بھی شرکت فرمائی، کسی شاعر کو اُس کے شعر پر زیادہ مادی حق تعہ غالباً اُسی گراہی کے سبب اپنی بیگم صاحبہ سے کچھ لڑ کھتے، آدم کھنڈر نے اپنی غزل کا مطلع پڑھا :—

وہ یہ کہتے ہیں کہ جا اب کھسٹا کی ہو گئی

اے جنرل : زنجیر یہ لڑ اور بھاری ہو گئی

اہل دانشین کے شہر سے گریج انشا اس برجنی صاحب نے اپنی بیگم صاحبہ سے سرگوشی کے انداز میں کچھ دریافت کیا جب مشاعرہ گاہ سے ہم آگاہ ہوئے تو میں نے کہا آدم صاحب آپ نے غصہ کیا، دانش کا کہہ دیا میں ایسا ہی مصلحت پڑھ دیا، وہ چونک کر بولے، اس نے گویا ست سے کیا سطر، اندر بغزل تو میں نے تقسیم ہند سے قبل انگریز کے دور حکومت میں کھنڈر میں ہی تھی جن علاقوں میں انبالا مصلحتی دی جب کی شریقی اور طوائف طبع نے اندر طعنت پیدا کر دیا، آدم صاحب کو یاد کر لیا گیا کہ یہ شعرا ان کے خطوط میں مضمون پر بحث بنا رہے۔

پڑا سنگین نظر آتا ہے اندر جیسا آدم : ہم جانتے ہیں کہ تمہارا سیاست سے دھکا بھی داسط نہیں دتا، مگر —

یہ نہ خیر..... اور بھاری ہو گئی

اس کی توجہ تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتی، اس شعر کو یہ معنی پہنائے جا رہے ہیں کہ بچلے وعدوں کے مقابلہ میں موجودہ وعدہ سچا تر ہے! آدم بے چارے کے چہرے پر نہ کہ تو فریاد کی مہاسیاں سی چھٹنے لگیں، کئی دن مذاق کا یہ سلسلہ چلتا رہا اور جب اس مذاق کا مادہ اُن پر کھل گیا، تو برا نہیں مانا۔

آدم سے آخری ملاقات اُن کے مرنے سے وعدہ پہلے جناب امیں انجمن خیریتیم دینی (زیر حضرت امیر مینی) کی صاحبزادی کی شادی میں ہوئی، چند منٹ نہیں مذاق کی باتیں بھی رہیں، بس پھر وداع کی گندہائی تھیں کہ دھری سچا کہ جائیں اُن کے انتقال کی خبر پڑھی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

آدم لکھنوی خوش گشتا تو تھے، غزل کے مزاج کو پہچانتے تھے، اُن کے قریب میں انفرادیت کے ساتھ سناگشت بھی تھی بعض شاعروں میں آ رہا اس قدر کامیاب ہے کہ بعد کوئی شاعر حرم ہی نہیں سکا! اُن کے چند شعر۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ جا اب رستگاری ہو گئی
اے جنوں! نہ خیر یہ تو اور بھاری ہو گئی
آئینہ میں اپنی صورت دیکھتا جاتا تھا میں
دلتہ پیش نظر صورت تمہاری ہو گئی
ہم باغِ تمنا میں دن اپنے گزار آئے
آئی نہ بہارِ آخر، شاید نہ بہار آئے
نکھڑا یا تر سے درد سے اک لہرہ مستانہ
بے نام لے لے تیرا ہم تجھ کو پکار آئے
کبھی سبھی رکھ دیں گے دھول پہ اُن کے
ابھی صورت نقش قدم دیکھتے ہیں
کوئی دیکھ کہ اُن کو سنبھالے تو حساب نہیں
مگر جن نگاہوں سے ہم دیکھتے ہیں
مطلق کا معرکہ ثانی غالب کا معرکہ۔ خیاباں خیاباں آدم دیکھتے ہیں۔ اُن کے غزلوں (آدم) کی مناسبت سے لطف نہ لیا۔

سرکارِ جہان علی احمد آج کی گزشتہ شب
اے صاحبزادہ! اتنی بکلیاری ہے

فنا کیل
نیر صفتی کا حبسہ کلام

قرینہ

ڈاکٹر سید عیوب اللہ

مقدمہ ساز مؤلف

فہرست تقریباً ۱۵۰ صفحات

۱۵۰۰ روپے

سال نو کے ساتھ آ رہی ہے

پبلشر مکتبہ کاروان لاہور

962/6

00

962/6



**SYMBOL OF
PERFECTION IN POPLINS**

Now

LANFONIZED

LINE-ALL STAR FABRICS



TEXTILE MILLS LTD., KARACHI

Manufacturers of the Green poplins

ہماری نظر میں

سیرت رسول اللہ ﷺ

پرفیسر سید شاہ علی ریسہ دکن ۱۵۵۰ھ، وفات ۱۶۶۱ھ کی شخصیت ملی سطور میں اس کا مختلف کتبہ ہے جس کا سب سے پہلا قبل جب ان کی پندرہویں سن میں ہوا تھا ان کے سچا جاتا تھا۔ مرنے سے ۱۰۰ سال قبل ان کی اصل زندگی کا تذکرہ ہے۔ تعلیم و تہذیب اور عقیدہ و تحقیق میں گہری دلچسپی اور پرفیسر سید شاہ علی ریسہ دکن ۱۵۵۰ھ، وفات ۱۶۶۱ھ کی شخصیت ملی سطور میں اس کا مختلف کتبہ ہے جس کا سب سے پہلا قبل جب ان کی پندرہویں سن میں ہوا تھا ان کے سچا جاتا تھا۔ مرنے سے ۱۰۰ سال قبل ان کی اصل زندگی کا تذکرہ ہے۔ تعلیم و تہذیب اور عقیدہ و تحقیق میں گہری دلچسپی اور پرفیسر سید شاہ علی ریسہ دکن ۱۵۵۰ھ، وفات ۱۶۶۱ھ کی شخصیت ملی سطور میں اس کا مختلف کتبہ ہے جس کا سب سے پہلا قبل جب ان کی پندرہویں سن میں ہوا تھا ان کے سچا جاتا تھا۔ مرنے سے ۱۰۰ سال قبل ان کی اصل زندگی کا تذکرہ ہے۔

”دعا کی ملوثی کہ ہے اس صورت میں خلف کا التزام کیجیے تاہم ہر حالت میں یہی وہ شیعہ ہے جو حبش آسارہ کو دعوت رسالت کا پے لہجہ باوجود لوگوں کی مخالفت اس فقہ استدلال کے باعث دینہ اہل اسلام کی نازک حالت میں جانے کے لئے کرنا ہے۔“

اس کتاب میں بعض باتیں ایسی بھی آگئی ہیں جن سے صرف نظر ممکن اصحاب نہیں مثلاً۔ ”واقعہ اسری“ کو فاضل مصنف ”دینا“ کا درجہ دیتے ہیں (دس ۱۳۳-۱۳۴) حالانکہ جہود علماء کا یہ موقف فیصلہ ہے کہ حضرت کے معراج جسمانی طور پر عالم میثاری میں ہوئی تھی۔
قرآن شریف میں ”جن“ کا ذکر ایک مستقل نوح مخلوق کی حیثیت سے کیا ہے لیکن سیدنا ابی مروح نے اس مسئلہ میں سیدنا حضرت عیسیٰ پر کرجن سے ہونے یا دھڑی یعنی اٹھ اگندہ لوگ مراد لئے ہیں! اُن کا یہ خیال اور تحقیق صحیح نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اس انداز میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور مٹی کو گچ پیدا کئے یا مہذب و غیر مہذب مخلوق کو وجود بخشا؟
”ایسا نہیں ہوا یا عیسیٰ یا نوح یا حضرت بشر رحمہ اللہ اس لئے نہ ہو“ (دس ۱۳۵)

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جہود راسخ کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ مصلوب نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اٹھالیا وہ آسمان میں زندہ ہیں اس عقیدہ دینا میں تشریف لائے گئے۔ بعض قیاس کی بنا پر متواتر احادیث کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔
”خلائی“ کے بارے میں بھی فاضل سیرت نگار کی رائے میں۔ ”تہذیب کی آمیزش نظر آتی ہے (دس ۱۳۶) اگر اسلام نے ہر قسم کی خلائی کو (دس میں جنگ کے ہنگامی حالات اور ضروریات و معارضہ بھی شامل ہیں) ختم کر دیا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آخری وصیت کی جسے صفحہ ۱۳۴ پر خود اس کتاب میں درج کیا گیا ہے،

الصلوة وما ملکت ایمانکم
نماز کی پابندی کرو اور لڑکی خلاموں (کا خیال رکھو)
کیا توجہ کی جائے گی جس میں ”لڑکیوں اور خلاموں“ کا واضح ظہور ہوتا ہے؟
پہلی سیدنا ابی مروح نے حضرت ابی طالب کے مرنے پر اپنے اہل ایمان لانے کی نصیحت کی ہے، ”شہرہ حدیث من کنت مولاہ
ضمی مولاہ“ کی شرح میں وہ لکھتے ہیں:-

”جناہ علی مرتضیٰ کے نہیں اور عات حمیدہ اور قرابت قریبہ کی بنا پر رسول اللہ نے دعا کی تیر کے وقت آپ کو حضرت فاروقؓ سے تشبیہ دی تھی کہ جس طرح حضرت اعلان اور ان کی اولاد میں نسل ابولس بیتہ بنی اسرائیل میں روحانی پیشوا اہل امام مانے جاتے ہیں وہ کیوں نہ ہو کتاب خود ہی اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ نسل ابولس اسی درجہ پر فائز رہیں گے، حجتہ الوداع میں جب رسول اللہؐ کی مہلت کا زمانہ قریب معلوم ہوا تھا، امت مروجہ کو رخصت کرتے وقت آپ نے علیؓ کو اعلان جناب قرصوری کو اس خاص درجہ پر فائز فرمایا اور وجہ ولایت اس عہدہ خلافت سے متنازع تھا۔۔۔۔۔ (صفحہ ۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲)

امامت اور ولایت کو ایک خاندان کے ساتھ مخصوص کر دینا اس بات کی ائمہ کے بارے میں عصمت کا عقیدہ رکھنا یہ عقیدت کا وہ غلو ہے جس سے اسلام میں روکا گیا ہے۔

”سقیفہ کے فوجی اہل اصول انتخاب کے لحاظ سے بے قاعدہ کا مدعی کو تسلیم کر کے (حضرت علیؓ) کمال ایشار

اور کس نفسی کا اظہار فرماتے ہیں اس اسلام میں فقہ پیدا نہیں ہونے دیتے“ (دس ۱۴۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتخاب کو بے قاعدہ کا مدعی کہنا اس

ماہنامہ الحق کوئی شک نہیں دین و شریعت کی قابل قدر خدمت انجام دے رہا ہے اور متحدین اور مغرب زعموں کے انکار باطل کی تمہید اس کی ضرورت رہی ہے خاص طور سے حضرت مولانا عبدالحق بانی مہتمم دارالعلوم حقانیہ کے مضامین پڑھنے کے لائق ہوتے ہیں اس مودت زندہ دہ میں جہاں سے بھی حق کا آواز بلند ہو رہا ہے وہ مائید و معاون کی تسبیح ہے، اللہ تعالیٰ دینی اور مادی مسائل کی عمر و ماضی فرمائے، اور اس کی بھی توفیق کہ اسلام پسند اہل قلم اور اہل فکر اپنے فکری اختلافات کے باوجود ایک کا ذریعہ جمع ہو جائیں۔

مجلس اہانت - نور شیعہ، مصباح الاسلام، احمدیہ، رحمان احمد، شیعہ فی پرچہ، ۵۵، پیسے - سالانہ مجلہ چراغ راہ - چندہ نور دیے، ملنے کا پتہ: - چراغ راہ، یوسف منزل، ہر روزی سوڈ، کراچی۔

ماہنامہ چراغ راہ - شہزادہ علی شاہ سے جو ہر سال سے دین و اخلاق اور علم و ادب کی خدمت انجام دے رہا ہے، اس پر ضرور ایران کے عتاب و ہراس کے سخت وقت بھی آئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تک زندہ ہے!

تین ہفتے سے یہ سالہ ادارہ معارف اسلامی کی نگرانی و اسیادت میں نکل رہا ہے اس تبدیلی اور نئے انتظامات نے ”چراغ راہ“ کو صورت و معنی کے لحاظ سے بہت کچھ عید و عید بنا دیا ہے اب یہ ادب و شعر اور دین و اخلاق کے طے ملے مضامین کی بجائے خالص دینی اور علمی مجلہ بن گیا ہے۔ یہ تبدیلی بڑی مبارک تبدیلی ہے اللہ تعالیٰ اس تبدیلی کو اس لئے اللہ دین و اخلاق کی خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

از شاہ فرید الحق - ایم۔ اے، ایل، ایل، لی (علیگ) صدر شعبہ اسلامیات اسلامیہ کالج، کراچی - ضخامت - ۱۰۱ صفحات (مجموعہ رنگین گروپیشن، قیمت آٹھ روپے - ملنے کا پتہ: - سر سید بک کمپنی، ۱۱، اردو بازار کراچی۔

جناب شاہ فرید الحق - دستور و سیاسیات کے موضوع پر ایک محض ادارہ علم سیاسیات کی حیثیت سے خاصہ شہرت رکھتے ہیں یہ موصوف کی کئی کتابیں منظر عام پر آ کر مقبول ہو چکی ہیں یہ کتاب - نظری سیاسیات (POLITICAL THEORY) جو ہمارے سامنے ہے اس کا پہلا ایڈیشن چھپنے کے بعد ہی چند ہفتوں میں ختم ہو گیا اب اس کا دوسرا ایڈیشن ضروری ترمیم اور ترمیموں کے ساتھ تیار ہوا ہے۔ یہ کتاب گیارہ اہل باب پر مشتمل ہے۔

۱۰ علم سیاسیات کی تعریف اور حیثیت ۱۱ سیاست ۱۲ سیاست کی ابتدا سے متعلق نظریہ ۱۳ سیاسی اور سماجی اطاعت کے اسباب ۱۴ قوم اور قومیت ۱۵ اقتدار اعلیٰ ۱۶ قانون اقتدار ۱۷ کلیہ اور سیاست ۱۸ جدید سیاسی نظریے ۱۹ مختلف مکتبہ اشتراکیت ۲۰ کلیاتی نظام -

کتاب کے اہل باب بل عرفوں میں کھج گئے ہیں اور اس کے ساتھ انگریزی کی معروف اصطلاحیں بھی درج کردی گئی ہیں، مثلاً -

نظریہ پائیری یا الی (PATRIARCHAL THEORY) قرابت یا فانی رشتہ (KINSHIP OR BLOODREUNION) مساوات طاقت (EQUALITY AND FRATERNITY) نظریہ اتانیت (UTILITARIANISM) کلیاتی نظام (TOTALITARIANISM)

یہ کتاب ماحول بی۔ اے اور بی۔ اے آئنڈ کے طلباء کے لئے لکھی گئی ہے، مگر جامعیت اور معلومات کے اعتبار سے یہ کتاب اہل علم کے مطالعہ بلکہ استفادہ کے لائق ہے، سیاست کے کچھ گوشے اور پہلو ہیں، جن کی دلنشیں و تشریح اس میں ملتی ہے پھر جہاں سیاسیات میں فلسفہ کا رنگ پیدا ہو گیا ہے، وہاں بھی فاضل و محقق کے بیان میں بٹا سلجھا دیا جاتا ہے، انہوں نے باہرین سیاسیات کی آراء اور اقوال نقل کرنے

خلافت و سنت کی خلاف ورزی کسی صورت میں ممکن نہیں :-

اسلامی ریاست کے خطوط و اعمال کیا ہوتے ہیں؟ اس کو اس کتاب میں خاصی تشریح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور مصنف نے دنیا و انداز کے ساتھ متعلقہ باب کے آخر میں لکھ بھی دیا ہے کہ یہ فیصلہ اس احمد صاحب کے مضمون سے یہ باب ماخوذ ہے !

حکومت استقلالیہ :-

”آزادی کو بالکل آزادانہ قوانین کے رحم و کرم پر چھوڑنا درست نہیں، اس لئے کہ بعض حکومتیں ایسی حاملہ اندیشہ جمہوری ہوتی ہیں کہ وہ عوام کی آزادی سلب کرنے کے واسطے ہوتی ہیں اس اعتبار سے بل بوتے پر مظلومانہ قوانین نافذ کرتی ہیں.....“

اسٹیٹس رٹل نے بڑی اچھی بات کہی :-

”اے ان ہرگز غیر مطمئن نہنا جائیداد ہرگز مطمئن نہ بنے سے بہتر ہے :-

اشتراکیت کیا ہے ؟

”لفظ اشتراکیت، اجتماعیت کے علاوہ اتنے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے کہ اس لفظ کی صحیح تعریف مشکل ہو گئی ہے، اس کے مضمون نگار اس لئے اشتراکیت کی چھ سرگزشتیں چھپوائیں، بعض اشتراکی ہیں اتنی ہی اشتراکیتیں ہیں، یا اشتراکی غرض نہیں چاہتے کہ اشتراکیت کیا ہے :-

کسی اشتراکیت پر مصنف نے تنقید کی ہے کہ اس کی بنیاد صرف قوم پرستی اور انعام خیالی پر ہے، عملی طور پر اسے عام کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔

دوسرا رخ :-

”اسنادادہ میں کریں (صفحہ ۱۱) ”میں زاید ہے۔“ اسی سے ہی اسے بہتر جانے، (صفحہ ۱۱) انہیں ہے کہ ”نہی“ نے دوائے عام کی صورت اختیار کر لی ہے۔“ ”اس طرح کے تعلق بھی یہ نہیں ہے اس نے سینکڑوں دساتیر کا مطالعہ کرنے کے بعد بعض نتائج اخذ کئے“ (صفحہ ۱۱) ”سینکڑوں دساتیر“ میں جاننا پانا جاتا ہے، متعدد دساتیر لکھنا تھا۔ ”مصلحت اور میل ملاپ“ (صفحہ ۱۶) ”و“ زاید ہے۔ ”میل ملاپ“ لہتے اور لکھتے ہیں :-

”خدا کے بعد میرے برتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ہے جو خود خدا نہیں تھے، بلکہ انسان تھے، عیسائی بادشاہوں کی طرح بے لگام مطلق العنانیت حاصل نہ تھے“ (صفحہ ۳۰) اس پہلی عبارت کو بدل دینے کی ضرورت ہے ”بے لگام“ خاص طور سے نکال دینا چاہئے۔ ”حکومت نے نظریہ انفرادیت میں جان ڈالا ہے“ (صفحہ ۱۱) یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کہ ”جان ڈالی“ کی بجائے ”جان ڈالا“ چھپ گیا۔ صفحہ ۱۱ پر یہ غلط ”کوہ خضیں“ لکھا گیا ہے، اسی طرح ”تالچ“ کو کئی مقامات پر ”تالچ“ (صفحہ ۶۹) کتابت کیا گیا ہے اور مطالعہ ”کوہ مطالعہ“ :-

”ماتیس کے“ نظریہ قد زاید پر مفاصل مصنف نے تنقید کی ہے۔

”قد زاید کے تعین میں ماتیس نے غلط تجزیہ کیا ہے اس لئے کہ سرمایہ دار مزدوری اور انعام مال کے علاوہ دیگر انعامات بھی کرتا ہے، بلکہ کھوپڑی لگائیں ادا کرتا ہے اور بہت سی ایسا خواہشات جو مال کی حفاظت وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں کتابتے ہیں، نیز سماجی دنیا کی کاموں میں بہت سی چیزیں دیکھائی ہیں :-

اس کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا کہ سرمایہ نگار نے دالا و سرمایہ کے علاوہ اپنا وقت، توانائی اور عمارت جو اس کام میں صرف کرتا ہے اس کا معاوضہ بھی تو

۔ یا ایہا الذین آمنوا لیسنی قوماً قديم ...

اے ایمان والو! ان عروہ مردوں سے چنے۔ (ص ۲۸۶)

۔ چنے کی جگہ۔ شمشاد کریں۔ یا۔ خلاق نہ آئنا میں ترجمہ کرنا تھا۔

۔ نظری سیاست۔ کوئی شک نہیں اپنے موضوع پر کامیاب علمی اور سیاسی پیشکش ہے، خاص محض کے بیانیہ رجحانات اور اسلامی انکار صحت مندانہ ہیں، جن کی جھلکیاں اس کتاب میں بھی نظر آتی ہیں!

ہمہ قسم کی سیٹری کام سامان

جی آئی پائپ۔ سی آئی پائپ۔ آر سی سی پائپ۔ بیسن

ڈبلیو سی۔ ملکی مرغیر ملکی کی خریداری کیے

پتہ مزید پر تشریف لائیں

سلمان برادر کی سیٹری اسلام آباد اکبر روڈ (دوبلہ لنگل سینما)
صدر کراچی

ماہنامہ مالان لڑچ

انتخابات

۱
۱

کے

۱۰

صورت اختیار
دریں کیلئے
پولتے اور کہ

بہ کام مطلق

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

آدم جی کاٹن پارچہ
دیر ہوتے ہیں



آدم جی کاٹن ملز لاندھی کراچی

اس کے علاوہ

ہے کہ تم ننگہ شرم کر دو گے۔ اہل ان سے چننے دودھ پراصر امت کر دیا۔ مال ثالثہ انسان پر حال رہے اللہ تباری نفسیات سے واقف ہے لہذا اس سے کہتے ہیں اللہ غفور و رحیم ہے۔ ۲۳۵: ۱۲

فقیر غمخوار! شریف بلبل حاجت مندوں کی نفسیات انسان کی شناخت بتائی گئی کہ:

”جابل انہیں ان کی خدمتاری اور محنت کے سبب غمی سمجھتے ہیں مگر آپ ان کے پہرے سے بچان میں لگے۔ وہ لوگوں سے علاج و معارف کے ساتھ بہت کر نہیں مانگتے۔“ ۲۴۳: ۲ حضرت مناجاتی احتیاج چھاتے ہیں مگر تکلف پہرے سے کھنکھاتا ہے۔ سختے زحال خویش بسیمائے نوستہ ایم، ان کا فقر عید اس انداز کا ہوتا ہے جس کی ترجائی اقبال نے کی ہے۔

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے بھڑاتے کہ نسیم کو گدلا کے ڈر سے دینے کا نہ تھا بار

ایسے نفوس کے ساتھ خریف ہی سدرک بھی کرتا ہے۔ حضرت عمر بن عثمان کا ملاقاتی شاعر عمر بن کیس ایک بار اپنے پیچھے ہوتے پاس کو با میں چھپائے ہوئے آیا، حضرت عمر نے آستین سے امانہ کر لیا اور اس کی حاجت روائی کی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ واقعہ عمر بن سعد کا تب اور حضرت عمر بن العاص کے درمیان ہوا جبکہ حضرت عمر نے ہزار ہدیم اور سو کپڑوں کی خلعت عطا کی اور احسان شناس شاعر نے شکریہ ادا کیا سیف اللہ جیسے سخن بچ بادشاہ نے تنبی سے ان اشعار پر بغین کر لی تھی، اثنائے عمدہ میں کہ بے کہے دل نہیں مانتا:

ساشکر عملاً ماتراخت منیتی	ایا دی سعد تمنن وان حمی جلدت
میں عمر صبر و عرو کا شکر گزار رہوں گا	ان اگر الفت عطیات پر جن پرا حان نہیں جتا گیا
فتی غیر محبوب الغنی من صدیقیہ	ولا مظهر اللہ کوی اذا لعل زلت
ایا جان کہ اپنے دوست سے کہہ دینے نہیں کھتا	اسا احتیاج کہ وقت کسی سے شکایت نہیں کرتا
رأی خلقتی من حیث یخفی مکناسا	فکانک قد ذی عینہ حتی تجلدت
میرے فکر کو اس نے مخفی نگہ سے جب محسوس کر لیا	تو میرا فقر جب تک دھندہ ہوا اس کے آنکھوں کی کھٹک بن گیا

فالتب مرموم کا ادا توہر لانا حاتی نے لکھا ہے کہ غم گسار سے ہونے ایک ٹیس کے بدن پر پھینٹ کا فرض دیکھ گے تاب ہو گئے اور عین علی کا امانہ اختیار کر کے کہنے لگے آپ کا فرض مجھے بہت پسند ہے چنانچہ اس کے بدلے اپنا قیمتی فرض اُن ٹیس کی نذر کر دیا،

بہذبات غیظ و غضب! استاد ہما۔ مسلمان! غیروں سے دیکھ نہ کرنا جو تمہارے نقصان کے درپے ہے۔ اور تمہاری مصیبت پر غور ہو تمہیں بغض و عناد و تروان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور دلوں کا مخفی خیال تو بہت بڑا ہے۔ ۱۱۷: ۳

بہرہ باطن کا آئینہ ہوتا ہے۔ دل میں جو چھتا ہے وہ اس آئینہ میں بھلک پڑتا ہے۔ تہر و ہر غم و مسرت تمام بہذبات اس میں عکس ڈالتے رہتے ہیں مگر غصہ اور بغض کے ضبط سے نادان و مغرور کے ہرگز بھی کا پھٹنے لگتے ہیں اور غیظ و غضب کا جھاگ منہ سے اُٹا پڑتا ہے۔

محبت فاتح عالم! قرآن نے اپنا پیغام بھی محبت ہی کے خلیعہ دیا ہے اور وہ اس بات کا قائل ہے کہ ”سیئسہ لول میں جا دہے وہ بہت ہے کہ حسن اخلاق سے دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں۔“ لا خالفا الذہ بینک و بینہ عداوتہ کا نہ دلیٰ حتم۔ ”آنحضرت سے خطاب کیا گیا:۔“

”اللہ کی دیکھائی محبت ہی کی وجہ سے آپ نرم طبع ہیں اگر آپ سخت گفتار دے دیتے تو یہ ان کی کبھی آپ کے پاس سے جا چکے ہوتے۔“ انہیں ان کی غلطیوں پر عافانہ اور ان کے لئے استغفار کر لیا کیجئے، شرمہ میں شریک رکھئے اور عذمت کے وقت اللہ پہلے کل کیجئے۔ ۱۵۸: ۳

فردا اور جماعت کا تعلق! اچھے انفرادی سے اچھا معاشرہ وجود میں آتا ہے، جیسے ننگ ننگ کے پہلوں سے چن نارا پہا ہوتا ہے۔ عدت و کثرت، قنطہ و دنیا، مذہب و کفر، فردا اور اجتماع، اپنے تعلقات کی وجہ سے ہر وقت ایک دوسرے کا اثر ڈالتے ہی ہیں، ان سے متاثر بھی ہر کس فرد اپنے اثرات کی ہر گیری کے لحاظ سے جماعت بھی ہے اور جماعت بہ حیثیت ایک اکائی فرد بھی!